چاہِ بابِل

قمر اجنالوی

حمیدی

دُنیا کی سب سے بڑی داستانِ عشق

چاہِ بابل

قمر اجنالوی

مکتبہ القریش
قذافی مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔فون: 7231595۔7352835

حمیدی

"بابل خداوند کے ہاتھ میں سونے کا پیالہ تھا۔ جس نے ساری دنیا کو متوالا کیا۔ قوموں نے اُس کی مے پی، اس لئے وہ دیوانہ ہیں۔"

(عہد نامہ قدیم کتاب یرمیاہ باب 51 نشان 7)

ناشر	:	عبدالحفیظ قریشی
مطبع	:	نیر اسد پرنٹرز لاہور
سن اشاعت	:	2009ء
تعداد	:	600
کمپوزنگ	:	کلائمکس کمپیوٹرز
قیمت	:	-/700 روپے

فون: 7352835۔7231595

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۔

اس تاریخی کتاب کو اپنے غیر معروف
دوست رشید کمبوہ (میاں چنوں) کے نام
معنون کرتا ہوں، جنہوں نے اس کی تحریر
سے عشق کیا۔

قمر اجنالوی

ایک سچا تاریخی ناول

تاریخی ناول ہر زبان میں مدتوں سے لکھے جا رہے ہیں مگر ان ناولوں کی غالب اکثریت صدی، دو صدی یا زیادہ سے زیادہ پانچ سات صدی قبل کی تاریخ سے متعلق ہوتی ہے۔ کسی نے بہت تیر مارا تو ایک ہزار برس پیچھے چلا گیا۔ یہ حوصلہ **قمر اجنالوی** ہی کا تھا کہ وہ آج سے قریب قریب ڈھائی ہزار سال پرانی تاریخ کے دُھندلکوں میں اتر گیا اور ایک ایسے عہد کو اپنے حیرت انگیز ناول کے لئے منتخب کیا جس کے بارے میں معلومات بہت محدود ہیں، البتہ روایات بے شمار ہیں۔ **قمر اجنالوی** کا طریق کار یہ ہے کہ جب وہ تاریخ کا کوئی دور اپنے ناول میں لاتا ہے تو پوری فن کارانہ دیانت داری کے ساتھ ہر ممکن حد تک سچ بولتا ہے جبکہ کم سے کم اُردو کے تاریخی ناولوں کا (اِلّا ماشاء اللہ) طریق کار یہ ہے کہ تاریخ کا چہرہ مسخ کر دیا جاتا ہے اور اتنی مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے مبالغے کے ان پہاڑوں کی باقاعدہ کھدائی کرنی پڑتی ہے۔ ان ناولوں میں ایک ہیرو ایک سو دشمنوں کو تہہ تیغ کرتا ہوا نکلا چلا جاتا ہے اور یہ بہت کم سوچا جاتا ہے کہ یہ ہیرو بھی انسان ہے اور اسے خوارق میں مبتلا نہیں کرنا چاہئے ورنہ اس کے کردار کی ایسی شکل نکل آئے گی جیسے کوئی بڑھیا جوانوں کا سا میک اپ کر کے اینڈتی پھرے۔ **قمر اجنالوی** نے اس ضمن میں بہت احتیاط برتی ہے۔ اور یوں اس کا یہ تاریخی ناول ہمارے یہاں کے فیشن ایبل تاریخی ناولوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سچا اور حقیقت پسندانہ معلوم ہوتا ہے۔

بابل اس ناول کا مرکز ومحور ہے۔ یہ اپنے دور میں دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا مگر پھر وہ تباہی و بربادی کی زد میں آیا اور یوں آیا کہ صفحۂ ہستی پر اس کا کوئی نشان تک باقی نہ رہا۔ نتیجتاً **قمر اجنالوی** کے سامنے بابل کے کھنڈر بھی نہ تھے جن پر وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے ایوان تعمیر کر سکے۔ اور ان ایوانوں اور بازاروں اور معبدوں اور گلیوں میں اپنے ناول کے کرداروں کو متحرک کر سکے۔

بنیادی معلومات کی اس شدید کی نے **قمر** کو مجبور کر دیا کہ وہ دنیا بھر کے علوم وفنون، کتب تاریخ، آثارِ عتیقہ وغیرہ کو کھنگال ڈالے چنانچہ صرف اس ایک ناول کو سچائی اور صداقت سے قریب تر لانے کے لئے اس نے ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کیا اور یوں بابل اور تہذیبِ بابل کے بارے میں اتنی بے شمار معلومات جمع کر لیں کہ شاید ہی کسی ناول نویس نے اپنے موضوع سے متعلق اتنی محنت شاقہ سے کام لیا ہوگا۔

میں نے جب ''چاہِ بابل'' کے بعض حصوں پر جستہ جستہ نظر ڈالی تو مجھے محسوس ہوا کہ **قمر** نے اپنے حاصلِ مطالعہ کو نہایت سلیقے اور قرینے کے ساتھ اپنے ناول میں کھپایا ہے۔ **قمر** کے اس طرزِ عمل میں اتنی بے ساختگی ہے کہ آورد کا کہیں گمان بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہ تاثر بھی کہیں نہیں ملتا کہ وہ خواہ مخواہ اپنی علمیت بگھار رہا ہے اور اپنے قارئین کو کہانی سنانے کی بجائے ان پر رعب گانٹھے جا رہا ہے۔ سچی بات یہ ہے مجھے تو اس ناول کا مطالعہ کرتے ہوئے ایسا لگا ہے جیسے آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے کا ایک تخلیق کار **قمر** کے روپ میں واپس آ کر اپنے آنکھوں دیکھے حالات اور اپنے برتے ہوئے کرداروں کی باتیں سنا رہا ہے جن میں تکلف نام کا بھی نہیں۔ حقائق کا ایک مصفا چشمہ ہے جو ہموار رفتار کے ساتھ بہا چلا جا رہا ہے۔

اس موضوع کے ناول کے لئے وہ زبان اور انداز بیان مناسب نہیں ہو سکتے جن میں آج کل کے حقیقت پسندانہ یا علامت پسندانہ یا تجرید پسندانہ ناول لکھے جا رہے ہیں۔ اس موضوع کے لئے تو بابل کے میناروں اور بُرجوں کی سی پُر شکوہ زبان چاہئے تھی اور وہاں کے ایوانوں کے حُسن و ترتیب کا سارا اسلوب چاہئے تھا۔

قمر اجنالوی نے اپنے ناول کے خاص موضوع کے اس فطری مطالبے کو کمال نفاست اور قدرت سے پورا کیا ہے۔ اس ناول کا صرف ایک جملہ ہی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ اس دور کے کسی واقعے یا کردار سے تعلق رکھتا ہے۔ جب دیوتاؤں اور دیویوں، کاہنوں اور کسبیوں کا سکہ چلتا تھا اور جب انسان اپنی شناخت کے عمل میں مصروف تھا۔

ایک اور اہم نقطہ یہ ہے کہ **قمر** نے ناول کے ہر صفحے پر جو فضا قائم کی ہے اور گرد و پیش کی جو طلسم کاری کی ہے، وہ ایک بڑے فن کار ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اگر یہ فضا قائم نہ

ہوتی تو بابل کا یہ رومان زمین پر قدم جما کر نہ کھڑا ہو سکتا۔ اس فضا آفرینی سے **قمر** نے اس مفہوم کے اظہار میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے جو وہ اپنے قاری تک پہنچانا چاہتا تھا۔

مصنف جگہ جگہ ان کتابوں کے حوالے دیتا چلا گیا ہے جن سے اس نے بابل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے سلسلے میں استفادہ کیا ہے۔ یوں یہ ناول ایک طرح کا حوالہ جاتی ذخیرہ بھی بن جاتا ہے۔ اور جن اصحاب کو بابل کی قدیم تہذیب کی دیگر تفاصیل کا کھوج لگانے کا شوق ہو وہ **قمر** کے دیئے ہوئے ان حوالوں تک پہنچ کر درحقیقت اس دور کے صحیح ماخذ تک پہنچ جائیں گے۔

بابل کا یہ وہ دور تھا جب کسبیاں دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کے معبدوں میں ان کے بتوں کے سامنے ننگا ناچتی تھیں اور ان بتوں کے سائے میں کھلم کھلا اپنی عصمتوں کا نیلام لگایا کرتی تھیں۔ ظاہر ہے اس طرح ناول میں عریاں نگاری کی بڑی گنجائش تھی۔ مگر **قمر** ان نازک اور خطرناک مقامات سے بے داغ انداز میں گزر گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس نے ان عریاں مناظر سے قطع نظر کر لیا ہو۔ ان مناظر کو اس نے ایک ذمہ دار ''مؤرخ فن کار'' کی طرح پیش کر دیا ہے مگر کسی مقام پر بھی اپنے اس منصب سے دست کش نہیں ہوا کہ وہ اپنے معاشرے کا ذمہ دار فرد ہے اور اپنے عصر کے سامنے جواب دہ ہے۔ بابل کے موضوع پر ناول لکھنے والے کے لئے یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں ''چاہِ بابل'' اُردو کے تاریخی ناولوں کے ذخیرے میں ایک بہت اہم اور بہت روشن اضافہ ہے۔ ''اہم'' اس لئے کہ اس موضوع پر یہ پہلا ناول ہے جو معلومہ تاریخ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر لکھا گیا ہے اور ''روشن'' اس لئے کہ یہ ناول آئندہ کے تاریخی ناول نگاروں کے نظریہ و اسلوب میں بھی ایک مثبت انقلاب برپا کرنے کی بنیاد بن سکتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی

(20 مارچ 1985ء لاہور)

تاریخی اور ادبی کارنامہ

''چاہِ بابل'' جناب قمر اجنالوی کا ایک ایسا تاریخی ناول ہے، جسے انہوں نے 35 برس کی طویل ریسرچ کے بعد قلم بند کیا اور جس کی خاطر وہ آسمانی صحائف، تالمود، تفاسیر اور احادیث کے علاوہ مشرق و مغرب کی ہزاروں قدیم و جدید کتابوں کا بڑی عرق ریزی سے مطالعہ کرتے رہے اور تاریخ کے کھنڈروں سے ایک ایسا گمشدہ دور، ایک ایسا معاشرہ اور ایک ایسی داستان لے کر نکلے جس کے بارے میں لوگوں نے کچھ روایات ہی سن رکھی تھیں مگر قمر صاحب نے بابل اور اس کی تہذیب کا نقشہ اس طرح کھینچا کہ ہمیں ''چاہِ بابل'' کے کینوس پر وہ دیو مالائی شہر زندہ نظر آتا ہے۔

اس کتاب میں تاریخ کے ساتھ متھ اور دیو مالا نے حقیقت اور سچائی کا رُوپ دھار لیا ہے کیونکہ کلدانیوں کی بُت پرستی کے علاوہ اُن کا اصنامی فلسفہ، بُت پرستی کا اوہامی پس منظر، اُن کے دیو مالائی عقائد اور اس معاشرہ کی صحیح عکاسی بھی اس طرح کی گئی ہے کہ قاری مصنف کے ساتھ ڈھائی ہزار سال قبل کے بابل اور اس کے بازاروں، کوچوں اور گلیوں میں پہنچ جاتا ہے۔

''چاہِ بابل'' اپنی تاریخی اور تحقیقی نوعیت کے اعتبار سے عالمی ادب میں بھی ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتا ہے۔ اور اس کا انگریزی ایڈیشن پوری دنیا میں مقبول ہو گا۔ اُردو ادب کے ماہروں اور نقادوں نے اس تصنیف کو قمر صاحب کا تاریخی اور ادبی کارنامہ قرار دیا ہے۔ فی الواقع یہ ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے جس پر اُردو ادب ہمیشہ ناز کرے گا۔

انوار قمر
میگزین ایڈیٹر روزنامہ ''مغربی پاکستان'' لاہور

آغازِ داستان

اِبتدائیہ

اے اقوامِ عالم ____!

اے رُوئے زمین پر بسنے والے لوگو!!

ذرا کان لگا کر اور دھیان سے سنو، یہ دیوتاؤں کے شہر بابل کی داستان ہے۔

عروس البلاد بابل ____ شہروں کی دُلہن ____ حُسن و جمال کی سرزمین جسے ''فاحشہ اقوام'' کا الہامی لقب دیا گیا۔

یہ دجلہ و فرات کے دوابہ عراق کی لذت آفرین اور عشق انگیز کہانی ہے جسے مؤرخ کالدیا کے نام سے یاد کرتے ہیں اور عبرانی صحائف ''کسدیوں کا ملک'' قرار دیتے ہیں۔

آج کالدیا صفحۂ ہستی سے نابود ہو چکا اور بابل فقط کھنڈروں اور اُونچے نیچے ٹیلوں کا ایک ڈھیر ہے جہاں ماضی کی ویرانیاں بستی ہیں۔ لیکن چھٹی صدی قبل مسیح، کالدیا ایک طاقتور ملک اور بابل دُنیا کا ایک عظیم شہر تھا جس کی عظمت و جبروت، اقبال مندی اور اصنام پرستی کی مثال پورے کرۂ عرض پر کہیں نہ ملتی تھی۔

اسی سرزمین پر یکے بعد دیگرے سمیری، عموری، حطّی، اشوری اور کلدانی تہذیبوں کے چراغ روشن ہوئے۔

اسی شہرِ عجائبات کی عظیم الرفعت دیواروں پر نمرود، حمورابی، یوسیفر، ملکہ سمیرامیس، سارگن اور بخت نصر ایسے جابر و قاہر حکمرانوں نے اپنی فتوحات اور ذاتی عظمت کے کارنامے کندہ کرائے اور اسی دوابۂ عراق سے نکل کر کلدانی لشکروں نے نہ صرف عراقِ عجم، آرمینیا، شام، لبنان، فلسطین اور ارضِ حجاز کو روند ڈالا بلکہ مشرقِ وسطیٰ کا حکمرانی کا تاج اپنے سر پر رکھا تھا۔

عظیم بابل ـــــ لاکھوں انسانوں کا شہر ـــــ جس کے سامنے نینوا اور ممفس کی رونقیں ہیچ ہوگئی تھیں، اپنے سربفلک مخروطی میناروں، کوہ وقار عمارتوں، معلق باغوں، اُونچے اُونچے مندروں، مہیب صنم کدوں اور بلند و بالا فصیلوں کی وجہ سے عجائباتِ عالم کا مرکز اور سحر و طلسمات کا منبعٔ اعظم سمجھا جاتا تھا۔

جس کے ماہرینِ عملیات، ساحر اور جادوگر تصفیۂ خیال اور تخلیۂ رُوح میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

جہاں ستاروں کی گردش و رفتار کے حساب دانوں، بروجِ سماوی کے ماہروں اور اسرارِ غیب کی پیچیدہ و کشیدہ منزلوں کے رہنماؤں نے ستاروں کے تصرفاتِ روحانی کے رمز دریافت کئے تھے۔

جہاں بُت پرستی انسان کی تہذیب اور دیوی دیوتاؤں کے فرضی وصل و اختلاط کی شہوت انگیزی مذہب کا جزو بن گئی تھی۔

جس کی کنواریاں اور ''پیاریاں'' مندروں میں سرتاپا برہنہ ہوکر دیوتاؤں کے حضور رقصِ عریاں کے ہدیئے پیش کرتی تھیں کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ دیوی دیوتا کائنات کے نادیدہ گوشوں میں چھپ کر اُن کے برہنہ جسم کے نشیب و فراز اور رقص کے بھاؤ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں پھر ان کی دلی خواہشیں پوری کرتے ہیں۔

ہاں یہ اُسی بابل، اُسی وادیٔ لذت و عیش کا سراپا ہے جو ''مملکتوں کی خاتون'' کہلاتی اور دیوتاؤں کی محبوبہ سمجھی جاتی تھی۔

جس کی کنواریاں محض دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی دوشیزگی لٹا دیتی تھیں کیونکہ کنوار پن ایک ایسا سرمایۂ جمال تھا جسے لٹتے ہوئے دیکھ کر دیوی خوش ہوتی تھی۔

یہ کلدانیوں کی عظمت و شوکت کی تاریخ بھی ہے اور بابل کے دینِ اصنام کی حکایتِ گناہ بھی۔ ہاروت و ماروت کی عجیب و غریب کہانی بھی ہے اور دُنیا کی وہ عظیم داستانِ عشق بھی جس سے بڑا، انوکھا اور حیرت انگیز سانحہ محبت کی تاریخ میں آج تک رُونما نہیں ہوا۔

یہ عظیم مملکتِ کالدیا کے خلاف دُنیا کے پہلے کسریٰ کورش کی یلغار اور یہود کی خفیہ سرگرمیوں کی ایک رُوداد ہے جو اُن دنوں بابل میں غلامی اور محکومی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

بابل ـــــ سحر و طلسم کی دُنیا۔

گناہ اور لذت کی بھٹی۔

خوابوں کی حسینہ۔

مندروں کی دیوداسی۔

قوموں کی ملکہ...... شہروں کی دُلہن۔

جو حشمت و دولت کا عروسی جوڑا زیبِ تن کئے اقبال کی بلندیوں پر محوِ نشاط تھی۔ یک لخت ان بلندیوں سے گری اور اُس کے حُسن و جمال کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اس کی کلائیوں کے گجرے ٹوٹ کر بکھر گئے۔ چہرے کے خوش رنگ نقاب نوچ لئے گئے اور حسین بدن سے عروسی چادر کھینچ لی گئی۔ ہاں، یہ اسی طرح ہوا جیسے یسعیاہ نبی نے بہت عرصہ قبل اس کے بارے میں کہا تھا:

''اے کنواری دُخترِ بابل ـــــ! اُتر آ اور خاک پر بیٹھ۔

اے کسدیوں کی دُختر! تُو بے تخت زمین پر بیٹھ کیونکہ اب تُو نرم انداز اور نازنین نہیں کہلائے گی۔

چکی لے اور آٹا پیس۔

اپنا نقاب اُتار اور دامن سمیٹ لے۔

ٹانگیں ننگی کر کے ندیوں کو عبور کر۔

تیرا بدن بے پردہ کیا جائے گا بلکہ تیرا ستر بھی دیکھا جائے گا۔

اے کسدیوں کی بیٹی! چپ ہو کر بیٹھ اور اندھیرے میں داخل ہو کیونکہ اب تُو مملکتوں کی خاتون نہیں کہلائے گی۔''[1]

❁

''اور بابل جو مملکتوں کی حشمت اور کسدیوں کی بزرگی کی رونق ہے، سدوم و عمورہ کی مانند ہو جائے گا جن کو خدا نے اُلٹ دیا۔ وہ ابد تک آباد نہ ہوگا اور پشت در پشت اس میں کوئی نہ بسے گا۔

وہاں ہرگز عرب خیمے نہ لگائیں گے اور وہاں گڈریے گلّوں کو نہ بٹھائیں گے، پر بَن کے خونخوار درندے وہاں بیٹھیں گے اور ان کے گھروں میں اُلّو بھرے ہوں گے۔

[1] عہد نامہ قدیم۔ کتابِ یسعیاہ باب 47

وہاں شُتر مرغ بسیں گے اور چھگانس وہاں ناچیں گے اور گیدڑ ان کے عالی شان مکانوں میں اور بھیڑیے اُن کے رنگ محلوں میں چلّائیں گے۔"

❁

"قوموں میں اعلان کرو،
اشتہار دو اور جھنڈا کھڑا کرو،
منادی کرو، پوشیدہ نہ رکھو،
کہہ دو کہ بابل لے لیا گیا اور بیل رُسوا ہوا۔
مردوک سراسیمہ ہوا اور اس کے بت خجل ہوئے۔
اُس کی مورتیں توڑ دی گئیں۔"[1]

❁

تو یہ اُسی بابل اور بابل کے اُنہی دیوتاؤں، مندروں، شاہی ایوانوں، بازاروں، بیسواؤں کے حجروں اور عشرت کدوں کی کہانی ہے جو آج پیوندِ زمین ہو چکے لیکن اڑھائی ہزار سال قبل مسیح لاکھوں دلوں کی دھڑکن تھے۔

ماضی[2] کی تاریخ میں بابل سے بڑا کوئی شہر نظر نہیں آتا جس کی آبادی ساٹھ لاکھ انسانوں پر مشتمل تھی، اور کرۂ ارض پر بابل کی اس داستانِ عشق سے بڑی محبت کی کوئی دوسری کہانی دکھائی نہیں دیتی جس نے انسان کے ذوقِ جمال کی رہنمائی کی۔

یہ دنیا کے سب سے بڑے شہرِ اصنام بابل کی رُودادِ جمال ہے۔

یہ دُنیا کی سب سے بڑی داستانِ محبت ہے جو ایک سراپا جمال عورت اور ایک سراپا عشق نوجوانوں کے عجیب وغریب ٹکراؤ سے پیدا ہوئی اور محبت کی تاریخ بن گئی۔

جب زمین اور آسمان گلے ملتے ہیں تو شام ہو جاتی ہے۔ مگر جب حُسن و عشق باہم ٹکراتے ہیں تو ایک نئی صبح طلوع ہوتی ہے یہ اسی صبحِ محبت اور شامِ زندگی کی کہانی ہے جس نے دنیا کی ہولناک ترین عقوبت گاہ ــــــ چاہِ بابل کے اندھیروں میں جنم لیا۔

❁

---

[1] کتاب یرمیاہ باب 50

[2] یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس اس دور میں بابل کی آبادی ساٹھ لاکھ بیان کرتا ہے۔

(1)

بابل کا غیب دان

◎

بابل کا دانائے غیب اور کالدیا کے سب سے بڑے معبود بل مردوک[1] کے موروثی جانشینوں اور عظیم کاہنوں کی مجلسِ قومی کا روحانی پیشوا گوما جس کی پُر حکمت باتیں سننے کے لئے لوگ اکثر گوش بر آواز رہتے تھے، یک لخت قوتِ گویائی سے محروم ہو گیا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ناقابلِ فہم سکوت کی مُہر لگ گئی تھی۔

شروع شروع میں لوگوں نے یہی سمجھا کہ مقدس گوما نے ایرانی حملے کے خلاف دیوتاؤں کی غیبی مدد حاصل کرنے کے لئے "چپ کا روزہ" رکھا ہے کیونکہ فارس کے ہخامنشی خاندان کا بادشاہ کورش کالدیا کی سرحدی ریاستوں کو فتح کرتا ہوا بابل پر چڑھ آیا تھا اور دیوتاؤں کے اس شہر میں زندگی کی سرمستیاں ماند پڑ گئی تھیں۔ لیکن جب مقدس گوما کی پُراسرار خاموشی طویل ہوتی چلی گئی، لوگوں میں تشویش بھی بڑھ گئی۔ آخر معبدِ اشتر کے کاہن اعظم اشمیدی نے یہ اعلان کر کے اہلِ بابل کو محوِ حیرت کر دیا کہ فرات کا دانائے راز اب کبھی کلام نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ وہ نُطق سے محروم ہو گیا ہے۔

یہ انتہائی تعجب انگیز اور لرزہ خیز سانحہ تھا جس نے پورے شہر میں اضطراب اور رنج والم

---

[1] بابل کے دینِ اصنام میں بل سورج کا مظہر اور حیات وموت کی قوتوں کا سرچشمہ تھا۔ مردوک زمین پر انسان کی تخلیق کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اُن کے انضمام سے "بل مردوک" کا ظہور ہوا جس میں دونوں کی طاقت جمع ہو گئی تھی۔ (ضمیاتِ بابل)

کی لہر دوڑا دی۔ گوما کے عقیدت مند بڑے افسردہ تھے اور عام لوگ حیران و پریشان کیونکہ آج تک ایسی عجیب اور انہونی بات دیکھنے میں نہ آئی تھی کہ ایک بھلے چنگے، چلتے پھرتے، ہنستے بولتے آدمی کی زبان اچانک بند ہو جائے اور پھر اس کی گویائی لوٹانے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکے۔

مقدس گوما بابل کا روحانی پیشوا ہی نہیں بلکہ علمِ فلکیات میں مشہور مصری حکیم انوفس[1] کا شاگرد اور اس کے بعد نجوم کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ فضیلت بھی صرف اسی کو حاصل تھی کہ وہ راتوں کو بل مردوک کی رفیع و عظیم ہیکل زیگورات کی ساتویں منزل پر بیٹھ کر آسمان کا مشاہدہ کرتا، ستاروں کے رُوحانی تصرفات کا جائزہ لیتا، غیب کی باتیں بتاتا اور مستقبل کی خبریں دیتا تھا مگر وہ خود ایک ایسی خبر بن گیا تھا جس نے دلوں کا سکون چھین لیا۔

بابل میں ہر طرف اس کی خاموشی پر چہ میگوئیاں ہوتی تھیں۔

دانائے غیب کی صرف گویائی سلب نہ ہوئی تھی بلکہ وہ ہیکلِ بل کی بلند ترین رصد گاہ کو چھوڑ کر جسے ''منارۂ بابل'' بھی کہتے تھے بیرونی فصیل ''ایمگور بل'' کے بابِ ایلہ کی ڈیوڑھی میں ایک چبوترے پر آ بیٹھا تھا جہاں فرات کی دریائی بندرگاہ پر آنے جانے والے مسافروں، تاجروں، آڑھتیوں اور عاشق مزاج نوجوانوں کا میلہ سا لگا رہتا تھا کیونکہ کسبیاں بھی عموماً بندرگاہ ہی پر گاہک تلاش کرتی تھیں۔ سب سے عجیب بات یہ تھی محرومِ نطق گوما وہاں گم صم اور مہر بہ لب بیٹھا آنے جانے والوں کو یوں گھورتا رہتا جیسے کسی کا متلاشی ہو لیکن کوئی نہ جانتا تھا اُسے کس کی تلاش ہے، وہ کسے ڈھونڈ رہا ہے؟

اُس کی آنکھوں کے گوشوں سے ہر وقت حیرت سی جھانکتی اور صورت پر دیوانگی برستی تھی۔

وہ دیکھتا لیکن بولتا نہ تھا۔

سنتا مگر جواب نہ دیتا تھا۔

1. چھٹی صدی قبل مسیح جب یونان کا دانشور فیثا غورث علوم مخفی کی تحصیل کے لئے مصر پہنچا تو متعصب مصری منجموں نے اُسے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ لیکن ہیلیو پولس (عین الشمس) کے منجم انوفس نے اُسے یہ مخفی علم سکھا دیا جس پر مصری پروہت انوفس کی جان کے دشمن بن گئے۔ وہ مصر سے بھاگ کر بابل میں آ گیا جہاں منارۂ بابل کی رصد گاہ میں بیٹھ کر کلدانی عالموں کو علمِ نجوم سکھاتا رہا۔ (جرمن محقق پروفیسر جارج ایبرس)

اس کی خاموشی سربستہ راز اور کسی آنے والے عذاب کا غیبی اشارہ سمجھی جا رہی تھی۔

ہیکل بل مردوک کے کاہنوں، معبدوں کے پروہتوں، مندر کے پجاریوں نے دیوتاؤں کے حضور بخورات جلائے کہ بابل پر آنے والی مصیبت ٹل جائے۔

گوما کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے بل مردوک کے علاوہ ربِ شماس، اشتر، ن، پراتو، نیب، نسروک، نرقال، ایشتار اور انلیل جیسے دیوی دیوتاؤں اور الٰہوں سے التجائیں کیں کہ اگر کسی مخفی طاقت نے ان کے استاد کی گویائی چھین لی ہے تو دیوتا اپنے کرم سے واپس کر دیں۔ لیکن یہ التجائیں قبول نہ ہو سکیں۔

بازارِ عیش کی کسبیوں اور صنم کدوں کی دیوداسیوں نے ''دعائیہ رقص'' کئے لیکن دیوتاؤں کے بہرے کانوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔

ربۂ قمر کی کنواریاں اور ربۂ زہرہ کی ''پیاریاں'' قیمتی ہدیے اور دیویوں کے تبرکات لے کر حاضر ہوئیں مگر بزرگ گوما کے ہونٹوں کی مُہرِ سکوت نہ ٹوٹ سکی۔

باغاتِ معلقہ کی سب سے حسین، سب سے با اثر شہزادی شمورہ خود پرسشِ احوال کو آئی پھر بھی دانائے فرات کی زبان نہ کھل سکی۔

''شاہِ غائب'' بنونید نے جو اکثر آثارِ قدیمہ کے نوادرات میں گم رہتا اور شاہی محل سے شاذ و نادر ہی باہر نکلتا تھا اپنے خاص قاصد بھیج کر دولتِ کالدیہ کے غیب دان کی خیریت طلب کی اور اچانک سکوت کی وجہ پوچھی۔ لیکن بادشاہ بھی جواب سے محروم رہا۔

فرزندِ بنونید ولی عہد بیلشازار نے جو بادشاہ کے ایامِ اعتکاف و رُوپوشی میں دربار لگاتا، تختِ اثور پر بیٹھا اور ''شاہِ حاضر'' کہلاتا تھا، پیغام بھیجا کہ اگر وہ بیمار ہے تو علاج کے لئے شاہی طبیب حاضر ہیں۔ اگر کوئی خاص مدعا ہے تو بیان کرے اسے پورا کر دیا جائے گا۔ مگر وہاں تو ہر سوال کے جواب میں ایک ہی خاموشی تھی اور یہی خاموشی ایک معمہ بن گئی۔

بابل اگر طلسمات و عجائبات کا شہر تھا تو اس کے پیکر میں دوڑتی ہوئی روحِ فرات کا نام گوما تھا۔ اس لئے جب اُس کی قوتِ گویائی سلب ہوئی تو لوگوں کو یوں محسوس ہوا جیسے لاکھوں باشندوں کا شہر بابل حکمت و دانش سے محروم ہو گیا ہے۔

دربارِ اساگیلہ کے وقائع نویسوں نے مٹی کی تختیوں پر یہ خبر خطِ میخی[1] میں یوں رقم کی۔

''ماہ کسلیو کی پہلی تاریخ کو مقدس حکیم گوما نے چپ کا روزہ رکھا اور ہیکلِ مردوک کی رصدگاہ سے نکل کر بیرونی فصیل ایمگور بل کے بابِ ایلہ پر آ بیٹھا۔ معبدِ اشتر کے کاہن اشمیدی نے ولی عہد کو بتایا دیوتاؤں نے گوما کو قوتِ گفتار سے محروم کر دیا ہے لیکن معبد اکور کا کاہنِ اعظم زرنیہ اس مسئلے پر خاموش ہے اور کوئی رائے دینے سے معذوری ظاہر کرتا ہے۔ بابل کی تاریخ میں یہ واقعہ ایرانیوں کے حملے سے زیادہ تشویش انگیز خیال کیا جاتا ہے جس نے لوگوں کو ہراساں کر دیا ہے۔''

ایرانیوں کا حملہ کلدانی تاریخ کا سب سے اہم اور خطرناک واقعہ تھا۔ کورش ہخامنشی جو فارس، عراق، عجم، آرمینیا، باختریا، اناطولیہ اور ہندوستان کے بعض شمالی علاقے فتح کر کے شہنشاہ اور کسریٰ بن گیا تھا جب 540 قبل مسیح مشرقی مہم سے لوٹا تو بعض سرداروں کے مشورے پر اس نے سلطنت کالدیا پر حملہ کیا اور کلدانی و شامی لشکروں کو شکست پر شکست دیتا ہوا بابل پر چڑھ آیا تھا۔ لیکن بابل کی نیرنگِ زمانہ اور عجوبۂ عالم فصیل کو سر کرنا قوتِ انسانی سے بعید تھا جسے لوگ ایمگور بل یعنی ''دیوتاؤں کی دیوار'' کہتے تھے۔

ایمگور بل[2] 350 فٹ اونچی اور 87 فٹ چوڑی تھی جس کی بلند و بالا سطح پر کئی رتھ پہلو بہ پہلو دوڑتے تھے۔ اس فصیل کا محیط ساٹھ میل تھا جس کا ہر طول اور عرض پندرہ میل تھا۔ اس عظیم الرفعت شہر پناہ پر جگہ جگہ دو سو پچاس کوہ پیکر بُرج اور ایک سو دیو ہیکل برنجی دروازے

---

[1] مصریوں کے خطِ تصویری (ہیروغلافی) کے مقابلے میں سمیریوں نے خطِ مثلث یا خطِ میخی ایجاد کیا جو بہت مشکل تھا۔ اس کے باوجود سمیری، کلدانی، شامی اور اہلِ فارس یہی خط استعمال کرتے تھے۔ نمونہ یہ ہے۔ ◁ ▽ ◁ < ⊳ ب، گ، ا، بگا۔ قدیم فارسی میں بمعنی ''خدا''

(کتبۂ بے ستوں سے ماخوذ از ایران نامہ مصنفہ مرزا عباس علی شوستری)

[2] مرزا عباس علی شوستری کے ''ایران نامہ'' اور ''ونڈرس آف دی پاسٹ'' میں ایمگور بل کی وہی بلندی اور چوڑائی بتائی گئی ہے جو ہم نے درج کی ہے۔ یعنی ہیروڈوٹس بلندی 200 کیوبٹ یعنی 300 فٹ اور چوڑائی 50 کیوبٹ یعنی 75 فٹ بتاتا ہے۔ اس نے اس فصیل کا محیط 480 فرلانگ (60 میل) لکھا ہے۔ ٹاکٹس پلینی اور سولینس بھی یہ محیط رومی میلوں کے حساب سے ساٹھ میل بیان کرتے ہیں البتہ یونانی مورخ اسٹرابو یہ محیط 385 فرلانگ تقریباً 48 میل بیان کرتا ہے۔

تھے۔ دروازے موٹے فولاد کے تھے۔ ان پر پیتل کے دبیز پترے چڑھے تھے جنہیں ٹوپی دار کیلوں سے پیوست کیا گیا تھا۔

کورش نے اس ناقابلِ تسخیر شہر پناہ کا محاصرہ ڈال دیا۔ سیپار میں شکست کھانے کے باوجود بیلشازار کی فوجیں مقابلے کے لئے تیار تھیں۔ دشمن کی یلغار روکنے کے لئے ایمگور بل پر تیل کے بڑے بڑے کڑاہے اور پتھروں کے انبار جمع تھے تاکہ شہر پناہ کی بلندی سے حملہ آور فوج پر کھولتے ہوئے تیل، آگ اور پتھروں کی بارش برسائی جا سکے۔ 350 فٹ اُونچی فصیل پر کھڑے ہو کر جہاں سے ہر شے کیڑے مکوڑوں کی طرح حقیر و کمتر نظر آتی تھی، کلدانی افسروں نے کورش کے لشکروں کا تمسخر اُڑایا اور کہا۔

''ایرانیو[1]! یہاں کیا لینے آئے ہو؟ اس شہر کی حفاظت دیوتا کرتے ہیں۔ تم ایمگور بل کے پتھروں سے سر ٹکرا کر مر تو سکتے ہو لیکن اسے فتح نہیں کر سکتے۔''

اور یہ بات کچھ غلط نہ تھی۔ اتنی بلند اور چوڑی فصیل سر کرنا کسی انسانی لشکر کے بس میں نہ تھا۔ کورش نے ہخامنشی سرداروں اور اس مہم کے خاص سالاروں گوبارو (گاؤبردا) اور گانداتاز سے مشورہ کر کے شہر کا محاصرہ اٹھا لیا اور کئی ماہ کی ناکام کوشش کے بعد لشکروں کو لے کر شمال مغرب کی طرف جھیل سی رامیس پر چلا گیا۔ جہاں سردار حنانی کے خفیہ گماشتوں اور ریموت کے جاسوسوں کے بقول ایرانی سپاہی کھیل تماشوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

تو یہ سب کچھ ہو گزرا تھا اور ان واقعات کے بعد دانائے فرات کی گویائی سلب ہوئی تھی یا اُس نے ''چپ کا روزہ'' رکھا تھا۔ جیسا کہ دربارِ اساگیلہ کے وقائع نویسوں نے یہ خبر مٹی کی الواح پر لکھی تھی تاکہ انہیں آگ میں پختہ کرنے کے بعد دفترِ شاہی میں رکھا جا سکے۔

ان کے نزدیک یہ سب کچھ ایرانیوں کے حملے اور محاصرے سے زیادہ دہشت انگیز تھا۔

کوئی نہ جانتا تھا ان پُرخطر ایام میں جب ایرانی لشکر بابل سے پندرہ سولہ میل دور جھیل سیرامیس پر چھاؤنی ڈالے بیٹھے تھے، مقدس گوما باب ایلہ پر کیوں آ بیٹھا ہے جو ''رب بل کی چوکھٹ'' کہلاتا ہے۔

کیا وہ بابل پر آنے والی کسی مصیبت کے بارے میں دیوتاؤں اور الہوں کے اشارۂ غیبی کا منتظر ہے یا اُسے کسی ایسے مردِ اسرار کا انتظار ہے جو فتح کی نوید لے کر آیا چاہتا ہے۔

---

[1] مرزا عباس علی شوستری نے ''ایران نامہ'' میں بعینہ یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔

بیلشازار کے فوجی جوان ابھی تک پوری طرح چوکس و چوبند تھے۔ شہر پناہ سے باہر فرات کی دریائی بندرگاہ کے پورے علاقے اور مضافاتی بستیوں پر بھی سپاہیوں کی کڑی نظر تھی۔ جہاں غلّے، کپڑے، زیتون، کھجور، انگور کی شرابوں اور دیگر اجناس کے تاجر پھرتے تھے اور زمانۂ جنگ میں بھی لوگوں کا ہجوم سا رہتا تھا۔ جاسوس اور خفیہ گماشتے بیرونِ شہر ــــ دیہات میں گھوم پھر کر دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے اور کوئی اجنبی شہر میں داخل نہ ہوسکتا تھا۔ پھر فتح کی نوید لے کر کون آتا؟

اس واقعے پر دن، ہفتے، مہینے گزرتے چلے گئے مگر مقدس گوما کی مُہرِ سکوت نہ ٹوٹی۔ اب تو چوتھا مہینہ ختم ہو رہا تھا اور لوگ سوچنے لگے تھے کہ فکر و تشویش سے کیا حاصل؟ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ البتہ فال نکالنے اور خوابوں کی تعبیر بتانے والے حکیموں، جادو ٹونا کرنے اور کالا علم جاننے والے جادوگروں، اسرارِ مخفی کے غیب دانوں، پانسہ پھینکنے والے ماہروں، بھوت پریت اور جنات کے روحانی عاملوں، اشکالِ نجوم کے درمیان اُن کی منزلیں دیکھنے اور فاصلوں کی پیمائش کرنے والے ستارہ شناسوں اور ہیکلوں، معبدوں، مندروں میں بھجن گانے والے کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں میں اب بھی قیاس آرائیاں ہوتی تھیں۔

کوئی سمجھتا اُس پر کسی طاقت ور آسیب کا سایہ ہے جس نے قوتِ گفتار چھین لی ہے۔

کسی نے یہ افواہ اُڑا دی تھی کہ بل مردوک اس سے ناراض ہو چکا ہے۔

کوئی اس یقین کا اظہار کرتا تھا کہ ربِ شماس نے اس پر اپنا عتاب نازل کیا ہے۔

کسی کا خیال تھا کہ شامی "ساحروں" ہاروت[1] ماروت نے اُس پر جادو پھونک دیا ہے۔

---

[1] ہاروت اور ماروت کو قرآن میں "ملکین" کہا گیا ہے۔ ابنِ جریر، ابنِ کثیر، ابنِ منذر، ابنِ ابی حاتم، ابنِ مردویہ، ثعلبی، واحدی، زاہدی اور سیوطی وغیرہم انہیں فرشتے قرار دیتے ہیں۔ بعض مفسرین نے انہیں فرشتہ صفت انسان لکھا ہے۔ قرآن میں حضرت یوسفؑ کو بھی فرشتہ بیان کیا گیا ہے۔ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (سورہ یوسف۔ رکوع 4) مگر حضرت یوسفؑ فرشتہ نہیں، انسان تھے۔ حسن، ضحاک اور ابنِ عباس ہاروت ماروت کو بادشاہ سمجھتے تھے۔ قرطبی نے "ملکین" سے جبرائیل اور میکائیل مراد لئے ہیں۔ بعض مفسرین نے ان الفاظ کا اطلاق داوٗد و سلیمانؑ پر کیا ہے۔ بعض ہاروت و ماروت کو دو قبیلے بھی قرار دیتے ہیں۔ سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر میں انہیں شامی امیر لکھا ہے۔ تفسیرِ کبیر میں ہاروت ماروت صفاتی نام ظاہر کئے گئے ہیں۔ ان کے اصل نام یحییٰ نبی اور ذکریا بن یہودا ہیں۔ دونوں بنی اسرائیل سے تھے۔

ہر شخص نے بزرگ گوما کی خاموشی کو اپنے ہی خیال کے معنی پہنائے تھے لیکن وہ خاموشی ایسی تھی جس نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا اور وہ حیران تھے۔

آخر ارضِ کالدیا کا غیب داں بولتا کیوں نہیں؟

ستاروں کا محرمِ راز آسمان کے سینے میں چھپے ہوئے اسرار کیوں فاش نہیں کرتا؟

دجلہ[1] و فرات کا عظیم دانش ور کیوں نہیں بتاتا کہ بابل پر کون سی ناگہانی آفت ٹوٹنے والی ہے؟

شہر کی وہ رونقیں جو ایامِ محاصرہ میں ماند پڑ گئی تھیں وقت کے ساتھ ساتھ پھر لوٹ آئی تھیں۔ عیش و عشرت کے ہنگامے پھر جاگ اٹھے تھے۔ دریائی بندرگاہ پر کسبیوں کی آمد و رفت پھر جاری ہو گئی تھی۔ شہوانی دیوی و دیوتاؤں کے مندروں میں وصل و اختلاط کی خواہش رکھنے والے نوجواں جوڑوں کی حاضری بڑھ گئی تھی لیکن نہر کبار کے ساتھ ساتھ عبرانی غلاموں کی بستی "تل ابیب" پر مایوسیوں کے سائے کچھ اور طویل ہو گئے تھے کیونکہ کورش بابل پر فیصلہ کن حملہ کئے بغیر آگے بڑھ گیا اور اس کے لشکر کئی میل دور جھیل سمیرامیس کے کنارے تفریحات میں مشغول تھے۔ اس صورتِ حال نے عبرانیوں کو مایوس کر دیا تھا اور وہ اپنے تاریک عبادت خانے میں آہوں اور سسکیوں کے درمیان رب الافواج کو یاد کرتے تھے کہ وہ کب انہیں کلدانیوں کی غلامی سے نجات دلائے گا۔

دریائے فرات پر دوبارہ چہل پہل نظر آنے لگی تھی۔ سوداگر، تاجر، آڑھتیے، ملاح اور مزدور بہت مصروف دکھائی دیتے تھے کیونکہ قرب و جوار کی بستیوں سے اشیائے ضرورت شہر میں منتقل کی جا رہی تھیں۔ دریائی کشتیوں کے علاوہ اونٹوں اور گدھوں پر بھی سامان ڈھویا جا رہا تھا۔ اشیاء کے ذخیرے کئے جا رہے تھے کہ کیا معلوم ایرانی لشکر کب شہر کو دوبارہ گھیر لیں۔ جنگ کے خطرے ابھی تک بابل پر منڈلا رہے تھے۔ چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئی تھیں۔ لوگ پریشان تھے لیکن مقدس گوما بدستور خاموش تھا۔

وہ سارا سارا دن بابِ ایلہ کے چبوترے پر گم صم بیٹھا رہتا۔ چار ماہ گزر جانے کے بعد بھی اس کی تھکی تھکی سی نظریں کسی نادیدہ ہستی کی متلاشی تھیں مگر آنے والا ابھی تک نہ آیا تھا اور کیا خبر اب وہ کبھی نہ آئے۔ اس کی مسلسل خاموشی اسی بات کی غماز تھی۔ شاید اسی لئے

---

[1] اہلِ بابل دریائے دجلہ کو دِکلتہ اور فرات کو پراتو کہتے تھے۔ (ہینڈرک وان لون سے)

بوڑھا گوما کبھی کبھی مایوس و دل شکستہ ہو کر گھٹنوں پر سر رکھ لیتا اور آنکھیں بند کر کے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا تھا۔

کاہن، پروہت، پجاری، جادوگر، عامل، فال گیر، نجومی بدستور اُس کی حالت پر قیاس آرائیاں کرتے اور اُس کے پُراسرار سکوت کو کسی اہم اور خطرناک واقعے کا پیش خیمہ قرار دیتے تھے۔

کسبیاں، طوائفیں اور اُن کی ''پیاریاں''[1] ہر وقت مقدس گوما کا خیال رکھتیں اور جب بندرگاہ کی سیر سے تنہا یا گاہکوں کو ساتھ لے کر لوٹتیں تو اُس کے چبوترے پر کھانے پینے کی اشیاء رکھ آتی تھیں۔ گناہگار عورتیں طبعاً رحم دل اور عقیدت گزار ہوتی اور بزرگانِ روحانی کی خدمت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی عقیدت میں کوئی فرق نہ آیا تھا اور وہ بدستور اپنے ہدیے اور نذرانے لے کر آتی تھیں۔

گوشہ نشینی اور خاموشی کے ان ایام میں ایک نیولا بوڑھے سفید ریش کا ساتھی اور اس کی دل بستگی کا واحد ذریعہ تھا جو دو سال قبل ''پراتو'' کے چڑھاوے میں آیا اور گوما سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑتا تھا۔ مقدس نیولا اُس کا محافظ و نگران بھی تھا۔

جب بوڑھا کبھی کبھار آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلا جاتا تو نیولا اس کے کندھے پر بیٹھ کر ٹکر ٹکر اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا تھا جیسے اپنے مالک کی حفاظت کا فرض ادا کر رہا ہو۔

1۔ بڑی بڑی امیر طوائفیں نوجوان کنواری لڑکیوں کو ملازم رکھتیں اور انہیں اپنے ساتھ سلاتی تھیں۔ یہ لڑکیاں ''پیاریاں'' کہلاتی تھیں۔

(2)

دُخترِ بابل کا دُولہا

◎

زرد صحراؤں پر چمکنے والا سورج ارضِ فرات سے رخصت ہو رہا تھا اور بابل کی شام اپنی سرمئی زلفیں کھول رہی تھی جب ایک خوش شکل نوجوان تاجروں اور آڑھتیوں کی ایک ٹولی کے پیچھے پیچھے خندق کا پُل عبور کر کے بابِ ایلہ کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔

اُس کے بدن پر کتان کا کُرتہ تھا جس کی آستینیں نہ تھیں۔ بازوؤں پر چرمی بازوبند تھے۔ کمر میں سرخ پٹی اور پشت پر ایک قیمتی عبا لٹک رہی تھی۔ اپنے لباس سے وہ کالدیا کی کسی ریاست کا امیر زادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا چوڑا سینہ، بھرے بھرے شانے اور سڈول بازوؤں کی اُبھری ہوئی مچھلیاں اس کی غیر معمولی جسمانی قوت کی مظہر تھیں۔ اپنے طویل قد اور متناسب جسم کے اعتبار سے وہ مردانہ حُسن و کشش کا ایک مکمل نمونہ تھا اور ہر شخص اُس کی طرف اتنی ہی جلد متوجہ ہو سکتا تھا جتنی تیزی سے نگاہ کام کرتی ہے۔

تاجر اور آڑھتیے تو حساب کتاب کی باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے لیکن نوجوان ڈیوڑھی میں یوں ٹھٹک کر رہ گیا جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ بابل ایک شہرِ طلسمات، ایک شہرِ اصنام تھا، جہاں قدم قدم پر تحیر خیز مناظر دیکھنے میں آتے تھے۔ شہر کی نیرنگِ زمانہ فصیل بجائے خود ایک عجوبہ تھی۔ کیونکہ انسانی چشم نے اتنی بلند، اتنی عظیم اور اتنی مضبوط شہر پناہ پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

بابِ ایلہ کے دونوں کوہ پیکر بُرجوں کے درمیان بل مردوک کا 80 فٹ اونچا اور 30 فٹ چوڑا دیو ہیکل بُت بھی، جو فصیل کے ساتھ نصب تھا ہر اجنبی کو دم بخود کر دینے کے لئے کافی تھا۔

لیکن نوجوان تو ان عجائبات کو چھوڑ کر ڈیوڑھی کے چبوترے پر ایک انوکھے منظر میں کھو گیا جہاں کھجور کی میلی چٹائی پر ایک ضعیف العمر بوڑھا پھسکڑا مارے گویا مراقبے کی حالت میں بیٹھا تھا۔

اگر بات صرف بوڑھے کی ہوتی تو نوجوان اس کی حالت پر تعجب کا اظہار کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا لیکن معاملہ اس سے کچھ زیادہ عجیب اور دلچسپ تھا۔ بوڑھے کے سر اور داڑھی کے بال ریشمی سُوت کی طرح اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ دونوں آنکھیں بند تھیں، گردن لٹک کر گھٹنوں کو چھو رہی تھی جیسے وہ نشے میں جھونک لے رہا ہو یا اس پر وجد و جذب کی کوئی کیفیت طاری ہو اور اس حالت میں ایک نیولا جس کی آنکھیں چنگاریوں کی مانند روشن تھیں اس کے کندھے پر بیٹھا گردن اکڑائے بڑی ہوشیاری سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے اپنے بیگانۂ ہوش مالک کی حفاظت کر رہا ہو۔

یہ منظر کچھ ایسا حیرت انگیز اور پُرکشش تھا کہ نوجوان بے اختیار اُسی جانب بڑھ گیا اور ڈیوڑھی کی دیوار پر ہاتھ ٹکائے عجیب الہیبت بوڑھے اور اس کے محافظ نیولے کو دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا یہ بوڑھا کون ہے؟

کیا کوئی دیوانہ فقیر جس نے اپنے ہوش و حواس تج دیئے ہیں یا انسان کے ماضی اور مستقبل کے اندھیروں میں جھانکنے والا کوئی منجم حالتِ فکر میں سر جھکائے اسرارِ غیب کی گتھیاں حل کر رہا ہے؟

اُسے فوراً خیال آیا۔ اگر یہ کوئی ایسا ہی باکمال شخص ہوتا تو ضرور لوگوں کا ہجوم اس کے اردگرد نظر آتا ـــــ پھر سرِ راہ بیٹھنے والا یہ دیوانہ کون ہے؟ ـــــ اور سوال کے اس تواتر سے اُس کا ذہن شاہین کے اُڑتے پروں کی طرح سنسنانے لگا۔ بوڑھے میں کوئی کشش، کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے نوجوان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا شاید اسی لئے وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

ٹھیک اسی لمحے بندرگاہ کی طرف سے عبرانی غلاموں کی ایک قطار جسے [illegible] سپاہی جانوروں کی طرح ہانک رہے تھے، دروازے میں داخل ہوئی۔ یقیناً وہ بھاری مشقت کر کے لوٹے تھے کیونکہ ان کے جسم [illegible] تھکن سے چور اور قدم ضعف سے لڑکھڑا رہے تھے۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ اس قطار سے ایک دُبلا پتلا اور کمزور سا یہودی جو بمشکل چل رہا تھا [illegible] کو گالیاں [illegible] سپاہی

کا کوڑا سڑاک سے یہودی غلام کی پیٹھ پر پڑا اور اس کی دلدوز چیخ ڈیوڑھی کی فضا میں گونج اُٹھی۔

اس چیخ نے دیوانے فقیر کی محویت کا طلسم بھی توڑ دیا جو چبوترے پر سرنگوں بیٹھا دنیا سے بےخبر ہو چکا تھا۔ اس نے بڑی اذیت کی حالت میں گھٹنوں سے سر اُٹھایا جیسے عبرانی غلام کی چیخ اس کے قلب و ذہن پر بہت گراں گزری ہو پھر ریشمی سُوت کی مانند بکھرے بکھرے سفید بالوں کے حلقے میں دو سحر انگیز اور تابناک آنکھیں اس طرح کھل گئیں جیسے شام کے اندھیرے میں بیک وقت دو چراغ جل اُٹھتے یا دو ستارے ایک ساتھ طلوع ہوتے ہیں۔ پریشان اور بےترتیب بالوں کے درمیان چہرے کے خدوخال بھی بتدریج واضح ہوتے چلے گئے۔

اس چہرے پر بڑھاپے نے جھریوں کا ایک جال سا بُن دیا تھا اور ہر لکیر ایک مُڑی تڑی پگڈنڈی تھی جس پر نہ جانے زندگی کا کتنا سفر طے ہو چکا تھا مگر اس بڑھاپے میں آنکھوں کی چمک حیرت انگیز تھی۔

اس اثناء میں غلاموں کی قطار ڈیوڑھی پار کر چکی تھی اور سپاہی گرنے والے یہودی کو بھی بےرحمی سے گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے۔

جب بوڑھے نے سر اٹھایا، اس کی بےچین اور مضطرب نگاہیں اس نوجوان پر پڑیں جو ابھی تک اسے حیرت و دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ محافظ نیولا بوڑھے کے کندھے سے اچھل کر اس کی گود میں آ بیٹھا لیکن بوڑھے نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ تو پھٹی پھٹی آنکھوں اور حیرت پاش نظروں سے بس نوجوان کو دیکھے جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا اس کے جسم کی تمام قوت آنکھوں میں سمٹ آئی ہے ـــــ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی روشنی کانپ رہی تھی جیسے یاقوت کا عکس لرزتا ہے ـــــ چراغ کی لَو تھرتھراتی ہے۔

نوجوان کے قلب و ذہن پر ایک نامعلوم سی لرزش طاری تھی۔ وہ انجانا سا خوف محسوس کرنے لگا تھا جیسے وہ آنکھیں بوڑھے کی نہیں کسی اور کی تھیں۔ ان آنکھوں سے جادو اثر کرنیں پھوٹ کر اس کے دل و دماغ اور جسم کے ہر حصے میں گویا چھید کرتی جا رہی تھیں اور وہ اس خیال سے گھبرا رہا تھا کہ کہیں "سحرِ بابل" کا شکار تو نہیں ہو گیا۔

چند لمحے یہی کشمکش رہی۔ دونوں ایک دوسرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے۔ پھر نوجوان یہ دیکھ کر فرطِ حیرت سے دنگ رہ گیا کہ بوڑھے کے جسم پر آپ سے آپ شدید لرزش طاری ہوئی۔ وہ سر سے پاؤں تک اس طرح کانپ اٹھا کہ اس کی بوڑھی ہڈیاں کڑکڑائیں اور [illegible]

اٹھے۔ خشک ہونٹ پہلے کپکپائے، پھر لرزے، پھر پھڑکنے لگے، تڑپنے لگے۔ جیسے وہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو اور اچانک مسرت خیز آواز میں چلّا اُٹھا۔

"خوش آمدید ــــ خوش آمدید ــــ"

نوجوان کو یوں محسوس ہوا جیسے یہ آواز بہت دُور سے آئی ہو۔ منارۂ بابل زیگورات کے منور حجروں پر چاہِ بابل کے اتھاہ اندھیروں سے۔ اس آواز میں مسرت اور خوف کی دو متضاد کیفیتیں بیک وقت موجود تھیں۔ وہ حیرت سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا کیونکہ نہیں جانتا تھا یہ پُراسرار بوڑھا کون ہے ــــ کیا چاہتا ہے؟

بوڑھا اب بالکل بدل گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اپنائیت کے آثار تھے وہ سرگوشیانہ لہجے میں کہنے لگا۔

"اے نجمِ سعادت ــــ! روشن ہو جا۔"

نوجوان اب اُس کے اندازِ گفتگو پر حیران ہو رہا تھا مگر نہ جانے کیا بات تھی وہ اپنی حیرت سمیٹ کر آگے بڑھا اور بوڑھے کے قریب جا کر آہستہ سے بولا۔

"میں اندھیرے میں ہوں۔"

"لیکن تجھے روشنی میں آنا ہے۔"

نوجوان بدستور حیران تھا شاید وہ معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک بوڑھے نے پوچھا۔

"کیا نام ہے؟"

نوجوان پریشان ہو گیا۔ اس کی ہچکچاہٹ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے نام کا اظہار کرتے ہوئے گھبرا رہا ہے۔ ایک لمحہ خاموش رہ کر بوڑھے نے اس کی طرف اُنگلی اُٹھا دی اور کہا۔

"یہ چہرہ تیری اصلیت نہیں چھپا سکتا۔"

نوجوان سنبھل کر بولا۔ "مہرتاب ہے میرا نام۔"

"سوداگر ہے یا سپاہی؟"

"صرف عاشق ہوں۔"

بوڑھے نے گھور کر دیکھا۔ "کیا چاہتا ہے؟"

"عشق یا موت۔"

"کیا کہا تُو نے؟" بوڑھے کے چہرے پر جھریاں کچھ اور گہری ہو گئیں۔

"عشق ــــ یا ــــ موت۔" نوجوان نے ٹھہر ٹھہر کر دہرایا۔ "دونوں میں سے ایک، صرف ایک۔ کیونکہ میں جانتا ہوں موت صرف زندگی کے بدل جانے کا نام ہے اور عشق کبھی فنا نہیں ہوتا۔"

اس جواب نے بوڑھے کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچا دی۔ جیسے سحر و نجوم کے ایوانوں میں بھونچال آ گیا ہو۔ اچانک اس نے کھلی آستین والا ہاتھ لہرایا اور کہنے لگا۔

"مجھے اپنی حیات کی قسم ــــ! وہ تمام نوجوان جو اس شہر میں حسین عورتوں کے وصل و سرور کی خواہش لے کر آتے ہیں صرف زندگی کے طالب ہوتے ہیں۔ آج تک کسی نے موت کی آرزو نہیں کی۔ مگر تُو نے کی ہے یقیناً تُو عام آدمیوں سے مختلف ہے اور میں چار مہینوں سے یہاں تیرا ہی منتظر تھا ــــ تیری ہی راہ دیکھ رہا تھا ــــ اب ضرور وہ عجیب و غریب واقعات ظہور میں آئیں گے جو پہلے کبھی نہیں آئے۔ میں اُن کی تفصیل نہیں بتا سکتا لیکن تجھے آگاہ کرتا ہوں جب تک وہ تمام واقعات ظہور میں نہیں آ جاتے جو تیری ذات سے وابستہ ہوں گے تجھے دیوتاؤں کی طرح مخفی رہنا ہوگا کیونکہ میں بابل کا منجمِ اعظم اور پراتو کا خادم گوما یہ خبر دے رہا ہوں۔"

"گوما ــــ مقدس گوما ــــ"

نوجوان کے ہونٹ کپکپائے۔ اب وہ سحر زدہ، دم بخود سا کھڑا بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس شہر میں ایک عظیم مقصد لے کر آیا تھا۔ غیب دان گوما کا نام سن چکا اور اس نام کی عظمت اور بزرگی سے واقف تھا۔ لیکن سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دانائے فرات سے سرِ راہ اس طرح ملاقات ہو گی کہ اس پر کسی دیوانے فقیر کا شبہ ہوگا۔

مہرتاب نے یا جو کوئی بھی وہ تھا، آگے بڑھ کر بوڑھے غیب دان کے ہاتھوں کو عقیدت سے بوسہ دیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں، تاکہ اس کے دل کی بے تابی ظاہر نہ ہو سکے، پوچھا۔

"مقدس گوما ــــ آپ ستاروں کے راز دان اور اسرار و غیب کے ترجمان ہیں۔ ذرا میری زندگی کے آنے والے دنوں میں جھانک کر بتائیے کہ میں بابل میں جو مقصد لے کر آیا ہوں وہ پورا بھی ہوگا یا نہیں؟"

بوڑھے گوما نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے اپنا انجام نہ پوچھ۔ کیونکہ کامیابی تیرا عزم اور ناکامی تیرے ارادوں کی شکست ہے، بڑی بڑی عجیب باتیں ہوں گی، بڑے بڑے عجیب واقعات پیش آئیں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں تُو بابل کی کنواریوں اور ''پیاریوں'' کا محبوب کہلائے گا ___ ہر دوشیزہ تیرے قرب و وصال کے لئے تڑپے گی۔''

مہر تاب یہ پیش گوئی سن کر چونک سا گیا اور مقدس گوما جو مستقبل سے پھر حال کی طرف لوٹ آیا تھا حکیمانہ انداز میں بولا۔

''لیکن تجھے حُسن و شباب کی لذت آفرینیاں ترک کرنا ہوں گی۔''

مہر تاب نے کسی نامعلوم قوت سے مغلوب ہو کر جواب دیا۔

''میں ایسا ہی کروں گا۔''

''جب تک تُو اپنے مقصد کو نہیں پالیتا تجھے عورت سے دُور رہنا ہوگا۔''

''بے شک دُور رہوں گا۔''

''تو پھر میں تجھے کامیابی کی بشارت دیتا ہوں۔''

نوجوان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا لیکن جہاں دیدہ گوما کی آنکھوں سے کئی شبے جھانک رہے تھے۔ اس نے مہر تاب کو مشکوک سی نظروں سے گھورتے ہوئے اطلاع دی۔

''جیسا تُو نے کہا ہے تُو موت کو شکست دینے کا خوفناک عزم لے کر بابل میں آیا ہے اور کوئی نازنین ___ کوئی محبوبہ ___ کوئی عورت تجھے اپنے حُسن کا فریب نہیں دے سکتی۔ پھر بھی ایک ہے ___ صرف ایک ___''

مہر تاب سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی جس میں ہلکی سی نفرت لہر لے رہی تھی۔

''مقدس گوما ___! ستارے کیا کہتے ہیں اور تقدیر مجھے کس طرف لے جاتی ہے یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن عورت سُبل[1] یاما، انتھیا یا زہرہ دیوی کا رُوپ ہی کیوں نہ دھار لے مجھے برگشتہ نہیں کر سکتی۔''

بوڑھے نے ڈیوڑھی کے اُس خلا کی طرف انگلی اٹھا دی جس سے ایمگور بل اور نیمیتی بل

1۔ اناطولیہ کی سُبل یاما، عراق عجم کی انتھیا، بابل کی زہرہ اور یونان کی افرودیت ایک ہی حُسنِ اعلیٰ اور مظہرِ محبت کی دیویاں خیال کی جاتی ہیں۔ (پروفیسر جارج مارنز ایبرس اور رالنس سے ماخوذ)

کے درمیان بابل[1] کی ایک جھلک نظر آ رہی تھی اور بولا۔

''تو جا ___ بابل کا شہر تیرے سامنے ہے۔ اُس میں داخل ہو اور عشق یا موت جو کچھ تیرے مقدر میں ہے ہو کر رہے گا۔ ایک ستارہ تیری پیشانی پر روشن ہے اور دوسرا ستارہ میں نے کل ہی آسمان پر چمکتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''دوسرا ستارہ؟'' مہر تاب نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

''ہاں ___ تیسرے آسمان پر زہرہ کے قریب ایک ستارہ چمکا اور چمک کر غائب ہو گیا تھا۔ آج رات میں پھر اس کا مشاہدہ کروں گا۔''

مہر تاب بوڑھے کے کچھ اور قریب آ گیا اور مدھم آواز میں جسے صرف وہی دونوں سن سکتے تھے، کہنے لگا۔

''مقدس گوما ___! اب وہ ستارہ غائب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نیا ستارہ میں ہوں۔''

بوڑھے نے اُس کی طرف دیکھا جیسے نہیں دیکھا اور ہاتھ ہلا کر رہ گیا اور پھر تہدید آمیز لہجے میں بولا۔

''ہوشیار نوجوان! ہوشیار۔ جب ستارے روشن ہوتے ہیں، نگاہیں ان کا تعاقب کرتی ہیں، لیکن تجھے ابھی لوگوں سے پوشیدہ رہنا اور حسین عورتوں سے بچنا ہے۔''

مہر تاب نے گردن موڑ کر اپنی پشت کی جانب اُس خندق کو دیکھا جسے عبور کر کے باب ایلہ کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا تھا۔ بہت دُور کچھ لوگ ایک ناچنے والی کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے۔ اُس نے سپاس گزار نگاہوں سے بوڑھے منجم سے رخصت طلب کی اور ہولے ہولے اس کھلے دروازے کی طرف بڑھا جس سے گزر کر وہ ایمگور بل اور نیمیتی بل کے درمیان شاداب قطعے میں داخل ہونے والا تھا۔ اس کے قدموں کی ہلکی سی چاپ ڈیوڑھی کے کلدانی محافظ بھی سن رہے تھے لیکن ابھی اس نے ڈیوڑھی کو پار نہیں کیا تھا کہ کچھ سوچ کر پلٹا اور تیز قدموں کے

1۔ بابل دوہری فصیلوں کا شہر تھا۔ بیرونی فصیل ایمگور بل کہلاتی تھی جب کہ اس کے متوازی دوسری فصیل کو نیمیتی بل کہتے تھے۔ نیمیتی بل ایمگور بل سے کم اُونچی تھی۔ دونوں فصیلوں کے درمیان کم و بیش اڑھائی میل چوڑی پٹی تھی جس کے وسیع رقبے میں باغات، کھیت، نخلستان، مصنوعی جھیلیں، اینٹوں کے بھٹے اور ان پر کام کرنے والے مزدوروں، کسانوں اور باغبانوں کے بے ترتیب جھونپڑے تھے۔
(ہیروڈوٹس، ٹام کنس پلینی)

ساتھ پھر اُسی چبوترے کے پاس پہنچ گیا جہاں دانائے فرات اپنے نیولے سے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن مہرتاب کو دیکھ کر اس نے نیولے کو چٹائی پر چھوڑ دیا اور تعجب سے بولا۔

''اب کیا ہے؟''

''مقدس گوما ــــــ! آپ نے کہا تھا کہ کوئی عورت مجھے شکست نہیں دے سکتی پھر بھی ایک ہے ــــــ صرف ایک ــــــ''

''ہاں ــــــ ہے ایک عورت۔''

''کون ہے وہ؟''

گوما نے حیرت و تشویش کے انداز میں پہلو بدلا ــــــ اچھا تو اس نوجوان کو جو موت کو شکست دینے کا عزم لے کر آیا ہے، ابھی تک اُس عورت کا خیال پریشان کر رہا ہے جس کا حُسن انسان کے ارادوں کو پامال کر سکتا ہے۔ اس نے اسے دیکھا نہیں مگر ابھی سے اس کے بارے میں تجسّس رکھتا ہے۔ آخر یہ چاہتا کیا ہے؟ بوڑھے نے ایک بار پھر اپنی پُراسرار نگاہوں کا جال اس کے چہرے پر پھینکا اور کہا۔ ''میں پھر کہتا ہوں کہ ایک عورت ہے ــــــ پورے بابل میں ــــــ پوری دنیا میں ــــــ پوری کائنات میں صرف ایک عورت۔''

''میں اُس عورت کا نام جاننا چاہتا ہوں۔''

''نام ــــــ؟'' بوڑھا بڑبڑایا۔ ''تُو بجلی کو کس نام سے یاد کرے گا اور قیامت کا کیا نام رکھے گا؟'' یہ غیر متوقع جواب سن کر مہرتاب پریشان سا ہو گیا اور گوما نے اس کی پریشانی بھانپ لی۔

''مگر تُو اس کا نام کیوں پوچھتا ہے؟ کیا عورت سے اس کا نام لے کر محبت کی بھیک مانگے گا؟'' بوڑھے نے یہ بات شاید اُسے چڑانے کے لئے کہی تھی۔ مہرتاب کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

''آپ محبت کی بات کرتے ہیں لیکن میں اس عورت کا غرورِ حُسن خاک میں ملا دینا چاہتا ہوں۔ خواہ وہ بابل کی کوئی بااختیار شہزادی ہی کیوں نہ ہو۔''

''نہیں ــــــ نہیں ــــــ'' بوڑھے دانش ور کی سسکاری سنائی دی۔ اس نے بڑی بے چینی کی حالت میں کھلی آستین والا ہاتھ بلند کیا۔ ''طیش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ میں تجھے اُس عورت سے ٹکرانے کا مشورہ نہیں دے سکتا کیونکہ اس کی شکست یا تیری ناکامی نہیں چاہتا۔ جھگڑے سے کیا فائدہ۔ اگر وہ تیری راہ میں آئے، تُو اس کے قریب سے چپ چاپ گزر جا۔ نہ

تُو اس سے اُلجھے نہ وہ تجھے کچھ کہے۔ اگر تُو اس سے ٹکرا گیا تو دونوں میں سے ایک کی شکست لازمی ہے اور کیا خبر وہ تُو ہی ہو۔''

مہرتاب جل ہی تو گیا جیسے کسی نے گرم گرم سلاخ سے اس کا بدن داغ دیا ہو۔ اُس کے دماغ سے دھواں سا نکلنے لگا۔ واہ، ایک عورت اُسے شکست دے گی۔ وہ بھول رہا تھا کہ عورت ہمیشہ مرد کی شکست کا باعث بنتی رہی ہے مگر بابل کے سب سے عظیم انسان نے ایک عورت کے متعلق جس پیرائے میں بات کی تھی اسے سن کر ذہن میں شعلے سے بھڑک اٹھے تھے۔

''کیا وہ عورت ایسی ہی زبردست ہے کہ ایک مرد کو شکست دے سکے؟''

''ایک مرد ــــــ؟'' بوڑھے گوما کی آواز میں شاید کوئی اور بول رہا تھا۔ ''کسی ایک مرد کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو بابل کے تمام مردوں کو ایک جنبشِ ابرو سے ہلاک کر سکتی ہے۔ اس کی انگشتِ حنائی کے فقط ایک اشارے سے پوری دنیا برباد ہو سکتی ہے۔''

مہرتاب کو خیال گزرا شاید بوڑھا حکیم اسے خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔

''بس ــــــ بس ــــــ مقدس گوما ــــــ! ستائش بہت ہو چکی۔ وہ اگر بابل کا چلتا پھرتا جادو بھی ہے تو اس کا سحرِ جمال توڑ دیا جائے گا۔ آخر وہ ایک عورت ہی ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے ابھی عورت سے تیرا واسطہ نہیں پڑا۔''

''میری کتابِ زندگی میں عورت کے نام کا کوئی ورق نہیں۔''

بوڑھے غیب داں کو یہ الفاظ معانی سے خالی محسوس ہوئے۔ وہ مہرتاب کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اطمینان سے بیٹھ گیا اور پُرخیال انداز میں بولا۔

''ابھی تُو نے اس عورت کو دیکھا نہیں اور اس کے سحرِ جمال کو توڑ دینے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جب تُو اُسے قریب سے یا دُور سے دیکھ لے گا تیری کتابِ زندگی عورت کے ذکر سے خالی نہیں رہے گی۔''

اب مہرتاب کے ذہن پر اُس نامعلوم عورت کی اہمیت کچھ کچھ واضح ہونے لگی۔ دانائے فرات کہہ رہا تھا۔

''وہ چلتی ہے تو زمانے کی گردشیں اُس کے ساتھ چلتی ہیں۔ رُکتی ہے تو کوچہ و بازار کی

نبضیں رُک جاتی ہیں۔ رعبِ جمال سے اس کی گردن راج ہنسوں کی طرح تنی رہتی ہے۔ اُس کے حُسن کی صرف ایک جھلک دیکھنے کے لئے لوگ راستوں میں کھڑے رہتے ہیں اور جب وہ آتی ہے، اس کے لئے راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ جس طرف سے بھی گزرتی ہے عالی شان عمارتوں اور اُونچے اُونچے مکانوں کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں کہ شاید وہ کسی عمارت کو اپنے قیام کا شرف بخشے۔ لیکن وہ کھلے دروازوں کے سامنے سے بادِ نسیم کی طرح بے آواز گزر جاتی ہے ــــ اب تُو خود فیصلہ کر، میں تجھے اس عورت سے ٹکرانے کا مشورہ کس طرح دے سکتا ہوں جو سرتاپا جمال ہے۔ جس کی صرف ایک نظرِ عنایت انسان کے مضبوط ارادوں کو متزلزل کر سکتی ہے۔ جس کا جلوۂ حُسن بڑے بڑے دانش وروں کو بے وقوف بنانے کی قدرت رکھتا ہے ــــ"

مہرتاب نے اس طرح سوچا ہی نہیں تھا۔ مقدس گوما نے اپنے الفاظ کی سحر آفرینی سے جو تصویر کھینچی اس کی کوئی قیمت تو ضرور تھی۔ وہ ساکت و صامت کھڑا اس نورِ جمال کے تصور میں کھو سا گیا اور سوچنے لگا۔ اب تو اُسے ضرور دیکھنا چاہئے۔ بھلا وہ کیسی ہو گی اور کس طرح مردوں کی آرزوؤں کو ٹھکراتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی عورتوں کے ساتھ جو اس کے وصال کی تمنائیں رکھتیں، یہی سلوک کر چکا تھا۔ لیکن فوراً ہی اس نے اپنے ذہن سے یہ شیطانی خیال جھٹک دیا۔ آخر ایک عورت کو خواہ وہ کتنی ہی خوبصورت ہو، دیکھنے سے کیا حاصل۔ وہ تو بابل میں ایک اعلیٰ مقصد لے کر آیا تھا۔ نہ تو اس قسم کے وسوسے اس کے ارادوں کو بدل سکتے ہیں نہ کوئی عورت اس کی زندگی کا عنوان بن سکتی ہے۔ اب وہ پھر وہی مہرتاب تھا جو اپنے فرض کی ادائیگی ہی کو مقصدِ حیات سمجھتا تھا۔

بوڑھے غیب داں نے اُس کے چہرے پر ذہنی کشمکش کے آثار دیکھ لئے تھے، کہنے لگا۔

"تُو نے سمجھ لیا ہو گا میں نے کسی معمولی عورت کا ذکر نہیں کیا۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"بس تجھے اس عورت سے دُور رہنا ہو گا۔"

"کوشش کروں گا کہ اس کے راستے میں نہ آؤں۔"

"اسی میں تیری بھلائی ہے۔"

"مجھے اس کا نام تو معلوم ہونا چاہئے تا کہ اس سے خبردار رہ سکوں۔"

"وہ بابل کی نامور رقاصہ بیدخت[1] ہے۔"

"بے ــــ دخت ــــ" مہرتاب نے یہ نام زیرِ لب دہرایا۔ اُسے نام میں ایک عجیب سی کشش محسوس ہوئی۔

بوڑھے نے بتایا۔ "بابل کے لوگ اُس کی پرستش کرتے ہیں لیکن وہ خود ربۂ زہرہ کی پوجا کرتی اور چاند کی ہر تیسری رات کو ہیکل زہرہ میں نذر دینے جاتی ہے۔"

مہرتاب اس اتفاق پر حیران رہ گیا کہ آج چاند کی تیسری رات شروع ہونے والی تھی۔

اچانک مقدس گوما نے اپنا ہاتھ لہرا دیا۔

"بس یہ ملاقات ختم ہوئی۔ اب تُو اپنی راہ لے۔ دیکھ، کچھ لوگ اِدھر آ رہے ہیں اور شاہی جلوداروں کا سردار ختانی اُن کے آگے آگے ہے۔ شاید وہ کسی کی تلاش میں ہیں۔ آج کل ہر اجنبی سے بڑی پوچھ گچھ ہوتی ہے۔ کہیں وہ تجھ سے بھی باز پُرس نہ کریں۔ لیکن میں انہیں باتوں میں لگا لوں گا تا کہ وہ تیرا پیچھا نہ کر سکیں۔"

مہرتاب نے وہاں سے کھسکنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ بندرگاہ سے شاہی گماشتوں کو جھانسہ دے کر نکل آیا اور بابِ ایلہ کے پہرے داروں کو بھی اپنے لباس سے اجنبی نہ لگا تھا لیکن سردار ختانی کو دھوکا دینا مشکل تھا اس لئے بڑی تیزی کے ساتھ ڈیوڑھی پار کر گیا اور اس سڑک پر ہولیا جو نیمیتی بل کی طرف جاتی تھی۔

چند ہی لمحوں میں سردار ختانی شاہی گماشتوں کے ہمراہ خندق کا پُل عبور کر کے بابِ ایلہ میں داخل ہوا۔ معلوم نہیں کسی اور نے بھی مہرتاب کو دیکھا یا نہیں لیکن ختانی نے اس بانکے اجنبی کو ضرور دیکھ لیا تھا جو کچھ دیر قبل دریائی بندرگاہ پر نظر آیا اور پھر ہجوم میں غائب ہو گیا تھا۔ وہ تیزی سے مہرتاب کے پیچھے لپکا تا کہ اسے دوسری مرتبہ غائب ہونے سے پہلے ہی پکڑ لے لیکن ابھی وہ ڈیوڑھی عبور نہ کر پایا تھا کہ عقب سے آواز بلند ہوئی۔

"سردار ختانی ــــ! تیرے لئے میرے پاس ایک خوش خبری ہے۔"

---

[1] اس داستان کی ہیروئن کے بارے میں جہاں مؤرخوں اور مفسرینِ قرآن نے بڑی ضعیف اور خلافِ عقل روایات نقل کی ہیں وہاں اُس کا نام بھی زہرہ لکھا ہے جس پر ہاروت، ماروت عاشق ہو گئے تھے مگر تفاسیر میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کا نام بیدخت بیان کیا گیا ہے۔ (بحوالہ ترجمان القرآن از نواب صدیق حسن خان)

حنائی اُنہی قدموں رُک گیا۔ یہ آواز اس نے پہلے بھی کہیں سنی تھی۔ وہ اس کے لب ولہجہ سے بھی واقف تھا کیونکہ یہ بابل کے دانائے غیب مقدس گوما کی آواز تھی جو گزشتہ چار ماہ سے قوتِ گویائی کھو بیٹھا اور اہلِ بابل کے لئے ایک معمہ بن گیا تھا۔ سردار حنائی نے سوچا شاید اس کی سماعت کو دھوکا ہوا ہے۔ اسے کسی نے آواز نہیں دی کیونکہ جب دیوتا کسی شخص کی طاقتِ گفتار کو سلب کر لیتے ہیں وہ کسی کو آواز نہیں دے سکتا، کسی سے کلام نہیں کر سکتا لیکن حیرت کے اسی لمحے میں جب اُس نے پلٹ کر دیکھا، مقدس گوما دونوں بازو بلند کئے ڈیوڑھی کے چبوترے پر کھڑا کہہ رہا تھا۔

''سردار حنائی ___! تیری قسمت کا ستارہ چمک اٹھا ہے۔''

حنائی کے ساتھ شاہی گماشتوں نے بھی یہ حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین منظر دیکھا اور دانائے فرات کی آواز سنی ___ بابل کے پیکر میں رُوحِ فراست پھر لوٹ آئی تھی ___ مقدس گوما کو زبان مل گئی تھی، وہ بول رہا تھا، گفتگو کر رہا تھا اور یہ ایک عجیب معجزہ ہوا تھا۔

سردار حنائی ہجوم کو چیرتا ہوا نکلا اور چبوترے پر سجدہ ریز ہو گیا۔

''مقدس گوما ___! مبارک ہو۔ عظیم مردوک نے آپ کو پھر گویائی بخش دی۔''

اور اس کے ساتھ ہی بُرجِ ایلہ کی ڈیوڑھی ''مبارک، مبارک'' کی صداؤں سے گونج اٹھی۔

سردار حنائی نے سر اُٹھا کر بوڑھے غیب داں کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے؟''

گوما نے کھلی آستینوں والے ہاتھ اس کے سر پر لہرائے۔

''سردار حنائی ___! تُو بابل کا پہلا آدمی ہے جس سے میں ہم کلام ہوا ہوں۔ اب تُو ہی شاہِ بابل بونید کے حضور میرا پیغام لے کر جائے گا اور یہ ہے میرا پیغام کہ پراتو کا غیب داں کہتا ہے کنواری دُخترِ بابل کا دُلہا آ گیا ہے مگر اس کے ساتھ ایک بڑی ہولناک مصیبت بھی نازل ہونے والی ہے۔ اس لئے بادشاہ کو چاہئے وہ اپنے خلوت خانے سے باہر آ جائے اور دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا اعلان کرے تا کہ وہ اپنے کرم سے بابل کو آنے والی مصیبت سے بچا لیں۔''

یہ کہہ کر بوڑھا خاموش ہو گیا اور سردار حنائی نے اپنی گردن خم کر کے پھر اُسے تعظیم دی۔

یقیناً یہ اس کے لئے ایک بڑا اعزاز تھا کہ وہ بابل کے رُوحانی پیشوا کا پیغام لے کر بادشاہ کے حضور جائے۔

اس اثناء میں بندرگاہ سے عورتوں اور مردوں کا ایک بڑا ہجوم بابِ ایلہ پر پہنچ گیا تھا جنہوں نے اپنی آنکھوں سے رُوحِ بابل گوما کو بولتے ہوئے دیکھا تھا۔ اپنے کانوں سے اس کی آواز سنی تھی۔

فوراً ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی کہ مقدس گوما پر دیوتاؤں نے اپنی مہربانی کی اور وہ دوبارہ کلام کرنے لگا ہے۔ اس کے عقیدت مند جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ مندروں کی پجارنیں نذرانے لے کر دوڑیں۔ دریائے فرات کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے عظیم شہر بابل کے بازاروں، محلوں اور کوچوں میں ہر شخص کے لئے یہ خبر باعثِ مسرت تھی کہ چار مہینوں کی خاموشی کے بعد مقدس گوما کی گویائی لوٹ آئی ہے۔

اسی شام جب وہ بابِ ایلہ سے زیگورات (ہیکل بل مردوک) کی طرف روانہ ہوا، اس کے عقب میں انسانوں کا ایک بڑا ہجوم تھا جو دیوتاؤں کی مدح وستائش کر رہا تھا جن کے طفیل گوما کو دوبارہ بولنا نصیب ہوا۔

(3)

بازار

◎

طویل اور مہیب سائے شام کی رینگتی ہوئی سیاہیوں میں گھل مل رہے تھے اور مہر تاب جو بابِ ایلہ کی ڈیوڑھی سے بعجلت روانہ ہوا تھا، ان گھلی ملی سیاہیوں میں ایمگور بِل سے نیمیتی بِل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بابل دُہری فصیلوں کا شہر تھا۔

ان فصیلوں کے درمیان اڑھائی میل چوڑی پٹی پر مزدور، محنت کش اور مختلف رنگ و نسل کے غلام محنت و مشقت کرتے نظر آتے تھے۔ مگر مشکل اور کٹھن کام مثلاً نہروں کی کھدائی، بھٹوں کے لئے خشت سازی اور سامان ڈھونے کی بھاری مشقت عموماً یہودی غلاموں سے لی جاتی تھی۔ جن کی سب سے بڑی آبادی نہر کبارو[1] کے کنارے واقع تھی۔

دونوں فصیلوں کے مابین بھی ایک چوڑی اور گہری خندق تھی جس میں دریائے فرات کا پانی رواں رہتا تھا۔ مصنوعی جھیلوں[2] سے اس علاقے کی خوب صورتی میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ دریائے فرات جسے اہلِ بابل "پ..." کے نام سے یاد کرتے تھے 225 مربع میل کے رقبے پر پھیلے اس عظیم و قدیم اور پُر ہجوم شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا گزرتا تھا۔

نیمیتی بِل ایمگور بِل کی بہ نسبت کم اُونچی تھی جس کے حصار میں بابل شہر ساٹھ لاکھ انسانوں

---

1. (عہد نامہ قدیم، کتاب حزقی ایل) اہل بابل اس نہر کو "کبارو" کہتے تھے۔ (فلپ حتی)
2. (تاریخ پلینی و ہیروڈوٹس) ہیروڈوٹس لکھتا ہے۔ "یونان کی زرخیزی و شادابی عدیم النظیر ہے لیکن وہ بابل کی شادابی کے سامنے ہیچ ہے۔"

کو اپنے دامنوں میں لئے روایتی عظمت کے ساتھ آباد تھا۔ شہر کے اندر منارۂ بابل[1] (جو دراصل ربّ بِل مردوک کی نیرنگِ زمانہ ہیکل تھی)، باغاتِ معلقہ اور قلعۂ اساگیلہ کی فلک بوس عمارتیں دونوں فصیلوں کی بلندیوں سے بھی سر نکالے کھڑی تھیں۔ بابل شہرِ اصنام تھا مگر اس شہر کو بڑے بڑے پتھروں کی دُہری اور کوہ پیکر فصیلوں نے اس طرح گھیرے میں لے رکھا تھا کہ ہر اجنبی اُن کے حصاروں میں ہول اور خوف محسوس کرتا تھا۔

مہر تاب، بابل کے خلاف ایک خطرناک خفیہ منصوبہ لے کر وارد ہوا تھا مگر جب وہ ایمگور بِل اور نیمیتی بِل کے درمیان سرسبز و شاداب پٹی پر سفر کر رہا تھا ان فصیلوں کی دہشت انگیز بلندیوں نے اسے مبہوت و ہراساں کر دیا تھا اور اب وہ اس راز کو بھی سمجھ گیا تھا کہ ایرانی شہنشاہ کورش بابل کا محاصرہ اٹھا لینے پر کیوں مجبور ہوا۔ فی الواقع ان بلند و بالا فصیلوں کی تسخیر ناممکن تھی، جنہیں انسانوں کی بجائے شاید جنات نے تعمیر کیا تھا۔

وہ سوچنے لگا جس شہر کی فصیلوں کو کورشِ اعظم کا خوفناک ترین رسالہ "قشونِ[2] جاودانی" بھی سر نہیں کر سکا بھلا وہ تنہا اس کے خلاف اپنے خفیہ منصوبے میں کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے۔ آخر وہ بابل میں کیوں آیا ہے۔ کہیں تقدیر اُسے اس لئے تو نہیں کھینچ لائی کہ وہ ان بلند حصاروں کے اندر موت کا لقمہ بن جائے ـــــ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ اس سے قبل کہ سردار حنانی کے خفیہ گماشتے یا ریموت کے جاسوس اُسے گرفتار کر لیں اور وہ شاہ بنونید کے حکم سے "چاہِ بابل" کے اجل گرفتہ اندھیروں میں پھینک دیا جائے کیوں نہ انہی قدموں لوٹ جائے اور ایمگور بِل کے لعنتی حصار سے نکل بھاگے جہاں کوئی اس کی موت پر رونے والا بھی نہیں ہوگا۔

اس تصور ہی سے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی اور اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک خنک سی لہر محسوس کی۔ لیکن فوراً ایک نئے خیال سے کچھ ڈھارس بندھی۔ کیونکہ اگر سردار حنانی کے خفیہ گماشتے نہیں تو دولتِ کالدیا کے غیب داں گوما کے پُر اسرار الفاظ ضرور اس کا تعاقب کر

---

1. سر رابرٹ پورٹر کے بقول منارۂ بابل اُوپر نیچے آٹھ گنبدوں پر مشتمل تھا۔ قدیم مؤرخ پریڈیکس اس کی بلندی ایک فرلانگ بیان کرتا ہے۔
2. "قشونِ جاودانی" کورش کے اس مشہورِ زمانہ رسالے کا نام تھا جس میں مختلف اقوام کے بہادر شہسوار شریک کئے جاتے تھے۔ اس رسالے کو نیسائی اور عراقی گھوڑے مہیا کئے جاتے جو بڑے تیز رفتار ہوتے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا، پروفیسر جارج ایبرس، ہیرلڈ لیم)

رہے تھے کہ بابل میں عجیب عجیب باتیں ہوں گی، عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئیں گے جو اس کی ذات سے وابستہ ہوں گے اور شام کے بڑھتے ہوئے سرمئی اندھیروں میں چلتے چلتے اُس نے سوچا اب تو ایمگو ربل کے خوفناک حصار میں داخل ہو ہی چکا ہے پھر کیوں نہ اُن عجیب و غریب واقعات کو دیکھتا چلے جو بابل میں صرف اُسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

یہی سوچتا وہ نیمیتی بل کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اڑھائی میل کا راستہ ختم ہوا تو رات اپنے آشیانہ فلکی سے اُتر آئی تھی اور زیگورات کے فلک بوس گنبدوں پر مقدس قندیلیں[1] روشن کر دی گئی تھیں اور نیمیتی بل کے بلند حصار کی اس جانب رات کی محفلیں اور حُسن و شباب کی رنگینیاں جاگ اٹھی تھیں۔

ایمگو ربل کی ڈیوڑھی سے نکل کر اگر چہ کوئی خفیہ گماشتہ اس کے تعاقب میں نہیں آیا تھا پھر بھی تعاقب اور گرفتاری کا دھڑکا تو لگا ہوا تھا کیونکہ وہ اس شہر میں اجنبی تھا اور زمانۂ جنگ کی وجہ سے سپاہی اور جاسوس ہر اجنبی پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اُسے خیال آیا، ممکن ہے نیمیتی بل کے دروازے پر اُسے روک لیا جائے لیکن یہاں بھی اس کا لباس آڑے آیا اور ایک ریاستی امیر زادہ سمجھ کر کسی نے اس پر توجہ نہ دی۔ نیمیتی بل کے دروازے پر فروزاں مشعلوں کی لرزتی، کانپتی روشنیوں کے درمیان سے گزر کر وہ بابل کے تاریخی شہر میں داخل ہوا اور ''شاہراہِ جلوس'' کو چھوڑ کر جو قلعہ اساگیلہ کے تہرے[2] حصاروں کی طرف چلی گئی تھی اس سڑک پر ہو لیا جو سیدھی وسطِ شہر میں جا نکلتی تھی۔

بابل 15 میل طول اور 15 ہی میل عرض پر پھیلا ہوا ایک چوکور[3] شہر تھا۔ جس کے دروازے، راستے، بازار اور کوچے بخطِ مستقیم ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے گزرتے تھے۔ اس طرح یہ عظیم شہر 43 آبادیوں یا محلوں میں بٹ گیا تھا جس کا ہر محلہ بجائے خود ایک الگ تھلگ شہر تھا اور ہر طرف خلقت کے ہجوم نظر آتے تھے۔

شہروں کا شہر بابل بلند عمارتوں، پُر رونق معبدوں، پُر ہجوم بازاروں اور انسانی اژدھام سے پٹے ہوئے گلی محلوں کا ایک گھنا جنگل تھا جہاں دن کے ہنگامے سو جاتے تو رات کی رونقیں

---

[1] ہیکلِ بل کے گنبدوں میں ہر رات ہزاروں قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ (ہیروڈوٹس)

[2] قلعہ اساگیلہ کے گرد تین فصیلیں تھیں۔ (ونڈرس آف دی پاسٹ) ایمگو ربل اور نیمیتی بل سمیت۔

[3] ہیروڈوٹس، پلینی، سولینس۔ اسٹرابو نے بابل کو چوکور شہر لکھا ہے۔

بیدار ہوتی تھیں۔

مہر تاب جس راستے پر ہو لیا تھا اس کی رونق خیال انگیز تھی۔ لوگوں کی آمد و رفت کا یہ عالم تھا جیسے میلا سا لگا ہو۔ اس راستے کو قطع کرتے ہوئے کئی راستے، کئی کوچے، کئی بازار گزرتے تھے اور ہر طرف ہجوم کا یہی نظارہ تھا۔ وہ بھیڑ سے بچتا بچاتا ایک زیادہ پُر رونق بازار میں ہو لیا اور کئی آدمیوں سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

شام ہوتے ہی بابل کے دِل گرفتہ عاشق[1] حُسن کے متوالے، شوقین مزاج نوجوان اور ان کے ساتھ شہدے، لفنگے، غنڈے بھی اپنی داشتاؤں اور آشناؤں کو لے کر سیرِ بازار کو نکل آتے تھے جن سے بازاروں کی رونقیں جوان ہو جاتی تھیں۔ کسبیاں ہار سنگھار کر کے اور بھڑکیلے لباس پہن کر گاہکوں کی تلاش میں نکلتی تھیں جن سے آوارہ مزاج لوگ گھٹیا مذاق اور ہنسی ٹھٹھول کر کے اپنا جی خوش کر لیتے تھے۔ جنسی دیوی دیوتاؤں کے مندروں میں بھی شام کے بعد ہی آمد و رفت کا زور ہوتا تھا جہاں پروہت، پجاری اور ان کے دلال حُسن و عشق کے سودے کرتے تھے۔ ان بازاروں میں یوں تو دیس دیس کی صورتیں دیکھنے میں آتیں اور بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دیتیں لیکن آرامی[2] زبان سبھی بولتے اور سمجھتے تھے۔ یہی مغربی ایشیا کے پورے خطے کی مشترکہ بولی تھی۔

ماضی میں کلدانی شہنشاہ بخت نصر نے جسے عہد نامۂ قدیم کے اسرائیلی صحائف بنوکدنضر کے نام سے یاد کرتے ہیں، بہت سے ملکوں اور بہت سی قوموں پر فاتحانہ تاخت کی تھی اور ہر دیس، ہر علاقے سے لونڈی غلاموں کے قافلے اور مختلف پیشہ و ہنر کے کاریگروں اور ماہروں کو بابل میں ہانک لایا تھا جہاں ان کی دوسری نسل جوان ہو گئی تھی۔ اسی لئے دیوتاؤں کے اس شہر میں مختلف النوع صورتیں نظر آتیں اور مختلف ملکوں کی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ لیکن اظہارِ مطلب کا اصل ذریعہ آرامی زبان تھی۔

اگر چہ ہیکلِ مردوک کے گنبدوں میں روشن ہونے والی ہزاروں قندیلوں کی روشنی نے

---

[1] شاہد بازی بابل کی مذہبی تہذیب کا جزو تھی۔ (تاریخ بابل و نینوا اور ریلیجین آف بابیلونیا اینڈ اسیریا از روجر)

[2] مشرقِ وسطیٰ کے اس خطے میں آرامیوں کی تہذیب و ثقافت اور زبان نے سب سے زیادہ اثر ڈالا جو دو ہزار سال قبل مسیح دجلہ و فرات کے دوآبہ میں آباد ہو چکے تھے۔ آرامی زبان صدیوں تک مقبول رہی جو مختلف قوموں کے درمیان رابطے کی زبان بن گئی تھی۔ (زینوفن، یہودی مؤرخ جوزیفس، فلپ کے حتی)

وسطی شہر میں ایک ہلکا سا اُجالا کر رکھا تھا پھر بھی اس بازار میں جگہ جگہ پختہ اینٹوں کے قدِ آدم ستون کھڑے تھے جن پر بڑی بڑی قندیلیں فروزاں تھیں اور اُن کی گدلی زرد روشنیوں کے عکس چلنے پھرنے والوں کے چہروں اور مختلف قسم، مختلف رنگ کے لباسوں پر تیر رہے تھے۔ یہ بازار کیا ایک دریا تھا جس میں عورتیں اور مرد لہروں کی طرح رواں دواں تھے۔

مہرتاب نے چلتے چلتے محسوس کیا یہاں کئی نگاہیں اُسے گھور رہی ہیں۔ پھر اس احساس نے کہ وہ "دیکھا" جا رہا ہے اس پر عجیب سی گھبراہٹ طاری کر دی اور اسی گھبراہٹ میں وہ ننخ دیوتا کے چوک میں ایک نوجوان سی، حسین سی عورت سے ٹکرا گیا لیکن اس سے پہلے کہ سنبھل کر معذرت کرتا اور اپنی غلطی کی معافی مانگتا، نوجوان عورت نے جادو بھری مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا اور فوراً اپنا نام پیش کر دیا۔

"تشمونی ـــــ چشمِ محبت ـــــ"

اس حسین و دلچسپ پیش کش نے مہرتاب کو بری طرح پریشان کر دیا۔ اُسے بتایا گیا تھا بابل کی کسبیاں اور فاحشہ عورتیں اجنبی مردوں کو پھانسنے اور ان سے راہ و رسم پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنا نام پیش کرتی اور ساتھ ہی اس نام کا خوب صورت سا مطلب یا عرف بھی بیان کر دیتی ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ تھا وہ "بازارِ عیش" میں آ گیا ہے۔ بابل کا سب سے پُر رونق، سب سے پُرکشش بازار جس کے افسانے دُور دُور تک مشہور تھے اور اس حقیقت نے جو ایک کسبی کے رُوپ میں منکشف ہوئی تھی، اس پر ایک لرزشِ خفی طاری کر دی۔

عورت جو خوبصورت تھی اور جس کا نام بھی پُرکشش تھا، ابھی تک صورتِ سوال سامنے کھڑی تھی۔ اس کے نام کے ہر حرف میں ایک موسیقی تھی اور اس نام کی صفت ـــــ "چشمِ محبت" ـــــ تو خواہ مخواہ دل کی دھڑکنیں تیز کر دیتی تھی۔ مہرتاب کا دل بھی غیر معمولی انداز میں دھڑکنے لگا لیکن اس لئے نہیں کہ اسے عورت سے کوئی دلچسپی ہو گئی بلکہ اس لئے کہ وہ گناہ کے بازار میں آ نکلا تھا اور بابل میں اس کا پہلا ٹکراؤ ایک کسبی سے، ایک گناہ گار عورت سے ہوا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ فوراً اچھل کر پرے ہٹ گیا جیسے کسی عورت کی بجائے آگ کی سرخ لاٹھ سے ٹکرا گیا ہو۔ پھر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا اور کسبی حیران و ششدر کھڑی اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

اچانک چوک کے ایک گوشے سے کئی آوازوں کا بیک آہنگ قہقہہ بلند ہوا۔ تشمونی یعنی

"چشمِ محبت" نے گردن گھما کر دیکھا۔ ننخ دیوتا کے معبد کی دیوار کے نیچے کھڑے تین لفنگے سے آدمی اس پر بے اختیار ہنسے جا رہے تھے۔ اس کی ناکامی کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ کسبی نے سبکی محسوس کی اور پھرکی کی طرح گھوم کر اپنی راہ چل دی۔

مہرتاب بہت آگے نکل گیا مگر چلتے چلتے اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک لمحے کے لئے سکتے میں آ گیا۔ شاہی جلوداروں کا سردار حنائی جسے اُس نے بابِ ایلہ پر چھوڑا تھا اپنے گماشتوں کے ہمراہ تیز تیز چلا آ رہا تھا۔ اُس کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا شاید اسی کی تلاش میں آیا ہے اور غالباً اسے بازار میں دیکھ بھی چکا ہے۔ پریشانی کے اس لمحے میں وہ کسبی کو تو بھول گیا اور فوراً رُخ کاٹ کر ایک نیم تاریک سی گلی میں لپکتا چلا گیا جو تھوڑی دُور آگے جا کر اندھیرے میں غائب ہو جاتی تھی۔

نیم تاریک گلی میں وہ ایک دیوار کے ساتھ پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ چند ثانئے گزرنے کے بعد اس نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کی خاطر گلی کی نکڑ سے بازار میں جھانکا تو سردار حنائی اپنے گماشتوں سمیت چوک سے اُس سڑک پر مُڑتا ہوا نظر آیا جو باغاتِ معلقہ کی طرف جاتی تھی۔

اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

یہ بابل میں اس کی پہلی رات تھی اور زمانۂ جنگ میں ایک اجنبی کے قیام کا مسئلہ یقیناً تشویش انگیز تھا جب کہ جاسوس ہر نئے آدمی کی تاک میں رہتے تھے۔ مگر مہرتاب کو ہدایت کی گئی تھی کہ شہر میں داخل ہو کر محلہ کبر[1] کا رُخ کرے اور عبرانی حکیموں ہاروت ماروت[2] سے ملے جو خود ہی اُس کی رہائش کا انتظام بھی کر دیں گے اور اس مقصد کے حصول میں بھی مدد کریں گے جس کی خاطر وہ بابل آیا تھا۔ لیکن وہ بابل میں اس وقت داخل ہوا جب رات نے اپنی زلفیں کھول دی تھیں اور خفیہ گماشتے اس کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔ دن کے اُجالے میں محلہ کبر اور

---

[1] بابل میں یہود کی سب سے بڑی آبادی "محلہ کبر" کہلاتی تھی جو نہرِ کبار پر واقع تھی۔ دریائے فرات سے نکالی جانے والی یہ بڑی نہر بابل کے جنوب مشرق میں تھی۔ (ہسٹری آف سیریا از فلپ حتی اور سارس دی گریٹ از ہیرلڈ لیم)

[2] تحقیقات کے مطابق ہاروت حجی نبی اور ماروت ذکریا بن برکیا بن عدّو تھے جو بابل میں یہود کی رہائی کے لئے درپردہ کوششیں کرتے رہے۔ (تفسیر کبیر زیرِ آیت ..... وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ)

ہاروت ماروت کی تلاش مشکل نہ تھی مگر رات کے اندھیروں میں جب تیسری تاریخ کا چاند بھی آسمان سے رخصت ہورہا تھا، منزلِ مقصود پر پہنچنا بڑا دُشوار کام تھا۔

نیمیتی بل کے حصار سے گزرتے ہوئے اس نے فیصلہ کرلیا تھا رات کسی سرائے یا مندر میں گزار لے گا اور دوسرے روز محلہ کبر کا رُخ کرے گا۔ لیکن اب یہ خیال رہ رہ کر پریشان کررہا تھا کہ کسی سرائے یا مندر میں ٹھہرنا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ حنانی کے خفیہ گماشتے اور ریموت کے جاسوس مشتبہ لوگوں کی تلاش وجستجو میں سراؤں اور مندروں کے اردگرد ضرور منڈلاتے ہوں گے۔ پھر وہ کدھر جائے ـــــ رات کہاں بسر کرے؟

نیم تاریک گلی کی اُونچی اُونچی عمارتوں کے درمیانی خلا سے آسمان ایک سیاہ پگڈنڈی کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ مہرتاب نے گردن اُٹھا کر آسمان کی اس پگڈنڈی کو دیکھا جس پر تیسری رات کا چاند ایک سفید قاش کی مانند مغربی اُفق میں غروب ہوا چاہتا تھا۔ پھر چاند کی تیسری رات کے خیال نے قلب وذہن پر ایک جھلملی سی کھول دی۔

کیا کہا تھا مقدس گوما نے کہ ـــــ چاند کی ہر تیسری رات کو بدبخت جو بابل کی ـــــ دنیا کی ـــــ کائنات کی سب سے خوبصورت عورت ہے ہیکلِ زہرہ میں نذر بیٹھنے جاتی ہے ـــــ اچھا ضرور جاتی ہوگی لیکن مجھے اس سے کیا سروکار ہے۔ میرا چاند کی تیسری رات سے کیا واسطہ ہے۔ اور مہرتاب نے ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن کو جھٹک کر عورت اور اس کی خوب صورتی کے خیال سے نجات حاصل کرلی۔

گلی سے نکل کر وہ پھر بازار میں آگیا اور اُسی سمت چل دیا جدھر لوگ جارہے تھے۔ اب تو صرف ایک ہی تشویش، ایک ہی فکر تھی کہ رات کہاں بسر کرے۔

ابھی صرف ایک یا ڈیڑھ فرلانگ چلا ہوگا کہ بازار کی رونق میں یک لخت اضافہ ہوگیا۔ فضا پھولوں کی مہک اور عنبر وعود کی خوشبوؤں سے معطر ہوگئی۔ اس نے نتھنے سکیڑ کر ہوا میں رچی ہوئی خوشبو سونگھی اور دورویہ مکانوں کے کھلے دریچوں سے آراستہ وپیراستہ کمروں کو دیکھا جو قندیلوں کی روشنیوں میں جگمگ جگمگ کررہے تھے۔

یہاں دروازوں کے سامنے لبِ بازار چھوٹے چھوٹے قطعے تھے، بعض خشک، بعض پھولوں سے شاداب جن میں سوسن، چنبیلی اور گلاب کے پودے تھے۔ کہیں کہیں مہندی، کوکنار اور کھجور کے درخت بھی دکھائی دے رہے تھے جن کی چھتریوں کے سائے دومنزلہ، سہ منزلہ

مکانوں کی کھڑکیوں پر کانپ رہے تھے۔ بازار میں گل فروش لڑکیاں پھولوں کے ہار اور گجرے اُٹھائے گھوم رہی تھیں اور لوگوں کے شوروغل کے درمیان کہیں کہیں موسیقی کی صدائیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ اچانک ایک گل فروش لڑکی نے اسے گھیرلیا۔

"اپنی محبوبہ کے لئے پھول نہیں خریدو گے؟"

"محبوبہ ـــــ" مہرتاب بوکھلا سا گیا۔ "میری کوئی محبوبہ نہیں۔"

"جھوٹ، تم پر ہزاروں مرتی ہوں گی۔"

"مرنے دو۔"

اس نے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی لیکن لڑکی ضد کررہی تھی۔ "خریدلو نا ہار۔"

مہرتاب کترا کر آگے بڑھ گیا۔ بھلا وہ ہار کس کے لئے خریدتا؟ ابھی گل فروش لڑکی سے دامن چھڑا کر نکلا ہی تھا کہ ایک جوان عورت لپک کر قریب آئی اور مترنم آواز میں بولی۔

"بشامہ ـــــ پیار کی خوشبو ـــــ"

وہ جواب دیئے بغیر چپ چاپ چلتا رہا۔ نہ جانے یہاں کتنی عورتیں اپنے نام پیش کریں گی۔ کتنی لڑکیاں اس کا راستہ کاٹیں گی۔ اس بازار میں عورت جنس کی طرح فروخت ہوتی اور خود ہی اپنے دام لگاتی تھی۔ یہ شہروں کا شہر بابل تھا۔ اصنامی تہذیب کا سب سے بڑا مرکز، عورتوں کی منڈی جہاں چالیس[1] ہزار سے بھی زائد کسبیاں، طوائفیں، دیوداسیاں، کنواریاں، پیاریاں اور ناچنے گانے والیاں دھندا کرتی تھیں اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ ساٹھ لاکھ کی آبادی میں ان عورتوں کا تناسب ایک فی صد سے بھی کم تھا۔ بابل ایک عجائب کدہ تھا۔ یہاں تو شہر کے وسطی چوک میں دس[2] ہزار دکانیں صرف نجومیوں، جوتشیوں اور قیافہ شناسوں کی تھیں۔ بھوت پریت، جنات[3] اور بدروحیں نکالنے والے روحانی عاملوں اور تعویذ گنڈا، جھاڑ پھونک کرنے والے جادوگروں[4] کا تو شمار ہی کیا جو زیادہ تر عورتوں ہی کے امراض کا علاج کرتے تھے۔ یہاں کئی نیلام گھر تھے جہاں حسین وجمیل لونڈیوں، کنیزوں کی بولی لگتی تھی۔ کھڈیوں پر کام کرنے والے لڑکے فروخت ہوتے تھے۔ غلاموں کی قسمت کے سودے چکائے جاتے تھے۔ عورتیں

1۔ اسٹرابو نے جسم فروش عورتوں کی یہی تعداد لکھی ہے۔ 2۔ ہیرو ڈوٹس

3۔ تسخیر جنات مذہب کا جز تھی۔ (ریلیجن آف بابلونیا اینڈ اسیریا)

4۔ جادوگروں اور عاملوں کی شہرت تھی۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس)

اورلڑکیاں سرِ بازار بیچی جاتی تھیں۔ بازارِ عیش اسی بابل کا ایک حصہ تھا جہاں یہ سب کچھ ہوتا تھا اور مہرتاب تو اس بازار میں محض اتفاق سے آنکلا تھا۔ آخر وہ جاتا بھی کہاں ــــــ؟ آج کی رات اس کی کوئی منزل نہیں تھی۔

جب کسی نے اپنا نام پیش کیا، مہرتاب پہلے کی طرح بدکا نہیں۔ اس کی پیش کش کے جواب میں صرف ایک طرف ہٹ کر چلتا رہا مگر وہ ٹلتی نظر نہیں آتی تھی۔ پھر نزدیک آکر پوچھنے لگی۔

''اکیلے ہو؟''

وہ خاموش رہا۔ آخر کیا جواب دیتا۔ اکیلا تو تھا۔

''اجنبی لگتے ہو۔''

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''ہائے، دِل جو آ گیا ہے تم پر۔''

مہرتاب کے پسینے چھوٹ گئے۔ ایک بار پھر بوکھلا کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور ایک طرف نکلتا چلا گیا مگر اب وہ بہت سی نگاہوں کا مرکز بن گیا تھا۔ بازار میں چلنے پھرنے والی عورتیں ہی نہیں، اُن کے یار آشنا، آوارہ مزاج تماش بین، دُکان دار، چھابڑی فروش، پھیری والے سب اُسی کو دیکھ رہے تھے اور اتنی ساری نگاہوں کے نرغے میں میں گھرا ہوا، سر نہوڑائے وہ چپ چاپ چلا جا رہا تھا۔

کھجور کی سستی شراب بیچنے والے ایک تاجر کی دُکان پر چند عورتیں اپنے آشناؤں سے ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ جونہی مہرتاب اُن کے قریب سے گزرا سب کی نظریں دوڑ کر اُس پر جا لگیں اور وہ آشناؤں کو بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

ایک بولی۔ ''اری یہ کون ہے؟''

''کوئی پردیسی محبوب ہے۔'' دوسری نے جواب دیا۔

''لگتا ہے اس بازار میں پہلی مرتبہ آیا ہے۔'' تیسری نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''کیسا کڑیل جوان ہے۔'' چوتھی نے سینے پر ہاتھ مارا۔ ''ہائے میرا دل۔''

اتنے میں ایک شوخ سی، الھڑ سی، بے باک لڑکی جو سولہ سترہ سال سے زیادہ عمر کی نہ ہوگی اور ان سب سے زیادہ خوب صورت بھی تھی ایک جانب سے بھاگی بھاگی آئی اور پوچھنے لگی۔

''کون ہے ــــــ کہاں ــــــ میں بھی دیکھوں۔''

''وہ رہا۔'' اُس کسی نے جو ابھی تک دل تھامے کھڑی تھی، بازار کی طرف اُنگلی اٹھا دی۔

''دیکھ، وہ ہے جس نے زرد رنگ کی عبا پہن رکھی ہے۔''

لڑکی انگلی کی سیدھ میں بھاگی۔ لوگوں سے بچتی بچاتی مہرتاب کے عقب میں پہنچ گئی اور جاتے ہی بڑی بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ تڑپ کر مُڑا تو لڑکی نے فوراً اپنا نام پیش کر دیا۔

''آموی ــــــ نورِ ناہید ــــــ''

پھر لڑکی اُس کی گھبراہٹ پر کھلکھلا کے ہنس پڑی۔ گلاب کی طرح چمکتے دمکتے عارضوں میں ہلکے ہلکے گڑھے نمودار ہوئے۔ بالوں کی ایک لٹ چہرے پر بکھر گئی اور آنکھوں کے دریچوں میں مے خانے سے کھل گئے۔ لیکن فوراً ہی اس کی ہنسی آپ سے آپ ٹوٹ گئی، بکھر گئی، رُک گئی اور اجنبی کو دیکھ کر وہ خود نقشِ حیرت بن گئی۔

اس کے سامنے مردانہ حُسن و شباب کا ایک مکمل پیکر ــــــ ایک مکمل آدمی کھڑا تھا۔

لڑکی جس نے اپنا نام آموی بتایا تھا اُس پر قربان ہوئی جا رہی تھی۔ پھر خود بخود اُس کی آنکھیں جھک گئیں، گردن جھک گئی اور وہ پریشان سی ہو کر بولی۔

''معاف کر دو، میں نے تمہیں روک لیا۔''

معذرت کا یہ انداز نیا تھا۔ مہرتاب کو یہ انداز اچھا لگا۔ ''کوئی بات نہیں۔''

پھر غور سے اُسے دیکھا۔ وہ بابل کی کسبیوں سے کچھ مختلف نظر آئی۔ لڑکی نے بالوں کی لٹ جو رُخسار پر اُڑ رہی تھی، پرے ہٹائی اور پوچھا۔

''بابل میں پہلی بار آئے ہو؟'' لہجہ ہمدردانہ تھا۔

''ہاں ــــــ''

وہ کچھ اور قریب آ گئی۔ اتنی قریب کہ مہرتاب اس کے نوجوان جسم کی گرمی محسوس کرنے لگا۔

''کہاں ٹھہرے ہو؟''

''ابھی کوئی ٹھکانہ نہیں۔''

لڑکی نے نظر بھر کے دیکھا اور پوچھا۔ ''رات رہو گے؟''

مہرتاب ایک بار پھر تڑپ کے پیچھے ہٹا اور لڑکی ایک بار پھر اُس کی بوکھلاہٹ پر ہنس دی۔ اس کی ہنسی کانسی کی گھنٹیوں کی طرح مترنم تھی۔ مہرتاب اگرچہ اس پیش کش پر دم بخود رہ گیا تھا کہ

ایک لڑکی اُسے رات رہنے کی دعوت دے رہی ہے۔ مگر فوراً ہی خیال آیا یہ رات تو اُسے بہر حال کہیں گزارنی ہے۔ کسی مندر یا سرائے میں نہ سہی، کسی کے کوٹھے پر سہی۔ وہ سوچنے لگا، اس میں حرج ہی کیا ہے۔ لڑکی نے خود ہی دعوت دی ہے۔ ادھر لڑکی اس کی خاموشی پر حیران تھی کہ نہ جانے وہ کس خیال میں گم ہو گیا ہے۔ اُکتا کر اس نے پوچھ ہی لیا۔

''کیا میری بات نہیں سمجھے؟''

''سمجھا کیوں نہیں؟''

''پھر بولو...... رہو گے رات...... ؟''

''میں تمہارے ہاں رات بھی رہ لوں گا۔ مگر یہ بتاؤ تمہاری ماں ہے؟''

اب حیران ہونے کی باری لڑکی کی تھی۔ اس نے تعجب سے پلکیں جھپکائیں۔

''کیا ماں کے ساتھ رہو گے؟''

مہرتاب کے ہونٹوں پر کھسیانی سی مسکراہٹ تیر گئی۔ ''میرا مطلب کچھ اور تھا۔''

''خیر کوئی مطلب سہی، تم راضی تو ہوئے۔ آؤ میرے ساتھ، تمہارا مطلب میں گھر جا کے پوچھ لوں گی۔''

لڑکی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑے فخر، بڑے ناز اور بڑے انداز کے ساتھ چلنے لگی جیسے دنیا کی سب سے نایاب چیز ہاتھ آ گئی ہو اور مہرتاب تھا بھی ایسا جسے حاصل کر کے ہر عورت فخر کر سکتی اور کھو دینے کے بعد پاگل ہو سکتی تھی۔ نورناہید آموسی کو یہ محبوب اتفاق ہی سے ہاتھ لگا تھا۔ وہ اپنا گرم گداز بدن اس پر گراتی چلی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے مہرتاب نے اس سے پوچھا۔

''تمہارا گھر کتنی دُور ہے...... بہت دُور تو نہیں؟''

''بس ہیکلِ زہرہ کے پچھواڑے چلنا ہو گا۔''

''اور ہیکلِ زہرہ کہاں ہے؟''

''زیادہ دُور نہیں...... ارے آج تو وہاں خوب رونق ہو گی۔ چاند کی تیسری رات ہے نا۔''

مہرتاب کے ذہن پر ستارے سے ناچ اٹھے۔ ''وہ چاند کی ہر تیسری رات ہیکلِ زہرہ میں نذر دینے جاتی ہے۔'' اس نے وعدہ کیا تھا کہ اس کے رستے میں نہیں آئے گا اور یہ لڑکی اُسے اسی طرف لئے جا رہی تھی۔ کیا وہ اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دے؟ مہرتاب انہی قدموں رُک گیا۔

لڑکی اُسے تعجب سے دیکھنے لگی۔ ''تم رُک کیوں گئے؟''

''کیا تمہارے گھر کو کوئی ایسا راستہ بھی جاتا ہے جو ہیکلِ زہرہ سے نہ گزرتا ہو؟''

وہ اس سوال پر سوچ میں پڑ گئی، پھر مسکرا کر بولی۔

''میں سمجھ گئی، تم بھیڑ بھڑکے سے گھبراتے ہو۔ لیکن دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ آؤ میں تمہیں بھیڑ سے نکال کر لے جاؤں گی۔''

اب کے اس نے اپنے مہمان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور اُسے لے کر چل دی۔ جوں جوں وہ آگے بڑھے، بازار کی رونق بھی بڑھتی چلی گئی۔ بابل کی جوان وفتنہ گر حسینائیں رنگین و مہین لباس پہنے جن سے اُن کے جسموں کی دل کشی جھانک رہی تھی، اپنے چاہنے والوں کے شانہ بشانہ آ جا رہی تھیں۔ اُن کی ہنسی کی لہریں، سریلی آوازیں بازار کے شور وغُل، چھابڑی فروشوں کی ہاؤ ہو اور دیوی دیوتاؤں کے چڑھاوے کی اشیاء بیچنے والوں کی اُونچی اُونچی صداؤں میں گھل مل کر عجیب سی کیفیت پیدا کر رہی تھیں اور اس شور میں کوئی آواز پہچانی نہ جاتی تھی جس طرح شام کے وقت جنگل کے ہزاروں پرندوں کی مشترکہ چہکار میں کسی ایک آواز کا تعین مشکل ہوتا ہے۔

یہاں تو ہر کوئی اپنی ہی دُھن میں مست تھا۔ کسی کو دوسرے کا خیال نہ تھا۔ زندگی کے اس پُر شور اور بہتے ہوئے ہنگامے میں لوگوں کو فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ پیچھے مُڑ کر دیکھتے یا کسی دوسرے کی طرف دھیان دیتے۔ کیونکہ عیش ومسرت کا ہر لمحہ غنیمت ہوتا ہے اور آدمی یہی سوچتا ہے کہیں یہ لمحہ ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ مگر مہرتاب میں کوئی ایسی کشش ضرور تھی کہ اُسے دیکھ کر عورتیں چونک جاتی، اپنے آشناؤں کو چھوڑ کر اُس کے نظارے میں کھو جاتی تھیں اور اُن کے عاشقوں کے دل رشک وحسد سے جل اٹھتے تھے۔

یہ کون ہے جو مردوں میں سب سے جمیل، سب سے شکیل اور ربّ النوع[1] کی طرح عورتوں کو دیوانہ بناتا ہوا چپ چاپ چلا جا رہا ہے، جس نے اس بازار کی ہر حسینہ، ہر نازنین کے دل میں محبت کی دھڑکنیں بیدار کر دی ہیں۔ وہ اس شہر میں، اس بازار میں کیوں آیا ہے کیونکہ وہ تو ایسی محبت کا رسیا نہیں جو بازاروں میں فروخت ہوتی ہے اور اسے ان نازنینوں سے بھی کوئی

1. ربّ النوع مردانہ حُسن اور قوت کا مظہر دیوتا جو عورتوں میں بڑا مقبول تھا۔ (انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا، انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس

دلچسپی نہیں جو سرِ راہ اپنے جسموں کا تول مول کرتی ہیں۔ اس سے کہو یہاں سے چلا جائے، یہ اس کی دنیا نہیں ہے۔

آموسی نے مہرتاب کا ہاتھ اور مضبوطی سے تھام لیا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ ہر عورت اُسی کی طرف متوجہ ہے اور وہ ڈرتی تھی کہیں کوئی حرافہ اُس کے حسین مہمان کو چھین کر نہ لے جائے۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر اُسے اپنے ساتھ کھینچے لئے جا رہی تھی۔

اچانک ملحقہ گلی سے ایک تخت نما پالکی نمودار ہوئی جس پر زیورات میں لدی پھندی ایک عورت نصف چہرے پر نقاب ڈالے، گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز تھی۔ اس تختِ رواں کو چار کہاروں نے اُٹھا رکھا تھا اور کسی مندر کی نوجوان پجارنیں جن کا مخصوص لباس اُن کے کنوار پن کی علامت تھا، تخت کے اِردگرد گھیرا ڈالے کوئی مقدس بھجن الاپتی ہیکل زہرہ کی طرف رواں دواں تھیں۔

مہرتاب کے لئے یہ نظارہ عجیب بھی تھا اور دلچسپ بھی۔ پوچھنے لگا۔

''کون ہے یہ عورت؟''

لڑکی نے جلے کٹے انداز میں جواب دیا۔ ''عجیب آدمی ہو تم بھی۔ اپنی نوجوان ساتھی کو چھوڑ کر بوڑھی عورتوں میں دلچسپی لے رہے ہو؟''

''دلچسپی کہاں۔ صرف دیکھ رہا ہوں، بڑی شان ہے اس کی۔''

''معبدِ اشتر کے کاہن اشمیدی کی بیوی ہے۔ ہیکل زہرہ میں نذر دینے جا رہی ہوگی۔ اگر کہو تو تمہارے لئے بات کروں۔''

مہرتاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تو ہیکل زہرہ کا نام سنتے ہی گم صم ہو گیا تھا۔ لڑکی سمجھی شاید اس کے مذاق کا برا مان گیا ہے۔ اسے خوش کرنے کے لئے چہک کر بولی۔

''ارے تم بھی کیا سوچنے لگے۔ میں تو ان بوڑھیوں کی کھال کھنچوا کر تمہارے پاؤں کی جوتیاں بنا دوں۔''

اب ہیکل زہرہ کا چوک سامنے نظر آ رہا تھا جہاں مردوں عورتوں کا میلہ سا لگا تھا۔ ہیکل کی دیوار کے سائے میں ربۂ زہرہ کی چند ''پیاریاں'' جنہوں نے اپنی زندگی دیوی کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی، جھانج لگی ہوئی دفیں بجا کر مدحیہ گیت گا رہی تھیں جس میں دیوی کے حُسن و جمال کی تعریف کی گئی تھی۔ نغمہ سرا لڑکیوں کے سامنے تماشائیوں کا ایک حلقہ بن گیا تھا جو اُن

کی مترنم لے پر جھوم رہے تھے۔ آموسی اپنے مہمان کو لئے اس ہجوم سے کترا کر نکل جانا چاہتی تھی کہ ناگہاں ایک بھاری لیکن خوش شکل عورت نے اُس کا راستہ کاٹا۔

''اری نورِ ناہید! کہاں بھاگی جا رہی ہے؟''

آموسی ایک طرف ہٹ گئی۔ ''گھر جا رہی ہوں۔ ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ آج تو یہاں بڑی زبردست خبر گشت کر رہی ہے۔ سارے شہر میں چرچا ہو رہا ہے۔''

''کیا خبر ہے؟ میں بھی تو سنوں۔''

''سنا ہے مقدس گوما کی زبان کھل گئی ہے۔''

آموسی حیرت سے اُچھل کر رہ گئی۔ ''کون کہتا ہے؟''

''لو، سردار حنانی نے بابِ ایلہ پر اس سے گفتگو بھی کی اور اب وہ گوما کا پیغام لے کر باغاتِ معلقہ میں گیا ہے اور تجھے کچھ خبر ہی نہیں۔''

''بڑی عجیب بات سنائی ہے تم نے فدیمہ ــــــ!''

''ابھی تو اور بھی عجیب عجیب باتیں ہوں گی۔ عجیب عجیب واقعات پیش آئیں گے۔'' موٹی عورت نے اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ــــــ ''مقدس گوما نے کہا ہے دُخترِ بابل کا دُلہا آ گیا ہے۔ اور سن، اُسی کو دیکھ کر دانائے فرات کی مُہرِ خاموشی ٹوٹی ہے۔ اری نورِ ناہید! اُس کے خیال ہی سے میرا دل دھک دھک کر رہا ہے۔ ہائے وہ دُلہا کیسا ہوگا۔ کہتے ہیں رب النوع کا مظہر ہے۔ بڑا جمیل ــــــ بڑا شکیل۔''

مہرتاب قریب ہی کھڑا اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ خبر اس کے لئے بھی خاصی دلچسپ تھی کہ مقدس گوما نے اُسے ''بابل کا دُلہا'' قرار دیا ہے۔ نہ جانے اس نے بادشاہ کو کیا پیغام بھیجا ہے۔

موٹی عورت فدیمہ، آموسی کے ساتھ باتوں میں کچھ ایسی محو ہوئی تھی کہ مہتاب کی طرف توجہ نہ دے سکی۔ لیکن جب آموسی نے آگے بڑھ کر اپنے مہمان کا ہاتھ تھام لیا تو فدیمہ نے اسے دیکھا اور حیرت و شوق کے عالم میں دیکھتی ہی رہ گئی، پھر سنبھلی تو لڑکی کے کان میں آہستہ سے بولی۔

''یہ البیلا کہاں سے ہاتھ لگا؟ زہرہ کی قسم! میں نے ایسا نوجوان آج تک نہیں دیکھا۔''

آموسی نے بھی بڑی مدھم آواز میں، تاکہ مہمان نہ سن سکے، جواب دیا۔

"بڑی مشکل سے رات رہنے پر راضی ہوا ہے۔"

اُسی لمحے ہیکل زہرہ کے سامنے سڑک پر شور اٹھا۔ چوک میں ہلچل سی مچ گئی۔ نغمہ سرا لڑکیوں نے گانے کی لے اُونچی کر دی۔ لوگ آپ سے آپ راستہ چھوڑنے اور ایک طرف ہٹنے لگے۔

مہرتاب یہی سمجھا کہ شاید بادشاہ کی سواری آ گئی یا معبدِ اکور کا کاہنِ اعظم زریہ[1] دیوی کے لئے چڑھاوا لے کر آیا ہے لیکن سر اٹھا کر دیکھا تو حیران ششدر رہ گیا۔

سامنے والی سڑک پر ایک عورت جس نے زرد رنگ کی عبا پہن رکھی تھی، چہرے پر جالی دار نقاب کھینچے ستائیس پیاریوں کے جلو میں عجیب شانِ دلربائی کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔

مہرتاب کے عقب میں کھڑی دونوں سہیلیوں نے بھی یہ منظر دیکھا۔ پھر فدیمہ کہنے لگی۔

"تیری مالکن آ رہی ہے۔ لے میں تو چلی۔"

یہ کہہ کر وہ تو ایک طرف نکلتی چلی گئی اور لڑکی اپنے مہمان کو قریباً گھسیٹتی ہوئی بولی۔ "اِدھر آ جاؤ، کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے۔"

وہ اُسے ہیکل کی دیوار کے پاس گھسیٹ لائی اور خود ایک خوانچے والے کی اوٹ میں چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ مہرتاب کے لئے یہ سب کچھ عجیب اور حیرت انگیز تھا آموسی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ کون آ رہی ہے؟"

"بابل کی شاہی رقاصہ بیدخت ——"

"بیدخت —— ؟"

"ہاں، کبھی میں بھی اُس کی 'پیاری' تھی مگر اب نہیں۔"

مہرتاب کا ذہن تو بس "بیدخت" کے الفاظ پر اٹک کر رہ گیا تھا۔ آگے اس نے کچھ نہیں سنا۔ یا اگر سنا تو سمجھ نہیں سکا کیونکہ "بیدخت" کا نام اس کے شعور پر بجلی بن کر گرا تھا اور وہ سوچنے لگا —— اچھا تو یہ ہے بابل کی سب سے خوبصورت عورت جس کا حُسن بوڑھے دانشوروں کو بھی بے وقوف بنا سکتا ہے۔

بیدخت اپنا حسین و نوجوان "پیاریوں" کے ہالے میں چلتی اب قریب آ گئی تھی اس نے زرد عبا کے نیچے بہت مختصر سا لباس پہن رکھا تھا۔ سینے پر ایک سرخ ریشمی صدری تھی جس نے حُسن کی دل کشی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ سرخ و سفید سڈول بازوؤں پر طلائی بازو بند تھے جن

[1] کاہنِ اعظم زریہ مبدوں اور مندروں کی مجلس کا سربراہ تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈلیم)

میں جڑے ہوئے یاقوت و زمرد جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔ حسین نازک کلائیوں میں جواہرات سے مرصع کڑے تھے۔ نیم عریاں پیٹ کے نیچے ایک لہنگا پہن رکھا تھا اور سب سے پُرکشش، سب سے دلکش چہرے پر سفید جالی کا نقاب تھا جو سرمگیں آنکھوں کے نیچے نصف ناک پر سے گزرتا اور کانوں کی طرف کھنچا ہوا سینے تک لٹک رہا تھا۔ اس نقاب کے اندر دو شہابی عارض —— انار کے سرخ پھولوں کی طرح دو شگفتہ ہونٹ —— کن پٹیوں پر ناگنوں کی مانند بل کھائے ہوئے دو خم دار کاکل —— راج ہنس کی طرح تنی ہوئی حسین گردن میں یمنی موتیوں کی دو مالائیں —— اور نقاب سے باہر ہرنیوں کی سی موٹی موٹی دو سیاہ پُرکشش آنکھیں، گھنی اور لانبی پلکیں اور اُن آنکھوں پر دو ہلال نما ابرو جو بیدخت کے جمال کی سحر آفرینی میں اضافہ کر رہے تھے۔

مہرتاب نے آج تک نہ تو ایسی حسین صورت دیکھی تھی نہ ایسی جادوگر آنکھیں جن سے ستاروں کی مانند روشنی پھوٹ رہی تھی۔

وہ سر سے پاؤں تک حُسن تھی —— آفریدۂ جمال —— سراپا قیامت۔ اس کی رفتار میں مستی بھی تھی اور دلبری بھی۔ مہرتاب کے ذہن میں ایک نیا دریچہ کھل گیا اور وہ ایک اَن سنی آواز سننے لگا:۔

"اے امیرزادی[1]! تیرے پاؤں جوتیوں میں کیسے خوبصورت ہیں۔
تیری رانوں کی گولائی اُن زیوروں کی مانند ہے جن کو کسی استادکاری گر نے بنایا ہو۔
تیری ناف گول پیالہ ہے جس میں ملائی ہوئی مے کی کمی نہیں۔
تیرا پیٹ گیہوں کا انبار ہے جس کے گرداگرد سوسن ہوں۔
تیری دونوں چھاتیاں دو آہو بچے ہیں جو توام پیدا ہوئے ہیں۔
تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے۔
تیری آنکھیں بیت ربیم کے پھاٹک کے پاس حُبون کے چشمے ہیں۔
تیری ناک لبنان کے بُرج کی مثال ہے جو دمشق کے رُخ بنا ہے۔
تیرا سر تجھ پر کرمل کی مانند ہے اور تیرے سر کے بال ارغوانی ہیں۔
بادشاہ تیری زلفوں میں اسیر ہے۔
اے محبوبہ! عیش و عشرت کے لئے تُو کیسی جمیلہ اور جانفزا ہے ——"

[1] حضرت سلیمانؑ کی "غزل الغزلات" باب 7 نشان 1 تا 6 (عہد نامہ قدیم)

مہرتاب پر ایک خود رفتگی سی طاری تھی۔ کوئی پُراسرار غیبی طاقت اُس کے ارادوں کو مضمحل کیئے دے رہی تھی اور وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے کسی آتشیں بھٹی میں اس کا وجود آہستہ آہستہ پگھل رہا ہے۔ اور بیدخت کے حُسن و جمال کی لطافتیں اُسے ڈس رہی ہیں۔ مقدس گوما نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ تنہا پورے بابل کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔

وہ پیاریاں بھی جو اسے ہالے میں لئے چل رہی تھیں بے حد حسین اور نو شباب تھیں لیکن اُن کے درمیان نورِ جمال بیدخت یوں نمایاں تھی جیسے ستاروں کے درمیان زہرہ ـــــ ہاں وہ زہرہ ہی تو تھی جو اپنی ستائیس ''پیاریوں'' کے جھرمٹ میں مہرتاب کے قریب سے یوں گزر گئی جیسے وقت کا ایک قیمتی لمحہ گزر جاتا ہے اور وہ پتھر کے کسی بُت کی طرح ساکت و صامت، مہر بلب اُسے گزرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ہوش اُس وقت آیا جب آموسی نے خوانچے والے کی اوٹ سے نکل کر اس کا شانہ جھنجھوڑ دیا اور بولی۔

''آؤ جانی! اب چلیں۔''

بیدخت اپنی ''پیاریوں'' کے ہمراہ ہیکل زہرہ کے بڑے دروازے میں داخل ہو رہی تھی اور اس کے عقب میں زہرہ کی پجارنیں اپنا نغمہ الاپ رہی تھیں۔ مہرتاب چپ چاپ آموسی کے ساتھ ہولیا۔ لیکن اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور ذہن کہیں اور اُڑ رہا تھا۔

یہ وہ مہرتاب تو ہرگز نہ تھا جو آج ہی شام ایگوریل کے بابِ ایلہ کی ڈیوڑھی میں آیا اور مقدس گوما سے ہم کلام ہوا تھا۔

(4)

بالا خانہ

◎

ہیکل زہرہ کے چوک سے گزر کر وہ ایک نیم تاریک کوچے میں چلتے رہے اور فرلانگ بھر راستہ طے کرنے کے بعد آموسی اپنے مہمان کو لے کر ایک اندھی سی سنسان گلی میں اُتر گئی۔

بازار کے ہنگامے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

گلی کے دومنزلہ، سہ منزلہ مکانوں کی بعض کھڑکیوں سے جھانکنے والی مدھم اور بیمار سی روشنی سے پتہ چلتا تھا کہ یہاں کوئی رہتا ہے ورنہ پوری گلی شہر خموشاں کی طرح اتھاہ سکوت میں ڈوبی تھی۔ اس ویران خاموشی اور اُداس اندھیرے میں صرف ایک حسین و مہ جبیں عورت کا تصور ہی آدمی کی رہنمائی کر سکتا تھا اور مہرتاب محسوس کر رہا تھا کہ اُس کی زندگی کے اُفق پر ایک شعاع نور طلوع ہو چکی ہے۔

اندھیری گلی میں دونوں چپ چاپ چلتے رہے۔ صرف ان کے قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ لیکن خواہشوں اور وسوسوں کے شیاطین بھی اُن کے ساتھ ساتھ بے آواز چل رہے تھے۔

دونوں سوچ میں گم تھے لیکن خیالات کے زاویے الگ الگ تھے کیونکہ عورت اپنے ذہن سے سوچتی ہے اور مرد اپنے ذہن سے۔ کبھی کبھی ان کی سوچ کے خط مختلف زاویوں سے بھی ایک ہی نقطۂ عشق پر گرتے ہیں جس کے محور پر یہ پوری دنیا، پوری کائنات گردش کر رہی ہے۔ لیکن عام طور پر ان کے خیالات میں بڑا تضاد ہوتا ہے کیونکہ عورت کچھ اور سوچتی ہے، مرد کچھ اور۔ سوچ کا یہی اختلاف اور تضاد ان کے درمیان ایک دیوار بن جاتا ہے۔

اسی معمول کے مطابق آموسی تو صرف اپنے مہمان کے خیال میں ڈوبی ہوئی تھی جو قسمت سے مل گیا تھا لیکن مہرتاب اپنے ذہن کو اپنے آپ کو ہیکل زہرہ ہی میں چھوڑ آیا ـــــ یا ـــــ بھول آیا تھا۔ یوں کہنے کو وہ لڑکی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا مگر حقیقت میں اپنے آپ سے بھی بچھڑ گیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب بھی تھے اور ایک دوسرے سے بہت دور بھی۔ ہیکل زہرہ سے اس گلی تک انہوں نے سارا راستہ خاموشی سے طے کیا تھا۔ صرف ان کے ذہنوں میں ایک ہلچل سی مچی تھی۔

یہاں رہنے والے لوگوں کے مستقبل کی طرح یہ گلی بھی تاریک تھی۔ اسی تاریکی میں چلتے چلتے لڑکی ایک دو منزلہ مکان کے سامنے رک گئی جس کے دروازے پر نقش و نگار کھدے ہوئے تھے۔ یہاں اندھیرا کچھ کم تھا۔ دیوار میں سفید پتھر کا ایک کتبہ بھی نظر آیا جس میں ناقابل فہم عبارت میں کوئی نام کندہ تھا۔ لڑکی نے بتایا۔

''یہ ہے میرا مکان۔''

آواز سن کر مہرتاب جیسے کسی خواب سے چونکا۔ ''تمہارا نام آموسی ہے نا؟''

''ہاں، آموسی ـــــ نورِ ناہید۔'' پھر وہ بیزاری سے بولی۔ ''یہاں ہر عورت دو دو تین تین نام لئے پھرتی ہے۔ حالانکہ نام تو ایک ہی بہت ہوتا ہے۔ مگر کیا کریں، کچھ نام لوگوں کی دلچسپی کے لئے بھی رکھنے پڑتے ہیں۔ ان کے بغیر دھندا نہیں چلتا۔''

پھر اس نے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد زینے پر قدموں کی آہٹ اُبھری پھر ایک سوڈانی کنیز نے دروازہ کھول دیا جو شمع لے کر اپنی مالکن کو راستہ دکھانے آئی تھی۔

شمع کی روشنی میں دونوں چھوٹے سے ڈیوڑھی نما کمرے میں داخل ہوئے جس کے ایک گوشے سے لکڑی کا زینہ اوپر جاتا تھا۔ یہ کمرہ اور زینہ دیکھ کر مہرتاب کو کچھ عجیب سا لگا۔ وہ کہاں آ گیا ہے، کیوں آ گیا ہے لیکن یہی زینہ اُس کے نئے سفر کی پہلی منزل تھی جسے وہ غیر اختیاری طور پر یا مجبوراً اختیار کر چکا تھا۔ بعض راستے مجبوراً بھی طے کئے جاتے ہیں۔ اس نے سوچا، چلو دیکھیں اس پہلی منزل پر کیا واقعہ پیش آتا ہے۔

اس اثناء میں آموسی، خادمہ سے باتیں کرتی رہی۔ غالباً وہ اس سے اپنی بیمار ماں کا حال پوچھ رہی تھی۔ پھر زینے کی طرف بڑھی اور خادمہ سے بولی۔ ''چیفو ـــــ! ذرا مہماں کے آگے آگے روشنی دکھاتی چل۔''

سوڈانی کنیز شمع اٹھائے آگے آگے چلی۔ مہرتاب کو یہ زینہ بہرحال چڑھنا تھا۔ وہ خادمہ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آموسی اس کے پیچھے تھی۔ زینہ اسے پہلی منزل کے ایک کمرے میں لے آیا جو کھلا بھی تھا اور آراستہ بھی۔ خادمہ نے شمع طاقچے میں رکھ دی اور مالکن کے ساتھ ہی دوسرے کمرے میں چلی گئی جو مہمان کی آؤ بھگت سے پہلے غالباً بیمار ماں کی حاضری ضروری سمجھتی تھی۔ مہرتاب سوچنے لگا کچھ بھی سہی لڑکی خدمت گزار اور سعادت مند معلوم ہوتی ہے۔ اس کی واپسی تک وہ کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

کمرے میں کھجور کی چٹائی کا فرش تھا جو کافی بوسیدہ ہو چکا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ پتھر کا مستطیل چبوترہ چارپائی کا کام دیتا تھا جس پر دبیز اور نرم بستر بچھا تھا۔ دوسری دیوار کی واحد کھڑکی اس تاریک اور سنسان گلی میں کھلتی تھی جس سے گزر کر وہ اس مکان تک پہنچا تھا۔ ایک کونے میں سرخ پتھر کی چوکور میز تھی جس پر سامانِ آرائش بڑے قرینے سے چنا گیا تھا۔ مثلاً تیل کی کپی، کنگھا، سرمے دانیاں، غازہ، بالوں میں لگانے والی چاندی کی ہلکی سی زنجیر، مونگے، آئینہ اور ایسی ہی دوسری چیزیں۔

میز کے عقب میں پتھر کی کارنس بنی تھی جس پر پیتل کا ایک بیل آرائش کے طور پر رکھا تھا۔ یہ بیل بحالت قہر و غضب گویا زمین کے پیٹ میں سینگ مار رہا تھا۔ پیتل کا یہ مجسمہ دراصل ''مقدس[1] بیل'' کے اس عظیم الہیبت مجسمے کی ہو بہو نقل تھی جو معبدِ اکور کی وسیع و عریض ڈیوڑھی میں نصب تھا اور جس کی پورے بابل میں، پورے کالدیا میں پرستش ہوتی تھی۔ یوں تو ''مقدس بیل'' کے مختلف روپ، مختلف انداز تھے مگر بحالتِ غضب زمین کے پیٹ میں سینگ مارنے کا انداز سب سے زیادہ مقبول ہوا تھا اور بابل کے مجسمہ سازوں، بُت تراشوں اور مٹی کی مورتیاں ڈھالنے والوں نے بیل کے اس رُوپ کو پیتل، پتھر اور مٹی کی چھوٹی بڑی مورتیوں میں ڈھال دیا تھا جسے عورتیں عقیدت یا سجاوٹ کے طور پر گھروں میں رکھتی تھیں۔

کارنس پر پیتل کے بیل کے دائیں بائیں سُبلِ یاما اور افرودیت کی مورتیاں بھی رکھی گئی تھیں۔ سُبلِ یاما جو اناطولیہ میں حُسن و جمال کی مظہر سمجھی جاتی دراصل یونان کی افرودیت، بابل کی زہرہ اور ایران کی انتھیا یا اناہیتا دیوی ہی کا رُوپ تھی۔ کیونکہ ان تمام دیویوں کی اصل ایک

[1] مصر میں گائے اور بابل میں بیل کی پوجا ہوتی تھی۔ یہود کی کتاب حدیث ''مشنا'' میں اُن کی خصوصیات اور رنگ و نسل کی تفصیل دی گئی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ببلیکا جلد اوّل)

ہی تھی۔ پھر بھی ہر ملک میں ان کے رُوپ مختلف تھے اور معنوی یکسانی کے باوجود سُبلِ یاما اور افرودیت کا بیک وقت ایک ہی گھر میں ہونا حیرت انگیز تھا۔

کمرے کا سرسری جائزہ لینے کے بعد مہرتاب ذرا کمر سیدھی کرنے کے لئے بستر پر دراز ہوگیا۔ وہ دن بھر سفر بھی کرتا رہا۔ بابل میں داخل ہو کر گھومتا پھرتا بھی رہا اور کچھ تھکن محسوس کرنے لگا تھا۔ لڑکی کو گئے کتنی دیر ہوگئی تھی اور ابھی تک لوٹ کر نہ آئی تھی۔ لیٹے لیٹے ناگہاں اُس نے کسی کمرے سے اس کی آواز سنی۔ وہ سوڈانی خادمہ کو ہدایت دیتی ہوئی مسلسل بول رہی تھی۔

''چھوڑ دے چیفو! یہ شلامس[1] میں خود ہی پہن لوں گی۔ تُو بس کھانا نکال دے، بھوک لگ رہی ہے اور دیکھ میں باقلا کی پھلیاں تو ہرگز نہیں کھاؤں گی، روزمت پکالیا کر۔ مہمان کے لئے بازار سے تلی ہوئی مچھلی منگا لے۔ کچھ اور بھی تیار کر لے ____ اری ذرا یہ بال تو ٹھیک کر دے کم بخت! پھر اُلجھ گئے ہیں ____ یوں نہیں، جا میرے کمرے سے کنگھی اٹھالا ____ نہیں نہیں ____ رہنے دے۔ مہمان سمجھے گا اس گھر میں ایک ہی کنگھی ہے ____''

اس گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ لباس تبدیل کر رہی ہے۔ یہ سارا اہتمام مہمان ہی کے لئے تو ہو رہا تھا۔ لڑکی اس کے پاس آنے سے پہلے بن سنور رہی تھی۔ غالباً چاہتی تھی کہ مہمان کا دل موہ لینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ لیکن وہ تو کسی اور ہی خیال میں گم تھا اور اس وقت بھی جب اس کا جسم آموی ____ نورِ ناہید کے بستر پر دراز تھا، ذہن کہیں ہیکل زہرہ کے اِردگرد بھٹک رہا تھا۔ زہرہ جمال بیدخت کی تلاش میں ____ جس سے دُور رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ لیکن عقل و شعور کی نارسا قوتوں سے دُور دِل کی دُنیا میں بعض ایسے واقعات ظہور میں آجاتے ہیں جنہیں انسان سمجھ نہیں سکتا اور صرف معجزہ یا شعبدہ قرار دے کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مہرتاب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی حادثہ پیش آیا تھا جو ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔ کیونکہ عشق ذہن سے پُوچھ کر نہیں کیا جاتا۔ معلوم نہیں یہ عشق تھا یا کچھ اور مگر ہیکل زہرہ کے چوک میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ تو بالکل ایک جادو کا سا واقعہ تھا جو کسی صورت اسے بھولتا ہی نہ تھا۔

بستر پر لیٹے لیٹے اس کا ایک ہاتھ جو تکیے کی جانب نیچے لٹک رہا تھا کسی سرد اور چکنی شے

[1] بغیر آستینوں کے لبادہ ... [illegible] کا لباس تھا جسے [illegible] دریا ربن سے کندھوں پر بندھ لیا جاتا تھا۔ عموماً یونانی عورتیں ''شلا[illegible]'' پہنتی تھیں۔ ([illegible] فیسر جارج مارنز ایبرس تیز ''لائف آف گریس'')

سے چھو گیا اور بدن میں عجیب سی رَو دوڑ گئی۔ کوئی ایسی ہی چیز تھی جس کے لمس نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اس نے اُٹھ کر دیکھا، بستر اور دیوار کے درمیان ایک چھوٹا سا خلا تھا۔ وہاں سنگِ مرمر کی ایک اور مورتی اوندھے منہ پڑی تھی جسے غالباً بے کار سمجھ کر پھینک دیا گیا تھا۔ اُس کا ہاتھ اس مرمری مورتی سے چھو گیا اور اسی کے لمس سے جسم میں ایک لہر سرسرائی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر مورتی کو اٹھا لیا جس پر گرد کی ہلکی سی تہہ جم رہی تھی۔ پھر گرد کو بستر کی چادر ہی سے صاف کر کے دیکھنے لگا۔ یہ کسی عورت کی مورتی تھی جو صاف ہوتے ہی شمع کی روشنی میں چمکنے، دمکنے لگی اور مہرتاب حیرت و دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

مورتی سنگ تراشی اور صناعی کا شاہکار تھی۔ نہایت متناسب اور موزوں مرمریں جسم کے خطوط دیکھ کر وہ چونک سا گیا۔ لمبی گردن، شفاف عارض، یاقوت سے ہونٹ، ہلال نما ابرو اور موٹی موٹی جادوگر آنکھیں ____ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ خود نقشِ حیرت بن گیا کیونکہ یہ مورتی بہرحال ایک نقل تھی اور اس نقل کی اصل کو اس نے آج ہی بچشم خود دیکھا تھا۔ یہ آفریدۂ جمال بیدخت کی مورتی تھی اور بلاشبہ اسے کسی ماہرِ فن کاریگر نے تراشا تھا۔ مہرتاب کو اس کی بے جان مرمریں آنکھوں میں بھی زندگی کی روشنی نظر آئی۔

ایمگوربل میں داخل ہوتے ہی بابِ ایلہ کی ڈیوڑھی میں اس نے ارضِ فرات کے غیب دان گوما کی زبان سے بیدخت کا ذکر سنا تھا۔ پھر آج ہی ہیکل زہرہ کے چوک میں اس نے بابل کی سب سے خوب صورت عورت کو اپنی ستائیس ''پیاریوں'' کے ہالے میں اس شانِ دلبری میں دیکھا جس پر فردوس کے کسی خواب کا سا گماں گزرا تھا۔ وہ اس کے حسین تصور کو قلب و ذہن کے دریچوں میں بٹھا کر اس مکان تک آیا اور اب حیران ہو رہا تھا کہ بیدخت یہاں بھی موجود تھی۔ اگر وہ خود نہیں تھی تو اس کی مورتی بہرحال تھی اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ وہ ہر جگہ، ہر مقام پر کسی نہ کسی رنگ میں اس کے ساتھ تھی۔

اُسے یاد آیا لڑکی نے بازار میں بتایا تھا کہ وہ کبھی بیدخت کی ''پیاری'' تھی۔ اس کی محرمِ راز سہیلی۔ لیکن آج کل اُن کے درمیان شاید کوئی ناچاقی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود آموی نے مورتی کو اس طرح کیوں پھینک رکھا ہے جیسے کوئی فالتو اور بے کار چیز ہو۔

مورتی کو اٹھائے وہ سنگیں کارنس کی طرف بڑھا جہاں پیتل کے بیل کے دائیں بائیں سُبلِ یاما اور افرودیت کی مورتیاں پڑی تھیں۔ اس نے بیدخت کی مورتی افرودیت کے پہلو میں رکھ

دی اور وہیں کھڑا اسے دیکھنے لگا۔ بیدخت دونوں مورتیوں، دونوں دیویوں سے زیادہ خوبصورت اور پُرکشش تھی۔

وہ کارنس سے ہٹ کر پھر بستر پر آ گیا اور نیم دراز سا ہو کر مورتی کے نظارے میں محو ہو گیا۔ ایک بیدخت مرمر کی شکل میں کارنس پر جلوہ افروز تھی اور دوسری بیدخت اس کے دل کے دریچے میں بیٹھی تھی۔ اچانک وہ سوچنے لگا اُسے کیا ہو گیا ہے، یہ وارفتگی کیسی ہے، یہ بے قراری کس لئے ہے اور وہ ایک عورت کے لئے ایسا دیوانہ کیوں ہوا جاتا ہے جو اس کی تمنا، اس کی منزل نہیں ہو سکتی کیونکہ اس عظیم شہر میں اس کی آمد کا مقصد کچھ اور تھا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ عورت کی دنیا سے دور رہے جس کا سحرِ جمال انسان کو اس کے فرض اور مقصدِ اعلیٰ سے دُور کر دیتا ہے۔ اس نے خود بھی کہا تھا کہ کوئی عورت خواہ وہ سُبل یا ماء، انتھیا یا زہرہ دیوی ہی کا روپ کیوں نہ دھار لے، اسے برگشتہ نہیں کر سکتی لیکن یہ عجیب حادثہ ہوا تھا کہ بیدخت کا ایک ہی جلوۂ حُسن اسے اپنے ساتھ لے اُڑا تھا۔ اب وہ اس کے خیال و تصور سے بھی ایک راحت محسوس کرنے لگا تھا۔ کہیں یہ اس کی کمزوری یا مقصد میں ناکامی کا آغاز تو نہیں؟

ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا خیال اُسے پریشان کرتا رہا۔ وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ اس محویت میں یہ بھی ہوش نہ رہا کہ اس وقت کہاں ہے۔ ناگہاں اُس نے اپنے بائیں رُخسار پر لمس محسوس کیا اور آنکھیں کھول کر دیکھا تو نور ناہید آموسی خوبصورت لباس میں قیامت بنی اُس پر جھکی ہوئی تھی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور لڑکی اچھل کر پیچھے ہٹی۔ پھر اپنی طرف اشارہ کر کے مسکراتی ہوئی بولی۔

''میں اس لباس میں کیسی لگتی ہوں؟''

اس نے بدن پر ارغوانی رنگ کا باریک شلامس پہن رکھا تھا جسے صرف فنیقیا[1] کے کاریگر ہی تیار کرتے تھے۔ شلامس کے دونوں کنارے دائیں شانے پر بندھے تھے۔ بایاں شانہ بالکل عریاں تھا اور ریشمی بالوں کے گچھے اسے چھوتے ہوئے پہلو میں جھول رہے تھے۔ اس لباس میں جسے عام طور پر یونانی عورتیں پہنا کرتی تھیں وہ پہلے سے زیادہ حسین، زیادہ دل کش نظر آ

1۔ فونیقی جنھوں نے شام کے ساحل پر صور اور صیدا جیسے شہر آباد کئے تاجر، زر پرست اور اعلیٰ درجے کے کاریگر تھے۔ ان کے جہاز اٹلی، جزائر سسلی اور اسپین تک جاتے تھے۔ تانبے کے علاوہ شیشہ گری میں بھی ماہر تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے ابجد اور ایک رسم الخط ایجاد کیا۔ (ہینڈرک وان لون)

رہی تھی۔ مہرتاب نے جواب دیا۔

''لباس عورت کو خوبصورت نہیں بناتا بلکہ عورت کا حُسن لباس میں دل کشی پیدا کر دیتا ہے۔ تم ہر لباس میں اچھی لگتی ہو۔''

لڑکی اپنی تعریف سن کر خوش ہو گئی۔ وہ خوب صورت ہونے کے علاوہ کم عمر بھی تھی۔ بڑے دل کش انداز میں مہرتاب کے پہلو میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ غالباً چاہتی تھی کہ مہمان اپنی دلچسپی کا عملی اظہار کرے۔ لیکن مہرتاب اپنا دھیان بٹانے کی خاطر کھلی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا اور باہر جھانکتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

''یہ گلی کتنی تاریک ہے!''

لڑکی کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم نمودار ہوا۔ ''یہی تاریک گلی عاشقوں کی جنت کا راستہ ہے۔ محبت رات کے اندھیرے میں جوان ہوتی ہے۔ ہر شہر میں ایسی گلیاں کہاں۔''

پھر اس نے آگے بڑھ کر مہمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ساتھ لے کر بستر پر آ بیٹھی۔ یوں لگتا تھا آج وہ محبوبہ کی بجائے خود عاشق بن گئی اور مہمان کو اپنے عشق کی بے قراریوں سے شادکام کرنا چاہتی ہے۔ اس نے روایتی عاشقوں کی طرح اپنی کلائی بڑے پیار سے مہرتاب کی گردن میں حمائل کر دی اور پوچھا۔

''سچ بتاؤ، کہاں سے آئے ہو، کہاں کے رہنے والے ہو؟''

مہرتاب اُس کے نوخیز بدن کی حرارت سے جلا جا رہا تھا۔ لڑکی کی کلائی کا حلقہ توڑ کر بولا۔

''تمہیں کہاں کا رہنے والا نظر آتا ہوں؟''

''اس دنیا کے آدمی تو نہیں لگتے۔ نہ جانے کوئی دوسری دنیا ہے بھی یا نہیں۔''

اب مہرتاب کو بھی دل لگی کی سوجھی، کہنے لگا۔

''واقعی میں اس دنیا کا آدمی نہیں۔''

آموسی نے اپنی معصوم سی حیرت کا اظہار کیا۔ ''پھر ____؟''

''آج ہی شام عطارد سیارے سے اُتر کر سیدھا بابل میں آیا ہوں۔''

لڑکی ایک دم اُچھل کر کھڑی ہو گئی اور چشمِ تحیر سے دیکھنے لگی۔ مہرتاب نے اُس کی طرف اُنگلی اٹھا دی اور اسے مزید حیرت زدہ کرتا ہوا بولا۔

''تم سمجھتی ہو شاید میں نے جھوٹ کہا ہے، کوئی بڑ ہانکی ہے، تمہیں پریشان کرنا چاہتا ہوں

مگر کوئی نہیں جانتا، تم بھی نہیں جانتیں کہ میں دیوتاؤں کا فرزند ہوں۔''

فرطِ تعجب سے آموسی کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''تم نے یہ خبر تو ضرور سن لی ہوگی کہ پورے چار مہینوں کے بعد مقدس گوما کی گویائی لوٹ آئی ہے، وہ پھر سے کلام کرنے لگا ہے۔ اب مجھ سے سنو، اُس کی مُہرِ سکوت مجھے دیکھ کر ٹوٹی ہے۔ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس سے وہ ہم کلام ہوا۔''

لڑکی اب خوف زدہ سی، ہراساں سی نظر آرہی تھی۔ مہرتاب کے عجب وغریب انکشاف اور الہٰوں کے سے اندازِ گفتگو نے اس کے نازک بدن پر ایک لرزش سی طاری کر دی تھی۔ وہ اپنے مہمان کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے سچ مچ کوئی آسمانی مخلوق ہو۔ ایسے لمحے اس کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ وہ گوشت پوست کی مورتی معلوم ہوتی تھی۔ پھر آپ سے آپ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

''ہاں۔ میں نے سنا ہے مقدس گوما پھر بولنے لگا ہے اور آج ہی شام ایک مسافر کو دیکھ کر اس کی خاموشی ٹوٹ گئی ہے۔''

''وہ مسافر میں ہوں۔''

''اور گوما نے کہا ہے کہ بابل کا دُلہا آ گیا ہے۔''

''اور بابل کا دُلہا بھی میں ہوں۔''

آموسی نے اُسے عشق انگیز نظروں سے دیکھا۔ اس کی حیرت ہولے ہولے مسرت میں بول رہی تھی اور ایک عجیب سے احساس نے اس کے سراپا میں فخر کی نئی کیفیت پیدا کر دی۔ اُسے ایک سنسنی خیز کیفیت سے دوچار دیکھ کر مہرتاب گویا ہوا۔

''کیا تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا کہ میں ہی بابل کا دُلہا ہوں ____؟''

آموسی کے چہرے پر ایک دم بشاشت لوٹ آئی۔

''مجھے اس بات سے کیا غرض کہ تم بابل کے دُلہا ہو یا نہیں مگر آج رات میرے دُلہا ضرور ہو۔ دیکھو، میں نے یہ ارغوانی شلامس زندگی میں پہلی بار پہنا ہے اور ارغوانی لباس صرف دُلہن پہنتی ہے۔''

مہرتاب بستر سے اٹھ کر پھر کھڑکی کے پاس آ گیا۔ آموسی احساسِ کامیابی میں خوش خوش اس کے قریب آئی اور اپنا حق جتانے لگی۔

''عجیب بات ہے، بازار میں تمہیں دیکھتے ہی میں تمہارے پیچھے بھاگی اور تم نے بھی میرے ساتھ انکار نہیں کیا۔ شاید ''پرکی[1] دیوی'' نے روزِ ازل ہمارا ملاپ اسی طرح لکھ دیا تھا۔''

ابھی مہرتاب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ سوڈانی خادمہ پیتل کی ایک بڑی قاب میں شراب کی صراحی، دو پیمانے، تلی ہوئی مچھلی، گوشت کے قتلے، شہد اور خمیری روٹیاں لے کر داخل ہوئی اور قاب کو ایک چھوٹی سی چوبی میز پر رکھ کر چپ چاپ لوٹ گئی۔ شراب اور کھانا دیکھ کر مہرتاب کی بھوک چمک اٹھی۔ دوپہر سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس کی نوجوان میزبان نے تو گھر میں آتے ہی خادمہ کے سامنے اپنی بھوک کا اعلان کر دیا تھا۔ دونوں کھڑکی سے ہٹ کر بستر پر آ بیٹھے۔ آموسی نے پیمانوں میں شراب انڈیلی اور ایک پیمانہ مہمان کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ لبنان کی سب سے بڑھیا شراب ہے۔ خوش ذائقہ اور تیز۔''

''کیا تم سے بھی تیز ہے ____؟'' مہرتاب نے ذرا بے تکلفی کا اظہار کیا تو لڑکی نے اپنا سر اس کے شانوں پر رکھ دیا۔ مہرتاب کے ذہن میں خطرے نے انگڑائی لی۔ پیمانہ ہونٹوں سے لگا کر سوچنے لگا اس نوجوان اور خوبصورت کسبی کی دست درازی سے کیسے بچے جس کا مہمان بننا خود قبول کر چکا ہے۔ اس بے چاری کو کیا معلوم کہ اسے تو کہیں رات گزارنے کی فکر تھی۔

ابھی پیمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی۔ ''اسے باتوں میں لگائے رکھو ____'' مہرتاب کو یہ ترکیب پسند آئی۔ اُس نے ہیکل زہرہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ بیدخت کی شانِ تجمل بیان کر رہا تھا کہ آموسی کی نظر ناگہاں کارنس پر جا پڑی اور وہاں افرودیت کے پہلو بہ پہلو بیدخت کی مورتی دیکھ کر حیران رہ گئی پھر مہمان سے مخاطب ہوئی۔

''اسے تم نے رکھا ہے یہاں؟''

''ہاں، خوب صورت عورت کی مورتی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہنی چاہئے۔''

آموسی نے اٹھ کر کارنس سے سنگِ مرمر کی مورتی اٹھا لی۔ ''کوئی عورت دیویوں کی جگہ نہیں لے سکتی۔''

''یہ دیویوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔''

''مگر دیوی نہیں۔''

آموسی نے بیدخت کی مورتی سنگھار میز پر رکھ دی اور مہرتاب نے پوچھا۔

[1] ''پرکی'' دو دلوں کو باہم ملانے والی دیوی تھی۔ (پروفیسر جارج ایبرس)

''یہ تو بتاؤ رہتی کہاں ہے؟''

آموسی کچھ بجھ سی گئی اور کھلی کھڑکی کے فریم سے تاریک آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''دیکھو چاند غروب ہو چکا، ستارے جھلملا رہے ہیں، رات بیت رہی ہے اور ایسی ہی تاریک راتوں میں عاشقوں کے دل بیدار ہوتے ہیں۔ آؤ ان پُر کیف لمحوں میں کوئی مطلب کی بات کریں۔''

مہرتاب سمجھتا تھا وہ کیا چاہتی ہے پھر بھی انجان سا بن کر بولا۔

''کیا تمہیں بیدخت کا ذکر پسند نہیں؟''

آموسی نے بیزاری سے جواب دیا____ ''یہاں تو صرف میں ہوں یا تم ہو اور عورت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، اپنی خلوت میں کسی دوسری عورت کا ذکر پسند نہیں کرتی۔ جب بیدخت کے ہاں جاؤ گے، بڑی خوشی سے اس کے گیت گاتے رہنا۔''

''معلوم ہوتا ہے بیدخت سے جلتی ہو۔ اُس نے تمہیں چھوڑ جو دیا ہے۔''

آموسی نے خفگی آمیز لہجے میں کہا۔ ''تم سمجھتے ہو اُس نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میں اس کے سامنے کوئی چیز نہیں مگر اپنی تمام ''پیاریوں'' میں وہ صرف مجھے چاہتی تھی۔ بس رہنے ہی دو، یہ راز کی باتیں تم نہیں سمجھ سکو گے۔ اور دُلہا جی! وہ تو آج بھی میری دیوانی ہے، مجھے پیغام بھیجتی ہے، بلاتی ہے مگر میں ہی نہیں جاتی۔ کیونکہ میں نے اُسے چھوڑا ہے اور جسے میں چھوڑ دوں پھر اُس سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔''

''اُس سے ناراض کیوں ہو؟ اگر وہ بلاتی ہے تو تمہیں اس کا کہا مان لینا چاہئے۔''

آموسی دوسری بار پیمانہ بھرنے لگی اور بولی۔

''تم بھی کیا ذکر لے بیٹھے۔ اب اس قصے کو ختم کرو۔''

مہرتاب نے اس کے ہاتھ سے پیمانہ تھام لیا اور کہا۔

''مجھے بیدخت کا ذکر پسند ہے۔ میں اس کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔''

آموسی کے ہونٹوں پر شراب کی طرح کڑوی کسیلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''آج تو تم نے مجھے پسند کیا ہے۔ میرے دُلہا بنے ہو۔ تمہیں چاہئے تھا آج میری باتیں کرتے، میری باتیں سنتے۔ مگر تم بیدخت کے خیالوں میں اُلجھ گئے ہو اور اُس عورت کی تمنا کرتے ہو جو تمہاری دسترس سے دُور ہے۔''

''تم سے کس نے کہا کہ میں اس کی تمنا کرتا ہوں؟''

''پھر اس کے ذکر سے تمہیں کیا مطلب ہے؟''

مہرتاب کچھ جھجک کر، کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ ''وہ بابل کی سب سے مقبول اور عورتوں میں سب سے حسین عورت ہے اور میں مردوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ بس اسی خیال سے اس کا ذکر پسند کرتا ہوں کہ ہمارے درمیان ایک چیز مشترک ہے۔''

''خیر میں یہ بات تو مان لیتی ہوں کہ تم مردوں میں لاثانی ہو لیکن تم خواہش بھی کرو گے تو اُسے حاصل نہیں کر سکتے۔''

''چلو اگر تمہیں بیدخت کا ذکر پسند نہیں تو نہ سہی، بس اُس کی یہ مورتی مجھے دے دو۔ میں قیمت ادا کر دوں گا۔''

لڑکی نے کڑوا گھونٹ بھرا اور بے اختیار ہنسنے لگی۔ ''واہ____ تم سمجھتے ہو کہ میں نے یہ مورتی بیچنے کے لئے رکھی ہے اور میرا گھر کوئی کباڑ خانہ یا نیلام گھر ہے کہ جہاں سے جو چیز چاہے خرید لی۔ یاد رکھو میں اپنے سوا اپنی کوئی چیز فروخت نہیں کرتی۔ مجھے چاہے ہزار مرتبہ خرید لو۔''

مہرتاب اُس کی صاف گوئی پر دنگ رہ گیا۔ کچھ اُداس اور خاموش بھی ہو گیا کیونکہ محسوس کر رہا تھا کہ اب اُس کے پاس کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا۔ الفاظ ختم ہو گئے، اپنا تاثر کھو چکے ہیں۔

آموسی نے یہ کیفیت بھانپ لی۔ اُسے ناراض یا اُداس کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''کیا رُوٹھ گئے ہو؟''

''نہیں____'' اب مہرتاب گفتگو کا کوئی اور موضوع سوچ رہا تھا کیونکہ اپنی نوجوان میزبان کو باتوں میں لگائے رکھنا چاہتا تھا۔ کہنے لگا۔ ''رُوٹھوں گا کیوں؟ میں تو ایک مسافر ہوں، تمہارے یہاں رات گزارنے چلا آیا لیکن جو کچھ تم سوچتی ہو وہ میں نہیں سوچتا۔''

''اچھا، بھلا میں کیا سوچتی ہوں؟''

مہرتاب نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ ''تمہارا خیال ہے اگر میں مان جاؤں تو تم مجھے لے کر اس شہر سے کہیں دور بھاگ جاؤ۔''

---

1 ڈلفی قدیم یونان کا ایک شہر جہاں اپالو کا مندر آریکل یعنی ندائے غیبی کے لئے مشہور تھا مگر ڈلفی میں غیب کی باتیں بتانے کا رواج اپالو کی پرستش سے بھی پہلے رائج تھا اسی لئے اس نام کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی۔ (پروفیسر جارج ایبرس)

''ڈلفی[1] کی قسم! یہ تو بالکل سچ ہے۔ تم نے میرے دل کی بات بوجھ لی۔''

''اور سنو، یوں تو تم نے اپنے کمرے میں بیل کا مجسمہ بھی سجا رکھا ہے تاکہ لوگ تمہیں نبطی[1] ہی سمجھیں لیکن تم یونانی ہو ــــ کیوں، نہیں؟''

یہ انکشاف جو محض قیاس پر مبنی تھا (کیونکہ آموسی نے ڈلفی کی قسم کھائی تھی) بڑا لرزہ خیز ثابت ہوا۔ مہر تاب کی گردن میں اُس کی بانہوں کا حلقہ خود بخود ٹوٹ گیا اور فرطِ تحیر سے گھبرا کر، تڑپ کر پیچھے ہٹی جیسے مہمان نے کوئی راز فاش کر دیا تھا جسے وہ پوشیدہ ہی رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے مہر تاب کو دیکھا اور کہا۔

''بس، میں سمجھ گئی۔ تم ضرور کوئی غیب دان ہو۔''

مہر تاب کا جذبۂ تجسس انگڑائی لے کر جاگ اٹھا۔ بازار میں کسی کسبی کی قومیت نہیں پوچھی جاتی صرف صورت دیکھی جاتی ہے۔ پھر اس انکشاف پر کہ وہ نبطی نہیں، یونانی ہے، اس کی میزبان کے چہرے کا رنگ کیوں اُڑ گیا؟ اب وہ چاہتا تھا ذرا لڑکی کے ماضی میں جھانک کر دیکھے تاکہ رات اسی طور کٹے۔

''سنو نور ناہید! کوئی غیب دان بھی تمہیں وہ باتیں نہیں بتا سکتا جو میں جانتا ہوں۔''

''کیا جانتے ہو تم؟''

''تمہاری ماں بھی تمہاری طرح یونانی ہے جس کا تم بہت خیال رکھتی ہو۔''

مہر تاب نے اگر اس کی یونانی قومیت کا راز افرودیت کی مورتی یا ڈلفی کی قسم سے پایا تھا جس کے مندر میں لوگ احوالِ غیب پوچھنے جایا کرتے تھے تو اس کی ماں کا ذکر بھی محض اس لئے کر دیا کہ اگر لڑکی یونانی ہے تو ضرور اس کے ماں باپ کا تعلق بھی یونان سے ہوگا۔ لیکن آموسی اس کی زبان سے ماں کا ذکر سن کر از حد ہراساں ہوگئی اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اگر تم جان چکے ہو کہ ہم ماں بیٹی یونانی ہیں تو تمہیں قسم ہے، اس کا اظہار کسی اور سے نہ کرنا ورنہ ہم پر مصیبت آجائے گی۔''

---

[1] جس طرح قبطی کا لفظ مصریوں کے لئے مخصوص تھا اسی طرح نبطی دوآبۂ عراق کے باشندوں کو کہا جاتا تھا۔ (تاریخ بابل و نینوا) ابی سعید کے بقول قومِ نبط سوادِ عراق میں آباد اور بنی اسمٰعیل سے تھی مگر عرب سے تعلق توڑ کر اپنا سلسلۂ نسب بھول گئی اس لئے عرب اسے ''مجہول الاصل'' کہتے تھے۔ (کتاب الانساب)

مہر تاب حیران رہ گیا۔ ''بھلا تمہارے یونانی ہونے سے تم پر کیا مصیبت آسکتی ہے؟''

''پرانا قصہ ہے۔ لوگ بھول چکے ہیں۔ اب گزری باتیں دُہرانے سے کیا حاصل۔ پھر تم رات کاٹنے آئے ہو، ہمارا دُکھ بانٹنے نہیں۔'' آموسی کے لہجے میں ایک بے چارگی سی تھی ــــ آؤ لیٹ جاؤ۔ یہ عشق و محبت کی رات ہے۔ اس رات زہرہ کی پیاریاں نبت کا جشن مناتی ہیں اور اگر چاہتے ہو تو میں تمہیں بیدخت کی باتیں سناؤں گی جو آج تک کسی عورت نے کسی مرد کو نہیں سنائی ہوں گی۔''

''نہیں آموسی! آج رات میں تمہارا مہمان ہوں۔ صرف تمہاری باتیں سننا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ میں تمہارا دُکھ بانٹ لینا چاہتا ہوں۔''

لڑکی شش و پنج میں مبتلا تھی جیسے کچھ کہنا بھی چاہتی ہو اور کہتے ہوئے ڈرتی بھی ہو۔

''ہائے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں نے ابھی تک تمہارا نام بھی نہیں پوچھا۔ حالانکہ تمہیں اپنا سمجھنے لگی ہوں۔''

''مہر تاب ہے میرا نام۔'' لڑکی کو پگھلتے دیکھ کر اس نے ہمدردی سے اپنا ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیا ــــ ''مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں تمہارے کام آؤں گا۔''

آموسی کی آنکھوں میں سپاس، اعتماد اور محبت کی چمک پیدا ہوئی اور یہی عورت کی وہ آخری پونجی ہوتی ہے جس کے لٹ جانے کے بعد اُس کے پاس کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہ زندگی جو اس نے اختیار کر لی تھی بابل جیسے شہرِ اصنام میں چنداں معیوب نہ تھی کیونکہ دینِ بابل میں تو ہیکلوں، معبدوں اور مندروں کی دیوداسیوں اور پجارنوں کو اپنے حُسن و شباب کا نذرانہ دینا پڑتا تھا۔ عورت بہر حال ضرورت اور آرائش کی چیز تھی خواہ اُسے گھروں میں رکھا جائے، مندروں میں سجایا جائے یا بازار کی رونق بنا دیا جائے۔ وہ ہر فسانۂ عیش کا موضوع تھی۔ اس کے باوجود مہر تاب نے محسوس کیا کہ نور ناہید آموسی اُن عورتوں سے بہت مختلف ہے جو جسم فروشی کا دھندا کرتی تھیں۔ اس کے پیکر میں ایک ایسی عورت چھپی بیٹھی تھی جس کی رُوح گناہوں کی آلودگی سے چھٹکارا چاہتی تھی۔ یہی احساس تھا جس نے مہر تاب کے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کر دیا اور وہ ان مجبوریوں کی کہانی سننا چاہتا تھا جو اسے بازار میں کھینچ لائی تھیں۔

آموسی نے ایک بار پھر اپنے مہمان کا جائزہ لیا اور بولی۔

''میں نے اپنی بربادیوں کی کہانی آج تک کسی کو نہیں سنائی مگر تم اوروں سے مختلف ہو۔ کم

کم اس دنیا کے آدمی ہرگز نہیں جس میں، میں رہتی ہوں۔ اس لئے اپنی مصیبتوں کی داستان ضرور سناؤں گی۔ لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ جو کچھ بیان کروں گی وہ تمہارے سینے میں امانت رہے گا۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''اور کسی سے میری حقیقت کا اظہار نہیں کرو گے۔''

''نہیں کروں گا۔''

''تو پھر وہ راز جو میں نے بارہ سال سے چھپا کر رکھا ہے آج تم پر افشا کرتی ہوں۔''

رات دبے پاؤں گزر رہی تھی اور کھڑکی سے آنے والی دریائے فرات کی خنک ہوا اگرچہ بابل کا ''افسونِ شب'' پھونک رہی تھی لیکن مہرتاب کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس شہر میں اُس کے قیام کی پہلی رات اُسے مقصد کا نیا راستہ دکھا رہی ہو۔

(5)

نُورِ ناہید کی کہانی

◎

آموسی نے اپنی داستان شروع کرنے سے قبل دروازوں کی کنڈیاں چڑھا لیں اور تاریک گلی کی طرف کھلنے والی کھڑکی بند کر دی۔

اس احتیاط کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اس کی آواز اپنے کمرے سے باہر نہ نکلے اور بیمار ماں یا سوڈانی خادمہ کے کانوں میں اس بات کی بھنک بھی نہ پڑے کہ وہ مہمان کو اپنے گزرے دنوں کی کہانی سنا رہی ہے۔ کھڑکی بند کرنے کے بعد وہ مہرتاب کے سامنے بستر پر بیٹھ گئی اور اپنے ماضی میں جھانکتے ہوئے بولی۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے، آج سے بارہ برس پہلے ماہِ زلو کی پندرہ تاریخ تھی اور صحراؤں کی وحشی ہوائیں بابل کی اُونچی اور ہیبت ناک فصیلوں سے سر پٹخ رہی تھیں جب ایک لبنانی سوداگر اپنے چھوٹے سے قافلے کے ہمراہ بابِ شمرامنس پر روک لیا گیا۔ اُس روز بڑی تیز آندھی آئی تھی۔ اہلِ قافلہ گرد آلود ہوا کے تھپیڑوں سے بچنے کے لئے بابِ شمرامنس کی ڈیوڑھی میں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھے تھے اور کلدانی سپاہی اُن کے سامانِ تجارت کی تلاشی لے رہے تھے۔

سپاہیوں کا رویہ توہین آمیز تھا اور اہلِ قافلہ خوفزدہ تھے کہ کہیں اُن کا سامان ہی ضبط نہ کر لیا جائے۔ لیکن لبنانی سوداگر جس نے بابِ شمرامنس کے محافظوں اور محصول لینے والے افسروں کو اپنا نام عمون بتایا تھا اپنی بیوی اور پانچ سالہ بچی کو تسلی دے رہا تھا کہ قافلے کو صرف تلاشی کے لئے روکا گیا ہے اور اس کی ادائیگی کے بعد وہ شہر میں داخل ہو سکیں گے۔ لیکن آندھی کے ساتھ کلدانی افسروں کے مزاج بھی بگڑتے جا رہے تھے۔ ابھی حساب کا معاملہ ختم نہ ہوا تھا کہ

باغاتِ معلقہ کا شاہی داروغہ شبوران صحرائی ہواؤں کے طوفان میں بگولے کی طرح ایمگور بل پر نمودار ہوا۔ اس کے ہمراہ مسلح سواروں کا دستہ تھا۔ اس نے آتے ہی حکم سنایا۔

''سوداگر عمون، اس کی بیوی، بیٹی اور تمام اہلِ قافلہ میرودتیج کے حضور پیش ہوں گے۔''

یہ حکم سن کر سب لوگ پریشان ہو گئے کہ ان پر کوئی ناگہانی مصیبت آنے والی ہے لیکن حکم کی تعمیل بہر حال ضروری تھی۔ شبوران نے آندھی تھمنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور پورے قافلے کو اپنے زرہ پوش سواروں کے حلقے میں لے کر شہر کی طرف چل دیا۔

صحرائی طوفان کی وجہ سے اس شام ہیکل بل مردوک کے گنبدوں میں روشن ہونے والی قندیلیں بجھ گئی تھیں۔ سارا بابل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بازار سُونے پڑے تھے۔ ہیکلوں، معبدوں، مندروں اور بلند عمارتوں پر وحشت برس رہی تھی۔ اندھیری گلیوں اور بازاروں میں وحشی ہوائیں ارواحِ خبیثہ کی مانند چیختی چلّاتی پھر رہی تھیں اور لوگ گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے تھے۔

زرہ پوش سوار قافلے کو گھیرے میں لئے اور سوداگر کو گالیاں دیتے ہوئے جس کے طفیل انہیں اس طوفان میں خوار ہونا پڑا تھا۔ پہاڑی ٹیلے کے پاس باغاتِ معلقہ کے بڑے برجی دروازے پر پہنچ گئے پھر شبوران نے اہلِ قافلہ کو تو سواروں کی نگرانی میں وہیں چھوڑا اور صرف سوداگر، اُس کی بیوی اور بچی کو لے کر اندر آیا۔ محل کے باہر آندھی کے جھکڑوں کا زور اور طوفانی ہواؤں کا شور آہستہ آہستہ تھم رہا تھا لیکن اندر ایک اور طوفان گرج گونج رہا تھا اور اس طوفان کا نام تھا ـــــ بیلشازار[1] میرودتیج[2]، جس کے دل و دماغ میں قہر کی آندھیاں چل رہی تھیں۔

میں یہ بھی بتاتی چلوں انہی دنوں شاہ بنونید نے اپنے بیٹے بیلشازار کو میرودتیج (نائب السلطنت ولی عہد) مقرر کیا۔ اسے ملک پر حکومت کے اختیارات دیئے اور خود قصرِ نوادرات میں غائب رہنے یا اعتکاف بیٹھنے لگا تھا۔ بیلشازار میرودتیج اُس کی روپوشی کے ایام میں دربار لگاتا، تختِ اژدر پر بیٹھتا اور ''شاہِ حاضر'' کہلاتا تھا۔ لیکن لبنانی سوداگر کا مقدمہ دربارِ اساگیلہ میں پیش نہیں ہوا۔ اس کی سماعت کا اہتمام باغاتِ معلقہ کے شاہی قصر میں کیا گیا جہاں بیلازار

[1] فلپ کے حتی کے نزدیک ''بیلشازار'' دراصل اکادی زبان کا لفظ تھا جس کا تلفظ ''بیل شار لوصور'' تھا یعنی بل بادشاہ کا محافظ ہو۔ (ہسٹری آف سیریا)

[2] میرودتیج ولی عہد یا نائب السلطنت کو کہتے تھے۔ (تاریخ بابل ونینوا)

بہ نفسِ نفیس موجود تھا۔

جب سوداگر کو ''شاہِ حاضر'' کے سامنے لایا گیا وہ غصہ و جوش میں کسی وحشی بیل کی طرح ہانپ رہا تھا۔ اگرچہ اُس نے ''کلدانی انصاف'' کا تقاضا پورا کرنے کے لئے سوداگر کو بولنے کا موقع دیا لیکن معلوم ہوتا تھا، مقدمے کا فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ بیلشازار اور سوداگر کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بیان کرتی ہوں۔

بیلشازار نے سوداگر کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور پوچھا۔ ''نام ـــــ؟''

''ربِ بل بادشاہ کا محافظ ہو، مجھے عمون کہتے ہیں۔''

''قوم ـــــ؟''

''فونیقی۔''

''پیشہ ـــــ؟''

''تجارت۔''

''کب سے تجارت کرتے ہو؟''

''آبائی پیشہ ہے۔''

''بابل کے لئے پروانۂ راہداری کس نے دیا؟''

''سامریہ کے کلدانی صوبے دار نے۔'' اس کے ساتھ ہی سوداگر نے عرض کی۔ ''میں دیوتاؤں کے فرزند اور بہادر بیلشازار کے لئے ایک نایاب تحفہ بھی لے کر آیا ہوں۔''

میرودتیج گرجا۔ ''ہم جانتے ہیں تم ہمارے لئے کیا تحفہ لے کر آئے ہو۔''

پھر اُس نے تالی بجائی۔ فوراً ہی دو سرکاری محرر مٹی کی چند پختہ الواح لے کر حاضر ہوئے اور بیلشازار کی دائیں جانب چند قدم کے فاصلے پر رُک کر سرنگوں ہو گئے۔ میرودتیج کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اچانک اس نے بجلی جیسی تیزی سے سوداگر کی جانب اپنا بازو لہرایا اور قہر آلود لہجے میں کڑکا۔

''تم عمون نہیں، پارمتیو ہو، فونیقی نہیں یونانی ہو، سوداگر نہیں سپاہی پیشہ ہو۔ تمہارے باپ دادا نے کبھی تجارت نہیں کی۔ تم نے دیوتاؤں کے حضور غلط بیانی کی اور ہمیں دھوکا دیا۔ تم بابل میں تجارت کرنے نہیں بلکہ ہمیں اور ہمارے والدِ بزرگوار کو قتل کرنے کا منصوبہ لے کر آئے۔ اور یہودی غلاموں سے قیمت لے کر کام کرتے ہو۔ تمہارے متعلق یہودیہ (یروشلم) کے

کلدانی صوبے دار نے ضروری معلومات ہمیں ارسال کی ہیں جنہیں ہمارے محرر تمہارے سامنے پڑھ کر سنائیں گے۔''

پھر بیلشازار کے اشارے پر شاہی محرروں نے باری باری مٹی کی پختہ الواح پڑھ کر سنائیں۔ ان الواح پر آرامی زبان میں سازش کی ایک کہانی تحریر کی گئی تھی جس کے مطابق ایک سابق یونانی فوجی پارمیتیو جو یہودیہ کے صوبے میں حکومت کی طرف سے لگان وصول کرنے والے فوجی دستے کا ٹکسیارکول[1] (کپتان) بھی رہ چکا تھا اس سازش کا سرغنہ تھا۔ دو سال قبل اُس نے فوج کی ملازمت ترک کر دی اور عبرانیوں کے مقدس پہاڑ صیہون پر مقیم بعض یہودی عالموں کے پاس آنے جانے لگا۔ ان شریر یہودیوں کو یروشلم کی تباہی، ہیکل سلیمانی کی بربادی اور اسیرانِ بابل کی غلامی کا بڑا دُکھ تھا اور وہ بابل کے شاہی خاندان سے اس کا انتقام لینا چاہتے تھے۔

چند ماہ قبل صوبے دار کے ایک فلسطینی معتمد نے اطلاع دی کہ یہودی غلاموں نے پارمیتیو کو ایک بڑی رقم کے عوض اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ خفیہ طور پر بابل جائے اور خاندانِ بخت نصر کے شہزادوں بالخصوص شاہ بنونید اور بیلشازار میرودیخ کو موت کے گھاٹ اُتار دے۔ بابل میں اسیر بزرگانِ یہود اس منصوبے میں اس کی مدد کریں گے۔ لیکن کوشش کے باوجود اُن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ اس سازش کی اطلاع ملتے ہی یہودی عالموں اور پارمیتیو کی گرفتاری کے لئے ایک فوجی دستہ صیہون کی طرف روانہ کیا گیا مگر وہ سب لوگ قبل از وقت فرار ہو چکے تھے۔ پارمیتیو بھی اپنی بیوی روڈس اور بچی کے ہمراہ روپوش ہے۔ ان لوگوں کی تلاش جاری ہے۔ اگر سازشی ہاتھ آ گئے تو پابہ زنجیر بابل روانہ کر دیئے جائیں گے۔ فی الحال یہ تحریر اس لئے ارسال کی جا رہی ہے کہ دولت کالدیہ کے بلند اقبال بادشاہ اور بیلشازار میرودیخ جن کی حفاظت دیوتا خود کرتے ہیں، صورتِ حال سے آگاہ رہیں۔

الواح کی تحریر پڑھ کر دونوں محرروں نے باری باری سوداگر کو نفرت آلود نظروں سے دیکھا اور بیلشازار پھر گرجا۔

''کیا تم ہمارے صوبے دار کے بیان کی تردید کر سکتے ہو؟''

تردید کی غالباً کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ بیلشازار کو جس منصوبے کی اطلاع دی گئی وہ درست تھی۔ یہودیہ کے صوبے دار کا تحریری بیان سنتے ہی سوداگر کا رنگ اُڑ گیا۔ بیوی کے

[1] ٹکسیارکول کپتان کا عہدہ تھا۔ (پروفیسر جارج مارنر ابیرس)

چہرے پر موت کی زردیاں کھنڈ گئیں اور بچی بھی سہم کر ماں سے چمٹ گئی۔

میرے مہمانِ عزیز! میں زیادہ دیر تک تمہیں عالمِ حیرت میں نہیں رکھوں گی کیونکہ سوداگر جس نے خود کو عمون ظاہر کیا تھا اور اپنی قومیت فونیقی درحقیقت میرا باپ پارمیتیو یونانی ہی تھا۔ وہ بچی میں ہی تھی جو اپنی ماں کا دامن تھامے خوف سے کانپتی رہی۔ میرے باپ نے صحت جرم سے انکار نہیں کیا کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ تقدیر کے بے رحم ہاتھ نے بازی اُلٹ دی تھی اور سب کچھ غارت ہو گیا تھا۔ تم خود اندازہ کر سکتے ہو، اس انکشاف کے بعد کہ میرا باپ شاہ بنونید اور بیلشازار میرودیخ کے قتل کا خوفناک منصوبہ لے کر آیا تھا، ہم پر کیا بیت گئی ہو گی۔

آہ ___ اس واقعے کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور نبضیں ساکت ہونے لگتی ہیں۔ کیونکہ بیلشازار کے اشارے پر شبوران نے تلوار کے ایک ہی وار سے میرے باپ کا سرتن سے جدا کر دیا اور ماں نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ کہیں یہ ہولناک منظر دیکھ کر میری چیخ ''شاہِ حاضر'' کو مزید برہم نہ کر دے۔ میرے باپ اور بیلشازار میں سے ایک کو بہرحال مرنا تھا مگر موت کا دیوتا میرے باپ کو جھپٹ کر لے گیا۔ ابھی بیلشازار کوئی دوسرا حکم دینے ہی والا تھا کہ شبوران نے درخواست کی۔

''یہ یونانی عورت مجھے بخش دی جائے۔ میں اس کے ذریعے اُن بزرگانِ یہود کا سراغ لگاؤں گا جو بابل میں پارمیتیو کی مدد کرنے والے تھے۔''

بیلشازار کو یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے شبوران کو حکم دیا۔ ''تم عورت اور بچی کو اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ مگر تمام اہلِ قافلہ کو قتل کر دو۔ سامان لُوٹ لیا جائے۔''

شبوران تعمیل حکم کے لئے باہر نکلا۔ ماں میری انگلی پکڑ کر اس کے پیچھے پیچھے ہو لی اور فوراً ہی ہمارے عقب میں شاہی محل کا دروازہ بند ہو گیا۔ باہر تاریک رات ابھی تک اژدھوں کی طرح پھنکار رہی تھی۔ شبوران ایک وسیع صحن عبور کر کے جس میں جگہ جگہ کونار، مہندی اور کھجور کے درخت ایستادہ تھے، شاہی محل کے برنجی دروازے پر پہنچا۔ اس نے جاتے ہی زرہ پوش سواروں کو اہلِ قافلہ کے قتل کا حکم دیا اور خود بھی تلوار کھینچ کر اُن پر ٹوٹ پڑا۔ نہتے لوگوں کو ختم کرنے کے بعد سوار سامانِ تجارت لُوٹنے میں مصروف ہو گئے۔

ماں میرا ہاتھ تھامے چند قدم پیچھے ہی رک گئی اور اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں تاکہ قتل و خون ریزی کا بھیانک منظر نہ دیکھ سکے۔ اچانک ایک سایہ ہمارے قریب آیا اور

اندھیرے میں سرگوشی اُبھری۔ ''خاتون! اِدھر آیئے۔''

پھر کسی نے بڑھ کر مجھے گود میں اٹھا لیا اور واپس صحن کی طرف بھاگا۔ ماں اس کے پیچھے لپکی۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ نہ سوال کرنے کا وقت تھا نہ جواب سننے کی مہلت۔ اندھیرے میں ہم ایک مہیب دیوار کے قریب سے گزرے، پھر نامعلوم آدمی جس کا چہرہ تاریکی میں پہچانا نہ جاتا تھا ایک دروازے کے پاس رک گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور ہمیں ایک اندھیری سنسان گلی میں دھکیل کر بولا

''خاتون ـــــ! اس وقت ہم قصرِ میرودتج کے عقبی حصے میں ہیں۔ یہ گلی آپ کو دوسرے دروازے پر لے جائے گی جہاں عموماً ایک یا دو پہرے دار ہوتے ہیں۔ انہیں دینے کے لئے اگر آپ کے پاس دو طلائی چھلّے ہیں تو دروازہ کھل جائے گا اور آپ فرات کے ساحل پر جا نکلیں گی جس کے اس پار محلّہ کبر میں پہنچ کر آپ محفوظ ہو جائیں گی۔ وہاں ذکریا بن[1] برکیا آپ کے منتظر ہوں گے۔''

پھر نامعلوم آدمی نے بہ عجلت اپنی کمر سے ایک چرمی تھیلی نکالی اور ماں کے ہاتھ پر رکھ دی ـــــ ''اس میں پچاس طلائی چھلّے ہیں۔ یہ آپ کے کام آئیں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور ہم نے صرف اُس کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔

ماں نے مجھے سنبھالا اور تن بہ تقدیر اُس اندھیری گلی میں ہو لی جو چٹانوں کو کھود کر بنائی گئی تھی۔ گلی قبر کی مانند تاریک تھی۔ اس کا اختتام ایک آہنی دروازے پر ہوا جہاں دو کلدانی پہرے دار موجود تھے۔ ماں نے بتایا۔ ''آندھی کے باعث محل کا برجی پھاٹک بند کر دیا گیا ہے۔ دروازہ کھول دو، میں دیوتاؤں کے فرزند بیلشازار میرودتج کے ایک ضروری کام کے لئے باہر جا رہی ہوں۔''

ساتھ ہی اس نے دونوں پہرے داروں کے ہاتھ پر ایک ایک طلائی چھلّا رکھ دیا پھر آہنی دروازہ کھل گیا اور ہم موت کے حصار سے نکل کر فرات کے ساحل پر آ گئیں۔ دریا کے کنارے کنارے چلتی گھاٹ پر پہنچیں مگر وہاں کوئی ملاح موجود نہ تھا۔ آندھی کسی قدر تھم گئی تھی اور غبار آلود آسمان پر آخری راتوں کا چاند طلوع ہو چکا تھا مگر اس کی زرد روشنی بتدریج تاریک ہوتی جا

[1] ذکریا بن برکیا بن عدو اسرائیلی نبی تھے۔ بائبل میں ان کا صحیفہ ''ذکریا'' کے نام سے شامل ہے۔ زمانۂ اسیری میں بابل میں تھے۔ انہی کا صفاتی نام ماروت تھا۔ (مصنف)

رہی تھی۔ وہ چاند گرہن کی رات تھی۔ زخمی، افسردہ، منحوس رات۔ ناگہاں ایک سایہ ساحل کی جھاڑی سے نکل کر ہماری جانب بڑھا۔ وہ کوئی کاہن تھا جو چاند گرہن کی رات دریا پر کالے علم کا عمل کرنے آیا تھا۔ ماں نے اُسے اپنی بپتا سنائی اور مدد کی درخواست کی مگر کاہن بولا۔

''بدنصیب عورت! بابل کی زمین تجھے اور تیری بچی کو پناہ نہیں دے سکتی۔ یہ بوڑھا دریا بھی تمہیں ہضم نہ کر سکے گا اور تمہاری لاشیں ساحل پر اُگل دے گا۔''

''پھر میں کیا کروں، کہاں جاؤں؟'' ماں نے کاہن کے پاؤں پکڑ لئے اور گڑگڑا کر کہا۔ ''اگر مجھے نہیں تو میری بچی کو بچا لو، اسے ساتھ لے جاؤ۔''

''نہیں ـــــ میں معبدِ انلیل کا کاہن آتور ایسا نہیں کر سکتا۔ نہ شہر کا کوئی دروازہ تمہارے لئے کھل سکتا ہے مگر ـــــ'' کاہن کچھ سوچنے لگا ـــــ ''ایک دروازہ ہے۔ سوبانہ کے گھر کا دروازہ۔ اگر اس نے تمہیں قبول کر لیا تو موت بھی تمہیں اس کے ہاتھ سے نہیں چھین سکے گی۔ لیکن وہ ایک کسبی ہے اور ہیکل زہرہ کے پچھواڑے کسبیوں کے محلّے میں رہتی ہے۔''

ماں نے فوراً حامی بھر لی اور بولی۔ ''تمہیں انلیل دیوی کا واسطہ، مجھے سوبانہ کے پاس لے چلو۔''

تم پوچھو گے ہم محلّہ کبر میں کیوں نہ گئیں جہاں ذکریا بن برکیا ہمارا منتظر تھا لیکن ماں اسیرانِ بابل سے دُور رہنا چاہتی تھی۔ پھر ہم پر جو مصیبت آئی اس کا اصل سبب عبرانی ہی تھے اور ماں کسی دوسری مصیبت کے لئے تیار نہ تھی۔ اُس نے سوبانہ کسبی کے گھر کو ترجیح دی اور کاہن آتور کے ساتھ ہو لی جو تاریک راستوں اور سنسان بازاروں سے گزرتا اُسی اندھیری گلی میں داخل ہوا جس میں آج تم داخل ہوئے ہو۔ ہم نے وہی چوبی زینہ طے کیا جو آج تم نے طے کیا ہے۔ پھر کاہن آتور نے اسی کمرے میں لا کر، جہاں تم بیٹھے ہو ہمیں سوبانہ کسبی کے سپرد کر دیا۔

''میں نے تمہیں ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ میرے باپ کا کٹا ہوا سر بابِ شمرامنس پر لٹکا دیا گیا اور سر بریدہ لاش اس کے دوسرے ساتھیوں کی لاشوں سمیت نہرِ کبار کے کنارے گندگی اور غلاظت کے اُن ڈھیروں پر پھینک دی گئی جہاں محلّہ کبر کے کوڑھی اور مفلوج گداگر پڑے سسکتے رہتے اور آوارہ کتے پیشاب کرتے ہیں۔ دوسرے ہی روز ہماری تلاش بھی شروع ہو گئی۔ شبوران کے سوار، شاہی جاسوس اور گماشتے ہر بازار، ہر کوچے، ہر محلّے اور ہر آبادی میں پھیل گئے۔ محلّہ کبر کی عبرانی بستی کو سپاہیوں نے گھیر لیا۔ ایک ایک گھر کی تلاشی لی، ایک ایک آدمی ـــ

ہمارا پتہ پوچھا۔ یہودی غلاموں اور عورتوں کو پیٹا گیا۔ کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر کہیں سے ہمارا کھوج نہ مل سکا۔ سوبانہ کسبی نے کسی کو ہماری ہوا بھی نہ لگنے دی۔ دو ماہ کے بعد میرودیخ بیلشازار کے حکم پر شاہی داروغہ شبوران کو بھوکے شیروں کی ماند میں چھوڑ دیا گیا اور اس طرح میرے باپ کا قاتل اپنے انجام کو پہنچا۔

ہم سمجھتے تھے معبد انلیل کے کاہن آتور کے علاوہ دوسرا کوئی ہمارے متعلق کچھ نہیں جانتا کہ ہم کہاں ہیں لیکن چھ ماہ کے بعد ماہِ بول کے آخری ہفتے میں محلہ کبر کا ایک عبرانی کاہن ہمارے دروازے تک پہنچ گیا اور کہنے لگا۔

''میں خداوند خدا رب الافواج یہواہ کا بندہ اور پارمیتیو کی بیوی کے لئے جس کا نام روڈس ہے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔''

سوبانہ نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ''ارے تیرے خداوندِ خدا کا ہم کسبیوں کے محلے میں کیا کام؟''

ماں نے بھی صاف صاف جواب دے دیا کہ میں عبرانیوں کے خدا کو نہیں جانتی جس پر یہودی بولا۔ ''کیا تیرا نام روڈس نہیں ــــــ؟ تو پارمیتیو یونانی کی بیوی نہیں ــــــ؟''

اس پر سوبانہ پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔ ''موئے! کس پارمیتیو کی بات کرتا ہے؟ کسبی تو ہر رات اپنا خاوند بدلتی ہے۔''

پھر اُسے ایسی کھری کھری سنائیں کہ یہودی اُلٹے پاؤں بھاگ نکلا۔ سوبانہ نے میری ماں کو اپنی بھانجی ظاہر کیا۔ اس کا نبطی نام حمونہ رکھا اور مجھے آموسی ــــــ نورِ ناہید کے نام سے یاد کرنے لگی۔ لوگوں کو یہی نام یاد رہ گئے اور اس طرح میں کسبیوں کے اسی محلے ــــــ اسی گھر میں پل کر جوان ہو گئی۔ بارہ سال کی تھی جب زہرہ جمال بیدخت نے مجھے اپنی ''پیاری'' بنا لیا۔ شاید تمہیں معلوم نہیں ''زہرہ جمال'' اس کا دوسرا نام ہے۔ یہاں عورت کے دو دو نام ہوتے ہیں۔ یہ ناموں کا چکر بھی عجیب ہے۔ مگر مجھے اور میری ماں کے نئے ناموں ہی نے زندگی بخشی۔ ہم یونانی قومیت اور یونانی نام برسوں پہلے ترک کر چکی ہیں۔ تم خود سمجھ سکتے ہو اگر کسی کو شبہ بھی ہو جائے کہ میری ماں دراصل حمونہ نہیں بلکہ پارمیتیو کی بیوہ روڈس ہے اور میں اس کی بیٹی ہوں جن کے متعلق بارہ برس قبل یہ فرض کر لیا گیا کہ وہ دریا میں غرق ہو گئیں اور پراتو کے نہنگوں کی خوراک بن چکی ہیں تو ہم پر کتنی بڑی مصیبت آ سکتی ہے۔ کیونکہ شاہ بنونید اور بیلشازار

دونوں زندہ ہیں اور زندہ انسان اپنے دشمن کی اولاد کو کبھی نہیں بھولتے۔ اسی لئے ــــ ہاں، اسی لئے جب تم نے انکشاف کیا کہ میں اور میری ماں یونانی ہیں تو میں خوف سے کانپ اٹھی کہ شاید ہم سے پھر کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

مہرتاب ــــ میرے عزیز مہمان! میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، کیا چاہتے ہو لیکن تمہاری صورت میں مجھے ایک انجانی یگانگت، ایک نامعلوم اپنائیت سی نظر آئی اور میں نے تمہیں اپنی کہانی سنا دی جسے سن کر کوئی بھی دشمن ہم ماں بیٹی کو تباہ و برباد کر سکتا ہے کیونکہ یونانی ہونا ہمارے لئے آج بھی اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا بارہ سال پہلے تھا۔ ہم نے یہ راز سب سے پوشیدہ رکھا ہے کہ ہمارا یونان سے کوئی تعلق ہے۔ اب تو میں ایک سال سے باقاعدہ کسبی کا پیشہ کر رہی ہوں اور کسبی کی کوئی قوم، کوئی وطن، کوئی نام نہیں ہوتا۔ اس کے لئے صرف حسین اور جوان ہونا ضروری ہے کیونکہ یہی اس کی پہچان، یہی اس کی زندگی ہے۔

یہ ہے میری کہانی جو میں نے صرف تمہیں سنائی ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں یہ قصہ ختم کر کے تمہیں محبت سے شاد کام کروں اور جوانی کی لذت سے اپنا حصہ لوں۔ یہ بھی بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں نے بیدخت کو کیوں چھوڑا۔ تم اس کی باتیں سننا پسند کرتے ہو نا، شاید یہ بات بھی پسند کرو۔

بلوغت کو پہنچنے سے پہلے میں پانچ سال تک بیدخت کی پیاری رہی اور ''کاشانہ زہرہ'' میں جہاں وہ رہتی ہے پانچ سال تک اس کے ساتھ سوئی ہوں۔ وہ مجھے بے حد عزیز رکھتی اور اپنی تمام ''پیاریوں'' سے زیادہ چاہتی تھی۔ لیکن پچھلی عیدِ بیلس[1] پر ایک عجیب و غریب واقعہ پیش

---

[1] ''عیدِ بیلس'' اہلِ بابل کا سب سے بڑا مذہبی تہوار تھا۔ یہ دراصل مقدس بیل اور گائے کے ملاپ کا میلہ تھا جو ہر سال بہت دھوم دھام سے منایا جاتا اور لاکھوں مرد و زن یہ شرمناک تماشا دیکھنے آتے تھے۔ بعض مؤرخوں نے اسے بیل کے ظہور یا پرستش کا میلہ بھی قرار دیا ہے۔ بیل کی پرستش میں جنس پرستی اور زناکاری مذہب کا جزو بن گئی تھی۔ اس موقع پر ہر سال حرام کے ہزاروں حمل ہوتے تھے۔ شاہی خاندان اور اُمرائے سلطنت کی عورتیں بھی اس تہوار پر ثواب کی خاطر ان لوگوں سے ہمکنار ہوتی تھیں جو ان کی تمنا کرتے تھے۔ عام عورتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ اگرچہ امراء اسے ناپسند کرتے مگر مذہب سے مجبور تھے کیونکہ کاہن اور پروہت ان کی ایک نہ چلنے دیتے۔ خود بخت نصر کی بیٹی ایک [illegible] کے ساتھ ملوث ہوئی۔ آخر دونوں نے بل مردوک کی ہیکل میں پناہ لی اور شہنشاہ کے خلاف کاہنوں نے انہی کا ساتھ دیا اور ان کے فعل کو جائز ٹھہرایا۔ ہیروڈوٹس اور استرابو جیسے مورخ اگرچہ خود بت پرست تھے لیکن انہوں نے دینِ بابل کی شہوت انگیز رسومات کی شدید مذمت کی ہے۔ (مصنف)

آیا کہ مجھے زہرہ جمال بیدخت کو چھوڑنا پڑا۔

تم اس شہر میں نئے ہو، شاید نہیں جانتے کہ یہاں عیدِ بیلس بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ یہ دراصل کلدانیوں کا ایک مذہبی تہوار ہے۔ جس میں مقدس بیل کی گائے سے جُفتی ہوتی ہے اور لاکھوں مرد وزن ایک میلے کی صورت میں یہ تماشا دیکھتے ہیں۔ مقدس بیل کا میلہ معبدِ اکور کی عقبی تماشا گاہ میں لگتا ہے جہاں لاکھوں انسانوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ یہ بھی بتا دوں کہ عیدِ بیلس پر بڑے بڑے رنگین اور شرم ناک واقعات پیش آتے ہیں اور تماشا گاہ میں وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو عام حالات میں نہیں ہوتا۔ اس روز مقدس بیل کے نام پر کوئی عورت کسی مرد کی فرمائش سے انکار نہیں کر سکتی کیونکہ دینِ بابل کے نزدیک انکار مذہبی جرم ہے اور بادشاہ بھی اس مذہبی رسم میں مداخلت کا مجاز نہیں۔ اس موقعے پر کئی کنواریاں، کئی سہاگنیں سرِ عام خود کو اپنے چاہنے والوں کے سپرد کر دیتی ہیں۔

تم جانو، ایک دوشیزہ کے لئے جس کا کبھی کسی مرد سے سابقہ نہ پڑا ہو یہ سب کچھ کتنا حیرت انگیز اور سنسنی خیز ہو سکتا ہے۔ پچھلی عید پر جب سولہ برس کی تھی، میں بھی میلہ دیکھنے تماشا گاہ کی طرف ہو لی۔ بس دل میں یونہی ترنگ سی اٹھی۔ سوچا میلے کی ایک جھلک دیکھ کر لوٹ آؤں گی۔

مگر جب تماشا گاہ میں داخل ہوئی، سیاہ رنگ اور کریہہ شکل کا ایک ہٹا کٹا آدمی جس کی عمر تیس بتیس سال کے درمیان ہو گی، نہ جانے کہاں سے میرے پیچھے لگ گیا۔ میں اس سے بچنے کے لئے ہجوم کو چیرتی، عورتوں، مردوں سے ٹکراتی ایک طرف نکل چلی گئی اور ابھی تماشا گاہ کی سیڑھیوں پر پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ اس آدمی نے جھپٹ کر میری کلائی پکڑ لی اور بولا۔

''کیا تمہارا نام ہی نورناہید ہے؟''

''ہاں ——'' میں اُس کی زبان سے اپنا نام سن کر حیران بھی ہوئی اور اُس کی خوفناک شکل دیکھ کر ڈر بھی گئی —— ''لیکن میں تمہیں نہیں جانتی۔''

''اب جان لوگی۔'' وہ کہنے لگا۔ ''میں تمہی کو ڈھونڈ رہا تھا۔''

''کیوں؟''

''یہ سوال مجھ سے نہیں، زہرہ جمال بیدخت سے کرنا جو معبدِ اکور میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

''زہ رہ —— جمال —— بے —— دخت ——'' میرے ہونٹ تھرائے۔

اُس نے تمہیں تماشا گاہ میں دیکھ لیا تھا، پھر مجھ سے کہا کہ میں بھاگ کر تمہیں بلا لاؤں۔''

یہ ایک غیر متوقع خبر تھی۔ میں پریشان ہو گئی اور سمجھی کہ بیدخت مقدس بیل کا میلہ دیکھنے آئی ہو گی اور اس نے تماشا گاہ میں آنا مناسب نہ سمجھا ہو گا۔ یہی سوچ کر میں اُس آدمی کے ساتھ چل دی۔ وہ مجھے بھیڑ سے نکال کر معبدِ اکور کے ایک حجرے کے دروازے پر لے آیا جہاں ایک پجاری کھڑا جیسے ہمارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ خوف ناک آدمی نے اُسے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا۔

''سب ٹھیک ہے۔''

یہ سنتے ہی پجاری چپ چاپ وہاں سے کھسک لیا اور اس آدمی کے ساتھ میں گھبرائی گھبرائی سی حجرے میں داخل ہوئی۔ مگر وہاں بیدخت تو کیا، اس کی پرچھائیں بھی نہیں تھی اور دروازہ میرے عقب میں بند ہو چکا تھا۔ میں خوف سے چلائی۔ ''کہاں ہے بیدخت؟''

''گزشتہ ماہ چاند کی تیسری رات کو میں نے اُسے ہیکل زہرہ میں دیکھا تھا۔'' اُس کے لبوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ تھی۔ ''میں نے تمہیں بھی اُسی رات دیکھا، تم اُس کے آگے آگے چل رہی تھیں اور میں نے منت مانی تھی کہ عیدِ بیلس تمہارے ساتھ مناؤں گا۔''

''تم —— تم ——'' خوف سے میری آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

''میں چاہِ بابل کا داروغہ اور میرودیخ بیلشازار کا خادم نبوسلان ہوں۔''

میں تھرا اُٹھی کیونکہ بیلشازار اور اُس کے خادم ہمیشہ میری بربادی کا باعث بنے ہیں۔ پہلے تو مجھے ہوش ہی نہ رہا کہ کیا کروں۔ پھر روئی، تڑپی، چیخی کہ وہ مجھ پر رحم کرے لیکن یہ سب کچھ بیکار تھا۔ نبوسلان نے میری تباہی کے لئے عیدِ بیلس کا دن چنا تھا اور میری فریاد کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ پھر پجاری بھی جا چکا تھا اور میں کسی کو یہ بھی نہ بتا سکتی تھی کہ نبوسلان مجھے دھوکے سے یہاں لایا ہے —— تم میری مجبوری اور بے بسی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اُس شیطان نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے مزاحمت کی، اس کا کہنا نہ مانا تو وہ مجھے ماں سمیت بیلشازار کے حضور لے جائے گا۔ پھر مزاحمت کے ساتھ میری منت سماجت بھی دم توڑ گئی۔ میرے آنسو اس کے پتھر دل موم نہ کر سکے اور وہ بھیڑیئے کی طرح مجھ پر جھپٹتا رہا۔

اس واقعے کے بعد میں پھر ''کاشانہ زہرہ'' میں نہیں گئی۔ بیدخت نے بلایا، پھر بھی نہیں گئی۔ کیونکہ ''پیاری'' کے لئے چہرا بند کنواری ہونا ضروری ہے اور میری دوشیزگی لٹ چکی تھی۔ میں چاہتی تو کسی کو خبر بھی نہ ہوتی کہ معبدِ اکور میں میرے ساتھ کیا ہوا لیکن دنیا میں صرف

بیدخت ہی تو ایسی ہستی ہے جسے میں دھوکا نہیں دے سکتی۔ مجبوراً میں نے اسے چھوڑ دیا۔ نبوسلان پہلا مرد تھا جو چور دروازے سے میری زندگی میں داخل ہوا۔ پھر کئی مرد آئے اور ایک رات کے مہمان بن کر چلے گئے۔ اب میں ایک کسبی ہوں اور یہی میرا دھندا ہے۔ نبوسلان نے مجھے یہ راستہ دکھایا۔ پھر بھی میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ تم جو بابل کے دُلہا بن کر آئے ہو، آج رات میرے مہمان بنے۔''

اپنی داستان ختم کر کے آموسی نے عجیب سی نظروں سے مہمان کو دیکھا اور کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے میری کہانی سن کر تم کچھ پریشان ہو گئے ہو۔''

مہرتاب یک لخت کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے اپنی ماں کے پاس لے چلو۔''

لڑکی کوندے کی طرح لپکتی ہوئی آگے بڑھی۔ ''نہیں ـــــ تم ماں سے نہیں مل سکتے۔ اگر اُسے معلوم ہو گیا کہ میں نے رازداری کی قسم توڑ دی اور اپنی حقیقت تم پر فاش کر دی ہے تو وہ مجھے بددُعا دے گی۔''

''مجھ سے ملنے کے بعد وہ ایسا نہیں کر سکتی۔''

''ضد نہ کرو مہرتاب! میری بے وقوفی سے جو کچھ تمہیں معلوم ہو چکا ہے اسے اپنے ہی تک محدود رکھو اور بات کو آگے نہ بڑھاؤ۔''

پھر وہ محبت بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی اُس کے ساتھ آ لگی اور کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے بولی ـــــ ''دیکھو، باتوں باتوں میں کتنی رات بیت گئی۔ ستاروں نے کئی منزلیں طے کر لیں اور ہم ابھی تک گفتگو کے صحرا میں بھٹک رہے ہیں۔ آؤ، ذرا ستا لیں۔''

اسی اثناء میں آموسی کے دائیں کندھے پر شلامس کی گرہ کھل اور اس نے جلدی سے وہ دونوں کنارے بائیں ہاتھ سے پکڑ لئے۔ پھر مہرتاب کی طرف پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔

''ذرا یہ گرہ تو لگا دو۔''

مہرتاب سمجھ رہا تھا کہ مردوں کو خوش کرنے کے یہ داؤ پیچ اس کے پیشے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر بھی اس نے کسبی کی حسین خواہش پوری کر دی اور جلدی سے بستر پر بیٹھ گیا تا کہ اس سے بچ سکے۔ لڑکی بھی اس کے پہلو میں آ بیٹھی۔ اس نے صراحی اُٹھائی، پیمانہ بھرا اور مہمان کی طرف بڑھا دیا۔

''سب کچھ بھول جاؤ مہرتاب! صرف مجھے یاد رکھو۔''

اس نے پیمانہ تھام لیا۔ ''میں تو بابل میں اُن حسین عورتوں کا نظارہ کرنے آیا ہوں جن کی خوب صورتی نے زہرہ اور الفیس کی یاد بھلا دی ہے۔''

''سچ ـــــ؟''

''ہاں اور تم مجھے ان عورتوں میں سب سے اچھی لگی ہو۔ اس لئے میں تمہیں اپنے ہاتھ سے شراب پلاؤں گا۔''

یہ غیر معمولی التفات دیکھ کر آموسی کی آنکھوں میں محبت اور مسرت کا نشہ اُتر آیا۔ اس نے شراب کے پیانے کو جو مہرتاب کے ہاتھ میں تھا، مخمور آنکھوں سے دیکھا۔ یہی پیانہ اُن کے درمیان تعلق کی ایک ایسی چلمن بن گیا تھا جس کی ایک طرف نورِ ناہید آموسی تھی، دوسری جانب اس کا مہمان اور وہ دونوں اُس کی اوٹ سے ایک دوسرے کو جھانک رہے تھے۔

''میں تو سمجھ رہی تھی صرف مجھے ستانے اور پریشان کرنے آئے ہو کیونکہ تم بیدخت کے خیال میں گم اور مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔''

''تمہاری داستان سننے کے بعد تم سے دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ لو میرے ہاتھ سے پیو۔''

مہرتاب نے پیانہ اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا اور لڑکی مہمان کے راحت بخش الفاظ بھی پیانے میں گھول کر پی گئی۔ پھر ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا جام اس کے رنگین ہونٹوں سے ٹکرایا اور وہ نشے میں دُھت ہو کر مہرتاب کی آغوش میں گر پڑی۔ ''مجھے... پکڑ... لو۔''

ان الفاظ کے بعد وہ کچھ نہ بول سکی کیونکہ شعور ساتھ چھوڑ چکا تھا اور وہ نیند کی گہری تہوں میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ مہرتاب نے اس کو آرام سے بستر پر لٹا دیا پھر خود اٹھا، سنگھار میز سے بیدخت کی مورتی اٹھائی اور بند کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

صبح جب آموسی بیدار ہوئی تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ وہ اپنے بستر پر تنہا تھی، اپنے کمرے میں تنہا تھی۔ اس کا حسین مہمان غائب تھا۔ بیدخت کی مورتی بھی غائب تھی اور اس کی جگہ سنگھار میز پر ستاترا کے چند طلائی سکے پڑے تھے۔

یہ مورتی کی قیمت تھی یا آموسی کی ایک رات کا معاوضہ جو خالی گزری تھی۔ اس نے جھنجھلا کر چیفو کو آواز دی لیکن وہ سوڈانی کنیز بھی نہیں جانتی تھی کہ مہمان کس وقت گھر سے چلا گیا تھا۔

(6)

دیوتاؤں کا زندان

◎

دربارِ اساگیلہ کے سرکاری وقائع نویسوں نے جو ہر ضروری بات مٹی کی الواح پر رقم کر لیتے تھے تاکہ دفترِ شاہی کے ریکارڈ میں محفوظ رہے، دانائے فرات گوما کی گویائی سلب ہونے سے اس کی مُہرِ خاموشی ٹوٹنے تک بہت سے اہم واقعات اختصار کے ساتھ تحریر کئے تھے مگر مقدس گوما کے اس پیغام کا تفصیل سے ذکر کیا تھا جو جلوداروں کے سردار حنانی کے ذریعے بادشاہ کو بھیجا گیا تھا۔

بابل کی تاریخ میں مقدس گوما کی گویائی لوٹنے کا واقعہ بجائے خود بڑا اہم تھا کیونکہ اگر خاندانِ بخت نصر بل مردوک کا موروثی جانشین تھا تو مقدس گوما اُسی خاندان اور دینِ بابل کے عالموں، کاہنوں کی مجلسِ قومی کا روحانی پیشوا تھا جس کا ہر مشورہ اور پیغام الٰہوں کا درجہ رکھتا تھا۔

پھر ان پُرخطر ایام میں بادشاہ کو اس کے مشوروں کی بڑی ضرورت تھی کیونکہ بنونید نہ صرف بابل بلکہ اپنی ذات کے اردگرد بھی بہت سے خطرے محسوس کر رہا تھا۔ اگرچہ اس نے ایک بار پھر کاروبارِ حکومت سنبھال لیا اور امورِ سلطنت کی خودنگرانی کرنے لگا تھا لیکن گزشتہ پانچ سال کے عرصے میں جب وہ بابل سے دُور شام اور وادیٔ القریٰ کے درمیان صحرا میں تیمؔا[1] کا شہر بسانے اور بڑے بڑے محلات و معبد بنوانے میں مصروف رہا تھا اس کی عدم موجودگی میں بیلشازار ہی ''شاہِ حاضر'' کی حیثیت میں سلطنت کے تمام کام انجام دیتا اور کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا تھا۔ یہ فتنہ پرداز لوگ جو امورِ سلطنت میں اپنی مذہبی برتری چاہتے اور اس

1 بحوالہ ہسٹری آف سیریا

مقصد کے لئے بداندیش بیلشازار کو آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتے تھے، اُسے باپ کے خلاف اُکساتے اور خودمختار بادشاہ بننے کی ترغیب دیتے رہے تھے۔ انہوں نے ارضی دیوتاؤں اور آسمانی الٰہوں کی عبادت گاہوں میں یہ افواہیں بھی مشہور کر دی تھیں کہ ربّ مردوک شاہ بنونید سے ناراض اور میرودیج بیلشازار ہی کو پسند کرتا ہے جو ''اہورموزدہ[1]'' کے پرستار ایرانیوں سے جنگ لڑنا چاہتا ہے۔

ان باتوں نے بادشاہ کو بہت غمگین اور پریشان کر دیا تھا۔ اگر بیلشازار نے ایرانی رسالہ ''قشونِ جاودانی'' کے مقابلے میں سیپار کی جنگ ہار نہ دی ہوتی جس میں اس نے بادشاہ کی ہدایت کے برعکس سیپار کی عظیم دیوار کو چھوڑ کر خود حملے کی غلطی کی اور شکست کھائی تو بدنیت کاہنوں نے کھلم کھلا بادشاہ کی معزولی اور بہادر و جنگ جو بیلشازار کی بادشاہت کا فتویٰ دے دیا ہوتا۔ مگر شکست کے باوجود میرودیج کی خودسری ایک نئی شکل اختیار کر رہی تھی اور بنونید کا خفیہ مشیر ریموت[2] اپنے خاص ذرائع سے یہ بات معلوم کر چکا تھا کہ بیلشازار باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دینے کی تدبیریں سوچ رہا ہے تاکہ خود بااختیار حکمران بن سکے۔ یہ ایک سنسنی خیز اطلاع تھی جس کے ساتھ ہی شہزادی شمورہ کے ایما پر بادشاہ کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کر دیئے گئے تھے۔ امیرِ مطبخ کے علاوہ قصرِ شاہی کی دو کنیزیں بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے خورد و نوش کی ہر شے چکھتی تھیں، پھر کہیں وہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ اس کی شراب بھی ساقی حسیناؤں کو پہلے خود پینی پڑتی تھی کہ کہیں اس میں زہر کی آمیزش نہ ہو۔ کبھی کبھی تو بوڑھے بادشاہ کو شاہی محلات کی فضا میں سانس لیتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے ہوا میں زہر نہ

1 پروفیسر رابنس کے بقول ظہورِ زردشت سے قبل ایران میں سورج دیوتا کو ''ہرمزد'' کہا جاتا تھا اور ہخامنشی بادشاہ بھی اس سے مدد مانگتے تھے مگر کورش نے جس ''اہورموزدہ'' کا ذکر کیا وہ خدائے واحد ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ''خدائے بزرگ و برتر اہورموزدہ ہے۔ اُسی نے زمین پیدا کی اور اُسی نے آسمان بنایا۔'' (ماخوذ از حجارالین سن نانوگریٹ مناریز اینشنٹ ایسٹرن) کورش حضرت زردشت کا پیروکار تھا جس کی آواز چھٹی صدی قبل مسیح فارس و میدیا کے قدیم مجوسی مذہب کے خلاف سنی گئی۔ اس تعلق سے بھی وہ توحید پرست تھا۔ اسلامی محققین نے اُسے قرآنی خطاب ''ذوالقرنین'' کا مصداق قرار دیا اور صالح و عادل حکمران تسلیم کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد 2۔ فتح الباری جلد 6۔ تاریخ ابنِ کثیر جلد 2)

2 ریموت قلعہ اساگیلہ کے خفیہ معاملات کا سربراہ تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈلیم)

گھول دیا ہو۔

ان ایام میں وہ صرف اپنی دانش ور بیٹی شہزادی شمورہ ہی پر اعتماد کرتا تھا جو مذہبی معاملات کے علاوہ امورِ سلطنت میں اسے مشورے دیتی اور اس کی حفاظت و نگرانی کا فرض بھی ادا کرتی تھی۔ باپ کی طرح شمورہ خود بھی تنہائی پسند اور دیویوں کی طرح اکثر خلوت میں رہتی لیکن اپنی پُر حکمت باتوں سے بادشاہ کی ہمت بندھاتی اور اُس کے مُردہ دل میں زندگی، حکومت اور شاہی سطوت کا ولولہ پیدا کرتی رہتی تھی۔ بنونید کی پریشانیوں میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک طرف ایرانیوں کا خطرہ جو بابل سے پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر جھیل سیرامیس کے کنارے خیمہ زن تھے، دوسرے بیلشازار کی طرف سے موت کا دھڑکا، تیسرے کاہنوں، پروہتوں کی سازشیں۔

ان حالات میں اُس نے سالِ نو کا جشن بھی منسوخ کر دیا جو ہر سال ماہِ نیساں کی پہلی سے پندرہ تاریخ تک بڑے جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ ان تمام پریشانیوں پر مستزاد مقدس گوما کی پراسرار خاموشی تھی جسے بدنیت کاہن کسی آنے والی مصیبت کا پیش خیمہ قرار دیتے تھے۔

مگر چاند کی تیسری رات ناگہاں بادشاہ کو اطلاع ملی کہ دانائے فرات کی گویائی لوٹ آئی ہے اور سردار حنانی اُس کا ایک خاص پیغام لے کر درِ دولت پر حاضری کا منتظر ہے۔

یہ ایک خلافِ توقع بات ہوئی تھی۔ بادشاہ نے فوراً شہزادی شمورہ کو طلب کیا پھر اس کے ہمراہ قصرِ خاص میں آیا اور سردار حنانی کو حاضری کی اجازت ملی۔ جلوداروں کا سردار بادشاہ کے حضور سربسجود ہو گیا پھر اس نے خاص انداز میں خبر سنائی کہ ارضِ کالدیا کے بزرگ پیشوا کی زبان کھل گئی ہے۔ شاہ بنونید بڑا مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ اس نے حکم دیا۔ ''سردار حنانی! کھڑے ہو جاؤ اور ہمیں بتاؤ کیا تم نے خود مقدس گوما کو گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے؟''

''بے شک خداوند ____! میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس کے ساتھ ارضِ فرات کے غیب دان نے باتیں کیں اور حضور کے لئے ایک پیغام بھیجا ہے۔''

''اچھا ____ تو کیا ہے وہ پیغام؟''

سردار حنانی نے اپنے حواس کو پوری طرح جمع کیا کہ کہیں الفاظ کی ادائیگی میں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے، پھر پیغام دُہرانے لگا ____ ''خداوند! یوں کہا ہے غیب دان نے کہ کنواری دُخترِ بابل کا دُلہا آ گیا ہے مگر اس کے ساتھ ایک ہولناک مصیبت بھی آنے والی ہے اس لئے بادشاہ کو چاہئے کہ وہ دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا اعلان کریں اور اپنے خلوت خانے سے باہر

آ جائیں تا کہ آنے والی مصیبت ٹل جائے اور لوگ بادشاہ پر اعتماد کریں۔''

سردار حنانی نے آخری فقرہ اپنی طرف سے بڑھا دیا تھا کہ کہیں ''ہولناک'' مصیبت کے الفاظ سن کر بادشاہ انعام کی بجائے اس کے لئے کسی سزا کا حکم صادر نہ کر دے۔ شاہ بنونید اس پیغام کی حکمت کو سمجھا یا نہیں، بہر حال وہ اس بات پر یقیناً مطمئن تھا کہ ارضِ کالدیا کے غیب دان کی زبان کھل گئی ہے اور اب وہ مستقبل کی خبریں دے سکے گا۔ اسی اطمینان کے ساتھ اس نے شمورہ کی طرف دیکھا کہ پیغام کے متعلق اُس کا ردِ عمل معلوم کر سکے اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ شہزادی کا چہرہ جوشِ مسرت سے یک لخت تمتمانے لگا تھا اور اُس کے سراپا میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔ شاید اس لئے کہ باغِ معلقہ میں تنہا وہی ''دُخترِ بابل'' کے لقب سے یاد کی جاتی اور ابھی تک کنواری بھی تھی اور مقدس گوما نے اطلاع دی تھی کہ ''کنواری دُخترِ بابل کا دُلہا آ گیا ہے ____'' انہی الفاظ نے اس کے کنوارے بدن میں کیف آور مستی کی لہر دوڑا دی تھی۔ اس نے بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ پایا تو فوراً خود کو سنبھالا اور بولی۔

''خداوند ____! سردار حنانی واقعی انعام کا مستحق ہے۔ کیونکہ آپ کے لئے خوشی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ مقدس گوما کے الفاظ نویدِ مسرت ہیں۔''

پھر بادشاہ نے بھی خوشنودی کا اظہار کیا اور غلام کو حکم دیا کہ وہ سردار حنانی کے لئے انعام لے کر آئے۔ اور جب بادشاہ جلوداروں کے سردار کو انعام دے رہا تھا، اس نے کہا۔

''سردار حنانی ____! اب تم ہماری طرف سے مقدس گوما کے پاس جاؤ اور دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا مطلب دریافت کرو ____''

شہزادی شمورہ نے بادشاہ کی بات درمیان ہی میں قطع کر دی اور کہا۔ ''یہ مطلب ہم آپ کو سمجھائیں گے پدرِ محترم ____!''

شاہ بنونید بیٹی کے اندازِ تخاطب پر چونک سا گیا۔ پھر سردار حنانی کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا گیا۔ اور جب وہ جا چکا شہزادی نے خشمگیں نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''آپ کو سردار حنانی کے سامنے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی جس سے ظاہر ہو کہ آپ مقدس گوما کے الفاظ کا مطلب نہیں سمجھتے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے بادشاہ دانش وروں کی ہر بات سمجھنے کی صلاحیت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔''

شاہ بنونید بیٹی کی تہدید پر کسی قدر محجوب ہو گیا اور کہنے لگا۔ ''ہم واقعی ''دیوتاؤں کی عبادتِ

عام'' کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ اگر معلوم ہوتا تم اس کا مفہوم جانتی ہو تو ہم خاموش رہتے۔''

''آئندہ آپ کو احتیاط رکھنی چاہیئے۔ ہم آپ کو کئی بار بتا چکے ہیں کہ بادشاہ لوگوں کے سامنے اپنی کسی کمزوری کا اظہار نہیں کرتے۔ بدنیت کاہنوں کے مقابلے میں آپ کی شخصیت مکمل ہونی چاہیئے۔''

''ہم آئندہ اس بات کا خیال رکھیں گے۔''

شاہ بنونید بیٹی پر بے حد اعتماد کرتا اور اس کی دانشمندانہ باتوں سے مرعوب بھی تھا کیونکہ شہزادی شمورہ نہ صرف شاہی حیثیت میں خود کو دوسروں سے بالاتر سمجھتی تھی بلکہ ''تنہائی کے عرفان'' نے اُس کے وجود میں دیویوں کی سی عظمت پیدا کر دی تھی۔ پھر وہ ایسے لہجے میں بات کرنے کی عادی ہو گئی تھی جیسے کوئی دیوی کائنات کے نادیدہ گوشوں میں بیٹھ کر ہم کلام ہو رہی ہو۔ یہی وجہ تھی لوگ اس کے لب ولہجہ کے اسیر ہو جاتے اور اُسے عام انسانوں سے ماورا خیال کرنے لگے تھے۔ وہ چاہتی تھی بادشاہ بھی اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر ثابت کرے تاکہ اس کے شاہی رعب وداب کے سامنے کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکے مگر شاہ بنونید بہت سی پریشانیوں میں گھر کر خود اپنا اعتماد کھو چکا تھا۔ قدیم نوادرات کے شوق، دولت کی ہوس اور اکثر خلوت گزیں رہنے کی عادت نے اُسے کسی قدر مجہول بنا دیا تھا۔ اس پر بڑھاپے کی کمزوری، کاہنوں کی نفرت اور نافرمان بیٹے کی ہوسِ اقتدار اس کی ذات کو ریزہ ریزہ کئے دیتی تھی۔ مگر شمورہ اُس کی ذات کے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کر کے ایک بار پھر اُسے باعظمت حکمران بنا دینے میں کوشاں تھی۔ وہ صرف رہبر و مشیر ہی نہیں اس کی محافظ و نگران بھی تھی اسی لئے بادشاہ اس کی کسی تہدید و خفگی پر برا نہیں مناتا تھا۔ اس وقت بھی وہ شہزادی شمورہ کی طرف کچھ ایسی ملتجیانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اُس کی راہ نمائی کا منتظر ہو۔ مگر وہ خاموش کھڑی شاید کسی مسئلے پر غور کر رہی تھی۔ بادشاہ بولا۔ ''ہم تم سے دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا مطلب سمجھنا چاہتے ہیں۔''

شمورہ نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ''ہم یہ مطلب ضرور سمجھائیں گے پدرِ محترم! مگر اس وقت آپ کو ''دیوتاؤں[1] کے زندان'' میں لے جانا چاہتے ہیں۔''

1۔ کلدانی حکمران مفتوحہ ملکوں سے مختلف قوموں کے جو بُت اور دیوی دیوتاؤں کے مجسمے اسیر کر کے لائے تھے انہیں قلعہ اساگیلہ کے ایک بہت بڑے تہہ خانے میں قید کر دیا گیا تھا۔ یہی تہہ خانہ ''دیوتاؤں کا زندان'' کہلاتا تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈ لیم)

''دیوتاؤں کے زندان میں؟'' شاہ بنونید نے بدحواس ہو کر مسند چھوڑ دی اور حیرت پاش نظروں سے بیٹی کو دیکھنے لگا۔ ''کیوں ــــــ؟''

''اس لئے کہ دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا مطلب آپ کو وہیں سمجھایا جا سکتا ہے۔''

''مگر ہم رات کے وقت غیر ملکی دیوتاؤں کے زندان میں جانا پسند نہیں کرتے۔ ان کی منحوس شکلیں دیکھ کر ہم پریشان ہو جائیں گے۔ یہ کام کل دن کو بھی ہو سکتا ہے۔''

''نہیں پدرِ محترم! ہم آج اور اسی وقت وہاں جائیں گے۔ کیونکہ اسی بات میں آپ کی کامیابی مضمر ہے۔'' شمورہ اپنے فیصلے تبدیل کرنے کی عادی نہیں تھی۔ مجبوراً بادشاہ کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ حالانکہ رات تو کیا وہ دن کے اُجالے میں بھی ''دیوتاؤں کے زندان'' میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ شہزادی نے تالی بجائی۔ فوراً ہی خادمِ خاص حاضر ہو گیا جو ایسے مواقع پر عموماً دروازے کے آس پاس ہی رہتا تھا۔ پھر اس نے حکم دیا۔

''اساگیلہ کے داروغۂ زندان سے کہو ہم اسی وقت ''دیوتاؤں کا زندان'' دیکھیں گے۔ شاہِ معظم ہمارے ساتھ ہوں گے۔''

شہزادی کا حکم سن کر خادم خاص بھاگتا چلا گیا مگر شاہ بنونید دل ہی دل میں پریشان ہو رہا تھا کہ نہ جانے شمورہ اُسے اس لعنتی زندان میں کیوں لے جانا چاہتی ہے جس کے تصور ہی سے اُس کے بدن پر خوف کی تھرتھری طاری ہو گئی تھی۔ مگر ایک نئے عزم و ارادہ نے شہزادی شمورہ کے وقار میں کچھ اور اضافہ کر دیا اور یوں لگتا تھا وہ اپنے ذہن میں کسی حیرت انگیز منصوبے کا تانا بانا بُن رہی ہے۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد قلعہ اساگیلہ کا داروغۂ زندان حاضر ہو گیا جو صرف غیر ملکی دیوتاؤں کے قید خانے کی نگرانی پر معمور تھا۔ باپ بیٹی اس کے ہمراہ باغاتِ معلقہ کے حصار سے نکلے اور اساگیلہ کی طرف چل دیئے۔

تیسری رات کا چاند نیمیتی بل کی بلند و بالا فصیل سے نیچے اُتر گیا تھا اور اب نہ صرف تہرے حصاروں والا قلعہ اساگیلہ بلکہ پورا بابل اُس کی زرد قوس نہ دیکھ سکتا تھا کیونکہ جب چاند اور سورج نیمیتی بل اور ایمگور بل کی نیرنگِ زمانہ فصیلوں کی اوٹ میں روپوش ہو جاتے تو اہلِ بابل ان کی روشنی سے محروم ہو جایا کرتے تھے۔

شاہ بنونید اور شہزادی شمورہ جلد ہی اساگیلہ میں پہنچ گئے۔ تہہ خانوں میں روشنی کرنے والے غلاموں کو پہلے ہی حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ ''دیوتاؤں کے زندان'' میں مشعلیں روشن کر

دیں۔ جب باپ بیٹی اساگیلہ کے اُس کمرے میں پہنچے جہاں سے تہہ خانے کو راستہ نکلتا تھا تو مشعلیں روشن کرنے والے غلام نہایت خاموشی کے ساتھ واپس جا چکے تھے اور داروغہ کے نائب نے انہیں باقاعدہ گن کر باہر نکالا تھا کہ کہیں کوئی بدخواہ برے ارادے سے کسی دیوتا کی اوٹ میں چھپ کر نہ بیٹھ گیا ہو۔ تاکہ اس تنہائی سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ پر حملہ کر سکے۔

جب تہہ خانہ خالی ہو گیا، شاہ بنونید بیٹی کے ہمراہ غیر ملکی معبودوں کے اس تاریخی زندان میں داخل ہوا جہاں قبر کی خاموشیوں سے بھی گہرا اور ہولناک سناٹا طاری تھا۔ اس ویران اور منحوس سناٹے میں کبھی کبھار مشعلوں میں جلنے والی چربی کی "تڑتڑ" ضرور سنائی دیتی تھی لیکن اُس پر بھی فرشتگانِ اجل کے پروں کی سنسناہٹ کا گمان ہوتا تھا۔

اس تہہ خان کی چھت ستّر اسّی فٹ[1] اونچی تھی کیونکہ جو غیر ملکی معبود یہاں قید کئے گئے ان میں بعض کے قد پچاس ساٹھ فٹ سے بھی بلند تھے۔ زندان میں اشوریوں کا وہ خوفناک اور مصر کے ابوالہول کی مانند بھاری جثّے کا جنگ جو دیوتا اشور[2] بھی تھا جسے بخت نصر کا باپ بنوپلاسر بڑی بڑی آہنی زنجیروں میں جکڑ کر اور زمین پر گھسیٹتا ہوا نینوا سے لایا تھا تاکہ اشور کے پجاری جو دیوتا کے ساتھ ہی قیدی بن کر آئے تھے، بچشمِ خود اپنے معبود کی ذلت و رُسوائی کا تماشا دیکھ لیں اور آئندہ کبھی "لشکروں کے خدا[3]" بل مردوک کا تصور نہ کر سکیں۔ اس قید خانے میں شام کا بعل[4] بھی تھا۔ سپیار کا شمس بھی۔ شوشان کا بدہیئت دیوتا شوشنیک بھی۔ حران کا خدائے بربیت

1. کلدانی شاہی محلات، قلعوں، معبدوں اور خاص عمارتوں کے دروازے ایک سو سے دو سو فٹ تک بلند رکھتے تھے تاکہ دیوتاؤں کو آمدورفت میں تکلیف نہ ہو۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس جز 7 تحقیق از ڈائیوڈورس سیکوس یونانی)

2. نبوپلاسر شاہِ بابل نے 612 ق م میں میدیا (عراقِ عجم) کے حکمراں ہوخشترہ سے مل کر نینوا کو تباہ و برباد کیا اور اشوریوں کے دیوتا کو اسیر کرلایا تھا۔ (ہسٹری آف سیریا)

3. مردوک نے بابل کی اصنامی روایات کے مطابق کنگو اور آپسو کے لشکروں کو شکست دی تھی اسی لئے "لشکروں کا خدا" کہلایا مگر کلدانی مردوک کی یہ صفت دراصل بنی اسرائیل کے "رب الافواج یہواہ" کے مقابلے میں بطور طنز و شرارت بیان کرتے تھے۔ (مصنف)

4. بعل شام کا مشہور دیوتا تھا جو دراصل سورج کا مظہر تھا۔ اس کا عظیم مندر شام کے شہر بعلبک میں تھا۔ (متھ اینڈ لیجنڈ ـــــ تاریخ شام، صنمیاتِ قدیم) یہاں جن دیوتاؤں کی مختصری فہرست پیش کی گئی ہے انہیں کلدانی حکمرانوں نے مختلف اوقات میں فتح کیا تھا۔ اگرچہ بعض مفتوحہ علاقے کالدیا ہی میں شامل تھے مگر ان علاقوں کے معبود بابل کے غلام سمجھے جاتے تھے۔ (مصنف)

سین بھی۔ ان کے علاوہ شام، لبنان (فونیقیہ) فلسطین، عرب، عراق، عجم اور آرمیدیا تک کے بے شمار دیوتا گویا "اسیری کی زندگی" گزار رہے تھے۔

یہاں جنگ کی دیوی ایشتار[1] بھی تھی جو اورک سے آئی اور "خاتونِ اورک" کہلاتی تھی۔ یہ دیوی مردوں میں بہت زیادہ مقبول تھی اور بابل میں بھی اس کی پرستش کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا کیونکہ اورک سلطنتِ کالدیا ہی کا شہر تھا۔ سُبلِ[2] یاما اناطولیہ سے آئی تھی اور اپنی اسیری کے باوجود بابل کی عورتوں میں بہت عزیز تھی۔ گھروں میں اُس کی مورتیاں آرائش کے لئے رکھی جاتی تھیں۔ استارات[3] اہلِ صیدا کی دیوی تھی۔ بریت[4] شام کی محبوبہ سمجھی جاتی تھی۔ ملکوم[5] اور کموش[6] بنی عمون کے معبود تھے دجون[7] فلسطین کا خدا تھا۔ نیرگل[8] اہلِ کوت اور اسیما[9] حماۃ کے دیوتا تھے۔ بنجارہ ترتاق، تلک اور غتملک بھی غیر ملکی معبود تھے جنہیں یہودیہ، سامریہ اور صور کے علاقوں سے غلام بنا کر لایا گیا تھا۔

اسی طرح عرب، عراقِ عجم اور آرمیدیا کے مختلف علاقوں میں پوجے جانے والے بے شمار دیوی دیوتا بھی اس زنداں میں اسیر تھے جنہیں کلدانی حکمران مفتوحہ ملکوں سے باقاعدہ گرفتار کر کے لائے تھے تاکہ دنیا بابل کے عظیم معبود بل مردوک کی عظمت و جبروت کا لوہا مان لے۔

زنداں غیر ملکی دیوی دیوتاؤں سے بھرا ہوا تھا۔ ان معبودوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی تھی جن میں بعض پتھر، بعض مختلف دھاتوں اور بعض قیمتی لکڑی سے تراشے گئے تھے۔ ان گونگے اور بہرے معبودوں کی شکلیں بڑی خوفناک اور ڈراؤنی تھیں جنہیں دیکھ کر انسان کی نبضوں میں دہشت کی رَو دوڑ جاتی تھی۔

شاہ بنونید ایک ضعیف الاعتقاد حکمران تھا اور غیر ملکی معبودوں کا سامنا کرتے ہوئے خوف محسوس کرتا تھا جو اس زندان میں ابھی تک اپنی قید کے دن کاٹ رہے تھے۔ اس خوف کی اگرچہ کوئی وجہ نہیں تھی لیکن وہ دیوتاؤں کے زندان میں داخل ہوا تو مشعلوں کی روشنی میں ان کی عجیب و غریب، بدہیئت اور مکروہ شکلیں دیکھ کر اپنے جسم میں ایک سنسنی محسوس کرنے لگا۔ اس کا

1. ایشتار رزم کی دیوی اور مردوک کے بعد مردوں میں سب سے زیادہ مقبول تھی۔ (بحوالہ ہیرلڈ لیم)

2. سُبلِ یاما سمرنا (اناطولیہ) کی دیوی تھی جس کا مندر سمرنا میں لب دریا تھا۔ (جارج ایبرس)

3. تا 9۔ یہ سارے دیوی دیوتا شام و فلسطین سے تعلق رکھتے تھے۔ (دیکھئے عہد نامۂ قدیم، کتاب یسعیا و یرمیا)

خیال تھا غیر ملکی خدا اپنی پتھریلی آنکھوں کے گوشوں سے اُسے گھور رہے ہیں۔

یہ زندان ایک وسیع و عریض ہال پر مشتمل تھا جہاں قسم قسم کے دیوی دیوتا جن کے رنگ، قد اور جثہ مختلف تھے، بے ترتیب ایستادہ تھے۔ دیواروں اور ستونوں کے ساتھ عظیم الہیئت اور بڑی بڑی جسامت والے دیوتا کھڑے کیئے گئے تھے۔ شہزادی شمورہ ان خداؤں کے قریب سے بے خوف گزرتی ہوئی ایک ملحقہ کمرے میں داخل ہوگئی اور شاہ بنونید دیوتاؤں کے درمیان تنہا رہ گیا۔

جب اس نے ان اسیر خداؤں پر نظر دوڑائی جن کے مختلف الالوان چہروں اور مختلف الہیئت جسموں پر مشعلوں کی روشنیوں کے لرزیدہ عکس انہیں اور زیادہ بھیانک اور دہشت ناک بنا رہے تھے تو اُس کے نحیف بدن پر ایک عجیب سی کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ اُسے یوں لگا جیسے اسیر دیوتاؤں کی آنکھیں جن میں پُتلیوں کی جگہ لعل و یاقوت اور بڑے بڑے خوش نما موتی جڑ دیئے گئے تھے، اُس کے جاہ و جلال کا تمسخر اُڑا رہی ہوں۔ گویا یہ غیر ملکی معبود اُسے بابل کا، کالدیا کا ذی حشمت بادشاہ تسلیم نہیں کرتے۔ اگرچہ اس خوف کے عالم میں بھی اس کے ذہن میں بار بار یہی خیال گزرا کہ اگر یہ دیوتا اُس پر جھپٹ نہ پڑیں تو وہ اُن کی آنکھوں میں جڑے ہوئے لعل و یاقوت اُکھاڑ کر اپنے موروثی خزانے میں جمع کر دے۔ لیکن مشعلوں کی شعاعوں میں اُن کی آنکھوں سے رنگ رنگ کی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں جن کے رنگوں کی خوف انگیز چمک سے اُس کا دل زخمی ہوا جاتا تھا۔ ایک انجانی سی دہشت سے بدن پسینے میں تر ہوگیا تھا۔ وہ ڈر کر، گھبرا کر معبودوں کے اس زندان سے بھاگ جانے کی سوچ رہا تھا کہ ٹھیک اسی لمحے شہزادی شمورہ کی آواز نے اُس کی گرتی ہوئی ذات کو سہارا دیا۔

''پدرِ محترم! ذرا یہاں آیئے۔''

یہ آواز اُس کمرے سے آئی تھی جہاں ''خاتونِ اورک'' ایشتار کا مرمریں اور انتہائی قیمتی مجسمہ رکھا تھا۔ بنونید دبے قدموں مبادا یہ کالے، مٹیالے، سرخ و سفید پتھر، چوب اور دھات کے بد ہیئت دیوتا اس کے پاؤں کی آہٹ سن کر مزید برافروختہ نہ ہو جائیں، بے آواز اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں سے شمورہ کی آواز سنائی دی تھی۔ جب بادشاہ سراسیمہ و بدحواس کمرے میں داخل ہوا شمورہ، دیوی اشتار کے سامنے یوں کھڑی تھی جیسے اُس نے ''رُوح کی روشنی'' حاصل کر لی ہو۔ اُس نے باپ کو دیکھا اور اُس کے چہرے پر خوف و دہشت کا مضمون پڑھ لیا۔ وہ

بادشاہ کو تسلی دیتی ہوئی پُرسکون لہجے میں بولی۔

''آپ کا خوف بے کار ہے خداوند! مقدس گوما نے دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا مشورہ دے کر آپ کی آدھی مشکلیں آسان کر دی ہیں۔''

''مگر ہمیں غیر ملکی معبودوں سے خوف آتا ہے۔''

''خوف کیسا، یہ معبود تو ہمارے غلام ہیں۔''

''اسی لئے تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ حالتِ اسیری میں ہمیں بددُعا نہ دے رہے ہوں۔ کہیں اپنی پراسرار قوتوں سے ہمارا جاہ و حشم نہ لوٹ لیں۔''

''آپ بھول گئے پدرِ محترم! بل مردوک کی طاقت ان تمام دیوتاؤں کی مخفی قوتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اور جب تک آپ مردوک کے جانشین ہیں، یہ دیوتا آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

شہزادی کے الفاظ سے بادشاہ کی کچھ ڈھارس بندھی۔ اُس نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ مردوک غیر ملکی خداؤں سے زیادہ زبردست ہے اور اسی کی ''غیر فانی الوہی طاقت'' اُن سب کی گرفتاری اور اسیری کا سبب بنی ہے۔ پھر بھی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''مگر تم ہمیں ان اسیر و غلام دیوتاؤں کے پاس کیوں لے آئی ہو؟''

''اس لئے کہ ہم آپ کی حفاظت و راہ نمائی پر مامور ہیں اور اس وقت انہی معبودوں کے متعلق مشورہ دینے والے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ ہماری بات پوری توجہ سے سنیں۔''

یہ کہہ کر شہزادی نے ایک ہاتھ دیوی ایشتار کے جسم پر رکھا اور دوسرا ہاتھ کھلے دروازے سے وسیع ہال میں رکھے ہوئے دیوتاؤں کی طرف لہرا کر کہنے لگی۔

''ہم چاہتے ہیں آپ ان تمام معبودوں کو زندان سے نکال کر سڑکوں اور بازاروں میں لے آئیں اور ایک جلوس آراستہ کریں۔''

شاہ بنونید بیٹی کی بات سن کر دنگ رہ گیا۔ ''تم چاہتی ہو ہم اسیر دیوتاؤں کو آزاد کر دیں اور اُن لعنتی کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں کی نفرت مول لیں جو پہلے ہی ہمارے خلاف ہرزہ سرائیوں میں مصروف ہیں۔ اس طرح تو وہ بدمعاش ایک مذہبی بغاوت کھڑی کر دیں گے۔''

''آپ ہمارا مطلب نہیں سمجھے۔'' شہزادی بڑے اطمینان سے بولی۔ ''کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں کی زہریلی باتیں سن سن کر آپ کا دماغ ماؤف ہو چکا ہے اور آپ سوچنے سمجھنے کی قوت

کھو بیٹھے ہیں مگر اُن کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے آپ کی مذہبی حیثیت اُن سے ارفع و اعلیٰ ہونی چاہئے۔''

بادشاہ اُسے حیرت و تعجب سے دیکھنے لگا۔ ابھی تک بیٹی کا مقصد نہیں سمجھ سکا تھا۔ وہ نرم لہجے میں اپنی بات سمجھانے لگی۔

''ہم نے اسیر دیوتاؤں کو رہا کرنے کا نہیں، صرف اُن کا جلوس ترتیب دینے کا مشورہ دیا ہے۔ آپ اس جلوس کی قیادت کا شرف عظیم مردوک کو بخشیں۔ جب لوگ غیر ملکی معبودوں کو مردوک کے پیچھے آتے ہوئے دیکھیں گے تو آپ کی بصیرت کی داد بھی دیں گے اور کاہنوں کی پھیلائی ہوئی افواہیں بھی خود بخود غلط ثابت ہو جائیں گی کہ مردوک آپ سے ناراض ہو چکا ہے۔ مردوک کو دیوتاؤں کے جلوس کی قیادت عطا کر کے آپ اسے حیاتِ تازہ بخشیں گے۔ مقدس گوما نے ''دیوتاؤں کی عبادتِ عام'' کا جو مشورہ دیا ہے، ہمارے نزدیک اس کا یہی مطلب ہے کیونکہ اسی طرح آپ کی مذہبی حیثیت بلند ہو سکے گی۔''

کسی اندرونی روشنی سے بنونید کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اب وہ بیٹی کی مصلحت آمیز گفتگو سمجھنے لگا تھا۔ فرطِ انبساط میں اس نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔

''یقیناً عبادتِ عام کا یہی مطلب ہے۔ ہم دیوتاؤں کا جلوس آراستہ کریں گے۔''

''صرف جلوس نہیں ــــــ''

''تو اور کیا؟''

''جلوس کی شام آپ معبدِ اکور میں ''عبادت کا رقص'' بھی دیکھیں گے اور اس سے قبل خاتونِ اورک اشتار کا ایک رویا بھی بیان کریں گے جو آپ نے دیکھا ہے ــــــ''

وفورِ استعجاب سے بادشاہ کے دونوں ہاتھ نیچے گر گئے اور وہ گھبرا کر بولا۔

''مگر ہم نے کوئی رویا نہیں دیکھا۔''

''گھبرائیے نہیں ــــــ وہ رویا آپ نے نہیں، ہم نے دیکھا ہے مگر آپ اُسے اپنے نام سے لوگوں کو سنائیں گے تاکہ وہ آپ کی روحانی عظمت کے قائل ہو جائیں کہ دیوی اشتار آپ کے رویا میں آتی ہے۔''

بنونید حیران و ششدر کھڑا تھا۔

''کیا دیوی ناراض نہیں ہو گی؟''

''جب شریر کاہنوں نے مردوک کے نام پر افترا پردازی کی ہے کہ وہ آپ سے ناراض ہے تو کیا ہو گیا ــــــ اور اب آپ دیوی اشتار کے نام پر ایک رویا بیان کر دیں گے تو کیا ہو گا؟ کچھ نہیں پدرِ محترم! کچھ نہیں ہو گا۔ بس کاہنوں اور پروہتوں سے آپ کی مذہبی حیثیت بلند ہونی چاہئے۔''

بادشاہ حیرت و دلچسپی سے سن رہا تھا اور شمورہ کہہ رہی تھی۔

''رویا بہت مختصر ہے۔ آپ اچھی طرح سن لیں۔ معبدِ اکور میں آپ اعیانِ سلطنت، کاہنوں، پروہتوں اور قوم کے دانش وروں کو بتائیں گے کہ دیوی اشتار رات کو آپ پر ظاہر ہوئی اور اس نے کہا ــــــ

''اے شاہ بنونید! میں بابل کی محافظ اور تیری حامی ہوں اور تیرے لئے دشمنوں سے لڑوں گی۔'' کچھ ایسے ہی چند الفاظ اور ہوں جو ہم آپ کو پھر بتا دیں گے۔ اس وقت آپ خاتونِ اورک کے روبرو کھڑے ہیں۔ دیوی کا حلیہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ شاید یہ حلیہ کہیں بیان کرنا پڑے۔''

شاہ بنونید بڑے غور سے اشتار کے مرمریں مجسمے کو دیکھنے لگا پھر اچانک بولا۔

''کیا قوم کے بزرگ، دانش ور اور کاہن ہمارے رویا کو تسلیم کر لیں گے؟''

''آپ یہ رویا پہلے عام لوگوں کے سامنے بیان کریں گے جو حقیقتوں کا کھوج نہیں لگاتے، صرف حکمرانوں کی زبان پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ پھر قوم کے بزرگ، دانش ور اور کاہن بھی اس سے انکار نہیں کر سکیں گے۔''

بنونید پھر حیرت زدہ رہ گیا۔

''تو رویا سنانے کے لئے ہم عام لوگوں سے ملتے پھریں گے؟''

''نہیں خداوند! صبح جب آپ بیدار ہوں گے، اپنے قصرِ خاص کے غلاموں، خادموں اور کنیزوں کو آگاہ کریں گے کہ رات آپ کو دیوی اشتار نے درشن دیئے ہیں۔ وہی لوگ یہ بات مشہور کر دیں گے کہ دیوی آپ کے رویا میں آتی ہے۔''

بادشاہ کے چہرے پر قدرے اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی۔ ''اب ہم تمہارا مطلب سمجھ رہے ہیں۔''

''اقتدار کی حفاظت کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے خداوند! مگر ہم آپ کو آگاہ کئے دیتے

ہیں کہ معبدِ اکور میں آپ کی تقریر طویل نہیں ہونی چاہئے آپ صرف وہی باتیں دہرائیں گے جو آپ کو بتائی جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے ــــــ تم جو کچھ کہو گی، ہم وہی کریں گے۔''

''یہ بھی سن لیجئے! آپ نے سالِ نو کا جشن منسوخ کر کے اچھا نہیں کیا۔ اس سے لوگوں میں بددلی پھیلی اور کاہنوں کو آپ کے خلاف باتیں کرنے کا موقع ملا ہے۔ میلے اور جشن عوام کی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں اور ان سے یہ حصہ نہیں چھیننا چاہئے۔ اب آپ دیوتاؤں کے جلوس اور نئے سال کے جشن کو یکجا کر دیں اور کل ہی اعلان کر دیں کہ دیوی ایشتار کے القاء پر سالِ نو کا جشن ماہِ نیساں کی تیرہ اور چودہ تاریخ کو منایا جائے گا اور اس کے ساتھ دیوتاؤں کا جلوس بھی نکلے گا جس کی قیادت کا شرف عظیم مردوک کو حاصل ہوگا۔''

بادشاہ نے فوراً اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ شہزادی شمورہ نے دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا جو مطلب نکالا اس سے شاہ بنونید کی مذہبی حیثیت بلند ہوتی اور لوگوں کی دل بستگی اور خوشنودی کا سامان بھی پیدا ہوتا تھا۔ یہ سمجھ کر کہ اس کی بیٹی اپنی حکمت و دانش سے فتنہ پرداز کاہنوں کو مات دینے کی صلاحیت رکھتی ہے، اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ مگر اب یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ کہیں دیوی ناراض نہ ہو جائے کیونکہ اُسے ایسا رویا بیان کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا جو اُس نے نہیں دیکھا تھا۔ شہزادی کہنے لگی۔

''اب آخری بات بھی سن لیجئے پدرِ محترم! آپ کی قسمت دیوی ایشتار سے وابستہ ہو چکی ہے۔ جو کچھ ہوگا اسی نام پہ ہوگا۔ کیونکہ لوگ ایشتار کے دیوانے ہیں۔ دیوتاؤں کے جلوس میں آپ کو عظیم مردوک کی بجائے خاتونِ اورک کے جلو میں چلنا ہوگا تاکہ دیوی کی خوشنودی اور برکت کا سایہ آپ کے سر پر رہے۔''

بادشاہ نے سر کی جنبش سے پھر رضامندی کا اظہار کیا۔ وہ شمورہ سے بے حد مرعوب ہو رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ اس کے قالب میں دیوی کی رُوح بول رہی ہے یا ان باتوں کے اظہار سے قبل اس نے دیوی سے مشورہ کر لیا ہوگا۔ اس عجیب سے احساس کے ساتھ ایشتار کی ناراضگی کا خیال بھی وہم بن کر اُڑ گیا۔

جب یہ سب باتیں ہو چکیں اور شمورہ نے محسوس کیا کہ اس نے اپنا مطلب بیان کرنے اور بادشاہ نے اُسے سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی تو بیٹی نے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور پُر وقار انداز میں چلتی

''دیوتاؤں کے زندان'' سے باہر آ گئی جہاں داروغہ اور نائب اُن کے منتظر تھے۔

شاہ بنونید بیٹی کے ہمراہ باغاتِ معلقہ میں لوٹ آیا لیکن اپنی نیند غیر ملکی معبودوں کے قید خانے ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ مسہری پر لیٹا وہ ساری رات کروٹیں بدلتا اور ایشتار کے علاوہ اسیر دیوی دیوتاؤں کے خیالوں میں کھویا رہا جو اُسے سانپ بن بن کر ڈستے رہے۔ اِدھر شہزادی شمورہ بھی رات بھر آرام سے نہ سو سکی۔ کیونکہ ''کنواری دُخترِ بابل'' کے دُلہا کا عشق انگیز تصور اُس کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی ڈال رہا تھا۔ وہ بستر پر نیم غنودگی کی حالت میں بھی اُسی پُراسرار دُلہا کے تعاقب میں بھٹکتی رہی جس کی آمد کا مژدہ مقدس گو ماں نے سنایا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی، دُلہا خود بخود اُس سے آ ملے گا یا اُسے تلاش کرنا ہوگا۔ تاہم صبح جب اپنے کسل مند جسم کے ساتھ بستر سے اُٹھی اور کمرۂ خواب سے باہر نکلی تو غلاموں اور کنیزوں نے بتایا کہ رات بادشاہ نے دیوی ایشتار کو رویا میں دیکھا ہے اور اس کے القا پر سالِ نو کے جشن کا اعلان بھی کر دیا ہے۔

شہزادی شمورہ کے یاقوتی ہونٹوں پر تبسم تیر گیا اور وہ زیرِ لب مسکراتی کمرۂ خاص میں لوٹ آئی۔ وہ خوش تھی کہ بادشاہ اس کے مشوروں پر عمل کر رہا ہے۔ پھر اُسی روز بابل کے ہر بازار، محلے اور گلی کوچے میں اعلان کر دیا گیا کہ ماہِ نیساں کی تیرہ اور چودہ تاریخ کو سالِ نو کا جشن منایا جائے گا اور اس موقع پر ملکی اور غیر ملکی دیوتاؤں کا ایک فقید المثال جلوس بھی نکلے گا جس کی قیادت عظیم مردوک کرے گا۔ شہزادی کو دن بھر اطلاعات ملتی رہیں کہ لوگ دیوتاؤں کے جلوس اور جشنِ عام پر بہت خوش ہیں مگر وہ خود پریشان تھی کہ نہ جانے ''کنواری دُخترِ بابل'' کا دُلہا کون ہے اور کہاں ہوگا؟

(7)

تلاش

◎

کس قدر اچنبھے کی بات تھی کہ وہ وجیہہ اور انتہائی خوش شکل نوجوان جو دیوتاؤں کی طرح پُراسرار اور ''بابل کا دُلہا'' بن کر آیا تھا، خوبیٔ قسمت سے اچانک ہاتھ لگا اور پانسے کی چال کی مانند اُسی طرح ہاتھ سے نکل بھی گیا۔

نورِ ناہید آموسی نے اُسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا، کس کس سے اُس کا پتہ نہیں پوچھا وہ تین روز تک لگاتار بازاروں میں گھومتی، مندروں، معبدوں اور ہیکلوں میں بھٹکتی رہی۔ دریائی بندرگاہ پر ملاحوں، تاجروں، آڑھتیوں اور اُن کے کارندوں کے درمیان گھومتی رہی جہاں لفنگے آوارہ مردوں نے تنہا دیکھ کر اس پر دست درازی کی کوشش بھی کی اور وہ سب کو غچہ دے کر نکل گئی لیکن اجنبی مہمان کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔

اس نے نیمیتی بل اور ایمگور بل کے درمیانی رقبے میں ان مصنوعی جھیلوں اور نخلستانوں کے چکر بھی لگائے جہاں بابل کے بانکے اور امیر زادے اپنی محبوباؤں اور داشتاؤں کے ساتھ عیش کی گھڑیاں گزارنے آتے تھے مگر اس کا کہیں سایہ بھی نظر نہ آسکا۔

وہ بابل کے دونوں شہروں کے درمیان بہنے والے دریائے فرات کے کنارے پر بھی اُسے ڈھونڈتی رہی جہاں لوگ عموماً سیر وتفریح کی خاطر آتے تھے۔ بابِ ایلیہ کی اُس ڈیوڑھی میں بھی گئی جہاں مقدس گوما کی مُہر خاموشی ٹوٹتی تھی تاکہ پُراسرار مہمان کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے مگر بابل کا دانائے غیب پھر ہیکل بل کی ساتویں منزل پر منتقل ہوگیا تھا بادشاہ، ولی عہد، خاندانِ شاہی اور چند بڑے بڑے کاہنوں یا اُن کی معزز بیویوں کے سوا کسی کو بھی حاضری کی

اجازت نہ تھی۔

بے چین و بے قرار آموسی ہیکل زہرہ کے اُن ''مقدس حجروں'' میں بھی جھانک آئی جہاں کنواریاں اپنی دوشیزگی کا نذرانہ دینے آتی تھیں۔

اُس نے ''بازارِ عیش'' کے درجنوں چکر کاٹے اور پہروں اس موڑ پر کھڑی رہی جہاں اس یگانۂ عصر اجنبی سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ کئی دل پھینک عاشق، گاہک، شرابی، غنڈے اور شہدے مکھیوں کی طرح اُس کے اردگرد منڈلاتے رہے مگر وہی نہ آیا جس کی اُسے تلاش تھی۔

مہرتاب ـــــ ہاں، یہی نام بتایا تھا اُس نے۔ جادو کے پُتلے کی طرح غائب ہوا اور نورِ ناہید آموسی کا قرارِ دل بھی ساتھ ہی لے گیا تھا۔ تین روز کی مسلسل تلاش کے باوجود کہیں اس کا نشان نہ مل سکا۔ کسی کو علم ہی نہ تھا کہ ''مہرتاب'' نام کا کوئی آدمی شہر میں ہے بھی یا نہیں۔ کیا معلوم بابل کی کسبیوں کی طرح اس کے بھی کئی نام ہوں۔ پھر کون جانے وہ خواب تھا، جادو تھا یا چھلاوا کہ جب آنکھ کھلی تو غائب تھا۔ مگر اُس کا وجود کوئی خواب نہ تھا۔ آموسی اُسے کئی عورتوں سے گویا چھین کر لائی اور کتنی رات تک اُس سے باتیں کرتی رہی تھی اُس نے تو اپنی زندگی کا اہم ترین راز بھی اس پر کھول دیا تھا۔ اُسے اپنا سمجھنے لگی اور چاہتی تھی کہ اس کی آغوش میں سر رکھے لیٹی رہے۔ جب تک وہ کوٹھے پر رہا، اُسے کتنا سکون اور چین ملا تھا۔ مگر اُس کے جاتے ہی دنیا بدل گئی تھی اور اب وہ دیوانی ہوئی جارہی تھی ـــــ ہائے کیسا دُلہا تھا وہ کہ ایک بار بھی اس سے پیار نہ کرسکا۔

تین روز سے ـــــ مسلسل تین روز سے اسے کسی اور سے دلچسپی ہی نہ رہی تھی۔ وہ کسی نئے گاہک کے بغیر ہی گھر لوٹ آتی۔ چیفو اُس کے دل کی ویرانی اور روح کی بے چینی بھانپ گئی لیکن اظہار کی جرأت نہ کرسکی۔ خود آموسی کسی نہ کسی سے اپنے دل کا غم بیان کرنا چاہتی تھی۔

مگر بتائے تو کسے ـــــ کہے تو کیا؟

ہزاروں راتوں کی طرح بابل کی ایک اور ہنگامہ خیز اور گناہ آفریں رات کا آغاز ہو چکا تھا وہ آج بھی بستر پر تنہا سوچ رہی تھی کہ اجنبی محبوب کہاں روپوش ہو گیا جس کے بغیر اس کی زندگی سونی ہو گئی ہے۔ پھر اچانک جیسے ملہم کو اشارۂ غیبی ہوتا یا شاعر کے ذہن میں کوئی نیا خیال لیتا ہے، اُسے یاد آیا کہ وہ صرف زہرہ جمال بیدخت کی باتیں سننا چاہتا تھا اور گھر سے نکلا تو اس کی مورتی بھی لیتا گیا۔ پھر یہ خیال سانپ کی طرح اُس کے ذہن کو ڈسنے لگا کہ ضرور وہ

کاشانۂ زہرہ کے اِردگرد گھوم رہا ہوگا یا بیدخت کے پاس بیٹھا ہوگا۔

اس خیال کے آتے ہی وہ تڑپ کر اٹھی جیسے بستر نے خود بخود اچھال دیا ہو۔ اب صرف ایک ہی راستہ تھا۔ بیدخت کے گھر کا راستہ۔ پھر سوچا کیا کاشانۂ زہرہ کی طرف جانا غلط نہ ہوگا؟ وہ جس گھر کو چھوڑ چکی، جس عورت سے تعلق توڑ چکی، اُس کی طرف جانا تو سراسر توہین ہے۔ آخر بیدخت کی "پیاریاں" کیا سوچیں گی، خود بیدخت کیا سمجھے گی، بازار کی کسبیاں کیا کہیں گی۔ مندروں کی دیوداسیاں اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گی، کیسی کیسی باتیں ہوں گی ـــــ "اری وہ آموی نورِ ناہید ہے نا، جو بیدخت کو چھوڑ آئی تھی پھر اُسی کے چکر کاٹ رہی ہے۔ مگر اس کی "پیاری" بننے سے تو رہی۔ اب کیا رکھا ہے اُس میں ـــــ "نہیں، اُسے یہ طعنہ گوارا نہ تھا۔ وہ "کاشانۂ زہرہ" کی طرف نہیں جائے گی، بیدخت سے نہیں ملے گی لیکن پراسرار مہمان کا تصور کچھ ایسا ہی عشق انگیز تھا کہ دل نے دماغ کا ہر فیصلہ مسترد کر دیا اور بے تابانہ دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے لباس تبدیل کیا نہ چہرے پر نقاب ڈالا اور گھر سے نکل آئی حالانکہ اپنے محلے، بازارِ عیش اور چند مندروں کے علاوہ کوئی کسی چہرے پر نقاب[1] ڈالے بغیر شہر میں نہیں نکل سکتی تھی کیونکہ بے نقاب پھرنے کا شرف صرف شریف عورتوں ہی کو حاصل تھا۔

پُرہجوم بازاروں، کوچوں اور سڑکوں سے گزرتی، بھیڑ کاٹتی اور دھکم پیل سے بچتی بچاتی وہ شارعِ اساگیلہ پر آ گئی جو طبقۂ اُمراء کے محلے کو جاتی تھی۔ اس راستے پر لوگوں کا ہجوم نہ تھا، عاشقوں کی بھیڑ نہ تھی بس آسمان پر ساتویں رات کا چاند تھا اور شارعِ اساگیلہ پر تنہا آموی تھی جس کا بے قرار سایہ اُس کے عقب میں حرکت کر رہا تھا۔ اگر کوئی اِکا دُکا آدمی قریب سے گزر بھی گیا تو اس نے توجہ نہ دی۔ دراصل وہ اپنے حسین مہمان ہی کے تصور میں گم اور اس خیال سے جلی جا رہی تھی کہ وہ اس سے چھین لیا گیا ہے۔

نہ جانے کیا کیا سوچتی، ذہن میں کیسے کیسے تانے بانے بُنتی وہ چلتی رہی۔ پھر بلند ستون والے ایک عالی شان قصر کے سامنے رُک گئی جس کا پھاٹک بند ہو چکا تھا ـــــ یہی "کاشانۂ زہرہ" تھا۔ دُنیا کی اُس حسین ترین عورت کا قصر جس نے ربّۂ زہرہ کی خاص پجارن ہونے کے

[1] بحوالہ ہیرلڈلیم اس دور میں نقاب پہننے کی پابندی صرف کسبیوں پر تھی۔ شریف عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں۔

ناتے اپنی رہائش گاہ کو بھی دیوی کے نام سے منسوب کر دیا تھا تاکہ لوگ اُسے زہرہ ہی کا رُوپ سمجھیں۔

آموی یہاں تک آ تو گئی تھی لیکن بیدخت کا سامنا نہ کرنا چاہتی تھی۔ گزشتہ "عید بیلس" سے اُس نے کاشانۂ زہرہ کا رُخ بھی نہیں کیا تھا۔ بیدخت نے ملاقات کا پیغام بھیجا مگر ٹال گئی۔ اُس سے دُور ہی دُور رہنا چاہتی تھی۔ اب اپنے مہمان کی تلاش کا ولولہ تھا یا رشک و حسد کا جذبہ جو اُسے کشاں کشاں یہاں تک کھینچ لایا تھا اور بند پھاٹک کے ساتھ لگی وہ سوچ رہی تھی کون سا طریقہ اختیار کرے جس سے پتہ چلے کہ مہرتاب یہاں آیا بھی ہے یا نہیں۔ اُسے خیال آیا اگر بیدخت کی "پیاریوں" میں اُس کی رازدار سہیلی راحتِ شب لیلیٰ مل جائے تو اُس سے اجنبی مہمان کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن سوال تو یہی تھا کہ وہ لیلیٰ کو بلائے کس طرح؟

اچانک اُسے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ پھاٹک کے قریب ہی کچھ پتھر پڑے تھے۔ آموی نے ایک ایک کر کے ان پتھروں کو اٹھایا اور پھاٹک کے ساتھ اوپر نیچے رکھ کر زینہ سا بنایا پھر اُس پر پاؤں ٹکا کر کھڑی ہو گئی اور کاشانۂ زہرہ کے صحن میں جھانکنے لگی کہ شاید کوئی صورت نظر آ جائے یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ چند ہی لمحوں کے بعد بلند ستونوں کی بارہ دری کے عقب سے ایک سایہ نمودار ہوا جو بے قرار سا نظر آتا تھا۔ جونہی چاند کی روشنی چہرے پر پڑی، آموی نے پہچان لیا۔ وہ اس قصر کا دیوہیکل عجمی غلام بابک تھا اور جب آموی یہاں رہتی تھی، ایک بار دراز دستی کی کوشش میں اس سے طمانچہ بھی کھا چکا تھا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ کیا خبر وہ اس کا کہا مانے یا صاف انکار کر دے۔ پھر بھی کوشش کرنے میں کوئی حرج نہ تھا۔ آموی نے ہاتھ لہرایا اور حلق سے "شی" کی آواز نکالی۔ بابک نے حیران ہو کر پھاٹک کی طرف دیکھا تو بند چوبی کواڑوں کے اوپر ایک نسوانی سر ہلتا نظر آیا۔

"کون ہے؟"

"ارے بابک! میں ہوں۔" آموی کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

حیرت اور مسرت کے ملے جلے احساس میں عجمی غلام کے ہونٹ ایک دائرے کی شکل میں سکڑ گئے اور فضا میں ایک سیٹی بج اٹھی۔

"اوہ ـــــ نورِ ناہید ـــــ؟"

کم و بیش ایک سال ہو گیا تھا آموی کو یہاں سے گئے ہوئے پھر بھی بابک نے اُس کی آواز پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ وہ پھاٹک کی طرف لپکا، آہنی زنجیر ہٹائی اور بند کواڑ کھول دیئے۔ آموی اندر داخل ہوئی تو خیر مقدمی انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"آج تو زہرہ دیوی نے بڑی مہربانی کی ہے کہ تمہارا دیدار ہو گیا۔"

"اچھے تو ہو بابک؟"

"اچھا ہوں۔ مگر تمہیں کیا، کوئی جیئے یا مرے۔"

"ارے تم ابھی مرنے کے نہیں۔"

"جب سے گئی ہو پلٹ کر خبر بھی نہیں لی۔ اور یہاں دن رات تمہارے ہی نام کا جاپ ہوتا ہے۔"

"ارے ہے ــــ تمہاری تو زبان بھی سوکھ گئی ہو گی میرا نام جپتے۔"

"میرا یقین نہیں تو اپنی سہیلی راحتِ شب لیلیٰ سے پوچھ لینا۔"

لیلیٰ کا نام سن کر آموی کو اپنا مقصد یاد آ گیا، کہنے لگی۔

"بابک! یہ تو بہت اچھا ہوا تم مل گئے۔ اب میرا ایک کام کر دو۔"

"کام بولو۔"

"ذرا اندر جا کر لیلیٰ کو بلا لاؤ۔ اس کے کان میں کہنا کہ میں آئی ہوں۔" پھر تاکید کرتے ہوئے بولی۔ "اور دیکھو، کسی اور کو میرے آنے کا پتہ نہ چلے، سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔ لیکن پہلے تمہیں بھی میرا ایک کام کرنا ہو گا۔"

وہ اس کی نیت بھانپتے ہوئے بولی۔ "یہ تم نے کیا دل لگی نکالی ہے۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔"

"واہ، یہ بھی خوب رہی۔" اس نے کاروباری انداز میں جواب دیا۔ "ایک تو اس وقت لیلیٰ کو ڈھونڈتا پھروں پھر کسی سے تمہاری آمد کا ذکر بھی نہ کروں اور ان دونوں کاموں کے عوض مجھے کیا ملے گا ــــ کچھ بھی نہیں ــــ دنیا کتنی خود غرض ہو گئی ہے!"

"کیا بکھیڑا لے بیٹھے ہو۔ ایک معمولی سا کام نہیں کر سکتے؟"

"تم جانتی ہو محصول لئے بغیر میں کام کرنے کا عادی نہیں۔"

"اچھا، نہیں مانتے تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔" اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا اور یہ

کہہ کر پلٹنے ہی والی تھی کہ ٹھیک اُسی لمحے ایک نسوانی سایہ بھاری ستونوں کی اوٹ میں چاند کی طرح بے آواز چلتا صحن میں آ گیا اور اُسے دیکھتے ہی آموی کے ہونٹوں پر مسرت آمیز سسکی سی تڑپ اٹھی۔

"ہائے ــــ لیلیٰ ــــ میری راحتِ شب ــــ"

بابک بارہ دری کے ستونوں کی طرف پشت کئے کھڑا تھا اس لئے وہ آنے والی کو تو نہ دیکھ سکا مگر آموی کی زبان سے اُس کا نام سن کر تیزی سے مڑا جیسے بگولا اڑتا ہے پھر مرتعش آواز میں بولا۔ "تم کیا لینے آئی ہو یہاں؟"

لیلیٰ نے اُس کی طرف مطلق توجہ نہ دی اور لپک کر آموی سے لپٹ گئی۔ پھر دونوں سہیلیاں پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گئیں اور عجمی غلام صحن ہی میں کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا۔

باہر چاندنی کسی جادوگر کے خواب کی طرح بکھری تھی اور وہ دونوں ایک دوسری کو تھامے کھڑی تھیں۔ راحتِ شب لیلیٰ نے آموی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"ہائے نور ناہید! تجھ سے مل کر دل کیسے دھڑکنے لگا ہے۔"

"میرا دل بھی اپنے بس میں نہیں۔"

"پر تُو آج ادھر کا راستہ کیسے بھول گئی؟"

"تجھی سے ملنے آئی تھی۔ مگر بابک تجھے بلانے کا محصول مانگ رہا تھا۔"

"خبیث کہیں کا ــــ تھوڑی دیر پہلے چشمِ نرگس نے بھی اُس کی شکایت کی تھی اور میں اُسی کو دیکھنے آئی تھی کہ تُو مل گئی۔ اب جا کر زہرہ جمال کو بتاؤں گی کہ بابک تیرے ساتھ بدتمیزی سے پیش آیا۔"

"نہیں راحتِ شب! بدبخت سے میرا ذکر نہ کرنا۔"

"کیوں نہ کروں؟"

"میں نہیں چاہتی اُسے میرے آنے کی خبر ہو۔" پھر ایک لمحہ ٹھہر کر بولی ــــ "میں تجھ سے کچھ پوچھنے آئی ہوں، بتائے گی؟"

راحتِ شب لیلیٰ کی آنکھیں چاندنی میں چمکنے لگیں۔ "بھلا میں نے کبھی تجھ سے کوئی بات چھپائی ہے؟"

"اچھا، پھر بول، مہرتاب یہاں آتا ہے؟"

"کون مہرتاب؟" لیلیٰ تصویرِ حیرت بن گئی۔

آموسی سوچ میں پڑ گئی۔ "ہوسکتا ہے اُس نے اپنا نام بدل لیا ہو۔ مگر وہ بے حد خوبصورت آدمی ہے۔ لانبا قد، سڈول جسم، ایسا دل کش کہ بس کچھ نہ پوچھ، مجھے اُس کی تلاش ہے۔"

"مگر یہاں تو ایسا کوئی آدمی نہیں آیا۔"

"وہ بابل میں اجنبی ہے۔ میرے پاس رات گزارنے آیا تو بیدخت کی باتیں لے بیٹھا۔ میں نے سوچا شاید وہ یہاں پہنچ گیا ہو اور بیدخت نے اُسے اپنا مہمان بنا لیا ہو۔"

"تُو جانتی ہے بیدخت کسی کو مہمان نہیں بناتی۔ پھر ایک اجنبی سے اُسے کیا دلچسپی ہوگی؟"

"ہائے راحتِ شب! تُو نہیں جانتی، وہ اجنبی ایسا ہے کہ دیویاں بھی اُس کے قدموں پر سر رکھ دیں اور بیدخت دیکھ لے تو پیچھے بھاگتی پھرے۔"

"اچھا____؟" لیلیٰ مرعوب نظر آنے لگی۔

"ہاں____ مگر میں حیران ہوں وہ یہاں کیوں نہیں آیا۔ باتیں تو ایسی کرتا تھا جیسے زہرہ جمال کے بغیر ایک پل نہ جی سکے گا۔ اب اُسے کہاں ڈھونڈوں، کہاں تلاش کروں؟"

"لیکن تُو کیوں ڈھونڈ رہی ہے اُسے؟"

"تجھے کیا بتاؤں راحتِ شب!" آموسی نے بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میرا دل چرا کر لے گیا ہے وہ۔"

راحتِ شب لیلیٰ نے اپنی عزیز سہیلی کی یہ کیفیت دیکھی تو تڑپ کر رہ گئی۔ "ہائے ہائے، تُو تو سچ مچ دیوانی ہوئی جا رہی ہے۔"

"اُسے دیکھ کر ہر عورت اپنے ہوش کھو سکتی ہے۔"

وہ سڑک پر کھڑی دیر تک لیلیٰ سے بس مہرتاب ہی کی باتیں کرتی رہی جیسے مہرتاب نہیں کھو گیا، اُس کی دنیا ہی تاریک ہو گئی تھی۔

"اچھا میں وعدہ کرتی ہوں۔ اگر وہ یہاں آیا تو تجھے ضرور خبر دوں گی۔" یہ تسلی دینے کے بعد راحتِ شب لیلیٰ کو جیسے اچانک کوئی بات یاد آ گئی۔ "اری نورِ ناہید! تُو نے سنا، بادشاہ نے تیرہ تاریخ کو دیوتاؤں کا جلوس نکالنے اور جشن منانے کا اعلان کیا ہے۔ جلوس دیکھنے نکلے گی نا۔ کیوں نہ دونوں اکٹھی چلیں؟"

"برا نہ ماننا راحتِ شب! مہرتاب کے کھو جانے کے بعد نہ تو مجھے جلوس سے کوئی دلچسپی رہی

ہے نہ جشن منانے کا ہوش۔"

"تو اب کیا کرے گی؟"

"ڈھونڈتی پھروں گی، شاید کہیں مل ہی جائے۔ یہاں نہیں آیا تو کہیں نہیں جائے گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے رخصت لی، راحتِ شب لیلیٰ کو پیار کیا اور پلٹ کر شارع اساگیلہ پر ہو لی۔ چاند کی روشنی میں اُس کا سایہ کچھ اور طویل ہو گیا تھا جو اس کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ راحتِ شب لیلیٰ کاشانہ زہرہ کے پھاٹک پر کھڑی اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور سوچ بھی رہی تھی کہ یہ مہرتاب کون ہے، جس نے اُس کی عزیز سہیلی کو اپنا دیوانہ بنا لیا ہے۔

(8)

ہمراز

◎

بابل کے آسمان پر دسویں رات کا چاند روشن تھا اور مہرتاب چاندنی رات میں ساحلِ فرات پر چپ چاپ کھڑا اُس عظیم دریا کا نظارہ کر رہا تھا جس کا پاٹ ایک میل[1] چوڑا تھا اور دوسرے کنارے دوسرا شہر ـــــ دوسرا بابل بلند عمارتوں، ہیکلوں، معبدوں، مندروں، صنم کدوں، شراب خانوں اور پُرہجوم بازاروں کے ساتھ آباد تھا۔

دو حصوں میں بٹا ہوا بابل جس کے درمیان سے دریائے فرات گزرتا تھا، شہروں کا شہر اور قوموں کا ایک گھنا جنگل تھا جہاں کلدانیوں کے علاوہ حتیوں، اشوریوں، فونیقیوں، عبرانیوں اور کئی دوسری قوموں کے الگ الگ محلے تھے۔ پُرہجوم راستے، پُررونق بازار، لاکھوں کی آبادی، ہزاروں دلچسپیاں، ہر محلہ ایک تاریخ، ہر بازار ایک افسانہ اور ہر گلی ایک کہانی۔ مگر مہرتاب کو ان بازاروں اور گلیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے چاند کی تیسری رات آموسی نورِ ناہید کے بالا خانے پر گزاری تھی لیکن بعد کی چھ راتیں اور سات دن کہاں گزارے تھے؟

نورِ ناہید کئی روز دیوانہ وار اُسے تلاش کرتی رہی مگر اس کا کھوج نہ پا سکی۔ مہرتاب نے کوئی ایسا نشان ہی نہیں چھوڑا تھا جس سے اُس کے دنوں اور راتوں کی کوئی داستان مرتب ہو سکتی۔ وہ نورِ ناہید کے گھر سے زہرہ جمال بیدخت کی مورتی ضرور لے اُڑا لیکن آفریدہ جمال کے پیچھے بھاگا نہیں، جیسا آموسی نے سمجھ لیا۔ بلکہ وہ تو ان ایام میں دیوتاؤں کی طرح مخفی رہا اور بابل کا کوئی شخص یہ بھی نہ جان سکا کہ جس شخص کو دیکھ کر دانائے فرات گوما کی مُہرِ خاموشی ٹوٹ گئی، وہ

---

[1] دریائے فرات ایک میل چوڑا اور بارہ فٹ گہرا تھا۔ (بحوالہ ہیروڈوٹس و زینوفن)

ہے کون؟ شہزادی شمورہ بھی اُس پُراسرار دُلہا کو دیکھنے کے لئے بے چین تھی جس کی آمد کی اطلاع دے کر مقدس گوما نے اُس کی زندگی کی پُرسکون جھیل میں جذبات کی تیز لہریں پیدا کر دی تھیں مگر اس اطلاع کے علاوہ وہ بھی اُس خوش نصیب اجنبی کے بارے میں کوئی خبر حاصل نہ کر سکی جو ''کنواری دُخترِ بابل'' کا دُلہا بن کر آیا تھا۔ اگر چاہتی تو ریموت کے جاسوسوں کو اُس کی تلاش کا حکم دے سکتی تھی۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ واقعات خود اُسے ایک دن سامنے لے آئیں گے۔ پھر تلاش و جستجو سے کیا فائدہ؟''

مہرتاب کی منزل اور راستے ستاروں کی طرح پہلے ہی سے معین تھے۔ اگر چاند کی تیسری رات وہ دیر سے بابل میں داخل نہ ہوتا تو سیدھا محلہ کبر کا رخ کرتا جو فرات کے مشرق میں نہر کبار کے کنارے آباد تھا۔ وہاں ہاروت و ماروت سے ملاقات مشکل نہ ہوتی جو اُس کی رہائش کا انتظام بھی کر دیتے۔ مگر ایمگور بل میں داخل ہوتے ہی اُسے عجیب و غریب حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر خفیہ گماشتوں کے سردار حُنانی کے خوفِ تعاقب کی وجہ سے وہ ''بازارِ عیش'' میں آ نکلا جہاں سے حالات کی لہر اُسے نورِ ناہید آموسی کے بالا خانے پر لے گئی اور منہ اندھیرے ہی اس بالا خانے سے بھاگ نکلا تھا۔ مگر وہاں سے بھاگ کر اپنی منزل پر بھی پہنچا؟

کاش ـــــ مہرتاب نے بازارِ عیش میں بھٹکنے اور گرفتاری کے ڈر سے نورِ ناہید کے ہاں رات گزارنے کی بجائے اگر چاند کی تیسری ہی رات جب وہ بابل میں داخل ہوا تھا، محلہ کبر کا رُخ کیا ہوتا تو شاید حالات کی رفتار کچھ اور ہوتی۔ لیکن آموسی کے بالا خانے پر صرف ایک رات کا پڑاؤ اُسے منزل سے بہت دُور لے گیا تھا۔

دوسرے روز وہ عبرانی غلاموں کے محلے کبر کی طرف روانہ ہو گیا مگر محلہ کیوں، اُسے بھی ایک چھوٹا سا شہر ہی کہنا چاہئے جو عام آبادی سے ہٹ کر نہر کبار کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں سے پرے خاکستری مکانوں اور تنگ و تاریک گلیوں میں یہودیوں کے غلیظ بچے کھیلتے اور عورتیں عموماً ایک دوسری سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ یہ بستی جسے یہودی ''تل ابیب[1]'' کے نام سے بھی یاد کرتے تھے، بخت نصر کے زمانے ہی سے نفرت، تعصب اور عقوبت کے اندھیروں میں ڈوبی رہتی تھی۔ یہی اندھیرے اُس کا مقدر بن گئے

---

[1] حزقی ایل کے بقول یہودی محلہ کبر کو ''تل ابیب'' کہتے تھے۔ اب اسی نام سے اسرائیل میں تل ابیب کا ایک شہر آباد ہے۔ (مصنف)

تھے۔ ان اندھیروں کا وحشت ناک سناٹا یا تو کلدانی سپاہیوں کے کوڑوں کی آوازوں سے ٹوٹتا یا پھر کوڑے کھانے والے یہودی غلاموں کی چیخوں سے جن کی سرکشی اس دورِ غلامی میں بھی انہیں کسی نہ کسی شرارت پر اُکساتی رہتی تھی۔ اس محلے کے قریب ہی نہر کی مرطوب زمین پر اپاہج یہودی فقیروں اور معذور گداگروں کے ڈیرے تھے جن کے اعضاء ریموت کے سپاہی توڑ دیتے اور وہ نہرِ کبار کے اِس غلیظ علاقے میں چلے آتے جہاں انہیں تھوڑی بہت بھیک مل جاتی تھی۔

مہرتاب محلہ کبر میں پہنچا تو یہودیوں کے عجیب وغریب سلوک نے اُسے پریشان کر دیا۔ سرکاری جاسوسوں کی نظروں سے بچنے کے لئے تاکہ کوئی شخص اُس کی شناخت نہ کرسکا، اس نے چہرہ ڈھانپ لیا تھا مگر اس عجیب ہیئت میں یہودی بھی شاید اُسے ریموت کا کوئی جاسوس یا سردار حنانی کا خفیہ گماشتہ ہی سمجھ رہے تھے جسے دیکھ کر اُن کی روایتی نخوت، بدمزاجی اور قومی عصبیت کچھ اور واضح ہوگئی تھی۔ اُس نے جس کسی سے بھی ہاروت ماروت کا پتہ پوچھا، وہ بڑی نخوت اور نفرت کے ساتھ زمین پر تھوک کر اپنی راہ ہو لیا۔ مہرتاب کا خیال تھا محلّہ کبر میں ''فرشتوں'' کی تلاش مشکل نہ ہوگی۔ مگر یہاں حالات کا دھارا اُلٹے رُخ بہہ رہا تھا۔

کلدانی سپاہیوں کی نگاہوں سے چھپتا چھپاتا وہ محلّہ کبر کی تنگ وتاریک گلیوں میں تو گھس آیا تھا لیکن یہودیوں کی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی نفرت ایک نئے خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ اُس نے محسوس کیا، اگر وہ چند لمحے مزید اس خطرناک بستی میں گھومتا رہا تو شاید قتل ہی کر دیا جائے۔ مگر ہاروت ماروت سے ملے بغیر لوٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ قبا کے اندر خنجر کے دستے پر اُس کی گرفت مضبوط تھی تاکہ کسی ناگہانی حملے کا بروقت مقابلہ کر سکے۔ وہ حیران تھا آخر یہ چڑچڑے اور بدمزاج یہودی بے وجہ ہی اُس کی جان کے دشمن کیوں نظر آتے ہیں۔ اُسی لمحے ایک ادھیڑ عمر شخص اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا گلی کا موڑ کاٹنے لگا تو مہرتاب نے اچانک اُسے گردن سے دبوچ لیا۔ یہودی چیخ کر دوسروں کو اپنی مدد کے لئے بلانا ہی چاہتا تھا کہ مہرتاب نے خنجر نکال لیا اور کہا۔

''اگر تم نے ہاروت ماروت کا پتہ نہ بتایا تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔''

خنجر کی تیز دھار شہ رگ کے قریب چمک رہی تھی۔ یہودی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گڑگڑا کر بولا۔ ''یہواہ کی قسم! میں کچھ نہیں جانتا۔''

''پھر کون جانتا ہے؟''

مہرتاب کا لہجہ خنجر کی دھار سے بھی تیز تھا۔ یہودی نے لرزتے کانپتے ہاتھ سے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔ ''شاید میسورتی تمہیں کچھ بتا سکے۔''

مہرتاب نے یہودی کو چھوڑ دیا جو بھاگتا ہوا گلی کے موڑ پر اوجھل ہو گیا اور آگے بڑھ کر اُس کے دروازے پر دستک دی۔ مگر ہاتھ بدستور خنجر کے دستے پر تھا جسے اُس نے دوبارہ کمر کی پٹی میں اُڑس لیا تھا۔ دروازہ کھلا تو ایک سفید ریش بوڑھا نظر آیا جو اپنے دروازے پر غیر قوم کے ایک نامعلوم شخص کو دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گیا۔ مہرتاب نے پوچھا۔

''آپ ہی میسورتی ہیں؟''

بوڑھے نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور مہرتاب کہنے لگا۔ ''بزرگ ربّی! میں اس شہر میں اجنبی اور ہاروت، ماروت سے ملنے آیا ہوں مگر یہاں کوئی شخص مجھے اُن کا پتہ نہیں بتا رہا۔ کیا از راہِ مہربانی آپ میری رہنمائی کریں گے؟''

بوڑھے ربّی نے ایک بار پھر اُسے سر سے پاؤں تک بڑے تعجب سے دیکھا اور کہا۔ ''اگر ہاروت ماروت واقعی تمہارے دوست ہیں تو تمہیں اُن کے اصل نام بھی معلوم ہوں گے۔ اصل ناموں سے اُن کا پتہ کیوں نہیں پوچھتے؟''

''اصل نام ___ کیا مطلب ___؟'' مہرتاب کی آنکھیں فرطِ حیرت سے اپنے آخری کناروں تک وا ہو گئیں۔

''ہاروت ماروت اصل نام نہیں، خفیہ نام ہیں صاحب زادے! اور تم ان ناموں سے اپنے دوستوں کو تلاش نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ خفیہ نام اسی لئے رکھے جاتے ہیں کہ اصل شخصیتیں پردۂ راز میں رہیں۔''

یہ ایک حیرت انگیز انکشاف تھا جس نے مہرتاب کو دم بخود کر دیا۔ اب وہ محلّہ کبر کے یہودیوں کی نفرت و بدمزاجی کا مفہوم بھی سمجھنے لگا کہ کیوں کسی شخص نے ہاروت ماروت سے آشنائی کا اظہار نہیں کیا۔ اگر یہودی بزرگوں نے اپنی اصل شخصیتوں کو چھپانے کے لئے خفیہ نام اختیار کر لئے تھے تو اس کی وجہ بھی صاف ظاہر تھی کیونکہ عبرانیوں کو نہ صرف پہلے ہی مشکوک و مشتبہ سمجھا جاتا تھا بلکہ ایرانی حملے کے بعد تو اُن کی کڑی نگرانی بھی ہو رہی تھی کہ وہ سلطنت بابل کے خلاف کورش ہخامنشی کے ساتھ کوئی خفیہ سازش نہ کر سکیں اور مہرتاب بابل کے حکمران

خاندان ہی کے خلاف ایک خفیہ منصوبہ لے کر آیا تھا۔ اس نے اپنی حیرت و پریشانی کو چھپانے کی کوشش کی مگر میسوربی کے انکشاف نے ایک مشکل صورتِ حال سے دوچار کر دیا تھا، کسی قدر ٹھہر کے بولا۔

''بزرگ میسو! میرا ہاروت ماروت سے ملنا بہت ضروری ہے۔ مگر میں اُن کے اصل نام نہیں جانتا۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ میں اُن سے مل سکوں؟''

ربّی کے ماتھے پر سوچ کی لکیریں کچھ اور گہری ہو گئیں، پھر بولا۔ ''میں تمہیں دانیال نبی[1] کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ شاید وہ تمہاری کوئی رہ نمائی کر سکیں۔''

پھر بوڑھے ربّی نے پتہ بتانے کی بجائے مہرتاب کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور مختلف راستوں سے گزرتا ہوا بستی کے صاف ستھرے حصے میں پہنچا۔ یہاں کسی کمرے اور چھت کے بغیر ایک وسیع چار دیواری تھی جہاں یہودی عبادت یا کسی اہم اجلاس کے لئے جمع ہوتے اور آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کے درمیان کوہ صیہون کو یاد کرتے اور کلدانیوں کی غلامی کے جوئے سے نجات حاصل کرنے کی دعائیں مانگتے تھے۔ چار دیواری کے پاس ہی ایک خاکستری مکان تھا۔ میسوربی مہرتاب کو لے کر اُس مکان میں گھس گیا اور اُسے چھوٹے سے کمرے میں تنہا چھوڑ کر آگے بڑھا۔ چند لمحوں کے انتظار کے بعد لوٹا تو مہرتاب کو ساتھ لے کر ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو سطحِ زمین سے کئی فٹ گہرا تھا۔ مہرتاب کو چار پانچ سیڑھیاں اُترنی پڑیں۔ یہ کمرہ نیم تاریک تھا اور چند آدمی کھجور کی چٹائی پر ایک ضعیف العمر بزرگ کے گرد حلقہ کئے بیٹھے تھے۔ مہرتاب سمجھ گیا کہ وہی دانیال نبی ہے۔ میسوربی نے بھی اُسی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ لوگ بزرگانِ یہود میں شمار ہوتے اور اس وقت کسی اہم مسئلے پر صلاح مشورے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ مہرتاب نے مختصر الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا اور بتایا کہ بابل میں صرف ہاروت ماروت سے ملنے آیا ہوں مگر یہاں آنے کے بعد پتہ چلا ہے کہ یہ ان کے اصل نام نہیں۔''

---

[1] بابل کے دورِ غلامی میں کئی اسرائیلی نبی یہاں موجود تھے [illegible] حضرت عزیز علیہ السلام) حجی نبی اور زکریا بن برکیا بن عدو شامل ہیں۔ انہی کی مساعی سے پہلی بار تحریکِ صیہونیت کا آغاز ہوا اور کوہِ صیہون کو یروشلم کی طرف واپسی کے لئے قومی نشان قرار دیا گیا۔ ان چاروں انبیاء کے صحائف بائبل میں موجود ہیں۔ (مصنف)

''اپنی ملاقات کا مقصد بتا سکتے ہو؟''

مہرتاب جانتا تھا کہ موجودہ صورتِ حال میں یہ سوال ضرور کیا جائے گا، کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بولا۔ ''دانیال مقدس! میں آپ کی حیثیت سے اچھی طرح آگاہ ہوں پھر بھی یہ سوال نامناسب ہے۔ اور میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔''

مگر مہرتاب جس بات کو چھپانا چاہتا تھا دانیال کی فراست نے اُس کے چہرے پر پڑھ لیا اور کہا۔ ''اگر صرف ہاروت ماروت سے ملنے آئے ہو تو شاید اُن سے اب ملاقات نہ ہو سکے۔''

''کیوں ــــــ؟'' مہرتاب کا لہجہ بڑا مضطرب تھا۔

''تم نے آنے میں دیر کر دی۔''

''میں کل رات بابل میں داخل ہوا تھا۔ یہاں پہنچنے میں صرف چند پہر کی دیر ہوئی ہے۔''

''مگر زندگی کی بساط چند لمحوں میں اُلٹ جاتی ہے۔''

مہرتاب نے دانیال کے الفاظ سے خطرے کی بُو محسوس کی، تڑپ کر بولا۔ ''آپ کے الفاظ کا مطلب جاننا چاہتا ہوں۔''

''کل تک ہاروت ماروت کے نام پردۂ اخفا میں تھے۔ سرکاری جاسوس بھی نہیں جانتے تھے کہ اصل آدمی کون ہیں جن کی حکومت کو تلاش ہے۔ مگر کل رات یہ راز کسی پر آشکار ہو گیا اور وہ بڑے پُراسرار طریقے سے گرفتار کر لئے گئے۔ اب یہ راز ــــــ راز نہیں رہا کہ وہ دونوں حجی اور ذکریا ہیں۔''

دانیال مقدس کے الفاظ اُس کے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرے۔ زمین پاؤں تلے سے نکل گئی اور وہ خود کو خلا میں معلق محسوس کرنے لگا۔ ''انہیں گرفتار کس نے کیا ہے؟''

''یہ کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ سرکاری طور پر اُن کی گرفتاری کا اعلان نہیں کیا گیا۔''

مہرتاب انتہائی پریشانی اور کرب کی حالت میں اچانک کھڑا ہو گیا اور دائیں ہاتھ کو یوں جھٹکا دیا جیسے کسی شے نے کاٹ لیا ہو۔

''دانیال مقدس ــــــ! بس یہ ملاقات ختم ہوئی۔ شاید میں دوبارہ یہاں نہ آ سکوں۔ لیکن اتنی التجا کرتا ہوں کہ مجھے پہچاننے کی کوشش نہ کی جائے۔ میں محلہ کبرا آیا ہوں مگر نہیں آیا۔ میری آمد کو راز ہی رہنا چاہئے۔''

یہ کہہ کر تیزی سے پلٹا اور سیڑھیاں عبور کر کے گہرے کمرے سے باہر آ گیا۔ ہاروت

ماروت کی گرفتاری کی خبر بالکل ناگہاں ملی تھی جس نے چند لمحوں کے لئے ہوش وحواس تک سلب کر لئے۔اس گرفتاری کا مطلب یہ تھا کہ وہ منصوبہ ہی غارت ہو گیا جس کی تکمیل کے لئے بابل آیا تھا۔اب صرف ایک ہی فکر تھی، کسی نہ کسی طرح معلوم کیا جائے کہ ہاروت ماروت کو کیوں گرفتار کیا گیا اور کس زنداں میں ڈالا گیا ہے؟

محلہ کبر سے نکل کر وہ اسی مقصد کے لئے سرگرم ہو گیا۔سرکاری جاسوسوں کی نظروں سے چھپ کر گھومتا اور ہاروت ماروت کا کھوج لگاتا رہا۔ پانچ راتیں اور چھ دن اُسی تلاش وجستجو میں گزرے تھے۔ دیوتاؤں کی طرح مخفی رہ کر وہ کہاں کہاں بھٹکا، کس کس جگہ پہنچا؟ یہ حکایت پُراسرار بھی تھی اور بڑی تکلیف دہ بھی۔ کیونکہ ساری جدوجہد کا نتیجہ صفر تھا۔شاید بابل میں کوئی بھی شخص اس واقعے سے آگاہ نہ تھا اور یہی بات سب سے زیادہ تشویش انگیز اور خطرناک تھی کہ ہاروت ماروت کی گرفتاری کو رازِ سربستہ بنا دیا گیا تھا۔آج اُس نے دریا کے اُس پار اشوریوں کا محلہ بھی چھان لیا جو شامی اور لبنانی کنیزوں کی خرید وفروخت کے لئے مشہور تھا۔ یہاں غیر ملکی بردہ فروشوں کے علاوہ اُن مقامی دلالوں کی بھی بھیڑ لگی رہتی تھی جو بڑے بڑے شیوخ وامراء سے رابطہ رکھتے اور شہر میں ہونے والے ہر اہم واقعے پر تبصرہ کرتے تھے۔مگر مہرتاب کو انسانوں کی اس منڈی سے بھی مطلب کی کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ ''فرشتوں'' کی گرفتاری تو طلسم ہوش رُبا بن گئی تھی۔اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ اس رازِ سربستہ کو حل کرنے کے لئے مقامی ملاحوں کے سردار سیسرا کی مدد حاصل کی جائے۔

اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ انتہائی مشکل حالت میں وہ سیسرا کی مدد حاصل کر سکتا ہے جو فرات کے ملاحوں کا سردار اور پراتو مندر کے قریب ہی ملاحوں کی بستی میں رہتا تھا۔اس کا گھر بستی کی نکڑ پر سب سے الگ تھلگ تھا جس کی چھت پر لہرانے والی تکونی جھنڈی اس امر کی علامت تھی کہ یہ بستی کے سردار کا گھر ہے۔کئی راتوں اور دنوں کی خفیہ تلاش میں ناکامی کے بعد آج دریا پر آنے کا مقصد سردار سیسرا سے پہلا رابطہ قائم کرنا تھا۔اس نے گھاٹ پر کچھ وقت تنہائی میں چلّہ کاٹنے والے کاہنوں کی طرح گزار دیا تاکہ رات کا پہلا پہر گزر جائے تو ملاحوں کی بستی کا رخ کرے۔اس احتیاط کا مقصد یہ تھا کہ کوئی سرکاری جاسوس اس کا تعاقب نہ کر سکے۔

سردار سیسرا سے مل کر اسے صرف ایک لفظ ''سروش[1]'' کہنا تھا جس مطلب یہ تھا۔''وہ

[1] ایرانیوں کے نزدیک ''سروش'' پیغام رساں فرشتہ ہے جو ملکوتی افواج کا افسرِ اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔(پروفیسر رالنس)

فرشتوں کا دوست ہے۔'' پھر بوڑھا ملاح اُس کے لئے اجنبی نہ رہے گا۔

فرات پر چاندنی کسی جادوگر کے خواب کی طرح بکھری ہوئی تھی۔رات کا پہلا پہر گزرتے ہی وہ دریا کے چوڑے بند سے اُتر کر تیزی سے پراتو مندر کی طرف ہو لیا۔چاندنی رات میں یہ مندر بابل کے سحر کی طرح بڑا پُراسرار لگ رہا تھا اور اس کے دامنوں میں پھیلی ملاحوں کی بستی بھی چاندنی میں کسی طلسماتی حسینہ کی طرح اپنی زلفیں بکھیرے محوِ خواب تھی۔

مہرتاب نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اس چاندنی میں کوئی آنکھ اُسے دیکھ نہ سکے۔کوئی سایہ اُس کا تعاقب نہ کر سکے۔سردار کا مکان تلاش کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اُس کی چھت پر لہرانے والی تکونی جھنڈی دیکھ کر مہرتاب نے دروازے پر دستک دی بوڑھا ملاح اگر سو بھی رہا تھا تو دستک کی آواز سن کر فوراً بیدار ہو گیا۔پھر بھی چراغ روشن کرنے اور دروازہ کھولنے میں کچھ دیر ضرور لگی۔ رات کے وقت کوئی انتہائی ضرورت مند ہی اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا کرتا تھا لیکن جب اس نے چوبی کواڑ کھولے تو باہر ایک اجنبی نوجوان کو دیکھ کر، جس کا نصف چہرہ چاندنی اور نصف چہرہ اندھیرے میں تھا، وہ سوچ میں پڑ گیا کہ بھلا اس شخص کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے۔مہرتاب اس کی حیرت بھانپ گیا لیکن فوراً ہی حرفِ مطلب زبان پر لانا مناسب نہ سمجھا اور بولا۔

''معاف کرنا سردار ــــــ میں نے تمہیں بے وقت تکلیف دی۔کیا پراتو کا مندر رات کو بند ہو جاتا ہے؟''

سردار نے چشم حیرت سے دیکھا۔اُسے یقین نہیں آ رہا تھا یہ نوجوان رات کے وقت فی الواقع پراتو مندر ہی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہے۔پھر عجیب سے طنزیہ لہجے میں بولا۔

''اس بستی کی طرف آنے کی بجائے اگر تم نے مندر کا رخ کیا ہوتا تو تمہیں اپنے سوال کا جواب آپ سے آپ مل جاتا کیونکہ پراتو دیوتا کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔''

مہرتاب نے اس کے لہجے کی تلخی محسوس کی۔''یہ بات مجھے معلوم نہ تھی۔''

''خوب ــــــ'' بوڑھا ملاح اُسے مشکوک نظروں سے گھورنے لگا۔''پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ جنگ کے زمانے میں رات کو آوارہ پھرنے اور لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔''

"کیا بتاؤں ــــ!" مہرتاب اب مطلب کی طرف آ گیا۔ "میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور سردار سیسرا کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔"

ایک اجنبی کی زبان سے اپنا نام سن کر بوڑھا ملاح یوں اُچھلا جیسے کسی نے سر پر بھاری چپو دے مارا ہو۔ چہرے پر یک لخت انجانے اندیشوں اور نامعلوم خطروں کے سائے پھیل گئے اور آنکھوں سے جھانکنے والی حیرت برچھی کی طرح سیدھی مہرتاب کے دل میں آ چبھی۔ کسی بھیانک وسوسے نے اُسے اچانک خوف زدہ کر دیا۔ شاید بوڑھا اُسے ریموت کا جاسوس سمجھا تھا اور رات کے وقت ریموت کے کسی جاسوس کا دروازہ کھٹکھٹانا پیغامِ اجل ہی سمجھا جاتا تھا۔

"کون ہو تم ــــ؟"

"سروش ــــ"

مہرتاب کا جواب مختصر بھی تھا اور ایک مکمل تعارف بھی۔ اس ایک ہی لفظ نے جادو سے بڑھ کر اثر دکھایا اور جان پہچان کے لیے چوڑے رشتے معلوم کرنے کی حاجت باقی نہ رہی۔

"سروش" کا لفظ سنتے ہی بوڑھے ملاح کی آنکھوں میں پُراسرار یگانگت کی چمک جاگ اٹھی اُس نے مہرتاب کو بازو سے پکڑ کر جلدی سے دروازے کی طرف گھسیٹا۔ "اندر آ جاؤ۔"

پھر فوراً ہی مکان کا دروازہ بند ہو گیا اور بوڑھا پوچھنے لگا۔ "کسی نے تمہیں ادھر آتے ہوئے دیکھا تو نہیں؟"

"نہیں ــــ صرف چاندنی نے میرا تعاقب کیا ہے سردار سیسرا ــــ! اور چاندنی ریموت کی جاسوس نہیں ہو سکتی۔"

"کہیں اس دھوکے میں نہ رہنا صاحب زادے! نادیدہ گوشوں میں چھپی ہوئی آنکھیں نظر نہیں آتیں مگر خود سب کچھ دیکھ لیتی ہیں۔ خطرے سانپ کی طرح ہمیشہ زمین کے پیٹ میں رینگتے ہیں۔"

"میں بابل میں انہی خطروں کا زہر نچوڑنے آیا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" سیسرا نے کھجور کی رسیوں سے بنی ہوئی ایک بھدی سی کھاٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم آرام سے گفتگو کریں گے۔" پھر خود بھی اس کے بالمقابل ایک چوبی چوکی پر بیٹھ گیا۔

کمرہ مختصر تھا۔ چھت کی کڑیوں پر بھی کھجور کی چٹائی نظر آ رہی تھی۔ مٹی کی دیواریں، صاف ستھری تھیں۔ سامنے طاقچے میں بڑا سا چراغ جل رہا تھا جس کے دھوئیں سے اس کا بالائی حصہ

سیاہ پڑ گیا تھا۔ بوڑھے ملاح نے جس کا مضبوط کسرتی جسم اس عمر میں بھی نوجوانوں کی طرح تنومند دکھائی دیتا تھا، چراغ کی روشنی میں اپنے مہمان کو غور سے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ قوی ہونے کے ساتھ حُسن و جمال کے دیوتا رب النوع کا مظہر معلوم ہوتا تھا۔ سردار اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے ابھی تک تمہارا نام نہیں پوچھا۔"

"مجھے مہرتاب کے نام سے پکار سکتے ہو۔"

بوڑھا ملاح نام سن کر مطمئن نظر آنے لگا۔ "عجمی نام ہے۔"

"اور سیسرا بھی تو غیر عجمی نہیں۔"

"کام کے علاوہ ہمارے نام بھی ایک سے ہیں۔ مگر تمہیں چاند کی تیسری رات کو آنا چاہئے تھا۔"

"وہ رات ایک کہانی بن گئی سردار! میں اسی رات یہاں پہنچ گیا تھا مگر "فرشتوں" سے ملاقات نہ کر سکا۔"

بوڑھا "سروش" کی طرح "فرشتوں" کے لفظ پر بھی تڑپ کر رہ گیا۔ "جانتے ہو انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"گرفتاری کی خبر بھی سن لی ہے اور یہ بھی جان گیا ہوں کہ ان کے اصل نام کیا ہیں۔ اتنے دن اسی کھوج میں بھٹکتا رہا کہ انہیں کہاں قید کیا گیا ہے مگر کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ شاید تمہیں کچھ علوم ہو۔"

"کاش ــــ مجھے کچھ علم ہوتا۔" سیسرا کے جواب نے مہرتاب کو مایوس کر دیا۔

"تو تم بھی اُن کی گرفتاری کے بارے میں کچھ نہیں جانتے؟"

"صرف یہ جانتا ہوں، انہیں چاند کی تیسری رات دریائے فرات کے شمالی بُرجوں کی طرف جاتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا۔"

فرات کے شمالی بُرجوں کا ذکر سن کر مہرتاب بے طرح چونکا اور تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ "فرات کے شمالی برج ــــ"

سردار سیسرا نہیں جانتا تھا کہ وہ اچانک اس قدر بے چین کیوں ہو گیا ہے۔ بڑے تحمل سے بولا۔ "بیٹھ جاؤ مہرتاب! اگر تم ہر بات پر اسی طرح مضطرب ہوتے رہے تو کسی مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ یہاں اضطراب کو اطمینان کے پردے میں چھپانا پڑتا ہے۔"

''تم فرات کے شمالی برجوں کا ذکر کر رہے تھے۔'' مہرتاب دوبارہ کھاٹ پر بیٹھ گیا۔

''سردار سیسرا ——— ! اس واقعے کے متعلق جو کچھ بھی جانتے ہو مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ ہر بات ——— خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔''

بوڑھے سردار نے ہتھیلی سے اپنی پیشانی تھپتھپائی جیسے کوئی گزری ہوئی بات یاد کر رہا، پھر کہنے لگا۔

''ہاروت ماروت کو یقین تھا تم چاند کی تیسری رات اُن کے پاس پہنچ جاؤ گے اور اُسی رات انہوں نے فرات پر پراتو کے شمالی برج دیکھنے کا منصوبہ بنالیا۔ ان برجوں کا ایک محافظ افسر ''فرشتوں'' کا عقیدت مند تھا۔ انہوں نے فرمائش کی تھی، وہ اپنے ایک مہمان کے ہمراہ پراتو کے برج دیکھنا چاہتے ہیں۔

افسر نے بتایا۔ وہ صرف رات کے وقت برجوں کی نگرانی کا فرض ادا کرتا ہے کیونکہ دن کو دوسرے افسر متعین ہوتے ہیں۔ ''فرشتوں'' نے رات کی سیر منظور کر لی اور اس مقصد کے لئے چاند کی تیسری رات طے ہوگئی۔ مگر جب تم مقررہ تاریخ کو نہ پہنچ سکے تو خود ہی شمالی برجوں کی طرف چل دیئے۔ انہوں نے نیمیتی بل کے پاس دریا کو ایک سرکاری کشتی کے ذریعے عبور کیا کیونکہ اُن کے پاس سرکاری افسر کا اجازت نامہ تھا۔ سرکاری کشتی کے ملاحوں نے نیمیتی بل سے گزر کر انہیں قریب ہی دریا کے ساحل پر اتار دیا کیونکہ وہاں سے انہیں ایمگور بل کے شمالی برجوں تک دریا کے ساتھ ساتھ پیدل سفر کرنا تھا۔ لیکن وہ ابھی صرف چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ دس بارہ سوار اندھیرے سے نکل کر اچانک ان پر جھپٹے اور فوراً ہی انہیں بے بس کر کے گھوڑوں پر لادلیا۔ پھر نیمیتی بل کی فصیل کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف غائب ہوگئے۔

مجھے یہ واقعہ اُس سرکاری کشتی کے ایک ملاح نے سنایا جس پر ہاروت ماروت نے نیمیتی بل کا دریائی راستہ عبور کیا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے وہ حملہ آور سواروں کو نہیں پہچان سکا۔ ویسے بھی اُن سے کافی فاصلے پر تھے۔ مگر خیال یہی ہے کہ وہ سرکاری رسالے کے سوار تھے۔ اُسی ملاح نے بتایا کہ شمالی برجوں کے محافظ افسر کو بھی، جس نے ہاروت ماروت کے لئے دریا کے راستے نیمیتی بل پار کرنے کا اجازت نامہ جاری کیا تھا اُسی رات گرفتار کر لیا گیا دوسرے روز اُس کی لاش نیمیتی بل کے دروازے پر لٹک رہی تھی۔ مگر ''فرشتوں'' کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، یہ کسی کو معلوم نہیں۔ بس یہ ہے وہ کہانی جو میں جانتا ہوں۔''

سردار سیسرا کی زبانی یہ تفصیلات سن کر مہرتاب سکتے میں آ گیا اور ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مجھے اندیشہ ہے کہیں انہیں بھی قتل نہ کر دیا گیا ہو۔''

''نہیں ——— '' بوڑھا ملاح بڑے وثوق سے کہنے لگا۔ ''قتل ہی کرنا ہوتا تو گرفتار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ صبح نیمیتی بل کے پاس اُن کی لاشیں ملتیں۔ یہ کوئی بڑا پراسرار معاملہ ہے کہ ان کی گرفتاری کو راز میں رکھا گیا۔ مگر شمالی برجوں کی حفاظت و نگرانی سخت کر دی گئی ہے۔ رات تو کیا، کوئی شخص دن کے وقت بھی ادھر نہیں جا سکتا۔ بیلشا زار کا خیال ہے کہ بابل پر حملہ شمال کی طرف سے ہوگا۔ کیونکہ ایرانی لشکر شمال ہی کی طرف خیمہ زن ہیں۔''

''مجھے صرف ہاروت ماروت کی فکر ہے۔ اُن کا شمالی برجوں کی طرف جانا مناسب نہ تھا۔'' اور مہرتاب کے ساتھ فرات کے ملاحوں کا سردار بھی فکر و تشویش کے گرداب میں ڈوب گیا۔

دریائے فرات بابل کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا گزرتا تھا۔ شمال کی جانب سے وہ ایلو ربل کی 350 فٹ اونچی فصیل میں داخل ہوتا اور دریا کے دونوں ساحلوں پر جہاں یہ عجوبہ عالم شہر پناہ ختم ہوتی تھی وہاں دونوں جانب دو کوہ پیکر برُج بنا دیئے گئے تھے جن پر پراتو دیوتا کے عظیم و مہیب بُت گویا شمال مغربی علاقے کی نگرانی کرتے تھے۔ ان دونوں برجوں کے درمیان دریا کے ایک میل چوڑے پاٹ میں پتھر کے بڑے بڑے درّے تعمیر کیے گئے تھے۔ ان سنگی درّوں پر ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی گئی تھی جو دریا کے اوپر سے ایمگور بل کے دونوں سروں کو باہم ملاتی تھی۔ دریا کا پانی درّوں سے گزرتا جو چوبیس، چوبیس فٹ چوڑے اور اتنے ہی اونچے تھے۔ مگر ان سنگی درّوں کے اندر لوہے کی بھاری اور موٹی موٹی سلاخیں نصب کر دی گئی تھیں۔ یہ سلاخیں پانی میں ڈوبی رہتی تھیں تا کہ کوئی دشمن دریا کے راستے شہر میں داخل نہ ہو سکے۔

پہلی شہر پناہ ایمگور بل سے اڑھائی میل اندر، دوسری شہر پناہ نیمیتی بل تھی اور نیمیتی بل پر جہاں سے دریا باقاعدہ شہر میں داخل ہوتا تھا دونوں ساحلوں پر فوجی چوکیاں تو موجود تھیں لیکن یہ کوئی حفاظتی دیوار نہیں تھی جیسے ایمگور بل پر بنائی گئی تھی۔ اسی قسم کے حفاظتی انتظامات جنوب کی طرف بھی کیے گئے تھے جہاں دریا نیمیتی بل اور ایمگور بل کے جنوبی حصاروں سے باہر نکلتا تھا۔ جنوب کی سمت بھی نیمیتی بل پر حفاظتی چوکیاں تھیں جب کہ ایمگور بل کے دونوں

* مؤرخ ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں ان برجوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جن پر پراتو کے بت نصب کیے گئے تھے۔ (مصنف)

سروں پر ویسے ہی دو بُرج اور ان دو بُرجوں کے درمیان سنگی درّوں پر مشتمل ویسی ہی ایک حفاظتی دیوار تھی۔ جنوبی دیوار کے درّوں کے اندر بھی آہنی سلاخیں ہر وقت پانی میں ڈوبی رہتی تھیں تاکہ اس سمت سے بھی کوئی حریف شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔

یوں تو دریائے فرات کے جنوبی اور شمالی درّوں پر زمانہ امن میں بھی پہرہ رہتا تھا لیکن ان ایام میں جب ایرانی خطرہ بابل سے دُور نہیں تھا، شمالی بُرجوں کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی تاکہ ایرانی کہیں دریا میں سیندھ لگا کر شہر کے اندر نہ گھس آئیں۔ ان حالات میں ہاروت ماروت کا شمالی بُرجوں کی سیر کا منصوبہ بنانا یقیناً خطرے سے خالی نہ تھا اور اب مہرتاب اور سردار سیسرا دونوں اسی فکر میں غلطاں تھے کہ اگر وہ زندہ ہیں تو انہیں کہاں تلاش کیا جائے۔ چند لمحوں کی اذیت ناک خاموشی کے بعد مہرتاب نے دریافت کیا۔

''تمہارے خیال میں گرفتاری کے بعد انہیں زندہ رکھنے اور چھپانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا'' بوڑھے سردار نے جواب دیا۔ ''لیکن میرا تجربہ کہتا ہے انہیں بعض ضروری معلومات حاصل کرنے کے لئے زندہ رکھا گیا ہے اور جس روز وہ ضروری معلومات حاصل ہو گئیں، انہیں قتل کر دیا جائے گا۔''

''اس کا مطلب ہے، ان کی زندگی کسی وقت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔''

''بے شک ____ لیکن یہ پتہ چل جائے کہ وہ کس جگہ قید ہیں تو بابل میں ایک ایسی ہستی بھی ہے جس کے حکم پر ہر زندان کا دروازہ کھل سکتا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے ____ شاہ بنونید ____''

سردار سیسرا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''کیا عام لوگوں کی طرح تم بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ بابل پر شاہ بنونید یا اس کا بیٹا بیلشازار حکومت کرتا ہے؟''

''پھر وہ کون ہے؟'' مہرتاب مجسم سوال بن گیا۔

''شہزادی شمورہ ____ کنواری دُخترِ بابل۔''

یہ الفاظ مہرتاب کے دل و دماغ میں دھماکے کی طرح پھٹے۔ اس نے تڑپ کر پہلو بدلا اور ایک بار پھر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ ''کیا کہا تم نے ____؟ کنواری ____ دُخترِ بابل ____؟''

''ہاں ____ یہی کہا ہے میں نے۔ اب بیٹھ جاؤ۔''

''یعنی شہزادی شمورہ ''کنواری دُخترِ بابل'' ہے۔'' مہرتاب ایک بار پھر کھجور کی رسیوں سے

بُنی ہوئی کھاٹ پر بیٹھ تو گیا لیکن یہ الفاظ اُس کے دل کو کھائے جا رہے تھے اور ذہن میں دانائے فرات گوما کا وہ پیغام بگولے کی طرح چکر کاٹ رہا تھا جو اُس نے سردار حنانی کے ذریعے شاہ بنونید کو بھیجا اور اطلاع دی تھی کہ ''کنواری دُخترِ بابل کا دُولہا آ گیا ہے۔'' وہ حیران تھا کہ اس پیغام کا مطلب کیا ہے؟ اس کے ساتھ ہی اس نے ہاروت ماروت کے معاملے کو نظر انداز کرتے ہوئے سردار سیسرا سے ''کنواری دُخترِ بابل'' کے مفہوم کی وضاحت طلب کی۔

سردار نے بتایا۔ ''باغاتِ معلقہ میں یہ لقب صرف شہزادی شمورہ کے لئے مخصوص ہے جو بابل کی، کالدیا کی سب سے بااختیار عورت ہے۔ اس کے حکم پر موت کے اندھیرے بھی زندگی کے اُجالوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہ نہ صرف قانون کی زبان بلکہ خود قانون ہے۔ کیونکہ بادشاہ رعایا پر اور وہ بادشاہ پر حکومت کرتی بلکہ اس کی مشیر و رہبر ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ شہزادی شمورہ بادشاہ کو چلانے والی طاقت کا نام ہے۔''

سردار سیسرا نے شہزادی کی جو تصویر کھینچی تھی اس کے مطابق بلاشبہ وہ بیدخت کے بعد بابل کی دوسری یگانہ عصر عورت تھی مگر مہرتاب کے خیال کی ہر لہر بھنور کی طرح ایک ہی محور پر گھوم رہی تھی اور وہ محور تھا ''کنواری دُخترِ بابل'' آخر اُس نے پوچھ ہی لیا۔

''سردار سیسرا ____! شہزادی کی ابھی تک شادی کیوں نہیں ہوئی؟''

''ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔'' سیسرا بتانے لگا۔ ''دراصل ابھی تک دنیا کا کوئی مرد اُس کے معیار پر پورا نہیں اترا۔ وہ دیوی اِشتار کی پرستار اور دوسری عورتوں سے مختلف ہے۔''

''شادی ہوتے ہوتے رہ گئی؟ ____ کس کے ساتھ ہو رہی تھی؟''

بوڑھا سردار حیران تھا کہ مہمان اصل مقصد سے ہٹ کر شہزادی شمورہ میں دلچسپی کیوں لینے لگا ہے؟ یہ عجیب بات تھی تاہم ایک لمحہ رُک کر اس نے اپنی یادداشت کا ورق اُلٹا اور کہنے لگا۔

''وہ شہزادہ سامطیق مصر کا ولی عہد تھا۔ فرعون اَحمسس[1] نے اُس کے لئے ''دخترِ بابل'' کا رشتہ طلب کیا مگر شمورہ نے یہ کہہ کر شادی سے انکار کر دیا کہ میں اس ملک کی ملکہ نہیں بننا چاہتی

1. فرعون اَحمسس جسے مؤرخ اماسس بھی لکھتے ہیں، مصر کے چھبیسویں خاندان کا حکمران تھا جو 569 تا 525 قبل مسیح تک برسرِ اقتدار رہا۔ شہزادہ سامطیق اُس کا فرزند اور مصر کا آخری فرعون تھا۔ اُسی کے دور میں کمبوجیا بن کورش نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ (مسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ، ونڈرس آف دی پاسٹ)

جہاں مرنے والوں کی ممیاں بنائی جاتی ہیں اور لاشوں کو زرد پٹیوں میں لپیٹ کر گھروں[1] میں سجایا جاتا ہے۔ وہ کہتی ہے مُردے گھروں کے لئے نہیں، قبروں کے لئے ہوتے ہیں اور مصر کا ہر گھر ایک قبرستان ہے۔''

مہرتاب پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ''اُس نے ملکہ مصر بننے سے انکار کر دیا۔۔۔۔ اس کا مطلب ہے وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔''

''شادی کے بغیر عورت نامکمل ہوتی ہے۔ مگر شمورہ کسی مکمل آدمی کی منتظر ہے اور سمجھتی ہے کہ اُس کا دُلہا ضرور آئے گا۔''

اس کے ساتھ ہی مہرتاب کے دل و دماغ میں پھر دھماکے سے ہونے لگے اور دانائے فرات گوما کے پیغام کی پُراسرار گھنٹیاں اُس کی سماعت سے ٹکرانے لگیں۔۔۔۔ ''کنواری دُخترِ بابل کا دُلہا آ گیا ہے۔'' یہ ایک حیرت انگیز پیغام تھا اور مہرتاب اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر جب کہ شہزادی شمورہ کی عجیب شخصیت پہلی بار سامنے آئی تھی۔ ورنہ وہ تو آفریدۂ جمال بیدخت ہی کو ''دُخترِ بابل'' سمجھ بیٹھا تھا جسے اس نے چاند کی تیسری رات ہیکل زہرہ کے پاس دیکھا اور جس کے متعلق بہت کچھ مقدس گوما سے سنا تھا۔ مگر اب اُس کا ذہن دو حصوں میں تقسیم ہو کے رہ گیا تھا۔ ایک طرف زہرہ جمال بیدخت تھی، دوسری جانب شہزادی شمورہ۔ اور وہ اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ مقدس گوما نے اُسے بیدخت سے دُور رہنے کا مشورہ کیوں دیا تھا۔

سردار سیسرا نہیں جانتا تھا اُس کا مہمان کن خیالوں میں کھو گیا ہے۔ وہ تو بس یہ چاہتا تھا کہ مہرتاب شہزادی شمورہ کے قصرِ تصور سے باہر آ جائے اور اس مقصد کی طرف آگے بڑھے جس نے اجنبی ہونے کے باوجود انہیں دوستوں کی طرح باہم ملا دیا تھا۔ خود مہرتاب کے لئے بھی اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اپنے ذہن کو مزید پریشان نہ ہونے دے اور وہیں لوٹ آئے جہاں سے خیال کے اُڑن کھٹولے میں بیٹھ کر شاہی باغاتِ معلقہ میں جا اُترا تھا۔ اچانک مہرتاب مقصد کی طرف واپس آ گیا اور کہنے لگا۔

''سردار سیسرا۔۔۔۔! تم نے جو کچھ بتایا ہے اس کے مطابق شہزادی شمورہ واقعی دل کش

[1] مصری اپنے مُردوں کی ممیاں بنا کر گھروں میں رکھتے تھے۔ (دی نیل اینڈ اِیجپشین سویلائزیشن از پروفیسر مارٹ، فرانس)

شخصیت اور زبردست طاقت کی مالک ہے۔ اگر وہ چاہے تو اُس کے حکم پر ہر زندان کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ مگر پہلے یہ تو معلوم ہونا چاہئے ہاروت ماروت کو کہاں قید کیا گیا ہے؟''

بوڑھے سردار کا ذہن بھی یکلخت بیدار ہو گیا اور جیسے بادلوں میں بجلی چمکتی ہے، اچانک اُسے خیال آیا۔ ''معبدِ اکور کا کاہنِ اعظم زریہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔''

''کاہنِ اعظم زریہ۔۔۔۔ یہ نام میں پہلے بھی کہیں سن چکا ہوں۔''

''مقدس گوما کے بعد وہی بابل کی سب سے بڑی مذہبی شخصیت ہے۔ اگر ''فرشتوں'' کی گرفتاری بیلشازار کے حکم سے عمل میں آئی ہے تو زریہ جانتا ہوگا کہ وہ کہاں قید ہیں۔ تم اس سے ملاقات کرو۔''

''ایک ترکیب ہے۔'' سیسرا پُرخیال انداز میں بولا۔ ''شاہ بنونید نے سالِ نو کا جشن منانے اور دیوتاؤں کا جلوس نکالنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس روز بادشاہ معبدِ اکور میں ''عبادت کا رقص'' دیکھے گا۔ اگر تم لوگوں کے ساتھ معبدِ اکور میں داخل ہو جاؤ تو زریہ سے ملاقات کر سکتے ہو۔''

''مگر میں اُس کے لئے ایک اجنبی ہوں۔''

بوڑھے ملاح کی آواز اچانک سرگوشی میں ڈھل گئی۔

''جب تم علیحدگی میں زریہ کے سامنے ''سروش'' کا لفظ ادا کرو گے تو اسے میرے جیسا ہی پاؤ گے۔''

مہرتاب فرطِ استعجاب سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''سردار سیسرا! یہ بات بتا کر تم نے بابل کی کنجی میرے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اب میں یہ کھول دوں گا۔''

''مگر تمہیں ہوشیار رہنا ہے۔۔۔۔''

اب کے سردار سیسرا نے اُسے بیٹھنے کی ہدایت نہیں کی۔ شاید مہرتاب نے وہ مقصد حاصل کر لیا تھا جس کے لئے ملاحوں کی بستی میں آیا تھا۔ اس نے رخصت کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''چاند کی چودھویں رات کو اسی وقت، اسی جگہ پھر ملاقات ہو گی۔''

''میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

مہرتاب دروازے کی طرف مڑا تو ملاحوں کے بوڑھے سردار نے ہولے سے کہا۔

”واپسی پر چاندنی کو بھی تمہارا تعاقب نہیں کرنا چاہئے۔“

مہرتاب مکان سے نکلا تو رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی اور چاند کا بجرا آسمان پر تیرتا ہوا ایمکوربل کے مغربی حصار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ بہ عجلت بستی سے نکلا اور پھر دریا کی طرف ہولیا۔

(9)

جلوس

سرکاری وقائع نویسوں کے نزدیک ماہِ نیساں کی تیرہ تاریخ دینِ اصنام میں، جس کے دیومالائی ملفوظات نمرودِ اوّل سے بحفاظت چلے آتے تھے، بے نظیر اور ناقابلِ فراموش تھی۔

اُس روز اہلِ بابل نے مختلف مملکتوں، مختلف قوموں، مختلف فرقوں کے آسمانی اور زمینی الٰہوں، دیوتاؤں، دیویوں اور اپسراؤں کے مشترکہ جلوس کا ایسا ہوش رُبا منظر دیکھا کہ اس سے پہلے زمین تو کیا چشمِ فلک نے بھی کبھی ایسا عظیم الشان اور ناقابلِ بیان نظارہ نہ کیا ہوگا۔ ملکی اور غیر ملکی دیوتاؤں کو جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے جب ”لشکروں کے خدا“ عظیم مردوک کی پیشوائی میں رتھوں اور گاڑیوں میں لاد کر قلعہ اساگیلہ سے شاہراہِ جلوس پر لایا گیا تو دیکھنے والوں کے ہجوم حد و شمار سے باہر تھے اور ان پر انسانوں کی بجائے حشرات الارض کا گمان ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ ان سڑکوں اور بازاروں میں جہاں سے معبودوں کے سفر کا راستہ متعین ہو چکا تھا، لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور جس طرف نگاہ اٹھتی تھی، آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے جیسے سمندر نے انہیں زمین کے ساحل پر اُگل دیا ہو۔

جلوس کے متعین راستوں میں امراء کے قصروں پر شامیانوں اور سائبانوں کے نیچے، بلند عمارتوں کے چھجوں، بالکونیوں، دریچوں اور چھتوں پر، سڑکوں اور بازاروں کے دورویہ ہر جگہ، ہر سمت خلقت کے ہجوم سمندری لہروں کی طرح حرکت میں تھے۔ بابل کی تاریخ میں انسانوں کا اتنا عظیم اژدھام کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا جس میں رنگ رنگ کے لباسوں اور قسم قسم کی پوشاکوں نے ایک نظر افروز سماں پیدا کر دیا تھا۔

انسانوں کے اس سیلاب میں اُمرائے سلطنت، سردار، شیوخ، بیگمات، شہزادیاں، امیر گھرانوں کی خواتین، ان کی باندیاں، کنیزیں، فوجی حکام، انتظامیہ کے افسر، کارندے، عام شہری، منشی، مغنی، جلو دار، خواجہ سرا، کاہن، پروہت، پجاری، جادوگر، غیب دان، نجومی، پانسہ باز، فال گیر، رمل جوتش کے ماہر، خوابوں کی تعبیر بتانے والے، بھوت پریت، جن اور بدروحیں نکالنے والے عاملانِ روحانی، بُت تراش، مٹی کی مورتیاں بنانے والے محنت کش تعویذ گنڈا کرنے اور لوگوں کو روحانی عمل سے شفا دینے والے حکیم، داستان گو، دانش ور، صراف، تاجر۔ سوداگر، آڑھتیے، دُکان دار، شراب فروش، بازار کی طوائفیں، رقاصائیں، کسبیاں، گانے والیاں، مندروں، معبدوں کی دیوداسیاں، ہیکلوں کی ''پیاریاں''، ان کے مہنت پروہت، بازاروں میں گھومنے والے لچے لفنگے، کسبیوں کے دلال، فرات کے ملاح اور ماہی گیر، زمیندار، کسان، بھٹوں پر کام کرنے والے کمہار، مزدور، کپڑا بُننے والے کاریگر، آہن گر، معمار، بڑھئی، نائی، کنجڑے، چھابڑی لگانے والے غرض زندگی کے ہر شعبے کے لوگ رواں دواں تھے۔ عورتیں اور مرد، بچے اور بوڑھے جن میں کلدانی، شامی، حتی، فونیقی، سامری، اشوری، عربی، عجمی، ارمنی سبھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ وہ یہودی غلام بھی جو دیوی دیوتاؤں کا مضحکہ اُڑاتے اور خدائے واحد یہواہ کے پرستار تھے، معبودانِ باطل کا فقید المثال جلوس دیکھنے نکلے تھے۔

جب کلدانیوں کا ربِّ عظیم بل مردوک تختِ سیمیں پر سوار بصد جاہ و جلال بابِ اساگیلہ سے نمودار ہوا تو فضا ''بل مردوک کی جے ہو'' کے پُرجوش نعروں سے گونج اٹھی۔ مردوک جسے کلدانی کاہن عبرانیوں کے اَن دیکھے خدا ''رب الافواج'' کے مقابلے میں ''لشکروں کا خدا'' کہہ کر یاد کرتے تھے، سفید خچروں کی گاڑی میں ایستادہ تھا اور اس کے عقب میں سینکڑوں ارضی و سماوی معبود رتھوں، گاڑیوں اور چھکڑوں پر سوار گویا اُس کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے رواں دواں تھے۔

مردوک کو ایک نئی زندگی، نئی عظمت، نئی شہرت مل گئی تھی۔ اُس رتھ کے اردگرد سینکڑوں پجاریوں، پروہتوں، مہنتوں اور کاہنوں نے ہالہ سا کر دیا تھا جو اس کی حمد و ستائش میں با آوازِ بلند اکدی زبان کے مقدس اشلوک پڑھ رہے تھے۔ اکدی زبان برسوں سے متروک ہو چکی تھی۔ اس لئے اُن اشلوکوں کے مطلب بھی صرف وہی سمجھ سکتے تھے۔ رتھ کے آگے آگے کاہنوں اور پجاریوں کا پسندیدہ حکمران مردوخ بلادان جو مردوک کا ''محافظ خاص'' کہلاتا تھا، شاہی پوشاک میں ملبوس، سر پر ولی عہدی کا نشان سجائے، تلوار کے دستے پر ہاتھ ٹکائے سفید گھوڑے پر سوار گویا اُس معبودِ عظیم کی پاسبانی کا فرض ادا کرتا ہوا چل رہا تھا۔

مردوک کے پیچھے اُس کے اپنے قبیلے کے کچھ معبود تھے، پراتو، نسروک اور ننسیب تھے۔ پھر حلقہ بگوشانِ الوہیت میں نرقال، زبابہ اور انلیل کی سواریاں تھیں۔ ان سب کے گرد عقیدت مند پروہتوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا اور ان کی مدح سرائی میں مصروف تھے۔

جب یہ معبود گزر چکے تو ''خاتونِ اورک'' ایشتار کا جلوس نمودار ہوا جس کے چہرے پر زرّیں تاروں کا نقاب لٹک رہا تھا۔ دیوی کے آگے آگے شاہ بنونید ادب و احترام سے گردن جھکائے یوں چل رہا تھا جیسے عقیدت کے بوجھ سے دوہرا ہوا جا رہا ہو۔ وہ نہ تو شاہی رتھ پر سوار ہوا نہ گھوڑے پر بیٹھا۔ اُس نے لباسِ فاخرہ بھی زیب تن نہیں کیا بلکہ عقیدت گزار پروہتوں کی طرح ایک سادہ سا لباس پہن رکھا تھا جس میں دیوی کا مخلص پرستار نظر آتا تھا۔ اُس کا یہ رُوپ، یہ انکسار لوگوں کو بے حد پسند آیا۔ وہ بادشاہ کو اس حالت میں دیکھ کر نعرے لگاتے اور اس کی روحانی عظمت و بزرگی کا اعتراف کرتے تھے۔ اس طرح بادشاہ کا مذہبی وقار پھر بحال ہو گیا تھا جسے فتنہ پرداز کاہنوں نے جھوٹی افواہیں اُڑا کر نقصان پہنچایا تھا۔ شہزادی شمورہ کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر اس نے دوبارہ عوام کی ہمدردیاں حاصل کر لی تھیں۔ شہزادی نے بادشاہ کو ایشتار کی رکاب میں رہنے کی ہدایت بھی اسی لئے کی تھی کہ وہ مردوں کی محبوب دیوی تھی اور اس سے عقیدت کا غیر معمولی اظہار خود اُس کی گرتی ہوئی ذات کا سہارا بن گیا تھا۔

ایشتار کے اردگرد مقربانِ شاہ اور جلوداروں کا ہجوم تھا جو در پردہ بادشاہ کی حفاظت کا فرض بھی ادا کر رہے تھے۔ کیونکہ اندیشہ تھا، کوئی بدبخت موقع سے فائدہ اٹھا کر اس پر مہلک وار نہ کر دے۔ مہرتاب بھی ریاستی امیرزادے کا مخصوص لباس پہن کر اس ہجوم میں شامل ہو گیا اور عقیدت مندوں کی طرح دیوی کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اُس نے ''خاتونِ اورک'' کی معیت اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ بادشاہ کے قریب رہے اور اس کے پیچھے پیچھے با آسانی معبدِ اکور میں داخل ہو سکے۔ ایشتار کی ہمراہی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ کاہنِ اعظم زریہ بھی اسی حلقے میں شریک تھا۔

ایشتار کے پیچھے اشور، بعل، سین، شمس، شوشنیک اور دوسرے سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کی سواریاں قطار در قطار چلی آتی تھیں۔ جب مردوک اور اس کے قبیلے کے معبودوں یا حلقہ بگوش

دیوتاؤں کی سواریاں لوگوں کے درمیان سے گزرتیں تو عقیدت مند نعرے لگاتے اور پھول، سکے، زیور، قیمتی موتی اور ریشمی پارچات نچھاور کرتے جنہیں پجاری، پروہت بڑی عجلت سے سمیٹ کر الگ گاڑیوں میں رکھتے جاتے تھے جو صرف نذرانوں کے لئے مخصوص تھیں۔ نذرانوں کی سب سے زیادہ بارش ''خاتونِ اورک'' ہی کی سواری پر ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کی پذیرائی میں غیر معمولی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا تھا۔

جوں جوں دیوتاؤں کا جلوس آگے بڑھتا گیا، پروہتوں، پجاریوں کے مدحیہ گیتوں، سازوں کی آوازوں، لوگوں کے نعروں، شور وغل اور ہاؤ ہُو میں بھی اضافہ ہوتا گیا جس سے بابل کی فضا میں سمندری مد وجزر کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ یوں لگتا تھا لاکھوں باشندوں کا عظیم شہر مسرت وعقیدت کے ترانوں میں ڈوب رہا ہے۔ جلوس اتنا پُرہجوم اور طویل تھا کہ مختلف سڑکوں اور بازاروں سے گزرنے میں سارا دن صرف ہو گیا لیکن عقیدت مندوں کا یہ عالم تھا کہ دیوتاؤں کے شوقِ دیدار میں بھوکے پیاسے کھڑے رہے۔ جب جلوس کسی ہیکل، معبد اور مندر کے قریب سے گزرتا، تماشائیوں کا جوش وخروش دوچند ہو جاتا اور وہ مخصوص بھجن اور گیت گا کر دیوتاؤں کا استقبال کرتے تھے۔

جلوس مخصوص راستوں سے گزرتا ہوا معبدِ اکور کے دروازے پر پہنچا تو شام ہو رہی تھی۔ اور بل مردوک کی عظیم الرفعت ہیکل کی آٹھوں منزلوں پر ہزار ہا قندیلیں روشن ہو چکی تھیں۔ غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی ماہِ نیساں کی چودھویں تاریخ بھی روشن ہو گئی تھی۔ اس رات بابل کی 53[1] ہیکلوں کے علاوہ ارضی دیوتاؤں کے 300 مندروں، آسمانی الٰہوں کے 600 معبدوں اور ان گنت دیگر عبادت گاہوں میں چراغاں کیا گیا۔ ماہِ نیساں کی چودھویں رات کو بابل کے آسمان پر چاند اپنی پوری تجلیوں کے ساتھ روشن تھا اور بابل کی عبادت گاہیں لاکھوں چراغوں کی روشنیوں سے منور ہو رہی تھیں۔ وقائع نویسوں کے اس بیان میں کوئی مبالغہ نہ تھا کہ بابل کی تاریخ میں نہ تو پہلے کبھی دیوتاؤں کا ایسا عظیم الشان جلوس دیکھنے میں آیا نہ کبھی ایسا چراغاں ہوا تھا۔

جلوس کو معبدِ اکور کے پاس اس وقت تک رُکنا اور پھر زیگورات کی طرف بڑھنا تھا جب تک بادشاہ دستور کے مطابق ''عبادت کا رقص'' نہ دیکھ لے۔

اگر ہیکل بل مردوک (زیگورات) کا شمار دنیا کے عجائبات میں ہوتا تو معبدِ اکور کی اپنی

[1] ہیکلوں، مندروں اور معبدوں کی یہ تعداد ہیر لڈلیم نے بیان کی ہے۔

ایک تاریخ تھی۔ اسے ''مقدس بیل'' کا آستانہ کہا جاتا تھا جس کی لمبی لمبی سیڑیاں اس بلند اور وسیع وعریض چبوترے پر ختم ہوتی تھیں جس کا طول 100 فٹ اور عرض 75 فٹ تھا۔ اس چبوترے کے وسط میں دھات کی عظیم چوکی پر ''مقدس بیل'' کا پیتل کا ایک بڑا مجسمہ نصب تھا جو بحالتِ غضب زمین کے پیٹ میں سینگ مار رہا تھا۔

یومِ جلوس پر معبدِ اکور کو خاص طور سے آراستہ کیا گیا تھا، ہزاروں چراغ روشن تھے جن کی لرزتی شعاعوں میں معبد کے چبوترے پر پیتل کا عظیم بیل چمک دمک رہا تھا اور اُس کی گردن میں کتان کے سرخ وسفید دھاگوں کی متبرک مالا آویزاں تھی۔

مصریوں کی طرح اہلِ بابل کا بھی یہی عقیدہ[1] تھا کہ روزِ ازل جب آسمان پر بادلوں اور ہواؤں کے دیوتاؤں میں جنگ ہو رہی تھی، مہادیو نے برق ورعد کی شکل میں ظہور فرمایا۔ اس وقت یہ بیل برقِ آسمانی کے نطفے سے پیدا ہوا تھا اس لئے ''فرزندِ آسمان'' اور ''معبودِ جہاں'' قرار پایا۔

دیوتاؤں کا جلوس معبدِ اکور کے سامنے پہنچ کر رک گیا جس کی لمبی لمبی سیڑھیوں پر معبد کی دیوداسیاں بادشاہ، ولی عہد اور اعیانِ حکومت کے استقبال کے لئے مؤدب کھڑی کوئی بھجن الاپ رہی تھیں۔ شاہ بنونید، کاہنِ اعظم زریہ کی راہنمائی میں ''مقدس بیل'' کے چبوترے کی طرف بڑھا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دن بھر کی ریاضتِ جلوس نے اُسے تھکا دیا تھا۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی دیوداسیاں کمر تک جھک گئیں اور کاہنِ اعظم زریہ نے آگے بڑھ کر ''مقدس بیل'' کی گردن سے سرخ وسفید دھاگوں کی مالا اُتاری اور بادشاہ کے گلے میں ڈال دی۔

''مقدس بیل'' کے چبوترے سے آگے معبدِ اکور کی وسیع ڈیوڑھی تھی۔ اُس ڈیوڑھی کے ساتھ ایک مختصر صحن تھا جسے عبور کرنے کے بعد آدمی معبد کے طویل وعریض ہال میں پہنچ جاتا تھا۔ جب امرائے دولت، کاہن، پروہت، پجاری، ساحر، عاملانِ روحانی، ستارہ شناس، دانشور، خوابوں کی تعبیر بتانے والے اور دیگر معززین شاہ بنونید اور میر ودیع بیلشازار کے پیچھے ''مقدس بیل'' کا چبوترہ پار کر کے معبدِ اکور کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو مہرتاب بھی اس ہجوم کے ساتھ ساتھ ڈیوڑھی کے اندر پہنچ گیا۔

[1] مصری مقدس بیل کو ''آپیس'' کہتے تھے مگر بابل بیل کی پرستش کا سب سے بڑا مرکز تھا جہاں اسے بل، بیل یا بیلس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس بیل کے متعلق یہی عقیدہ تھا کہ وہ برق آسمانی کے نطفے سے پیدا ہوا۔ (قدیم تاریخ صنمیات۔ تفسیر کبیر جلد اول)

ہال کے دروازے پر معبد کی دیوداسیوں نے بادشاہ کے سامنے سلگتے ہوئے لوبان کی تھالی گھمائی، دیوتاؤں سے اس کی زندگی اور کامیابی کی دعا مانگی۔ تب بنونید نے ہال کے اندر قدم رکھا۔

یہ ہال رفیع اور وسیع تھا۔ اس کے چوطرفہ بلند ستونوں کی پٹی تھی جن کے درمیان بیسیوں قندیلیں آویزاں تھیں۔ اُونچی چھت کے وسط میں چاندی کا ایک بہت بڑا فانوس تھا جس میں درجنوں شمعیں روشن تھیں۔ خوشبو دانوں میں سلگتے ہوئے "اگر" کی مہک ہال میں پھیل رہی تھی۔ یہ اگر یا عودِ ہندی ہندوستان کے تاجر لے کر آتے تھے۔ دیواروں پر خطِ میخی میں مقدس عبارتیں لکھی گئی تھیں اور دیواروں کے ساتھ ساتھ پتھر کے بتوں، کانسی کے مجسموں اور پیتل کی مورتیوں کو ان کی دیو مالائی حیثیت کے مطابق آراستہ کیا گیا تھا۔ ان میں خالق کائنات "ربِ شماس" اور اُس کے قبیلے کے الٰہوں اور دیوتاؤں کے بُت سب سے نمایاں تھے جو سنگِ رخام سے تراشے گئے تھے۔ اہلِ بابل کے نزدیک ان الٰہوں نے تخلیق[1] عالم میں حصہ لیا تھا جن میں میٹھے پانیوں کا ربِ قدیم اپسو، شوریلے پانیوں کی دیوی تھیامتہ، اُس کا سپہ سالار کنگو، خدائے آسمان آنو، خدائے قوت ای آ اور اس کا جری بیٹا مردوک شامل تھے۔

سامنے کی دیوار کے ساتھ ایک بڑا اسٹیج تھا جہاں بادشاہ، ولی عہد، خاندانِ بخت نصر کے شہزادوں کے لئے نشستیں مخصوص تھیں۔ دیوار پر اپسو اور تھیامتہ کے خلاف زمین و آسمان کے خداؤں کی بغاوت اور جنگ کی بہت بڑی تصویر بنائی گئی تھی جو پوری دیوار پر محیط تھی۔ اس دیوار میں ای آ کا جنگ جو بیٹا مردوک کنگو کے لشکروں اور ظلمات کے دیوتاؤں پر حملہ کرتا ہوا دکھایا گیا تھا۔

قدیم بابلی عقیدے کے مطابق ابتدا میں صرف دو خدا تھے۔ ربّ اَپسو اور ربہ تھیامتہ جن کے وصل و اختلاط کے نتیجے میں زمین و آسمان کے دیوتا پیدا ہوئے۔ ای آ زمین کا اور آنو آسمان کا دیوتا تھا۔ انہوں نے دنیا پیدا کرنے کے لئے اپنے ماں باپ کے خلاف بغاوت کر دی کیونکہ تھیامتہ اَپسو انسان کی پیدائش کو پسند نہ کرتے تھے۔ جب زمین و آسمان کی دیوتا ای آ اور آنو ماں باپ سے جنگ آزما ہوئے اور خداؤں اور دیوتاؤں کے درمیان زبردست لڑائی ٹھن گئی تو اپسو

[1] ہندو دیو مالا کا تصور بھی تخلیق عالم کے اس بابلی تصور سے ملتا جلتا ہے۔ (تاریخ صنمیاتِ قدیم۔ ہندوؤں کی کلاسیکل ڈکشنری)

اور تھیامتہ نے اپنی قوت سے فتح پائی اور ای آ اور آنو شکست کھا کر بھاگ گئے۔

کچھ عرصے کے بعد زمین کے دیوتا ای آ کا بہادر بیٹا مردوک تھیامتہ کے لشکروں سے لڑنے گیا۔ اس عرصے میں تھیامتہ نے اپنے شوہر اپسو کے علاوہ سپہ سالار کنگو سے بھی بیاہ کر لیا تھا اور بیک وقت دو شوہروں کی بیوی تھی۔ مردوک نے اپنی بے پناہ قوت سے کنگو کے لشکروں کو شکستِ فاش دی۔ پھر تھیامتہ اور اپسو سے براہِ راست جنگ آزما ہوا۔ ظلمات کے دیوتا ان کی مدد کرنے آئے مگر مردوک اُن سب پر غالب رہا۔ اُس نے ظلمات کے دیوتاؤں کو گرفتار کر کے ستاروں کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر تھیامتہ اور اَپسو کو بھی اسیر کر لیا۔ جنگ جو مردوک نے اپنی دادی تھیامتہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ نصف حصے سے آسمان بنائے اور دوسرے نصف سے اس کے خاوند اَپسو کے لئے قید خانہ تیار ہوا۔ مردوک نے کنگو کو پابہ زنجیر اپنے باپ ای آ کے حضور پیش کیا جس نے اُسے قتل کر دیا اور کنگو کے خون سے انسان پیدا کئے۔ خداؤں اور دیوتاؤں کی اس جنگ کا مقصد ہی تخلیق انسان تھا۔ بہادر مردوک کی بے پناہ قوت اور سعیِ جنگ کے نتیجے میں آخر انسان کی تخلیق عمل میں آئی لہٰذا وہ مسجودِ[1] انسان ٹھہرا۔

یہ تھا پیدائشِ آدم کے بارے میں بابل کے دینِ اصنام کا تصور جس کی تصویر کشی دیوار پر کی گئی تھی۔ شاہ بنونید اسی دین، اسی حکمت اور تہذیبی روایات کا محافظ تھا اور کلدانی صحائف میں مردوک کو اسی لئے "لشکروں کے خدا" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا کہ اس نے کنگو، تھیامتہ اور اَپسو کو شکست دی تھی بلکہ اشور، بعل اور شمس جیسے عظیم دیوتاؤں کے علاوہ عبرانیوں کے خدائے واحد یہواہ پر بھی غالب آیا تھا جسے عبرانی "خداوند خدا رب الافواج" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

مردوک کا عظیم الہیت مجسمہ عقبی دیوار کے اس سرے پر نصب تھا جہاں سے کنگو کے لشکروں کو فرار ہوتے دکھایا گیا تھا۔ یہ مجسمہ دوسرے تمام مجسموں سے بڑا اور اتنا بلند تھا کہ اس کے قلب تک پہنچنے کے لئے ساتھ ہی زینہ بھی بنایا گیا تھا کیونکہ پجاری اہم تقریبات پر اس کے گلے میں پھولوں کے ہار اور سونے کی مالا پہناتے تھے۔

جب شاہی خاندان کے افراد اسٹیج پر اور حاضرین بلند ستونوں کی چوڑی پٹی میں تینوں

[1] بابل کے خداؤں اور دیوتاؤں کی جنگ اور انسان کی تخلیق کا یہ مضحکہ خیز تصور کلدانی مذہب کا جزو تھا۔ (بحوالہ تفسیرِ کبیر جلد اول جز 1۔ تاریخ صنمیاتِ قدیم)

اطراف بیٹھ چکے کیونکہ ہال کا وسطی فرش ''رقصِ عبادت'' کے لئے خالی چھوڑ دیا گیا تھا، تو کاہنِ اعظم زریہ کی درخواست پر شاہ بنونید مسند سے اُٹھا، زریہ کے ساتھ مردوک کے مجسمے کے پاس آیا اور منبر نما زینہ چڑھ کر اس کے سینے تک پہنچا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ دیوتا کے دائیں ہاتھ میں دے دیئے اور چند لمحے مراقبے کی سی حالت میں کھڑا رہا۔ گویا وہ دیوتا کی خوشنودی حاصل کر رہا تھا۔ چند لمحے حالتِ استغراق میں کھڑے رہنے کے بعد وہ نیچے اُترا اور اسٹیج پر کھڑا ہو کر اعلان کرنے لگا۔

''ہم نے دیوتاؤں کے جلوس کا اہتمام کر کے مردوک کی خوشنودی حاصل کر لی ہے۔ اب بابل سے دشمنوں کا خطرہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گا کیونکہ جنگ کی دیوی ایشتار نے رویا میں آ کر ہمیں کامیابی کی بشارت دی ہے۔''

تمام لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے۔ وہ سن چکے تھے کہ دیوی ایشتار بادشاہ کے رویا میں آئی ہے اور اب اس رویا کی تفصیل سننے کے خواہش مند تھے۔ شاہ بنونید نے کہا۔

''یہ چاند کی تیسری رات کا واقعہ ہے جب ''خاتونِ اورک'' نے ہم پر کرم کی نظر ڈالی اور رویا میں اپنے درشن دیئے۔ اُس کے الفاظ آج بھی ہمیں یاد ہیں۔ یوں کہا تھا دیوی نے کہ اے بنونید! میں دیوتاؤں کے شہر بابل کی محافظ تمہاری حمایت کا اعلان کرتی ہوں کیونکہ تم عظیم بخت نصر کے جائز وارث ہو اور عنقریب اپنے دشمنوں پر فتح پاؤ گے۔ میں خود تیغ بکف میدانِ جنگ میں اتروں گی اور ہر دشمن کو جامِ مرگ پلاؤں گی۔ پھر دیوی کے القا پر ہم نے سالِ نو کا جشن منانے کا اعلان کیا۔''

بنونید کی تقریر بہت مختصر تھی۔ جیسا کہ اُسے ہدایت کی گئی تھی۔ پھر بھی جب وہ اپنا مطلب الفاظ میں بیان کر رہا تھا، کسی انجانے خوف سے لرزاں تھا۔ یہ خوف صرف جسم پر نہیں نہیں اس کی روح پر بھی طاری تھا کیونکہ اس نے دیوی کے نام پر غلط بیانی کی تھی۔ حاضرین یہی سمجھے کہ اس پر دیوتاؤں کی ہیبت طاری ہے یا پھر ایشتار نے رویا میں آ کر اس کا دل گداز کر دیا ہے۔ مگر اس محفل میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جو سمجھتا تھا کہ یہ سارا افسانہ من گھڑت، جھوٹ اور شہزادی شمورہ کے ذہن کی اختراع ہے۔ ورنہ دیوی بادشاہ کے رویا میں نہیں آئی، نہ اس نے کوئی الہام کیا ہے اور یہ شخص تھا بیلشازار ____ اگر اُس کا بس چلتا تو شمورہ کو مصر میں بیاہ دیتا جہاں وہ دن رات زرد پٹیوں میں لپٹی ہوئی لاشوں سے ملاقات کرتی۔ ممی خانوں کے مصالحوں کی بُو

سونگھتی یا پھر بڑے بڑے اہراموں کی طرح اپنا مقبرہ بنوانے میں مصروف رہتی۔ لیکن اُس نے کسی سے اپنے خیال کا اظہار نہیں کیا۔ بس شہزادی شمورہ پر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

بنونید کی تقریر کے بعد کاہنِ اعظم اشمیدی نے اس موقع پر دیوتاؤں کے جلوس، عظیم مردوک کی حیاتِ تازہ اور اس کے حضور بادشاہ کی حاضری پر خوشی کا اظہار کیا اور کہا۔

''مردوک کے پرستاروں پر یہ مہربانی ہمیشہ اسی طرح رہنی چاہئے تاکہ عظیم مردوک کے ساتھ بادشاہ کے نام کی ستائش بھی ہوتی رہے۔''

شاہ بنونید نے اشمیدی کی اس چاپلوسی کو پسند نہیں کیا کیونکہ وہ ولی عہد بیلشازار کا ''روحانی مشیر'' اور اُسے بادشاہ کے خلاف اُکساتا رہتا تھا۔ اس وقت اس نے جو کچھ کہا وہ بھی جھوٹ تھا۔ بس چند الفاظ تھے۔ روح اور معنی سے خالی ورنہ اس کا دل بادشاہ کی ستائش سے یک سر محروم تھا۔ پھر یہ سوچ کر کہ مبادا اشمیدی کی طرح کوئی دوسرا کاہن جھوٹی چاپلوسی کے لئے کھڑا ہو جائے، اُس نے زریہ کو یہ سلسلہ بند کرنے کا اشارہ کیا۔ بوڑھا زریہ اس مصلحت کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور خود بھی معاملے کو طول نہ دینا چاہتا تھا۔ اُس نے بادشاہ کے رویا کو بابل کی خوش بختی قرار دیا اور رزم کی دیوی ایشتار کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ''رقصِ عبادت'' کا اعلان کیا جسے دیوی جنگ پر روانہ ہونے سے قبل دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔

(10)

رقصِ عبادت

◎

ادھر معبد اکور کے بزرگ کاہن زریہ نے اپنی دائیں جانب لٹکتی ہوئی ریشمی ڈور کھینچی اُدھر ہال کے دروازے پر کانسی کی کئی گھنٹیاں بج اٹھیں اور ان کی مدھر، کھنکتی جھنکتی آوازوں کے ساتھ ہی مشرقی دیوار کے بڑے دروازے پر آویزاں اطلس کا پردہ کناروں کی طرف سمٹ گیا جسے معبد کے دو پجاری کھینچ رہے تھے۔ پھر فوراً ہی چودہ حسین دوشیزائیں ایک سی پشوازیں اور ایک سی رنگین چولیاں زیب تن کیے دو قطاروں میں بٹی ہوئی اس گلی میں نمودار ہوئیں جو تماشائیوں کے درمیان خالی چھوڑ دی گئی تھی۔

دوشیزاؤں کا لباس ہی ایک جیسا نہیں بلکہ رقص کا انداز بھی یکساں تھا۔ وہ ایک ہاتھ کولہے پر ٹکائے، دوسرا ہاتھ فضا میں لہراتی جادو کی پتلوں کی مانند تھرکتی، تھرتھراتی خالی گلی سے گزر کر ہال کے فرش پر آ گئیں جس پر سیاہ روغن سے ایک بہت بڑا دائرہ بنایا گیا اور رال اور گوند کی آمیزش سے اس طرح چمکا دیا گیا تھا کہ اس سیاہ دائرۂ رقص میں اُن کے حسین جسم منعکس ہو رہے تھے جیسے وہ فرشِ بلور پر ناچ رہی ہوں۔

پسِ پردہ دفوں، خنجریوں اور نفیریوں کی ہلکی موسیقی گونج رہی تھی اور اس کی تال پر ناچنے والیوں کے پاؤں میں کھانسی کی جھانجنیں مقدس گھنٹیوں کی طرح ''ٹھنک ٹھنک'' بج رہی تھیں۔ اُن حسین دوشیزاؤں پر کسی ہیکل کی کنواری دیوداسیوں کا گمان ہوتا تھا جنہیں دیوتاؤں کے حضور ناچنے کی تربیت دی گئی ہوتا کہ وہ اُن کے ''رقصِ عبادت'' سے شادکام ہوسکیں۔ چمکدار فرش پر ناچتے، تھرکتے ہوئے انہوں نے اچانک غزالانِ دشت کی طرح ایک ساتھ چوکڑیاں

بھریں اور دائرۂ رقص کے دو چکر کاٹے۔ بادشاہ سمیت تمام تماشائی اُن کی حرکات وسکنات کی مکمل یک جائی اور ہم آہنگی پر حیران بھی تھے اور مسرور بھی۔ چمکتے ہوئے فرش پر ان کے جسموں کے انعکاس کی یکسانی اور یک رنگی کا منظر بھی انتہائی سحر انگیز تھا اور یوں لگتا تھا وہ خود تو چمک دار فرش کے اوپر ناچ رہی ہیں اور ان کی ہمزاد لڑکیاں فرش کے ''اندر'' رقص کناں ہیں۔

ناچتے ناچتے انہوں نے ایک خوبصورت دائرے کی صورت سمٹ کر مشرقی ایشیا کی جھیلوں اور تالابوں میں کھلنے والے کنول کا مقدس پھول بنایا اور حاضرین نے بے ساختہ داد دی۔ کنول کا مقدس پھول بابل کے دیوتاؤں کو بھی پسند تھا۔ شہر کی قدیم دیواروں پر دیوی دیوتاؤں کی جو تصویریں اور صورتیں نقش تھیں، ان میں بعض دیویوں کے ہاتھ میں کنول کا پھول نظر آتا تھا اور ''رقصِ عبادت'' میں دوشیزاؤں کا کنول کے پھول کی طرح ایک دائرے میں سمٹ جانا یقیناً دیوتاؤں کی خوشنودی کا باعث تھا۔

جب وہ دائرۂ رقص کے بیچوں بیچ پھول کی طرح سمٹ گئیں تو پسِ پردہ موسیقی ہولے ہولے تیرنے لگی پھر اس میں ہیجانی سُر بلند ہونے لگے۔ سب ناچنے والیاں بکھر کر ایک قوس نما خط کی شکل اختیار کر گئیں اور انہوں نے اپنی گردنیں یوں اوپر اٹھالیں جیسے کسی آسمانی اپسرا کی آمد کا انتظار کر رہی ہوں۔

موسیقی کچھ اور تیز ہوگئی اور اس کی مرتعش لہروں کی گونج کے ساتھ، جن میں چنگ و رباب کے سُروں کا اضافہ ہوگیا تھا، مشرقی دروازے کا اطلسی پردہ پھر کھینچا گیا اور تمام لوگوں کی نگاہیں اُسی جانب دوڑ گئیں۔ اس دروازے میں ایک رقاصہ، ایک عورت نظر آئی جو شاعروں کے خیال سے بھی زیادہ حسین وجمیل تھی۔ اُس نے ربّۂ زہرہ کی طرح نیم عریاں لباس پہن رکھا تھا کیونکہ بابل کی صنمیاتی روایات کے مطابق زہرہ دیوی اپنے حُسن و جمال کو لباس میں چھپانا پسند نہیں کرتی تھی اور اس ''رقصِ عبادت'' میں وہ عورت زہرہ دیوی ہی کا رُوپ دھار کر جلوہ گر ہوئی تھی۔ اس نے اپنے حُسن کی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بازو پھیلا رکھے تھے جیسے سچ مچ زہرہ[1] کی طرح تیسرے آسمان کی جانب پرواز کر جانے کے لئے بے قرار ہو۔

چیختی چلاتی موسیقی کے درمیان وہ سحر آفرین انداز سے گلی نما راستے پر چلتی یا ہوا میں تیرتی ہوئی اس طرح دائرۂ رقص کی طرف لپکی جیسے بادلوں میں کوندا لپکتا ہے۔ اس کی پیش رو

[1] زہرہ تیسرے آسمان کا ستارہ ہے۔ (آکسفورڈ ڈکشنری)

دوشیزائیں یا کنواری دیوداسیاں اپنا قوس نما خط قائم رکھتی ہوئی بھاگ کر استقبال کو آگے بڑھیں اور اوندھے منہ اس کے قدموں میں گر پڑیں۔

لوگوں کے دل دھک سے رہ گئے۔

بادشاہ کی آنکھیں جنبش کرنا بھول گئیں۔

مہرتاب کسی دیوانے کی طرح چونک کر چشمِ حیرت سے دیکھنے لگا۔

رقاصہ کے کندھوں پر ایک مہین زرد قبا تھی جو پاؤں کے ٹخنوں تک لہرا رہی تھی۔ بازوؤں پر سنہرے بازو بند تھے جن کے ارغوانی پھندنے کہنیوں تک لٹک رہے تھے۔ سر پر ہندوستانی مندروں کے کلس کی مانند ایک خوش نما گاؤدم زریں ٹوپی تھی جس کی مخروطی نوک بتدریج پتلی ہوتی چلی گئی تھی اور پاؤں میں چاندی کے مجیرے تھے جن کی چھوٹی چھوٹی کٹوریوں کی موسیقی جذبۂ عشق کو بیدار کرتی تھی۔

یہ بابل کی شاہی رقاصہ زہرہ جمال بیدخت تھی جس سے زیادہ حسین، زیادہ خوبصورت عورت ابھی تک کرۂ ارض پر پیدا نہ ہوئی تھی۔

مہرتاب دم بخود رہ گیا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ ”عبادت کا رقص“ بیدخت کرے گی۔ اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ مقدس ہیکلوں اور معبدوں میں ”رقصِ عبادت“ کی اہم تقریب اس آفریدۂ جمال کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوسکتی۔ اگر جانتا کہ معبدِ اکور میں اس کا سامنا بابل کی اس عورت سے ہونے والا ہے جس سے دُور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی تو شاید کچھ سوچ سمجھ کر آتا، اس تقریب میں شریک ہونے کے لئے کوئی تیاری، کوئی اہتمام کرتا یا پھر معبدِ اکور میں حاضری اور کاہنِ اعظم زریبہ سے ملاقات کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھتا۔ لیکن تقدیر جس کے سامنے ہر انسان بے بس ہوتا ہے، شاید انہیں ایک دوسرے سے ٹکرانے کا کوئی منصوبہ تیار کر چکی تھی۔

عجیب بات تھی کہ وہ دونوں مرتبہ محض اتفاقی طور پر بیدخت کے قریب آیا تھا یا پھر خود بیدخت اُس کے قریب آگئی تھی۔ کیا یہ محض اتفاقات ہی تھے یا اُن کے پیچھے کوئی پراسرار طاقت کارفرما تھی جس نے مہرتاب کی زندگی کا سارا پندار اور عورت کو، خواہ وہ سُبلِ یاما، انتھیا اور زہرہ کا روپ ہی کیوں نہ دھار لے، ٹھکرا کر گزر جانے کا گھمنڈ توڑ دیا تھا؟

وہ اپنے دل میں ایک عجیب سی چبھن، ایک لطیف سا درد محسوس کرنے لگا۔ یوں تو بیدخت

کی شانِ دلربائی کا نظارہ پہلے بھی کر چکا تھا لیکن اُس کے حُسن کی دوسری تجلی جو معبدِ اکور میں نظر آئی حشر خیز تھی۔ اور وہ اس آفریدۂ جمال کو اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا کہ نبض کی ہر دھڑکن خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔

بیدخت کے سیاہ بال اُس کی پشت پر گر رہے تھے۔ سنہری ٹوپی کے دائیں بائیں زربافی تاروں کے دو پھندنے کانوں کی لوؤں کے آس پاس لرز رہے تھے۔ ریشمی صدری نے حُسن میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ نیم عریاں، نیم برہنہ لباس میں اُس کا سرخ و سفید، سڈول اور سانچے میں ڈھلا ہوا بدن کندن کی طرح چمک دمک رہا تھا جیسے ہیکل زہرہ میں زہرہ کا مجسمہ چمکتا تھا مگر وہ مجسمہ روحِ حیات سے خالی تھا اور یہاں زندگی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ اس کے بدن کے ہر رگ و پے میں دوڑ رہی تھی۔

اُس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند خوش رنگ تھے۔ کٹورہ سی آنکھوں میں جو ستاروں کی طرح روشن اور جھیلوں کی طرح گہری تھیں، ایک زمانہ خوابیدہ تھا، ان آنکھوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انہوں نے گہری نیند کا لطف اٹھایا ہو یا اُن پر عاشقوں کے بے قرار ہونٹوں نے اَن گنت بوسے دیئے ہوں یا پھر کسی پراسرار طاقت نے ان آنکھوں کو حیات و فنا کا اختیار دے دیا ہو کہ جسے چاہیں زندہ رکھیں اور جسے چاہیں صرف ایک جنبشِ ابرو سے ہلاک کر دیں۔ شاید ایسی ہی جادوگر آنکھوں کو قریب سے دیکھ لینے کی خواہش میں دیوانے عاشق زہر کے پیالے پی لیا کرتے تھے۔

مہرتاب نے پہلی بار ان آنکھوں کو غور سے دیکھا اور اس کا دل اس قطرۂ شبنم کی مانند دھڑکنے لگا جو سورج کی اولیں شعاعوں کی تاب نہ لا کر نوکِ خار پر کانپنے لگتا ہے۔

ادھر مہرتاب اُس کے حُسن کی لطافتوں میں ڈوبتا جا رہا تھا، اُدھر بیدخت اپنے اس نئے عاشق کی بے قراریوں سے بے خبر، بے پرواہ رقص کے جادو بکھیر رہی تھی اور وہ چودہ دوشیزائیں جو دراصل اس کی چودہ ”پیاریاں“ تھیں، عقب میں ہلالی قوس بناتی ہوئی اس کے ناچ کے ہر بھاؤ اور بدن کی ہر جنبش کا ساتھ دے رہی تھیں جیسے گنگا اور جمنا کی وادیوں میں تھرتھرانے والی کنواریاں یا ہندوستانی آشرموں اور وادیوں میں ناچنے والی دیوداسیاں اپنی کسی سُندر سکھی کا ساتھ دیتی ہیں۔

موسیقی کے زیر و بم میں بتدریج ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ سازوں کے مدھم آہنگ پر

بیدخت کے پاؤں میں مجیروں کی کٹوریاں چاندی کی گھنٹیوں کی طرح جھنک چھنک رہی تھیں اور ان کی مترنم لے دلوں میں رس گھول رہی تھی۔ ''عبادت کا رقص'' جاری تھا اور بیدخت وہ سارے انگ، سارے بھاؤ پیش کر رہی تھی جو روایت کے مطابق دیوی دیوتاؤں کے من کو بھاتے تھے۔

پسِ پردہ موسیقی آہستہ آہستہ پھر تیز ہونے لگی جیسے سمندر میں جوار بھاٹا آتا اور موجیں اُترنے کے بعد پھر چڑھنے لگتی ہیں۔ اس مدوجزر میں بیدخت کے بازوؤں کی ہر حرکت، پاؤں کی ہر جنبش اور چاندی کے مجیروں کی 'جھنک چھنک'' بھی تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ وہ اس تیزی سے گھومنے لگی کہ پشت پر زرد قبا بگولے کی طرح اُڑنے اور چاروں طرف چکر کاٹنے لگی۔

سازوں کے سُر چڑھتے گئے ____ پاؤں کی کٹوریاں بجتی رہیں۔

نورِ جمال بیدخت رقص کے دائرے بُنتی چلی گئی۔

آخری بھاؤ کاٹ کر وہ اسٹیج کے کچھ اور بھی قریب آ گئی اور مہرتاب جو اسٹیج کے پاس ہی بیٹھا تھا تاکہ بزرگ زریہ سے زیادہ دور نہ رہے، تڑپ کر رہ گیا۔ بیدخت دائرۂ رقص میں مہرتاب کے گوشۂ دل میں ناچ رہی تھی اور اس کا دل ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا جیسے سحرِ بابل کا شکار ہو گیا ہو۔

ناچتے ناچتے وہ اس کونے کی طرف بڑھی جہاں بیس فٹ اونچی ایشتار یاقوت کی آنکھوں سے ''رقصِ عبادت'' دیکھ رہی تھی۔ دیوی کے سامنے پہنچ کر وہ یک لخت رُکی پھر اس نے اپنی ٹھوڑی اٹھا کر اور سر پیچھے کی طرف جھکا کر اپنی گردن اور بدن میں اتنا خم پیدا کیا کہ سنہری ٹوپی کے کلس کی مخروطی نوک اُس کی پشت کے اُبھار کو چھونے لگی اور حسین جسم دیوی ایشتار کی کمان بن گیا جس سے وہ اپنے دشمنوں پر تیر چلاتی تھی۔ بیدخت چند ساعتیں قوس کی صورت کھڑی رہی۔ ''رقصِ عبادت'' کا یہی انوکھا بھاؤ دیوی کو سب سے زیادہ عزیز تھا کیونکہ وہ خود جنگ جو اور عورت کا جسم کمان کی صورت میں دیکھنا پسند کرتی تھی۔

بیدخت کو قوس کی طرح خمیدہ دیکھ کر شاہ بنونید اور تمام حاضرین نے تالیاں بجا کر اس کے فن کی داد دی اور جب وہ سیدھی ہو کر دیوی کے حضور جھک گئی کیونکہ تماشائیوں کے ذریعے ایشتار نے اپنی خوشنودی کا اظہار کر دیا تھا تو اس کی ''پیاریاں'' جھانجھنیں بجاتی چھم چھم کرتی ہال سے رخصت ہو گئیں اور دائرۂ رقص میں بیدخت تنہا رہ گئی جو سب کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

''عبادت کا رقص'' ختم ہو گیا لیکن ابھی ایک رسم باقی تھی اور اب لوگوں کو اُسی رسم کا انتظار تھا۔ فوراً بیدخت کی ایک پیاری اور وہ راحتِ شب لیلیٰ تھی، صراحی اور پیمانہ لے کر لوٹ آئی۔

صراحی میں معبد کی مقدس شراب تھی جو ''رقصِ عبادت'' کے بعد بادشاہ، ولی عہد اور چند بزرگ کاہنوں میں بطورِ تبرک تقسیم کی جاتی۔ اس کا آخری پیمانہ بیدخت مہمانوں میں سے کسی بھی خوش نصیب کو پیش کر سکتی تھی۔

بیدخت نے پیمانہ سنبھالا، راحتِ شب لیلیٰ نے اس میں شراب انڈیلی پھر نورِ جمال وہ پیمانہ لے کر اسٹیج پر آئی اور بڑے احترام کے ساتھ دن بھر کے تھکے ماندے بوڑھے بادشاہ کے حضور پیش کیا۔ بنونید نے پیمانہ تھاما اور ایک ہی سانس میں خالی کر کے بیدخت کو لوٹا دیا جس کا رقص دیکھ کر اس کی آدھی نقاہت پہلے ہی دور ہو چکی تھی۔

دوسرا پیمانہ بیلشازار کو اور تیسرا کاہنِ اعظم زریہ کو دیا گیا۔ پھر بیدخت کاہنوں اور پروہتوں کے حلقے کی سمت بڑھی۔ اس نے ہیکل زہرہ، معبدِ ایشتار، پھر ننخ، پراتو اور نبیب کے مندروں کے کاہنوں کو پہلے منتخب کیا اور انہیں نشہ آور تبرک پلایا لیکن معبدِ اشتر کے کاہنِ اعظم اشمیدی کو غلطی سے یا جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا جس سے اشمیدی کے شاگرد پروہتوں اور پجاریوں میں پریشانی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ولی عہد کا مذہبی مشیر ہونے کے ناتے زریہ کے بعد اُن کا اُستاد ہی متبرک شراب کا مستحق ہے۔

جب بیدخت کسی بزرگ کاہن کی طرف پیمانہ بڑھاتی تو اشمیدی کے شاگردوں میں غصے کا نشہ تیز ہو جاتا حتیٰ کہ صراحی سے آخری پیمانہ بھر گیا۔ وہ سمجھتے تھے یہ پیمانہ اشمیدی ہی کو دیا جائے گا مگر راحتِ شب لیلیٰ خالی صراحی لے کر جا چکی تھی اور بیدخت آخری پیمانہ اٹھائے حاضرین پر نظریں دوڑا رہی تھی کہ وہ متبرک شراب کس خوش نصیب کو پیش کرے۔ اُس نے اشمیدی کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔

مہرتاب بڑی دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

بابل میں آنے سے قبل اُس نے دینِ اصنام اور کلدانیوں کی مذہبی روایات اور رسومات کا گہرا مطالعہ کیا تھا تاکہ لاعلمی کے باعث کسی مشکل اور مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے۔ کلدانی بالخصوص بابل کے کاہن، پروہت، پجاری اپنے مذہب میں بڑے راسخ العقیدہ اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے کھڑے کر دیا کرتے تھے۔ اُسے نہ تو پتھر اور دھات کے دیوتاؤں سے کوئی تعلق تھا نہ معبد کی متبرک شراب سے کوئی مطلب لیکن اس وقت ساقی گری کا فرض ایک ایسی ورت ادا کر رہی تھی جس کے ہاتھ سے لوگ زہر کا پیالہ پینے سے بھی گریز نہ کرتے۔ اس لئے

مہرتاب کے لئے بھی یہ سوال بڑا پُرکشش تھا کہ بابل کی یگانۂ عصر عورت آخری پیمانے کے لئے کس خوش قسمت کا انتخاب کرتی ہے۔

بیدخت ایک عجیب شان کے ساتھ کھڑی حاضرین کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی گردش کرتی ہوئی نگاہیں جدھر اُٹھتی تھیں لوگوں کے دل اس خیال سے دھڑکنے لگتے کہ نہ جانے اُس کا پسندیدہ جوان کون ہوگا۔ تماشائیوں سے گزرتی ہوئی نظریں اچانک مہرتاب پر آ کر ٹک گئیں اور حیرت واستعجاب سے شراب کا پیمانہ اس کے ہاتھ میں کانپنے لگا ـــــ یہ کون ہے جو مردوں میں سب سے جمیل چپ چاپ بیٹھا ہے لنوع کی طرح اُس کی آنکھوں کے دریچوں میں جھانک رہا ہے۔ جس نے عطارد دیوتا کی مانند زرد[1] قبا پہن رکھی ہے جیسے آسمانوں سے اُسے گرفتار کرنے آیا ہو۔

مہرتاب بھی اُسے عشق انگیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

یہ اُن کی نگاہوں کا پہلا تصادم تھا۔ یہ حُسن اور عشق کی پہلی آویزش تھی اور ایک حسین واقعہ ظہور میں آ رہا تھا۔

بیدخت دو یا تین ساعتیں کھڑی اُسے شوق سے دیکھتی رہی پھر ایک عجیب اندازِ دل رُبائی کے ساتھ جس میں دل کی بے قراری بھی شامل تھی ہولے ہولے آگے بڑھی، اس نے اپنے خوش نصیب مہمان کا انتخاب کر لیا تھا لیکن ابھی وہ مہرتاب سے صرف تین چار قدم دُور تھی کہ اچانک ایک سمت سے آواز آئی۔

''رُک جا بیدخت ـــــ!''

آفریدۂ جمال رُکی اور اس سمت دیکھنے لگی جدھر سے آواز آئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ معبدِ اشتر کا ایک پروہت ہاتھ لہرائے کھڑا تھا۔

''تُو یہ شراب کسی اور کو نہیں پلا سکتی۔ اس پیمانے پر صرف کاہن اعظم اشمیدی کا حق ہے۔''

''نہیں۔'' بیدخت نے ہلکی سی مسکراہٹ سے جس میں زہرِ خند کے ساتھ شراب کی سی تلخی بھی تھی جواب دیا۔ ''میں یہ پیمانہ جسے چاہوں پیش کر سکتی ہوں، خاک پر گرا سکتی ہوں، فرش پر توڑ سکتی ہوں۔ تُو مجھے روکنے والا کون ہے؟''

---

[1] عطارد دوسرے آسمان کا ستارہ، بابل میں اہلِ علم کا دیوتا جو ترقی علوم کا وسیلہ اور معبود کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے لئے زرد رنگ مخصوص تھا۔ (آکسفورڈ ڈکشنری۔ تاریخِ بابل و نینوا۔ نیز پروفیسر جارج ایبرس)

''یہ بزرگ اشمیدی کی توہین ہوگی۔''

''تو پھر میں یہ توہین کر گزروں گی۔''

یہ کہہ کر بیدخت نے شراب فضا میں اچھال دی جس کی چھینٹیں قریب ہی بیٹھے اشمیدی کے ارغوانی افود پر اُڑتی چلی گئیں۔ پھر اس نے بلور کا پیمانہ فرش پر دے مارا۔ ایک چھنکا ہوا اور فونیقی کانچ کی کرچیاں فرش پر بکھر گئیں۔

لوگ حیران رہ گئے۔ پجاریوں نے اسے بدشگونی سمجھا اور کاہنِ اعظم اشمیدی غصے میں چلّایا۔ ''بیدخت! تُو نے صرف میری توہین نہیں کی، دیوتاؤں کا مقدس پیمانہ بھی توڑا ہے۔''

شرفائے بابل کے نزدیک واقعی یہ ایک نازیبا حرکت تھی۔ بیدخت نے شراب گرا کر، پیمانہ توڑ کر، اشمیدی کی توہین کر کے پجاریوں کو ناراض کر لیا تھا۔ خود بادشاہ اور ولی عہد بھی اس ناخوشگوار واقعے کی تلخی محسوس کئے بغیر نہ رہے۔ اشمیدی کے چیلے بڑے مشتعل تھے۔ میرودیج بیلشازار بیدخت کی جرأت و بے باکی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ بدنیت اشمیدی کی توہین پر شاہ بنونید اگرچہ دل ہی دل میں خوش تھا لیکن وہ ایک معبد میں بیٹھ کر جہاں بابل کے دیوتا اور الٰہ بھی موجود تھے، پجاریوں کی نفرت مول لینے کے لئے تیار نہ تھا۔

کاہن اعظم اشمیدی بادشاہ سے انصاف کا طلب گار ہوا۔

''خداوند ـــــ کالدیا کے کاہنوں کو دیوتاؤں کی فرزندی کا شرف حاصل ہے مگر بیدخت نے دیوتاؤں کے سامنے اور آپ کی موجودگی میں میری توہین کی ہے۔ میرے افود پر شراب گرائی ہے۔ دیوتاؤں کا مقدس پیمانہ توڑا ہے۔ یہ ہمارے آبائی دین کی تذلیل ہے اور اس سے پہلے کہ بابل پر کوئی قہر ٹوٹے بیدخت کے لئے فیصلہ صادر کیا جائے۔''

فوراً ہی معبدِ اشتر کے چار پجاری پچھلی صفوں سے نکلے، بھاگتے ہوئے اسٹیج کی نقرئی سیڑھیوں پر سجدے میں گر پڑے اور بیک زبان بولے۔

''موت ـــــ موت ـــــ دین کی توہین کرنے والی کاٹھ پر لٹکائی جائے۔''

یہ سب کچھ افسوس ناک اور خلافِ توقع تھا اور اب بادشاہ کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس مقدمے کا کوئی فیصلہ کرے۔ اُس نے شاہی رقاصہ کی طرف انگلی اٹھائی۔

''بیدخت! تمہیں کچھ کہنا ہے؟''

''ہاں۔'' نورِ جمال کہنے لگی۔ ''میں نے دین کی توہین نہیں کی صرف اشمیدی سے اپنی

توہین کا بدلہ لیا ہے۔"

پھر اُس نے اپنا بازو، جس پر بازو بند کے پھندنے ایک ترتیب سے لٹک رہے تھے، اشمیدی کی طرف لہرا دیا اور کہنے لگی۔

"عالی جاہ! اس بڈھے سوسمار سے دریافت کریں، اس نے پچھلی عیدِ بیلس پر مجھے وصل کی دعوت دی تھی یا نہیں؟۔۔۔۔ اپنے ایک شاگرد کے ہاتھ معبدِ اشتر کے چڑھاوؤں سے یاقوت و زمرد کی دو لڑیاں بھیجی تھیں یا نہیں؟"

اگر دیوتاؤں کے حضور بیدخت نے شراب گرا کر اور مقدس پیمانہ توڑ کر کوئی نازیبا حرکت کی تھی تو اشمیدی پر لگایا جانے والا الزام اس سے زیادہ سنگین تھا کیونکہ معبد کے چڑھاوؤں میں خیانت کوئی معمولی جرم نہ تھا۔

بادشاہ نے قہر آلود نظروں سے اشمیدی کی طرف دیکھا۔ اُسے کاہنوں اور پجاریوں کو رُسوا کرنے کا ایک نادر موقع ہاتھ آیا تھا۔ بابل کا کون شخص ہوگا جس نے زہرہ جمال بیدخت کے وصل کی خواہش نہ کی ہو لیکن معبدِ اشتر کے کاہنِ اعظم کا اس قسم کی حرکت کرنا شرم ناک تھا۔

بادشاہ گرجا۔

"اشمیدی۔۔۔۔! کیا بیدخت درست کہتی ہے؟"

"خداوند! رقاصہ کا الزام غلط ہے۔" اشمیدی اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔ "میں نے بیدخت کو معبدِ اشتر میں صرف رقص کی دعوت دی تھی۔"

"اور یاقوت و زمرد کی لڑیاں کیوں بھیجی تھیں؟"

"رقص کا نذرانہ ادا کرنے کے لئے۔"

"مگر تم جانتے ہو بیدخت رقص کا نذرانہ نہیں لیتی۔"

"مجھے اندیشہ تھا کہیں وہ رقص سے انکار نہ کر دے۔"

"اور اس لئے تم نے معبد کے چڑھاوؤں میں خیانت ضروری سمجھی۔ لیکن تمہاری بیوی ہم سے تمہاری ہوس پرستی کی شکایت کرتی رہتی ہے۔"

اشمیدی اس انکشاف پر شرمندہ نظر آنے لگا۔ لیکن وہ ہار ماننے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے دینِ بابل کے محافظ شہنشاہ بھی دین کے خادموں کی توہین کرنے پر تلے

ہوئے اور مجلس میں مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ رقاصہ نے بادشاہ کے سامنے میری توہین کی، میرے افود پر شراب اُڑائی، مقدس پیمانہ توڑا اور مجھے سوسمار کہہ کر گالی دی ہے۔ کیا دین کی اس سے بڑھ کر کوئی اور ذلت بھی ہو سکتی ہے؟ میں میرودیخ بیلشازار کے نام کی دُہائی دیتا اور انہی سے انصاف طلب کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر سجدہ ریز پجاری پھر چلاّئے۔

"فیصلہ۔۔۔۔ فیصلہ۔۔۔۔ گناہ گار کی موت کا فیصلہ صادر ہو۔"

بنونید کے چہرے پر خشونت کے آثار ظاہر ہوئے۔ چالاک اور عیار اشمیدی اس کی موجودگی میں بیلشازار کے نام کی دُہائی دے کر گویا حاضرینِ مجلس کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ بادشاہ کو دینی امور کی پرواہ نہیں اور وہ کاہنوں سے بغض رکھتا ہے۔ یہ حربہ مذہبی اور سیاسی طور پر بھی انتہائی نقصان دہ تھا اور آج ہی جب اس نے پجاریوں کی نفرت دور کرنے اور مقبول حکمران بننے کی خاطر دیوتاؤں کا جلوس آراستہ کرایا اور عظیم مردوک کو حیاتِ تازہ بخشی تھی، وہ ان کی ناراضگی مول لینے پر آمادہ نہ تھا۔ اشمیدی نے جو پینترا بدلا تھا اس کا مقصد غالباً یہی تھا کہ وہ بادشاہ کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دے۔

وہ جانتا تھا کہ اشمیدی نے ذاتی جھگڑے کو مذہبی جھگڑے کا رنگ دے دیا اور ایسی فضا پیدا کر دی ہے جس میں وہ صحیح فیصلہ نہیں دے سکتا۔ اگر بیدخت سے غلطی سرزد ہوئی تو وہ اتنی بڑی سزا کی مستوجب نہیں تھی کہ اُسے کاٹھ پر لٹکانے کا حکم صادر کر دیا جائے۔ جب کہ معبدِ اشتر کے بدمعاش پجاری مسلسل اُس کی موت کا مطالبہ کر رہے تھے۔

حاضرین کے نزدیک بھی یہ ایک بے جا تکرار تھی اور اشمیدی "رقصِ عبادت" پر فضول قضیہ لے بیٹھا تھا مگر عمائدینِ حکومت سمجھتے تھے کاہن بڑے ضدی اور جھگڑالو ہوتے اور اپنی توہین کو مذہب اور دیوتاؤں کی توہین قرار دینے سے نہیں چوکتے جیسا کہ اشمیدی اور اس کے شاگردوں نے کیا تھا۔ کوئی نہ جانتا تھا بادشاہ اس ٹیڑھے جھگڑے کا کیا فیصلہ کرے گا۔ یہاں تو بابل کے دانشور اور احوالِ غیب کے مدعی بھی لب بستہ و دل رفتہ بیٹھے تھے۔ کیونکہ فیصلے کا اختیار صرف بادشاہ کو تھا جو اشمیدی کی نئی سازش کا شکار ہو گیا تھا۔

بنونید نے پریشانی کے عالم میں بیلشازار کی طرف دیکھا جس کے نام کی دُہائی دی گئی تھی۔ شاید وہ بیٹے کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن بیلشازار کو اظہارِ مطلب کے لئے الفاظ کی

ضرورت نہ تھی۔ اس جھگڑے میں وہ اشمیدی کا حامی نظر آتا تھا اور اس کے خطِ پیشانی کی تحریر صاف پڑھی جا سکتی تھی کہ اس صورتِ حال سے مسرور ہے جس نے بادشاہ کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اب وہ عالمانِ دین کو اس وقت تک مطمئن نہیں کر سکے گا جب تک بیدخت کے لئے کوئی سزا تجویز نہ کر دے ـــــ بنونید نے بیٹے کی شرارت آمیز سرد مہری دیکھی تو وہ پریشان ہو گیا۔ اگر اس نے رقاصہ کو سزا نہ سنائی تو شریر پجاری ضرور مذہب کے نام پر اس کے خلاف کوئی فتنہ کھڑا کر دیں گے۔ وہ کیا کرے۔

مہرتاب حیرت و پریشانی کی حالت میں کبھی بیدخت کو دیکھتا جو دائرۂ رقص میں خاموش کھڑی تھی اور کبھی شاہ بنونید کا جائزہ لیتا جو بڑا مضطرب اور بے چین نظر آتا تھا۔ اچانک اُس نے بادشاہ کی آنکھوں میں مایوسی کی ایسی جھلک دیکھ لی کہ اُسے بیدخت کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اُسی لمحے پھر صدا بلند ہوئی۔

"فیصلہ ـــــ فیصلہ ـــــ"

شاہ بنونید نے ہاتھ بلند کیا۔ غالباً وہ کوئی حکم صادر کرنے والا تھا کہ مہرتاب تڑپ کر اٹھا اور آدابِ شاہی کے مطابق اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

بنونید نے اُن کے دل کش سراپا کا جائزہ لیا اور فوراً عرضِ مطلب کی اجازت دے دی۔ غالباً وہ خود بھی فیصلے کی اس مشکل گھڑی کو ٹالنے کے لئے کسی سہارے کا متلاشی تھا۔ اس کی نگاہیں مہرتاب پر مرتکز ہو گئیں جو کہہ رہا تھا۔

"خداوند! قانون اور انصاف کی رُو سے آپ جسے چاہیں سزا دیں، جسے چاہیں بخش دیں۔ کیونکہ آپ منصف بھی ہیں اور صاحبِ اختیار بھی۔ لیکن پجاریوں نے بیدخت کی موت کا مطالبہ کر کے نہ صرف قانون کا مضحکہ اُڑایا بلکہ حضور کے انصاف پر اپنی مرضی کو ترجیح دے کر آپ کے شاہی اختیارات کی توہین بھی کی ہے اور قانون کی نظر میں یہ بہت بڑا جرم ہے۔ کیا "موت، موت" کی رٹ لگانے سے پہلے ضروری نہ تھا کہ پجاری حضور کے انصاف اور فیصلے کا انتظار کرتے؟"

شاہ بنونید سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُسے جس سہارے کی تلاش تھی وہ مل گیا تھا۔ اکثر حاضرین نے بھی سر ہلا کر مہرتاب کے قانونی نکتے کی تائید کی۔ بیدخت نے سحر طراز آنکھوں

سے اسے دیکھا اور بادشاہ کہنے لگا۔

"نوجوان! تُو نے ٹیڑھی بات کا سیدھا حل نکالا اور ہمیں قانون و اختیار کی طرف توجہ دلائی ہے جس کے لئے ہم تیرے ممنون ہیں۔ آگے آ جا اور ہمارے رُوبرو آ کر گفتگو کر۔"

مہرتاب آگے بڑھا اور اسٹیج کے سامنے پہنچ کر تعظیم بجا لایا۔ بیلشازار اُسے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا۔ شاہی وقائع نویسوں کا سردار نیرگل لپک کر قریب آ گیا اور اُس کا نام پتہ دریافت کرنے لگا کیونکہ مقدمے کی کارروائی معرضِ تحریر میں لانے کے لئے گواہ کا نام جاننا ضروری تھا اُسے بتانا پڑا۔

"میرا نام مہرتاب ہے۔ سرحدی شہر گارجیت[1] کا باشندہ ہوں اور ایرانیوں کے حملے اور قبضے کے بعد وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔"

شاہ بنونید نے سر کی جنبش سے خوشنودگی کا اظہار کیا۔ "اگر تُو گارجیت سے بھاگ آیا تو ضرور ہمارا وفادار ہے۔ ہم تیری عقل مندی کے قائل اور اس جھگڑے میں تیرا بیان سننا چاہتے ہیں۔"

مہرتاب ایک بار پھر تعظیم بجا لایا اور بولا۔ "خداوند ـــــ! کاہنِ اعظم اشمیدی کے شاگردوں کو اعتراض ہے کہ شراب کے آخری پیمانے پر صرف اُن کے استاد کا حق تھا مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ رقاصہ کو اختیار ہے وہ "رقصِ عبادت" کے بعد جسے چاہے مقدس شراب پلائے۔ پھر بیدخت نے اشمیدی پر معبد کے چڑھاووں میں خیانت کرنے کا جو الزام لگایا ہے اس کی وجہ سے کوئی ملزم مقدس شراب کا مستحق نہیں ہو سکتا۔"

یہ دلیل سن کر بیدخت کا چہرہ چمک اٹھا۔ حاضرین مطمئن نظر آنے لگے اور بادشاہ خوش ہو کر بولا۔ "مہرتاب ـــــ! تیری دلیل خوب ہے۔ مگر اشمیدی کی توہین کے بارے میں تُو کیا کہتا ہے؟"

"خداوند ـــــ! اشمیدی کا خیال ہے بیدخت نے اُس کے افود پر شراب کے چھینٹے اُڑا کر اُس کی توہین کی ہے مگر یہ چھینٹے تو اُس کے لئے باعثِ عزت ہونے چاہئیں کیونکہ شراب متبرک تھی۔ پھر اس کا خیال ہے کہ سوسمار کا لفظ گالی ہے لیکن معبدِ اشتر کا کاہنِ اعظم اگر اپنے

[1] گارجیت پہلے کالدیا کے ماتحت تھا۔ ہیروڈوٹس کے بقول جب کورش نے حملہ کیا تو جو شاہی سردار شہر کی حفاظت کے لئے بھیجے گئے وہ اپنے لشکر سمیت کورش سے مل گئے تھے۔ (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا)

آبائی دین سے واقف ہوتا تو اسے گالی نہ سمجھتا۔ کیونکہ سوسمار[1] دشت وصحرا کے مقدس دیوتاؤں میں شمار ہوتا ہے اور دیوتا کے نام کو گالی سمجھنا مذہب سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔''

مہرتاب کا بیان انتہائی لرزہ خیز ثابت ہوا۔ لوگ چونک اٹھے اور بادشاہ اجنبی نوجوان کی معلومات پر دنگ رہ گیا۔ اُس نے کاہنِ اعظم زریہ سے پوچھا۔

''کیا سوسمار دشتی دیوتاؤں میں شمار ہوتا ہے؟''

''ہوتا ہے خداوند ــــ قصرِ نمرود[2] اور دوسری قدیم عمارتوں پر مقدس دیوتاؤں کی جو تصاویر نقش ہیں، ان میں سوسمار کی تصویر بھی موجود ہے۔''

''تو پھر اشمیدی سوسمار کے لفظ کو گالی کیوں قرار دیتا ہے؟''

اشمیدی کا چہرہ اُتر گیا اور اس پر فکر وتشویش کے سائے کانپنے لگے کیونکہ بادشاہ یکسر بدل گیا تھا۔ اس نے غضب ناک انداز میں اپنا بازو لہرایا اور گرج کر کہا۔

''اشمیدی ــــ! تم جھگڑالو بھی ہو اور آبائی دین سے بے بہرہ بھی۔ تم نے محفل میں بیہودہ ہنگامہ کھڑا کر کے ہمیں پریشان کیا۔ معبد کے چڑھاوؤں میں خیانت کرنے کے بعد تم مقدس شراب کے حق دار نہیں تھے۔ اسی لئے بیدخت نے تمہیں شراب پیش نہیں کی۔''

معبدِ اشتر کے کاہنِ اعظم پر جیسے برقِ آسمانی گر پڑی۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا مگر بادشاہ کو غضب ناک دیکھ کر ہمت جواب دے گئی۔ اُسی لمحے وہ چاروں پجاری جو سیڑھیوں پر سربسجود منہ ہی منہ میں اب بخشش کی دُعائیں منمنا رہے تھے اُٹھ کر واپس بھاگے۔ بنونید نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھ کر حکم دیا۔

''ان فتنہ پردازوں کو گرفتار کرلو جنہوں نے ہمارے قانون اور اختیارات کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔''

''رحم ــــ خداوند! رحم ــــ''

---

۱ جنگلی جانور گوہ...... دشتی دیوتاؤں میں شمار ہوتا تھا۔ (صنمیاتِ قدیم)

۲ قصرِ نمرود جلوہ خانہ نمرود سے ملحق تھا۔ اس ایوان میں نمرود کی سواری کا سامان رکھا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین کے بقول یہاں نمرود کا بُت بھی نصب تھا۔ یہ قصر سونے چاندی کے پتروں اور جواہرات سے ڈھکا ہوا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی تعمیر کا مقصد شان وشکوہ کا اظہار، بعض کے نزدیک یہ قصر بہت بلند اس لئے بنوایا گیا تھا کہ نمرود اس کی چھت پر کھڑا ہو کر حضرت ابراہیمؑ کے خدا کا مقابلہ کر سکے۔ (تاریخ بابل ونینوا)

شاہ بنونید نے رحم کی درخواست مسترد کر دی اور اپنا حکم برقرار رکھا۔ فوراً ہی شاہی جلودار چاروں پجاریوں کو گھسیٹتے ہوئے معبدِ اکور سے باہر لے گئے اور اُن کی چیخیں دُور تک تھرتھراتی چلی گئیں۔ بیدخت، مہرتاب اور اشمیدی ابھی تک اپنی اپنی جگہ خاموش کھڑے تھے۔ اچانک بنونید، اشمیدی سے مخاطب ہوا۔

''عظیم مردوک کا شکر ادا کرو، ہم نے تمہاری جان بخش دی مگر تمہیں معبدِ اشتر کی کہانت سے معطل کرتے اور حکم دیتے ہیں کہ ہیکل بل میں بیٹھ کر آبائی دین کی تعلیم مکمل کرو۔''

پھر اُس نے مہرتاب کی طرف انگلی اٹھائی۔ ''مہرتاب ــــ یقیناً تیرے اندر الہٰوں کی رُوح بولتی ہے۔ آج تُو نے ہماری بروقت راہ نمائی کی جس کی ہم قدر کرتے اور تجھے اپنے دربار میں حاضری کی اجازت دیتے ہیں لیکن خبردار ــــ! کبھی ہماری محفل سے غیر حاضر ہونے کی جرأت نہ کرنا۔''

آخر میں وہ نورِ جمال کی طرف متوجہ ہوا۔ ''بیدخت ــــ! تجھے دیوتاؤں کا صدقہ اتارنا اور اس نوجوان کا شکر گزار ہونا چاہئے جس نے تیری عمدہ وکالت کی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو شاید آج تیرا ستارہ غروب ہو جاتا۔''

پھر اُس نے ہاتھ بلند کر دیا۔ ''بس ہم تھک گئے اور اب یہ محفل برخاست کرتے ہیں۔''

یہ کہہ کر بنونید اٹھا۔ اس کے ساتھ بیلشازار نے بھی جو کچھ کبیدہ خاطر نظر آتا تھا، کرسی چھوڑ دی۔ وہ دونوں عمائدینِ سلطنت اور افرادِ شاہی کے جلو میں اسٹیج سے اُترے اور کاہنِ اعظم زریہ کی معیت میں باہر چلے گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے دوسرے لوگ بھی ہال سے نکلتے گئے۔ کاہنِ اعظم اشمیدی اور اس کے کچھ شاگرد اپنے منہ چھپائے سب سے آخر میں نکلے حتیٰ کہ معبدِ اکور کے وسیع و رفیع ہال کے اندر صرف الہٰوں اور دیوتاؤں کے مجسمے باقی رہ گئے یا پھر مہرتاب تھا جو ابھی تک اسٹیج کے سامنے کھڑا تھا ــــ اور نورِ جمال بیدخت تھی جو دائرۂ رقص میں اُسی جگہ سروقد کھڑی تھی جہاں اس نے مقدس پیمانہ توڑا تھا۔

ان دونوں کے علاوہ ہال کے اندر کوئی تیسرا متنفس موجود نہ تھا۔ فقط گونگے، بہرے، اندھے دیوتا تھے۔ ہال کی دیواروں پر خطِ میخی میں لکھی ہوئی مقدس عبارتیں تھیں، قندیلوں کی روشنی تھی، خاموش گھنٹیاں تھیں۔ ایک عجیب سا سناٹا تھا اور اس سناٹے میں وہ دونوں ایک دوسرے سے چند گز کے فاصلے پر گونگے دیوتاؤں کی طرح چپ چاپ، مُہر بلب کھڑے تھے۔

ہونٹ خاموش تھے مگر دل دھڑک رہے تھے۔

چہروں پر سکون تھا لیکن سینوں میں طوفان موجزن تھے۔

نگاہیں جھکی ہوئی تھیں مگر آنکھوں میں جلوے بسے ہوئے تھے۔

دونوں ایک دوسرے کی خاموشی کا مطلب بھی سمجھتے تھے اور انجان بھی بنے ہوئے تھے۔ شاید وہ اس انتظار میں تھے کہ پہلے کون کس کو بلاتا ہے۔ یہ انتظار ہولے ہولے طویل ہوتا چلا گیا۔ وقت کے لمحے خاموشی سے گزرتے رہے مگر کوئی لب کشا نہ ہوا۔ کسی نے دوسرے کو آواز نہ دی۔

معبدِ اکور کے باہر ہنگامے سرد پڑ گئے تھے۔ دیوتاؤں کا جلوس ہیکلِ بل کی طرف نکل گیا تھا اور اس کے ساتھ کاہن، پروہت، پجاری بھی چلے گئے تھے۔ معبد کی دیوداسیاں یا تو جلوس کے پیچھے پیچھے تماشا دیکھنے چلی گئیں یا اپنے حجروں میں جا کر لیٹ گئی تھیں۔ بیدخت کی 27 ''پیاریوں'' میں سے 14 ''پیاریاں'' بھی جو اس کے ساتھ ''رقصِ عبادت'' میں شریک ہوئیں، واپس جا چکی یا معبد کے دروازے پر اُس کی منتظر تھیں۔ کسی طرف کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ شاید معبد خالی ہو چکا تھا ـــــ ہنگامے سو گئے تھے۔

ہال کے اندر تنہائی تھی، پراسرار خاموشی تھی اور دونوں نے جیسے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ مگر تنہائی اور خاموشی کا احساس انہیں بھی ڈس رہا تھا۔ اچانک مہرتاب کے قدموں کی ہلکی سی چاپ نے اس کرب آمیز خاموشی کو توڑا۔ بیدخت سمجھی شاید وہ اس کی طرف آئے گا، کچھ کہے گا، کچھ بولے گا لیکن اُس کے قدم آہستہ آہستہ دروازے کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ وہ زہرہ جمال کی طرف دیکھے بغیر چپ چاپ اُس کے قریب سے گزر گیا ـــــ اور دروازے پر پہنچ کر ایک لمحے کے لئے رکا کہ وہ اسے آواز دیتی ہے یا نہیں۔ پھر جیسے کوئی اسیر اپنے آپ کو حلقۂ زنجیر سے چھڑانے کی کوشش کرتا ہے، وہ بھی اپنے بدن کو جھٹکا دیتا ہوا یک لخت دروازے سے نکل گیا۔

بیدخت نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ جا چکا تھا۔ اس کا خواب ٹوٹ گیا۔ وہ سخت بے چین اور مضطرب نظر آنے لگی۔ کیونکہ یہ ایک عجیب واقعہ ہوا تھا۔ مہرتاب ـــــ وہ پہلا مرد تھا جو تنہائی کے باوجود اس سے ہم کلام نہیں ہوا تھا اور اُسے ٹھکرا کر، چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

(11)

ہار جیت

مہرتاب معبدِ اکور سے نکل کر اُس ویران سڑک پر ہولیا جو قلعہ اساگیلہ کی مخالف سمت جاتی اور نیمیتی بل کی طرف جا نکلتی تھی۔

بابل کی اس ناقابلِ فراموش رات کو جب معبودوں کے جلوس اور ایک ہزار عبادت گاہوں میں چراغاں کی وجہ سے شہر کی رونق دیدنی تھی اور بڑی بڑی شاہراہوں، سڑکوں، کھلے بازاروں، ہیکلوں، معبدوں اور مندروں کے سامنے خلقت کے ہجوم سمندری موجوں کی طرح حرکت کر رہے تھے اور پورے شہر میں ایک ہنگامہ اور شور برپا تھا اس نے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جس پر بلند و بالا عمارتیں نہ تھیں، تماشائیوں کے ریلے نہ تھے، لوگوں کا ہجوم نہ تھا، کوئی معبد، کوئی مندر، کوئی چراغاں نہ تھا۔ بس تنہائی تھی، خاموشی تھی، ویرانی تھی یا کوئی اکا دکا راہ گیر تھا جو چپ چاپ گزر جاتا۔ چودھویں رات کی چاندنی میں نہائی ہوئی یہ سڑک اپنے ہی زخموں سے چور تھی اور مہرتاب اسی ویران سی سڑک پر تنہا چلا جا رہا تھا۔

اُس نے جس مقصد کی خاطر دیوتاؤں کے جلوس میں شرکت کی اور معبدِ اکور میں حاضری دی وہ تو پورا نہ ہو سکا کیونکہ کاہن اعظم زریہ سے ملاقات کی نوبت ہی نہ آئی تھی اور یہاں ایک اور ہی واقعہ ہو گزرا تھا۔ مگر اس نے شاہ بنونید کی خوشنودی اور زہرہ جمال بیدخت کی توجہ ضرور حاصل کر لی اور شاید اشمیدی کی دشمنی بھی ـــــ کیونکہ وہ خود دیکھ چکا تھا کہ اشمیدی انتہائی عیار اور کینہ توز آدمی ہے جسے درپردہ بیلشازار کی حمایت حاصل ہے۔ پھر وہ اُسی کے باعث کہانت سے معزول کیا گیا اور بادشاہ کے عتاب کا شکار ہوا تھا۔ ظاہر ہے وہ اپنی اس بے عزتی پر خاموش

نہ بیٹھے گا اور کسی نہ کسی طرح بدلہ لینے کی کوشش کرے گا مگر مہرتاب کو غالباً اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی کہ اشمیدی یا اس کے چیلے چانٹے اب کون سا گل کھلاتے ہیں۔ اس وقت تو بس ایک ہی احساس ـــــ ایک ہی خیال اس کے دل کو ڈسے جا رہا تھا ـــــ بیدخت کا خیال ـــــ جس کی قربت و تنہائی کے حلقے سے وہ خود نکل بھاگا تھا حالانکہ سن چکا تھا کہ بابل کے لوگ اُس کے حسین قرب کی تمنا رکھتے، اس سے ہم کلامی کو ایک شرف سمجھتے ہیں۔ مہرتاب کو یہ خیال انگیز موقع خلافِ توقع ہاتھ آیا۔ وہ بیدخت کے دل میں ایک چنگاری تو روشن کر چکا تھا۔ ذرا ہمت سے کام لیتا تو اسے شعلے میں بھی بدل دیتا مگر وہ تو دھوئیں کی لہر بن کر اور اُسے اذیت کی راکھ میں سلگتا چھوڑ کر نکل آیا تھا۔

بیدخت نے جو کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی، اسے لائقِ التفات سمجھا، اہمیت دی، تنہائی اور ہم کلامی کا موقع فراہم کیا۔ اگر اس میں دلچسپی نہ رکھتی تو سب لوگوں کے ساتھ خود بھی اپنی راہ لیتی جو ''رقصِ عبادت'' میں پیش آنے والے ناخوشگوار واقعے پر اُس سے اظہارِ ہمدردی کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے لیکن اس نے باہر جانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ شاہ بنونید، میر دودیج بیلشازار، خاندانِ بخت نصر کے شہزادوں، عمائدینِ سلطنت اور شرفائے بابل کو چھوڑ کر محض اس کی خاطر رک گئی۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ اس نے ساری دنیا کو ترک کر کے معبد کی تنہائی میں صرف مہرتاب کی ملاقات کو ترجیح دی۔ وہ یگانۂ عصر عورت جس کے لئے وہ کئی دنوں، کئی راتوں سے تڑپ رہا تھا۔ جس کی مورتی نورِ ناہید آموی کے بالا خانے سے فقط تسکینِ دل کے لئے اُڑا لایا تھا آج اُسے بے مول، بن مانگے مل رہی تھی۔ لیکن وہ اُس سے گفتگو کئے، اپنی کہے اور اُس کی سنے بغیر اُسے معبد کے ہال میں تنہا چھوڑ آیا تھا۔

مہرتاب آ تو گیا تھا لیکن اب پاؤں اُس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ چل رہا تھا مگر قدم ٹھیک سے نہیں اٹھتے تھے۔ وہ نظر نہ آنے والی زنجیروں میں اسیر ہو چکا تھا جو اُسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھیں اور صرف اپنے ارادے کی قوت سے جیسے تیسے قدم بڑھا رہا تھا۔ دل میں ایک چبھن سی تھی، ذہن میں طرح طرح کے خیال آنکھ مچولی کھیل رہے تھے، ویران سڑک پر چلتے چلتے جی میں آئی، ذرا پیچھے مڑ کر دیکھے تو سہی شاید بیدخت اُس کے تعاقب میں چلی آتی ہو یا اُس نے اپنی کسی ''پیاری'' کو بھیجا ہو کہ وہ بے رُخی کا سبب دریافت کر سکے۔ اتنا تو پوچھ لے کہ وہ زہرہ جمال کو کیوں چھوڑ آیا ہے۔ مگر پیچھے مڑ کر دیکھنا اُس کی عادت، اُس کے اصول کے

خلاف تھا۔ بہر حال اب تو وہ اُسے چھوڑ ہی آیا تھا پھر تجسس سے کیا فائدہ؟ اگر بیدخت نے پیچھا کیا ہوتا یا اُس کی کسی ''پیاری'' کو کچھ پوچھنے کی خواہش ہوتی تو اُسے بلاتی، آواز دیتی مگر پیچھے صرف خاموشی تھی۔ وہ معبدِ اکور سے ایک میل دور نکل آیا اور ابھی تک کوئی آہٹ، کوئی آواز سنائی نہ دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ عورت اس کا خیال ترک کر چکی اور کسی دوسری جانب نکل گئی یا اپنے قصر کو لوٹ گئی ہے۔

اس خیال سے مہرتاب کچھ بے چین بھی تھا، کچھ مطمئن بھی۔ بے چینی کی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا دل بیدخت کی زلفوں میں کہیں اٹک کے رہ گیا تھا۔ وہ اس آفریدۂ جمال سے ایک انجانا سا تعلق محسوس کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ بھی اس کا خیال رکھے مگر مطمئن اس لئے تھا کہ اس فتنۂ ہوش سے بچ کر نکل آیا جس کی زلفیں اُس کی تقدیر میں نئے پیچ ڈال سکتی اور جادوگر آنکھیں اُس کے ارادوں کو فنا کر سکتی تھیں۔ وہ یہاں ایک منصوبہ لے کر آیا تھا جس کی تکمیل کی خاطر حُسن و شباب کی لذت آفرینیاں ترک کرنے کا عہد کر چکا اور عورت بالخصوص بیدخت سے دور رہنے کا قول دے چکا تھا۔ اُس نے سوچا چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ میں اس کی خلوت سے نکل بھاگا اور اس نے بھی رُکنے کے لئے نہیں کہا اور میرے پیچھے نہیں آئی۔ اس طرح ایک حسین کہانی اپنے آغاز ہی میں ختم ہوگئی۔ مگر دل کی کوٹھڑی میں یہ ہلکی سی چاپ کیسی تھی ـــــ؟

کہیں یہ اُسی عورت کی آوازِ پا تو نہ تھی ـــــ؟ اور ذہن کے آنگن میں روشنی کی یہ رنگین سی جھلمیاں کیوں چھوٹ رہی تھیں جیسے کوئی خیالوں میں قوسِ قزح کے رنگ بکھیر رہا ہو۔

کہیں یہ نورِ جمال بیدخت ہی کا عکسِ جمال تو نہیں؟

اچانک اُسے محسوس ہوا کہ بیدخت کو چھوڑ نہیں آیا بلکہ دل و دماغ کے آئینے میں بٹھا کر، چھپا کر اپنے ساتھ ہی لے آیا ہے اور اب جدھر جائے گا، جس طرف کا رخ کرے گا وہ اس کے ساتھ ہی ساتھ رہے گی۔ اس کیف آور خیال سے مہرتاب کو اس کے تمتماتے ہوئے عارض اور کپکپاتے ہوئے ہونٹ یاد آئے جنہیں آج قریب سے دیکھا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں اور اُن کی لانبی لانبی پلکیں یاد آئیں جن سے زیادہ حسین اور جادوگر آنکھوں کا تصور بھی محال تھا۔ کانوں کی لوؤں کے قریب اُڑتی ہوئی گستاخ زلف کی لہر یاد آئی جو اس کا دل اپنے ساتھ ہی اُڑا کر لے گئی تھی۔ اُس کا مرمریں بدن یاد آیا جو حُسن کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ رقص کے بھاؤ اور کمر کے حسین خم یاد آئے جو ایشتار کی خیالی کمان سے زیادہ دل فریب تھے۔ اُس کے پاؤں میں چاندی

کے مجیرے اور اُن کی بجتی ہوئی کٹوریاں یاد آئیں جن کی ''جھنک جھنک'' جذبۂ عشق کو بیدار کرتی تھی اور یہ حسین کٹوریاں اس وقت بھی اُس کے دل میں، دماغ میں سحر انگیز ترنم کے ساتھ بج رہی تھیں۔

ان لذت آفریں احساسات کے باوجود وہ رُکا نہیں، ٹھہرا نہیں، بس اپنے خیالوں میں مگن چلتا ہی رہا۔ قدم ساتھ نہ دیتے تھے پھر بھی بڑھتا ہی رہا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کدھر جا رہا ہے، کیوں جا رہا ہے، اس سفر کی کوئی منزل ہے بھی یا نہیں۔ اُسے تو بس ایک ہی دُھن تھی کہ لوگوں کے ہجوم اور بے ہنگم شور سے دُور اور دُور نکل جائے۔ اتنی دُور کہ کوئی آواز اُسے پریشان نہ کر سکے، اُس کے حسین تصورات کے آئینے توڑ نہ سکے۔ وہ نہ معلوم منزل کی طرف بے مقصد چلتا رہے لیکن کیا یہ سفر بے مقصد ہی تھا؟

سڑک کے ساتھ ساتھ اب ایک شکستہ سی دیوار بھی شروع ہو گئی تھی جو اس شہر کی قدیم ترین تاریخی دیواروں میں شمار ہوتی تھی۔ اگرچہ دیوار کئی مقامات سے اُکھڑی اور ٹوٹی ہوئی تھی پھر بھی جو حصے سلامت رہ گئے تھے، ان پر چودھویں کے چاند کی روشنی میں خیالی دیوتاؤں کی ہیبت ناک تصویریں، برجِ آسمانی اور ستاروں کی اشکال، قدیم اکدی اور سمیری زبانوں کی ناقابلِ فہم عبارتیں اور دشت وصحرا کے جانوروں کی کھدی ہوئی صورتیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ دیوار کسی اکدی بادشاہ کے کارناموں کی یادگار تھی لیکن اس کی ٹھیک طور سے حفاظت نہ ہو سکی۔ مرورِ ایام اور بے رحم موسموں نے اسے جگہ جگہ سے ادھیڑ دیا۔ مہر تاب دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا لیکن دیوتاؤں اور جانوروں کی تصویریں اور ٹوٹی پھوٹی عبارتوں سے اُسے وحشت سی ہونے لگی۔ وہ بابل کے اسی اصنامی طلسم سے پیچھا چھڑانے کے لئے تو معبدِ اکور سے بھاگا اور تنہائی میں نکل آیا تھا لیکن وہی طلسم یہاں بھی اُسے پریشان کرنے لگا۔ یہ لعنتی دیوار ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ بابل کے دیومالائی طلسمات کا یہ نیم شکستہ عجائب گھر اس کے ساتھ ہی ساتھ چلتا رہا۔ عجیب و غریب دیوتاؤں کی ٹوٹی پھوٹی شکلیں اور جانوروں کی بدشکل تصویریں اُس کے حسین تصورات کو مجروح کر رہی تھیں۔ احساسات کے آئینے دُھندلا رہے تھے۔ ٹوٹ رہے تھے۔ اور اب تو وہ ان جہنمی دیوتاؤں کے قدموں کی آہٹیں بھی سننے لگا جو چوبی پہیوں کی طرح کھڑکھڑاتے اور بے ڈھنگے پاؤں سے زمین کی چھاتی دہلاتے جیسے اس کے پیچھے بھاگے آتے تھے۔

یہ احساس بڑا اذیت ناک تھا کہ قدیم و نیم شکستہ دیوار میں پیوست دیوتا اپنے سنگی حصار

سے نکل کر جہاں نہ جانے وہ کتنی صدیوں، کتنے زمانوں سے قید تھے، پُراسرار طور پر اُس کا تعاقب کرنے لگے ہیں۔ اُن کے ''خیالی تعاقب'' سے بچنے کے لئے مہر تاب نے اپنی رفتار تیز کر دی اور سرعت سے چلنے لگا تاکہ جلد سے جلد اُن کی حدود سے نکل جائے۔ ویران سڑک پر اب وہ برگِ آوارہ کی طرح یکا و تنہا اُڑا جا رہا تھا لیکن خیالی پرچھائیاں بھی اُسی رفتار سے پیچھے پیچھے چلی آتی تھیں اور انجانی کھڑکھڑاہٹوں کے درمیان عقب میں ٹاپوں کی آوازیں بھی اُبھریں اور اُس کے واہمے حقیقت کا رُوپ دھار کر سامنے آ گئے ـــــ عین اُسی وقت ایک خوبصورت سنہرا رتھ جس کی مدوّر بُرجی کی نوک پر زرد ریشم کی تکونی جھنڈی لہرا رہی تھی، کاوا کاٹ کر ایک جھٹکے سے اس کے پہلو میں آ رکا اور وہ گھوڑوں کی جھپٹ سے بچنے کے لئے بدحواسی میں اُچھل کر اُسی منقش دیوار سے جا ٹکرایا جس سے بچ کر نکل جانے کے لئے بھاگا تھا۔

اس نے گھبرا کر دیکھا۔ یہ کوئی خیال یا وہم نہ تھا۔ فی الواقع ایک رتھ قریب ہی رکا تھا جس کے آگے عراقی نسل کے دو سفید گھوڑے جتے تھے۔ اُن کے سڈول جسم اور سفید ریشم کی مانند اُڑتی ہوئی ایالیں بے حد خوب صورت لگ رہی تھیں۔ رتھ بان نے اُس کے بالکل نزدیک آ کر نقرہ گھوڑوں کی لگامیں یک لخت کھینچی تھیں جس سے وہ پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے لیکن فوراً ہی سنبھل گئے تھے۔ اگر مہر تاب نے جلدی سے دیوار کی طرف چھلانگ نہ لگائی ہوتی تو شاید اُن کی جھپٹ میں آ گیا ہوتا۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ رتھ کی سنہری بُرجی کے نیچے جس کے حاشیوں پر زرّیں جھالریں چاندنی میں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں بابل کی سب سے حسین ـــــ سب سے طلعت افروز عورت ـــــ نورِ جمال بیدخت اپنی روایتی شانِ دلبری کے ساتھ کھڑی تھی اور اُس نے اس اندیشے سے کہ جھٹکے سے کہیں گر نہ جائے، رتھ کا ایک کنارا مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

مہر تاب اُسے دیکھتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔

تو وہ حسین حادثہ جس کے بارے میں اُس نے محض خیال آرائی کی تھی، ظہور میں آ گیا تھا اور بیدخت رتھ پر سوار اُس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔

وہ رتھ سے اُتری اور روایتی تمکنت سے چلتی اس کی طرف بڑھی۔ بدن پر وہی نیم عریاں سا لباس تھا جس میں اُس نے ''عبادت کا رقص'' کیا تھا۔ مہر تاب حیران و ششدر کھڑا محویت سے دیکھتا رہا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اپسرا رتھ پر سوار آسمان کی بلندیوں سے اُتر آئی

ہو۔ بیدخت ہولے ہولے چلتی قریب پہنچ گئی اور وہ اُس کے بدن سے پھوٹنے والی خوشبو محسوس کرنے لگا جو دل و دماغ پر نشہ سا طاری کر دیتی ہے۔

عجیب بات تھی، اُسے کھو کر پا لینے کے بعد بھی وہ چپ اور بات کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔ مہرتاب سے بھی اتنا نہ ہو سکا کہ اس کا خیر مقدم کرتا یا پیچھے آنے کا سبب پوچھتا۔ بس چپ چاپ اُسے تکے جا رہا تھا۔ آسمان پر چودھویں کا چاند روشن تھا اور زمین پر ایک ایسی عورت اس کے سامنے کھڑی تھی جس کا ہر سانس محبت کی دعوت دے رہا تھا۔ جس کے مکمل حُسن کی جادوگری ہوش و حواس سلب کیے دیتی تھی۔ دونوں اگرچہ خاموش تھے مگر اُن کے درمیان اجنبیت کی کوئی دیوار نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کو مانوس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جیسے برسوں سے، صدیوں سے، زمانوں سے آشنا رہے ہوں۔ چند لمحے اسی طرح گزر گئے آخر بیدخت نے مُہرِ خاموشی توڑی۔

''مہرتاب ____! کیا مجھ سے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟''

''نہیں تو۔''

''پھر مجھے تنہا کیوں چھوڑ آئے تھے؟''

''میں بھی تنہا آیا تھا۔''

مہرتاب کو اپنی آواز اجنبی اور کھوکھلی سی لگی۔ الفاظ پرائے سے محسوس ہوئے کیونکہ وہ ''تنہا'' نہ تھا۔ بیدخت کو دل و دماغ میں بٹھا کر ساتھ ہی لے آیا تھا۔ فوراً نیا عذر تلاش کر لیا۔

''مجھے تنہائی اچھی لگتی ہے۔''

''وہاں بھی تو ہمارے درمیان کوئی نہ تھا۔''

''مگر یہ ویران سڑک معبد کی فضا سے زیادہ پُرسکون ہے۔ وہاں دیوتاؤں کی اذیت ناک خاموشی تھی، یہاں چاندنی کی راحت بخش ٹھنڈک ہے۔''

بیدخت کو یہ عذر اچھا لگا۔ کچھ سوچ کر بولی۔ ''تم تو یوں بھاگے کہ مجھے شکریہ ادا کرنے کا موقع نہیں دیا۔''

مہرتاب نے سوچا، اب بیدخت کے الفاظ کھوکھلے اور بے معنی ہیں۔ وہ کافی دیر معبد میں ٹھہرا تھا۔ اگر محض ''شکریہ'' ہی ادا کرنا ہوتا تو کر سکتی تھی مگر وہاں اُس نے خاموشی کو طول دیا تھا، یہاں شاید گفتگو کو طول دینا چاہتی تھی۔ ''شکریہ'' تو دو لفظوں میں ادا ہو سکتا ہے۔ بات کچھ اور ہے پھر اس نے بھی بات بڑھائی اور انجان سا بن کر پوچھا۔

''شکریہ ____ کس بات کا شکریہ؟''

''تم نے میری حمایت جو کی تھی۔''

''حمایت اس لئے نہیں کی تھی کہ تم میرا شکریہ ادا کرو۔''

بیدخت دنگ رہ گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''کاہن سراسر غلطی پر تھا اور اُسے روکنا میرا فرض تھا۔''

''کچھ بھی کہو، وہ تمہاری مہربانی تھی بڑے بڑے عالموں اور کاہنوں کو سانپ سونگھ گیا۔ کسی نے بھی زبان نہیں ہلائی۔ مگر تم نے میری وکالت کی اور تمہارا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے۔''

''میں ان رسموں کا پابند نہیں۔''

''رسمیں ہی تو زندگی میں دلکشی پیدا کرتی ہیں۔''

''مجھے ایسی دلکشی سے کوئی مطلب نہیں۔''

''ارے ____ میں اتنی دور سے تمہارے پیچھے بھاگی آئی ہوں۔''

''تو کیا اس زحمت کے لئے اب مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہئے؟''

بیدخت یہ کڑوا کسیلا جواب سن کر حیران رہ گئی۔ کیسے بے ڈھب آدمی سے پالا پڑا ہے۔ کہیں ٹھہرتا ہی نہیں۔ ادھر مہرتاب محسوس کر رہا تھا بیدخت کی آنکھیں اس پر جادو پھونک رہی ہیں۔ اس کے عزم کی دیوار مسمار ہو رہی ہے، مدافعت دم توڑ رہی ہے اور اسی لمحے کوئی اندر سے بولا۔ ''دیوانے! مقدس گوما نے سچ کہا تھا۔ یہی عورت تیرے ارادوں کی شکست اور تیرے مقصد کی ناکامی ہو گی۔ ابھی اس نے زلفوں کے ناگ نہیں کھولے، محبت کا دام نہیں بچھایا، اداؤں کی خوشبو نہیں بکھیری اور تُو اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ ناگ کھلیں، یہ دام بچھے، یہ خوشبو بکھرے اور تُو ختم ہو جائے، یہاں سے روانہ ہو جا ____ چپ چاپ ____ مہر بلب گزر جا ____'' یہی سوچ کر اس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''سنو بیدخت ____! اگر میں نے کوئی فرض ادا کیا تو تم بھی اپنا فرض ادا کر چکیں۔ اب تمہیں کوئی حسرت ہے نہ مجھے کوئی شکایت، اس لئے اجازت چاہتا ہوں۔''

ساتھ ہی پاؤں حرکت میں آ گئے۔ بیدخت پر اُچٹتی سی نظر ڈالی اور اسے حیران و پریشان چھوڑ کر اپنی راہ ہو لیا جیسے بیدخت کوئی ایسی شے تھی جسے چھوڑ کر، توڑ کر وہ بہ آسانی آگے بڑھ سکتا تھا۔ یہ ایسا غیر متوقع اور عجیب و غریب سلوک تھا جو بابل کی سب سے حسین عورت کو پاگل کر دینے کے لئے کافی تھا۔ یہ سراسر اس کی توہین تھی۔ آج تک کسی مرد کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی

کہ اس کے وجودِ سراپا جمال سے اس طرح انکار کر دے، اُسے کھلونے کی طرح توڑ پھوڑ کر آگے نکل جائے۔ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی، سوچ رہی تھی ایسے مرد کے پیچھے کیوں بھاگی آئی جو اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اگر آئی تھی تو اب اُسے جانے کیوں دیتی ہے۔ پھر ایک ہی جھٹکے سے اس کی کمر نے کئی بل کھائے اور وہ ہلکی سی لہر لے کر آگے بڑھی۔

''سنو تو ــــــ''

مہرتاب چند ہی قدم آگے بڑھا تھا، رُکا اور پلٹ کر بولا۔ ''کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

''مگر تم تو سنتے ہی نہیں۔'' بیدخت کی آواز میں بے چارگی تھی۔

''اور تمہارے پاس کہنے کے لئے کچھ ہے بھی نہیں۔''

بیدخت جل ہی تو گئی ــــــ واہ ــــــ یہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔ جیسے میں اس پر مری جا رہی ہوں۔ کسی قدر غصے میں آگے بڑھی۔ ''تم کب سے میری توہین کر رہے ہو۔''

''اس سے مجھے کیا مل جائے گا؟''

''شاید سوچتے ہو گے کہ تم نے مجھ پر مہربانی کی ہے اور اس کے عوض میں اپنا سر تمہارے قدموں پر رکھ دوں گی۔ انھیتا[1] کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔'' پھر ایک قدم اور آگے بڑھی اور قریب آ کر بولی۔ ''تمہیں کیا معلوم اس شہر کے لوگ مجھ سے بات کرنے کو ترستے ہیں۔ بس ایک ملاقات کی تمنا میں جیتے ہیں اور تو اور یہ کاہن اور پروہت بھی راتوں کو میرے ہی خواب دیکھتے اور دیوتاؤں سے میرے ہی وصل کی دُعائیں کرتے ہیں مگر تم گار جیت سے نئے نئے آئے ہو اور نہیں جانتے کہ میں کون ہوں، کیا ہوں۔ سچ پوچھو تو میں اس لئے آئی تھی کہ تمہاری مہربانی کے بدلے تمہیں اپنی ملاقات کی عزت بخشوں۔ تم سے دو میٹھی باتیں کروں۔ آخر تمہیں میری حمایت کا کچھ تو صلہ ملنا چاہئے اور تم سمجھتے ہو شاید میں تم پر مرمٹی ہوں ــــــ ہائے کیسے آدمی ہو تم ــــــ''

مہرتاب بھی شاید اُسے ستانے کا تہیہ کر چکا تھا، کہنے لگا۔ ''بس تم نے بہت کچھ کہہ لیا۔ میں نے بہت کچھ سن لیا۔ بھلا کس نے کہا تھا کہ میرا شکریہ ادا کرنے یا مجھے اپنی ملاقات کی عزت بخشنے بھاگی آؤ۔ تم آپ ہی اپنی شان میں قصیدے پڑھتی جاتی ہو کہ میں یہ ہوں، میں وہ ہوں۔ مگر تم کچھ بھی سہی ایک عورت ہو اور اتفاق سے خوب صورت بھی اور میرے نزدیک ''عورت''

---

[1] بعض روایات کے مطابق بیدخت مجمی عورت تھی۔ (تفسیر ابنِ کبیر) اسی لئے اس نے انھیتا دیوی کی قسم کھائی۔ (مصنف)

ایک حسین مگر بے معنی لفظ ہے۔''

توقع کے بالکل برعکس بیدخت کا مترنم قہقہہ کانچ کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا۔ مہرتاب کو یوں لگا جیسے چاندنی رات میں دُور کسی ہیکل کی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ کیسی کھنکتی، چھنکتی ہوئی ہنسی تھی۔ اسی ہنسی کے درمیان میں اس نے کہا۔ ''میں سمجھ گئی تم عورت کی توہین اس لئے کر رہے ہو کہ میں مشتعل ہو کر انتقام کی ٹھان لوں اور تم سے محبت کرنے لگوں۔''

''اگر تم سیدھی بات کا اُلٹ مطلب سمجھو تو اس میں میرا کیا قصور؟''

''تو کیا تم نہیں چاہتے میں انتقاماً بھی تم سے محبت کروں؟''

مہرتاب کے جی میں آئی کہ کہہ دے کہ میں تو خود تم پر مر گیا ہوں۔ کئی دن سے تمہاری مورتی سینے سے لگائے پھرتا ہوں مگر مصلحت نے زبان پکڑ لی، خواہش کے باوجود اظہارِ محبت نہ کر سکا اور دل پر جبر کر کے بولا۔ ''چھوڑو بیدخت! ان باتوں سے کیا فائدہ۔ میں تم سے جھگڑنا نہیں چاہتا۔ آؤ ہم اس بات پر اتفاق کر لیں نہ میں تمہاری راہ میں آؤں گا نہ تم مجھ سے اُلجھنے کی کوشش کرو گی۔''

بیدخت کو پسینہ آ گیا۔ آج تک کسی مرد نے ایسی بے مروتی کی باتیں نہ کی تھیں۔ آخر وہ اس کی راہ میں کیوں نہیں آنا چاہتا جب کہ دوسرے لوگ اس کی راہ میں آنکھیں بچھاتے اور دل قربان کرتے ہیں۔ یہ نوجوان تو وحشی ہرن کی طرح ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ حالانکہ وہ ایک مقصد کی خاطر اُسے رام کرنے آئی تھی۔ اُس نے سوچا کہیں ایسا تو نہیں یہ عاشق کی بجائے محبوب بننے کی سوچ رہا ہو۔ واہ ــــــ بھلا میں اس پر کیوں عاشق ہونے لگی۔ مگر جس طرح مہرتاب اُسے چاہنے کے باوجود اقرارِ محبت نہ کرنا چاہتا تھا اسی طرح بیدخت کے دل میں بھی عشق کی کرن تو انگڑائی لے چکی تھی لیکن اظہار کی جرأت نہ تھی۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی کہ مہرتاب نے پھر چونکا دیا۔

''اپنا ذہن پراگندہ نہ کرو بیدخت! محبت کے بغیر بھی زندگی میں کئی راحتیں ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ پھر جانے کے لئے مڑا تو بیدخت نے پھر روک لیا۔ ''ذرا ٹھہرو۔'' پھر کچھ اور قریب کھسک آئی۔ ''مجھے تم سے ایک کام ہے۔''

''اگر میرے بس کا ہوا تو انکار نہیں کروں گا۔''

''میں چاہتی تھی تمہیں مہمان بناؤں اور اپنے گھر لے جا کر بات کروں مگر تم نے تو ملتے ہی دل جلانے والی گفتگو شروع کر دی ــــــ''

"اس گفتگو کا آغاز تمہی نے کیا تھا۔"

"میں سمجھتی تھی تم دیوتاؤں کی طرح میرے دل کی بات بوجھ لو گے۔"

"دیوتا کسی آدمی کے دل کی بات نہیں بوجھ سکتے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو؟ وہ آدمیوں کو پیدا کرتے ہیں۔"

"آج تک کسی دیوتا نے کوئی آدمی پیدا نہیں کیا۔ مگر آدمیوں نے ہزاروں دیوتا بنا ڈالے۔"

بیدخت حیرت وتعجب سے دیکھنے لگی۔ مہرتاب اُسے پریشان دیکھ کر بولا۔ "میری باتوں پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، کام بتاؤ۔"

نہ جانے وہ کس گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس انداز میں جیسے کوئی آدمی نیند میں چلتا یا خواب میں بات کرتا ہے، بولی۔ "کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو جسے دیکھتے ہی مقدس گوما کی قوتِ گویائی لوٹ آئی ہے؟"

اس سوال پر مہرتاب چونک کر، اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "تمہیں اس آدمی سے کیا دلچسپی ہے؟"

"ارے ـــــ سارے فساد کی جڑ وہی تو ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"مقدس گوما نے پیش گوئی کی ہے کہ اس کے لئے بابل میں نئی نئی باتیں ہوں گی، نئے نئے واقعات ظہور میں آئیں گے۔"

"تو پھر ـــــ؟" مہرتاب اُس کی باتوں میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔

"پھر کیا ـــــ جب نئی نئی باتیں، نئے نئے واقعات اُس کے لئے ظہور میں آئیں گے تو میرے لئے کیا ہوگا ـــــ"

"اور تم چاہتی ہو، وہ نئے نئے واقعات تمہارے لئے ظہور میں آئیں ـــــ؟"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔"

"مگر اُس آدمی سے تمہیں کیا مطلب ہے؟"

"تو اور کس سے مطلب ہوگا۔ وہ میرا حریف جو بن کر آیا ہے۔"

"کیا اُسے اپنے بس میں کر لینا چاہتی ہو؟"

"تم نے پہلی بار میرے دل کی بات کہی ہے۔" وہ پُرعزم لہجے میں کہنے لگی۔ "میں اُس

آدمی کو شکست دینا چاہتی ہوں۔ اگر میری مدد کرو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گی۔"

"مگر تم اس کے خلاف مجھی سے مدد کیوں چاہتی ہو؟"

"میرا دل کہتا ہے جس طرح آج تم نے میرے لئے اشمیدی کو شکست دی، اسی طرح میری خاطر اُس آدمی کو بھی فتح کر سکتے ہو جو بابل کا دُلہا بن کر آیا ہے۔"

مہرتاب حیرت پاش نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم اُس آدمی کو شکست کیوں دینا چاہتی ہو جو تم سے اُلجھنے کا ارادہ نہیں رکھتا؟"

"ہے ایک بات ـــــ"

"میں بھی تو سنوں۔"

"بیان نہیں کر سکتی، سمجھا نہیں سکتی۔"

"اور چاہتی ہو کہ میں تمہاری خاطر اندھے کنوئیں میں کود جاؤں۔"

"سنو مہرتاب ـــــ!" بیدخت کے لہجے میں بے چینی اور آواز میں ایک حسرت تھی۔ "دنیا میں ہر انسان کی کوئی نہ کوئی آرزو، کوئی نہ کوئی خواہش ضرور ہوتی ہے۔ میری بھی کچھ آرزوئیں ہیں، میں بھی کچھ خواہشیں رکھتی اور چاہتی ہوں کہ وہ پوری ہوں۔ مگر جب سے وہ آدمی بابل میں آیا ہے میرے دل میں کئی اندیشے، کئی وسوسے جاگ اُٹھے ہیں اور میرا مستقبل تاریک ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ جن نئے نئے واقعات، حادثات کا تعلق میری ذات سے ہونا چاہئے وہ اب اس کے نام سے منسوب ہوں گے اور میرے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اب سمجھے میں اُس آدمی کی شکست کیوں چاہتی ہوں؟"

یہ ایک نیا اور حیرت انگیز موڑ تھا۔ مہرتاب کے ذہن میں سنسناہٹیں ہونے لگیں۔

"کیا تمہاری آرزوؤں، تمہاری خواہشوں کی تکمیل کے لئے نئے نئے واقعات کا ظہور میں آنا ضروری ہے؟"

"ان کے بغیر تو میری کوئی خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔"

"پھر تو میں بھی تمہاری وہ آرزوئیں، وہ خواہشیں جاننا چاہتا ہوں۔"

"یہی تو مشکل ہے۔"

"کیا مشکل ہے؟"

"اظہار سے ڈرتی ہوں۔ اگر تم کچھ جانے بغیر مدد کا وعدہ کرو تو ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے۔"

وہ ہر بات پر اُسے نئی حیرتوں سے دوچار کر رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا اُس کے سینے میں کوئی گہرا راز پوشیدہ ہے جسے افشا نہیں کرسکتی اور مدد بھی چاہتی ہے۔ اُس نے مہرتاب کو مجبور کرنے کے لئے ناز و انداز سے کام نہیں لیا، اپنی حسین اداؤں کی کمند نہیں پھینکی بلکہ بڑی سادگی سے کہنے لگی۔

''سوچ لو۔ مجھے صرف تمہاری دانش کی نہیں، قوتِ بازو کی بھی ضرورت ہے۔ عاشق نہ سہی، تم میرے دوست اور مددگار تو بن سکتے ہو۔''

مہرتاب عجیب کشمکش و پنج میں تھا۔ انکار کرے یا مان جائے؟ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیدخت اپنی کسی مشکل کی خاطر مدد مانگنے اس کے پیچھے بھاگی آئے گی اور وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ مہرتاب کو مہرتاب ہی کے خلاف مانگ رہی ہے۔ جس نوجوان کو دیکھتے ہی مقدس گوما کی خاموشی ٹوٹ گئی اور جس کی شکست کے منصوبے بنا رہی ہے، بابل کا وہ دُلہا تو اس کے سامنے کھڑا ہے۔ مہرتاب کو اچانک ایک نئی بات سوجھی۔

''تم دیوتاؤں کی پیاری ہو۔ کیا دیوتا تمہاری مدد نہیں کرسکتے؟''

''دیوتا آپ سے آپ تھوڑی کچھ کرتے ہیں۔''

''پھر کیا کرتے ہیں دیوتا؟''

''وہ تو بس کسی کے دل میں کوئی تحریک، کوئی ارادہ پیدا کردیتے ہیں جس طرح انہوں نے میرے دل میں تمہارے لئے تحریک پیدا کردی۔''

''کیا مطلب؟''

بیدخت بتانے لگی۔ ''جب تم معبد سے چلے آئے اور میں تنہا رہ گئی تو دیوتاؤں نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی کہ تمہی وہ شخص ہو جو اس آدمی کے خلاف میری مدد کرسکتے ہو جس نے میری ذات کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ پھر اُسی وقت میں رتھ پر سوار ہو کر تمہاری تلاش میں نکلی اور تمہیں ڈھونڈ لیا۔''

مہرتاب مسکرا کے رہ گیا کیونکہ دیوتا بیدخت کو یہ بتانا بھول گئے تھے کہ وہ جس آدمی سے مدد لینے جا رہی ہے وہی تو اس کا حریف ہے۔ ''مگر تم تو میرا شکریہ ادا کرنے آئی تھیں؟''

''ملنے کا کوئی بہانہ بھی تو چاہئے۔''

یہ کہہ کر وہ بالکل اس کے ساتھ آ لگی۔ یہ فعل بالکل غیر اختیاری تھا جس میں بیدخت کے ارادے کا دخل نہ تھا کیونکہ عورت جب کسی مرد سے مدد چاہتی ہے، فطری طور پر اس کے قریب

ہو جاتی ہے۔ اُس کے نیم عریاں بدن سے پھوٹنے والی خوشبو اور کیف آور گرمی مہرتاب کے ہوش و حواس سلب کئے دیتی تھی۔ اُس نے فوراً اپنا ذہن کسی اور طرف لگا دیا اور پُرسکون لہجے میں بولا۔

''مجھے تمہاری مدد سے انکار نہیں مگر ایک شرط ہے میری۔''

بیدخت کی آنکھوں میں اُمید کی کرن جھلملانے لگی۔ ''کیا شرط ہے؟''

''بس تمہیں میری مرضی کا پابند ہونا پڑے گا۔''

وہ گھبرا کر اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پاؤں میں مجیروں کی حسین کٹوریاں چھنک اٹھیں اور چہرے پر دھواں سا پھیل گیا۔ ''تمہارا مطلب ہے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں۔ میرے چاہنے والے مجھ پر ہنسیں۔ میری پیاریاں اور ہیکلوں کی کنواریاں اور بیاہتا عورتیں سب مجھے طعنے ماریں، مجھ پر اُنگلیاں اُٹھائیں۔''

''اس میں طعنے مارنے اور اُنگلیاں اُٹھانے کی کون سی بات ہے؟''

''واہ، تمہارے نزدیک جیسے کوئی بات ہی نہیں۔ ارے وہ تو مجھے رُسوا کردیں گی۔ کہیں گی کہ بیدخت جو مردوں کو خاطر میں نہ لاتی تھی، بے مول بک گئی اور اس کمبخت نے بھی ایک مرد کی غلامی قبول کرلی۔ نہیں مہرتاب! یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں کسی کی پابند ہو کر نہیں رہ سکتی۔ تم تو مجھے ذلیل کرنے کی سوچ رہے ہو۔ اگر میں نے کسی اور سے مدد مانگی ہوتی تو وہ میرے اُس حریف کی لاش بھی میرے قدموں میں لا پھینکتا جس کی میں نے صورت بھی ابھی تک نہیں دیکھی اور اس خدمت کے عوض میری ایک مسکراہٹ ہی کو سب سے بڑا انعام سمجھتا مگر تم تو مجھے باندھ لینا چاہتے ہو۔''

''تو بس قصہ ختم ہوا ـــــ'' مہرتاب فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''تمہیں بہتیرے اور مل جائیں گے جو تمہارے ایک اشارے پر مرمٹنے کو تیار ہیں مگر میں سب سے مختلف ہوں۔''

''کیا فرق ہے تم میں اور اُن میں؟''

''میں اُن عناصر کو بکھیر دیتا ہوں جنہیں زندگی مرتب کرتی ہے اور اس شیرازے کو جمع کرتا ہوں جسے لوگ منتشر کردیتے ہیں۔ جس طرح تم بادلوں کے رنگ، پھولوں کی خوشبو، وقت کی رفتار کو قید نہیں کرسکتیں، اُسی طرح میں بھی اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ مدد چاہتی ہو تو میری مرضی کا پابند ہونا پڑے گا ورنہ میرے تمہارے راستے الگ الگ ہیں۔ شرط منظور ہے تو پیچھے پیچھے چلی آؤ اور اگر آسمان کی زہرہ بننے کے خواب بھی دیکھ رہی ہو تو میں اُن خوابوں کی تعبیر مہیا کردوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ جواب کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ گیا اور آفریدۂ جمال بیدخت اُس کی زبان سے آخری الفاظ سن کر یوں لرز کے، تھرتھرا کے رہ گئی جیسے کسی نے پاؤں سے زمین کھینچ لی ہو۔ صرف تین لفظوں نے اُس کے ہوش اُڑا دیئے تھے ــــ ''آسمان ــــ کی ــــ زہرہ'' اور ان کے حیرت انگیز اثر سے ہونٹ کانپ رہے تھے، دل کانپ رہا تھا، جسم کانپ رہا تھا، زمین و آسمان کانپ رہے تھے۔ یہ تین لفظ نہیں تین خنجر تھے جو ذہن پر اُڑتے اور دل میں اُترتے چلے گئے۔ ''آسمان ــــ کی ــــ زہرہ ــــ''

ہوا کی لہر اُس کی قبا میں کئی شکنیں ڈال رہی تھی، اسی طرح دل و دماغ پر بھی ایک ساتھ کئی کیفیتیں گزر گئی تھیں۔ ویران سڑک پر مہرتاب آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ بے مقصد، بے ارادہ ــــ اور دیوتاؤں کی نیم شکستہ دیوار کے پاس بیدخت دم بخود کھڑی اُسے سحر زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ صرف تین لفظوں میں وہ اُس کا سب کچھ لوٹ کر چلتا بنا تھا۔ اچانک اُسے اپنے لٹنے کا احساس ہوا تو ہوا کے بے قرار جھونکے کی طرح اُس کے پیچھے بھاگی اور چلائی۔

''رُک جاؤ مہرتاب ــــ''

مہرتاب انہی قدموں رُک گیا جیسے اُس کی آواز کا منتظر تھا۔ بیدخت دیوانگی کے عالم میں اُس کی طرف لپکی اور قریب جا کر بولی۔ ''تم یہی کہتے ہو نا میں آسمان کی زہرہ ہی کیوں نہ بننا چاہوں تم میری مدد کرو گے ــــ؟''

''ہاں، یہی کہا ہے میں نے۔''

''اور اس مقصد کے لئے تم مجھے اپنا پابند کر لینا چاہتے ہو؟''

''یہی شرط لگائی ہے میں نے۔''

''اور کہتے ہو کہ میں تمہارے پیچھے پیچھے چلی آؤں اور تم میرے خوابوں کی تعبیر مہیا کرو گے؟''

''بے شک۔''

''چلو ــــ مجھے تمہاری ہی بات منظور ہے۔'' بابل کی، دنیا کی، کائنات کی سب سے حسین عورت نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ''جو کچھ کہتے ہو، وہی ہوگا، جو کچھ کہتے ہو وہی کروں گی۔''

مہرتاب حیرت اور مسرت کی ملی جلی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔ عجیب سی بات تھی کہ بابل کی سب سے بڑی عورت اس کی مرضی کی پابند ہوگئی تھی۔ مہرتاب نے اُس سے اپنی شرط منوالی تھی اور بدلے میں اُسے اپنے ہی خلاف مدد دینے پر تیار ہو گیا تھا۔ وہ اس بات کا اقرار کرتے

ہوئے بولا۔ ''میں بھی اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔ تمہاری ہر آرزو، ہر خواہش پوری کروں گا۔''

اس طرح ان دونوں کے درمیان عہد و پیمان ہوئے۔ بیدخت اُسے پُرشوق نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جن میں پیار بھی تھا، اپنی شکست کا اظہار بھی اور ایک انجانی فتح کا احساس بھی جیسے وہ ہار کر بھی جیت گئی ہو۔ اُس نے پہلی بار اپنا ہاتھ مہرتاب کی طرف بڑھایا۔ جس طرح ہر عورت مرد کا سہارا چاہتی ہے اور جب مہرتاب نے اُس کا ہاتھ تھام لیا تو سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

''آج تک کسی مرد نے کسی عورت سے ایسی شرط تو نہیں منوائی ہوگی جیسی تم نے مجھ سے منوائی ہے۔''

''تمہیں کیا معلوم عورت کیسی کیسی شرطیں مان لیتی ہے۔ لیکن میں تو یہ جانتا ہوں، ہارنے کے بعد بھی جیت اُسی کی ہوتی ہے۔''

''یہ تم نے عجیب بات کہی۔''

''یہاں کچھ بھی عجیب نہیں یا سب کچھ عجیب ہے۔ مگر چھوڑو ان باتوں کو اور صرف یہ یاد رکھو مجھے حاصل کر کے تم نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔''

بیدخت کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ تیر گئی۔ شاید یہ عورت کی جیت کا احساس تھا۔

یک لخت مہرتاب نے پوچھ لیا۔ ''اچھا یہ بتاؤ، اپنے حریف کے بارے میں کیا چاہتی ہو؟ اسے گرفتار کرا دوں یا ــــ''

''جلدی کاہے کی ہے۔ وہ کہیں بھاگا نہیں جاتا۔ میں اُسے قتل تھوڑی کراؤں گی ــــ''

''پھر اس کا کیا ہوگا؟''

''بعد میں ہوگا۔ پہلے رتھ میں بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ گھر چلو۔ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

مہرتاب نے یہ پیش کش قبول نہ کی۔ ''آج نہیں، پھر کسی دن چلوں گا۔''

''کل ــــ'' وہ بے چین نظر آتی تھی۔

''کل بھی مجھے فرصت نہ ہوگی۔''

''تو پھر پرسوں کی دعوت قبول کرو۔ دیکھو اب انکار نہ کرنا۔''

''منظور ہے۔''

''میں شارعِ اساگیلہ پر ''کاشانۂ زہرہ'' میں رہتی ہوں۔ میرا گھر آسانی سے مل جائے

گا۔ مگر تم کہاں رہتے ہو؟ اگر دعوت میں نہ آسکے تو تمہیں کہاں ڈھونڈتی پھروں گی؟"

"ڈھونڈنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ جو قول دیتا ہوں اُسے پورا بھی کرتا ہوں۔"

بیدخت نے ایک اور پیش کش کی۔ "آؤ میں تمہیں رتھ میں تمہارے گھر چھوڑتی چلوں۔"

شاید وہ اس بہانے مہرتاب کا ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتی تھی لیکن وہ محسوس کر رہا تھا اگر چند لمحے اور اس عورت کے ساتھ رہا تو دل میں محبت کا شعلہ بھڑک اٹھے گا جو اُس کے ارادوں کو جلا کر بھسم کر دے گا۔ پھر کسی کو اپنا ٹھکانا بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کہنے لگا۔

"گھر میں کیا رکھا ہے۔ ابھی شہر میں ہنگامہ ہے، شور ہے اور میں کچھ دیر تنہائی چاہتا ہوں۔"

بیدخت نے بھی یہ سوچ کر اصرار مناسب نہ سمجھا کہ اُن کے درمیان جو معاملہ طے ہو چکا ہے کہیں بگڑ نہ جائے پھر اُس نے رخصت چاہی۔ "پرسوں میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

وہ خود چاہتا تھا کہ بیدخت جلد رخصت ہو جائے تاکہ اپنے دل کو، اپنے آپ کو سنبھال سکے اور جب وہ اُس کے ہاتھ پر اپنے ہونٹوں کی پہلی مُہر ثبت کر کے مُڑی مہرتاب کی نبضوں میں آگ سی دوڑ گئی۔ بدن انگارے کی طرح تپنے لگا جیسے وہ بیمار ہو۔ ہاں وہ عشق کا بیمار تھا۔ اُس نے بیدخت سے اپنی شرط منوالی لیکن خود کو ہار دیا تھا۔ اُسی لمحے چاندنی میں نہائی ہوئی سڑک پر کھڑکھڑاہٹ کے درمیان ٹاپوں کی آواز اُبھری۔ مہرتاب نے سر اٹھا کر دیکھا، بیدخت رتھ پر سوار شہر کی جانب لوٹ رہی تھی اور چاند کی روشنی میں مدوّر بُرج کے نیچے وہ خود زہرہ دیوی کا عکس معلوم ہوتی تھی۔

جب تک رتھ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا، مہرتاب وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے پلٹا اور تیز قدموں سے چلنے لگا۔ اب اس کی منزل دریائے فرات کے کنارے پراتو کا مندر اور اس کے عقب میں ملاحوں کی بستی تھی۔ وہ سردار سیسرا کو بتانا چاہتا تھا کہ کاہن اعظم زریہ سے تو نہیں مل سکا لیکن اس نے شاہ بنونید کی خوشنودی ضرور حاصل کر لی ہے۔

(12)

دعوت

◎

وہ حسین واقعہ جو آسمان پر برسوں پہلے مقدر ہو چکا تھا، آپ سے آپ ظہور میں آ رہا تھا۔

تیسرے دن سورج طلوع ہوتے ہی بیدخت اپنے آنے والے مہمان کی دعوت کا اہتمام کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اُس نے مہرتاب کا پابند ہونا قبول کر لیا مگر یہ وعدہ ضرور لے لیا تھا کہ وہ بھی اس کی ہر خواہش پوری کرے گا خواہ وہ "آسمان کی زہرہ" ہی کیوں نہ بننا چاہے اور یہ بات انتہائی نشاط آور تھی کہ وہ اُس کے خوابوں کی تعبیر مہیا کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ وہ مہرتاب کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنی باتوں سے دوسروں کو مسخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جسمانی طور پر بھی وجیہہ، مضبوط اور طاقت ور ہے اور عورتیں ایسے ہی مردوں کی قوتِ بازو پر بھروسا کرتی ہیں۔

بیدخت کو یقین تھا وہ ایک غیر معمولی نوجوان ہے اور اُسے دھوکا نہیں دے گا۔ اسی لئے اُس کی خاطر مدارت کے لئے بھی غیر معمولی انتظامات کر رہی تھی۔ صبح ہی صبح غلاموں اور کنیزوں کو بھگانے، دوڑانے لگی۔ "یہ کرو، وہ کرو۔" گھر کی صفائی پر بھی خاص توجہ دی جا رہی تھی۔ ہر شے قرینے اور سلیقے سے سجائی جانے لگی۔ یہ ایک خلافِ معمول بات تھی کیونکہ "کاشانہ زہرہ" میں دعوتوں کا رواج ہی نہیں تھا۔ نہ وہ کسی کو مدعو کرتی نہ دوسروں کی دعوت میں جاتی سوائے اُن مذہبی یا سرکاری تقریبات کے جہاں اُس کی حاضری ضروری سمجھی جاتی تھی۔ مگر آج کنیزیں ہی نہیں، اُس کی "پیاریاں" بھی حیران ہو رہی تھیں کہ زہرہ جمال کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ کس کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟

بیدخت خود انواع واقسام کے کھانے تیار کرنے کی ہدایت دے رہی تھی۔ایک غلام بازارِ اڈو[1] کے ان شکاریوں کی طرف دوڑا دیا گیا جو دشتِ فرات سے قسم قسم کے پرندے پکڑ کر لاتے اور دُکانوں پر فروخت کرتے تھے۔دوسرا دریائی بندرگاہ سے تازہ مچھلی لینے کے لئے بھاگا۔دو کنیزیں پھل اور پھول خریدنے چلی گئیں۔جب اُس نے عجمی غلام بابک کو جو "کاشانۂ زہرہ" کے غزالوں کی دیکھ بھال کرتا تھا، ایک پالتو ہرن ذبح کرنے کا حکم دیا وہ یوں دم بخود رہ گیا جیسے اُس کی اپنی گردن پر چھری پھیرنے کا حکم دے دیا گیا ہو۔لبنان اور آرمیدیا کی بہترین شرابیں گھر میں موجود تھیں جنہیں "پیاریاں" بلور کی صراحیوں میں منتقل کر چکی تھیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسری سے پوچھ بھی رہی تھیں۔"اری! آج کون آرہا ہے، کہیں زہرہ جمال کسی کو اپنا دل تو نہیں دے بیٹھی؟"

مگر بیدخت یا اُس کے ہندوستانی رتھ بان شنکر کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ گھر میں کون آنے والا ہے۔تاہم دعوت کی تیاریوں سے یہ اندازہ تو ضرور لگایا جا رہا تھا کہ مہمان کوئی معمولی آدمی نہیں۔

بیدخت نے دعوت کے انتظامات سے فارغ ہو کر اور کنیزوں کو آخری ہدایت دے کر عطر ملے ہوئے پانی سے غسل کیا اور بناؤ سنگھار کی خاطر کمرۂ آرائش میں چلی گئی جہاں مختلف لباسوں اور زیب و زینت کے سامان کے علاوہ مصر، یونان، بابل، شام، لبنان، اناطولیہ، آرمیدیا، عراق، عجم، فارس اور ہندوستان کی حسین دیویوں کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں اپنے مخصوص تہذیبی لباس میں موجود تھیں۔وہ خاص موقعوں پر انہی دیویوں میں سے کسی ایک دیوی کا لباس پہنتی اور اُسی کی مناسبت سے اپنے حُسن کی آرائش کرتی تھی تاکہ دیکھنے والوں کو اُس کے حُسن میں کسی دیوی کا رُوپ نظر آئے۔اس خیال سے کہ ممکن ہے آرائشِ جمال میں دیر لگے اور اس دوران مہرتاب آجائے، اُس نے راحتِ شب لیلیٰ کو بیرونی پھاٹک پر متعین کر دیا کہ جونہی مہمان آئے اُسے فوراً مطلع کر دیا جائے بصورت دیگر بھی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اطلاع دیتی رہے کہ باہر کی صورتِ حال کیا ہے۔پھاٹک پر کھڑے ہو کر کسی انجانے مہمان کی راہ دیکھنا اگرچہ بڑا ٹیڑھا کام تھا پھر بھی راحتِ شب لیلیٰ کئی بار اُسے یہ خبر پہنچا چکی تھی کہ مہمان ابھی تک

[1] بازارِ اڈو دریائے فرات کے پُل کے سامنے واقع تھا جہاں شیروں کے کانسی کے مجسمے نصب تھے۔(بحوالہ ہیرالڈلیم)

نہیں آیا۔اندازے کے مطابق مہرتاب کو اس وقت تک آجانا چاہئے تھا مگر جب ایک ہی خبر بار بار اُسے سنائی گئی تو بیدخت کچھ پریشان سی نظر آنے لگی۔لیلیٰ کی آخری اطلاع بھی حسبِ سابق تھی اور مسئلہ کچھ کچھ تشویش ناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا کیونکہ دوپہر ہونے کو تھی، بیدخت آرائشِ جمال سے فارغ ہو کر کمرے سے باہر آگئی تھی اور مہمان ابھی تک نہیں آیا تھا۔

بے چینی دُور کرنے کے لئے وہ چند لمحے پائیں باغ میں ٹہلتی رہی مگر انتظار کی ہر گھڑی مشکل اور کٹھن ہو گئی تھی۔آخر وہ خود بیرونی پھاٹک تک آئی جو شارع اساگیلہ پر کھلتا تھا اور کچھ دیر مہمان کی راہ دیکھتی رہی۔پھر مضطرب سی ہو کر مُڑی اور لیلیٰ کو وہیں چھوڑ کر سیدھی شنکر کے کمرے کی طرف چلنے لگی جو اصطبل کے قریب ہی غلام پیشہ میں واقع تھا۔بیدخت بس کبھی کبھی اُسی سے اپنی کسی پریشانی کا حال کہہ دیا کرتی تھی۔

ہندوستانی نوکر اُسے دیکھ کر صرف کھڑا ہی نہیں ہو گیا بلکہ چونک بھی اُٹھا۔اُس کی مالکن نے آج ہندوستانی دیوی "دُرگا" کا رُوپ اختیار کیا اور اسی کا مخصوص لباس پہنا تھا۔بیدخت نے غالباً اُس طرف توجہ نہیں دی تھی کہ رتھ بان اُسے حیرت و تعجب کی نظروں سے دیکھ رہا ہے ـــــ وہ تو اپنا ہی دُکھڑا سنانے آئی تھی۔

"شنکر ـــــ! وہ ابھی تک نہیں آیا۔آئے گا بھی یا نہیں؟"

ظاہر ہے شنکر کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا مگر وہ اس کی بے قراری کی وجہ ضرور جانتا تھا کیونکہ بیدخت اگر عورتوں میں سب سے حسین، سب سے جمیل تھی تو مہرتاب مردوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔اور ایسے خوبرو مرد سے ملنے کے بعد ہر عورت اُس کی دوسری ملاقات کے لئے بے چینی کا اظہار کرنے پر مجبور تھی۔بیدخت بھی اسی کیفیت سے دوچار تھی۔اگر مہمان اس وقت نہیں آیا تو یقیناً کوئی وجہ ہو گی۔ورنہ بیدخت کی ملاقات کوئی معمولی بات نہیں تھی جسے نظر انداز کر دیا جائے۔وہ تشفی آمیز لہجے میں بولا۔

"آپ فکرمند نہ ہوں، مہمان ضرور آئے گا۔"

"مگر اب تو دوپہر ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد دن ڈھلنا شروع ہو جائے گا۔دیکھو، میں نے اس کی خاطر تمہارے ہی دیس کی دُرگا دیوی کا سنگھار کیا ہے۔"

"یہی تو میں کہنے والا تھا۔اس موقعے پر آپ کو دُرگا کا سنگھار نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"وہ کیوں؟" بیدخت بھونچکی سی رہ گئی۔

"اس لئے کہ دُرگا[1] غیر وصل پذیر ہے اور دیوی اس حالت میں کسی پریمی سے ملاقات نہیں کرتی۔"

نور جمال کا دل دھک دھک کرنے لگا اور شنکر اُسے بتانے لگا۔ "آپ کو پاربتی یا لکشمی دیوی کے رُوپ میں مہمان کا استقبال کرنا چاہئے جو شو جی اور وشنو کی پیاریاں ہیں۔"

یہ سن کر بیدخت اُنہی قدموں لوٹ گئی۔

شنکر نے اُسے گنگ و جمن کی وادیوں اور آشرموں میں ناچنے والی دیوداسیوں کے عشق انگیز افسانے ہی نہیں سنائے بلکہ ہندو دیو مالا کی کئی پراسرار داستانیں بھی بیان کی تھیں جو معمولی سی افسانوی تبدیلی کے ساتھ ہر اصنامی تہذیب کا جز معلوم ہوتی تھیں۔ اُس نے زہرہ جمال کو پاربتی اور شو جی کی پریم کہانی بھی سنائی تھی اور لکشمی اور وشنو کے پیار کی داستان بھی۔ پاربتی[2] ہندوستان کی مہا دیوی تھی اور شنکر نے بتایا تھا وہ شو جی کی مادہ طاقت کو ظاہر کرنے کے لئے شکتی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے مگر نرمی، رحم دلی، پیار کے علاوہ قہر و غضب کی حالتوں میں بھی ظہور لیتی ہے۔ نرمی اور رحم کی حالت میں اُسے اُما (روشن اور سندر) اور گوری (زرد اور چمکیلی) کہتے ہیں مگر حالت قہر میں وہ دُرگا (غیر وصل پذیر) کہلاتی ہے۔

غصہ اور قہر میں دیوی کی اور بھی کئی حالتیں اور کئی نام تھے مثلاً "شیاما" یعنی سیاہ رنگت والی، "رکت دنتی" کا نام اس حالت کے لئے تھا جب وہ خونخوار دانتوں والی شکل اختیار کر لیتی۔ "کوٹری" اس وقت کہلاتی جب سر سے پاؤں تک برہنہ ہو کر اپنے بدن کی نمائش کرتی۔ وہ "بھوت نائیکی" کے نام سے بھی یاد کی جاتی کیونکہ بھوتوں کی سردار بن کر خوف و ہراس پھیلاتی تھی۔ غصے کی شدید حالتوں میں وہ اپنے کئی ہاتھوں والے جسم پر سیاہ ناگوں کو لپیٹ لیتی۔ گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا پہنتی اور "مہا کالی" ___ "مہا سری" ___ "چامنڈا" ___ "مہیش پروتی" ___ "جگد گوری" اور "مکت کیشی" وغیرہ ناموں سے پکاری جاتی۔

بیدخت کو دیوی کی یہ حالتیں کبھی پسند نہیں آئی تھیں وہ تو اُسے "اُما" ___ "گوری"

1. مہا دیوی پاربتی نے دُرگ وئیت کو بحالت غضب قتل کیا تھا لہٰذا اس حالت میں اس کا نام "دُرگا" مشہور ہوا اور "غیر وصل پذیر" سمجھی گئی۔ (بحوالہ چنڈی مہاتم و ہندوؤں کی کلاسیکل ڈکشنری)
2. پاربتی ہندو دیو مالا میں دیوی یا مہا دیوی کہلاتی ہے اور مختلف حالتوں میں، مختلف رُوپ اور نام اختیار کرتی ہے۔ یہ تفصیل "ہندوؤں کی کلاسیکل ڈکشنری" سے لی گئی۔

___ اور "پاربتی" کی حالتوں میں اچھی لگتی تھی یا پھر ہندوستانی دیویوں میں وہ لکشمی[1] اور ساوتری[2] کو پسند کرتی تھی۔ لکشمی نے کنول کے پھول سمیت سمندر کی لہروں سے جنم لیا اور اس کا نام بھی "کشیابدہی تن جا" یعنی بحر بے کراں کی بیٹی رکھا گیا۔ اس کے ہاتھ میں ہمیشہ کنول کا پھول ہوتا ہے اس لئے وہ "پدما" اور "کملا" بھی کہلاتی ہے۔ بیدخت کو لکشمی کے سبھی نام اچھے لگتے تھے مثلاً ہیرا، اندرا، مادھوری وغیرہ۔ وشنو جی اسے دل سے چاہتے ہیں پھر وہ محبت کے دیوتا "کام دیو" کی والدہ بھی تصور کی جاتی ہے اور ساوتری جو ستیہ دان پر عاشق ہو گئی تھی موت کے دیوتا "یم" کی عبادت کر کے اپنے محبوب کو موت کے پنجے سے چھڑا لائی تھی اُسے گائتری بھی کہتے ہیں۔

بیدخت کو ہندوستانی دیویوں کی یہ تمام خصوصیات یاد تھیں اور یہ بات قطعی ناقابل فہم تھی کہ اُس نے پاربتی، لکشمی اور ساوتری کا روپ چھوڑ کر دُرگا کا سنگھار کیوں کر لیا تھا۔ یہ بھول کیسے سرزد ہو گئی؟ وہ بابل کے ہزاروں دیوی دیوتاؤں کے علاوہ غیر ملکی اور خاص طور سے ہندوستانی دیویوں سے گہری دلچسپی رکھتی۔ اُن کی حیاتِ معنوی کی قائل اور اس اعتبار سے تو ہم پرست بھی تھی کیونکہ سمجھتی تھی یہ ساری دنیا دیوی دیوتاؤں ہی نے پیدا کی اور وہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب شنکر کے کمرے سے لوٹی تو چلتے چلتے یہی سوچتی رہی۔ "میں نے تو کبھی دُرگا کو پسند نہیں کیا تھا پھر آج اس کا سنگھار کیوں کر لیا؟"

اس کے نزدیک یہ ایک بدشگونی ہوئی تھی اور مہمان اسی لئے نہیں آیا تھا۔ پھر اپنی اس نادانستہ غلطی پر کچھ افسردہ، کچھ شرمساری کمرۂ آرائش میں داخل ہوئی۔ بیزاری کے ساتھ دُرگا کا لباس اور سنگھار اُتار پھینکا اور سوچنے لگی کیوں نہ عراقِ عجم کی دیوی انھیتا یا اناہیتا کا لباس زیب تن کر لے جسے وہ بے حد پسند بھی کرتی اور جس کے نام کی نذر بھی دیا کرتی تھی۔ کیونکہ اس کا دوسرا نام ناہید تھا اور زہرہ بھی مگر اناہیتا[3] کی حالت میں وہ سرد پانی کے چشموں میں اپنی تجلی دکھاتی

1. لکشمی وشنو کی زوجہ کنول کا پھول لئے سمندر سے پیدا ہوئی۔ ایک بار ستیا اور ایک بار رکمنی کے رُوپ میں بھی جنم لے چکی ہے۔ (بحوالہ رامائن تی تریہ سنگتا، وشنو پوران)
2. ویدوں میں اس کا نام گاتیری لکھا ہے۔ برہما جی کی محبوبہ شت روپا کا نام بھی ساوتری تھا۔ راجہ اشوپتی کی لڑکی اور ستیہ دان کی عاشق تھی۔ (ہندوؤں کی کلاسیکل ڈکشنری)
3. اناہیتا، انھیتا اور ناہید کی خصوصیات مشترک اور نام مختلف ہیں۔

تھی یا پھر یونان کی دیوی وینس[1] کا رُوپ دھار لے یا محبت کی دیوی افرودیت کا سنگھار کرے لیکن شنکر کے الفاظ ذہن میں باؤ ورولے کی طرح گھوم رہے تھے کہ ''آپ کو پاربتی یا لکشمی کے روپ میں مہمان کا استقبال کرنا چاہیے۔'' اور سب کچھ چھوڑ کر وہ لکشمی کا سنگھار کرنے بیٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں آج وہ کسی ہندوستانی دیوی ہی کا روپ اختیار کرنا چاہتی تھی۔ شاید اس لئے کہ مغربی ایشیا کے اکثر شہروں میں ہندوستانی دیویوں اور عورتوں کی کئی کہانیاں مشہور تھیں پھر اُن کی پتی ورتا اور مالک کی خدمت گزاری ضرب المثل بن گئی تھی۔ اسی شہرت کے باعث بابل کے بازار میں ہندوستانی لونڈیاں بھی اچھی قیمت پر فروخت ہو جاتی تھیں۔ شاید بیدخت ہندوستانی دیوی کا سنگھار کر کے اشارے اور کنایے کی زبان میں اپنے مہمان سے اظہارِ محبت کرنا چاہتی تھی۔

اُس نے لکشمی کی چولی زیب تن کر لی جس پر کنول کا سفید پھول کاڑھا ہوا تھا۔ کتان کی ساڑھی پہنی اور جب آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مُڑی تو بالکل لکشمی کا رُوپ معلوم ہوتی تھی۔ ابھی کمرۂ آرائش سے نکل ہی رہی تھی کہ راحت شب لیلیٰ بھاگی بھاگی آئی اور چہک کر بولی۔

''مہمان آ گیا ہے۔''

یہ خبر سنتے ہی بیدخت کے چہرے پر مسرت کے کنول سے کھِل اٹھے اور وہ مہمان کی آمد کو لکشمی دیوی کا اعجاز سمجھی جس کا لباس پہنتے ہی اُس کی آمد کی نوید سنی تھی۔ شنکر نے ٹھیک ہی کہا تھا اُسے پاربتی یا لکشمی کا سنگھار کرنا چاہیے اور لکشمی تو خوش بختی اور دولت کی علامت بھی تھی۔ اس کا لباس بدلتے ہی صورتِ حال یک لخت تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی پھاٹک کی طرف ہولی اور اس وقت لیلیٰ سے بھی آگے نکلی جا رہی تھی۔

مہرتاب بارہ دری کے بلند ستونوں کے پاس عجمی غلام بابک سے باتیں کرنے میں محو تھا جو اُسے بتا رہا تھا۔ ''یہاں صبح سے آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار ہو رہا ہے۔ حالانکہ کاشانۂ زہرہ میں کسی کا انتظار نہیں کیا جاتا۔''

مہرتاب نے یہ بات بڑی بے دھیانی سے اور حقیقت میں بڑی توجہ کے ساتھ سنی۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ بیدخت اس میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ کیا اس دلچسپی کے پیچھے صرف اُس حریف کو شکست دینے کا جذبہ کارفرما تھا جس کے بارے میں نئی نئی باتوں اور عجیب عجیب

[1] یونانی صنمیات میں وینس دیوی زہرہ ستارے کی مظہر سمجھی جاتی تھی۔ (پروفیسر جارج مارٹز ایبرس)

واقعات کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی تھی یا اس سے بھی کوئی بڑا مقصد پنہاں تھا جسے بیدخت ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کچھ بھی ہو، اُسے معلوم کرنا تھا وہ مقصد کیا ہے اور بیدخت نئے نئے واقعات کے ظہور میں اتنی دلچسپی کیوں رکھتی ہے جو بابل میں صرف مہرتاب کی ذات سے وابستہ ہونے والے تھے۔

یک لخت اس کی نظر بیدخت کی طرف اُٹھی جو راحتِ شب لیلیٰ کے آگے آگے چلی آ رہی تھی مگر اُس کا عجیب لباس اور عجیب سنگھار دیکھ کر چونک اُٹھا جس نے اُس میں بلا کی کشش پیدا کر دی تھی۔ یہ لباس، یہ سنگھار پرسوں نہیں تھا اور جس لباس اور جس رُوپ میں اُس نے ''عبادت کا رقص'' کیا تھا وہ چاند کی تیسری رات کو نہیں تھا جب اُس نے ہیکل زہرہ کے پاس اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کا ہر لباس پہلے لباس سے، ہر رُوپ پہلے رُوپ سے مختلف تھا۔ ہر رنگ، ہر رُوپ، ہر لباس میں اس کا ایک نیا جلوہ تھا اور ہر جلوہ اُس کے حُسن کا نیا انداز پیش کرتا تھا۔ مہرتاب اُسے نئے رُوپ میں دیکھ کر جھوم سا گیا اور خود بے قرار سا ہو کر اس کی طرف بڑھا۔ دونوں بارہ دری میں آمنے سامنے ہوئے اور مہرتاب نے اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر تعریف شروع کر دی۔

''اس لباس میں تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔''

''یہ ہندوستان کی دیوی لکشمی کا روپ ہے جس نے وشنو سے محبت کی تھی۔''

مہرتاب سوچنے لگا کہیں لکشمی کے استعارے میں اس نے اپنی بات تو نہیں کی۔ مگر اس میں سوچنے کا تو کوئی بکھیڑا ہی نہیں تھا۔ بیدخت لکشمی کے لباس میں خود سراپا استعارہ بنی ہوئی تھی۔ دیوی کسی ملک، کسی شہر کی بھی ہو، مہرتاب کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی مگر بیدخت کو لکشمی کے رُوپ میں دیکھ کر اُسے ہندوستانی دیوی سے ایک عجیب سی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ وہ اُسے رقص کے لباس میں بھی دیکھ چکا تھا مگر یہ رُوپ تو کچھ اور ہی کشش رکھتا تھا۔ بیدخت کے لئے یہ احساس بڑا فرحت بخش تھا کہ وہ اُسے عشق انگیز نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کیفیت کا اظہار فی الحال مناسب نہ سمجھتی تھی۔

جب دونوں ایک دوسرے کو جی بھر کے دیکھ چکے بیدخت کو اُن لمحوں کا خیال آیا جو بڑی بے چینی سے گزرے تھے اور قصرِ زہرہ کی طرف چلتے چلتے اُس نے پوچھ لیا۔

''مہرتاب! کیا تم ہمیشہ اسی طرح انتظار کراتے ہو؟''

مہرتاب کا نام سن کر راحتِ شب لیلیٰ جو اُن کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی بری طرح چونک اٹھی۔ یہی نام اس نے نورناہید آموسی کی زبان سے سنا تھا۔ وہ مہرتاب ہی کی تلاش میں تو کاشانۂ زہرہ تک بھاگی آئی تھی اور کیا کہا تھا اس نے کہ دیویاں بھی اس اجنبی کے پاؤں پر سر رکھ دیں اور بیدخت دیکھ لے تو پیچھے بھاگتی پھرے۔ اور اُس نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ لیلیٰ سوچنے لگی، سچ مچ وہ ایسا ہی ہے۔ زہرہ جمال صبح سے اس کے لئے کیسی دیوانی ہو رہی تھی۔

مہرتاب نے بیدخت کے سوال کا کیا جواب دیا، لیلیٰ نے اس پر توجہ ہی نہ دی۔ غالباً اس نے کہا تھا کہ آج وہ دریا کے پار شہر کے دوسرے حصے میں چلا گیا تھا مگر جب لوٹا تو پُل پر بڑی بھیڑ تھی اور راستہ بند ہو گیا تھا کیونکہ دیر تک اُونٹوں، خچروں اور گدھوں کے قافلے رسد کا سامان لے کر گزرتے رہے اور فوجیوں نے پُل کے دونوں جانب راستہ روک رکھا تھا کہ جب تک رسد کے قافلے گزر نہ جائیں کوئی شخص پُل عبور نہیں کر سکتا اس لئے مجبوراً رُکنا پڑا اور اُسے آنے میں دیر ہو گئی۔ مگر لیلیٰ تو اس کا نام سن کر اور ہی خیالوں میں کھو گئی۔ اسے رہ رہ کر آموسی یاد آ رہی تھی جو مہرتاب کو دل دے بیٹھی اور اس کی تلاش میں کئی روز بھٹکتی پھری تھی۔ ہائے بے چاری نورناہید! اچانک جی میں آئی کیوں نہ وہ بھاگ کر جائے اور اُسے اطلاع دے آئے کہ مہرتاب کاشانۂ زہرہ میں پہنچ گیا ہے مگر مہمان کے آتے ہی گھر میں وہ ہلچل مچی کہ لیلیٰ کا ایک پل کے لئے بھی اِدھر اُدھر ہونا مشکل تھا۔ وہ بیدخت کی سب سے عزیز اور چہیتی "پیاری" تھی اور بیدخت ہر کام کے لئے اسی کو پکارتی، اسی کا نام لیتی رہی۔ بھلا اس ہنگامے میں وہ گھر سے کیسے نکل سکتی تھی؟

زہرہ جمال بیدخت شہزادیوں کی سی زندگی بسر کرتی تھی اور کاشانۂ زہرہ پر کسی ریاست کے قصرِ شاہی کا گمان ہوتا تھا۔ ہر کمرہ عجمی قالینوں، اطلس و دیبا کے پردوں اور قیمتی سامان سے آراستہ تھا۔ ہر چیز بڑے سلیقے اور قرینے سے سجائی گئی تھی جس سے اس کے ذوقِ جمال کا اظہار ہوتا تھا۔ دعوت کا اہتمام ہال میں کیا گیا تھا اور طویل دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے، شرابیں اور پھل موجود تھے۔ بیدخت نے اپنی ستائیس "پیاریوں" کو طلب کر لیا تھا جو حسین و رنگین پوشاکوں میں ملبوس آسمانی اپسرائیں معلوم ہوتی تھیں اور اُن کے جھرمٹ میں بیدخت خود زہرہ دیوی کی طرح ممتاز اور منفرد تھی۔ کنیزیں اور غلام مؤدب کھڑے تھے اور ایک کونے میں نئے نوازلڑکیوں نے جنہیں ہیکل زہرہ سے بلایا گیا تھا، بڑی دل کش موسیقی چھیڑ رکھی تھی۔

مہرتاب کو یوں لگا جیسے وہ کسی شاہی مہمان خانے میں یا پریوں کے ہجوم کے درمیان آ گیا ہو۔ کاشانۂ زہرہ ایک طلسم کدۂ جمال تھا جہاں ہر طرف حُسن ہی حُسن تھا۔ نور ہی نور تھا۔ رنگ ہی رنگ بکھرے تھے۔ رنگ و نور کے اس ہجوم میں بیدخت نے مہمان سے اپنی "پیاریوں" کا تعارف کرایا جن کی نظریں مہرتاب کے چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ اُن میں سے کسی نے ایسا وجیہہ اور شکیل مرد پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب تک وہ نہیں آیا تھا سب کی سب زہرہ جمال کی بے قراری اور دیوانگی پر حیران تھیں کہ جس نے آج تک کسی مرد کا انتظار نہیں کیا اپنے مہمان کے لئے کیسی مری جا رہی ہے۔ اور جب وہ آیا تو ساری فرطِ حیرت سے چپ ہو کر رہ گئیں اور اُسی کو تکے جا رہی تھیں۔ دعوت کے دوران بھی بیدخت کی "پیاریوں" کی توجہ کھانے کی طرف کم اور مہمان کی طرف زیادہ رہی جو زہرہ جمال بیدخت کے پہلو میں بیٹھا رب النوع کا اوتار نظر آ رہا تھا۔

کھانے کے بعد بیدخت اُسے اپنے کمرۂ خاص میں لے آئی اور "پیاریاں" ہال کمرے ہی میں بیٹھی مہمان کے بارے میں اظہارِ خیال کرتی رہیں۔ بیدخت نے جس اہتمام سے دعوت آراستہ کی اور جس انداز سے اس کی پذیرائی کی تھی اُس نے مہرتاب کو سچ مچ دیوانہ کر دیا ___ خیر دیوانہ تو وہ پہلے ہی ہو گیا تھا مگر اس وقت تک جس ہچکچاہٹ، جس اجتناب، جس بے تعلقی کا اظہار کرتا رہا تھا آج اُس کا بھی خاتمہ ہو گیا اور اب اُس [illegible] ہوا جاتا تھا۔ پرسوں جب "دیوتاؤں کی دیوار" کے پاس بیدخت نے اُسے گھر چلنے کی دعوت د[illegible] کہا تھا کہ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہے۔ آج وہ انہی باتوں کا منتظر تھا مگر بیدخت نے ا[illegible] تک کوئی بات نہیں چھیڑی تھی، اپنی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کمرۂ خاص کی اس تنہائی [illegible] جہاں مہرتاب تھا، بیدخت تھی اور زہرہ دیوی تھی جس کا سرخ پتھر کا قدِ آدم مجسمہ اُن کے عقب میں ایستادہ تھا (بیدخت نے اپنے کمرۂ خاص میں زہرہ دیوی کے علاوہ کسی دیوی دیوتا کو آراستہ نہیں کیا تھا) وہ ایک بار پھر کڑے امتحان سے دوچار تھا کیونکہ یہ تنہائی اور دنیا کی سب سے حسین عورت کی قربت جو لکشمی دیوی کے روپ میں سامنے بیٹھی تھی، اُسے پاگل کئے دے رہی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ بیدخت اپنی دلی آرزوؤں اور خواہشوں کا اظہار کرے تاکہ اُس کا ذہن کسی اور طرف لگے مگر وہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف رہی تو آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"کیا آج بھی مجھے اپنی آرزوئیں نہیں بتاؤ گی؟"

بیدخت نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ "جب ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ طے پا گیا

ہے تو سب کچھ بتانا ہی پڑے گا مگر ان حسین لمحوں کو سمجھوتے کی میزان میں کیوں تولتے ہو؟ یہ تو میل ملاپ کے لمحے ہیں۔"

مہرتاب سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اُس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "آج تم پہلی بار میرے مہمان بنے ہو اور میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔"

"میں نے تو تمہارے مطلب کی بات کی تھی۔"

"میں جانتی ہوں عورت ہو یا مرد، ہر انسان خواہشوں کا غلام ہوتا ہے کیونکہ خواہشیں ہی اس کے وجود کو قائم رکھتی ہیں۔ مگر میں کبھی کبھی اپنی آرزوؤں کو اپنے وجود میں تنہا چھوڑ کر باہر بھی آجاتی ہوں ــــــ اور باہر کی دنیا مجھے اچھی لگتی ہے۔" پھر وہ کھڑی ہوگئی۔ "باہر دن ڈھلنا شروع ہوگیا ہے۔ کیوں نہ آج ہم مل کر فرات کی سیر کریں اور اس دن کو یادگار بنادیں۔"

مہرتاب خود بھی چاہتا تھا کہ اس تنہائی سے نکلے، فوراً باہر جانے پر تیار ہوگیا۔ پھر دونوں شنکر کے ہمراہ رتھ میں بیٹھ کر دریائے فرات کی طرف چلے گئے اور راحتِ شب لیلیٰ کو وہ موقع مل گیا جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ سب کی نظریں بچا کر کاشانۂ زہرہ سے نکلی اور شارع اساگیلہ طے کر کے بازارِ عیش کی طرف ہولی جہاں ہیکل زہرہ کی عقبی گلیوں میں نورِ ناہید آموسی کا مکان تھا۔ سورج مغربی آسمان پر چمک رہا تھا۔ صحراؤں کی خنک ہوا چلنا شروع ہوگئی تھی اور راحتِ شب لیلیٰ بھی سورج کی ڈھلتی [illegible] میں ہوا کے جھونکے کی طرح اُڑی جارہی تھی۔

(13)

پیمانِ محبت

کاشانۂ زہرہ سے ایک سیدھا راستہ فرات کی طرف چلا گیا تھا جو قلعہ اساگیلہ اور بلند و بالا شاہی عمارتوں کے پہلو سے گزرتا دریا پر پہنچتا تھا مگر بیدخت کے اشارے پر شنکر نے گھوڑوں کا رخ اس سڑک کی جانب موڑ لیا جو نیمیتی بل کی مغربی فصیل کو نکل گئی اور ڈیڑھ دو میل کے بعد شاہراہِ پراتو سے مل جاتی تھی جہاں عموماً غریب مزدور، محنت کش اور غلام پیشہ لوگ رہتے تھے۔

بیدخت نے فرات کے کنارے پر پہنچنے کا یہ طویل راستہ محض اس لئے اختیار کیا تھا کہ مہمان کے ساتھ قربت کی وہ ساعتیں کچھ اور لمبی ہو جائیں جو رتھ میں میسر آگئی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رتھ میں اُس کے ساتھ کوئی مرد سوار ہوا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ اپنے سینکڑوں عاشقوں کی درخواست ٹھکرا چکی تھی جنہوں نے صرف چند لمحوں کے لئے اُس کا ہم سفر بننے کی خواہش کی۔ آج تک کوئی مرد اُس کی قربت کا یہ اعزاز حاصل نہ کر سکا تھا مگر آج وہ خود اس بات پر خوش تھی کہ اپنے مہمان کے پہلو بہ پہلو، شانہ بہ شانہ سفر کر رہی ہے جو مردوں میں یگانہ، جوانوں میں یکتا ہے۔ جس کے سامنے اس نے خود کو ہار دیا اور ایک شرط پر اُس کی پابند ہوگئی ہے۔

ایک ہی رتھ میں اُن کے بدن اتنے قریب تھے کہ دونوں ایک دوسرے کی لذت آفریں حرارت محسوس کر رہے تھے مگر کھلی فضا میں نکل کر مہرتاب ایک بار پھر اپنے آپ میں آگیا اور ضبط و تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اُس نے نہ تو زہرہ جمال کا ہاتھ تھاما نہ اُس کے حسین عارضوں اور فتنہ گر آنکھوں کو قریب سے دیکھنے کی جرأت کی کہ کہیں حُسن و جمال کی تجلیوں سے جل کر راکھ نہ ہو جائے۔

اُس کے دل و دماغ میں محبت اور فرض کی کش مکش پھر شروع ہوگئی تھی۔ جذبات کی کیف آور اور پُر شور لہریں جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور وہ جیسے ساحل سمندر پر ایک مضبوط چٹان کی طرح کھڑا ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔ بیدخت پہلو سے پہلو، شانے سے شانہ ملائے کبھی کبھی اس پر نظر ڈالتی۔ اس کے چوڑے سینے اور بازوؤں کی اُبھری ہوئی مچھلیوں کا جائزہ لیتی اور شاید دل ہی دل میں اپنے حُسنِ انتخاب پر خوش ہوتی تھی مگر اس کی نگاہیں مہمان سے گلہ بھی کر رہی تھیں کہ وہ اپنا مضبوط بازو کیوں اس کی کمر کے گرد حمائل نہیں کر لیتا؟ کیوں مہربان ہو کر اس کے عارضوں پر اُڑتی ہوئی زلفوں سے نہیں کھیلتا؟ اگر مہرتاب نے نظر اُٹھا کر دیکھا ہوتا تو اس کی آنکھوں میں محبت کا پیغام پڑھ سکتا تھا۔ چہرے پر اُس کے دل کی بے قراری کو مچلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا مگر وہ تو قریب ہوتے ہوئے بھی دور تھا اور جان بوجھ کر اپنا دھیان اُن مضافات میں اُلجھانے کی کوشش کر رہا تھا جو قدیم اور عظیم شاہراہِ پراتو کے دونوں بازوؤں پر حلقہ در حلقہ پھیلے تھے۔

سفید نقرہ گھوڑے دُلکی چال بھاگے جا رہے تھے اور وہ رتھ میں سوار بابل کی اُن بستیوں کا نظارہ کر رہا تھا جہاں موچی، کمہار، کوزہ گر، مٹی کی مورتیاں ڈھالنے والے گِل کار، نعل بند، آہن گر، سنگ تراش، کپڑا بُننے والے کاری گر، سائیس، گڈریے اور محنت مزدوری کرنے والے دوسرے لوگ رہتے تھے۔ ان غلیظ آبادیوں میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پڑے رہتے تھے۔ ننگ دھڑنگ بچے کھیلتے نظر آتے۔

یہ آبادیاں بابل کے جنوب مشرقی حصے میں نہر کبار کے کنارے عبرانی غلاموں کی بستی کبر سے کچھ مختلف نہ تھیں۔ یہاں گھوڑوں، خچروں، گدھوں کی لید اور مویشیوں کے بول و براز سے زمین گیلی رہتی۔ بُو کے بھبکے اُڑتے اور مچھروں، مکھیوں کی خوب پرورش ہوتی تھی۔ بڑے بڑے احاطوں میں کپڑا بُننے کی کھڈیاں تھیں اور چمڑا کمانے، اُن سے جوتے، تھیلیاں، کمر کی پیٹیاں اور خنجروں، تلواروں کے نیام تیار کرنے کے کارخانے بھی جہاں کاریگر، مزدور، محنت مشقت کرتے دکھائی دیتے۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے بوڑھی اور جوان عورتیں بھی مردوں کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتی یا پھر دروازوں میں کھڑی ہاتھ نچا نچا کر لڑتی جھگڑتی اور گالی گلوچ بکتی رہتیں۔ کبھی کبھار جب جھگڑا بڑھ جاتا تو مرد بھی اپنے ہاتھ میں رندے، بسولے، کھرپیاں، آریں اور ہتھوڑیاں سنبھالے تماشا دیکھنے کے لئے نکل آتے جنہیں دیکھ کر جھگڑالو عورتیں یا تو زیادہ جوش و خروش سے لڑنے لگتیں یا پھر گھروں میں گھس کر دروازے بند کر لیتی تھیں۔

محنت کشوں کی ان بستیوں میں آہن گر سرخ سرخ لوہا کوٹتے، ہتھوڑوں کی ضربیں گونجتیں، نجاروں کے کارخانوں میں رندوں اور بسولوں کی ''گھرر...... گھرر'' سنائی دیتی۔ نعل بندوں کے اڈوں پر گھوڑوں اور سواروں کا ہجوم رہتا۔ گِل کاروں کے احاطوں میں لکڑی کے چاک گھومتے جن پر کوزے، صراحیاں، ہانڈیاں اور مٹکے وغیرہ ڈھالے جاتے۔ غریب سنگتراش اپنے مکانوں میں چھینیاں اور ہتھوڑیاں لئے سارا دن ''ٹھک ٹھک'' کرتے اور دیوی دیوتاؤں کی چھوٹی بڑی مورتیاں تراشتے رہتے جنہیں بیچ کر وہ اہل و عیال کا پیٹ پالتے تھے۔ یہاں پتھر، لوہے اور لکڑی کی کلوں کے ذریعے بیجوں سے تیل نکالا جاتا اور بڑے بڑے کپّوں یا مٹکوں میں بھر کے منڈیوں میں بھیجا جاتا تھا۔ خاص طور پر روغنِ زیتون کے ٹھیکے دار خوب مال کماتے تھے۔

جگہ جگہ شراب کشید کرنے کی بھٹیاں بھی تھیں۔ کھجور کی سستی شراب کے علاوہ انگور، سیب اور جو کی شرابیں تیار کی جاتی اور باہر بھی بھیجی جاتی تھیں۔ بڑے بڑے مٹکوں میں شرابوں کے لاہن تیار کئے جاتے اور خمیر اُٹھائے جاتے جن کی سڑاند دُور دُور تک پھیلی رہتی۔ ان بستیوں میں شراب خانے میں تھے جہاں کاریگر اور محنت کش مزدور کھجور کی سستی شراب پی کر خوب اودھم مچاتے۔ ان لوگوں کے اپنے مندر، اپنے معبد اور اپنے معبود تھے۔ وہ مندروں میں بڑی عقیدت سے حاضری دیتے، منتیں مانتے، چڑھاوے چڑھاتے اور کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں سے ڈرتے بھی تھے کیونکہ یہی لوگ اُن کی اُخروی نجات کے ٹھیکیدار سمجھے جاتے تھے۔

ان آبادیوں میں بردہ فروشی کے اڈے بھی تھے جہاں اکثر غل غپاڑہ رہتا۔ مختلف علاقوں اور شہروں سے لائی ہوئی لڑکیاں، عورتیں، لڑکے بالے، جوان، بوڑھے بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت ہوتے تھے۔ بردہ فروشوں کے دلّال اور اعلانچی بکاؤ لڑکیوں اور عورتوں کے ایک ایک عضو کی تعریف کرتے، جسمانی خصوصیات کے گُن گاتے اور نہاں درنہاں ترغیبات کا اظہار ایسے لذت انگیز پیرائے میں کرتے کہ سننے والے لٹو ہو جاتے۔

یہ تھا بابل کی مضافاتی بستیوں کا ایک ہلکا سا نقشہ اور تہذیب و معاشرت کی ایک جھلک جس کے افسانے دُور دُور تک مشہور تھے۔ مہرتاب نے بھاگتے ہوئے رتھ میں مزدوروں، محنت کشوں، مجبوروں اور غلاموں کی زندگی کے کئی پہلو دیکھے اور گہری سوچ میں گم ہوگیا۔ بابل کے اکدی اور کلدانی شہنشاہوں نے ماضی میں فاتحانہ یلغاریں کیں اور غیر قوموں کو اپنی غلامی کے طوق پہنائے تھے۔ مردوک کی ''مذہبی رہنمائی'' میں انہوں نے کئی قوموں کے معبودوں اور

دیوتاؤں کو شکستیں دے کر اپنا غلام بنا لیا اور مختلف ملکوں، مختلف علاقوں سے لونڈی غلاموں کو اسیر کر کے بابل میں ہانک لائے تھے جہاں ان سے جبری مشقت لی جاتی۔ وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا اور معمولی سی خطا پر اُن کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں۔ یوں تو شام کے اشوری، ارضِ حجاز کے عرب[1]، عراقِ عرب کے قبائل، یہودیہ و سامریہ کے عبرانی اور کئی دوسرے علاقوں کے باشندے اُن کی فاتحانہ تاخت کا شکار ہوئے لیکن یہودیوں پر سخت مظالم توڑے جاتے اور اُن کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی جنہوں نے عظیم بخت نصر کے زمانے میں تین بار بغاوت کی اور جب سے انہیں غلام بنا کر بابل اور دوسرے مقامات پر رکھا گیا تھا۔ وہ اپنی رہائی کے لئے سازشیں کرتے اور خفیہ تنظیمیں[2] بنا کر غیر ملکیوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ریموت کے جاسوس اور حنانی کے خفیہ گماشتے زیادہ تر بنی اسرائیل ہی کی ٹوہ میں رہتے تھے لیکن دوسری نسل کے جوان ہونے تک اب کلدانیوں کو بھی ان سے پہلی سی نفرت نہیں رہی تھی کیونکہ کلدانی استعمار نے دوسری قوموں اور حکومتوں کو تہس نہس کر کے جو کثیر دولت لوٹی وہ بابل کے شاہی خزانے میں جمع ہوئی یا چند بڑے فوجی سرداروں، بڑے بڑے جاگیرداروں اور ان کے خاندانوں کے حصے میں آئی تھی اور کلدانی عوام کو بجز اس افتخار کے کچھ حاصل نہ ہوا کہ وہ ایک ایسی فاتح اور استعماری قوم کے افراد ہیں جس نے غیر قوموں اور غیر ملکی معبودوں پر مردوک کی عظمت مسلط کر دی ورنہ اُن کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی محرومیوں، مشکلوں اور پریشانیوں کی ایک طویل داستان تھی۔

مہرتاب جس کا ذہن مضافاتی آبادیوں میں الجھ کر رہ گیا تھا، سوچنے لگا کہ دنیا کے ہر ملک،

1۔ بخت نصر جن عرب قبائل کو گرفتار کر کے لایا انہیں انبار (شطِ فرات) میں ٹھہرایا بعد ازاں حیرہ میں منتقل کر دیا گیا۔ مگر بخت نصر کی وفات کے بعد وہ پھر انبار میں آ گئے۔ ان میں بنو اسماعیل اور بنو معد کے آدمی بھی آ کر شامل ہو گئے۔ (طبری، ابنِ اثیر، ابنِ خلدون)

2۔ فری میسن یہود کی خفیہ تنظیم تھی۔ فری میسنوں کی کتاب "سیکرٹ سوسائٹیز آف دی ورلڈ" (دنیا کی خفیہ تنظیمیں) جلد اول کے مطابق یہ خفیہ تنظیمیں حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں قائم ہو گئی تھیں۔ بابل کے دورِ غلامی میں بھی یہود کی یہ خفیہ تحریک سرگرمِ عمل تھی اور انہوں نے کورش سے خفیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ بابل پر حملے کے وقت وہ اندر سے اس کی مدد کریں گے۔ (مسٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ، جیوئش انسائیکلوپیڈیا، انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا)

ہر علاقے، ہر شہر میں غریبوں کی زندگی یکساں ہوتی ہے مگر بابل کا معاملہ کچھ مختلف بھی تھا اور ٹیڑھا بھی۔ یہاں معاشرہ کئی طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ زندگی کی ہر آسائش، ہر راحت شاہی خاندان، بڑے بڑے شیوخ، بزرگانِ دین، جاگیرداروں اور اُن کے گماشتوں کے لئے وقف تھی اور ہر محرومی، ہر ذلت مزدوروں، محنت کشوں اور غریبوں کے حصے میں آئی تھی۔ بڑے بڑے طبقوں میں دولت کی فراوانی تھی، عیاشی تھی، عیش پسندی تھی اور چھوٹے طبقے کے لوگ دن بھر کڑی محنت کرتے، راحت و آسائش کو ترستے، تڑپتے اور رات کو تھکن سے نڈھال ہو کر یا سستی شراب پی کر سو جاتے تھے۔ اگر اشوری اور عبرانی غلام جبری بیگار میں کلدانی افسروں اور سپاہیوں کے کوڑے کھاتے، ہڈیاں تڑواتے اور درد سے کراہتے تو کالدیا کے محنت کش عوام کی زندگی بھی زخموں سے چور تھی۔ وہ بھی طبقۂ امراء کی رعونت اور نفرت کا شکار تھے اور اُن کے استحصالی طرزِ فکر سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ متعدد کلدانی ریاستوں اور شہروں کا کورش کا حلقہ بگوش ہو جانا اس امر کا بیّن ثبوت تھا۔

بابل میں غریبوں اور غلاموں پر اتنے ظلم ڈھالے جا چکے تھے جنہیں دیکھتے دیکھتے آسمان کی بوڑھی آنکھیں بھی تھک گئی تھیں۔ یہ سرزمین جو "مملکتوں کی خاتون" کہلاتی، اپنی حشمت اور شہوت انگیز جوانی کے دن پورے کر چکی اور اب ایک بیسوا کی طرح سرِ بازار کھڑی شاہ بنونید اور میرودیخ بیلشازار کے جوئے سے آزاد ہونا چاہتی تھی۔ مہرتاب بابل میں اسی جوئے کی رسیاں کاٹنے آیا تھا اور اس کی کامیابی کا انحصار اس خفیہ منصوبے کی تکمیل پر تھا جس کے لئے وہ سولہ روز سے مسلسل ہاروت ماروت کی تلاش میں تھا مگر بابل میں آتے ہی غیر ارادی طور پر اس عورت سے ٹکرا گیا جس کا حُسن اُس کے ارادوں کو متزلزل کئے دے رہا تھا جو اس وقت بھی رتھ میں پہلو بہ پہلو، شانہ بہ شانہ کھڑی اُسے کسی اور ہی اُفق کی طرف اُڑا لے جانا چاہتی تھی اور وہ اس حسین قربت سے بچنے کی خاطر مضافاتی بستیوں کے نظاروں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو اس کے ذہن پر احساسات کی مختلف تصویریں، مختلف لکیریں کھینچتے ہوئے گزرتے جا رہے تھے۔

اُونچی نیچی جگہوں پر جب رتھ ہچکولے کھاتا یا گھوڑے کوئی موڑ کاٹتے تو اُن کے جسم باہم ٹکرا جاتے اور جوان جسموں کی حرارت سے خون میں شعلے سے لپک جاتے۔ یہ ٹکراؤ، یہ تصادم زندگی کا ایک نیا کھیل تھا یا ایک نئی داستانِ محبت کا آغاز جس کے مناظر تبدیل نہ ہو سکتے تھے۔ بیدخت بار بار مہرتاب سے ٹکراتی اور اس کے خیالات کا سلسلہ بار بار درہم برہم ہو جاتا۔ گھنی

آبادیوں کے حلقے پیچھے رہ گئے۔ اب نقرہ گھوڑے ویران سڑک پر ہوا سے باتیں کرتے اُڑے جارہے تھے اور عصر کی زرد دُھوپ میں اُن کی سفید ایالیں چاندی کے تاروں کی مانند چمک دمک رہی تھیں کہ اچانک نہر کے پُل پر بھیڑوں کے ایک ریوڑ سے بچنے کی خاطر شنکر نے گھوڑوں کی لگامیں یک لخت اس طرح کھینچیں کہ بیدخت سنبھلنے کی کوشش کے باوجود اپنے مہمان کی آغوش میں آگری مہرتاب کو بھی بالکل غیر اختیاری طور پر اُسے مضبوط بازوؤں کے حلقے میں تھام لینا پڑا کیونکہ گھوڑوں کے الف ہوتے ہی رتھ پیچھے کی طرف جھک گیا تھا اور اگر مہرتاب جلدی سے بیدخت کو اپنے بازوؤں میں تھام نہ لیتا تو یقیناً وہ زمین پر گر گئی ہوتی۔

اس حسین حادثے نے جس میں ارادے کا کوئی دخل نہ تھا بہت سے طویل فاصلے ایک ہی لمحے میں ختم کر دیئے۔ اب مہرتاب سوچ رہا تھا کہ زہرہ جمال کی صورت میں اُس نے پوری کائنات کے حُسن کو تمام رعنائیوں اور لطافتوں کے ساتھ اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا ہے اور بیدخت اس احساس سے دیوانی ہوئی جارہی تھی کہ جس طرح مہرتاب نے اُسے رتھ میں گرنے سے بچالیا ہے اسی طرح وہ زندگی کے ہر موڑ پر اسے سنبھالتا اور گرنے سے بچاتا رہے۔ اس اتفاقیہ حادثے کے دوران دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

بیدخت کی آنکھیں بول رہی تھیں۔ ''میں تم پر مرمٹی۔''

مہرتاب کی نظریں کہہ رہی تھیں۔ ''میں تمہارا ہو گیا۔''

اس سانحے کو صرف چشم فلک نے دیکھا یا پھر شنکر نے جو فوراً ہی رتھ سے کود گیا اور دیکھنے لگا کہ کہیں رتھ کا دُھرا تو نہیں ٹوٹ گیا۔ مگر دونوں پہیوں کے درمیان ہر شے سلامت تھی اور ادھر رتھ کے اندر وہ دونوں بھی اپنے آپ کو ''محفوظ اور سلامت'' ہی سمجھ رہے تھے۔ پھر مہرتاب نے دلی خواہش کے خلاف گرفت ڈھیلی کر دی اور بیدخت نہ چاہتے ہوئے بھی کسمسا کر اس کے بازوؤں کے حلقے سے نکل آئی۔ ہم آغوشی کے حسین لمحے بہت مختصر تھے مگر اس کے لئے وہ دونوں دل ہی دل میں شنکر کے ممنون تھے جس نے پُر کیف موقع فراہم کیا۔

شنکر نے رتھ بے وجہ نہیں روکا تھا۔ نہر کے دوسرے کنارے پر چند کھیت مزدور لمبے بانسوں اور بلّیوں سے بندھی چوبی بالٹیوں کے ذریعے نہر سے پانی نکال کر کھیتوں کو سیراب[1] کر رہے تھے اور بھیڑوں کا ریوڑ کھالے سے پانی پی رہا تھا کہ ناگہاں ایک چوبی بالٹی بلّی سے ٹوٹ

۱ فرات کی نہروں سے پانی نکالنے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کا یہی طریقہ تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈ لیم)

کر گری اور اس کے دھماکے سے بھیڑیں خوفزدہ ہو کر سیدھی پُل کی طرف بھاگی تھیں۔ اگر شنکر نے فوراً ہی گھوڑوں کی لگامیں پوری قوت سے نہ کھینچ لی ہوتیں تو یقیناً کئی بھیڑیں اُن کی لپیٹ میں آکر کچلی جاتیں۔

گڈریے نے لپک کر بھیڑوں کو پُل سے ایک طرف ہانک دیا۔ نہر سے پانی کھینچنے والے کھیت مزدوروں نے بھی حیرت و تعجب کی نظروں سے بابل کی سب سے حسین عورت کو ایک اجنبی مرد کے پہلو بہ پہلو دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے کیونکہ شنکر کے اشارے پر گھوڑوں نے پھر طرارہ بھرا اور نہر کا پُل عبور کر کے فرات کے اُونچے بند کی طرف ہو لئے جس کی ایک طرف خاکستری ٹیلے تھے اور دوسری جانب بہت دُور ملاحوں اور ماہی گیروں کی بستی جسے مہرتاب نے پراتو مندر کے بلند برج سے پہچان لیا۔

گڈریا اور کھیت مزدور بیدخت کو اجنبی مرد کے ساتھ دیکھ کر نہ جانے کیا سوچتے ہوں گے۔ انہیں تو ان بستیوں کے لوگوں نے بھی نہیں دیکھا تھا جن کے درمیان سے وہ پرانی داستانوں کے دو عشقیہ کرداروں کی طرح گزرے تھے اور کیا معلوم اُن کے ذہنوں میں کیسے کیسے خیال مچلے ہوں گے۔ زبانوں پر کیا کیا کہانیاں آئی ہوں گی مگر وہ سب کہانیوں، سب افسانوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ آئے تھے کیونکہ بیدخت خود ایک ''داستانِ رنگین'' تھی۔ مہرتاب خود ایک ''فسانۂ اسرار'' تھا۔

سمیریوں[1] کی دو قدیم قربان گاہوں کو چھوڑ کر جو گاؤ دُم میناروں کی شکل میں تعمیر کی گئی تھیں اور جن کی بلندی پر پہنچنے کے لئے سیڑھیوں کی بجائے چکر دار پگڈنڈیاں اُوپر جاتی تھیں شنکر نے رتھ اُس نخلستان میں روک دیا جو دریا کے بند کے ساتھ ساتھ قریباً نصف میل تک پھیلا ہوا تھا۔

ڈھلتے سورج کی روشنی میں درختوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے اور ان کی چھتریوں کی چھاؤں پھیل گئی تھی۔ فرات کے کنارے یہ نخلستان ایک گوشۂ فرحت تھا مگر شہر سے دور ہونے کے باعث یہاں سیر و تفریح کرنے والوں کا ہجوم نہ تھا۔ صرف وہی متوالے جوڑے ادھر کا رُخ کرتے جو تنہائی کے طلب گار ہوتے۔ بیدخت نے بھی فرات کے اس حصے کو شاید اسی لئے پسند

۱ سمیری چار ہزار سال قبل مسیح عراق میں داخل ہوئے۔ عبادت کے لئے اُونچی اُونچی قربان گاہیں بنائیں مگر سیڑھیاں بنانے کا فن نہیں جانتے تھے۔ عبادت گاہوں کی چوٹی پر آگ روشن کرنے کے لئے ایک منزل سے دوسری منزل تک ڈھلوان پیچ دار پگڈنڈیاں بناتے تھے۔ (ہینڈرک وان لون)

کیا تھا کہ یہاں تنہائی تھی، خاموشی تھی اور اس پُرسکون فضا میں وہ مہرتاب کو اپنے دل کی دھڑکنیں سنانا اور اس کے دل کی دھڑکنیں سننا چاہتی تھی۔

رتھ سے اتر کر دونوں نخلستان کے ٹھنڈے سایوں سے گزرتے دریا کے بند پر آ گئے جس کی پٹی سرخ پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی۔ فرات کا پاٹ کسی سمندری کھاڑی کی طرح چوڑا تھا۔ اس ایک میل چوڑے پاٹ کے دوسرے کنارے دوسرا شہر، دوسرا بابل زرد سورج کی روشنی میں خوابوں کے طلسمی شہر کی طرح چمک رہا تھا۔

ساحلوں پر ایک طرف پتھروں کا بہت بڑا چبوترہ تھا جس کے وسط میں سنگِ مرمر کی ایک چوکور لاٹ ایستادہ تھی۔ اس لاٹ پر چاروں اطراف آرامی زبان میں عظیم بخت نصر کی فتوحات کی تاریخ رقم تھی جو اشوریوں، یہودیوں، عربوں، مصریوں اور بعض دیگر اقوام پر حاصل کی گئی تھیں تاکہ لوگ ان کتبوں کو پڑھیں اور کلدانی شہنشاہ کے کارناموں کو یاد رکھیں۔ چبوترے کی لمبی لمبی سیڑھیاں دریا کے پانی میں اترتی تھیں۔ بیدخت مرمر کی لاٹ کے قریب سے نکلتی سیڑھیوں کی طرف بڑھی مگر مہرتاب وہیں رک کر تاریخی کتبہ پڑھنے لگا۔ بیدخت پوری سات سیڑھیاں اتر چکی تھی کہ پلٹ کر بولی۔

"رک کیوں گئے؟"

"کتبہ پڑھ رہا ہوں۔"

"مر جانے کے بعد یہ لاٹیں اور کتبے ہی بادشاہوں کی نشانی رہ جاتے ہیں۔"

"ہر کتبہ اصل میں طاقت ور شہنشاہوں کی عظمت اور کمزور قوموں کی ذلت و غلامی کی دستاویز ہوتا ہے۔"

"تم اسے غلامی کی دستاویز کہتے ہو؟" بیدخت سیڑھیاں چڑھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"یہ لاٹ عظیم بخت نصر کی بہادری اور فتوحات کی یادگار ہے۔"

"جس نے تلوار سے لوگوں کے سر جھکائے۔ جو جھک نہ سکے انہیں کاٹ دیا۔"

"سرکشوں کو زیر کرنے کے لئے تلوار چلانا ہی پڑتی ہے۔"

"تلوار سے لوگوں کو غلام تو بنایا جا سکتا ہے وفادار نہیں۔"

"وفادار کس طرح بنایا جاتا ہے؟"

"محبت سے، مہربانی سے، حُسنِ سلوک سے۔"

بیدخت نے اُسے حیرت کی نظروں سے دیکھا پھر کسی خیال میں کھو گئی اور اُداس لہجے میں بولی۔ "میری ایک 'پیاری' بھی تمہاری طرح باتیں کرتی تھی۔"

"تھی ــــ سے کیا مطلب؟"

"کبھی میری 'پیاری' تھی، آج کل نہیں۔ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔"

"اُس کا نام آموسی ــــ نورنا ہید تو نہیں؟"

زہرہ جمال کی حیرانی قابل قدر تھی ــــ "تمہیں کیا معلوم اُس کا نام آموسی ہے؟"

مہرتاب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اُسے بیدخت کے سامنے آموسی کا نام نہیں لینا چاہئے تھا۔ ٹالنے اور اُلجھانے کی خاطر کہنے لگا۔ "میں نے کہا تھا نا جو کچھ میں جانتا ہوں، دوسرے نہیں جانتے۔"

"اور کیا جانتے ہو اس کے بارے میں؟"

"وہ آج بھی تم سے محبت کرتی اور ملنا چاہتی ہے مگر ستارے اُسے ملنے نہیں دیتے۔"

"اچھا ــــ کچھ اور ــــ؟"

"اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

بیدخت بے اختیار مسکرا دی۔ "کیا ہے میرے دل میں؟"

مہرتاب نے آموسی کی زبان سے سنا ہوا فقرہ دہرا دیا۔ "تم چاہتی ہو کہ دیویوں کی طرح تمہاری پرستش کی جائے۔"

زہرہ جمال کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی، چہرے پر حیرت اور فکر کے سائے گزر گئے جیسے مہرتاب نے کوئی دُکھتی رگ چھیڑ دی ہو ــــ "انتھیا کی قسم! تم اس آدمی سے زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہو جسے دیکھ کر مقدس گوما کی زبان کھل گئی ہے۔"

اچانک مہرتاب کو گفتگو کا نیا موضوع مل گیا۔ "ارے ہاں، وہ آدمی ــــ کیا کہتی ہو اس کے بارے میں؟"

"وہ میرا حریف بن کر آیا ہے۔"

"قتل کر دوں؟" مہرتاب نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"شاید اب یہی کرنا پڑے۔ ہم دو میں سے صرف ایک کو زندہ رہنا ہو گا مجھے ــــ یا ــــ اُسے۔"

مہرتاب حیران رہ گیا۔ "پرسوں تم اُس کے قتل پر تیار نہ تھیں۔"

"ستاروں کی گردش بدلتی رہتی ہے اور اس کے ساتھ انسانوں کی قسمت بھی۔"

"جانتی ہو مقدس گوما نے کیا کہا تھا اُس کے بارے میں۔" بیدخت کھڑی اُسے دیکھتی رہی اور مہرتاب نے انکشاف کیا۔ "گوما نے کہا تھا وہ ستاروں کا فرزند ہے۔"

"مگر تم اس کے خلاف میری مدد کرنے کا وعدہ کر چکے ہو۔"

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔"

"اور تم نے میری ہر خواہش، ہر آرزو پوری کرنے کا قول دیا تھا۔"

"تم کوئی خواہش بیان بھی کرو۔"

"میں کیسے یقین کر لوں مہرتاب! کہ تم میری خواہش پوری کرو گے، تم نے تو مجھے اپنی مرضی کا پابند کر لیا ہے۔ مگر ابھی تک ہمارے دستور کے مطابق اپنی وفاداری کی قسم نہیں کھائی۔"

ابھی بیدخت کے ہونٹوں پر بات ختم نہ ہوئی تھی کہ مہرتاب نے کمر سے خنجر نکالا اور اپنی کلائی میں گھونپ لیا۔ گرم گرم، جیتے جیتے لہو کی سرخ دھار بہہ نکلی۔ اس نے دایاں ہاتھ اپنے ہی خون میں رنگ لیا اور وہی خون بیدخت کی پیشانی پر مل کر بولا۔ "اپنے اسی خون کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری ہر تمنا پوری کروں گا۔"

"ہر تمنا ____؟" بیدخت خوشی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"ہاں، جو کچھ تم کہو گی، جو کچھ تم چاہو گی، وہی ہوگا۔ اب تو تمہیں میرے وعدے پر یقین ہے؟"

بیدخت نے بے خودی ہو کر اُس کا خون آلود ہاتھ چوم لیا پھر اپنے سیاہ ریشمی بالوں کی ایک لٹ سے اس کی کلائی کا خون پونچھنے لگی۔ جب بالوں کی لٹ لہو میں تر ہو چکی تو خون سے بھیگی ہوئی زلف اپنے عارض پر لہرائی اور پُرعزم لہجے میں بولی۔ "میں بھی تمہارے ہی لہو کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میری محبت تمہارے لئے، صرف تمہارے لئے ہوگی۔"

پھر بجلی کے کوندے کی طرح مہرتاب کے خنجر کی دھار اُس کی پیشانی کے سامنے چمکی اور اسی ساعت آفریدہ جمال بیدخت کی وہ زلف کٹ کر مہرتاب کے ہاتھ میں آ گئی۔

دستورِ بابل کے مطابق انہوں نے ایک دوسرے سے باقاعدہ پیمانِ محبت باندھ لیا تھا۔ مگر یہ حسین اور عہد آفرین واقعہ کچھ اس طرح اچانک اور ناگہاں ظہور میں آیا کہ کسی کو سوچنے، سمجھنے کا

موقع ہی نہ مل سکا۔ شاید وہ مستقبل کے بارے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ عشق، عقل و فکر کی نارسا قوتوں سے دور رہنا چاہتا ہے۔

بیدخت کے رویے میں ایک عجیب سی تبدیلی آ گئی اور اُسے یوں دیکھ رہی تھی، جیسے گوہرِ مقصود ہاتھ آ گیا ہو۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم میرے لئے اتنا بڑا عہد کرو گے۔"

"مجھے بھی یقین نہ تھا کہ تم اپنی محبت میرے لئے وقف کر دو گی۔"

"آؤ تمہارے زخم پر پٹی باندھ دوں۔"

بیدخت اُس کا زخمی بازو تھام کر چبوترے کی سیڑھیاں اُترنے لگی اور اس کے ساتھ نچلی سیڑھی پر آ بیٹھی جسے دریا کی لہریں چھوتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ اس نے مہرتاب کا زخم دھو کر پٹی باندھی پھر دونوں دریا کے پانی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ بیدخت اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔ "ہم نے یہ مقدس عہد فرات کے کنارے باندھا ہے۔"

یہ بات سن کر مہرتاب چونک سا گیا اور اُسے یاد آیا کہ فرات اس مقدس دریا کی چار شاخوں (فیسون، دجلہ، جیحون اور فرات) میں سے ایک شاخ، ایک ندی کا نام ہے جسے خدا نے ابتدائے آفرینش میں "باغِ حیات" کو سیراب کرنے کے لئے جاری کیا تھا کیونکہ لکھا ہے:

"چوتھی[1] (ندی) کا نام فرات ہے اور خداوند خدا نے آدم کو لے کر باغِ عدن میں رکھا کہ اُس کی باغبانی اور نگہبانی کرے۔"

انہوں نے دریائے فرات ہی کے کنارے محبت کے عہد و پیمان کئے تھے۔ یہ ایک اور عجیب واقعہ ہوا تھا۔ اب دونوں اُسی دریا کے زینے پر بیٹھے محسوس کر رہے تھے جیسے صدیوں سے بلکہ ابتدائے آفرینش سے جب یہ حسین کائنات تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی اور فرات "باغِ حیات" کو سیراب کرنے کے لئے جاری ہوا تھا، وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں حالانکہ ان کی ملاقات کو ابھی تیسرا ہی دن تھا۔

1۔ عہد نامۂ قدیم، کتاب پیدائش باب 2۔

(14)

پہلی خواہش

◎

فرات ـــــ جس نے مغربی ایشیا میں بیسیوں تہذیبوں کو جنم لیتے، پروان چڑھتے، دم توڑتے ہوئے دیکھا تھا جو شام و عراق کے سینکڑوں پُراسرار اور محیر العقول واقعات کا شاہد تھا جس کے ساحلوں پر عشق و محبت کے اَن گنت، اَن کہے افسانے بکھرے تھے، ڈھلتے سورج کی روشنی میں رواں دواں تھا اور اب تاریخِ محبت کے سب سے عظیم واقعہ، انسانی عشق کی سب سے بڑی داستان کو معرضِ وجود میں آتے ہوئے دیکھ رہا تھا

چند لمحے تصورات میں گم رہنے کے بعد مہرتاب نے پوچھا۔ ''اب بتاؤ، تمہاری وہ کون سی خواہشیں ہیں جو مجھے پوری کرنا ہوں گی؟''

بیدخت نے جادوگر آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''صرف تین خواہشیں ہیں میری۔''

مہرتاب ہمہ تن گوش ہوگیا اور وہ اپنی پہلی خواہش بیان کرنے لگی۔

''تم سوچ رہے ہوگے شاید میں حکومت کی خواہش رکھتی ہوں اور فرمائش کروں گی کہ شاہ بنونید اور اس کے ولی عہد بیلشازار کو قتل کر کے تاجِ شاہی میرے سر پر رکھ دو تا کہ میں ملکہ سمیرامیس کی طرح اس عظیم سلطنت پر اپنا حکم نافذ کرسکوں۔ مگر مجھے تاج و تخت سے کوئی دلچسپی نہیں، میں باغاتِ معلقہ میں کسی ملکہ اور شہزادی کی طرح شان و شوکت کی زندگی بھی پسند نہیں کرتی کیونکہ خود بابل کی شہزادیوں سے بڑا مرتبہ رکھتی ہوں۔ مجھے سونا چاندی، ہیرے موتی، لعل و جواہر نہیں چاہئیں عورتیں جن کی طلب گار ہوتی ہیں ـــــ میں تو صرف اطلس کی ایک پرانی اور بوسیدہ سی قبا حاصل کرنا چاہتی ہوں جس کی قیمت سونے کے چند چھلّوں سے زیادہ

نہیں ہوگی۔''

مہرتاب یہ عجیب و غریب خواہش سن کر حیران رہ گیا۔ ''صرف اطلس کی بوسیدہ قبا؟''

''قبا صدیوں پرانی ہے اس لئے بوسیدہ ہی ہوگی مگر اتنی معمولی بھی نہیں ہے کہ آسانی سے ہاتھ آجائے۔''

''مگر ہے کہاں؟''

''وہ بابل کے قدیم شہنشاہ یوسیفر[1] کے خفیہ نوادرات میں شمار ہوتی ہے اور آج کل شاہ بنونید کی میراث سمجھی جاتی ہے۔ اسے بڑی حفاظت سے شاہی نوادرات کے تہہ خانے میں رکھا گیا ہے مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ بادشاہ بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اُسے تو یہ بھی علم نہیں کہ اس کے خزانے میں ایسی کوئی قبا ہے بھی یا نہیں؟''

''اور تم اس قبا کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو؟''

''ہاں ـــــ کیونکہ مجھے اُس قبا کی طلب ہے اور انسان جس چیز کی خواہش رکھتا ہے اس کے بارے میں معلومات بھی حاصل کر لیتا ہے۔''

''جب تمہارے بقول بنونید کو بھی اُس قبا کا علم نہیں جو قدیم نوادرات پر جان دیتا ہے تو یقیناً وہ کسی خفیہ مقام پر پوشیدہ ہوگی ـــــ''

''تمہارا خیال درست ہے۔''

''تو اب وہ جگہ بھی بتادو جہاں سے اُسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔''

بیدخت ایک لحظہ رُک کر کہنے لگی۔ ''قلعہ اساگیلہ میں ایک تہہ خانہ تو ''دیوتاؤں کا زندان'' کہلاتا ہے جہاں غیر ملکی معبود بند ہیں مگر دوسرا تہہ خانہ ''ایوانِ ماکلوب[2]'' کے نیچے ہے جس میں

1۔ شاہ یوسیفر نے علم ہیئت پر خصوصی توجہ دی اور سات ستاروں کے، جنہیں اہلِ بابل آسمانی دیوتا سمجھتے تھے علاحدہ علاحدہ بُت بنوائے اور انہیں ''سیارگانِ الوہیت'' قرار دیا یعنی یہ ستارے خدائی میں شریک تھے۔ یوسیفر ہی نے ستاروں کی منزلیں اور برج تحقیق کئے اور ستاروں کا فلسفہ ایجاد کیا تھا۔
(پریڈگس رومن ہسٹری از سترابو، تاریخ بابل و نینوا)

2۔ ایوانِ ماکلوب جسے مؤرخ میجولائٹ یا میجولائب بھی کہتے ہیں، عماراتِ شاہی میں سب سے اعلیٰ اور ہیکل بل کی طرح وسیع و عریض تھا۔ ماکلوب کے احاطے کا گھیر ایک میل پیمائش کیا گیا تھا۔ بلندی 160 فٹ تھی۔ مختلف اطراف میں دالان، گزرگاہیں اور کمرے تھے۔ (باقی اگلے صفحے پر)

سلطنت بابل کے قدیم نوادرات، نمرودوں کی قیمتی یادگاریں، مفتوحہ ملکوں سے ہاتھ آنے والے جواہرات، سکے، بادشاہوں کے زرّیں تاج، بازو بند، شاہی زیورات، ڈھالیں، تلواریں، خنجر اور قیمتی ظروف محفوظ ہیں۔ عبرانیوں کے سونے چاندی کے وہ ظروف بھی اسی تہہ خانے میں ہیں جنہیں عظیم بخت نصر یروشلم کی ہیکلِ سلیمانی کو تباہ و برباد کر کے لوٹ لایا تھا۔ ایوانِ ماکلوب کا تہہ خانہ کئی سلطنتوں، کئی قوموں، کئی بادشاہوں کے خزانوں کا ذخیرہ ہے جنہیں بابل کے حکمرانوں نے مختلف زمانوں میں لوٹا ہے۔ اسی تہہ خانے کے ایک کمرے میں جو شاہی خزانے کے بالمقابل واقع ہے اور جس پر یوسیفر کے نام کی لوح آرامی زبان میں آویزاں ہیں کیونکہ تہہ خانے کے کمروں پر مختلف ناموں کی یہ لوحیں شاہ بنونید نے ہی لگوائی ہیں۔ شاہ یوسیفر کے فلکیاتی نوادرات محفوظ ہیں۔ جب تم اس کمرے میں داخل ہو گے جس کی دیواروں پر بروجِ آسمانی کی شکلیں اور ستاروں کی منزلوں کے نشانات کشیدہ ہیں تو وہاں بہت سے عجائباتِ فلکی اور آسمانی دیوتاؤں کے مجسّمے دیکھو گے مگر تمہاری توجہ عطارد دیوتا کے اس مجسّمے پر ہونی چاہئے جو اس کمرے کے وسط میں ایستادہ ہے۔ دیوتا کے شکم میں، جسے تم اُس کی ناف کے سوراخ میں کوئی کیل یا تار ڈال کر کھول سکتے ہو، ساگوان کی ایک صندوقچی رکھی ہے۔ بس تم وہ صندوقچی اٹھا لاؤ گے کیونکہ مطلوبہ قبا اسی کے اندر بند ہے۔''

یہ تفصیلات بیان کرنے کے بعد بیدخت نے مہرتاب کی طرف یوں دیکھا جیسے اس نے سارا معاملہ حل کر دیا ہو اور اب ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے میں گھس کر صرف ساگوان کی صندوقچی اُڑا لانے کا معمولی سا کام باقی رہ گیا ہو۔ مہرتاب اُس کی معلومات پر حیران تھا۔ اگرچہ زہرہ جمال نے اُس کی راہ نمائی کے لئے پوری تفصیل سے کام لیا پھر بھی وہ مزید معلومات چاہتا تھا۔

''تہہ خانے کا راستہ کس کمرے سے نکلتا ہے؟''

(بقیہ حاشیہ صفحہ 183) نمرود اول کے بعد شاہ یوسیفر اسی محل میں قیام کرتا تھا۔ اس ایوان کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب سکندرِ اعظم کے نائب ویمیطریس نے بابل پر حملہ کیا تو اُس کے کمروں میں دس ہزار یونانی سپاہیوں کو ٹھہرایا گیا۔ (پریڈگس رومنس ہسٹری از اسٹرابو، سر رابرٹ پورٹر کا سفرنامۂ فارس و بابل، بکنگھم ٹریوس کا سفرنامۂ میسوپوٹیمیا، ''تحقیقات بعد زوالِ بابل'' انگریز سیاہ مسٹر رج کا سفرنامہ)

''ایوانِ ماکلوب کے بڑے ہال کی مغربی سمت ایک عام سا کمرہ ہے۔ تہہ خانے کا خفیہ دروازہ اسی کمرے میں ہے جو ایک کل کو حرکت دینے سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ اس کل کی زنجیر طوق کی طرح شوشان کے بدصورت دیوتا شوشنیک کی گردن میں پڑی رہتی ہے۔ زنجیر کھینچنے سے دیوتا کا منہ مُڑ جاتا اور خفیہ دروازہ کھل جاتا ہے جو تمہیں ایک سرنگ نما ڈھلان راستے سے زمین دوز عمارت میں لے جائے گا۔ مگر تہہ خانے میں داخل ہونا ہی تو مشکل ہے کیونکہ کئی غلام اس کمرے پر پہرہ دیتے ہیں جن میں شوشان کا دیوتا تہ خانے کے خفیہ دروازے کی حفاظت کرتا ہے۔''

''تہہ خانہ خالی کس وقت ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے شاہ بنونید اور شہزادی شمورہ کئی کئی روز تک وہاں اعتکاف میں بیٹھے رہتے ہیں۔''

''ارے نہیں ـــــ بادشاہ آج کل اعتکاف میں نہیں بیٹھتا۔ شہزادی شمورہ بھی بہت کم تہہ خانوں میں جاتی ہے۔ آج کل اُس کے دروازوں پر بھاری قفل پڑے رہتے ہیں۔''

''اور ان کی چابیاں؟''

شہزادی شمورہ کی تحویل میں رہتی ہیں۔ بادشاہ صرف اُسی پر اعتماد کرتا ہے۔''

''مگر شہزادی وہ چابیاں کہیں سنبھال کر رکھتی ہوگی؟''

''تم تو چاہتے ہو ہر بات میں ہی بتاتی چلوں اور تمہیں خود کچھ نہ کرنا پڑے۔ خیر سنو! شہزادی باغاتِ معلقہ میں رہتی ہے۔ اس کی تنہائی کی راتیں جن میں وہ تخلیۂ روح[1] کی ریاضت کرتی ہے، ایوانِ مکلوب ہی میں بسر ہوتی ہیں اور وہ اس کمرے میں قیام کرتی ہے جو بڑے ہال کے آگے واقع ہے۔ تہہ خانوں کی چابیاں بھی اسی کمرے میں رکھی جاتی ہیں مگر ایوانِ ماکلوب میں سخت پہرہ ہوتا ہے اور کوئی شخص شہزادی کے کمرے میں داخل نہیں ہو سکتا۔''

وہ بوسیدہ سی قبا جس کا ذکر سن کر مہرتاب حیران رہ گیا تھا کہ اس کا حاصل کرنا معمولی سا کام ہوگا اب ایک گنجینۂ اسرار نظر آنے لگی اور وہ محسوس کر رہا تھا اُس پرانی قبا کی شکل میں زہرہ جمال نے دراصل دوسرے آسمان کے ستارہ عطارد کو توڑ لانے کی فرمائش کی ہے جو ''دبیر فلک'' کہلاتا ہے۔ یہ کام انتہائی مشکل بھی تھا اور خطرناک بھی۔ کیونکہ ایوانِ ماکلوب تک رسائی ہی جان پر کھیلنے کی کوشش تھی۔ پھر کون جانتا ہے اگر وہ زمین دوز تہہ خانے میں گھسنے میں کامیاب بھی

[1] شہزادی شمورہ ''تنہائی کا عرفان'' حاصل کرنے کے لئے اکثر اعتکاف بیٹھتی تھی۔ (بحوالہ ہیرلڈلیم)

ہو گیا تو وہاں سے زندہ لوٹ سکے گا یا نہیں؟ اُسے خاموش دیکھ کر بیدخت نے کہا۔

''میں نہیں جانتی تم تہہ خانے کی چابیاں کس طرح حاصل کرو گے جنہیں شہزادی شمورہ اپنے سرہانے رکھ کر سوتی ہے اور میری مطلوبہ قبا کیسے نکال لاؤ گے جس کی مجھے تمنا ہے لیکن میں نے جگہ اور راستے کی نشاندہی کر دی ہے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ بعل[1] دیوتا کی طرح جو چوری چھپے صیدانیوں کی دیوی عستارات کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا، بے آواز قدموں سے شہزادی شمورہ کے کمرے میں گھس کر چابیاں اُڑا لو یا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرو۔ مجھے تو بس شاہِ یوسیفر کی وہ قبا چاہئے جسے میں ''عیدِ بیلس'' کے تہوار پر زیب تن کرنا چاہتی ہوں۔'' پھر وہ ہولے سے اُس کے قریب کھسک آئی اور بڑے پیار سے، بڑی ادا سے بولی۔

''تم میری یہ خواہش پوری کرو گے نا؟''

مہرتاب چپ چاپ اُس کی گفتگو سنتا رہا۔ وہ صریحاً اُسے چوری کی ترغیب دے رہی تھی۔ نہ صرف چوری بلکہ ڈکیتی کی۔ شمورہ کے کمرے میں چوروں کی طرح گھس کر چابیاں چرانا اور پہرے داروں کی نظروں سے بچ کر یا انہیں قتل کر کے تہہ خانے سے ساگوان کی صندوقچی اُڑا لانا گھٹیا سا کام تھا جو اس کی فطرت کے خلاف ہی نہیں بلکہ انتہائی خطرناک بھی تھا۔ اگر اس کوشش کے دوران وہ کلدانی محافظوں کے نیزوں کا شکار ہو گیا یا گرفتار کر لیا گیا تو کیا ہو گا؟

''ہو گیا کیا ____؟'' کوئی اس کے اندر سے بولا۔ ''اس جرم کی پاداش میں تم پر شاہی اصطبل کے بھوکے شیر چھوڑ دیئے جائیں گے یا تمہیں چاہِ بابل کے اجل گرفتہ اندھیروں میں پھینک دیا جائے گا جس کی تہہ تک گرنے سے پہلے ہی تمہاری روح قفسِ عنصری چھوڑ چکی ہو گی۔''

یہ اندرونی آواز خبردار کر رہی تھی کہ اگر اُس نے ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے میں گھس کر عطارد دیوتا کے پیٹ سے مطلوبہ قبا اُڑا لانے کی حامی بھر لی تو یقیناً کسی بہت بڑی مشکل میں پھنس جائے گا اور جو عظیم مقصد لے کر بابل میں آیا ہے، وہ پورا نہ ہو سکے گا۔ اُسے تو صرف اپنا فرض ادا کرتے ہوئے جان کا خطرہ مول لینا تھا مگر یہاں بیدخت پہلے ہی موت کے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کی ترغیب دے رہی تھی۔ کیا وہ اس کی بات قبول کر لے یا انکار کر دے؟ لیکن اب انکار کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ مہرتاب چند ہی لمحے قبل پیمانِ وفا باندھ چکا اور قول دے

1 ایک روایت کے مطابق بعل دیوتا چوری چھپے دیوی عستارات کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا۔
(عہد نامہ قدیم کتاب یسعیاہ)

چکا تھا کہ اس کی ہر آرزو، ہر تمنا، ہر خواہش پوری کرے گا اور ایک بار پھر اُسے ارضِ فرات کے غیب دان گوما کی باتیں یاد آ رہی تھیں جس نے تہدید کی تھی کہ وہ زہرہ جمال بیدخت سے دُور ہی دُور رہے جس کا حُسن انسان کے ارادوں کی شکست اور جس کا شباب دانش وروں کو بے وقوف بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔ ٹھیک ہی کہا تھا مقدس گوما نے۔ بابل کی سب سے خوب صورت عورت سے دل لگا کر، عہدِ محبت باندھ کر اس نے اپنے ساتھ اپنے مقصد، اپنے فرض کو بھی ہار دیا تھا۔

مہرتاب کو چُپ چُپ دیکھ کر بیدخت کے چہرے پر فکر و پریشانی کا سایہ گزرنے لگا۔ آنکھوں سے تشویش اور بے چینی سی جھانکنے لگی۔ تڑپ کر بولی۔ ''خاموش کیوں ہو گئے مہرتاب؟''

''سوچ رہا ہوں تم نے جو خواہش کی ہے اس سے مجھے یا تمہیں کیا فائدہ حاصل ہو گا؟''

''یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے؟''

''کیوں نہیں، اگر میں تمہاری مطلوبہ قبا چرانے کی کوشش میں جان سے مارا گیا تو تمہیں کیا مل جائے گا؟ اور اگر میں کسی نہ کسی طرح وہ قبا لے بھی آیا تو تمہارے کس کام آئے گی۔ کیا چوری کی قبا پہن کر تمہاری حیثیت میں کوئی غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا؟''

''اس کے لئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''مگر ہر خواہش کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ مقصد کے بغیر کسی چیز کی طلب کرنا تو محض دیوانگی ہے۔''

''تم نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ میں کسی مقصد کے بغیر ہی ایک چیز کی خواہش رکھتی ہوں؟ ____ ہے، ایک مقصد۔''

''مجھے اس سے آگاہ نہ کرو گی؟''

''وقت آنے پر تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ابھی اس کا اظہار مناسب نہیں۔ بس میں نے ایک خواہش بیان کی ہے اور اگر پوری نہیں کر سکتے تو صاف صاف کہہ دو۔''

مہرتاب نے اُس کے الفاظ کی تلخی محسوس کی۔ ''شاید تم نہیں جانتیں کہ قول دے کر پھر جانا مرد کی شان کے خلاف ہوتا ہے۔''

''پھر سوچتے کیا ہو؟''

''چوری میرا پیشہ نہیں اور قول نبھانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اب کروں تو کیا ____''

یہ سنتے ہی بیدخت ایک لہری لے کر کھڑی ہوگئی۔ مہرتاب بھی اُس کے ساتھ ہی اٹھا۔ پھر عجیب سے انداز میں جس سے ایک عورت کی شانِ دلربائی بھی ظاہر ہوتی تھی اور اپنے مطلب کو پُرکشش بنانے کی ادا بھی عیاں تھی، وہ کہنے لگی۔

''میں نہیں جانتی میری پہلی خواہش پوری کرنے کے لئے تم کیا سوچتے ہو اور کون سا طریقہ اختیار کرو گے ــــــ جو تمہارے جی میں آئے وہی کرو اور تمہیں کرنا ہی کیا ہے بس ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے میں گھس کر ایک بوسیدہ سی قبا ہی تو نکال لاؤ گے جو عطارد دیوتا کے پیٹ کے اندر ساگوان کی صندوقچی میں بند ہے۔ کیا میری خاطر تم یہ معمولی سا کام بھی نہیں کر سکتے؟ بھلا صدیوں پرانی قبا کی حیثیت ہی کیا ہے؟ نہ جانے تم کون سے وہموں میں کھو گئے۔ حالانکہ جانتے ہو اگر میں چاہوں تو شاہ بونید کے تمام خزانے اور سارے نوادرات صرف ایک رات کے اندر کاشانۂ زہرہ میں منتقل کر دیئے جائیں۔ اس کے لئے مجھے صرف بیلشازار کی محبت کا اقرار کرنا پڑے گا جو میں نہیں چاہتی اور قلعہ اساگیلہ کے تہہ خانے سے شاہ یوسیفر کی وہ قبا تو کوئی بھی میری فرمائش پر اُڑا کر لا سکتا ہے اور میرے قدموں میں ڈھیر کر سکتا ہے۔ لیکن میں تو قبا صرف تمہارے ہاتھ سے وصول کرنا چاہتی ہوں کیونکہ تمہیں پسند کرتی ہوں اور تم سے اپنی محبت کا اقرار کر چکی ہوں۔ تو کیا اُمید رکھوں کہ میری مطلوبہ قبا لے آؤ گے ــــــ مگر میں بھی کیسی بے تکی باتیں کئے جا رہی ہوں ــــــ ارے میں جانتی ہوں تم وہ قبا ضرور لاؤ گے اور میری دوسری دو خواہشیں بھی بہر طور پوری کرو گے جن کی تکمیل کے بعد میری ہر شے تمہاری اور صرف تمہاری ہوگی۔ میری راحت افزا محبت جس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ تڑپتے ہیں، میری آنکھوں میں گھومتا ہوا پیار کا نشہ، میرے عارضوں کی رنگینیاں، کلائیوں کے پیچ و خم، زلفوں کی خوشبو، باتوں کی مٹھاس، غرض سر سے نوکِ پا تک میری ہر شے تمہاری ہوگی۔ میں اپنا تمام حُسن، سارا رُوپ، ساری دل کشیاں، ساری راحتیں تم پر نچھاور کر دوں گی اور تمہیں عشق کی ایسی اچھوتی لذتوں سے ہم کنار کروں گی کہ آج تک کسی عورت نے کسی مرد کو ان لذتوں سے حصہ نہ دیا ہو گا۔ میں اپنے بدن کی تمام حلاوتیں تمہیں بخش دوں گی جن کا تصور ہی انسان کو جنت سے ہم کنار کر سکتا ہے اور ان حسین اور حیات افروز راحتوں کے عوض تم میری چند خواہشیں پوری کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو ــــــ مہرتاب ــــــ! میری زندگی میں آئے ہو تو وہم کے اندھیروں اور وسوسوں کی تاریکیوں سے بھی باہر آ جاؤ اور میری محبت کے اُجالوں میں آ کر اس

دنیا کو غور سے دیکھو جس کی تخلیق کا مقصد ہی حُسن و عشق کی تکمیل ہے۔ اور میں اپنی ہر خواہش، ہر آرزو تمہارے ذریعے پوری کرنے پر اس لئے مصر ہوں تا کہ حُسن و عشق اپنی انتہا کو پہنچ سکیں۔ اب سمجھے میں نے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے تمہیں ہی کیوں منتخب کیا ہے ــــــ بس جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکی۔''

بیدخت دریائے فرات کی سیڑھیوں پر لکشمی کے رُوپ میں بالکل ایک دیوی کی طرح سرو قد کھڑی تھی اور ہندوستانی لباس میں اس کے بدن کے تمام نشیب و فراز کچھ اس طرح نمایاں ہو گئے تھے کہ نسوانی حُسن کی ایک مکمل تصویر نظر آتی تھی۔

مہرتاب نے اُسے دیکھا اور محسوس کیا کہ اُس کے اندر مدافعت کی تمام قوتیں ڈھیر ہو چکی ہیں اور وہ اس عورت کے سامنے جو بلاشبہ کائنات کے حُسن کا سب سے اعلیٰ نمونہ تھی، پوری طرح پسپا ہو چکا ہے۔ اس نے بیدخت کی طویل تقریر کے ایک ایک فقرے اور ایک ایک لفظ کو بغور سنا تھا۔ فقروں کی حلاوت اور لفظوں کی شیرینی محسوس کی تھی۔ اُن کی عشق انگیز ترغیب پر توجہ دی تھی۔ آخر کہنے لگا۔

''شاید تم سمجھتی ہو میں تمہارے حُسن کی راحتوں کے عوض تم سے کوئی سودا کروں گا اور تمہاری محبت کے بدلے تمہاری آرزوؤں کی تکمیل کا بیڑا اُٹھاؤں گا۔''

بیدخت نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔ ''تو کیا تمہیں یہ سودا منظور نہیں؟''

''محبت کرنے والوں کے درمیان سودا ایک گھٹیا لفظ ہے۔ وہ کسی معاوضے کے بغیر ہی ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں۔ میرے لئے یہی بہت ہے کہ تم میری محبت کا اقرار کر چکی ہو اور اب میں تمہاری خواہشیں پوری کرنے کا ذمہ دار ہوں خواہ اُن کے حصول کی خاطر اپنی جان ہی سے کیوں نہ جاؤں۔''

''تو تم میری آرزوئیں پوری کرو گے؟''

''کسی بدلے کی خواہش کے بغیر۔''

''اور صرف میری خاطر ہر خطرے سے کھیل جاؤ گے؟''

''محبت خطروں سے کھیل کر ہی مکمل ہوتی ہے۔''

بیدخت اُس کی زبان سے یہی الفاظ سننے کے لئے بے چین تھی۔ وہ تو یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کی محبت موت کے خطروں میں بھی قائم رہے گی یا وہ کوئی عذر تلاش کر لے گا مگر

اب مطمئن تھی۔ اُس کے عارضوں پر سکون بخش مسکراہٹ تیرنے لگی اور شگفتہ ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند کھل اٹھے۔

"مہرتاب ــــ! آج تم نے مجھے بے مول خرید لیا ہے۔"

اس مسکراہٹ نے مہرتاب کے دل میں ایک ہیجان پیدا کر دی اور اُس نے وارفتگی کے انداز میں دونوں بازو کھول دیئے۔ وہ سمجھی شاید اُسے آغوش میں بھینچ لینا چاہتا ہے۔ اس خیال سے ہرنی کی طرح تڑپ کر پرے ہٹ گئی اور شریر سے لہجے میں بولی۔ "کچھ دن انتظار کرو پھر میں ہمیشہ کے لئے تمہاری ہو جاؤں گی۔"

مہرتاب مسکرا کے رہ گیا اور ذہن سنبھال کر بولا۔ "اب اپنی دوسری خواہش بیان کرو۔"

"دوسری خواہش؟" بیدخت نے انکار میں سر ہلا دیا۔ "ابھی نہیں۔"

وہ انکار پر حیران سا رہ گیا۔ "ابھی کیوں نہیں؟"

"جب پہلی خواہش پوری کر چکو گے تب دوسری خواہش بیان کروں گی۔"

"مگر تینوں خواہشیں ایک ساتھ بیان کر دینے میں کیا حرج ہے؟"

"آخر تمہیں ایک ہی بار سب کچھ جان لینے پر اصرار کیوں ہے؟"

"کم از کم یہ تو معلوم ہو جائے مجھے کیا کیا کرنا ہوگا، کن کن امتحانوں سے گزرنا پڑے گا۔"

"ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں۔ ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور ہر بات اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے۔"

دلیل درست اور برمحل تھی۔ پھر بھی مہرتاب کچھ اُداس سا ہو گیا۔ بیدخت نے چہرے سے بھانپ لیا کہ اُسے انکار پسند نہیں آیا، قریب آ کر بولی۔

"مہرتاب! دل کیوں ہولا کرتے ہو؟ میری سب خواہشیں ایک دوسری سے وابستہ ہیں۔ اگر ایک پوری نہیں ہوتی تو دوسری کا اظہار ہی بے کار ہے۔ جس طرح ایک کڑی ٹوٹ جانے سے زنجیر ٹوٹ جاتی ہے اسی طرح میری خواہشیں بھی باہم ملی ہوئی ہیں اور ایک خواہش کی تکمیل ہی پر دوسری خواہش کے اظہار کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے میں کہتی ہوں جب پہلی خواہش پوری ہو جائے گی تو دوسری کے اظہار کا موقع آئے گا اور دوسری کی کامیابی پر تیسری خواہش بیان کروں گی۔"

یہ ایک نیا انکشاف تھا کہ اس کی تینوں خواہشیں ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھیں اور وہ سلسلہ کیا

تھا؟ مہرتاب اس کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ معاملہ آہستہ آہستہ حیرت انگیز اور پُراسرار شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ بیدخت فی الحال کچھ بتانا نہ چاہتی تھی اور وہ کوشش کے باوجود کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔ آخر اس نے سوچا، چلو سب کچھ پردۂ اخفا میں رہنے دو۔ عورت اسرار کے پردوں میں زیادہ دلکش معلوم ہوتی ہے۔ پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"اگر تمہیں کچھ بتانے سے انکار ہے تو میں کچھ جاننے پر اصرار نہیں کرتا۔ مجھے تمہاری ہی خوشی منظور ہے۔"

وہ بڑی سنجیدگی سے کہنے لگی۔ "بتانے سے انکار نہیں مگر ڈرتی ہوں کہیں مجھے پاگل نہ سمجھ بیٹھو کیونکہ میں نے جو خواب دیکھا ہے آج تک دنیا کی کسی عورت نے نہیں دیکھا اور جو کچھ میں چاہتی ہوں کسی عورت نے نہ چاہا ہوگا۔ اگر میری تینوں خواہشیں پوری ہو گئیں تو دنیا میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوگا جو آج تک نہیں ہوا۔ اسی لئے تو میں اُس آدمی سے ڈرتی ہوں جس کے لئے نئی نئی باتیں، نئے نئے واقعات ظہور میں آئیں گے اور میں چاہتی ہوں کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب میرے لئے ہو۔"

مہرتاب بھی انتہائی سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ جس آدمی کے خلاف میری مدد چاہتی ہو اس سے کیا سلوک کرنا ہوگا ــــ؟"

"کیا اس کے بارے میں تم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے؟"

"فیصلہ تو تمہارا ہی ہوگا۔ مجھے صرف عمل کرنا ہے۔"

"تو پھر ایک دن کی مہلت اور دے دو۔ کل تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی۔"

مہرتاب سوچنے لگا نہ جانے کل اس کی تقدیر کا کیا فیصلہ ہوگا اور بیدخت سوچ رہی تھی جس آدمی کو مقدس گوما "ستاروں کا فرزند" قرار دیتا ہے اس کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ بڑی سوچ بچار سے کرنا ہوگا۔

دونوں قدم بہ قدم سیڑھیاں چڑھنے لگے اور چبوترے پر آ کر رُک گئے جس کے وسط میں بخت نصر کی لاٹ نصب تھی۔ اُس کے عقب میں فرات کی لہریں فرار ہوتے ہوئے سورج کی بنفشی شعاعوں میں رنگین مچھلیوں کی طرح حرکت کر رہی تھیں۔ صحراؤں کی خنک ہوا چل رہی تھی جس کے ہلکے ہلکے تھپیڑوں سے بیدخت کے جسم پر کتان کی ساڑھی میں کئی لہریں پیدا ہو رہی تھیں اور اس جھٹپٹے میں جب دونوں وقت گلے مل رہے تھے انہوں نے آدمیوں کا ایک ہجوم

دیکھا جو نخلستان سے نکل کر اچانک دریا کے بند پر نمودار ہوا اور اسی سمت چلا آ رہا تھا جہاں وہ کھڑے تھے۔ ہجوم کے آگے آگے سرخ رنگ کے افود میں ملبوس ایک بزرگ کاہن، جس کی داڑھی اور سر کے بال چاندی کی طرح سفید ہو چکے تھے، یقیناً کوئی قابلِ احترام عالمِ دین ہوگا کیونکہ لوگوں نے اس کے عقب میں ایک قوس نما دائرہ سا بنا رکھا تھا اور بڑے ادب سے اس کے پیچھے پیچھے چلے آتے تھے۔

بابل میں صرف انہی بزرگ کاہنوں، مذہبی پیشواؤں یا بڑے بڑے منجموں کا اس طرح احترام کیا جاتا تھا جو کبھی کبھار ہی باہر نکلتے اور اکثر اپنے خلوت خانوں میں بیٹھے قانون، مذہب اور نجوم کی گتھیاں سلجھاتے رہتے تھے۔ انہی لوگوں سے بابل کی عظمت قائم تھی کیونکہ انہوں نے حمورابی[1] کے قانون سے لے کر بخت نصر کے فرامین تک قانون کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ مذہبی پیشوا لوگوں پر دینِ اصنام کے نہاں در نہاں اسرار منکشف کرتے نیز آسمانی اور زمینی دیوتاؤں کا مرتبہ و مقام اور اُن کی دیگر خصوصیات بتاتے تھے۔ ہفت افلاک کے ماہرین و منجّمین نے پہلی بار معدل النہار[2] کے دائروں اور منطقہ البروج کے سیاروں کی گردش و رفتار کا حال دریافت کیا اور کائناتِ ارضی پر ستاروں کے روحانی تصرفات کا انکشاف کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ انہی بزرگ عالموں، مذہبی پیشواؤں اور ماہرینِ ہفت افلاک کے حضور سجودِ سبع[3] (سات

---

[1] بعض محققین نے جن میں روجرس اور امریکی مستشرق ایس ڈبلیو بیرن شامل ہیں توریت، کتاب پیدائش کے بادشاہ امرافیل کو اموارنی یا امورابی قرار دیا ہے۔ البرائیٹ اپنی تصنیف "مغربی ایشیا کی ابتدائی تاریخ پر تیسری نظر" میں حمورابی کا عہدِ حکومت 1728 تا 1686 ق۔م بتاتا ہے۔ فلپ کے حتی نے اس کی تاریخِ وفات 1700 ق۔م کے آس پاس لکھی ہے۔ حمورابی ہی نے سب سے پہلے قانون وضع کیا تھا۔ (مصنف)

[2] اہلِ بابل نے ستارہ شناسی اور ستارہ پرستی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ معدل النہار اور منطقہ البروج کے سیاروں کی تحقیقات انہی کا کارنامہ ہے۔ ان کے نزدیک آغازِ عالم سے تمام ستارے اپنی جگہ سے ہٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں صرف قطبی ستارہ اپنی جگہ اور حالت پر قائم رہتا ہے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ روحیں ستاروں میں قیام کرتی ہیں اسی لئے ستاروں کے روحانی تصرفات پر یقین رکھتے تھے۔ منجّمین کا اپنا مذہب تھا۔ یہ لوگ "صابئین" یا مذئین (MANDFANS) کہلاتے تھے۔ (تاریخ بابل و نینوا و مسائل و قصص از یلو ریاباذی)

[3] عالمانِ روحانی اور بڑے منجّمین کو سات ستاروں کی رعایت سے سات سجدے (سجودِ سبع) ادا کرنے کا حکم تھا۔ (مصنف)

سجدے) ادا کرنے کا حکم تھا اور انہیں تعظیم نہ دینا بہت بڑا گناہ سمجھتا تھا۔

ہجوم قریب آ گیا تو بیدخت سنگی چبوترے سے ہٹ کر بند کی سرخ گوٹ پر کھڑی ہو گئی اور مہرتاب کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ لیکن جونہی اس کی نظر اٹھی، یک لخت حیران و پریشان ہو گیا کیونکہ ہجوم کے آگے آگے چلنے والے بزرگ کو اس نے نیولے سے پہچان لیا تھا جو بڑے اطمینان سے اس کے کندھے پر بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ وہ ارضِ فرات کا غیب دان اور بابل کی قومی مجلس کا روحانی پیشوا مقدس گوما تھا جسے لوگ "رُوحِ بابل" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ بوڑھے غیب دان نے بھی پہلی ہی نظر میں مہرتاب کو پہچان لیا اور حیرت و تعجب سے اُس کی سفید بھویں دوڑ کر آپس میں مل گئیں۔ وہ مہرتاب کو اس عورت کے پہلو بہ پہلو دیکھ کر حیران رہ گیا جس سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی مگر دو نیرنگِ زمانہ جوانیوں کا یہ ملاپ دراصل دنیا کے اُس حسین واقعہ کا دلچسپ مضمون تھا جو تاریخِ محبت میں ایک انوکھے باب کا اضافہ کرنے والا تھا اور کالدیا کا منجمِ اعظم اس واقعے سے بے خبر نہ تھا۔

بوڑھا ٹھیک اُن دونوں کے سامنے آ کر رک گیا اور زہرہ جمال بیدخت نے دستور کے مطابق سات بار جھک کر اُسے تعظیم دی۔ لیکن مہرتاب مضطرب سا، پریشان سا جوں کا توں کھڑا رہا۔ بیدخت چاہتی تھی کہ وہ مقدس گوما سے اپنے حسین ساتھی کا تعارف کرائے لیکن گردن اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئی کہ "رُوحِ فراست" گوما اُس کے ماضی ہی کی طرف متوجہ تھا جو سر نہوڑائے چپ چاپ کھڑا تھا جیسے مقدس گوما سے آنکھیں چار کرتے ہوئے گھبرا رہا ہو۔ بیدخت ابھی کچھ کہنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ بوڑھے ستارہ شناس نے مہرتاب کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا۔

"اے نجمِ سعادت! روشن ہو جا۔"

"میں روشنی کا منتظر ہوں۔"

"وہ موجِ نُور بن کر تیرے آگے آگے چلتی اور تیری راہ نمائی کرتی ہے۔"

مہرتاب نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہ غلط تو نہیں؟"

"مردوک کی قسم ــــــ! یہ سب کچھ مقدر تھا جو کچھ ہوا ہے وہی ہونا تھا۔"

بیدخت اُن کی گفتگو پر حیران تھی اور مقدس گوما اپنی کھلی آستین والا ہاتھ بلند کر کے مہرتاب سے کہہ رہا تھا۔

''بابِ ایلہ کی ڈیوڑھی میں تجھے دیکھتے ہی جب میری گویائی لوٹ آئی، میں نے کیا کہا تھا؟ اس شہر کے ستارے تیرے منتظر ہیں، نئی نئی باتیں ہوں گی، نئے نئے واقعات ظہور میں آئیں گے۔ تُو بابل کی کنواریوں اور ''پیاریوں'' کا محبوب کہلائے گا اور ہر دوشیزہ تیرے قُرب و وصال کے لئے تڑپے گی، کیا وہی نہیں ہوا؟''

بیدخت اس طرح گھبرا کر، لہرا کر پیچھے ہٹی جیسے کسی نے اس پر تلوار سے وار کیا ہو۔ مہرتاب کی اصلیت تلوار ہی کی طرح عریاں ہوئی تھی اور اسے اب یہ پتہ چلا تھا کہ یہی وہ پراسرار اجنبی اور ''ستاروں کا فرزند'' ہے جسے دیکھ کر مقدس گوما کی مُہرِ خاموشی ٹوٹ گئی تھی۔ جس کے لئے عجیب عجیب باتیں، عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئیں گے اور یہ واقعات تو شروع بھی ہو گئے تھے۔ خود اُن دونوں کا ملنا ایک عجیب واقعہ تھا۔ ملاقات بڑے حیرت انگیز طریق سے ہوئی تھی اور سب سے عجیب واقعہ تو یہ ہوا تھا کہ جب مہرتاب اُسے معبد اکور میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا وہ خود اُس کے پیچھے بھاگی گئی اور اس کے خلاف اُسی سے مدد مانگنے لگی تھی اور کس قدر عجیب بات تھی کہ وہ اُسے اپنے ہی خلاف مدد دینے پر راضی بھی ہو گیا تھا۔ ایسی بات دُنیا میں پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور آج اُس نے پیمانِ محبت بھی باندھ لیا تھا۔

یہ سارے واقعات جو نئے بھی تھے اور عجیب و غریب بھی، بیدخت کے ذہن پر بجلی کی طرح لپکتے چمکتے چلے گئے اور وہ حیران ہوئی جا رہی تھی کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا۔ مگر اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا، جتنے واقعات پیش آئے تھے وہ ان میں برابر شریک تھی۔ ہر واقعے میں اُس کے ساتھ شامل تھی اور یہ ایک مزید اچنبھا تھا۔

اس اثناء میں جب بیدخت گزرے واقعات کے تسلسل میں کھو گئی تھی، مقدس گوما نے مہرتاب سے کچھ اور باتیں بھی کی تھیں مگر بیدخت کو کوئی ہوش نہ رہا کہ کس نے کیا کہا، کیا سنا۔ مہرتاب کے متعلق جو سنسنی خیز انکشاف ہوا، اُسی سے ذہن میں جھماکے اور دھماکے ہو رہے تھے اور اُن کے شور میں وہ کوئی دوسری آواز سننے سے عاری تھی۔ اُسے ہوش اس وقت آیا جب مقدس گوما اُس کی طرف اُنگلی اٹھا کر کہہ رہا تھا۔

''مہرتاب! یہی ہے وہ سراپا جمال عورت جس کا میں نے ذکر کیا تھا اور جو اس وقت تقدیر کی طرح تیرے پہلو میں کھڑی ہے۔''

''مقدس گوما! انسان کی تقدیر اس کے ساتھ ہی لگی رہتی ہے۔''

''مگر میں نے کہا تھا جب تک اپنے مقصد کو نہیں پا لیتا تجھے عورت سے دُور رہنا ہوگا۔''

''میں عورت کے قریب رہ کر بھی اس سے دُور ہوں۔ کیونکہ میں نے مقصد ترک نہیں کیا۔ فرض میری زندگی ہے۔''

''اور تیری محبت ــــــ؟''

''وہ میری قوت ہے۔ میں نے پیمانِ محبت ضرور باندھا ہے مگر فرض سے کوتاہی نہیں کی۔''

''آہا ــــ'' بوڑھا مسرت و حیرت کی ملی جلی کیفیت کا اظہار کرنے لگا۔ ''تو پیمانِ محبت بھی ہو چکا۔ یہ دوسری نئی بات ہوئی ہے۔''

''مگر آپ ہی کہتے ہیں سب کچھ اسی طرح ہونا تھا۔''

''بے شک۔ اگر یہ سب کچھ اسی طرح ظہور میں نہ آتا تو میں سمجھتا کہ آسمان پر زہرہ اور عطارد کا قِران ہی غلط ہے۔''

بیدخت ستاروں کے نام سن کر چونکی۔ وہ اب تک خاموش رہی تھی مگر اس نئے انکشاف نے اُسے بولنے پر مجبور کر دیا۔ ''کیا زہرہ اور عطارد کا قِران ہوا ہے؟''

''ہاں۔ یہ دونوں ستارے پرسوں شام ہی ایک برج میں اکٹھے ہوئے تھے۔''

اور یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہ دونوں بھی پرسوں ہی شام معبدِ اکور میں ملے، پھر اُسی رات ''دیوتاؤں کی دیوار'' کے پاس ایک سمجھوتہ بھی طے پایا تھا۔ بیدخت خود ربّۂ زہرہ کی پجارن تھی۔ ''زہرہ جمال'' اس کے نام کا حصہ تھا اور قصر کا نام بھی ''کاشانۂ زہرہ'' تھا۔ یوں اُسے زہرہ سے ایک خاص نسبت ہو گئی تھی۔ مگر یہ حقیقت اُس کے لئے انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز تھی کہ مہرتاب کا ستارہ عطارد ہے جو ہفت افلاک کا خوش نویس، ترقیٔ علم کا وسیلہ معبود و محبوب کا درجہ رکھتا تھا۔ گویا مہرتاب سے ملاقات دلیلِ کامیابی تھی کیونکہ ''ستاروں کا فرزند'' پیمانِ محبت باندھ کر ہمیشہ کے لئے اُس کا ہو گیا تھا اور اب بیدخت محسوس کر رہی تھی وہ دنیا کی سب سے بڑی بازی جیت گئی ہے۔ جس پُراسرار نوجوان کو دیکھ کر غیب دان گوما کی گویائی لوٹ آئی تھی، اس نے لکھوکھا انسانوں کے شہر بابل میں صرف اسی سے پیمانِ عشق باندھا تھا۔ صرف اُسی کا مہمان ہوا تھا۔ کیا اس میں دیوتاؤں کی مرضی کا دخل ہے یا محض ایک اتفاق۔ اور اگر محض اتفاق ہے تو بھی اس دنیا میں ایسا حسین اتفاق کبھی نہ ہوا ہوگا۔ زمین پر بیدخت اور مہرتاب کی ملاقات اور آسمان پر زہرہ و عطارد کا قِران دونوں ہی باتیں، دونوں ہی واقعات عجیب اور حیرت انگیز

تھے۔ بیدخت نے اس بارے میں دانائے راز کی مرضی معلوم کرنے کے لئے پوچھا۔

"بزرگ گوما ــــــ! دیوتاؤں نے آپ کو دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والا دماغ دیا ہے۔ آپ کائنات کا ہر بھید جانتے اور غیب کی باتیں بتاتے ہیں مگر محبت کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

بوڑھے غیب دان کی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک دکھائی دینے لگی۔ "یہ سوال تجھ ہی کو پوچھنا چاہئے تھا بیدخت! اور تُو نے ہی پوچھا ہے۔" پھر وہ ملہمانہ انداز میں بتانے لگا۔

"محبت کائنات کا راز ہے، زندگی کا سرچشمہ ہے، دلوں کی دھڑکن ہے، چاند کی کرن ہے، ستاروں کی چمک، بادلوں کی دھنک، پھول کی خوشبو، ہوا کی موج اور سمندر کی لہر ہے۔ محبت رنگ ہے، نُور ہے، روشنی ہے مگر یہ راز نہ آسمان پر چھپ سکتا ہے نہ زمین پر، آسمان پر ستارے اس راز کو فاش کرتے ہیں اور زمین پر آنکھیں یہ بھید کھول دیتی ہیں کہ ان پر عشق کا جادو چل گیا۔"

بیدخت نے رازِ محبت کے افشا پر کسی پریشانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایک نیا اشارہ دیتی ہوئی بولی۔ "اے ستاروں کے رازدان! اگر آسمان پر زُہرہ و عطارد کا قِران ہو چکا ہے تو پھر زمین پر بھی ایک ایسا واقعہ ظہور میں آئے گا جسے دنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔"

شام کے جھٹپٹے میں مقدس گوما نے اپنا بازو آسمان کی طرف لہرایا اور کہا۔ "اس واقعے کی ابتداء تو ہو بھی چکی۔ ایک ایسا نوجوان جو اس شہر میں موت کو شکست دینے کا عزم لے کر آیا ہے تیرے پہلو میں کھڑا اور تجھ سے پیمانِ وفا باندھ چکا ہے اور میں پراتو کا خادم گوما خبر دیتا ہوں کہ اب تم دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوسکو گے کیونکہ تمہاری خاک ایک، سرشت ایک حتیٰ کہ موت بھی ایک ہے۔ اے دُخترِ بابل بیدخت! تُو حیران کیوں ہے؟ یہ فقط میرے منہ کی باتیں نہیں بلکہ آسمانوں پر گردش کرتی ہوئی تقدیر کا نوشتہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا اور مہرتاب! پریشان نہ ہو کہ میں تیرے عظیم مقصد میں کامیابی کی بشارت دیتا ہوں خواہ وہ مقصد کچھ بھی ہو۔"

"اور میری محبت ــــــ؟" بیدخت تڑپ کر بولی۔

"اور میرا عشق ــــــ؟" مہرتاب نے پریشان ہو کر پوچھا۔

گوما نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں تم دونوں کے عشق و محبت کا انجام نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ ابھی بہت کچھ دھوئیں کی چادر میں لپٹا ہوا ہے اور میری نگاہ وہاں تک نہیں پہنچتی۔ مگر جس طرح آج تم دونوں ایک ہو، اسی طرح مستقبل میں بھی رہو گے اور عنقریب ایک ایسی

ساعت آئے گی جب روحوں کی طرح تمہارے جسم بھی ایک ہو جائیں گے اور جب وہ مبارک گھڑی آئے، میں زیگوراتِ مقدس کی رصدگاہ پر تم دونوں کا انتظار کروں گا کیونکہ اس وقت تمہیں میری راہ نمائی کی ضرورت ہوگی۔"

یہ کہہ کر مقدس گوما نے کھلی آستین والا بازو نیچے گرا دیا اور کسی سوال و جواب کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ لوگوں کا ہجوم بھی سمندر کے بھاٹے کی مانند لہر لیتا ہوا پیچھے پیچھے چلا اور بیدخت اور مہرتاب دونوں ہی حیران سی نظروں سے دیکھتے رہ گئے۔ شام کی بدلتی ہوئی ملگجی فضا میں کچھ دُور تک مقدس گوما کے کندھے پر بیٹھا ہوا نیولا نظر آتا رہا پھر وہ بھی ہجوم کے درمیان نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ جھٹپٹے کے غبار میں ہجوم دُور ــــــ اور دُور ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ساحل کو چھوڑ کر پراتو دیوتا کے مندر کی جانب ہولیا اور دریا کے بند پر صرف خاکستری دُھول اُڑتی رہ گئی۔

اس اُڑتی ہوئی دُھول میں زہرہ جمال بیدخت کے ہوش بھی اُڑ کر شامل ہو گئے تھے جو ابھی تک بند کی سرخ پتھریلی گوٹ پر گم صُم سی کھڑی تھی کیونکہ آج جن باتوں کا انکشاف ہوا وہ اُس کے ہوش اُڑا کر لے گئی تھیں اور وہ ان عجیب واقعات پر دم بخود رہ گئی تھی جو اُسی کے آس پاس منڈلاتے رہے تھے۔ مہرتاب اُس کے قریب کھڑا اپنے مقصد میں کامیابی کی نوید پر مطمئن تھا لیکن یہ خیال اُسے پریشان کر رہا تھا کہ باغاتِ معلقہ میں "دُخترِ بابل" کا لقب صرف شہزادی شمورہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور گوما نے بیدخت کو بھی "دُخترِ بابل" ہی کے لقب سے یاد کیا تھا۔ کیا اس لقب کی کوئی اہمیت ہے بھی یا نہیں؟

دونوں کئی لمحے پہلو بہ پہلو کھڑے سوچتے اور شام کے گہرے ہوتے سایوں میں بکھرتے رہے۔ اچانک بیدخت نے اس خاموشی کو محسوس کیا۔ یہ حقیقت بہرحال فرحت بخش تھی کہ وہ یگانۂ عصر مرد جو آسمان پر اُس کا محبوب قرار پا چکا اور زمین پر اُس کے انجام میں شریک ہوگا، ربُ النوع کی مانند چپ چاپ کھڑا اُس کے پہلو میں موجود تھا۔ اسی احساس نے اُسے خود رفتہ سا کر دیا۔ وہ آہستہ سے مُڑی اور اپنا چہرہ اُس کے سامنے لا کر بولی۔

"اچھا تو تمہی وہ آدمی ہو جس کے متعلق مقدس گوما نے پیش گوئی کی تھی کہ اُس کے لئے عجیب عجیب باتیں ہوں گی ــــــ عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئیں گے۔"

مہرتاب نے چونک کر دیکھا جیسے کوئی شخص خواب سے بیدار ہوتا ہے مگر جواب نہ دیا۔

بیدخت نے پھر پوچھا۔ ''مہرتاب! تم نے بتا کیوں نہ دیا کہ تم وہی آدمی ہو جسے میں ڈھونڈ رہی ہوں۔ تم نے اپنے آپ کو پوشیدہ کیوں رکھا، کیوں مجھے پریشان کرتے رہے؟''

وہ پھر بھی کچھ نہ بولا بس چپ چاپ دیکھتا رہا۔ مگر زہرہ جمال تو آپ سے آپ بولتی جا رہی تھی ـــــ ''انھیا کی قسم! تمہیں دیکھتے ہی میرے دل میں ایک درد سا جاگ اٹھا اور میں حیران تھی، یہ درد کیسا ہے اور تم سے ملتے ہی محسوس کرنے لگی جیسے مدت سے تمہیں جانتی ہوں اور سوچتی تھی پہلے تمہیں کہاں دیکھا ہے مگر کیا خبر تھی تم ہی میری تقدیر بن کر آئے ہو اور میری دیوانگی دیکھو، میں تمہارے پیچھے بھاگی اور تم سے تمہارے ہی خلاف مدد مانگتی رہی اور تم ـــــ'' وہ ہنس دی جیسے کوئی چھاگل چھنکنے لگے یا مجیروں کی کٹوریاں بجنے لگیں۔ ''تم اپنے ہی خلاف مجھے مدد دینے پر راضی ہو گئے۔ آج تک کسی مرد نے ایسا تو نہیں کیا ہو گا۔''

وہ بول رہی تھی اور مہرتاب عشق انگیز نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ یہ خاموشی عجیب تھی۔ زہرہ جمال تڑپ کر رہ گئی۔ ''ہائے تم بولتے کیوں نہیں، جواب کیوں نہیں دیتے؟ دیکھو میں تمہاری آواز سننے کے لئے کتنی بے چین ہوں ـــــ کچھ تو بولو ـــــ کچھ تو کہو ـــــ''

مہرتاب دھیرے سے بولا۔ ''سن چکی ہو، ہماری خاک ایک، سرشت ایک حتیٰ کہ موت بھی ایک ہے۔ پھر کہنے کے لئے باقی کیا رہ گیا ہے؟''

''ابھی تو سب کچھ باقی ہے۔'' بیدخت نے یوں سرگوشی کی جیسے پھولوں پر شبنم گرتی ہے۔ ''یہ تو محبت کی ابتدا ہے اور ہمیں ابھی ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا ہے۔''

اور اسی لمحے اس نے بڑے شوق سے، بڑے پیار سے، بڑے انداز سے اپنی کلائیوں کا خوبصورت ہار اس کے گلے میں پرو دیا مگر مہرتاب نے اپنے ہاتھ سے حسین بانہوں کا وہ ہالہ توڑ دیا اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ''ابھی نہیں۔ کچھ دن صبر کرو۔ پھر میں ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جاؤں گا۔''

بیدخت کے عارضوں پر ایک سایہ سا گزر گیا۔ تھوڑی دیر پہلے خود اس نے بھی مہرتاب سے یہی بات کہی تھی مگر وفورِ جذبات میں شاید اُسے بھول گئی تھی۔ پریشان سی ہو کر بولی۔

''میں جانتی ہوں تمہیں اپنا مقصد عزیز ہے۔''

''مقصد بھی عزیز ہے اور تمہاری محبت بھی، تمہاری خواہشیں بھی۔''

''کیا اپنے مقصد کے متعلق کچھ نہیں بتاؤ گے؟''

''تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''

''جس مقصد کی تکمیل کے لئے تمہیں عورت سے، مجھ سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے مجھے اس سے کیوں دلچسپی نہ ہو گی۔''

''مگر ابھی اس کے اظہار کا وقت نہیں آیا اور تم خود کہہ چکی ہو کہ ہر بات اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے اس لئے ہمیں ایک دوسرے سے دُور رہنا ہو گا۔''

''کہیں اتنے دُور تو نہیں ہو جاؤ گے کہ مجھے بھول جاؤ؟''

''تمہیں بھول گیا تو یاد کسے رکھوں گا۔''

بیدخت کو آج تک جتنے عاشق، جتنے چاہنے والے ملے سب اُس کی قربت، اُس کے وصال کے طلب گار تھے مگر یہ عاشق اُن سب سے مختلف، سب سے انوکھا تھا جسے اُس کے حُسن و وصال سے اُس کی محبت اور خواہش زیادہ عزیز تھی۔ بیدخت نے خود یہی شرط لگائی تھی کہ وہ اپنی تینوں آرزوئیں پوری ہونے کے بعد ہی اسے وصال کی لذتوں سے ہم کنار کر سکے گی لیکن مہرتاب نے تو اس ''سودے'' سے بھی انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کسی صلے کے بغیر ہی اس کی سب خواہشیں پوری کرنے پر تیار ہے۔ اُس کی یہی خصوصیت، یہی بڑائی زہرہ جمال کو بھا گئی تھی۔

سورج مغربی آسمان پر شفق کے رنگ بکھیر کر نیمیتی بل اور ایمگو ربل کے اُونچے حصاروں کے پیچھے روپوش ہو چکا تھا اور فرات کے دونوں ساحلوں پر بابل کی شام نے اپنے سیاہ جادو بکھیر دیئے تھے۔ اب انہیں کاشانۂ زہرہ میں واپس جانا یا پھر یہیں سے جدا ہونا تھا اور مہرتاب یہ جانتے ہوئے کہ اس کی اصلیت پر پڑا ہوا پردہ اُٹھ جانے اور مقدس گوما کی پیش گوئی سن لینے کے بعد کہ اب وہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں گے، بیدخت کاشانۂ زہرہ میں واپسی پر اصرار کرے گی۔ یہیں سے رخصت ہو جانا اور نئی حکایتوں، شکایتوں سے بچنا چاہتا تھا۔ اُس نے زہرہ جمال کی دعوت اور رفاقت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''دن بیت گیا اب ہمیں رخصت ہو جانا چاہئے۔''

بیدخت حیران سی ہو کر بولی۔ ''اس ملاقات کو اتنی جلدی کیوں ختم کر دینا چاہتے ہو؟''

''اس لئے کہ پھر ملنے کے لئے ہمارا جدا ہونا ضروری ہے۔''

''اور پھر ملاقات کب ہو گی؟''

"جب ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے سے تمہاری مطلوبہ قبا اُڑا لاؤں گا۔"

زہرہ جمال کی آنکھوں میں ستارے سے جھلملانے لگے۔ اُسے یقین تھا مہرتاب وہ پرانی قبا ضرور لے آئے گا۔ اس کی پہلی آرزو پوری ہوگی۔ لیکن کب؟ اسی خیال سے کسی قدر پریشان ہوگئی۔ "نہ جانے اس کام میں کتنے دن لگ جائیں اور میں انتظار کی آگ میں جلتی رہوں گی۔"

"انتظار طویل نہیں ہوگا۔"

یہ کہہ کر مہرتاب نے آسمان کی طرف دیکھا جس کی پیشانی پر شام کا ستارہ طلوع ہو چکا تھا۔ لیکن بیدخت کے رُوئے تاباں کے سامنے اس کی روشنی بالکل ماند پڑ رہی تھی۔

(15)

خبریں

بابل جن حالات سے دوچار تھا۔

"مملکتوں کی خاتون" کو جو معاملات درپیش تھے۔

سلطنت کالدیا سے جو طوفان گزر رہے تھے، مہرتاب اُن کی لہر بن کر آیا تھا۔

اُسے بابل میں رہ کر بابل کے خلاف ایک ایسے خفیہ منصوبے پر عمل کرنا تھا جس کی کامیابی اگر خاندانِ بخت نصر کی موروثی حکومت کا تختہ اُلٹ دیتی تو "دیوتاؤں کا شہر" اپنے اُونچے اُونچے برجی دروازوں اور ناقابلِ تسخیر حصاروں سمیت ایرانیوں کے قدموں میں ڈھیر ہو سکتا تھا۔ اگرچہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ ہاروت ماروت کی مدد سے شاہ بنونید کے خلاف جو فردِ جرم عائد کرنے والا تھا، اسی کے نتیجے میں بیلشازار اقتدار پر قبضہ کر لیتا جس کے لئے وہ خود کوشاں اور کاہنوں کی مذہبی حمایت حاصل کر کے بادشاہ کو راستے سے ہٹا دینے کی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا۔ لیکن بیلشازار طبعی طور سے بداندیش اور ناقص الرائے آدمی تھا اور اس کے غلط فیصلے ایرانیوں کی کامیابی کی راہیں ہموار کر سکتے تھے جس طرح اُس نے غلط اقدام سے سیپار کی جنگ ہار دی تھی۔

ایرانی لشکر جھیل سیمرامیس پر پڑاؤ ڈالے بظاہر تو کھیل کود میں وقت گزار رہے تھے لیکن ان کی چھاؤنی جھیل سیمرامیس سے دریائے فرات تک کیوں پھیل گئی تھی اور وہاں ان کا قیام طویل کیوں ہوتا جا رہا تھا؟ اس کے متعلق ریموت کے جاسوس اور سردار حنانی کے خفیہ گماشتے کوئی صحیح خبر حاصل نہ کر سکے اور دربار اساگیلہ کو مسلسل یہی اطلاعات فراہم کرتے رہے ایرانی بابل کے

دیوتاؤں سے خوف زدہ ہیں اور اپنا خوف دُور کرنے کے لئے کھیل تماشوں اور تفریحات میں مشغول ہو گئے ہیں۔

ہخامنشی کورش اپنے پڑاؤ میں بیٹھا بڑی بے چینی سے اُس خبر کا منتظر تھا جس کے لئے مہرتاب کو بابل میں بھیجا گیا تھا کیونکہ آئندہ اقدام کا تمام انحصار اُس کی کامیابی پر تھا لیکن یہاں کچھ ایسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے کہ مہرتاب اُن کے گرداب میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ ہاروت ماروت اغواء یا گرفتار کر لئے گئے تھے اور ابھی تک اُن کے بارے میں کوئی اطلاع نہ مل سکی تھی۔ خود مہرتاب ایک ایسی عورت کے دامِ محبت کا شکار ہو گیا تھا جس نے اُسے اپنے ہی جلوؤں کی رنگینی اور اپنی ہی آرزوؤں کے طلسم میں اُلجھا لیا تھا۔

اُس نے بہت کوشش کی تھی کہ اُس زہرہ جمال کی راہ سے کترا کر، دامن بچا کر گزر جائے۔ اُس کے تصور کو ذہن کے حیرت کدے اور یاد کو دل کے آئینہ خانے سے نکال دے، زلفوں کی زنجیر توڑ کر نکل جائے مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ زنجیر تو آپ سے آپ قدموں سے لپٹتی چلی گئی۔ واقعات خود بخود ظہور میں آتے رہے۔ بیدخت سے جس قدر بھاگنا، دُور ہونا چاہا، اُتنا ہی قریب ہوتا چلا گیا اور اب تو اُس سے پیمانِ وفا باندھ چکا، اُس کی تین خواہشیں، تین آرزوئیں پوری کرنے کا قول بھی دے بیٹھا تھا اور پہلی خواہش پوری کرنے کے لئے اُسے ایوانِ ماکلوب کے زمین دوز عجائب گھر میں گھس کر شاہ یوسیفر کی وہ قبا اُڑا لانا تھی جسے بیدخت "عید بیلس" کے تہوار پر زیبِ تن کرنا چاہتی تھی۔ اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ اب زہرہ جمال سے اسی وقت ملے گا جب اُس کی اولین فرمائش پوری کر دے گا لیکن ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے میں گھسنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ اس معاملے پر جتنا غور کرتا حالات کی سنگینی، اندیشوں اور خطروں کی دیوار راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی۔ اگر کسی مصیبت میں پھنس گیا تو ایرانی کسریٰ سے کیا ہوا وعدہ کس طرح پورا کر سکے گا۔

ایک طرف فرض تھا، حصولِ مقصد کی طلب تھی، دوسری جانب پیار تھا، دنیا کی سب سے خوب صورت عورت سے کیا ہوا پیمانِ وفا تھا۔ اطلس کی ایک پرانی قبا تھی اور ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے میں پیش آنے والے خطرے تھے جو سانپوں کی طرح سر اٹھائے ذہن کے اندھیرے دالانوں میں رینگتے پھر رہے تھے اور کون کہہ سکتا تھا کہ خطروں کے یہ سانپ اُسے ڈس نہیں لیں گے۔

بیدخت سے جدا ہونے کے بعد وہ ساری رات یہی سوچتا رہا کہ اُس کی آرزو پوری کرنے کے لئے کون سا طریقہ، کون سا راستہ اختیار کرے جس سے فرض پر آنچ نہ آئے اور محبت کی بات بھی رہ جائے۔ مگر قصرِ نوادرات تک پہنچنے کے بہت سے راستے نہیں تھے۔ راستہ تو ایک ہی تھا جو شہزادی شمورہ کے کمرے سے گزرتا تھا۔ تہہ خانے کی چابیاں اُسی کی تحویل میں رہتی تھیں اور اس سے ملے یا ٹکرائے بغیر وہ بیدخت کی آرزو پوری نہ کر سکتا تھا۔ شہزادی شمورہ سے ملاقات اگر مشکل تھی تو اس سے ملے بغیر چابیاں حاصل کرنا اُس سے بھی مشکل کام تھا۔ اُسے بیدخت کے الفاظ یاد آ رہے تھے کہ جس طرح بعل دیوتا چوری چھپے صیدانیوں کی دیوی عستارات کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا اسی طرح وہ بھی شہزادی شمورہ کے کمرے میں بے آواز قدموں سے داخل ہو کر چابیاں اُڑا لائے جب کہ شہزادی ایوانِ ماکلوب میں عموماً تخلیۂ رُوح کے لئے آتی اور وہاں خاموشی کا چلّہ کاٹتی تھی پھر اُس کے کمرے میں چوروں کی طرح گھسنا تو اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ درجنوں غلام اور محافظ نادیدہ گوشوں میں چھپے اُس کی حفاظت کرتے تھے جن کے بھالوں اور تلواروں کی نوکیں بدن چھید ڈالیں گی۔

اُسے بابل کے غیب دان گوما کی باتیں بھی یاد آ رہی تھیں جس نے اُس کے مقصد میں کامیابی کی بشارت تو دی تھی مگر محبت کا انجام بتانے سے انکار کر دیا تھا اور یہ پیش گوئی بھی کی تھی کہ ان دونوں کی خاک ایک، سرشت ایک حتیٰ کہ موت بھی ایک ہے۔ اس نے سوچا اس مدت سے قبل مقصد کی کامیابی ضروری ہے پھر کیوں نہ وہ پہلے اپنے مقصد کی طرف توجہ دے، فرض کا کہا مانے۔ مگر محبت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ دل کی دھڑکن کچھ اور کہہ رہی تھی اور کوئی آواز سرگوشی کر رہی تھی۔

"دیوانے! تُو اس عورت کی پہلی فرمائش کس طرح ٹال سکتا ہے جس کا تصور تیری رُوح کی روشنی بن چکا ہے جو تنہائی میں بھی تیرے پاس رہتی ہے جس نے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے لاکھوں انسانوں کے اس شہر سے صرف تیرا انتخاب کیا اور تجھے میرودیخ بیلشازار پر بھی ترجیح دی ہے کیونکہ وہ حُسن ہے اور تُو عشق اور تیری نبضوں کی ہر ضرب، دل کی ہر دھڑکن ایک ہی نام لیتی ہے۔ "بیدخت ــــــ"

مگر دماغ کہہ رہا تھا ــــــ "تُو اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کر سکتا کیونکہ بابل کی تباہی اور بیل کی سزا کا وقت آ پہنچا ہے۔ جب تُو رات کے سینے میں خنجر اُتارے گا تو نئی صبح طلوع ہو گی

اورغلاموں، مجبوروں اور بے کسوں کو بابل کے ظلم وستم سے نجات ملے گی۔اس لئے تجھے اپنے مقصد پر گامزن رہنا ہوگا اور شاہ بنونید کے خلاف وہ فردِ جرم عائد کرنی ہوگی جس کے لئے تو بابل میں آیا ہے۔اُٹھ اور اپنے گواہوں کو تلاش کر۔ہاروت ماروت ہیں تیرے وہ گواہ____''

دل ودماغ کے درمیان یہ کش مکش رات بھر جاری رہی، وہ محبت اور فرض کے مابین تقسیم ہوتا رہا،ٹوٹتا رہا،بکھرتا رہا۔نہ جانے کب نیند آئی اور کب سوگیا مگر آنکھ کھلی تو سورج طلوع ہوچکا تھا۔وہ جلدی سے اٹھا،ہاتھ منہ دھونے کے بعد کپڑے بدلے اور ایک جانب ہولیا۔ایک راستے سے گزرا تو کشادہ سڑک پر پہنچا پھر ایک پُرہجوم بازار میں چلتا رہا۔عجیب سی کیفیت تھی جیسے کوئی نیند میں چلتا ہے۔مگر یہ مشی فی النوم کی حالت نہیں تھی،ایک نیا فیصلہ،ایک نیا عزم تھا جو اُسے دیوانہ وار کسی جانب لئے جارہا تھا۔لوگوں کے درمیان سے گزرتا،ہجوم کو چیرتا وہ بے پرواہ چلتا رہا جیسے کوئی موجِ دریا گزرتی ہے۔اچانک پتھر کی لمبی لمبی سیڑھیوں کے پاس اس کے قدم آپ سے آپ رُک گئے۔سر اٹھا کر دیکھا تو معبدِ اکور کے سامنے کھڑا تھا اور پوری اُنیس سیڑھیوں کے اوپر پتھر کے چبوترے پر پیتل کا وہ عظیم بیل بھی چمکتا،دمکتا نظر آیا جو بحالتِ غضب زمین کے پیٹ میں سینگ ماررہا تھا۔

یہاں پہنچنے کا مطلب تھا کاہن زریہ سے ملاقات اور زریہ سے ملاقات کا مطلب تھا فرض کی ادائیگی۔گویا اُس نے دماغ کا فیصلہ قبول کرلیا تھا۔

سیڑھیاں چڑھ کر وہ چبوترے پر پہنچا۔یہاں مقدس بیل کے عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ سنگی چبوترے کے چاروں اطراف چار پروہت نذرانے وصول کرنے کے لئے بیٹھتے تھے۔ مہرتاب عقیدت مندوں اور پروہتوں سے کترا کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھا مگر اُسے دروازے پر روک دیا گیا۔بڑی بڑی مونچھوں والے ایک پہرے دار نے بتایا کہ وہ اندر نہیں جاسکتا کیونکہ دیوتا کی عبادت طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے۔

مہرتاب نے بتایا۔''میں کاہنِ اعظم زریہ سے ملنے آیا ہوں۔''

''بزرگ زریہ لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے۔''

''مگر جب انہیں بتاؤ گے کہ گارجیت کا مہرتاب ملنے آیا ہے وہ ملاقات سے انکار نہیں کریں گے۔''

''میں معبد کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔''

اچانک ایک دیوداسی کہیں سے نکل آئی اور مہرتاب سے مخاطب ہوکر بولی۔''تم وہی ہونا جس نے ''رقصِ عبادت'' کی تقریب میں معبدِ اشتر کے کاہن اشمیدی کو شکست دی اور زہرہ جمال،بیدخت کو بچالیا تھا____؟''

''تمہارا خیال غلط نہیں۔''

''بزرگ زریہ واقعی لوگوں سے نہیں ملتے لیکن میں تمہارا پیغام ضرور پہنچاؤں گی،شاید وہ تمہیں بلالیں۔میری واپسی کا انتظار کرو۔''

یہ کہہ کر دیوداسی جو جوان بھی تھی اور خوب صورت بھی،بلند ڈیوڑھی سے گزر کر معبد کے صحن میں داخل ہوئی اور ہوا کے جھونکے کی طرح اُڑتی چلی گئی۔مہرتاب جانتا تھا بابل کے بڑے بڑے کاہن خاص مواقع یا پھر تہواروں کے علاوہ عام لوگوں سے نہیں ملتے اور خود کو سب سے بالاتر سمجھتے ہیں لیکن وہ تو اس اُمید پر چلا آیا تھا کہ ''رقصِ عبادت'' پر مقدس زریہ نے بھی اس کی مذہبی معلومات کی داد دی اور بادشاہ نے اُسے اپنے دربار کی حاضری کی اجازت بخشی تھی۔اس لئے شاید زریہ بھی ملاقات پر تیار ہوجائے۔یہ توقع غلط نہ تھی۔چند ہی لمحوں میں دیوداسی لوٹ آئی اور کہنے لگی۔

''مقدس زریہ نے ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔تم واقعی خوش قسمت ہو۔میرے ساتھ آؤ۔''

پھر وہ آگے آگے چلی اور چند راہ داریوں سے گزر کر معبد کے ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئی،جہاں کاہنِ اعظم گونگے دیوتاؤں کے ساتھ جو اس کی پشت پر خاموش ومہر بلب کھڑے تھے،اُس کا انتظار کررہا تھا۔دیوداسی سر جھکا کر اُنہی قدموں لوٹ گئی اور زریہ نے مسکراتے چہرے کے ساتھ مہمان کا خیر مقدم کیا۔''خوش آمدید مہرتاب!مجھے خوشی ہے کہ تم ملنے آئے حالانکہ یہاں ملاقات کا دستور نہیں۔''

''میں شکرگزار ہوں کہ آپ نے خلافِ دستور مجھے ملاقات کا موقع دیا۔''

''میں خود تم سے ملنے کا خواہش مند تھا۔''

مہرتاب نے حیرت سے دیکھا تو زریہ کہہ رہا تھا۔''دینِ بابل کے بارے میں تم بابل کے کاہنوں سے زیادہ علم رکھتے ہو حالانکہ مہرتاب عجمی نام ہے۔''

''سروش____بھی عجمی نام ہے۔''

مہرتاب فوراً ہی اپنے مطلب پر آ گیا۔ اس کی زبان سے "سروش" کا لفظ سن کر زریہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی۔ تعجب کی نظروں سے اسے دیکھا اور حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا کہا تم نے؟"

مہرتاب نے ذرا آگے بڑھ کر خفیہ لفظ دہرایا۔ "سروش" اور نتیجہ اُس کی توقع کے عین مطابق نکلا۔ زریہ چپ چاپ کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر اُس کے چہرے کا اضطراب بتدریج سکون میں تبدیل ہو گیا اور وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"تم اپنا مقصد بیان کر سکتے ہو۔ یہاں ہماری گفتگو سننے والا کوئی نہیں۔"

کسی تمہید کے بغیر مہرتاب نے مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ ہاروت ماروت کہاں ہیں____؟"

"اگر تم یہ سوال چار روز پہلے پوچھتے تو میرا جواب یہ ہوتا کہ دونوں قلعۂ اساگیلہ کے زندان میں ہیں۔"

"اور اب____؟" مہرتاب نے مضطرب لہجے میں سوال کیا۔

"زندان کا وہ کمرہ خالی ہو چکا ہے۔"

"کیا انہیں ختم کر دیا گیا؟"

"نہیں____ غالباً وہ فرار ہو گئے ہیں۔"

"قلعۂ اساگیلہ کے زندان سے فرار ہونا آسان نہیں۔"

"اس کے باوجود وہ غائب ہیں اور یہ واقعہ "دیوتاؤں کے جلوس" کی رات پیش آیا۔"

مہرتاب کو اس اطلاع پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ "زندان کے محافظ کیا کہتے ہیں؟"

"ان کا بیان ہے جلوس کی رات جب سارے شہر میں چراغاں ہو رہا تھا، لوگ جشن منا رہے تھے، داروغۂ زندان نے ان کے لئے انگور کی اعلیٰ شراب بھیجی تھی تاکہ وہ بھی جشن منا سکیں۔ انہوں نے شراب پی اور ہوش و حواس کھو بیٹھے کیونکہ شراب میں کچھ ملا دیا گیا تھا۔"

"مگر داروغہ نے ایسا کیوں کیا؟"

"شراب داروغہ نے بھیجی ہی نہیں تھی۔ صبح جب وہ زندان کے گشت پر آیا سارے محافظ بے ہوش پڑے تھے اور ہاروت ماروت کا کمرہ خالی ہو چکا تھا۔ داروغہ نے وہیں سر پیٹ لیا۔"

"پھر انہیں کون لے گیا؟"

"یہی معمہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا____ ریموت کے جاسوس اُسی دن سے اُن کی تلاش میں ہیں۔"

مہرتاب بے حد پریشان نظر آنے لگا۔ کچھ سوچ کر اُس نے پوچھا۔ "انہیں کس کے حکم پر گرفتار کیا گیا تھا؟"

"بیلشازار نے اپنے خاص آدمیوں کو حکم دیا تھا گرفتاری کا۔"

"جرم کیا لگایا تھا؟"

"بیلشازار کو معلوم ہوا تھا وہ کوئی راز کی بات جانتے ہیں۔"

مہرتاب کی بے چینی کچھ اور بڑھ گئی، تڑپ کر بولا۔ "اور وہ راز کی بات کیا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن ولی عہد کو ایسی ہر بات سے دلچسپی ہے جو اُس کے باپ کی کسی غلطی یا کمزوری سے تعلق رکھتی ہو۔ غالباً ہاروت ماروت کوئی ایسی بات جانتے ہیں جو بادشاہ کو مجرم ثابت کر سکتی ہے۔"

مہرتاب کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ "تو بیلشازار کو خبر مل گئی کہ بادشاہ مجرم ہے؟"

بوڑھے زریہ نے اُس کے چہرے کا رنگ اُڑتے دیکھا، لہجے کی بے قراری محسوس کی، الفاظ کو ذہن کی میزان میں تولا اور فقرے سے ایک مطلب اخذ کرتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے تم بھی اس راز سے واقف ہو۔"

مہرتاب اُس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے بولا۔ "بزرگ زریہ! اگر تمہارا بیان درست ہے تو ہاروت ماروت قلعۂ اساگیلہ کے زندان سے فرار نہیں ہوئے، انہیں اغوا کیا گیا ہے۔"

"اغوا کون کر سکتا ہے؟"

"شاہ بنونید کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں۔"

"مگر بادشاہ کو تو ان کی گرفتاری کا بھی علم نہیں۔ بیلشازار نے اُن کی گرفتاری اور اسیری کو انتہائی خفیہ رکھا تھا۔"

"پھر کس نے اغوا کیا ہے انہیں؟"

"میرا خیال ہے چند روز میں کوئی سراغ مل جائے گا۔"

مہرتاب نے پاؤں فرش پر مارا۔ "چند روز تو بہت ہوتے ہیں مقدس زریہ____! اور زندگی کا رشتہ چند لمحوں میں منقطع ہو جاتا ہے۔"

"میں جو کچھ جانتا تھا، بتا چکا ہوں۔"

"مگر میں جس اُمید پر آیا تھا وہ پوری نہیں ہوئی۔"

"اگر مجھے ان کے بارے میں کوئی خبر ملی تو تمہیں کہاں تلاش کیا جائے؟"

"سردار سیسرا مجھے ہر اطلاع پہنچا سکتا ہے۔"

مہرتاب اس ملاقات کو خود ہی ختم کرتے ہوئے مُڑا تو بوڑھے زریہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ٹھہرو ــــ! ابھی مجھے وہ بات کہنی ہے جس کے لئے خود تم سے ملنا چاہتا تھا۔"

مہرتاب نے پلٹ کر دیکھا تو زریہ کہنے لگا۔ "تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ تمہیں اشمیدی اور اُس کے شاگردوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"اس اطلاع کا شکریہ۔"

"کبھی پناہ کی ضرورت ہو تو معبدِ اکور کا دروازہ تمہیں ہر وقت کھلا ملے گا۔"

مہرتاب نے اس مہربانی کے لئے بھی شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکلا۔ پھر راہ داریوں سے گزرتا ہوا باہر آ گیا صحن میں وہی تیکھی دیوداسی غالباً اس کا انتظار کر رہی تھی جو زریہ سے ملاقات کا واسطہ بنی تھی۔ دیکھتے ہی اُس کی طرف لپکی۔ وہ سمجھا شاید اپنی خدمت کے عوض انعام کی طلب گار ہے۔ مہرتاب نے اپنی جیب سے ایک طلائی چھلّہ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ حیران و ششدر سی رہ گئی۔

"یہ کیا ہے؟"

"تمہارا انعام ــــ"

"تم سمجھتے ہو میں انعام کے لئے کھڑی تھی؟"

"پھر؟"

"میں یہ چھلّہ انعام میں نہیں، تمہارا تحفہ سمجھ کر قبول کرتی ہوں۔" مہرتاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ دیوداسی نے ابھی بات پوری نہیں کی تھی۔ کہنے لگی۔ "اسے آویزہ بنا کر کان میں پہنوں گی تاکہ یہ ہر وقت تمہاری یاد دلاتا رہے۔"

مہرتاب نے ایک اور طلائی چھلّہ نکالا اور اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ "یہ دوسرا چھلّہ دوسرے کان کے لئے۔"

دیوداسی مسکرا دی۔ "اب تو تمہاری یاد میرے دونوں کانوں میں جھولتی رہے گی، پھر کب آؤ گے؟" اس کی آنکھوں میں ایک خواب سا تیر رہا تھا۔

"میں معبدوں اور مندروں کا آدمی نہیں پھر بھی مجھے دیوداسیاں اچھی لگتی ہیں ــــ شاید تم سے پھر ملاقات ہو۔"

"میرا نام پارکا ہے۔ کبھی خیال آئے تو اسی نام سے یاد کر لینا۔"

پھر وہ ڈیوڑھی کے دروازے تک اس کے ساتھ آئی۔ مہرتاب اسے دروازے کی دہلیز میں صورتِ تصویر چھوڑ کر معبد سے باہر نکلا اور پتھر کی لمبی سیڑھیاں اُتر کر اپنی راہ ہو لیا۔ معبدِ اکور سے ایک سیدھا راستہ بخطِ مستقیم دریائے فرات کی طرف جاتا تھا وہ اُسی راستے پر چلنے لگا کیونکہ اب سردار سیسرا سے ملاقات بہت ضروری ہو گئی تھی۔

جب گھاٹ پر پہنچا سورج سر پر آ گیا تھا اور سائے سمٹ گئے تھے۔ سردار سیسرا گھاٹ ہی پر موجود تھا جہاں ملاحوں اور دوسرے کنارے جانے والے مسافروں کی بھیڑ سی لگی تھی۔ اس بھیڑ میں وہ دوستوں کی بجائے دو اجنبیوں کی طرح ملے۔ سیسرا اُسے لے کر ایک چھوٹی سی کشتی میں آ بیٹھا اور کشتی ساحل چھوڑ کر ہولے ہولے دریا کے سینے پر تیرنے لگی۔

مہرتاب نے کاہنِ اعظم زریہ سے ملاقات کی تفصیل سنائی اور یہ سن کر کہ ہاروت ماروت قلعۂ اساگیلہ کے زندان سے فرار ہو گئے یا اغوا کر لئے گئے ہیں، بوڑھے ملاح کے ہاتھوں میں چپوؤں کی جنبش تھم گئی۔ کشتی آپ سے آپ بہاؤ کے رُخ بہنے لگی سردار سیسرا گردابِ فکر میں کھو گیا تھا۔ مہرتاب کے الفاظ بھنور کی طرح اس کے ذہن میں چکر کاٹنے لگے۔

"سردار سیسرا ــــ! اگر "فرشتوں" کو کچھ ہو گیا تو بابل میں میری آمد کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ ہم ایک جیتی ہوئی بازی ہار دیں گے۔"

"تم کہتے ہو بادشاہ کے سوا اُنہیں اور کوئی اغوا نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارا اندیشہ درست ہے تو بہت برا ہوا ہے۔"

"اُن کی زندگی خطرے میں ہے سردار! بادشاہ اپنا جرم چھپانے کے لئے انہیں ختم کر دے گا۔" پھر ایک لمحہ ٹھہر کر اُس نے کہا۔ "تم نے پہلی ملاقات میں بتایا تھا کہ بابل پر بیلشازار اور شاہ بنونید کی بجائے شہزادی شمورہ حکومت کرتی ہے۔"

"ہاں ــــ یہ درست ہے۔"

"تو کیا شہزادی شمورہ تک رسائی ہو سکتی ہے؟"

سردار سیسرا نے ہولے ہولے سر اٹھایا اور مدھم آواز میں کہنے لگا۔ "ہاں ـــــ اب صرف یہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔"

"مجھے وہ راستہ دکھاؤ۔"

"شہزادی شمورہ سے ملاقات کے لئے دو تین روز انتظار کرنا ہوگا۔"

"انتظار کے لمحے کچھ اور مختصر کرو سردار!"

"مشکل ہے۔ میں ایک دو روز میں بندوبست کر کے پرسوں تمہیں باغاتِ معلقہ میں پہنچا دوں گا۔ شہزادی سے کام لینا تمہاری اپنی قابلیت پر منحصر ہوگا۔"

"فرشتوں کی زندگی کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔"

سیسرا نے کشتی کا رُخ ساحل کی طرف موڑ دیا اور اُسے گھاٹ سے کچھ فاصلے پر کنارے سے لگایا تا کہ مہرتاب کو لوگوں کے ہجوم سے نہ گزرنا پڑے مگر جونہی انہوں نے ساحل پر قدم رکھا ایک تحیر خیز خبر سنی، سرکاری نقارچی اعلان کر رہا تھا۔

"فرعونِ مصر احمسس کا خاص سفیر منتھو، فرزند مردوک شاہ بونید کے لئے مصری تحائف اور فرعون کا پیغام لے کر دیوتاؤں کے شہر بابل میں پہنچ گیا اور کل شاہِ معظم نے دربارِ خاص میں طلب کر لیا ہے۔"

ایرانی حملے کے خلاف مصر و بابل کا اتحاد تاریخ کا ایک انتہائی اہم واقعہ تھا جسے انہوں نے حیرت و تعجب سے سنا۔ ورنہ 68 برس قبل عظیم بخت نصر نے فرعونِ مصر نخو[1] کو مغربی ایشیا سے مار بھگایا تھا اور فرعون ہوفرا[2] کی شکست پر تو ابھی 45 سال ہی گزر رہے تھے مگر ایران کے خلاف ماضی کے دونوں دشمن باہم اکٹھے ہو رہے تھے۔ سردار سیسرا نے تشویش انگیز نظروں سے مہرتاب کی طرف دیکھا اور بولا۔ "تاریخ کو اپنا ورق اُلٹنے دو۔ میں کل دربار میں جاؤں گا مگر تم شہزادی سے میری ملاقات کا معاملہ بھول نہ جانا۔"

❁

1. اسرائیلی صحائف اسی کو فرعون نکوہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دیکھئے سلاطین اور تواریخ 2۔
2. ہوفرا دراصل فوجی جرنیل تھا جو اپنی طاقت سے فرعون بن گیا تھا۔ کلدانی لشکر نے فرعون ہوفرا کو بھی شکست دی تھی۔ (تاریخ مصر، ونڈرس آف دی پاسٹ)

(16)

تاریخ کا سفر

◎

اِس داستان کا زمانہ 539 قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے جب ایران کا پہلا کسریٰ کورش ہخامنشی "دیوتاؤں کے شہر" بابل پر حملہ آور ہوا لیکن ایرانی حملے کا پس منظر جاننے اور کلدانیوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے ہم اُس عہد کے وہ تاریخی واقعات بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دیں جو مغربی ایشیا کے اس خطے میں ایرانی حملے کا سبب بن گئے۔

قلعۂ اساگیلہ کے سرکاری وقائع نویسوں نے جو تاریخی یادداشتیں جمع کی تھیں اُن کے مطابق مصر و شام کی کش مکش صدیوں پرانی تھی جس نے اُن کے درمیان دشمنی کی ایک طویل داستان چھوڑ دی۔

تاریخ وقائع نویسوں کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔

مصر[1] کے بارھویں حکمران خاندان (2000 تا 1788 ق م) تک کئی فراعنہ شام و فلسطین سے خراج لیتے رہے۔ اٹھارہویں صدی قبل مسیح جب مصری حکومت کمزور ہوگئی، شام کے ہکسوس وہاں پہنچے اور زیریں اور بالائی مصر پر قابض ہو گئے۔ غیر ملکی ہوتے کے باوجود انہوں نے مصری تہذیب اختیار کر لی اور فرعون ہی کہلائے۔

1. مصر و شام کی کشمکش کا حال "ونڈرس آف دی پاسٹ" کے حوالے سے قدیم مصری مؤرخ مینتھو سے اخذ کیا گیا ہے جو تیسری صدی قبل مسیح مصر کے بطلیموسی دور میں گزرا ہے۔ نیز دیکھئے قدیم تاریخ مصر اور ہسٹری آف سیریا۔

پندرھویں، سولھویں اور سترہویں خاندان کے فراعنہ شامی الاصل تھے۔ ہکسوس اقتدار کے خلاف ایک مصری شہزادے احمسس نے 1580 ق م میں بغاوت کر کے قومی حکومت قائم کر لی اور ہکسوس فلسطین و شام کی طرف پسپا ہو گئے۔ بعد ازاں تحوتمس اول (1541 تا 1501 ق م) تحوتمس سوم (1483 تا 1447 ق م) اور عمسیس دوم (1292 تا 1225 ق م) نے فلسطین اور شام پر متعدد حملے کیے اور مصری استعمار ان علاقوں سے خراج لینے لگا۔

نویں صدی قبل مسیح جب اشوریوں نے مغربی ایشیا میں ایک مستحکم حکومت قائم کر لی اس خاندان کے حکمران اسرحدون (677 تا 668 ق م) اور اس کے فاتح بیٹے اشور بنی پال[1] (668 تا 646 ق م) نے مصر فتح کر کے تحوتمس اور رعمسیس کی شاہی فتوحات کا بدلہ چکا دیا۔

یہ ہے مصر و شام کی قدیم آویزشوں کا مختصر سا حال۔

612 ق م میں جب بابل کے حکمران بنو پلاسر نے عراقِ عجم (ماد) کے بادشاہ ہوخشترہ کی مدد سے نینوا پر حملہ کر کے اشوری سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو فرعون نخو نے مغربی ایشیا کی طرف پیش قدمی کی اور مواب ادوم، عمون اور یروشلم کی ریاستوں سے خراج وصول کرنے لگا مگر نینوا کی فتح کے بعد بابل اشوری سلطنت کا وارث اور جانشین بن گیا تھا۔ 605 ق م میں بنو پلاسر کا جنگ جو بیٹا بخت نصر کلدانی لشکر لے کر مصریوں کے مقابلے پر آیا۔ اُس نے دریائے فرات کے کنارے میدانِ کرکمیش میں فرعون نخو کو تباہ کن شکست دی۔ مصر کے تمام ایشیائی مقبوضات چھین لئے اور 597 ق م میں شاہِ یروشلم یہویا کین[2] کو (جسے فرعون نخو نے یہویاقیم کے بعد تخت پر بٹھایا تھا) بطورِ سزا پابہ زنجیر بابل روانہ کر دیا۔

بخت نصر کے حکم پر صدقیا[3] کو یہودی ریاست کا حکمران بنایا گیا جو اب بابل کی باج گزار تھی مگر دس سال کے بعد 587 ق م میں اس نے فرعونِ مصر ہوفرا کے اشارے اور یہودی عالموں کے ایما پر کلدانی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دی تو شہنشاہ بخت نصر نے یروشلم کے ساتھ ہیکلِ

[1] اشور بنی پال کی افریقی فتوحات کو تاریخ میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ یورپی مؤرخوں نے بھی اس کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

[2]، [3] عہد نامۂ قدیم کتابِ سلاطین (۲) و کتابِ تواریخ (۲) میں مصر و شام کی اس کش مکش اور یہودی بادشاہوں کی بغاوت اور اسیری کا حال تفصیل سے درج ہے نیز طبری، ابنِ خلدون، ہیروڈوٹس، فلپ کے حتی۔

سلیمانی کو بھی پیوندِ زمین کرنے کا حکم دے دیا۔ کلدانی لشکروں نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ ہوفرا سپاہِ جرار کے ہمراہ عبرانی بادشاہ کی مدد کو آیا لیکن کلدانیوں کے ہاتھوں ذلت آفریں شکست کھا کر مصر لوٹ گیا۔ اب صدقیا بالکل مایوس ہو چکا تھا 586 ق م کی ایک رات وہ اپنی سپاہ لے کر یروشلم سے فرار ہوا مگر کلدانی لشکر نے تعاقب کر کے اُسے جا لیا اور گرفتار کر کے ربلہ کے مقام پر بخت نصر کے حضور پیش کیا۔ مغضوب الغضب شہنشاہ کے حکم پر شاہِ یہود صدقیا کی آنکھوں کے سامنے اس کے لڑکوں کو قتل کیا گیا پھر اس کی بھی آنکھیں نکلوا دی گئیں اور بیڑیاں پہنا کر بابل روانہ کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد بخت نصر نے صور کی شدید مدافعت کو توڑ کر لبنان پر بھی قبضہ کر لیا۔ ارضِ[1] حجاز بھی اس کے قہرمانی حملوں کا نشانہ بنی۔ اس طرح بحیرۂ احمر اور بحیرۂ روم کے درمیانی خطے میں کلدانی اقتدار قائم ہو گیا۔ کسی کو عظیم بخت نصر کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ بابل کو ''مملکتوں کی معزز خاتون'' کا درجہ حاصل ہو گیا۔ کئی سلطنتوں کی دولت اُس کے قدموں میں ڈھیر کر دی گئی۔ لاکھوں عورتوں کے سہاگ اُجاڑ کر ''خاتونِ بابل'' کو عظمت و جبروت کا سرخ جوڑا پہنایا گیا تھا۔

بخت نصر (605 تا 564 ق م) کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک سرحدوں پر امن رہا۔ مغربی ایشیا کی تمام حکومتیں بابل کی باج گزار تھیں۔ بخت نصر کے جانشین اویل مردوخ (564 تا 556 ق م) کا کچھ وقت وراثت کا جھگڑا نمٹانے میں صرف ہوا تھا۔ جب اس نے حکومت پر گرفت مضبوط کر لی تو یہود کے بادشاہ یہویاکین کو رہا کر دیا مگر یہود کو بدستور غلام بنائے رکھا جن کی دوسری نسل اسی غلامی میں جوان ہو چکی تھی۔ اس کے انتقال پر بنونید 556 ق م میں بابل کے تخت اژدر پر جلوس آرا ہوا تو مشرقِ وسطیٰ کے اس علاقے میں حالات بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل ہونے لگے اور کالدیا کی سرحدوں پر نصف صدی سے جو امن رہا تھا اس میں نئے خطروں کی لہر سرسرانے لگی۔

نئی کلدانی سلطنت کی بنیاد اگرچہ بنو پلاسر نے رکھی لیکن اس کی غیر معمولی عظمت و شہرت اور ترقی عظیم بخت نصر کے ذریعے عمل میں آئی جس نے عراقِ عجم کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم رکھے اور ہوخشترہ کے فرزند اژدھاک سے اپنی بیٹی ماندانہ کی شادی بھی کر دی تھی۔ وہ خود

[1] طبری اور ابنِ خلدون نے حجاز بالخصوص مکہ پر کلدانی حملے کا حال مفصل لکھا ہے۔

ایک عجمی شہزادی امتیس کو بیاہ لایا تھا جس کی خوش نودی کے لئے دنیا کے ساتویں عجوبے باغاتِ معلقہ[1] کا قیام عمل میں آیا۔ بخت نصر کی وفات کے بعد اکبتانہ[2] (ہمدان) کی عجمی طاقت میں اضافہ ہوا اور اژدھاک جو فارس اور آرمینیا پر بھی حکومت کرتا تھا، بڑا بادشاہ نظر آنے لگا۔

جب کمبوجیہ کی وفات پر فارس کے قبائلِ سہ گانہ نے اُس کے فرزند کورش ہخامنشی کو فارس کا بادشاہ تسلیم کر لیا تو اس نے عراقِ عجم (ماد) کے شہنشاہ اژدھاک کو خراج دینے سے انکار کر دیا اور اکبتانہ کے ارمنی سپہ سالار ہارپیگ کی مدد سے اژدھاک کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ جو باغی کورش کو سزا دینے کے لئے فارس کے دارالحکومت پارساگرد[3] پر چڑھ دوڑا تھا اُسے گرفتار کرنے کے بعد کورش نے اکبتانہ پر قبضہ کرنے میں حیرت انگیز تیزی اور ہوشیاری کا مظاہرہ کیا اور فارس و ماد کو متحد کر کے ایک نئی ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کے سر پر ''درفشِ[4] کاویانی'' لہرانے لگا۔

یہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا اور سلطنتِ کالدیہ کی شمال مشرقی سرحدوں کے اُدھر نئی ایرانی سلطنت کا قیام ایک نئی طاقت کے ارادوں کا پتہ دے رہا تھا۔ سرکاری جاسوسوں نے دربارِ بابل میں اس تبدیلی کی تفصیلی خبریں ارسال کیں۔ بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں اپنی رائے بھی لکھی۔ مگر شاہ بنونید کا خیال تھا، فارس و ماد کا اتحاد بہر حال دو ریاستوں کا داخلی معاملہ ہے اور کالدیا کی عظیم سلطنت کے لئے کسی خطرے کا عنوان نہیں بن سکتا۔ بعد ازاں ریموٹ کے خبر رسانوں نے دربارِ اساگیلہ میں شمال مشرقی سرحدوں سے موصول ہونے والی جو ضروری

1۔ عجمی شہزادی جب بابل میں آئی تو یہاں عراقِ عجم کی سی بہاریں نہیں تھیں۔ وہ اُداس رہنے لگی۔ بخت نصر نے اُس کی دل بستگی کے لئے باغاتِ معلقہ تعمیر کرائے جو سات منزلوں پر واقع تھے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

2۔ تاریخ اس شہر کو اکبتانہ، ہگمتان اور ہمدان کے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ 700 ق م اس شہر کے گرد سات دیواریں تھیں۔ ہخامنشی دور میں یہ ایران کا سرمائی دارالحکومت قرار پایا۔ (بحوالہ ہیروڈوٹس اور پروفیسر جیکسن)

3۔ پارساگرد۔ آج کل اس کے آثار میدانِ مرغاب میں ملتے ہیں۔ یہ میدان مشہد سے چھ میل کے فاصلے پر ہے یہاں کورش کا مقبرہ ہے۔

4۔ ایرانی سپاہ کا پرچم جسے کورش نے تیار کرایا۔

یادداشتیں ارسال کیں اُن میں کورش ہخامنشی اور اُس کے مشہور رسالہ ''قشونِ جاودانی'' کا ذکر بار بار آنے لگا۔ یہ رسالہ ہمیشہ بادشاہ کی معیت میں سفر کرتا رہا۔

شاہِ بابل بنونید نے جس ''ایرانی خطرے'' کو نظر انداز کر دیا اس کا انسداد ایشیائے کوچک کی سلطنت لیدیا[1] کے یونانی حکمران کرزوس نے ضروری سمجھا۔ بخت نصر کے زمانے میں عراقِ عجم اور ایشیائے کوچک کے درمیان دریائے ہیلس سرحد قرار پایا تھا لیکن اب کرزوس ایران کی نئی طاقت پر ضرب لگانا اور دریائے ہیلس کو عبور کر کے فارس و ماد کے وحشی قبائل کو جنوب مشرق کی طرف دھکیل دینا چاہتا تھا جو کورش کی قیادت میں متحد ہو کر ایک ''خطرہ'' بن گئے تھے۔ اس مقصد کے لئے اس نے ڈلفی کے مشہور مندر سے آریکل[2] (ندائے غیبی) کا جواب بھی طلب کیا کہ:

''اگر میں دریائے ہیلس عبور کر کے ایران پر حملہ کروں تو کیا ہوگا؟''

ڈلفی کا مندر ایک پہاڑ کی وادی میں واقع تھا۔ سب سے اندرونی حجرے کے اندر زمین میں ایک سوراخ تھا جس سے سرد بخارات نکلتے رہتے اور آدمی پر بے خودی سی طاری کر دیتے تھے۔ ڈلفی کی کاہنہ اس سوراخ کے اُوپر ایک چوبی تخت پر بیٹھتی اور حالت بے خودی میں جو جواب دیتی، ڈلفی کے پروہت اُسے یونانی زبان میں منظوم کر کے سائل کو سنا دیتے تھے۔

کرزوس نے جو سوال کیا اُس کا جواب یہ تھا۔

''ایک بڑی سلطنت تباہ و برباد ہو جائے گی۔''

یہ ندائے غیبی اگرچہ مبہم تھی کیونکہ اس میں تباہ ہونے والی سلطنت کا تعین نہیں کیا گیا تھا مگر کرزوس کے نزدیک اس سے مراد یقیناً ایرانی سلطنت تھی جو فارس و ماد کے اتحاد سے فی الواقع ''بڑی سلطنت'' بن گئی تھی۔ چنانچہ وہ دریائے ہیلس عبور کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ساتھ ہی سپارٹا، مصر اور بابل کی طرف ایلچی دوڑائے کہ وہ ایران کے خلاف اُس کی مدد کریں۔

546 ق م میں جب کورش اپنی نئی ایرانی سلطنت کا دورہ کر رہا تھا اچانک خبر ملی کہ لیدیا کا

1۔ اناطولیہ کا جنوب مغربی علاقہ اُس زمانے میں ایک الگ تھلگ ریاست شمار ہوتا اور ''لیدیا'' کہلاتا تھا۔ اس کا دارالحکومت سارڈیس (سمرنا) تھا۔ یہاں یونانی الاصل بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ (ہیروڈوٹس، فلپ حتی)

2۔ یونانیوں میں ڈلفی کے مندر اور آریکل کا بڑا شہرہ تھا۔ کرزوس نے ندائے غیبی سے جواب مانگا تھا۔ (آریکل کی تفصیل ماخوذ از مخلشپ کلاسیکل ڈکشنری)

یونانی حکمران کرزوس اس پر حملے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اُس نے ڈلفی کے مندر سے فال بھی نکلوائی ہے اور دارالسلطنت سارڈیس (سمرنا) سے کوچ بھی کر چکا ہے۔

یہ منحوس خبر سن کر کورش نے ہخامنشی سرداروں کو ساتھ لیا، اپنے نیسائی گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سیدھا شوشان پہنچا جو ریاستِ عیلام کا دارالحکومت تھا۔ بوڑھا حکمران گوبارو (گوب ریاس) بادشاہ کے استقبال کو نکلا اور بصد احترام اُسے لے کر اپنے شاہی محل میں آیا۔ گوبارو جو اس سے قبل شاہِ بابل کا سرحدی گورنر بھی رہ چکا تھا ایک باخبر اور عقل مند آدمی تھا اور کورش اس کے پاس کرزوس کے متعلق معلومات حاصل کرنے آیا تھا۔

کرزوس[1] کے پاس بے اندازہ دولت تھی۔ ایشیا کیا دُنیا بھر میں کوئی ملک، کوئی بادشاہ اُس کے خزانوں کا حریف نہ تھا۔ لیدیا ایشیائے کوچک کا ایک ضلع تھا اور دریائے ہیلس کے مغرب کا سارا علاقہ اُس کے ماتحت تھا۔ کرزوس کے باپ شاہ الیاٹیس نے اس دولت میں اضافہ بھی کیا اور سپارٹا، مصر اور بابل کے بادشاہوں سے دوستی کے معاہدے کر کے اپنی سلطنت کو مضبوط و مستحکم بھی کر لیا تھا۔ لیدیا سے جنگ کا مطلب چار سلطنتوں سے لڑائی مول لینا تھا۔ ہخامنشی سرداروں کا خیال تھا گوبارو کورش کو کرزوس سے صلح کرنے کا مشورہ دے گا لیکن بوڑھے عیلامی بادشاہ نے اشور بنی پال کے ایک کتبے کی طرف اُنگلی اٹھائی جو اُس کے محل کی دیوار پر نصب تھا اور کہا۔

"معزز کورش ——— ! اشور بنی پال نے یہ کتبہ اس وقت کندہ کرایا تھا جب پورے ایشیائے کوچک کو فتح کر لیا۔ اس قسم کے کتبے صرف انہی بادشاہوں کے لئے لکھے جاتے ہیں جو مغرور اور بدعہد حکمرانوں کی گردنیں خم کر دینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ تمہیں کرزوس کے حملے کا انتظار کرنے کی بجائے خود آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرنا چاہئے ——— یہی بہترین دفاع ہے۔"

کورش نے پوچھا "اگر سپارٹا کے جہاز، فرعونِ مصر کے لشکر اور بابل کے تیر انداز اُس کی مدد کرنے آ گئے تو ——— ؟"

گوبارو نے بڑی فراست سے جواب دیا۔ "سپارٹا کے جہاز تمہارے نیسائی گھوڑوں کی طرح تیز رفتار نہیں۔ مصر دُور ہے اور بابل نزدیک۔ مگر شاہ بنونید کو جنگ و جدل کے ہنگاموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم پر عقب سے حملہ کرنے کی بجائے وہ تمہارے اور کرزوس کے درمیان

1 بے اندازہ دولت کے باعث مغربی مؤرخین کرزوس ہی کو قارون کہتے ہیں۔ (تاریخ ایران)

ہونے والی لڑائی کے نتیجے کا انتظار کرے گا۔"

ہخامنشی سردار یہ باتیں سن کر دنگ رہ گئے مگر کورش اُس کے ہر لفظ کو ذہن کی میزان میں تولتا رہا۔ گوبارو نے اُسے کوئی معمولی مشورہ نہیں دیا بلکہ اُس کی بہادری آزمانے کے لئے ایک نیا میدان تلاش کیا تھا۔ "اچھا گوبارو! اگر ہم کرزوس پر حملہ کر دیں جیسا کہ تم نے مشورہ دیا ہے تو ہمارا ساتھ دو گے؟"

شوشان کے حاکم نے اس کا عملی جواب دیا۔ اپنی بیٹی امیتی کی شادی کورش سے کر دی۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ وہ خود اور عیلام کے باشندے ایرانی شہنشاہ کے وفادار رہیں گے۔ یہ کورش کی دوسری شادی تھی۔ اس کی پہلی بیوی ملکہ کاسندانہ کے بطن سے اس کے دو لڑکے کمبوجیہ اور بردیہ تھے اور صرف ایک لڑکی اتوسا[1]۔

گوبارو کسی مندر کا کاہن، کسی رصد گاہ کا منجم، کسی ہیکل کا غیب دان نہیں تھا مگر اُس نے کرزوس کے بارے میں جو الفاظ کہے وہ الہام کی طرح درست ثابت ہوئے کورش نے عیلامی دانش ور کا مشورہ قبول کیا اور اپنے قشونِ جاودانی کے ہمراہ درفشِ کاویانی لہراتا ہوا ایشیائے کوچک کی طرف آندھی اور طوفان کی طرح جھپٹا۔ جارحیت کا ارتکاب کرزوس نے کیا جو دریائے ہیلس کو عبور کر چکا تھا مگر کورش نے اُسے آگے نہیں بڑھنے دیا اور ہرمیز کے میدان میں شکستِ فاش دی۔ وہ پیچھے ہٹ کر اپنے دارالحکومت سارڈیس (سمرنا) میں قلعہ بند ہو گیا۔ کورش نے آگے بڑھ کر ایک اور ضرب لگائی اور شہر فتح کر کے کرزوس کو اپنے خاص مصاحبین میں شامل کر لیا۔ نہ سپارٹا کے جہاز پہنچے، نہ مصر کے لشکر آئے نہ بابل نے مدد بھیجی اور گوبارو کا کہا پتھر کی لکیر ثابت ہوا۔ ایرانی سپاہ نے بڑی تیزی کے ساتھ اناطولیہ کے ساحل پر حرکت کی اور یونانی آبادیوں اور جزیروں کو نئی ایرانی سلطنت[2] میں شامل کر لیا۔

سارڈیس سے واپسی پر باختریا کا علاقہ بھی فتح ہوا۔ اب کورش اتنی بڑی سلطنت کا فرمانروا تھا جو بحیرۂ ایجئین کے اناطولی ساحل سے لے کر خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔

دربارِ اساگیلہ میں جب شاہ بنونید نے کورش کی فتح اور کرزوس کی شکست و مصاحبت کی خبر

1 اتوسا کی شادی دارا گشتاسپ سے ہوئی جو تاریخ میں "دارائے اعظم" کے لقب سے مشہور ہے
(قدیم تاریخ ایران، انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا)

2 بحوالہ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا

سنی تو دیوتاؤں کا شکر ادا کیا کہ اُس نے ایرانیوں پر عقب سے حملہ کرنے کی غلطی نہیں کی تھی مگر سلطنت کالدیا کی سرحدوں کے ساتھ جو اہم تبدیلیاں رُونما ہوئی ان سے کلدانی وقار کو بڑا دھچکا لگا تھا۔ مغربی ایشیا میں بابل سے بھی ایک بڑی مملکت معرضِ وجود میں آ گئی تھی اور ''مملکتوں کی خاتون'' اپنی نئی حریف کو چشمِ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ بابل کے غیب دان اور منجم ستاروں کی گردش و رفتار اور برجِ ساوی کی اشکال کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کاہنوں اور بزرگانِ دین کی مجلس نے اعلان کر دیا:

''لشکروں کے خدا'' بل مردوک نے جس طرح ماضی میں سب قوموں کے معبودوں پر فتح پائی اور اپنے شہرِ خاص بابل کی عظمت قائم رکھی ہے اسی طرح وہ آئندہ بھی اسے کامرانیاں عطا کرتا رہے گا۔'' اس اعلان کا مقصد یہی تھا کہ اکبتانہ اور پارساگرد کو بابل کے سامنے حقیر اور کم تر سمجھا جائے۔

بابل کے کاہنوں کو ایرانیوں سے اس لئے بھی نفرت تھی کہ وہ عبرانیوں کو خدا یہواہ کی طرح جنہیں وہ ''رب الافواج'' کے صفاتی نام سے پکارتے تھے، ایک اَن دیکھے خدا ''اہورموزدہ'' کو مانتے اور دینِ زرتشت[1] کی پیروی کرنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا اگر ایرانیوں نے کبھی بابل کا رخ کیا تو مردوک انہیں تباہ و برباد کر دے گا لیکن شاہ بنونید کورش کی مسلسل کامیابیوں کی خبریں سن کر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ اُس نے زبان سے تو اپنے خوف کا اظہار نہیں کیا تاہم زیادہ وقت نوادرات کے تہہ خانے میں گزارنے لگا اور کئی کئی مہینے غائب رہنے لگا۔ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ بادشاہ اعتکاف میں بیٹھا رہتا ہے۔ حالانکہ ان ایام میں وہ انتہائی خاموشی کے ساتھ بابل سے بہت دُور نکل جاتا۔ اپنے زر و جواہرات اور تاریخی نوادرات کی حفاظت کے لئے وہ شمالی حجاز کے مقام تیما[2] میں ایک نیا شہر، نیا بابل تعمیر کرانے میں مصروف تھا تاکہ خطرے کے وقت اپنے شاہی خزانوں کے ساتھ وہاں منتقل ہو سکے۔

نئے شہر کی تعمیر میں اُسے اکثر بابل سے غائب رہنا پڑتا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں بڑا لڑکا بیلشازار ہی امورِ سلطنت ادا کرتا اور ''شاہِ حاضر'' کہلاتا تھا۔ اسی عرصے میں جاہ پسند ولی

---

[1] دینِ زرتشت کے بارے میں مغربی مصنفین نے بڑی غلط فہمیاں پیدا کیں اور زرتشت کو آتش پرست قرار دیا ہے حالانکہ وہ ایک پیغمبر اور خدا کو واحد مانتے تھے۔

[2] بحوالہ ہسٹری آف سیریا

عہد نے کاہنوں کے ساتھ مل کر باپ کے خلاف ایک سازش تیار کی اور مشہور کر دیا کہ ربِ مردوک بادشاہ سے ناراض ہو چکا اور چاہتا ہے کہ اس کی جگہ بہادر جنگ جو بیلشازار اختیاراتِ حکومت سنبھال لے۔ شاہ بنونید کے خلاف سازش کا اصل مرکز معبدِ اکور[1] تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کاہنِ اعظم زریہ بادشاہ کا وفادار سمجھا جاتا تھا۔

لیدیا اور باختریا کی فتوحات کے بعد کورش اپنے ''قشونِ جاودانی'' کے ہمراہ منزلیں مارتا اور ''درفشِ کاویانی'' لہراتا مشرق کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ وہ سمرقند کے انتظامات سے فارغ ہو کر دریائے آمو کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا اور آریائی قبائل کو مطیع کرتا ہوا پنجاب، مکران اور سندھ[2] تک پہنچ گیا۔ اب یہ سارے علاقے ایرانی سلطنت کے صوبے بن گئے تھے جہاں قابلِ اعتماد مرزبان[3] مقرر کئے گئے تھے۔ لیکن جن ایام میں کورش مشرقی علاقوں میں فتح حاصل کرنے اور اُن کا نظم و نسق سنبھالنے میں مصروف تھا، بیلشازار اپنی سرحدوں کے اندر اس کے خلاف جنگی تیاریوں میں سرگرم تھا۔ اس نے کلدانی فوج میں اضافہ کیا۔ نئے فوجی دستے تیار کئے اور دجلہ و فرات کے درمیان سیپار کے مقام پر ایک عظیم الشان بلند و مضبوط دیوار بھی تعمیر کرائی جو حملہ آوروں کو سلطنتِ کالدیا کی حدود میں داخل ہونے سے روک سکے۔ ان قلعہ بندیوں اور فوجی سرگرمیوں کا مطلب یہ تھا وہ کورش سے جنگ لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

یہ جنگ اس لئے بھی ضروری تھی کہ کسی دشمن کے خلاف اپنی عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکے۔ بخت نصر کی طرح ایک عظیم فاتح کہلائے اور باپ کی جگہ بابل کے تخت و تاج کا مستحق ٹھہرے۔

ہیروڈوٹس، اسٹرابو، ڈائیوڈورس سیکولس، زینوفن اور جوزیفس ایسے قدیم مؤرخوں کی معلومات جو مختلف ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہیں، بتاتی ہیں کہ اس دور میں بابل بدنظمی کا شکار تھا اور تخت و تاج کی خاطر بیلشازار باپ کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ سلطنت کے پرانے وفاداروں کا بھی خیال نہ رکھا جاتا تھا۔ ہیروڈوٹس اور زینوفن نے تو اپنی تاریخوں میں ایک عجیب واقعہ رقم

---

[1] معبدِ اکور کے پجاری بادشاہ کے خلاف تھے لیکن کاہنِ اعظم زریہ پر بادشاہ اعتماد کرتا تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈلیم)

[2] کورش کی حکومت مکران و سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ (ایران نامہ از علی عباس شوشتری)

[3] مرزبان صوبے دار کو کہتے تھے۔ (پروفیسر جارج ایبرس)

کیا ہے۔ ان کے بقول شاہِ بابل کے حکم سے شوشان کے حاکم گوبارہ (گوب ریاس) کے اکلوتے بیٹے کو ایک معمولی جرم[1] کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ایسا ہی ایک حادثہ کانداتاز (گنڈاتیاز) کے ساتھ بھی پیش آیا۔ دونوں بابل کی وفاداری سے منحرف ہو گئے۔ انہوں نے بعض دیگر کلدانی سرداروں کو ساتھ لیا اور ہخامنشی شہنشاہ کے دربار میں درخواست لے کر پہنچے کہ لوگوں کو شاہِ بابل کے ظلم وستم سے نجات دلائی جائے۔

کورش اس وقت مشرقی مہم پر روانہ ہونے کے تمام انتظامات مکمل کر چکا تھا تاہم اس نے وعدہ کر لیا کہ واپسی پر بابل کے معاملات پر غور کرے گا۔ 540 ق م میں وہ مشرق میں نئی فتوحات حاصل کرنے کے بعد پارساگرد واپس آیا تو گوبارو نے اُسے وعدہ یاد دلایا اور بابل پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ کورش شوشان کے حاکم کا داماد بھی بن چکا تھا۔ اس نے گوبارو کے مشورے پر سنجیدگی سے توجہ دی اور اُسی کو بابل کی مہم کا نگران مقرر کیا۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے یہودی خبر رساں تاجروں[2] کے بھیس میں کورش سے ملتے اور اسے حضرت اشعیا (یسعیاہ نبی) کی وہ پیش گوئیاں سناتے تھے جو بابل کی شکست وتباہی کے بارے میں بہت عرصہ پہلے کی گئی تھیں۔ وہ یہودی اسیروں پر ہونے والے مظالم کی داستانیں بھی بیان کرتے اور بابل میں مقیم اسرائیلی نبیوں کے خفیہ پیغامات بھی لے کر آتے تھے حتیٰ کہ اُن کے ساتھ بابل پر حملے کے دوران اندرونی طور سے کورش کی مدد کرنے کا خفیہ[3] معاہدہ بھی ہو گیا تھا۔

یہ تاریخی شہادتیں اپنی جگہ درست ہوں گی لیکن داخلی حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ بنونید اور بیلشازار نے ایرانی حملے کے اسباب خود فراہم کئے۔ نہ صرف غیر ملکی غلاموں بلکہ مقامی لوگوں پر بھی مظالم بڑھتے گئے اور حکومت کے خلاف نفرت پھیلنے لگی۔ باپ بیٹے کے درمیان اقتدار کی کشمکش میں کاہن اور پروہت بھی دو حلقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ کوئی بھی سلطنت جو اس قسم کے داخلی حالات کا شکار ہوتی ہے، بیرونی حملے کو خود دعوت دیتی ہے۔ اس کا

1. ہیروڈوٹس
2. بحوالہ ہیرلڈلیم
3. ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد 2 میں اس خفیہ معاہدے کا ذکر موجود ہے۔ معاہدہ حجی نبی اور ذکریا نبی نے کیا تھا۔

ثبوت 539 ق م میں مل گیا جب ایرانی لشکر شمال کی طرف سے سرحد عبور کر کے کلدانی بستیوں میں داخل ہو گئے۔ جنگ جو بیلشازار بڑا سرگرم دکھائی دینے لگا اور سرحدی علاقوں کی حفاظت کے لئے دو شامی سرداروں سارڈس اور کارلو کو خوفناک سپاہ کے ہمراہ روانہ کر دیا۔

ہیروڈوٹس کے بقول گارجیت[1] کی جنگ دونوں سردار نہ صرف ہار گئے بلکہ گرفتار بھی کر لئے گئے کیونکہ گارجیت کا رئیس کورش سے مل گیا تھا۔ گوبارو نے شامی سرداروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا، انہیں بابل کے مظالم کی داستان سنا کر کورش کا حامی بنا لیا اور وہ اپنے لشکر سمیت ایرانی فوج میں شامل ہو گئے۔

سرحدی مقامات کے باشندے انصاف[2] پسند کورش کی حمایت کر رہے تھے۔ اُس نے عوام کے ساتھ غیر معمولی ہمدردی کا سلوک کیا اور اُن کی آزادی سلب نہیں کی تھی۔ کلدانی علاقے میں بابل کے خلاف بغاوت کی لہر چلنے لگی۔ ان خبروں نے بیلشازار کو مزید مشتعل کر دیا۔ ایرانی یلغار روکنے کے لئے وہ سیپار کی طرف بڑھا۔ ایرانیوں نے شمال کے ساتھ مشرق کی طرف سے بھی حملہ کر دیا تھا۔ بیلشازار جوشِ جنگ میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُس نے بادشاہ کی ہدایت نظر انداز کر کے کہ وہ خود پیش قدمی نہ کرے، سیپار کی عظیم فصیل کو چھوڑ دیا اور ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایرانی موسمِ سرما کے لئے رسد فراہم کرنے میں مصروف ہیں کیونکہ وہ کلدانی علاقے میں فصلیں کاٹ رہے تھے اور بیلشازار کے نزدیک یہ ایک عمدہ موقع تھا کہ اچانک ان پر چڑھ دوڑے اور اپنی ہیبت طاری کر دے۔ مگر جب وہ سیپار کی دیوارِ مدافعت سے نکل کر کھلے میدان میں آیا، اُسے حیرت انگیز حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایرانی غافل نہ تھے۔ ''قشونِ جاودانی'' کے سواروں اور تیر اندازوں نے غیر متوقع تیزی کے ساتھ حرکت کی اور بیلشازار کی فوج پر حملہ کر دیا۔ جنگ تو ہوئی لیکن کلدانی سپاہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹی۔ جنگ جو بیلشازار یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایرانی رسالہ بجلی جیسی تیزی کے ساتھ حملہ کرتا ہے۔ وہ اپنی غلطی سمجھ کر بہ سرعت پلٹا مگر ایرانی تیر اندازوں نے پیچھے مڑتی ہوئی فوج میں تباہی مچا دی۔

1. بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف بری ٹینکا
2. یونانی مؤرخ ٹی سیاز لکھتا ہے۔ سائرس (کورش) یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لئے نہیں ہوتی بلکہ رفاہِ عامہ کے امور میں صرف کرنی چاہئے تا کہ ماتحت لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف بری ٹینکا)

بیلشازار کا سارا جنگی نقشہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ وہ فوج کو شکست و بربادی سے نہ بچا سکا اور سدِ سیپار کی طرف پسپا ہو گیا۔ اس طرح اس نے کورش ہخامنشی کے خلاف اپنی پہلی جنگ ہار دی۔

شاہ بنونید سیپار میں خود پہنچ گیا جہاں بیلشازار تباہ شدہ فوج کو ازسرِ نو ترتیب دے رہا تھا مگر ایرانی رسالہ بدستور تعاقب میں تھا۔ ''قشونِ جاودانی'' کے برق پاش سوار زمین کی چھاتی دہلاتے آگے بڑھے آ رہے تھے۔ انہوں نے سدِ سیپار بھی عبور کر لی اور بہادر بیلشازار کو یہاں سے بھی فرار ہونا پڑا۔ اب بابل کے اِدھر کوئی دوسری پناہ گاہ نہ تھی۔ وہ دجلہ و فرات کے دوآبے کو دشمن کی تاخت کے لئے چھوڑ کر بابل کی ناقابلِ تسخیر فصیل ایمگور بل کے اندر محصور ہو گیا۔

کورش کے حکم پر نہ تو مفتوحہ علاقے کو تاراج کیا گیا نہ کھیتوں کو نقصان پہنچایا گیا۔ اس کے برعکس چاروں طرف منادی کر دی گئی کہ ہر شخص کا مال، عزت، گھر، کھیت محفوظ ہے۔ سب کے لئے امن و آزادی ہے۔ لوگ بے خوب و خطر باہر نکلیں اور اپنے معمول کے کام سرانجام دیں۔

مفتوحہ لوگوں کے لئے یہ اعلان ایک اچنبھا تھا۔ آج تک کسی فاتح نے ہاری ہوئی قوم کے باشندوں سے ایسا سلوک نہیں کیا تھا۔ فتح کے بعد لوٹ مار ضروری سمجھی جاتی تھی۔ عورتوں، مردوں کو زبردستی لونڈی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ گھروں کے دروازے توڑ کر سونا چاندی، نقدی، زیورات سب کچھ لوٹ لیا جاتا تھا۔ کنواریوں کی عصمت کے آئینے چور ہو جاتے تھے۔ جشنِ فتح میں عورتوں کو اپنے جسموں کا حسین معاوضہ ادا کرنا پڑتا تھا اور شراب کے پیمانے عصمتوں کے شیشوں سے ٹکرا کر فتح و کامرانی کی مستانہ جھنکار پیدا کرتے تھے۔ مگر کورش ہخامنشی اعلان کر رہا تھا کہ ایسی ہر حرکت لائق تعزیر ہو گی۔ کوئی سپاہی، کوئی افسر لوگوں کے گھر نہیں لوٹ سکے گا۔ عورتوں کی عزت سے نہیں کھیلے گا۔ لوگو! اپنے گھروں کے بند دروازے کھول کر باہر آ جاؤ جہاں زندگی اور آزادی تمہارا انتظار کر رہی ہے ــــــ یہ کورش ہخامنشی کا دور ہے۔

لوگوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی فاتح، مفتوح عوام کے ساتھ ایسا سلوک بھی کر سکتا ہے۔ یہ تو دستورِ زمانہ کے خلاف تھا۔ مگر جو اعلان کیا گیا اُس پر عمل بھی ہو رہا تھا۔ کسی کا دروازہ کھٹکھٹایا یا توڑا نہیں گیا۔ انتظار کے بعد لوگ گھروں کے دروازے کھول کر باہر آ گئے اور آہستہ آہستہ زندگی کے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ سب کے لئے یکساں آزادی تھی۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ کورش ہخامنشی کا قانون سب سے الگ ہے۔ وہ انہیں زندگی

کے کام کاج میں مصروف چھوڑ کر خود اپنے لشکروں سمیت بابل کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ کئی ماہ تک شہر کا محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن ایمگور بل کی نیرنگِ زمانہ فصیل سر نہ ہو سکی۔ کلدانی افسر اور سپاہی اس کی بلندی سے ایرانیوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ مگر ایک صبح جب انہوں نے ایمگور بل کے برجوں سے سامنے نظر دوڑائی تو میدان خالی دکھائی دیا۔ کوئی خیمہ نہ تھا۔ کوئی چھولداری نہ تھی۔ ایرانی لشکر محاصرہ اٹھا کر شمال کی طرف چلے گئے تھے اور ریموت کے جاسوس خبر لائے تھے کہ وہ جھیل سیرامیس کے کنارے پڑاؤ ڈال کر اپنا وقت کھیل کود میں ضائع کر رہے ہیں۔

مصیبت کے ان ایام میں صرف مصر ہی ایک ایسا ملک تھا جس نے شاہ بنونید کی طرف دوستی و تعاون کا ہاتھ بڑھایا اور اپنا سفیر دربارِ بابل میں بھیجا۔ شاید فرعون احمس سمجھتا تھا کہ ایرانی یلغار مغربی ایشیا ہی میں روک دینی چاہئے تاکہ وہ دیوتاؤں اور ان کے خدمت گزار فرعونوں کی سرزمینِ مصر کی طرف رُخ نہ کر سکے۔

★

(17)

دربار

◎

بابل اگر دوہری فصیلوں کا شہر تھا تو ان اُونچی اُونچی فصیلوں (ایمگور بل اور نیمیتی بل) کے اندر ایک سواسّی فٹ بلند تیسری فصیل بھی تھی جو قلعہ اساگیلہ کے اِردگرد گھومتی اور اسی کی رعایت سے "دیوارِ اساگیلہ" کہلاتی تھی۔ یہ دیوار ایوانِ بخت نصر، دفترِ شاہی اور قدیم عمارات مثلاً ایوانِ ماکلوب، جلوخانۂ[1] نمرود، قصرِ حمورابی، ایوانِ یوسیفر کے علاوہ جدید شاہی محلات، قصر میرودیج اور باغاتِ معلقہ کے گرد حصار بناتی دریائے فرات کی پہاڑی تک چلی گئی تھی۔ اس فصیل کے اندر شاہی خاندان کے افراد، قابلِ اعتماد کلدانی اُمراء، خواتین و بیگمات، ان کے خواجہ سرا، لونڈی غلام اور حفاظتی دستے مقیم تھے۔ گویا شہر کے اندر ایک اور شہر آباد تھا جس کی حفاظت "دیوارِ اساگیلہ" کرتی تھی۔

شاہراہِ جلوس (بابل کی سب سے چوڑی، سب سے خوب صورت سڑک جس کے دورویہ

[1] جلوخانۂ نمرود بہت بڑے رقبے میں تھا۔ ایوانِ شاہی سے جلوخانہ کے آخری کنارے تک اس کے اکیس صحن تھے۔ ہر صحن ہزار گز (تین ہزار فٹ) مربع کے طول و عرض میں تھا۔ باہر ایک رفیع الشان سنگیں دروازہ تھا جو بجائے خود ایک بڑی عمارت تھی۔ اس عمارت کے ہر دروازے کی بلندی کا اندازہ ایک سو ستر فٹ تک کیا گیا ہے۔ ہر دروازے میں پیتل کے دبیز کواڑ تھے۔ اندر سپاہیوں اور سردارانِ حاضر باش کے لئے کوٹھڑیاں، کمرے، شاگرد پیشہ تھے۔ بخت نصر کے عہد میں اس عمارت کی مرمت کی گئی تھی۔

کوکنار، کھجور، مہندی، سرو و شمشاد کے درخت اور پھولوں کے خوش رنگ قطعے تھے) دیوارِ اساگیلہ کے ساتھ ساتھ باغاتِ معلقہ سے مقدس ہیکل زیگورات، منارۂ بابل تک چلی گئی تھی۔ ہیکل کی ساتویں منزل پر خدائے بل مردوک کی مقدس عبادت گاہ تھی۔ اس ہیکل میں صرف شاہی خاندان کے افراد، مخصوص اُمراء اور بڑے بڑے کاہن، پروہت، پجاری ہی حاضری دے سکتے تھے مگر شاہراہِ جلوس پر لوگ دیوارِ اساگیلہ کے اس حصے تک بے روک ٹوک آ جا سکتے تھے جہاں بنوپلاسر اور اس کے بہادر فرزند عظیم بخت نصر کی فتوحات کے واقعات آرامی زبان میں کندہ تھے۔ ملکی و غیر ملکی سیاہ اور مسافران کتبوں کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ کچھ عرصہ قبل شاہ بنونید نے بھی اسی دیوار پر ایک کتبہ کندہ کرایا اور اس میں کورش ہخامنشی پر غالب آنے کی پیش گوئی کی تھی۔

اس کتبے کی عبارت نے اہلِ بابل کی نظروں میں بادشاہ کا گرتا ہوا وقار پھر بحال کر دیا تھا اور ان کے ویران دلوں میں امید کی ایک نئی شمع بھی روشن کر دی تھی۔ ان کا خیال تھا ایرانیوں پر غالب آنے کی بات دیوی ایشتار نے بادشاہ کے دل پر بطورِ الہام نازل کی ہے۔ اب بابل میں مصری سفیروں کی آمد نے اس کتبے کی اہمیت میں اچانک اضافہ کر دیا اور دربارِ خاص میں اکثر لوگوں کو اس پیش گوئی پر اظہارِ خیال کا موقع مل گیا تھا۔

مہرتاب بھی کلدانی امیرزادے کی پوشاک پہنے دیوارِ اساگیلہ کے اس حصے تک آ پہنچا تھا جہاں بنوپلاسر، بخت نصر اور بنونید کے کتبے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ مگر اس نے دیکھا کہ اس تاریخی دیوار پر شاہی کتبوں اور دیوی دیوتاؤں کی تصاویر کے علاوہ مقدس سانڈوں، اژدھوں، سوسماروں، گرگٹوں، نیولوں، متبرک عقابوں، شاہینوں، شتر مرغوں، بڑگیلوں، لقلقوں، قازوں، بگلوں، ہدہدوں، معصوم اور رمز شناس اُلوؤں، چمگادڑوں اور دیوتاؤں کی مدح میں گیت گانے والے ٹڈوں اور جھینگروں کی بھی ہزارہا صورتیں نقش تھیں۔ دینِ بابل میں دشت و صحرا اور دریا و ہوا کے یہ تمام جانور، پرندے اور کیڑے مکوڑے دیوتاؤں میں شمار ہوتے اور سب لوگوں پر ان کا احترام واجب تھا۔ ان تصویروں اور صورتوں کو نظر انداز کرتا اور شاہی کتبوں سے گزرتا ہوا وہ پتھر کی اُس لوح کی طرف بڑھا جس پر شاہ بنونید نے اپنی پیش گوئی اکدی زبان میں اس لئے کندہ کرائی تھی کہ اگر کورش یہاں آ بھی گیا تو اس زبان کا مطلب نہیں سمجھ سکے گا جو عرصے سے متروک ہو چکی اور جسے صرف بابل کے کاہن، پروہت،

غیب دان اور دینِ اکد کے ماہرین ہی پڑھ سکتے تھے۔

یہ عبارت دراصل ایران کے خلاف ایک اشتہارِ جنگ تھا اور اگر بنونید سمجھتا تھا کہ پیشگوئی اکدی زبان اور خطِ میخی میں ہے اور کورش اس کی تحریر سے آگاہ نہیں ہو سکے گا تو اُسے خام خیالی اور حماقت ہی کہنا چاہئے۔ کورش کی سلطنت میں ہر زبان کے کتبے اور عبارتیں پڑھنے والے لوگ موجود تھے۔

مہرتاب اکدی زبان سے واقف نہ تھا۔ اس نے ایک بوڑھے کلدانی سے جس نے اپنے سر پر جادوگروں کی سی لمبوتری ٹوپی پہن رکھی تھی، لوح پڑھنے کی فرمائش کی۔ بوڑھے نے بڑے پُرجوش انداز میں لوح کی تحریر پڑھی اور آرامی زبان میں اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ بھی کر دیا جسے سن کر بہت سے لوگ بادشاہ کی ہمت کی داد دینے لگے۔ اس کتبے میں شاہ بنونید نے دعویٰ کیا تھا۔

"کورش میرے قدموں میں جھکے گا۔ اس کا ملک میرے قبضے میں آ جائے گا اور اس کی سلطنت کی تمام املاک مالِ غنیمت کے طور پر مجھے مل جائیں گی۔"

ترجمہ کرنے کے بعد بوڑھا کہنے لگا۔ "یہ دراصل دیوی اِشتار کا الہام ہے جو بادشاہ پر نازل ہوا۔ دیکھ لینا، دیوی کی بات پوری ہو کر رہے گی۔"

مہرتاب لوگوں کے درمیان گم صم کھڑا رہا۔ شاہ بنونید نے سراسر احمقانہ دعویٰ کیا تھا، کیونکہ اس نے ابھی کورش ہخامنشی کی اصل قوت نہیں دیکھی تھی اور محض ایک کتبہ لکھوا کر جہاں اپنی گرتی ہوئی ذات کو سہارا دیا وہاں اہلِ بابل میں بھی ایک جھوٹا ولولہ پیدا کیا تھا۔ ایک شخص بوڑھے کلدانی کی بات سن کر بولا۔

"مجھے تو اب کورش کا عروج ختم ہوتا نظر آتا ہے۔"

"کیوں نہیں۔" دوسرے نے تائید کی۔ "اگر بابل اور مصر کے دیوتا متحد ہو گئے تو بے دین ایرانیوں کے خدا "آہورموزدہ" کی شکست لازمی ہے۔"

"میں نے سنا ہے مصری سفیر کے پیچھے پیچھے فرعون کے لشکر بھی آ رہے ہیں۔" ایک آدمی نے جو لباس سے کوئی رئیس معلوم ہوتا تھا، ایک ان سنی خبر سنا دی جیسا کہ ایسے موقعوں پر لوگ قیاس آرائی کو عموماً دوسروں کے حوالے سے بیان کیا کرتے ہیں۔

"ہوسکتا ہے مصر کے دیوتا رع نے بل مردوک کی حمایت ضروری سمجھی ہو۔"

۱ لوح کی عبارت بحوالہ ہیرلڈ لیم

لوگ دیوتاؤں اور الٰہوں کا ذکر کرتے قلعہ کے کوہ پیکر برنجی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے بھاری ساگوانی تختوں پر بڑے بڑے پترے جڑ دیئے گئے تھے۔ مہرتاب بھی لوگوں کی باتیں سنتا، ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس کے آگے پیچھے کئی معززینِ شہر جنہیں دربارِ اساگیلہ میں حاضری کا شرف حاصل تھا، اپنی حیثیت اور مرتبے کے مطابق خوش رنگ لباس پہنے رواں تھے اور پُرشوق نظروں سے مہرتاب کو بھی دیکھ رہے تھے کہ جس کی پشت پر لرزاں زرد عبا اُس کے مردانہ حُسن میں ایک عجیب سی کشش پیدا کر رہی تھی۔

جونہی وہ بلند و بالا برنجی دروازے میں داخل ہوا مسلح پہرے داروں کے درمیان سے ایک شخص لپک کر اس کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی اس نے محافظوں کو اشارہ بھی کیا۔ مہرتاب نے یہ سب کچھ چشمِ حیرت سے دیکھا اور سوچنے لگا شاید وہ آدمی اس سے دربارِ خاص کی حاضری کا پروانہ طلب کرے گا لیکن فوراً ہی اُسے یاد آیا کہ وہ تو شاہی وقائع نویسوں کا سردار نیرگل ہے جس نے دیوتاؤں کے جلوس کی رات معبدِ اکور میں اس کی شناخت تحریر کی تھی اور بادشاہ نے اس کی موجودگی میں اسے اپنے دربار میں حاضری کا حکم دیا تھا۔ مہرتاب کا اندیشہ دور ہو گیا۔ نیرگل فوراً ہی اس کے قریب آیا اور بولا۔

"میں صبح سے یہاں کھڑا صرف تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

مہرتاب چونک سا گیا اور نیرگل نے بتایا۔ "معبدِ اکور میں ہم نے تمہارے نام اور وطنِ مالوف کے بارے میں معلومات تحریر کی تھیں مگر یہ دریافت کرنا بھول گئے تھے کہ بابل میں تم کس جگہ رہتے ہو۔"

یہ ایک نئی الجھن تھی۔ "میں کہیں بھی رہوں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"واہ ..... فرق کیوں نہیں پڑتا۔" نیرگل چمک کر کہنے لگا۔ "کل بادشاہ نے مجھے اچانک قصرِ معلقہ میں طلب کر لیا اور پوچھا۔ گارجیت سے آنے والا مہرتاب کہاں رہتا ہے۔ میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کیونکہ تمہارے جو حالات رقم کئے گئے اُن میں قیام گاہ کا پتہ درج نہ تھا جس پر بادشاہ سخت غضب ناک ہوا اور گرج کر بولا۔ جاؤ اُسے تلاش کرو اور جب تک مل نہ جائے مجھے اپنی صورت نہ دکھاؤ۔ سنا تم نے، پتہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مجھے جھاڑ کھانا پڑی اور تم کہتے ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صاحبزادے! ریموت کے جاسوس کل رات سے تمہاری تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

مہرتاب کے ذہن میں خطرے نے انگڑائی لی۔ بھلا بادشاہ کو میری تلاش کیوں ہے؟

وقائع نویسوں کا سردار کہہ رہا تھا۔ ''صبح تک عالی جاہ کو کوئی اطلاع نہیں دی جاسکی۔ وہ سخت برافروختہ ہیں۔ آج ہی میر معظم نے مجھے حکم دیا کہ میں قلعۂ اساگیلہ کے دروازے پر تمہارا انتظار کروں اور جب تمہیں دیکھ لوں تو سائے کی طرح ساتھ لگا رہوں۔''

وہ سوچنے لگا۔ کیا میں کسی مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہوں؟ بادشاہ مجھے کیوں بلا رہا ہے؟ ریموت کے جاسوس کیوں ڈھونڈ رہے ہیں؟ ذہن میں نئے وسوسوں کے سنپولیے رینگنے لگے۔ دل کی کوٹھڑی میں خطرے کی چاپ سنائی دی۔ خون میں سنسنی سی تیرنے لگی۔ نیرگل کے اشارے پر چند مسلح سپاہی اس کے پیچھے پہنچ کر گویا اُسے حراست میں لے چکے تھے اور اب اساگیلہ کے اونچے حصار سے فرار کی کوئی صورت نہ رہی تھی۔ وقائع نویسوں کا سردار ہاتھ لہرا کر بولا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

قلعے میں داخل ہونے والے درباری مہرتاب کو اس طرح روک لئے جانے کا تماشا دیکھ رہے تھے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ وہ خوفزدہ نہیں مگر پریشان ضرور تھا۔ یہ نئی صورتِ حال اچانک اور خلافِ توقع سامنے آئی تھی۔ اس نے سوچا۔ چلو دیکھتے ہیں، حصارِ اساگیلہ کے اندر تقدیر اس کے ساتھ کس طرح پیش آتی ہے۔

پھر چپ چاپ نیرگل کے ساتھ ہولیا جو اس طرح اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا جیسے کوئی بڑا معرکہ سر کرلیا ہو۔ عقب میں اُبھرنے والی قدموں کی بھاری آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلح سپاہی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔

نیرگل نے قلعے کی ڈیوڑھی سے نکل کر ایوانِ بخت نصر ہی کا رُخ کیا۔ گویا وہ اسے دربارِ خاص میں شاہ بنونید کے حضور پیش کرنا چاہتا تھا۔ سیدھے راستے پر ایوان کے بلند زینے تک مقدس سٹیابرس[1] کے سینکڑوں مجسمے دو رویہ ایستادہ تھے۔ جن کے نصف جسم آدمی اور نصف بکرے کے تھے۔ بابل میں سٹیابرس کو ''بتِ بزرگ'' کی حیثیت حاصل تھی اور اکثر عمارتوں کے دروازوں پر اسے بطورِ محافظ نصب کیا جاتا تھا۔

ایوانِ بخت نصر تک جانے والے راستے کے دو رویہ ان بتوں کی طویل قطاریں ایک عجیب

[1] سٹیابرس بابل کا مقبول دیوتا تھا۔ نصف دھڑ بکرے کا، نصف آدمی کا۔ یہ بُت ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ (تاریخِ بابل و نینوا)

منظر پیدا کر رہی تھیں اور یوں لگتا تھا اس راستے پر انہی بتوں کی خدائی ہے۔ یہ مجسمے ایوان کے چوفیر گلی اور چوڑی غلام گردشوں میں بھی نصب تھے۔

نیرگل صدر دروازے کو چھوڑ کر، جس سے لوگ ایوان کے اندر جا رہے تھے، دوسری جانب ہولیا اور ایک دوسرا زینہ چڑھ کر غلام گردش کے بڑے بڑے ستونوں اور سٹیابرس کے بھاری مجسموں کے درمیان چلتا رہا۔ سپاہیوں کے قدموں کی چاپ بدستور پیچھا کر رہی تھی مگر جب وقائع نویسوں کا سردار مہرتاب کو لے کر ایک بغلی دروازے میں داخل ہوا تو سپاہیوں کی چاپ کہیں پیچھے رہ گئی۔ کمرے میں صرف وہی دونوں داخل ہوئے تھے جو ریشمی پردوں اور عجمی قالینوں سے آراستہ تھا۔ ایک کونے میں دربارِ بابل کا بوڑھا میر معظم بڑی پریشانی کی حالت میں چکر کاٹ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو۔ جونہی اس کی نظریں دوڑ کر نیرگل اور اُس کے ساتھی پر پڑیں وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگا۔ وقائع نویس نے انہی قدموں پر جھک کر سلام کیا۔ ''حضور! مہرتاب حاضر ہے۔''

''ربِ مردوک کا شکر ہے، میری مشکل آسان ہوئی۔'' میر معظم ہاتھ لہرا کر بولا۔ ''مہرتاب! آگے آجاؤ۔ اور نیرگل! تم اب جاسکتے ہو۔''

وقائع نویسوں کا سردار دروازے ہی سے لوٹ گیا اور مہرتاب عجمی قالینوں پر ہولے ہولے چلتا آگے بڑھا۔ اس نے محسوس کرلیا تھا کہ میر معظم کا اندازِ ملاقات دوستانہ ہے۔ وہ خود آگے بڑھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہنے لگا۔

''مہرتاب! نہ جانے تم نے بادشاہ پر کیا جادو پھونک دیا ہے۔ وہ تم سے ملنے کے لئے سخت بے چین ہیں۔''

مہرتاب نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ حصارِ اساگیلہ کے اندر حالات کی رفتار اس کے اندیشوں کے برعکس تھی۔ رسمی لہجے میں گویا ہوا۔ ''کیا عالی جاہ کو مجھ سے کوئی خاص کام ہے؟''

''ان کی خواہش ہے جب فرعون کا سفیر دربار میں پیش ہو تو تمہیں تختِ اژدر کے قریب ہی رہنا چاہئے تاکہ ضرورت کے وقت کوئی مفید مشورہ دے سکو۔ وہ تمہاری ذہانت کے بڑے گرویدہ ہیں۔''

''میرے لئے یہ اعزاز باعثِ فخر ہے۔''

بادشاہ کے حکم پر تمہاری نشست مشیرانِ خاص میں سب سے آگے رکھی گئی ہے۔''

مہرتاب نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا بادشاہ ایک ہی ملاقات میں اس پر اتنا اعتماد کرنے لگے گا۔ میر معظم نے کہا۔ ''آؤ اب ایوانِ خاص میں چلتے ہیں۔ بادشاہ کی آمد کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

اس کمرے کا دوسرا دروازہ ایک راہداری کے ذریعے بڑے ہال میں کھلتا تھا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے راہداری سے گزر کر دوسری طرف پہنچے تو مہرتاب نے اپنے آپ کو ایک نیم تاریک گلی میں پایا جہاں ایک عظیم تودے کے سوا کچھ نظر نہ آسکا۔ یہ عظیم تودہ دراصل مردوک کا بھاری بت تھا جس کی پشت اُن کی طرف تھی۔ یہ نیم تاریک گلی پتھر، کانسی، پیتل اور لکڑی کے بھاری بھرکم دیوہیکل بتوں کی وجہ سے خود بخود پیدا ہوگئی تھی جو ایوانِ بخت نصر میں شانے سے شانہ ملائے ایک قطار میں کھڑے تھے۔ ایوان کی دوسری سمت بھی ایسی ہی ایک گلی تھی کیونکہ دوسری جانب بھی دیوتاؤں کی ایسی ہی قطار کھڑی تھی۔ ان تاریک گلیوں میں شاہی غلام دیوتاؤں کی اوٹ سے دربار کی نگرانی کرتے اور لوگوں پر نگاہ رکھتے تھے۔

جونہی وہ اندھیری گلی میں پہنچے، ایک سیاہ فام غلام کسی دیوتا کی اوٹ سے نکل کر فوراً ان کی راہ میں حائل ہوگیا جس کے نیزے کا پھل اس تاریکی میں بھی چمک رہا تھا۔ لیکن میر معظم کو دیکھتے ہی وہ سر خم کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

دونوں کچھ دیر تک گلی کے ملگجے اندھیرے میں چلتے رہے۔ یہاں کئی نیزہ بردار غلام دیوتاؤں کے مجسموں سے لگے حفاظت کا فرض ادا کر رہے تھے۔ گلی کے آگے ایک روشن خلا تھا۔ اس روشن خلا سے گھوم کر وہ وسیع و عریض اور عظیم الرفعت ہال میں داخل ہوئے جو سنگِ رخام کے بیسیوں دیوپیکر ستونوں اور مدور چپل پایوں پر کھڑا تھا۔ ہر ستون کی موٹائی اگر تین آدمیوں کے بازوؤں کے گھیر میں آتی تو لمبائی کھجور اور تاڑ کے بلند درختوں کو بھی مات کرتی تھی۔

ان بلند و بالا اور مہیب ستونوں کے ساتھ سونے چاندی کے لگن اور خوشبودان نصب تھے جن میں سلگتے ہوئے عنبر و عود کا دھواں لہریں لیتا اور سارے ایوان کو معطر کرتا ہوا سوئے سقفِ بلند رواں تھا۔

مہرتاب ایوانِ بخت نصر کی وسعت اور رفعت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس ایوان میں ہزاروں آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ہال کی دونوں جانب بابل کے عظیم الٰہوں اور آسمانی و زمینی دیوتاؤں کی قطاریں کھڑی تھیں جن کے عقب میں نیم تاریک گلیاں سی بن گئی تھیں۔ فرشِ سنگِ

مرمر کی سلوں کا تھا جس پر منقش چھت، بھاری ستونوں اور حاضرین کے سائے منعکس ہو رہے تھے۔ دربار میں صوبوں کے گورنر، فوجی حکام، امراء، شیوخ اور قاضی، کاہن، منجم، غیب دان، کالے جادو کے ماہر، جنات کے عامل، خوابوں کی تعبیر بتانے والے، شاعر، دانشور، سنگتراش اور وقائع نویس سبھی موجود تھے جو مختلف طبقوں اور زندگی کے مختلف شعبوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اپنے سروں پر مصنوعی بالوں کی وِگیں[1] پہن رکھی تھیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ بارُعب اور خوفناک دکھائی دے سکیں۔ کیونکہ بارُعب اور خوفناک ہونا حکمرانی یا عظمت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

صدر دروازے کی ڈیوڑھی کے عین بالمقابل وسیع اور طویل ہال کے دوسرے سرے پر ایک شاہی اسٹیج بہترین اور رنگین قالینوں سے آراستہ تھا جس کے وسط میں بہت بڑے اژدھے کی خوفناک شکل والا سونے کا تخت اژدر بچھا تھا۔ تخت کی دائیں جانب ولی عہد بیلشازار اور بائیں جانب میر معظم کے لئے کرسیاں تھیں۔

اس شاہی پلیٹ فارم کی تینوں اطراف چاندی کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اسٹیج کے دائیں بائیں شہزادوں، شاہی خاندان کے افراد، مشیرانِ خاص اور دانشورانِ بابل کے لئے نشستیں مخصوص تھیں۔

پلیٹ فارم کے عقب میں بیس فٹ اُونچی ایک بہت بڑی بالکونی تھی جس کی تکونی محرابوں میں ریشم کے بڑے بڑے جالی دار پردے آویزاں تھے۔ اس بالکونی میں بیٹھ کر خاندانِ بخت نصر کی شہزادیاں اور قلعۂ اساگیلہ کی معزز بیگمات و خواتین دربار کی کارروائی دیکھ سکتی تھیں۔ شہزادی شمورہ کی خصوصی نشست بالکونی میں سب سے آگے تھی تاکہ وہ بادشاہ کو بخوبی دیکھ اور اُس کی گفتگو سن سکے۔

یہ تھا اس دربارِ خاص کا نقشہ جس میں میر معظم مہرتاب کو لے کر داخل ہوا۔ وہ اس کے ساتھ اسٹیج کی بائیں جانب مشیرانِ خاص کے حلقے میں پہنچا اور وہ نشست دکھائی جو اس کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ یہاں بادشاہ کی نظر اس پر بخوبی پڑ سکتی تھی۔

۱۔ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ اُمرائے سلطنت میں ''وِگیں'' پہننے کا رواج تھا جن سے اپنے آپ کو بارُعب بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ پروفیسر ویگل نے مصری پروہتوں کے لباس کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں سر پر پہنی جانے والی ''وِگوں'' کا خصوصی ذکر کیا ہے۔

شاہی پلیٹ فارم کے آس پاس بیٹھنے والے امراء، سیاسی مہنتوں، بڑے بڑے کاہنوں، قاضیوں اور قانون دانوں کے سروں پر بھی مصنوعی بالوں کی وگیں نظر آ رہی تھیں جن سے ان کے چہروں کی متانت و سنجیدگی میں خوفناک حد تک اضافہ ہو گیا تھا۔ مشیرانِ خاص کے حلقے میں مہرتاب نے کاہنِ اعظم زریہ کو بھی دیکھا لیکن اظہارِ آشنائی ضروری نہ سمجھا۔ بزرگ کاہنوں کے حلقے میں اشمیدی نظر نہیں آتا تھا۔ ابھی اسے اپنی نشست پر بیٹھے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ شہزادے اور شاہی خاندان کے معزز افراد اپنی جگہوں پر آ بیٹھے۔ پھر اچانک بھاری جسم کا ایک کلدانی چادر پوش بادشاہ کے القاب دہرا کر اس کی آمد کا اعلان کرنے لگا اور یہ تھے اُس کے القاب:

''ربِ بل مردوک کی مقدس ہیکل کا موروثی جانشین،
فرزندِ خدائے مردوک،
خاتونِ رزم، خاتونِ اورک، دیوی ایشتار کا فرستادہ،
وارثِ تختِ اژدر،
تاجدارِ سلطنتِ کالدیا،
فرمانروائے بابل، شاہ بنونید،
جس کے شہر اور سلطنت کی دیوتا حفاظت کرتے ہیں۔''

چاؤش کے اس اعلان کے ساتھ ہی حاضرینِ دربار سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ابھی چاؤش کی بھاری آواز گونج رہی تھی کہ شاہ بنونید لباسِ فاخرہ زیب تن کئے، تاجِ زرّیں سجائے شاہی جلوداروں کے جلو میں عقبی دروازے سے ایوان میں داخل ہوا۔ اس نے قریباً ڈیڑھ فٹ طویل مرصع عصائے شاہی تھام رکھا تھا جس کی موٹھ پر سونے کے بیل کا سر تھا اور بیل کی آنکھوں میں یاقوت کی سرخ کنیاں چمک رہی تھیں۔ بادشاہ بڑھاپے اور ہجومِ فکر کے باوجود وقار و تمکنت سے چلتا تختِ اژدر کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ولی عہد معینِ سلطنت میرودیخ بیلشازار تھا جس نے تخت کے پہلو میں اپنی کرسی سنبھالی۔ دوسری جانب میر معظم بھی بادشاہ اور ولی عہد کی پذیرائی کا فریضہ ادا کر کے اپنی کرسی پر پہنچ گیا۔ شاہ بنونید کی آمد کے ساتھ ہی اسٹیج کی عقبی بالکونی کی محرابوں میں ریشمی پردے سرسرانے لگے۔ یہ اس امر کی علامت تھی کہ باغاتِ معلقہ کی سب سے بااختیار شہزادی شمورہ بھی شاہی بیگمات کے ہمراہ دربارِ خاص کی کارروائی دیکھنے کے

لئے پہنچ گئی ہے۔

شاہ بنونید نے تخت پر جلوس افروز ہوتے ہی بائیں جانب نظر ڈالی۔ مشیرانِ خاص کے عقب میں ایک اور حلقہ تھا اور یہ حلقہ غلام قوموں کے بادشاہوں، سرداروں، مذہبی راہنماؤں اور خاص افراد کے لئے وقف تھا جن کی نمائش خاص اور اہم درباروں میں اس لئے ضروری سمجھی جاتی تھی تاکہ ان کی غلامانہ حیثیت بابل کی شاہانہ عظمت و جبروت کا اظہار کرتی رہے اور حاضرینِ دربار کے دلوں پر بادشاہ کا جاہ وجلال طاری رہے۔ غلاموں کے اس حلقے میں چند کرسیاں خالی دیکھ کر بادشاہ غضب ناک لہجے میں بولا۔

''میر معظم ــــ! عبرانی[1] پیغامبر اور یہودی[2] سردار دربار میں کیوں حاضر نہیں ہوئے؟''

میر معظم نے فوراً جواب دیا۔ ''خداوند! یہودی سرداروں اور پیغامبروں نے درخواست کی ہے کہ آج کے دربار میں ان کی حاضری معاف کر دی جائے۔''

''کیوں ــــ؟'' بنونید کے لہجے میں تعجب بھی تھا اور غصہ بھی۔

''آج وہ محلہ کبر میں اپنی کوئی مذہبی رسم ادا کر رہے ہیں۔''

''مگر اُن کی مذہبی رسم ہماری حاضری سے زیادہ ضروری نہیں ہو سکتی۔''

''خداوند! اُن کا اصرار تھا کہ وہ اپنی مذہبی رسم ترک نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کل ہی درخواست پیش کر دی تھی جو حضور کے مشاہدے اور دفترِ شاہی میں اندراج کے لئے وقائع نویسوں کے سردار نیرگل کے حوالے کر دی گئی تھی۔''

''ہمیں وہ درخواست موصول نہیں ہوئی۔'' پھر بادشاہ کی قہر آلود آواز گونجی۔ ''نیرگل ــــ!''

وقائع نویسوں کا سردار شاہی اسٹیج کی سیڑھیوں پر گھٹنوں تک جھک گیا۔ خوف سے اس کی آواز بمشکل سنائی دے رہی تھی۔ ''خداوند! غلام فرزندِ مردوک سے معافی کا خواستگار ہے۔ اپنی خاص مصروفیت کے باعث وہ درخواست عالی جاہ کے ملاحظہ کے لئے پیش نہیں کر سکا۔''

''ہم عبرانی نبیوں اور سرداروں کی درخواست ملاحظہ کئے بغیر نامنظور کرتے اور تمہیں اس

1۔ ان ایام میں دانیال نبی عزرا نبی (عزیز علیہ السلام) حجی اور ذکریا نبی بابل میں موجود تھے۔ (عہد نامہ قدیم)

2۔ یہودی سرداروں میں زربابل بن سیالتی ایل، یشوع، نحمیاہ، سرایا وغیرہ قابل ذکر تھے۔ زربابل داؤد کی نسل سے تھا۔ (عہد نامہ قدیم۔ کتاب عزرا)

امر کا مجرم قرار دیتے ہیں کہ تم ان کی غیر حاضری کی بروقت اطلاع نہیں دے سکے۔''

سردار وقائع نویس نیرگل کا بدن دہشت سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں اپنا عذر پیش کیا۔

''خداوند ــــــ! میں گار جیت کے نوجوان مہرتاب کو تلاش کرتا رہا ہوں جو عالی جاہ کو مطلوب تھا۔ اس لئے درخواست پیش نہ کر سکا۔''

مہرتاب کا نام سن کر شاہ بنونید چونک سا گیا۔ ''کیا مہرتاب ملا؟''

''دیوی اِشتار کی مہربانی سے میں اسے ڈھونڈنے میں کامیاب رہا ہوں۔'' پھر نیرگل نے مشیرانِ خاص کے حلقے میں مہرتاب کی طرف اشارہ کیا جو احتراماً کھڑا ہو گیا تھا۔ جونہی بادشاہ کی نظر اس پر پڑی، وہ اپنی تمام ناراضگی اور خفگی ایک دم بھول گیا اور جواہرات سے مرصع عصائے شاہی اُس کی طرف لہرا کر بولا۔

''مہرتاب! ہمیں خوشی ہے تم نے ہماری خوشنودی اور حاضری کا خیال رکھا۔ مگر یہ تو بتاؤ عبرانی نبیوں اور سرداروں کی غیر حاضری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

ابھی مہرتاب کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شاہ بنونید نے اُسے روک دیا۔ ''ٹھہرو، کچھ کہنے سے پہلے ہمارا مدعا بھی سن لو۔ ہم اس دربار میں عبرانی سرداروں اور پیغمبروں کی حاضری اس لئے ضروری سمجھتے ہیں تاکہ مصری سفیر کو بتا سکیں، ماضی میں فرعون نخو اور فرعون ہوفرا نے جن یہودیوں کی حمایت میں بابل کے خلاف لشکر کشی کی تھی ان کے سردار اور پیغمبر اپنی گردنوں میں غلامی کا جواء پہنے آج بھی ہمارے حضور حاضر ہیں۔ اب ہم اس معاملے میں تمہاری رائے سننا چاہتے ہیں۔''

مہرتاب نے شاہ بنونید کا مطلب سمجھا۔ معاملے کی صورت پر غور کیا اور کہنے لگا۔

''عالی جاہ! میں نے سنا ہے فرعونِ مصر کا سفیر بابل میں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہے۔''

''ہاں، یہ درست ہے۔''

''اگر یہ درست ہے تو پھر اس دربار میں عبرانی سرداروں اور پیغمبروں کی حاضری مناسب نہیں۔''

بنونید نے فوراً اپنا عصا ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا لیا جیسے مہرتاب نے کوئی نامناسب بات کر دی ہو۔ مہرتاب نے بادشاہ کے چہرے پر ناگواری کی جھلک دیکھ لی اور وضاحت کرنے لگا۔

''اس دربار میں عبرانی غلاموں کی نمائش مصر و بابل کے درمیان ہونے والی پرانی جنگوں اور دشمنی کی یاد تازہ کر دے گی اور دوستی کے موقع پر دشمنی تازہ نہیں کی جاتی۔ آپ عبرانی نبیوں اور سرداروں کو مذہبی رسم ادا کرنے دیں اور سفیرِ مصر کو حاضری کی اجازت بخشیں۔''

شاہ بنونید سنجیدہ دکھائی دینے لگا۔ ''شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس موقع پر ہم پرانے جھگڑے نہیں اٹھانا چاہتے۔''

اچانک بیلشازار نے مداخلت ضروری سمجھی۔

''خداوندِ سلطنت کو معلوم نہیں، مذہبی رسم کی ادائیگی محض ڈھونگ ہے۔ دراصل یہودی نبی اور سردار ایرانیوں سے مل کر ہمارے خلاف سازش کر رہے ہیں۔''

اس کے جواب میں بنونید کی ہولناک آواز ایوان کے آخری سرے تک گونجتی چلی گئی۔

''مردوک کی حیاتِ ابدی کی قسم! اگر عبرانی غلاموں نے کسی سازش کا تصور بھی کیا تو ہم انہیں اسی طرح نیست و نابود کر دیں گے جس طرح ہمارے نانا عظیم بخت نصر نے کیا تھا۔ کیونکہ دیوی اِشتار ہمیں فتح و نصرت کی بشارت دے چکی ہے۔'' پھر اس نے عصا بلند کرتے ہوئے اعلان کیا۔ ''ہم ملعون یہودیوں کا مزید ذکر پسند نہیں کرتے جن پر ان کے خدا یہواہ نے بھی لعنت[1] کی ہے اور مصری سفیر مینتھو کو اپنے حضور حاضری کی اجازت دیتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی ایوانِ شاہی پر خوف انگیز سکوت طاری ہو گیا جس کے درمیان کسی نادیدہ گوشے میں ناگہاں نقارے پر چوٹ پڑی، نرسنگا پھونکا گیا اور مصری سفیر مینتھو اپنے چار ارکانِ وفد کے آگے آگے ایوان میں داخل ہوا۔ اس کے سر پر مصنوعی بالوں کی وگ، جسم کے بالائی حصے پر باریک ریشمی کپڑا، نیچے سفید تہبند جسے باندھنے کے لئے کمر پر پٹی نظر آ رہی تھی، پیروں میں منقش جوتی جس کی نوک اوپر اٹھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں ایک مرصع عصا تھا جس کی مُوٹھ پر شتر مرغ کے پَر لگے تھے۔ مصری وفد کے دیگر ارکان بھی اسی لباس[2] میں تھے۔

منتھو اور اس کے ساتھی مرمر کے فرش پر گربہ پاؤں چلتے تختِ اژدر کی طرف بڑھے۔

1۔ عہد نامہ قدیم، یسعیاہ باب 65 اور کتاب یرمیاہ باب 25 میں بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی ہے، نیز دیکھئے کتاب دانیال باب 9 نشان 11۔

2۔ مصری پروہتوں اور شرفا کا یہی لباس بیان کیا گیا ہے۔ (اینشنٹ مینر اینڈ کسٹم از پروفیسر ولکنس انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا)

شاہی اسٹیج کی نقرئی سیڑھیوں کے پاس پہنچ کر رکے اور کمر تک جھک گئے۔ جب منتھو نے سر اٹھایا تو شاہ بنوئید نے اظہارِ خوشنودی کرتے ہوئے کہا۔ "منتھو ـــــــ! ہم نے تمہارا اسلام قبول کیا اور فرعون احمسس کے وہ تحائف بھی جو تم مصر سے لے کر آئے ہو۔ جب دیوتاؤں کے شہر بابل سے تمہاری واپسی ہوگی ہم بھی تمہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے اب فرعون کا وہ پیغام ہمارے گوش گزار کرو جسے سننے کے لئے ہم اور ہمارے اہلِ دربار بے تاب ہیں۔"

مصری سفیر نے بادشاہ، میرودیخ بیلشازار، مشیرانِ خاص، بزرگ کاہنوں اور اُمرائے دربار پر باری باری نظر ڈالی، پھر آرامی زبان اور مصری لہجے میں مخاطب ہوا۔

"اے شاہِ بابل، اے ولی عہد معظم! اے ارضِ فرات کے کاہنو اور ساحرو، سردارو اور حکمت شناسو! میں ربِ رع کا پجاری اور دربارِ سیز کا ترجمان منتھو اپنے آقا فرعون احمسس کا جو فرزندِ نیتھ[1]، ظلِ رع اور خدائے مصر ہے، ایک ضروری پیغام لے کر کئی صحراؤں اور کئی دریاؤں کو عبور کر کے تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ تمہیں اپنے آقا فرعون کے پیغام، مصر کے سب سے بڑے مندر عمسیم کے مہاپروہت کا عجیب وغریب رویا، مصری غیب دانوں کے اشارتی کلام اور ولی عہد شہزادہ سامطیق کے اس انتباہ کے بارے میں آگاہ کرسکوں جو انہوں نے مجھے سفرِ بابل پر روانہ ہونے سے چند لمحے پیشتر کیا اور کہا تھا کہ میں اسے دربارِ بابل میں پیش کروں۔

"اے دانشورانِ فرات! یوں کہا ہے میرے آقا فرعون نے کہ اگر مصر و بابل نے بے دین ایرانیوں کے خلاف لیدیا کے بادشاہ کرزوس کی مدد کی ہوتی اور سارڈیس (سمرنا) پر "درفشِ کاویانی" نہ لہرایا ہوتا تو آج کورش ہخامنشی مغربی ایشیا کا بادشاہ نہ بن جاتا اور دینِ زرتشت کے حواری فتنہ پرداز یہودیوں کی طرح ہمارے دیوتاؤں کا مذاق نہ اُڑاتے۔ اب ایرانی لشکر بابل اور اس کے بعد مصر کی تسخیر کا عزم لے کر نکلے ہیں۔ اگر ان دیکھے خدا کے پرستاروں کو دجلہ کے اس پار نہ دھکیل دیا گیا تو ارضِ فرات اندھیروں میں ڈوب جائے گی۔ بل اور مردوک کے پرستار ختم کر دیئے جائیں گے اور اس کے بعد مصر پر بھی تباہی آئے گی اور آمن[2] رع،

[1] مصر کی یہ دیوی لیبیا سے آئی تھی۔ نیتھ (NEITH) اپنی عظمت کے باعث حکمرانوں کی ماں تصور ہونے لگی جس کا سایہ ان کے سر پر ہوتا تھا۔ (پروفیسر فلانڈر پیٹری اور ولکنس)

[2] فرعون رعمسیس دوم نے آمن اور رع کو ضم کر کے "آمن رع" بنایا اور اس کی پرستش کا حکم دیا تھا۔ اس کا مندر تھیبس میں تھا جسے اشور بنی پال نے 661 ق م میں تباہ کر دیا۔ (ونڈرس آف دی پاسٹ)

نیتھ[1] اور حورث[2] کے متبرک مندر اُجڑ جائیں گے۔ کیونکہ رعمسیم کے مہاپروہت نے جو تھیبز میں ہے دیوتاؤں کی طرف سے ایک رویا دیکھا ہے اور بڑا خوفناک ہے وہ رویا اور ممفس[3] کے ماہرین ہفت افلاک نے کچھ غیبی اسرار دریافت کئے ہیں اور بڑے لرزہ خیز ہیں وہ اسرار کیونکہ سب کچھ خون اور آگ اور دھوئیں کے غبار میں لپٹا ہوا نظر آیا ہے۔

رعمسیم کے مہاپروہت نے ایک خوب صورت، عالی وقار خاتون کو دیکھا ہے جو خون کی مانند سرخ دھوئیں کے غبار میں اپنی برہنگی کو ڈھانپنے اور اپنا ستر[4] چھپانے کی بار بار کوشش کرتی اور بار بار عریاں ہوتی ہے اور اس نے دو سینگوں[5] والے ایک عفریت کو دیکھا ہے جس کے منہ سے آندھی کی طرح تیز ہوا نکلتی ہے جو دھوئیں کی چادر کو اُڑا لے جاتی ہے اور بااقبال خاتون کو بالکل برہنہ کر دیتی ہے اور وہ اپنا ستر چھپانے کی خاطر لبِ دریا سکڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ پھر عفریت کے سینگوں سے دو سفید اژدھے نکل کر جن کے لمبے لمبے پَر ہیں، خاتون کے اردگرد پرواز کرتے ہیں، اس پر جھپٹتے اور آخر ڈس کر اسے بے جان کر دیتے ہیں۔ اور جب رعمسیم کا مہاپروہت یہ عجیب وغریب اور بھیانک رویا دیکھ رہا تھا تو دیوتا آمن رع نے رویا میں نمودار ہو کر اسے مخاطب کیا اور بتایا کہ جس خاتون کو اُس نے بے ستر ہوتے دیکھا ہے وہ مملکتوں کی معزز خاتون سلطنتِ بابل ہے جو دو سینگوں اور دو اژدھوں کا شکار ہوگی اور یوں کہا ہے آمن رع کے مہاپروہت نے کہ شاہِ بابل کو دو پراسرار ہستیوں سے ہوشیار رہنا چاہئے جو اس کی زندگی پر موت کا

[1] نیتھ کے سر پر مصر کا تاج تھا۔ وہ چراگاہوں اور نباتات کی محافظ تھی۔ رنگ سبز تھا۔ از خود پیدا ہوئی۔ کنواری سمجھی گئی۔ خاوند کے بغیر ایک بیٹے "سبک" کی ماں بن گئی۔ (ولکنس اور ڈونلڈ مکنزی)

[2] حورث یا ہورس، اس دیوتا کو مصری باز یا پردار قرص کی شکل میں دکھاتے تھے۔ حورث، دیوتا آئرس اور دیوی آسس کا بیٹا تھا۔ اسے فرعونوں کا محافظ بھی سمجھا جاتا تھا۔ (یونانی مؤرخ پلوٹارک، پروفیسر ولکنس، ڈونلڈ مکنزی)

[3] مصر کا قدیم دارالحکومت ممفس، اہرامِ مصر اور ماہرینِ نجوم کے لئے مشہور تھا۔

(ونڈرس آف دی پاسٹ)

[4] یسعیاہ نبی نے خاتونِ بابل کے متعلق کہا تھا۔ "تیرا ستر بھی دیکھا جائے گا۔"

(کتاب یسعیاہ باب 47)

[5] اسلامی مؤرخوں نے کورش کو "ذوالقرنین" (دو سینگوں والا) قرار دیا ہے۔ (تاریخ ابنِ کثیر جلد 2)

سایہ ڈال رہی ہیں اور یہ دو ہستیاں ایسی ہیں جس طرح ایک ہی جانور کے دو ہم شکل سینگ ہوتے ہیں، یا ایک ہی تلوار کی دو دھاریں......"

مصری سفیر کی زبان سے یہ خوفناک رویا سنتے ہی بیلشازار اور مہرتاب کے چہروں کے رنگ بیک وقت متغیر ہو گئے کیونکہ ان کے ذہنوں میں ایک ساتھ ہاروت ماروت کا خیال آیا تھا۔ خود شاہ بنونید بھی بے حد خوفزدہ اور پریشان نظر آتا تھا کیونکہ مصری مہا پروہت نے اس کی زندگی پر موت کو سایہ فگن دیکھا تھا۔ ایوانِ بخت نصر پر مرگ آسا سناٹا طاری ہو گیا۔ حاضرینِ دربار بھی مصری سفیر کے پُرشوکت الفاظ سن کر دم بخود رہ گئے تھے اور اس سناٹے میں منتھو کا بیان جاری تھا۔

"اے شاہِ بابل فرزندِ مردوک! ممفس کے ستارہ شناسوں نے جو علمِ فلکیات میں یکتائے زمانہ ہیں، آسمان کی کتابِ اسرار پر کچھ تحریریں پڑھی ہیں اور ان تحریروں کا مضمون کہتا ہے کہ بابل کا دل ایک ایسے شخص کے قدموں تلے دھڑکے گا جو قضا کا دروازہ کھول دینا چاہتا ہے اور اگر یہ دروازہ کھل گیا تو ارضِ فرات پر موت کا رقص ہوگا اور سب کچھ جو موجود ہے، فنا ہو جائے گا۔ سب کچھ جو وقت کے شیرازے میں بندھا ہوا ہے بکھر جائے گا۔ سب کچھ جو روشن ہے اندھیرے کا لقمہ بنے گا۔ ممفس کے ماہرینِ افلاک نے کچھ اور بھی پڑھا ہے، کچھ اور بھی دیکھا ہے، خون کے چھینٹے اُڑتے ہوئے دیکھے ہیں انہوں نے اور یوں کہا ہے کہ بس ایک ہی رات کی بات ہے کہ سب کچھ ہو گزرے گا اور وہ رات بھیانک، خطرناک اور کسی بدنصیب غلام کی سیاہ بختی کی مانند بے حد کالی ہوگی۔ اس کے سیاہ حاشیے خون سے تر ہوں گے اور اس کی ہتھیلیوں سے انسان کا لہو ٹپکے گا۔ اس لئے بادشاہ کو چاہئے وہ دیوتاؤں کے حضور خون کی قربانی دے، کیونکہ زمین اور آسمان کے دیوتا خون کا ہدیہ مانگتے ہیں اور اس آدمی سے ہر وقت خبردار رہے جو رات کے اندھیرے میں قصرِ شاہی کے دروازے پر ناگہاں دستک دے گا اور بڑی لرزہ خیز ہوگی وہ دستک جیسے آسمان پر بادلوں کے ڈھول بجتے ہیں یا رعد کڑکتی ہے کیونکہ اس کا ہاتھ "دستِ اجل" ہے اور جس طرف وہ ہاتھ اٹھے گا، تباہی و بربادی ہوگی اور اس آدمی کی پہچان یہ ہے کہ حادثے اس کے آگے آگے چلتے ہیں۔ اس کا ایک قدم شاہی خواب گاہ کے اندر اور دوسرا باہر ہے۔ بادشاہ اسے سرزنش کرنا چاہتا ہے مگر خود کو بے بس محسوس کرتا ہے۔ اور یوں کہا ہے مصر کے غیب دانوں نے کہ جس طرح خون خون میں جذب ہو جاتا ہے اور خاک خاک سے مل

جاتی ہے اسی طرح وہ آدمی بادشاہ کے انجام میں بھی شریک ہوگا۔ اگر دیوتاؤں کے حضور خون کے ہدیے پیش کئے جائیں اور دیوتا انہیں قبول کر لیں تو مقدرات ٹل سکتے ہیں۔ کیونکہ دیوتاؤں کو اختیار ہے کہ جو چاہیں سو کریں۔ ہو سکتا ہے وہ خون آشام کالی رات نہ آئے اور اگر آئے تو چپ چاپ گزر جائے۔ قصرِ شاہی پر موت کی بھیانک دستک نہ اُبھرے اور تباہی کا دروازہ نہ کھل سکے۔"

یہ باتیں سن کر مہرتاب کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کیونکہ مقدس گوما پیش گوئی کر چکا تھا کہ بابل میں نئے نئے واقعات، نئے نئے حادثات اُس کی ذات سے وابستہ ہوں گے۔ اور بیلشازار سراسیمہ سا نظر آنے لگا کیونکہ وہ بادشاہ کی ہلاکت کا متمنی اور صرف موقع کا منتظر تھا کہ کب اسے ختم کر کے حکومت و فرمانروائی کے مکمل اختیارات پر قبضہ کر سکے۔ پھر وہی تو تھا جس کا ایک قدم شاہی خواب گاہ کے اندر اور دوسرا باہر تھا اور وہ کسی بھی وقت بادشاہ کے دروازے پر دستک دے سکتا تھا۔

شاہ بنونید پر جیسے کسی نے جادو کر دیا یا پھر موت کا منتر پڑھ دیا تھا۔ دہشت کے مارے آنکھوں کے اندر پتلیوں کی حرکت ایک ہی جگہ تھم گئی اور پتھر کے بُت کی طرح ساکت و جامد بیٹھا بے جان سی آنکھوں سے مصری سفیر کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے زندگی پیکرِ خاکی سے رخصت ہو چکی ہو۔ اہلِ دربار نے منتھو کی زبان سے رویا اور غیب کی جو باتیں سنی تھیں ان کے الفاظ کی دھار اور بیان کی کاٹ ایسی تھی کہ دل دو نیم ہو گئے تھے۔ اعیانِ دولت بھی بے حد متفکر دکھائی دے رہے تھے اور احوالِ غیب کے مدعی اور رموزِ مستقبل کے عقدہ کشا بھی مُہر بہ لب تھے۔

چند لمحے ایوان پر یوں خاموشی مسلط رہی جیسے سب لوگ بادشاہ کی میت پر سوگ منا رہے ہوں۔ اچانک تختِ اژدر کی عقبی بالکونی میں عجیب سا کھٹکا ہوا اور آواز آئی۔

"خداوند کو سفیر سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہئے۔"

یہ شہزادی شمورہ کی آواز تھی جس نے بادشاہ کو بیدار کر دیا۔ جسم میں حرکت عود کر آئی۔ وہ موت کے ذکر سے زندگی کی طرف پلٹا اور کمزور سی آواز میں سفیر سے کہنے لگا۔

"منتھو ــــــ! کچھ اور بھی کہا ہے رعمسیم کے مہا پروہت نے، کچھ اور بھی دیکھا ہے مصر کے غیب دانوں نے؟"

''خدائے مصر نے مجھے جن باتوں کا اختیار دیا تھا وہ میں نے سب بیان کر دیں۔ صرف شہزادہ سامطیق کو ملنے والی ایک تشویش انگیز خبر باقی رہ گئی ہے۔''

''اسے بھی بیان کرو۔''

منتھو پھر بتانے لگا۔

''مصر کے ولی عہد نے کہا ہے کہ شاہِ بابل کو کسی یونانی اور شامی افسر پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ بابل کے دو شامی سپہ سالار جن کے نام سارڈس اور کارلو ہیں اور جو گار جیت کا دفاع کرنے گئے تھے اپنے لشکروں سمیت کورش سے مل گئے ہیں۔''

''نہیں۔'' شاہ بنونید نے فوراً تردید کی اور بتایا۔ ''سارڈس اور کارلو نے جنگ میں شکست ضرور کھائی اور ایرانیوں نے ہمارے دونوں سپہ سالاروں کو جنگی قیدی بنا لیا لیکن وہ کورش کا ساتھ کبھی نہیں دے سکتے کیونکہ دونوں ہمارے وفادار ہیں ــــــ کیوں بیلشازار! تمہارا کیا خیال ہے؟''

''اگر سارڈس اور کارلو غدار ہوتے تو دیوی اِشتار آپ کو رویا میں درشن دے کر ان کی غداری سے ضرور مطلع کرتی۔''

بیلشازار کے لہجے میں طنز تھی۔ اُسے یقین ہی نہیں تھا کہ دیوی کبھی بادشاہ کے خواب میں آئی ہو گی۔

شاہ بنونید بیٹے کی اس گہری طنز کو سمجھا یا نہیں مگر اس نے فوراً ہاتھ لہرا دیا۔

''سن لیا منتھو ــــــ! ولی عہد نے ہمارے بیان کی تائید کی ہے۔ مگر ٹھہرو۔ ہمارے دربار میں گار جیت کا ایک رئیس زادہ موجود ہے جس کی شہادت تمہیں مطمئن کر دے گی۔''

پھر بنونید مہر تاب کی طرف متوجہ ہوا۔ ''مہر تاب! تم سارڈس اور کارلو کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''عالی جاہ ــــــ!'' مہر تاب فوراً کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے افسوس ہے میں شہزادہ سامطیق کو ملنے والی خبر کی تردید نہیں کر سکتا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' بادشاہ کا لہجہ درشت ہو گیا۔

مہر تاب بتانے لگا۔ ''سارڈس اور کارلو کورش سے مل بھی گئے ہیں اور انہوں نے دیوتاؤں کا آبائی مذہب ترک کر کے دینِ زرتشت بھی قبول کر لیا ہے۔ اب وہ آہورموزدہ کے پرستار

ہیں۔ اور مجھے حیرت ہے عالی جاہ! کہ ابھی تک اس تبدیلی کی اطلاع کیوں نہیں ملی۔ کیونکہ سیپار کی جنگ میں جب ''قشونِ جاودانی'' نے بہادر بیلشازار کی فوج پر حملہ کیا دونوں شامی سردار اپنے دستوں کے ہمراہ ایرانی رسالے کو عقب سے مدد دے رہے تھے۔''

شاہ بنونید نے یہ سب کچھ حیرت و تعجب کے عالم میں سنا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شامی سردار سلطنت کالدیا سے بے وفائی کر سکتے ہیں۔ مگر مہر تاب نے ایک اور سنسنی خیز اطلاع دے کر اس کی رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔

''میں نے تو یہاں تک سنا ہے دونوں شامی سردار آج کل مفتوحہ علاقوں سے لگان وصول کرتے اور اس کا چوتھا حصہ شہنشاہ کورش کو نذر دیتے ہیں۔''

اچانک شاہ بنونید کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا اور غصے سے چلایا ــــــ

''پلاطو! تم کہاں ہو؟''

فوراً ہی طوطے کی ناک والا ایک شامی سردار جو دفترِ جنگ سے تعلق رکھتا تھا، اپنی نشست سے اٹھا اور بدحواسی کے عالم میں تختِ اژدر کی نقرئی سیڑھیوں پر سجدہ ریز ہو گیا۔ بادشاہ غضب ناک لہجے میں گرجا۔

''پلاطو! تم نے ہمیں یہی اطلاع دی تھی نا کہ سارڈس اور کارلو ہمارے وفادار ہیں۔''

''خداوند ــــــ! پہلی اطلاع درست نہ تھی۔ مجھے چند روز پہلے سردار ریموت سے خبر ملی تھی کہ وہ دونوں کورش ہخامنشی کے قیدی نہیں بلکہ ساتھی اور مددگار بن چکے ہیں۔''

''مگر تم نے ہمیں کوئی اطلاع نہیں دی۔''

''غلام اپنی غلطی کے لئے معافی کا خواستگار ہے۔''

''خاموش ــــــ'' بادشاہ گرجا۔ ''ہمارے دربار میں ایک ہی معافی بہت ہے اور تم سے پہلے ہم نیرگل کو معاف کر چکے ہیں۔''

پلاطو کی زندگی تاریک ہو گئی۔ بادشاہ نے غصے میں اپنا عصا لہرایا اور حکم دیا۔ ''اسے لے جاؤ اور چاہِ بابل کے اندھیروں میں پھینک دو۔''

شامی افسر کی چیخ بلند ہوئی۔ پھر وہ بے ہوش ہو کر چاندی کی سیڑھیوں پر ڈھیر ہو گیا۔ ''چاہِ بابل'' کا نام ہی انسانوں کے ہوش و حواس سلب کر لینے کے لئے کافی تھا۔

فوراً چند زرہ پوش سپاہی بے ہوش پلاطو کو اٹھا کر لے گئے۔ شاہی وقائع نویسوں نے جو

دربار کی کارروائی قلم بند کرتے جا رہے تھے، اسی وقت شاہ بنونید کا یہ حکم بھی مٹی کی الواح پر رقم کر لیا۔

جب یہ سب کچھ ہو گیا تو بادشاہ کو ولی عہد کا خیال آیا جو فوجوں کا سپہ سالار بھی تھا اور دفترِ جنگ کا منتظمِ اعلیٰ بھی۔

"بیلشازار! یہ تمہارا فرض ہے کہ فوجی افسروں کے متعلق معلومات حاصل کرو۔ لیکن افسوس جو خبر مصر کے ولی عہد تک پہنچ گئی وہ تمہیں بابل میں بیٹھ کر معلوم نہ ہو سکی۔ اگر دفترِ جنگ کی غیر ذمہ داری کا یہی عالم رہا تو ہم اپنے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز نہ کر سکیں گے۔"

شاہ بنونید بڑا برافروختہ نظر آتا تھا اور یہ پہلا موقع تھا جب اس نے سرِ دربار ولی عہد کو سرزنش کی تھی، بیلشازار کی بے خبری کوئی عذر تلاش نہ کر سکی۔ بادشاہ نے حکم جاری کیا۔ "آئندہ سردار ریموت کی ہر اطلاع براہِ راست ہمارے حضور پیش کی جائے۔"

پھر وہ مصری سفیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "منتھو! تمہیں کچھ اور بھی کہنا ہے؟"

"نہیں خداوند!" منتھو نے ایک بار پھر اپنی گردن تختِ اژدر کے سامنے خم کر دی اور اس کے ساتھ ہی چاروں ارکانِ وفد کے سر بھی جھک گئے۔ اچانک شاہ بنونید نے عصائے شاہی کو زمین کی طرف حرکت دی۔ یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ حاضرینِ دربار بیٹھے رہیں۔ پھر وہ خود تخت چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

"اے دانشورانِ بابل! تم نے فرعونِ مصر کے سفیر کی باتیں سنیں اور یہ باتیں خوف انگیز ہیں کیونکہ تھیبز میں رعمسیم کے پروہت نے خاتونِ بابل کی رسوائی دیکھی تو ممفس کے منجموں نے آسمان پر تباہی کی تحریر پڑھی ہے۔ مگر ہم مصری سفیر کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ ابھی اس نے صحرائے سینا کو عبور نہیں کیا تھا، جب بابل کے دانائے رازِ مقدس گوما کی گویائی لوٹ آئی تھی اور اس نے ہولناک مصیبت کی خبر دے کر ہمیں دیوتاؤں کی 'عباداتِ عام' کا مشورہ دیا تھا۔ ہم نے دیوتاؤں کا جلوس ترتیب دے کر خدائے مردوک کو حیاتِ تازہ بخشی اور جشنِ نیساں بھی منایا ہے۔ جس سے خوش ہو کر دیوتا ہم پر کرم کی نظر کریں گے۔ کیونکہ دیوی ایشتار نے ہمیں رویا میں آکر فتح کی بشارت دی ہے۔"

یہ کہتے ہوئے بنونید پر اچانک ایک لرزشِ خفی طاری ہو گئی کیونکہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ مگر فوراً ہی اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"ہم کورش ہخامنشی کو جو فارس کا چرواہا[1] ہے، شکست فاش دے کر سلطنت کالدیا سے نکال دیں گے اور اکبتانہ اور پارساگرد تک اس کا تعاقب کریں گے اور اس کی تمام املاک کو مالِ غنیمت بنائیں گے۔ آج ہم سب لوگوں کے سامنے ربِّ بل اور خدائے مردوک کی قسم کھاتے ہیں اور تنخ اور پراتو اور دیوی ایشتار کی بھی کہ اب کورش ہمارے جدِ بزرگوار عظیم بخت نصر کی تیغ جوہردار کو بے نیام دیکھے گا جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔

ہم فرعونِ مصر کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں خطروں سے آگاہ کیا اور جیسا مصر کے غیب دانوں نے کہا ہے، ہم دیوتاؤں کے حضور عنقریب خون کی قربانی بھی دیں گے۔ مگر سب لوگ جان لیں کہ ہم ایمگوربل اور نیمیتی بل کے اندر محفوظ ہیں اور تباہی اور موت ہمارے دشمنوں کے لئے ہے۔ منتھو! ہم ایک دو روز میں تمہیں تنہائی کی ملاقات کا موقع دیں گے اور فرعون کے تعاون کی خاطر کچھ ضروری تجاویز پیش کریں گے۔ اس عرصے میں تم بابل کی سیر کرو، دیوتاؤں کے مندروں، معبدوں اور ہیکلوں کو دیکھو۔ میر معظم! فرعونِ مصر کے سفیر اور ان کے ساتھیوں کو دیوتاؤں کے معبد دکھاؤ اور دینِ بابل سے آگاہ کرو۔"

مصری سفیر نے سر کی جنبش اور چہرے کی مسکراہٹ سے شاہ بنونید کی اس عنایت کا شکریہ ادا کیا حالانکہ اسے بابل کے دین اور دیوتاؤں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مصری[2] اپنے دیوتاؤں اور الٰہوں کے سوا کسی دوسرے دیوی دیوتا کو برحق نہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک زمین و آسمان کے تمام الوہی اسرار اور نجات و راستی کے تمام عقدے بزرگانِ مصر پر ختم ہو گئے تھے جنہوں نے رع کی مہربانیوں سے زندگی اور موت کے تمام راز سمجھ لئے تھے۔

شاہ بنونید اپنی تقریر ختم کر کے جس میں اس نے حیرت انگیز طور پر بہادر اور ایک ذمے دار حکمران بننے کی کوشش کی تھی، شاہی اسٹیج سے اترا اور سردار حنانی کے جلوداروں کی حفاظت میں عقبی راہداری میں غائب ہو گیا۔ جب تک بادشاہ ایوان کا آخری دروازہ عبور نہ کر جائے اور

[1] کورش کا قبیلہ ہخامنش جسے بعض مؤرخ "انشان" (ANSHAN) بھی کہتے ہیں دراصل فارس کے چرواہوں پر مشتمل تھا۔ (ہینڈرک وان لون)

[2] مصری اپنے مذہبی عقائد میں بڑے متعصب تھے۔ دوسری قوموں کے دیوتاؤں کو نہ مانتے نہ سچا سمجھتے تھے۔ ان کی عقیدت کا دائرہ صرف اپنے دیوتاؤں تک محدود تھا۔ دوسرے دیوی دیوتاؤں سے نفرت کرتے تھے۔ (پروفیسر جارج ایبرس)

نقارے کی ضرب اس کی واپسی کا اعلان نہ کر دے کسی شخص کو دربار سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔
اس کے جاتے ہی لوگ مصری سفیر کی دہشت انگیز باتوں پر گفتگو کرنے لگے۔ بعض کا خیال تھا، شاہ بنونید نے آج جس جرأت کا مظاہرہ کیا اور جس لہجے میں بات کی اس سے ظاہر ہوتا ہے خاندانِ بخت نصر میں وہ روحِ جلال پھر واپس آ رہی ہے جس نے نصف صدی پیشتر ایشیا کے اس خطے پر ایک زلزلہ طاری کر دیا تھا۔

مہرتاب بھی اس ہجوم میں لوگوں کی باتیں سنتا رہا حتیٰ کہ نقارے کی ضرب سن کر لوگ دروازوں کی طرف لپکے۔ میر معظم مصری سفیر منتھو سے بات چیت میں مصروف تھا۔ اس نے سوچا یہ اچھا موقع ہے کہ چپ چاپ نکل جائے۔ وہ لہرا کر آگے بڑھا کہ ناگہاں عقب سے ایک ہاتھ اس کے کندھے پر آیا۔ پلٹ کر دیکھا تو اساگیلہ کے دفترِ خفیہ کا سربراہ سردار ریموت سامنے کھڑا تھا اور پورے بابل میں یہی وہ واحد شخص تھا جس سے بچنے اور ہوشیار رہنے کی بطورِ خاص تاکید کی گئی تھی۔

ریموت نے خود ہی اپنا تعارف کرایا۔ حالانکہ مہرتاب تعارف کے بغیر ہی اسے جانتا اور پہچانتا تھا۔ وہ اس شہر میں موت کا فرشتہ تھا اور لوگ اس کے سائے سے بھی بھاگتے تھے۔ مہرتاب نے محسوس کیا اس کی آنکھیں چاہِ بابل سے زیادہ گہری اور خوفناک ہیں۔ ''موت کا سایہ'' ہم کلام ہوا۔

''صاحبزادے! معبدِ اکور میں اگر تم نے نیرگل کو اپنی رہائش گاہ کا پتہ لکھوا دیا ہوتا تو کل رات میرے آدمیوں کو تمہاری تلاش میں بھٹکنا نہ پڑتا۔ اس شہر میں کوئی بھی نہیں جانتا کہ تم کہاں رہتے ہو۔''

''سردار ریموت! بعض آدمی غائب رہنے کے باوجود ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔''

ریموت نے چونک کر دیکھا اور اس کی شخصیت پر پڑا ہوا ایک پردہ اُٹھاتے ہوئے بولا۔

''تمہاری رہائش گاہ کا سراغ تو نہیں مل سکا لیکن سنا ہے تم نے زہرہ جمال بیدخت سے پیمانِ محبت باندھا ہے اور میرے لئے تمہاری یہی شناخت کافی ہے۔ بڑے خوش قسمت عاشق ہو۔''

مہرتاب اس بات پر کچھ بے چین بھی، کچھ مطمئن بھی تھا کہ سردار ریموت اُسے ایک دیوانہ عاشق ہی سمجھتا رہے۔ مگر ریموت کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔

''میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تمہی وہ آدمی ہو جسے دیکھ کر مقدس گوما پھر کلام کرنے لگا اور اس نے پیش گوئی کی ہے کہ اس شہر میں تمہارے لئے نئے نئے واقعات، نئے نئے حادثات ظہور میں آئیں گے۔''

''ہاں، یہی کہا ہے گوما نے۔''

''تو پھر تم سے ملاقات ہوتی رہے گی۔ کیونکہ بابل میں کوئی نیا واقعہ، کوئی نیا حادثہ میری اطلاع کے بغیر رونما نہیں ہو سکتا۔''

یہ کہہ کر سردار ریموت آگے بڑھ گیا اور مہرتاب سوچتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ کیا سردار ریموت اُسے یہی بتانے آیا تھا کہ وہ بھی اسے ایک عاشق سمجھتا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ شاید معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ وہ اپنے ذہن میں ایک نئی پریشانی لئے ایوانِ بخت نصر سے باہر آ گیا اور لوگوں کے ہجوم سے کترا کر چلنے لگا کیونکہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی شخص اسے روکے یا سوال کرے مگر جس تصادم سے بچنا چاہتا تھا وہ تو رستے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

سٹیابرس کے دورویہ مجسموں کے درمیان وہ چپ چاپ الگ تھلگ چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں کوئی عجمی غلام ایک مجسمے کی اوٹ سے نکل کر جادو کے پتلے کی طرح سامنے آ کھڑا ہوا۔ مہرتاب اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا۔ غلام خود ہی سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''گستاخی معاف صاحب! اکتانا ہے میرا نام اور میں شہزادی شمورہ کا خادم ہوں۔''

مہرتاب چونک کر پیچھے ہٹا اور عجمی غلام نے آگے بڑھ کر سونے کی ایک انگوٹھی، جس میں قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ساتھ وضاحت بھی کی۔ ''شہزادی آپ سے ملاقات کی خواہش مند ہیں۔ ان کا فرمان ہے آج شام اندھیرا اترتے ہی آپ ایوانِ ماکلوب میں تشریف لائیں۔ میں حضور کی رہنمائی کے لئے نخلستانِ یوسفیر کے مشرقی دروازے پر موجود رہوں گا۔ شہزادی اسی نخلستان میں آپ کی منتظر ہوں گی۔''

مہرتاب پر حیرتوں کا پہاڑ اُلٹ پڑا۔ یہ بات قطعی خلاف توقع پیش آئی تھی۔ ''مگر شہزادی مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟''

''یہ تو میں نہیں جانتا مگر مجھے حکم دیا گیا ہے ملاقات کا پیغام آپ کو پہنچا دوں اور شام کے وقت نخلستانِ یوسفیر کے بابِ تھیامہ پر موجود رہوں۔ شہزادی کی یہ انگوٹھی دیکھ کر نہ تو کوئی شخص آپ کو اساگیلہ میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے، نہ نخلستانِ یوسفیر میں۔ یہ مُہر پاس ہو تو

آپ باغاتِ معلقہ میں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ انگوٹھی سنبھال کر رکھیں، شام کو وقت پر پہنچ جائیں اور ہاں صاحب! میرا نام اکتانا ہے، بھولیے گا نہیں۔"

یہ کہہ کر عجمی غلام تیزی سے مڑا اور فوراً لوگوں کے ہجوم میں غائب ہو گیا۔ مہر تاب حیران و ششدر کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر سنبھلا۔

"شہزادی شمورہ ـــــ" ایک خوب صورت اور تسکین دہ نام تھا۔ وہ تو اس کی ملاقات کے بہانے تلاش کر رہا تھا اور سردار سیسرا نے اُسے باغاتِ معلقہ میں پہنچانے کا وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ دیگر تھا اور خود شہزادی اس کی ملاقات کے لئے بے قرار معلوم ہوتی تھی۔ یہ خوبیٔ تقدیر تھی، یا کچھ اور۔ بابل فی الواقع ایک شہرِ طلسمات ثابت ہو رہا تھا جہاں پلک جھپکتے ہی منظر بدل جاتے تھے۔

اس نے شہزادی کی انگوٹھی بند مٹھی میں چھپالی جیسے کوئی "اسمِ اعظم" ہاتھ آ گیا ہو اور تیز تیز قدموں سے بابِ اساگیلہ کی طرف چلنے لگا۔

(18)

دُخترِ بابل

◎

"نخلستانِ یوسیفر" میں گہری شام رات کے کالے اندھیرے سے گلے مل رہی تھی اور اس تاریکی میں درخت، پودے اور سٹیابرس کے درجنوں مجسمے جو شاہی سیرگاہ کی چاروں دیواروں کے ساتھ ساتھ "مقدس نگہبانوں" کی طرح خاموش کھڑے رہتے تھے، سیاہی کے بڑے بڑے بے ہنگم دھبوں کی شکل اختیار کر گئے تھے۔

"ایوانِ ماکلوب" کی مانند یہ سیرگاہ بھی صدیوں پرانی تھی۔ ممکن ہے ایک صدی قبل یہاں کھجور اور تاڑ کے سوا اور کوئی درخت نہ ہو جس کے باعث اُسے "نخلستانِ یوسیفر" کہا جاتا تھا مگر بخت نصر کے عہدِ اقبال میں جب اس کی عجمی ملکہ امیتی کی خواہش پر بابل کو شہرِ باغات بنا دیا گیا تو قسم قسم کے غیر ملکی درختوں اور پودوں سے اس نخلستان کو بھی گلستان میں تبدیل کر دیا گیا۔ لیکن نام تبدیل نہیں کیا گیا تھا۔ ڈیڑھ کلومیٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا یہ باغ رات کے کالے اندھیرے میں عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔

چاند کی آخری تاریخوں میں کوہ پیکر عمارتوں کا شہر اندھیروں میں ڈوب جاتا مگر رات کے وقت صحراؤں سے آنے والی خنک ہوائیں بھی شاید ادھر کا راستہ بھول گئی تھیں کیونکہ نخلستانِ یوسیفر میں کھجور، تاڑ، صنوبر، آبنوس اور چیڑ کے درخت، سرو و شمشاد، مہندی، کچنار کے پودے، دیواروں کے ساتھ ساتھ نرکلوں کی باڑ، بیدِ مجنوں کے جھنڈ، گلاب، سوسن، چنبیلی کی جھاڑیاں اور رنگ برنگے پھولوں کے قطعے سب ساکت تھے۔

نخلستان میں داخلے کے آٹھ دروازے بخطِ مستقیم آمنے سامنے واقع تھے اور ان آٹھوں دروازوں پر ہر شب مشعلیں روشن رہتی تھیں جو کیکی[1] سے جلتی اور سیر گاہ کو منور رکھتی تھیں۔ وسطی پارک میں ایک مربع چبوترے پر دیوی انلیل کا حسین اور برہنہ مجسمہ ایستادہ تھا۔ یہ دیوی جوانی اور محبت کی علامت سمجھی جاتی تھی اس لئے اس کا حسین پیکر گلابی مرمر سے تیار کیا گیا تھا۔ چبوترے کے چاروں کونوں میں چار چوکور ستون تھے جن پر بڑی بڑی قندیلیں جلائی جاتی تھیں تا کہ راتوں کو بھی دیوی کے برہنہ شباب کا نظارہ کیا جا سکے مگر آج خلافِ معمول نخلستان کے آٹھوں دروازوں کی مشعلیں گل تھیں اور خلافِ دستور دیوی انلیل کے عریاں بدن کے ہر پہلو کو منور کرنے والی روشنیاں بھی خاموش تھیں۔ رات کے کالے اندھیرے نے دیوی کے حسین مجسمے کو اپنی سیاہ چادر میں ڈھانپ لیا تھا اور یہ ایک عجیب بات تھی، یہ ایک عجیب رات تھی۔

شاہی سیر گاہ اگر چہ قلعۂ اساگیلہ کی بیگمات و خواتین اور خاندانِ بخت نصر کی شہزادیوں کے لئے اکثر کھلی رہتی لیکن جب باغاتِ معلقہ کی با اختیار شہزادی شمورہ تنہائی کی راتیں گزارنے کے لئے ایوانِ ماکلوب میں قیام کرتی، نخلستان کے آٹھوں دروازے بند کر دیئے جاتے اور کسی کو داخلے کی اجازت نہ ہوتی تھی تا کہ شہزادی کے ''عرفانِ تنہائی'' میں کوئی خلل نہ آ سکے۔ شمورہ کو اپنی تنہائی میں کسی کی مداخلت گوارا نہ تھی اور اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو ہواؤں کو بھی حکم دیتی کہ اس سے اذنِ خرام لئے بغیر نخلستان میں داخل نہ ہوں۔ ''عرفانِ تنہائی'' کی راتوں میں بھی سیر گاہ کی تمام قندیلیں روشن ہوتی تھیں اور وسطی پارک میں دیوی انلیل کا برہنہ شباب ان کی کرنوں میں نہایا رہتا تھا۔ پھر آج یہ تاریکی کیسی تھی؟

کہیں روشنی تھی نہ آواز نہ حرکت۔ ہوا ساکت تھی اور فضا خاموش۔ درختوں، جھاڑیوں اور دیوتاؤں کے گونگے سائے جامد ہو کر رہ گئے تھے۔ بس ایک پراسرار سناٹا تھا، کالا اندھیرا تھا اور تنہائی کا مکمل عرفان۔ تاریک آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے جن کی بے حد مدھم، غیر محسوس روشنی میں گلابی مرمر کی انلیل بھی سیاہی کا تودہ دکھائی دے رہی تھی اور ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ نخلستان کے آٹھوں دروازوں پر روشن رہنے والی مشعلیں گل کر دی جائیں اور دیوی کے حسنِ برہنہ کو منور کرنے والی روشنیاں بجھ جائیں۔ کیونکہ شہزادی شمورہ انلیل سے ایک خاص لگاؤ رکھتی

---

[1] کیکی رینڈی کے تیل کو کہتے تھے اور اس زمانے میں چراغوں اور قندیلوں میں یہی تیل جلایا جاتا تھا۔

(پروفیسر جارج ایبرس)

اور اُسے تابناک دیکھنا چاہتی تھی لیکن با اختیار اور تنہائی پسند شمورہ تھی کہاں؟

بڑھتی ہوئی تاریکی اور پراسرار خاموشی میں لمحے بیت رہے تھے، وقت دبے پاؤں گزر رہا تھا اور نخلستانِ یوسیفر کا کالا گونگا اندھیرا ''سحرِ بابل'' کی طرح ایک چیستان بن گیا تھا۔ اچانک یوں لگا جیسے دیوی کے عقب میں سوسن اور گلاب کی جھاڑیوں کے درمیان کوئی خفیف سی آہٹ اُبھری ہو، کوئی آنچل سرسرایا ہو، کسی موجِ ہوا نے حرکت کی ہو اور یہ کوئی وہم یا دھوکا نہیں تھا۔ واقعی منظر میں کچھ تبدیلی ہوئی تھی۔ ستاروں کی مدھم سی موہوم سی روشنی میں جسے ''روشنی'' کہنا درست نہ ہوگا، انلیل کے مرمریں پیکر کے پیچھے ایک سایہ دھندلے غبار کی مانند آہستہ آہستہ نمودار ہوا اور بے آواز چلتا دیوی کے سامنے سے گزرتا چبوترے کی سیڑھیوں کے پاس رک گیا۔ یہ ایک نسوانی سایہ تھا۔ رات کے وقت کوئی معمولی عورت شاہی نخلستان میں اس طرح نمودار نہ ہو سکتی تھی اور وہ کوئی معمولی عورت تھی بھی نہیں۔

ایک اضطراب گیر لمحے کے بعد ناگہاں خاموش فضا تالی کی آواز سے مرتعش ہوئی۔ دور جھاڑیوں کی اوٹ سے دوسرا نسوانی سایہ نکلا اور تیزی کے ساتھ دیوی کے بُت کی طرف بھاگا۔ یقیناً وہ کوئی کنیز یا خادمہ تھی جو اپنی مالکن کے حکم کی تعمیل کرنے بھاگی تھی۔ ابھی وہ چبوترے کے سامنے پہنچ کر سرنگوں بھی نہ ہوئی تھی کہ باغاتِ معلقہ میں سنی جانے والی مخصوص نسوانی آواز بلند ہوئی جسے سنتے ہی کنیزوں اور غلاموں کے جسموں میں سنسنی دوڑ جایا کرتی تھی۔ بلاشبہ وہ آواز شہزادی شمورہ کی تھی جس میں اضطراب بھی تھا، غم بھی تھا، برہمی بھی تھی اور ان تینوں کیفیتوں کے ملے جلے لہجے میں وہ کنیز سے پوچھ رہی تھی۔

''نومی ـــــ! دن سے شام اور شام سے رات ہو گئی مگر وہ ابھی تک نہیں آیا۔ کیوں نہیں آیا؟''

تو نخلستانِ یوسیفر کی یہ خاموشی اور تاریکی کسی کے انتظار اور اس انتظار کی اذیت کا اظہار تھا جس سے بابل کی با اختیار شہزادی غالباً پہلی بار دوچار ہوئی تھی مگر اس نے کنیز سے جو سوال کیا وہ اس کا جواب دینے سے قاصر تھی۔ اس کے باوجود جواب تو اسے دینا تھا۔ کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا کیونکہ شہزادیوں کے حضور کنیزوں کی خاموشی ان کی بدبختی کا پیغام بھی بن جایا کرتی ہے۔ اندھیرے میں نومی کی کپکپاتی آواز سنائی دی۔

''اسے آنا چاہئے سرکار! وہ آئے گا۔''

''اب تو کوئی امید نہیں رہی۔'' شہزادی کی آواز میں مایوسی تھی۔

ایک لمحہ خاموش رہ کر کنیز نے پوچھا۔ ''شمعیں روشن کر دوں؟''

''نہیں، اندھیرا چہروں کے کرب کو ڈھانپ لیتا ہے۔'' مگر آواز اس کے دل کی اذیت کا اظہار کر رہی تھی۔ اچانک اس نے پوچھ لیا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، وہ کیوں نہیں آیا؟''

''شاید ڈر گیا ہو۔''

''سنا ہے بزدل نہیں۔''

''ممکن ہے کوئی ضروری کام آپڑا ہو۔''

''کیا ایک نوجوان کو ہماری ملاقات سے بڑھ کر کوئی دوسرا ضروری کام بھی ہو سکتا ہے؟''

''ہرگز نہیں۔'' نومی کی آواز کانپ رہی تھی۔

''لوگ ہماری ملاقات کو ترستے ہیں مگر اس نے ہمارے پیغام کو مسترد کر دیا ہے۔'' پھر شہزادی نے عجیب سے لہجے میں دریافت کیا۔ ''نومی! کیا فی الواقع ہم ایسی ہیں کہ کسی کو ملاقات کے لئے بلائیں اور وہ انکار کر دے؟''

''حضور تو مثلِ ماہتاب ہیں اور کوئی شخص حضور کی ملاقات سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

''مگر بابل میں ایک نوجوان موجود ہے ـــــ جس نے سمجھا ہے کہ ہم کوئی ایسی قابلِ فخر ہستی نہیں جس کی ملاقات کے لئے وہ دوڑا آئے۔''

اچانک کنیز کو ایک نئے خیال نے پریشان کر دیا۔ ''یہ بھی تو ہو سکتا ہے اسے حضور کا پیغام ہی نہ ملا ہو یا اکتانا نے پیغام دینے میں کوئی غلطی کی ہو۔''

''ہاں ـــــ ہو سکتا ہے۔'' شہزادی کے خیالات کی رو یک لخت تبدیل ہو گئی۔

''اکتانا کو ہمارے حضور پیش کرو۔ اگر اس نے شاہی انگوٹھی بددیانتی سے اپنے پاس رکھ لی اور مہرتاب تک ہمارا پیغام نہیں پہنچایا تو اس کا جرم ناقابلِ معافی ہے۔''

کنیز تیزی سے پلٹی اور بھاگتی ہوئی تھوڑی دور جا کر اندھیرے میں گھل مل گئی۔ شہزادی چبوترے کی سیڑھیوں کے پاس بے قراری سے ٹہلنے لگی۔ یہ بات اس کے فہم و شعور سے بالا تھی کہ وہ ایک نوجوان کو تنہائی میں ملاقات کی دعوت دے اور وہ نہ آئے۔ اسے تو شام گزرتے ہی آ جانا چاہئے تھا۔ اس کے برعکس ہوا یہ کہ دو مشاطاؤں نے شہزادی کا ہار سنگھار کیا، اسے بنا سنوار

کر شعلۂ جوالا بنا دیا پھر اس نے بہترین پوشاک پہنی اور سرِ شام ہی نخلستان میں پہنچ کر مہرتاب کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ وقت کا ہر لمحہ اس کے کرب میں اضافہ کرتا ہوا گزرتا رہا اور جس کے لئے سب کچھ کیا تھا وہی نہ آیا۔ حتیٰ کہ شام رات سے بغل گیر ہو گئی۔ طویل انتظار نے اس کے شاہی وقار کو چکنا چور کر دیا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچی کہ اب وہ نہیں آئے گا۔

اس نے زندگی میں پہلی بار کسی نوجوان کو پیغام ملاقات بھیج کر انتظار کی اذیت جھیلی تھی۔ اس انتظار میں اس کی اپنی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی۔ اس احساس نے سوگوار کر دیا تھا کہ یہاں ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جو اس کی ملاقات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اسی احساس نے روح میں ایک شگاف ڈال دیا مگر اکتانا کی ''بددیانتی'' کا خیال مجروح ذہن کو پاگل کئے دیتا تھا اور جوں جوں نومی کی واپسی میں دیر ہو رہی تھی اس کے اعتماد کی دیوار گرتی جا رہی تھی۔ ''کہیں عجمی غلام فرار نہ ہو گیا ہو۔''

دیوی کے تاریک مجسمے کے سامنے اس نے کتنے ہی چکر کاٹ لئے۔ اب تک نومی اور اکتانا کو آ جانا چاہئے تھا۔ اچانک اندھیرے میں کچھ فاصلے پر قدموں کی چاپ اُبھری۔ کنیز عجمی غلام کو اپنے ساتھ لے آئی تھی اور اب اس سے نمٹنا ضروری تھا۔ شہزادی نے بے قراری اور غم و غصے کی حالت میں پلٹ کر دیکھا۔ تھوڑی دور ایک ہی سایہ حرکت کرتا نظر آیا۔ شاید نومی پیچھے رہ گئی اور اکتانا تنہا آیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ غصے سے بولی

''اکتانا! یاد رکھ۔ اگر تُو نے ہمارا پیغام پہنچانے میں کوئی بددیانتی کی تو تجھے ''کشتی کے عذاب[1]'' میں مبتلا کر دیا جائے گا۔''

یہ تہدید سنتے ہی سایہ انہی قدموں رک گیا اور شہزادی نے حکم دیا۔ ''آگے آ جا اور ہمیں جواب دے، مہرتاب ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ کیا تُو نے ہمارا پیغام اُسے پہنچا دیا تھا؟''

''جی ہاں۔ تعمیل حکم میں کوتاہی نہیں ہوئی۔''

---

[1] ''کشتی کا عذاب'' اس دور کی ہولناک سزا تھی۔ مجرم کو ایک کشتی میں لٹا کر زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا۔ اس کے اوپر دوسری کشتی اُلٹی رکھ دی جاتی۔ اس قبر نما خلا سے مجرم کا چہرہ اور پاؤں باہر رکھے جاتے جن پر شہد مل دیا جاتا۔ کشتی دریا میں چھوڑ دی جاتی۔ دوسری کشتی میں سپاہی مجرم کی نگرانی کرتے، اس کے چہرے اور پاؤں کو مکھیاں کاٹتیں لیکن وہ حرکت نہ کر سکتا تھا۔ تیز دھوپ سر اور پاؤں میں اینٹھن پیدا کرتی۔ وہ کشتی میں لیٹا بہاؤ کے رُخ تیرتا رہتا اور بھوکا پیاسا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دیتا تھا۔ ([illegible])

شہزادی شمورہ بری طرح چونکی۔ یہ اکتانا کی آواز نہیں تھی۔ وہ شاہانہ جلال سے بولی۔

''کون ہو تم؟''

''مہر تاب کہتے ہیں مجھے۔''

''مہر ـــــ تاب ـــــ'' شمورہ کی آواز بدل کر یک لخت موسیقی میں ڈھل گئی اور روح کا بوجھ اتر گیا اور دل میں کسی نے نغمہ سا چھیڑ دیا۔ ''آخر تم آ گئے۔ میں تو مایوس ہو گئی تھی۔''

''مایوسی بے یقینی کا دوسرا نام ہے۔''

''خیال تھا شاید اکتانا نے اپنا فرض صحیح طور سے ادا نہ کیا ہو۔''

''اکتانا نے اپنا فرض پوری ذمے داری سے ادا کیا تھا۔''

''ہم شام سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' شہزادی کو شکایت کی سوجھی۔

''پیغام بھیج کر انتظار تو کرنا ہی پڑتا ہے۔''

''مگر ہم انتظار کے عادی نہیں۔''

مہر تاب کو اس کا حاکمانہ لہجہ پسند نہیں آیا۔ اس نے جواب دیا۔ ''میں بھی کسی کے پیغام کا پابند نہیں۔ آج تک کتنی ہی عورتوں کی دعوتِ ملاقات مسترد کر چکا ہوں مگر نہ جانے کیوں تمہارا پیغام قبول کر لیا اور قلعہ اساگیلہ کے اس اونچے حصار میں چلا آیا۔''

شہزادی باتوں کے علاوہ اس کے اندازِ تخاطب پر بھی حیران ہوئی۔ آج تک کسی شخص نے اُسے ''تم'' کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے جرأت کی۔ پھر ایک لمحہ دل ہی دل میں اس کی جرأت پر حیران ہونے کے بعد بولی۔

''کوئی شخص ہماری ملاقات سے انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ ہم دُخترِ بابل ہیں۔ سلطنت کالدیا کی با اختیار شہزادی ہیں۔''

اندھیرے میں مہر تاب کا قہقہہ یوں بلند ہوا جیسے نقارے پر چوٹ پڑتی ہے۔ یہ والہانہ قہقہہ شمورہ کے قلب و ذہن میں بھونچال کی طرح کانپتا لرزتا رہا۔ ہنسی تھمی تو مہر تاب کی آواز سنائی دی۔

''اگر تم نے شہزادی بن کر بلایا ہوتا تو یہاں آنے کی بجائے میں ایگو رتل پار کر چکا ہوتا یا اپنی موت سے بے پرواہ ہو کر آرام کی نیند سو جاتا۔'' وہ اس بات سے قطعی پریشان نہ تھا کہ اساگیلہ کے تہرے حصاروں کے اندر شہزادی شمورہ سے ہم کلام ہے جس کے سامنے گفتگو کے

آداب کو خاص طور سے ملحوظ رکھا جاتا ہے جو خود دیویوں کے سے لہجے میں بات کرتی اور لوگ اس کے اندازِ کلام سے مسحور ہو جاتے ہیں۔

''تم'' کے تخاطب سے اگرچہ شہزادی کا شاہی وقار اور عام انسانوں سے اس کی ماورا شخصیت کا بھرم مجروح ہوتا تھا لیکن نہ جانے کیا بات تھی وہ اس اندازِ گفتگو پر ناراض نہیں ہوئی بلکہ اس کی نسائیت جو شاہی تکلفات اور دیویوں کے تقدس کے مصنوعی غلافوں سے دب کر رہ گئی تھی، مطمئن سی نظر آنے لگی اور وہ خوشی کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔

''مہر تاب! ہمیں تمہاری باتیں پسند آئیں۔ انلیل کی قسم! تم بالکل ویسے ہی ہو جیسے کسی مرد کو ہونا چاہئے۔''

مہر تاب نے محسوس کیا اس نے شہزادی کی مصنوعی حیثیت کو توڑنے کے لئے جو ضرب لگائی وہ کارگر ثابت ہوئی ہے۔ شمورہ اس کی صاف گوئی سے متاثر ہو کر کہہ رہی تھی۔

''ہم نے دربار میں تمہاری گفتگو سنی اور اس بات پر خوش ہوئے کہ تم نے بادشاہ کو صحیح مشورہ دیا اور کسی خوف کے بغیر شامی سرداروں کی حقیقت واضح کر دی۔ دراصل بھائی بیلشازار کی غلطیوں کے طفیل پدرِ بزرگوار کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اس پر بھی خوشی ہے کہ بادشاہ تمہارے مشوروں کو غور و تحمل سے سنتے اور تم پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اسی لئے تم پر بھروسہ کرتے ہوئے ملاقات کا پیغام بھیجا تھا۔''

''شاید میں بھی اسی لئے آ گیا ہوں کہ یہ اعتماد قائم رہے۔''

شہزادی شمورہ نے خوش ہو کر تالی بجائی اور ساتھ ہی آواز دی۔ ''نومی، شمونی، بلقیس، متھرا، اکتانا! شمعیں روشن کر دو تا کہ ہم اپنے مہمان کو اور وہ ہمیں دیکھ سکے اور زندگی کے یہ لمحے یادگار بن جائیں۔''

مہر تاب نے اس آواز میں ایک عجیب سے کیف کی کپکپاہٹ محسوس کی۔ لفظوں کے روپ میں شہزادی کے دل کی دھڑکنیں سنیں پھر رات کے کالے اندھیرے میں دُور شعلے سے لپکنے چمکنے لگے۔ تاریک فضا میں روشنی کی لکیریں بکھرنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے نخلستانِ یوسیفر کے آٹھوں دروازوں پر مشعلیں روشن ہو گئیں۔ دیوی انلیل کے حُسنِ عریاں کو منور کرنے والی روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ شاہی سیر گاہ میں ایک رومان آفرین عشق انگیز سا اُجالا پھیل گیا۔ زرد روشنیاں، مضطرب مشتاق چہروں پر تھرتھرائیں۔ انہی روشنیوں میں شہزادی اور مہر تاب نے ایک

دوسرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں دل کی بے تابیوں کے عکس کانپ رہے تھے۔

مہر تاب اسی لباس میں تھا جس میں دن کو دیکھا گیا تھا۔ اپنی مخصوص زرد عبا میں وہ عطارد دیوتا یا رب النوع کا ''بروز'' دکھائی دے رہا تھا۔ شمورہ نے غالباً زندگی میں پہلی بار ایسی پوشاک زیب تن کی تھی جس میں اس کے جوان و حسین بدن کی رعنائیاں کچھ اور اُبھر آئی تھیں۔ کانوں میں طلائی آویزے تھے جن کے دونوں لعل رخساروں کے آس پاس جھول رہے تھے۔ گلے میں ہیروں کا ہار جگر مگر کر رہا تھا۔ دونوں کلائیوں میں سونے کے انتہائی خوب صورت کنگن تھے جن میں یاقوت و زمرد جڑے ہوئے تھے۔ قندیلوں کی روشنیوں میں لعل و جواہر سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں جن کا انعکاس اس کے حُسن کی دل کشی اور شخصیت کے وقار میں اضافہ کر رہا تھا۔ بلاشبہ وہ ''دخترِ بابل'' تھی حُسن و جوانی میں، آرائشِ جمال میں۔

مہر تاب کی آنکھوں میں چکا چوند سی ہونے لگی۔ اچھا تو یہ ہے باغاتِ معلقہ کی سب سے با اختیار شہزادی۔ کیا آن ہے، کیا شان ہے۔

اس اثناء میں جب مہر تاب حُسن و جمال کی طلعت افروزیوں میں کھو گیا، شمورہ نے اکتانا کو آواز دی جو دیوی انلیل کے برہنہ حُسن کو منور کرنے والی قندیلیں روشن کر کے کنیزوں کے ہمراہ لوٹ رہا تھا۔ عجمی غلام بھاگ کر حاضر ہوا اور آتے ہی سجدے میں گر پڑا۔ شہزادی نے حکم دیا۔

''اکتانا! کھڑا ہو جا۔ ہم تجھ سے خوش ہیں۔ تُو نے پیغام رسانی کا فرض دیانت داری سے ادا کیا ہے اور یہ ہے تیرا انعام۔''

یہ کہہ کر اس نے کلائی سے کنگن اتارا اور اکتانا کی طرف اچھال دیا جو رکوع کی حالت میں کھڑا تھا۔ عجمی غلام نے کنگن زمین پر گرنے سے پہلے ہی دبوچ لیا اور ایک بار پھر سجدہ ریز ہو گیا۔ شمورہ نے فخر سے کہا۔

''اکتانا ۔۔۔۔۔! اٹھ اور یاد رکھ ہم نے تجھے کوئی معمولی انعام نہیں دیا۔ یہ انتہائی نادر اور قیمتی کنگن ملکہ سمیرا میس کی نشانی ہے جب وہ بابل کے تخت پر بیٹھتی تھی تو یہی کنگن پہنتی تھی، جو آج ہیروں کے مول بھی مہنگا ہے۔''

شہزادی شمورہ نے یہ تاریخی کنگن آج ہی پہنے تھے تاکہ جب مہر تاب سے ملاقات ہو اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے تو بتا سکے کہ اس نے کسی معمولی عورت کا نہیں بلکہ ایک با اقبال شہزادی کا ہاتھ تھاما ہے جو ملکہ سمیرا میس کی طرح اپنی مرضی کی مالک ہے۔ لیکن اب اس نے

ایک کنگن اکتانا کی وفاداری کے صلے میں بخش دیا تھا۔ مہر تاب سوچنے لگا، یہی عورت تھوڑی دیر قبل اپنے عجمی غلام سے اس لئے خفا تھی کہ شاید اس نے پیغام رسانی میں کوئی کوتاہی کی ہے اور اس ''جرم'' کی پاداش میں اسے ''کشتی کے عذاب'' میں مبتلا کرنے پر تیار ہو گئی تھی لیکن جب مطلوبہ مہمان آ گیا تو خوش ہو کر اسے ایک تاریخی زیور بخش دیا۔ دخترِ بنونید نے اپنے غلام سے ایک بار انتہائی برہمی اور دوسری بار انتہائی مہربانی کا سلوک کیا تھا۔ اس نے غور کیا کہ شہزادی کی برہمی اور مہربانی کی وجہ وہ خود ہی تو ہے۔ یہ سارا ہنگامہ اسی کے لئے تو برپا ہوا۔

اکتانا انعام وصول کر کے نہ جانے کب چلا گیا کیونکہ مہر تاب اپنے ہی خیالوں میں کچھ اس طرح گم ہو گیا تھا کہ اسے عجمی غلام کی واپسی کا بھی ہوش نہ رہا۔ شہزادی اسے گم صم دیکھ کر حیران سی رہ گئی۔ ''کیا سوچنے لگے مہر تاب؟''

''سوچ رہا ہوں عورت کا کون سا روپ اصلی ہوتا ہے؟''

''کس روپ کی بات کرتے ہو؟''

''جو ابھی دیکھا ہے۔''

''کیا دیکھا ہے تم نے؟''

''عورت غصے میں قہر اور مہربانی میں بخشش کی لہر بن جاتی ہے۔ یہی دو روپ دیکھے ہیں میں نے۔ کیا عورت کا کوئی تیسرا روپ بھی ہے؟''

''ہاں ۔۔۔۔۔ ہے۔'' شمورہ کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔

''کون سا روپ ہے وہ؟''

''محبت ۔۔۔۔۔۔'' شہزادی اس کی آنکھوں کے کھلے دریچوں میں جھانک کر بولی۔ ''محبت ہی عورت کا اصل روپ ہے اور ہم تمہیں اس کا ثبوت دیں گے۔''

مہر تاب تڑپ ہی تو گیا۔ ''پھر اپنی گفتگو کا انداز بھی بدل دو۔ ''ہم'' اور ''تم'' کے لفظوں می بڑے فاصلے ہوتے ہیں۔ حالانکہ میں تمہارا غلام نہیں، تم میری مالکن نہیں۔''

آج تک کسی نے دخترِ بنونید سے ان لفظوں اور اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ وہ خود کو دوسروں سے بالاتر سمجھتی اور دیویوں کے سے لہجے میں گفتگو کرنے کی عادی ہو گئی تھی۔ مہر تاب کے ایک ہی فقرے نے اسے ہلا کر جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ''کیا کہا تم نے؟''

''میرے ساتھ شہزادی نہیں، شمورہ بن کر بات کرو۔''

"ہم شمورہ بن کر بات کریں؟" وہ بے حد حیران نظر آتی تھی۔

"اس لئے کہ مرد کے سامنے عورت اپنے اصل روپ میں اچھی لگتی ہے۔"

شہزادی حیرت پاش نظروں سے اسے دیکھتی اور شاید کچھ سوچتی رہی پھر حیرت اور پریشانی کے سائے غائب ہونے لگے اور عارضوں پر مسکراہٹ کی چاندنی بکھر گئی۔ بڑے دلنواز سے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"پھر میں تمہارے لئے شہزادی نہیں صرف شمورہ ہوں۔" سات منزلہ باغاتِ معلقہ کی سب سے بااختیار عورت ایک ہی جھٹکے میں اپنے آسمان کو چھوڑ کر زمین پر اتر آئی۔ اب اس کی آواز میں ایک نئی دل کشی تھی۔ "آج تک سب لوگ دیویوں کی طرح میری پرستش کرتے رہے۔ تم پہلے آدمی ہو جس نے مجھے عورت سمجھا ہے۔"

"میرے نزدیک عورت دیویوں سے زیادہ اہم ہے۔"

شمورہ پریشان ہوگئی۔ "وہ کیسے؟"

"عورت انسان پیدا کرتی ہے مگر دیویاں بانجھ ہوتی ہیں"

"تمہاری ہر بات عجیب ہے۔" اس کے چہرے پر دھواں سا اُڑنے لگا تھا۔ "دیویاں تو ہماری نجات کا ذریعہ ہیں اور اب ہماری گفتگو دیوی کے سامنے ہوگی۔"

اس کے ساتھ ہی وہ انلیل کے مجسمے کی طرف مُڑ گئی۔ مہرتاب نے بھی پلٹ کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے ابھی تک انلیل کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔ صرف شمورہ کو دیکھا تھا۔ اب جو نظر اٹھائی تو سرتاپا برہنہ دیوی سامنے تھی اور گلابی مرمر کا بُت جو قندیلوں کی روشنیوں میں چمک دمک رہا تھا، سنگ تراشی کا ایک ایسا حسین شاہکار تھا جس کی مثال دینِ اصنام میں شاید ہی کہیں مل سکے۔ ہندوستان، مصر، شام، یونان کسی دیوی کے حُسن و شباب کا ایسا نمونہ پیش کرنے سے قاصر تھے۔

مختلف زاویوں سے پڑتی ہوئی روشنیوں میں انلیل کا گلابی مرمر کا بدن اور اُس بدن کے خدوخال ایسے نمایاں تھے کہ اس پر مکمل عورت کا گمان ہوتا تھا۔ بس گردشِ خون اور گرمیٔ حیات کی کمی رہ گئی تھی۔

مہرتاب برہنہ دیوی کے نظارۂ جمال میں ایسا کھو گیا کہ شہزادی کی رفاقت کا احساس بھی نہ رہا لیکن فوراً ہی چونکا کیونکہ شمورہ دیوی کے سامنے آنکھیں بند کئے کہہ رہی تھی۔

"اے مقدس انلیل ____! جو دلوں کا بھید جانتی اور محبت کرنے والوں پر کرم کی نظر رکھتی ہے، میں شمورہ بنت بنونید تیرے حضور اقرار کرتی ہوں کہ اپنی محبت مہرتاب کے لئے وقف کر دوں گی جو مجھے مردوں میں سب سے محبوب ہے۔"

ابھی مہرتاب کی یہ حیرت ختم نہ ہوئی تھی کہ شمورہ کہنے لگی۔ "اب تم بھی دیوی کے سامنے عہد کرو کہ میرے ساتھ کبھی بے وفائی نہیں کرو گے۔"

مہرتاب کے قلب و ذہن پر بجلیاں سی کوند گئیں۔ یہ سب کچھ قطعی غیر متوقع تھا جو آناً فاناً پیش آ گیا۔ وہ کسی نئے اقرارِ محبت کے لئے تیار نہ تھا۔ بے شک شہزادی شمورہ جو اس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہی تھی ایک ایسی محبت کا عنوان تھی جو اس کے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ وہ اس کے ذریعے سب کچھ حاصل کر سکتا تھا مگر وہ تو بابل میں آتے ہی اس یگانۂ عصر عورت سے ٹکرا گیا تھا جس سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس سے پیمانِ محبت بھی باندھ چکا تھا۔ اب دل میں جھماکے سے ہو رہے تھے۔ ذہن میں ایک سوال بگولے کی طرح گردش کر رہا تھا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا یا کسی ترمیم، کسی تبدیلی کی گنجائش باقی ہے؟

بیدخت یا شمورہ ____ شمورہ یا بیدخت ____ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا اور انتخاب تو وہ کر چکا تھا۔ اب صرف اس امتحان سے گزرنا تھا جس میں شہزادی نے اُسے ڈال دیا تھا۔ وہ سوچنے لگا، کچھ کہے یا نہ کہے۔ جواب دے یا نہ دے۔

چند لمحوں کا یہ سکوت کئی زمانوں سے زیادہ بوجھل لگ رہا تھا۔ شہزادی امید افزا نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور اس کی پراسرار خاموشی پر حیران بھی تھی۔ جب یہ خاموشی کچھ اور طویل، کچھ اور خلش انگیز ہوگئی تو بولی۔

"چپ کیوں ہوگئے مہرتاب! دیوی کے سامنے عہد کرو۔"

"ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا۔"

شاید اسے اظہارِ مطلب کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے مگر یہی جواب شہزادی کو حیران کر دینے کے لئے کافی تھا۔ یہ نہ تو انکار تھا نہ اقرار۔ "نہ" تھی نہ "ہاں" ____ بنت بنونید اس کے جواب کی طرح خود بھی تقسیم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے مہرتاب کو شہزادی کی حیثیت میں بلایا تھا۔ اب شمورہ بن کر بات کر رہی تھی۔ "کیا اقرارِ محبت کے لئے کسی وقت کی ضرورت ہوتی ہے؟"

"نہیں۔ پھر بھی یہ ہماری پہلی ملاقات ہے اور پہلی ملاقات میں بہت سی باتیں ادھوری

چھوڑ دی جاتی ہیں۔"

"تم نے خود ہی مجھے اظہارِ محبت کی دعوت دی تھی۔"

"میں نے تو صرف اندازِ گفتگو میں تبدیلی چاہی تھی"

اور جب شمورہ نے ان باتوں پر غور کیا جو ان کے درمیان ہو چکی تھیں تب پتہ چلا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ وہ اپنے الفاظ بھولا نہیں تھا مگر اس نے شہزادی کی بات بھی یاد رکھی تھی کہ "محبت ہی عورت کا اصل روپ ہے۔" پھر وہ خود ہی دیوی کے سامنے اپنی محبت کا اقرار کرنے لگی تھی۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے سوچا۔ "مہرتاب نے مجھے اظہارِ محبت کی دعوت نہیں دی لیکن میں تو اس سے محبت کرتی اور چاہتی ہوں کہ وہ ساری دنیا کو چھوڑ کر صرف میرا ہو جائے۔ آخر اسے اعتراض بھی کیا ہو سکتا ہے؟ جب میرے پیغامِ ملاقات پر یہاں آ گیا تو اقرارِ محبت کیوں نہیں کرتا۔"

فوراً ہی ایک نئی لہر گزرنے لگی۔ "کیوں دیوانی ہوئی جاتی ہے شمورہ! اگر اس نے تیری محبت کا اقرار نہیں کیا تو انکار بھی نہیں کیا۔ تُو نے زندگی میں پہلی بار ایک شخص کا انتخاب کیا ہے اور وہ زندگی میں کئی عورتوں کی دعوتیں مسترد کر چکا ہے مگر تیری دعوت اس نے قبول کی اور ملاقات کے لئے چلا آیا۔ پھر مایوس کیوں ہوتی ہے؟ ذرا اس کے دل میں جھانک کر دیکھ تو سہی کہ کیا آرزو لے کر آیا ہے۔ اور پہلی ملاقات میں جس بات کو ادھوری چھوڑ دینا چاہتا ہے کہیں وہی تو اسے یہاں نہیں کھینچ لائی؟" اور یہ مکالمہ جو اس کے اپنے ہی ذہن میں ہو رہا تھا ایک اُمید کا عکس تھا جو اس کی رہنمائی کر رہی تھی کیونکہ انسان کی دنیا کسی نہ کسی اُمید ہی پر قائم ہوتی ہے۔

شہزادی شمورہ کو اس وقت کسی ایسے ہی سہارے کی ضرورت تھی جو اس کی ذات کو ٹوٹنے پھوٹنے سے بچا سکتا اور غالباً مہرتاب بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس ملاقات کو یہیں ختم کر دے جو محض اتفاق سے میسر آ گئی تھی۔ وہ بہر حال ایک مقصد کے تحت آیا تھا اور اب یہ اس کی اپنی صلاحیت اور کوشش پر منحصر تھا کہ ایک بااختیار شہزادی سے کس طرح کام لیتا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال کئے تھے جو شہزادی کے دل میں امید کی جھلملیاں سی پیدا کرتے رہیں اور وہ انہیں جھلملیوں کی اوٹ سے اسے دیکھتی رہے۔ ادھر شہزادی سوچ رہی تھی اس کا مہمان کسی سلطنت کا ولی عہد نہیں، کسی ریاست کا شہزادہ نہیں، کسی تخت کا وارث نہیں، محض گارجیت کا ایک رئیس زادہ ہے اور گارجیت پر بھی ایرانیوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ شاید اسی لئے

ڈرتا ہو کہ خاندانِ بخت نصر کی شہزادی سے اظہارِ محبت کہیں اس کے لئے کسی مصیبت کا سبب نہ بن جائے۔ اگرچہ جانتی تھی وہ لاکھوں میں ایک ہے اور شہزادیوں کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ خود اس کے سامنے صرف ایک عورت کی حیثیت میں کھڑی تھی پھر بھی اس نے مہمان کو مطمئن کرنا ضروری سمجھا۔ کہنے لگی۔

"مہرتاب! تم پہلی ملاقات میں بعض باتیں ادھوری چھوڑ دینا چاہتے ہو اور میں پہلی ملاقات میں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ تعلق کی وجہ سے تم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔"

قندیلوں کی زرد روشنیوں میں شہزادی کا چہرہ اُس کے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ گویا وہ اس کی خاطر سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ تھی اور یہی وہ وقت تھا جب اسے اعتماد میں لینے کی ضرورت تھی۔ پھر بھی مہرتاب نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔

"جو لوگ شہزادیوں کے پیغام قبول کرتے ہیں وہ مصیبتوں سے نہیں ڈرتے شمورہ...! کیا یہ کافی نہیں کہ تم نے بلایا اور میں آ گیا۔"

"شکریہ مہرتاب! تم نے میرا پیغام قبول کیا۔ میں بھی ثابت کر دوں گی کہ جو کچھ کہتی ہوں اس پر عمل کر سکتی ہوں اور تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

پھر اس نے تین بار ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ تالی کی آواز پر تین کنیزیں سوسن کی جھاڑیوں سے نکل کر بھاگتی ہوئی حاضر ہو گئیں۔ شہزادی انہیں حکم دینے لگی۔ "متھرا...! بھاگ کر جا اور شمیلی کو ہمارے آنے کی اطلاع دے۔ بلقیس! تُو مہمان کو راستہ دکھا اور نومی! تُو ہمارے ساتھ رہے گی۔"

متھرا جو اپنے نام اور چہرے مُہرے سے عجمی معلوم ہوتی تھی سیرگاہ کے اس درمیانی راستے پر بھاگتی چلی گئی جو ایوانِ مالکوب کے عظیم دروازے تک خطِ مستقیم چلا گیا تھا۔ بلقیس جس کا رنگ گندمی اور تیکھے نقوش اُسے اقلیم حیرہ[1] کی حسینہ ظاہر کرتے تھے، فوراً ہی ایک مشعل لے کر آگے بڑھی اور نومی جو شہزادی کی کلدانی کنیز تھی ان کے عقب میں جا کھڑی ہوئی۔ یہ اس بات

[1] بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا اور حجاز کو بھی تباہ و برباد کر دیا تھا۔ بے شمار عربوں کو گرفتار کر کے عراق لے گیا۔ پہلے انہیں شطِ فرات میں بسایا پھر حیرہ میں آباد کیا۔ حیرہ کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ بہر حال بعد ازاں یہی حیرہ ایک مستقل عرب ریاست بن گیا۔ (طبری، ابنِ خلدون وغیرہ)

کا اشارہ تھا کہ اب شہزادی اپنے مہمان کے ہمراہ ایوانِ ماکلوب کی طرف جانے والی ہے جہاں ایک پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس نے مہرتاب کو اشارہ کیا اور بلقیس کی رہنمائی میں شاہی محل کی طرف چلنے لگی۔

رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ ہوا بدستور ساکت تھی اور رات کی اس خاموشی میں سیر گاہ کی روش پر صرف ان کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ مشعلوں کی روشنیوں میں جن کے دائرے آٹھوں دروازوں کے آس پاس پھیلے تھے، سیر گاہ کی دیواروں پر گونگے دیوتاؤں کے مجسمے ''مقدس نگہبانوں'' کی طرح مُہر بہ لب کھڑے تھے۔ جب وہ نخلستانِ یوسیفر کے صدر دروازے پر پہنچے، مہرتاب نے دیکھا نخلستان سے ایوانِ ماکلوب تک دو فرلانگ کے راستے پر دونوں جانب سیٹابرس کے مجسمے پہریداروں کی طرح ایستادہ تھے۔

نخلستان سے نکل کر انہوں نے ایک چھوٹی سی نہر کا چوبی پُل عبور کیا۔ یہ آبی شاخ ایک بڑی نہر سے نکالی گئی تھی تاکہ سیرگاہ کے درختوں اور پودوں کو سیراب کرنے کے علاوہ ایوانِ ماکلوب کی زینت میں بھی اضافہ کرتی رہے جو قدیم شاہانِ بابل کی یادگار اور تمام شاہی عمارتوں سے زیادہ دیدہ زیب عمارت تھی۔

دو فرلانگ کا یہ راستہ بھی خاموشی سے طے ہو گیا۔ ایوانِ ماکلوب کے بلند و بالا دروازے کی ڈیوڑھی میں متعدد کلدانی زرہ پوش نظر آئے جو بڑے بڑے نیزے تھامے باادب کھڑے تھے لیکن مہرتاب تو اس مہیب و عظیم دروازے کی دائیں جانب مربع چبوترے پر گلابی مرمر کے ایک حسین و دل کش نسوانی پیکر کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا جو کسی دیوی کی سی شان کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ مجسمہ کسی دیوی کا نہیں بلکہ دخترِ بابل شہزادی شمورہ کا تھا۔ جس کے مرمریں بدن پر شاہی لباس بھی اس چابک دستی سے تراشا گیا تھا کہ تمام خطوطِ بدن نمایاں ہو گئے تھے اور نقل پر اصل کا گمان ہوتا تھا۔ مہرتاب حیرت پاش نظروں سے گلابی مرمر کی اس مورتی کو دیکھنے میں محو ہو گیا جس پر مشعل کی لرزیدہ شعاعیں کانپ رہی تھیں۔ وہ نقل کو دیکھ رہا تھا جب کہ اس کی اصل پہلو میں کھڑی تھی۔ بے اختیار بولا۔ ''یہ مورتی دیوی انلیل سے زیادہ خوب صورت اور مکمل ہے۔''

شہزادی کے ہونٹوں پر دل شکار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''میری اور دیوی کی مورتیاں ایک ہی فن کار نے تراشی تھیں۔''

''کون ہے وہ؟''

''یونانی سنگتراش ویمیطریس[1]۔''

''نام سنا تھا، آج اس کی سنگتراشی کے شاہکار بھی دیکھ لئے۔''

''یہ مورتی ویمیطریس کی آخری تخلیق ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''میری مورتی مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنے اوزار دریائے فرات میں پھینک دیئے تھے۔''

''کیوں؟'' مہرتاب مضطرب نظر آنے لگا۔

''اُس کا خیال تھا اب وہ اس سے بہتر مجسمہ نہیں بنا سکتا۔''

''ممکن ہے بنانا نہ چاہتا ہو۔''

''شاید یہی بات ہو کیونکہ میرا پرستار تھا۔''

''پرستار ـــــ یا ـــــ عاشق؟''

''اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔ وہ کئی ماہ ایوانِ ماکلوب میں مجھے سامنے بٹھا کر یہ مورتی تراشتا اور سنوارتا رہا لیکن اظہارِ عشق نہ کر سکا۔ اپنے اوزار فرات میں پھینکنے کے چند ماہ بعد مر گیا اور اس کی لاش یونانیوں کے قبرستان میں دفن کر دی گئی۔''

''عاشقوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' مہرتاب نے ٹھنڈا سانس لیا۔

شہزادی نے فکرمند نظروں سے دیکھا اور کہا۔ ''ویمیطریس کی موت کا ذکر کر کے شاید میں نے تمہیں پریشان کر دیا ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''تاریخ کا کوئی ورق عورت اور محبت کے ذکر سے خالی نہیں ـــــ مرد کتنا ہی بیگانہ بننے اور دُور بھاگنے کی کوشش کرے آخر عورت کا اسیر ہو جاتا ہے۔''

جب وہ اس عالم گیر حقیقت کا اظہار کر رہا تھا تصور کے جھروکے میں آفریدۂ جمال بیدخت کا چہرہ بھی دیکھ رہا تھا، جس سے دور بھاگنے کی کوشش کے باوجود اس کی زلفوں کا اسیر ہو گیا۔ لیکن شہزادی شمورہ نے اس خیال سے ایک عجیب سی فرحت محسوس کی کہ مہرتاب اس کی طرف

[1] ویمیطریس یونان کا مشہور سنگتراش گزرا ہے جس نے فنِ سنگتراشی میں کمال حاصل کیا تھا۔
(لائف آف گریس)

مائل ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی محبوبانہ انداز میں ایک حسین شکایت بھی لبوں پر آ گئی اور اپنی مورتی کے قریب آ کر بولی۔

''میں تو اس بات پر حیران ہوں تم اصل کو چھوڑ کر نقل میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟''

مہر تاب نے چونک کر دیکھا۔ ''یہ مورتی ایک عاشق کی تخلیق ہے۔''

''اور میں؟''

''تم ایک دلآویز خواب ہو۔''

''بس......؟''

''اور ایک خوب صورت حقیقت بھی۔''

فرطِ مسرت میں شہزادی نے اپنی دونوں آنکھیں بند کر لیں اور ڈوبے ڈوبے پُر کیف سے لہجے میں کہا۔ ''میرے بارے میں کچھ اور بھی کہو مہر تاب! تمہارے الفاظ سے مجھے سکون ملتا ہے۔''

مہر تاب نے اس کی حسین فرمائش پوری کر دی۔ ''میرا خیال ہے ملکہ سمیرامیس تم سے زیادہ خوبصورت، زیادہ با اختیار اور زیادہ پُر وقار نہیں تھی۔''

شہزادی شمورہ کی گردن میں ایک حسین تناؤ اور عارضوں پر فخر کا عجیب سا رنگ پیدا ہوا۔ ''دیوی ایشتار کی قسم تمہارا خیال غلط نہیں ہو سکتا۔ پدرِ بزرگوار ٹھیک کہتے ہیں کہ تمہارے اندر الٰہوں کی روح بولتی ہے۔''

اس نے آنکھیں کھول کر محبت سے بھرپور نظریں اس پر ڈالیں پھر ڈیوڑھی کی طرف ہاتھ لہرایا۔ بلقیس مشعل لے کر آگے آگے چلی اور وہ دونوں چند لمبی لمبی سیڑھیاں چڑھ کر ڈیوڑھی میں داخل ہوئے۔ زرہ پوش محافظوں نے کمر تک جھک کر تعظیم دی۔ عربی کنیز بلقیس کی رہنمائی میں ڈیوڑھی سے نکل کر جس کے دائیں بائیں بے شمار بارکیں تھیں، وہ ایک مختصر سا صحن پار کر کے دوسری فصیل کے دروازے میں داخل ہوئے، پھر ایک ہال نما کمرے سے گزر کر اور چند غلام گردشوں کو عبور کرتے ہوئے اس کمرۂ خاص میں پہنچے جہاں متعدد کنیزیں ان کی پیشوائی کے لئے حاضر تھیں۔ یہ کمرہ طویل و عریض اور عجمی قالینوں سے آراستہ تھا۔ دیواروں پر اطلس و دیبا کے بڑے بڑے پردے لٹک رہے تھے۔ چھت کے ساتھ چاندی کا ایک بہت بڑا فانوس آویزاں تھا جس میں درجنوں موی شمعیں روشن تھیں۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ بھی متعدد

قندیلیں فروزاں تھیں جن کی روشنیوں سے کمرہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ چاروں کونوں میں چار دیویوں کے پیتل کے خوب صورت مجسّمے بھی نظر آئے اور یہ چار دیویاں تھیں ایشتار، انلیل، ربۂ النوع اور اناطولیہ کی سُبلِ یاما۔

شہزادی شمورہ اگرچہ دیوی دیوتاؤں سے گہری عقیدت رکھتی تھی لیکن مہر تاب نے محسوس کیا کہ اس کمرے میں چاروں دیویاں محض آرائش کے لئے رکھی گئی ہیں جن کے پیتل کے بدن روشنیوں میں خوب چمک دمک رہے تھے۔ کمرے کے وسط میں ایک طویل آبنوسی میز پر دستر خوان بچھے تھے جن پر لمبی لمبی گردنوں والی خم دار صراحیاں، فونیقی کانچ کے پیانوں کے علاوہ سونے چاندی اور ہاتھی دانت کے گول پیمانے، بڑی بڑی قابوں میں بھنے ہوئے تیتر، بٹیر، بلبلیں، فرات کی مچھلیاں، مرغابیاں اور انواع و اقسام کے تازہ پھل بڑے سلیقے اور قرینے سے چنے گئے تھے۔ دعوت کا یہ سارا اہتمام مہر تاب کے لئے کیا گیا تھا۔ شمیلی اور متھرا نے بابل کے سب سے بڑے شاعر برطا کے شعر پڑھ کر مہمان کا استقبال کیا اور شہزادی اسے ساتھ لے کر کھانے کی میز کی طرف بڑھی۔

اگر ظاہری اسباب اور پُر تکلف برتاؤ سے کسی کے دلی جذبات کا پتہ لگایا جا سکتا ہے تو مہر تاب کے لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ شہزادی شمورہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے مگر کھانے کی میز پر اس کے بالمقابل بیٹھتے ہوئے وہ اس بات پر دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا کہ شمورہ کو جو پورے بابل کی خبر رکھتی تھی، ابھی تک یہ اطلاع کیوں نہیں مل سکی کہ اس کا مہمان صرف تین روز قبل کسی اور سے پیمانِ محبت باندھ چکا ہے اور اب وہ چاہتا تھا کہ شہزادی کو یہ خبر نہ ملے۔

(19)

فلکیاتی عجائب گھر

◎

دعوت ختم ہوئی تو شمورہ مہمان کو لے کر ایک گوشے میں آ بیٹھی۔ وہ اس سے کچھ مزید باتیں کرنا چاہتی تھی مہرتاب اس کے ساتھ کچھ مزید وقت گزارنے کا طلب گار تھا تاکہ مقصد کی بات بھی کر سکے لیکن وقت گزارنے کے لئے باتوں کی اور باتوں کے لئے کسی موضوع کی ضرورت ہوتی ہے ـــــ محبت پر گفتگو کر لینے کے بعد ہر موضوع پھیکا، بے کیف، بے رنگ ہو کر رہ گیا تھا اور دونوں محسوس کر رہے تھے ان کے درمیان خاموشی کی بے معنی سی دیوار حائل ہوتی جا رہی ہے۔

رات کا پہلا پہر ہولے ہولے گزرا جاتا تھا۔ شمورہ اس کی قربت سے ایک انجانی سی تسکین محسوس کر رہی تھی۔ مہرتاب کی نظریں بار بار اس جڑاؤ کنگن پر آ کر ٹِک جاتی تھیں جو شہزادی کی دائیں کلائی میں جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ ایک کنگن اپنے عجمی غلام کو بخش چکی تھی۔ دوسرا ہاتھ میں تھا اور مہرتاب کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ شمورہ نے کنگن ہی سے بات چلائی۔

"تمہیں یہ زیور اچھا لگتا ہے؟"

"صرف تمہاری کلائی میں۔" مہرتاب کی زبان سے یہ الفاظ سن کر شہزادی کے دل میں سکون کی لہر گزرنے لگی مگر دوسری بات نے اسے چونکا دیا۔ "تم نے دوسرا کنگن اکتانا کو کیوں دے دیا؟ وہ ملکہ سمیرامیس کی نشانی تھی۔"

"اگر اکتانا نے وہ کام سمیرامیس کے لئے کیا ہوتا جو میرے لئے کیا ہے تو وہ بھی میری

طرح اسے ایک کنگن ضرور بخش دیتی۔" پھر ایک لمحہ ٹھہر کر بولی۔ "انعام غلاموں میں وفاداری کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔"

"مگر تاریخی نوادر غلاموں میں تقسیم نہیں کئے جاتے۔"

شہزادی بے اختیار مسکرا دی۔ "تمہارا خیال ہے مجھے سمیرامیس کی یادگار کو سنبھال کر رکھنا چاہئے تھا۔ مگر مہرتاب! بابل کے شاہی خزانے میں اتنے نوادرات ہیں اگر میں دن رات تقسیم کرتی رہوں، پھر بھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہاں نمرود، حمورابی، یوسیفر، سارگن اوّل، سارگن دوم، سمی رامیس، بنوپلاسر اور عظیم بخت نصر ایسے شہنشاہوں کی ہزاروں یادگاریں ہیں ـــــ شاہی خزانے میں لعل و جواہر، سونے چاندی کے قیمتی زیورات، سیمیں اور طلائی ظروف اور نادر سے نادر اشیاء کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے اُن بے شمار سلطنتوں کے خزانوں اور حکمرانوں کے تاج و تخت سے بھرے پڑے ہیں جنہیں شاہانِ بابل نے شکستیں دیں۔

قصرِ نوادرات میں مفتوح بادشاہوں کی قیمتی ڈھالیں، نیزے، تلواریں اور ہیرے جواہرات سے مرصع دستوں والے خنجر ہیں۔ ان کی زرکار پوشاکیں ہیں جن پر نظر نہیں ٹھہرتی۔ سونے چاندی کے برتن ہیں جن کی چمک نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے۔ قیمتی سے قیمتی شاہی زیورات ہیں جو کبھی بادشاہوں، شہزادوں، ملکاؤں، شہزادیوں اور بڑی بڑی بیگمات کے بدن کی زینت تھے۔ ان شاہی محلات کی آرائش و زیبائش کا قیمتی سامان ہے جنہیں لوٹنے کے بعد کلدانی لشکروں نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ سونے چاندی کی مورتیاں ہیں جنہیں بادشاہ اپنی آرام گاہوں میں سجایا کرتے تھے۔ اور ہاں، میں یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ جدِ بزرگوار بخت نصر نے یہود کی سلطنت یروشلم کو تباہ کر کے اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ہیکل سے جو ظروف لوٹے تھے ان کی تعداد مجھے زبانی یاد ہے۔ ان میں سونے کی تیس تھالیاں، چاندی کی ہزار تھالیاں اور اُنتیس چھریاں، سونے کے تیس پیالے اور چاندی کے چار سو پیالے۔ قسم قسم کے ایک ہزار برتن اور سونے چاندی کے چھوٹے بڑے کل ظروف پانچ ہزار چار سو کی تعداد[1] میں موجود ہیں اور یہ تعداد ان عبرانی پیغمبروں اور سرداروں کو بھی یاد ہے جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ غرض نوادرات کے تہہ خانوں میں ایسی ایسی قیمتی اور نیرنگِ زمانہ اشیاء کے انبار

[1] ہیکلِ سلیمانی کے مقدس ظروف کی یہ فہرست "عہد نامۂ قدیم کتابِ عزرا" سے لی گئی ہے۔ عزرا فقیہہ جنہیں اہلِ اسلام حضرت عزیرؑ کے نام سے یاد کرتے ہیں اُس دورِ غلامی میں وہیں تھے۔

موجود ہیں جن کی ایک ہی جھلک دیکھ کر تم دنگ رہ جاؤ گے۔ اور مہرتاب ـــــ! میں قول دیتی ہوں کہ جس چیز پر ہاتھ رکھ دو گے وہ تمہاری ہو جائے گی۔"

مہرتاب نے ایک طویل سانس لیا۔ وہ جن تہہ خانوں کا ذکر کرنے سے ہچکچا رہا تھا شہزادی نے خود ہی ان کے دروازے کھول دیئے تھے۔ "کیا تم مجھے قصرِ نوادرات میں لے جاؤ گی؟"

"کیوں نہیں تاکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو، بابل میں نوادرات کے اتنے ذخیرے موجود ہیں کہ دنیا میں کہیں نہ ہوں گے۔"

"مجھے ہیرے جواہرات، سونے چاندی اور مال و دولت سے کوئی مطلب نہیں۔ میں تو صرف بابل کے عجائبات سے دلچسپی رکھتا ہوں۔"

"کیسے عجائبات؟"

"کیا تم مجھے ایوانِ ماکلوب کا وہ تہہ خانہ دکھا سکتی ہو جو شاہ یوسیفر کا "فلکیاتی عجائب گھر" کہلاتا ہے۔

شہزادی نے حیرت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ ایک ایسے عجائب گھر کا ذکر کر رہا تھا جسے صرف بابل کے چند بڑے بڑے منجمین ہی جانتے تھے اور انہیں بھی سات سال کے عرصہ میں صرف ایک بار اس حیرت کدۂ طلسم میں داخل ہونے اور علمِ فلکیات کے اسرار و رموز سے استفادہ کرنے کی اجازت تھی جو شاہِ یوسیفر کے دور میں دریافت کئے گئے تھے ورنہ یہ فلکیاتی تہہ خانہ بند ہی رہتا تھا۔ شمورہ حیران اس بات پر تھی کہ اس کا مہمان صرف اس تہہ خانے کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں بلکہ شاہی خزانوں کو چھوڑ کر "فلکیاتی عجائب گھر" دیکھنے کا خواہش مند ہے۔

"مگر اس تہہ خانے سے تمہیں کیا مل سکتا ہے؟"

"ممکن ہے کچھ مل جائے۔"

"کچھ بھی سہی، مجھے تمہاری خواہش عزیز ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

شہزادی اُسے لے کر کمرے سے نکلی۔ پہلے کی طرح بلقیس مشعل اٹھائے آگے آگے رہنمائی کر رہی تھی اور نومی ان کے پیچھے تھی۔ چند غلام گردشیں عبور کرنے کے بعد بلقیس اُنہیں اسی ہال میں لے آئی جو ایوانِ ماکلوب کی دوسری فصیل کے اندر واقع تھا اور جس سے گزر کر وہ شہزادی کے کمرۂ خاص میں پہنچے تھے۔ یہ ہال عجمی قالینوں اور انواع و اقسام کے غیر ملکی سامان

سے آراستہ تھا۔ اس کی مغربی جانب ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ مہرتاب نے سوچا۔ بیدخت نے تہہ خانے کے راستے کے لئے جس کمرے کی نشاندہی کی تھی یہ دروازہ اسی کمرے میں کھلنا چاہئے اور یہ قیاس غلط نہ تھا۔ بلقیس اسی دروازے سے ایک ایسے کمرے میں داخل ہوئی جہاں کئی زرہ پوش پہرے دار موجود تھے۔ ان کے سردار نے شہزادی کا استقبال کیا۔

وہاں ایک بدہیئت کالا مجسمہ بھی تھا جس کے گلے میں زنجیر آویزاں تھی۔ مہرتاب سمجھ گیا وہی شوشان کا دیوتا شوشنیک ہے جو خفیہ دروازے کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ کمرہ بھی کسی ہال ہی کی طرح وسیع و عریض تھا۔ زرہ پوش پہرے دار چیتوں کی مانند ہوشیار اور خونخوار معلوم ہوتے تھے جو چوڑے اور نوکیلے پھل والے نیزوں، خم دار تلواروں اور برچھوں سے مسلح تھے اور کسی کا ان سے بچ کر نکل جانا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ شہزادی نے بدصورت مجسمے کی طرف انگلی اٹھائی۔

"یہ شوشان کا دیوتا ہے جو ہمارے خزانوں کی حفاظت کرتا ہے۔"

مہرتاب کے ذہن میں خیال گزرا۔ یہ شوشان کا حاکم گوبارو بھی عجیب سیاست دان ہے کہ اس نے اپنے دیوتا شوشنیک کو بابل کے خزانوں کی نگرانی کے لئے آگے آگے روانہ کرا دیا اور خود کورش کے لشکروں کو لے کر اس کے پیچھے پیچھے آ گیا ہے۔

شہزادی کے اشارے پر زرہ پوشوں کے سردار نے بدصورت دیوتا کی گردن میں لٹکتی ہوئی زنجیر کھینچی اور اس کا خوفناک چہرہ ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ دائیں جانب گھومنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی سامنے کی دیوار کا ایک قدِ آدم پتھر آپ سے آپ ایک طرف ہٹتا چلا گیا اور زرد روشنی میں ڈھلان سرنگ کا وہ خفیہ دروازہ نمودار ہوا جو قبر کی طرح ایک تاریک نشیب میں اترتا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی زرہ پوش سردار نے زنجیر چھوڑ کر مشعل اٹھائی کیونکہ عربی کنیز بلقیس کی راہنمائی اس کمرے میں ختم ہو جاتی اور یہاں سے پہرے داروں کے سردار کی راہنمائی شروع ہوتی تھی۔ سردار مشعل لے کر تاریک خلا میں داخل ہو گیا۔ شہزادی، مہرتاب، بلقیس اور نومی نے اس کی پیروی کی اور سب سردار کے پیچھے پیچھے قبر نما ڈھلان میں اترتے گئے۔ یہ ڈھلان پورے تیس قدم کے بعد ایک طویل اور تاریک سرنگ میں اترتی تھی جس کی لمبائی کا اندازہ لگانا مشکل تھا کیونکہ مشعل کی روشنی کا دائرہ ایک محدود حصے کو روشن کرتا تھا۔ وہ مُردوں کی سی خاموشی کے ساتھ سرنگ میں چلتے رہے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد زرہ پوش سردار شاہی خزانے کے دروازے کے قریب رک گیا۔ اس کے بالمقابل سرنگ کی بائیں دیوار میں ایک اور دروازہ نظر آ

رہا تھا جس پر ''نمرودِ ثانی شاہ یوسیفر'' کے نام کی لوح آویزاں تھی۔

شہزادی نے اپنی کمر کی پیٹی سے ایک چابی نکالی اور سردار کے حوالے کر دی۔ اس نے مشعل ایک دیوار گیر کے ساتھ لٹکا کر چابی دروازے پر لٹکتے ہوئے بھاری قفل میں گھمائی۔ قفل ایک ہی جھٹکے میں کھل گیا۔ پھر بڑے بڑے چوبی کواڑ جن پر پیتل کے پترے جڑے ہوئے تھے، اندر کی طرف دھکیل دیئے۔ سرنگ میں کچھ گرد اُڑی کیونکہ یہ ''فلکیاتی عجائب گھر'' کئی سال کے بعد کھولا گیا تھا۔ ایک دو لمحے انتظار کرنے کے بعد سردار نے دیوار گیر سے مشعل اٹھائی اور تہ خانے میں داخل ہو گیا۔ گرد آلود دیواریں روشن ہو گئیں۔ یہ دراصل ایک چوڑی اور اُنیس بیس قدم طویل راہداری تھی جو زمین دوز طلسم کدے میں جاتی تھی۔ اس کی دیواروں پر قدیم سمیریوں کے خطِ میخی میں ناقابل فہم عبارتیں لکھی تھیں۔

راہداری عبور کر کے وہ ایک وسیع و عریض ہال میں پہنچے جو متعدد ستونوں اور پیل پایوں پر کھڑا تھا۔ یہی شاہِ یوسیفر کا آسمانی حیرت کدہ تھا جس کی دیواروں پر سورج، چاند اور ستاروں کی اشکال، بروجِ سماوی کے نقشے اور تصویری خاکے بنے ہوئے تھے جن سے منطقہ البروج ار معدل النہار کا تجزیہ کرنے میں مدد ملتی تھی۔

بروجِ آسمانی کے تصویری خاکوں کے علاوہ ان کے مجسمے بھی تراش کر دیواروں کے ساتھ ساتھ ایستادہ کر دیئے گئے تھے اور بڑے عجیب الہیت تھے وہ مجسمے جو بکرے، بیل، کیکڑے، شیر، پری، بچھو، میزان، گھوڑے جن کی گردن عورت کی تھی، مچھلی نما مینڈھے، مرد نما دیوتا اور مچھلی کی عجیب و غریب تصوراتی شکلوں پر مشتمل تھے۔ بروجِ سماوی کی یہ شکلیں ان کے زمینی و آسمانی اثرات کی تحقیق کے بعد متعین کی گئی تھیں۔ علاوہ ازیں آسمانی برجوں میں ستاروں کی گردش و رفتار، ان کے دقیقے، قران کے نقشے اور دنیا پر رونما ہونے والے ان کے اثرات کی تفصیل بھی قدیم اکدی زبان میں پتھر کی بے شمار الواح پر کندہ تھیں جنہیں صرف پرانی متروک زبانوں کے ماہرین ہی پڑھ سکتے تھے۔

ہال کے بڑے بڑے ستونوں پر بھی جن کا گھیر کئی آدمیوں کے بازوؤں میں آتا تھا، ستاروں کی مختلف النوع شکلیں بنی ہوئی تھیں جن سے اُن کی ماہیت اور کیفیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ مگر اس طویل و عریض اور بلند و بالا طلسم کدے میں سب سے عجیب، سب سے حیرت انگیز سات سیاروں کے وہ بڑے بڑے بُت تھے جو اپنی منفرد خصوصیات کے لحاظ سے مختلف رنگ

کے پتھروں سے تراشے گئے تھے۔ ان سات سیاروں کو یوسیفر کے عہد میں سات آسمانی الہوں کا درجہ دیا گیا اور انہیں تخلیقِ کائنات میں شریک سمجھ کر ''سیارگانِ الوہیت'' سے نامزد کیا گیا تھا۔

دو مشعلوں کی روشنی اس وسیع ہال کو اُجاگر کرنے کے لئے ناکافی تھی پھر بھی اس روشنی میں مہرتاب نے جو کچھ دیکھا وہ دینِ اکد کا ایک ایسا فلکیاتی نظارہ تھا جس کے سرسری جائزے سے اہلِ بابل کی بت پرستی اور دیوی دیوتاؤں پر اندھے اعتقاد کا سبب سمجھ میں آتا تھا کیونکہ انسان کے توہمات ہی نے مختلف خداؤں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ دینِ بابل میں سات ''سیارگانِ الوہیت'' کا مقام دیوی دیوتاؤں سے بھی بلند تھا کیونکہ بزرگانِ اکد کے نزدیک ان سیاروں کو کرۂ ارض کے حالات پر تصرف کا اختیار حاصل تھا بلکہ یوں کہنا بہتر ہو گا کہ دنیا کا ہر واقعہ انہی کی مرضی سے ظہور میں آتا تھا۔

ان سات سیاروں کی مختلف شکلوں اور مختلف رنگوں کے مجسمے ہال میں ایک خاص ترتیب سے آراستہ کئے گئے تھے اور عطارد کا بُت ان سب کے درمیان الگ تھلگ نظر آتا تھا وہ آسمان کا محرر اور کاتبِ اسرار تھا۔ زمین پر گزرا ہوا یا گزرنے والا ہر واقعہ اُسی کے قلم کی جنبش سے معرضِ تحریر میں آتا تھا۔ اسے زرد پتھر سے بنایا گیا تھا کیونکہ کائنات کے سات رنگوں میں اس کے لئے زرد رنگ ہی مخصوص تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ مہرتاب کو بھی زرد رنگ سے ایک خاص تعلق تھا اور اس وقت بھی زرد عبا اس کے کندھوں پر لٹک رہی تھی۔

وہ فلکیات کے ان اسرار کو جنہیں بابل کے ماہرینِ ہفت افلاک نے صدیوں قبل دریافت کیا تھا چشمِ حیرت سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا اور عطارد دیوتا کے پاس آ کر رک گیا۔ یہی مجسمہ اس کا مقصودِ نظر تھا کیونکہ زہرہ جمال بدبخت کے بقول شاہ یوسیفر کی وہ قبا اُسی کے بطن میں پوشیدہ ہونی چاہئے جس کی اس نے خواہش کی تھی۔ اس نے بڑے غور سے دیوتا کا جائزہ لیا پھر شہزادی سے جو اس کے ساتھ ہی ساتھ تھی، مخاطب ہو کر بولا۔

''میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ اہلِ نجوم کے نزدیک میرا ستارہ بھی عطارد ہے۔''

شہزادی شمورہ کے لئے یہ اطلاع نویدِ جانفزا ثابت ہوئی کیونکہ عطارد محض آسمانی دبیر ہی نہیں بلکہ معبود اور محبوب کا درجہ بھی رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے محبت کے لئے کسی غلط آدمی کا انتخاب نہیں کیا۔ مسرت خیز لہجے میں کہنے لگی۔

''پھر تو زمین پر ہمارا ملاپ مقدر ہو چکا ہے۔''

مہرتاب چونک سا گیا۔ ''وہ کیسے؟''

''اس لئے کہ میرا ستارہ زحل[1] ہے اور ساتویں آسمان سے عطارد کو دیکھ رہا ہے۔''

''ستاروں کا قران زمین پر نہیں آسمان پر ہوتا ہے شہزادی!''

''مگر دنیا کا ہر واقعہ ان کی مرضی سے ظہور میں آتا ہے۔ وہ آسمان کے دیوتا اور زمین کے خالق ہیں۔''

مہرتاب کا اندازِ گفتگو یک لخت تبدیل ہو گیا۔ ''آسمان کے دیوتا کس نے بنائے ہیں یہ کوئی نہیں جانتا۔ مگر زمین پر جتنے دیوتا ہیں وہ سب انسان کے ہاتھوں نے تراشے ہیں۔''

''یہ سب کچھ دیوتاؤں کی مرضی سے ہوا ہے۔''

''دیوتا تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کے پیٹ اندر سے بھرے ہوئے ہیں یا کھوکھلے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''میں اپنا مطلب زبان سے نہیں، عمل سے واضح کر سکتا ہوں۔''

مہرتاب حصولِ مقصد کی خاطر شہزادی کو حیرت زدہ کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ہی جیب سے لوہے کا ایک تار نکالا اور عطارد دیوتا کی ناف کے سوراخ میں ڈال کر گھمانے لگا۔ شہزادی حیران و ششدر کھڑی دیکھتی رہی کہ آخر وہ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ چار پانچ مرتبہ گھمانے سے تار کسی چیز میں الجھ گیا پھر مہرتاب نے اسے زور سے کھینچا تو دیوتا کے بطن کا ایک چوکور حصہ الگ ہو کر کھٹاک سے فرش پر آ گرا اور شہزادی مارے خوف کے اچھل کر پیچھے ہٹی۔

یہ ایک عجیب اور قطعی غیر متوقع بات ہوئی تھی۔ حیرت و استعجاب کے ان لمحوں کے درمیان اس نے مشعل کی روشنی میں دیوتا کا کھوکھلا اور طاقچہ نما پیٹ دیکھا۔ اس پیٹ کے اندر ساگوان کی ایک صندوقچی تھی جسے مہرتاب نے ہاتھ بڑھا کر باہر نکال لیا۔

یہ سب کچھ انتہائی سنسنی خیز اور پراسرار تھا۔ شہزادی شمورہ یوں خاموش اور گم صم سی تھی جیسے اس پر جادو کر دیا گیا ہو۔ وہ سوچنے لگی یہ تو بالکل شعبدہ ہوا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے میرا مہمان اس فلکیاتی تہ خانہ کے اسرار کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ کیونکہ میں تو اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ عطارد دیوتا کا پیٹ اندر سے کھوکھلا ہے یا اس میں ایک چوبی صندوقچی بھی پوشیدہ

[1] بابل میں زحل عظمت و شوکت کا نشان تھا مگر مصری زحل کو ''سب'' (SEB) کہتے اور منحوس سمجھتے تھے۔ (ڈونلڈ مکنزی)

ہے۔ مگر مہرتاب جو اپنی زندگی میں پہلی بار ایوانِ ماکلوب کے اس زمین دوز عجائب گھر میں داخل ہوا یہ سب کچھ جانتا اور دیوتا کے خالی پیٹ کو کھولنے کے راز سے بھی آگاہ تھا۔ اُس پر مہرتاب کی شخصیت کا ایک نیا پہلو آشکار ہوا۔ وہ اُسے الٰہوں کی طرح پراسرار اور رموزِ غیب کا محرم سمجھنے لگی جو پوشیدہ باتوں کا بھید بھی جانتا ہے۔ اس کی حیرت پاش نظریں ابھی تک ساگوان کی اس صندوقچی پر مرتکز تھیں جو مہرتاب نے اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔

مشعل کی زرد روشنی میں صندوقچی پر بنے ہوئے ناقابل فہم تصویری نقش و نگار اور عجیب و غریب حروف غالباً اس کے اندر بند اسرار کی خبر دے رہے تھے۔ شہزادی نے جو مہرتاب کی شخصیت سے بے حد مسحور و متاثر ہو گئی تھی کانپتے ہوئے ہاتھ سے صندوقچی کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا۔ ''کیا ہے اس کے اندر؟''

''شاہ یوسیفر کی ایک قبا۔'' مہرتاب نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ''جو صدیوں قبل ساگوان کی ایک صندوقچی میں محفوظ کر دی گئی تھی۔''

یہ ایک نیا انکشاف ہوا تھا۔ ''تو تم جانتے تھے کہ ایوانِ ماکلوب کے اس تہ خانے میں عطارد دیوتا کے پیٹ میں ساگوان کی ایک صندوقچی پوشیدہ ہے جس میں شاہ یوسیفر کی قبا محفوظ ہے۔''

''بے شک۔ میں سب کچھ جانتا اور اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

''یہ تمہاری ہو چکی۔'' شمورہ نے ایک پل ٹھہر کر پوچھا۔ ''تمہیں اس صندوقچی کا راز کیسے معلوم ہوا؟''

''یہ نہیں بتا سکتا۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ مجھے بہت سی ایسی باتوں کا علم ہے جنہیں ساحر، ستارہ شناس اور غیب دان بھی نہیں جانتے۔ عجیب عجیب واقعات ظہور میں آنے والے ہیں۔''

''کیا مجھے بھی کچھ نہیں بتاؤ گے؟''

''وقت سے پہلے ان کا انکشاف میری زندگی کے لئے خطرہ بن جائے گا۔''

''میں تم پر اپنے شاہی اختیار کا سایہ ڈال دوں گی۔''

''خطرے تمہارے دامن سے لپٹ جائیں گے۔''

''مجھے کسی خطرے کی پرواہ نہیں۔''

''حالانکہ وہ تمہارے آس پاس ہی گھومتے رہتے ہیں اور میں ایک خطرناک ہاتھ کو دیکھ رہا ہوں جو تمہاری زندگی کا رشتہ کاٹ دینا چاہتا ہے۔''

''کس کا ہاتھ ہے وہ؟'' شہزادی کچھ پریشان سی نظر آنے لگی۔

''ابھی اظہار کا وقت نہیں آیا لیکن میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں اس ہاتھ سے بچانے کی کوشش کروں گا خواہ تمہاری خاطر مجھے اپنی جان ہی خطرے میں ڈالنی پڑے۔''

''مہرتاب ــــ! مہرتاب!!'' فرطِ مسرت سے شمورہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''آخر تم نے مجھے وہ حیثیت دے دی جس کی میں طلب گار تھی۔ اب مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں۔ بس میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم میری خاطر جان کی بازی لگا سکتے ہو۔ میں تمہارے یہ الفاظ ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

مہرتاب صندوقچی ہاتھ میں لے کر پلٹا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے شہزادی کا وہ نرم و گداز ہاتھ تھام لیا جس میں ملکہ سیرامیس کا جڑاؤ کنگن چمک رہا تھا۔ یہ فعل اختیاری تھا یا اضطراری لیکن شمورہ کے دل میں ایک نیا غرفہ کھل گیا اور چلتے چلتے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

''تمہارا ہاتھ مضبوط ہے لیکن کمزور میں بھی نہیں۔ ایشتار کی قسم! میں ثابت کردوں گی میرا ہاتھ تھام کر تم نے کوئی غلطی نہیں کی۔''

مگر اس وقت بھی جب شہزادی اپنی غیر معمولی وابستگی کا اظہار کر رہی تھی، مہرتاب کے ذہن سے ایک ہی لہر گزر رہی تھی کہ جب وہ ساگوان کی یہ صندوقچی زہرہ جمال بیدخت کے حوالے کرے گا، وہ کتنی خوش ہوگی۔ ادھر شہزادی شمورہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی کہ اس نے مہرتاب کو جیت کر سب کچھ جیت لیا ہے مگر درحقیقت ایسا نہ تھا کیونکہ مرد کچھ اور سوچتا ہے اور عورت کچھ اور خواب دیکھتی ہے۔

زرہ پوشوں کا سردار آگے آگے مشعل اٹھائے ہال سے نکل کر طویل راہداری میں پہنچ گیا تھا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے فلکیاتی عجائب گھر سے نکلے اور پھر اسی لمبی تاریک سرنگ میں آ گئے جہاں سے اس تہہ خانے میں داخل ہوئے تھے۔ سردار نے برنجی دروازے کو تالا لگا کر چابی شہزادی کے حوالے کی اور مشعل اٹھائے آگے آگے چلنے لگا۔ بلقیس اور نومی بدستور عقب میں تھیں۔ ہموار سرنگ میں وہ چپ چاپ چلتے رہے۔ صرف ان کے قدموں کی ملی جلی چاپ یا پھر زرہ پوش سردار کے جسم سے پیدا ہونے والی لوہے کی ہلکی سی آواز ایک ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

سرنگ کی ڈھلوان بلندی چڑھتے ہوئے شہزادی نے مہرتاب کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور وہ بیک وقت دو جذبوں، دو حصوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔ ایک طرف دنیا کی سب سے خوبصورت عورت بیدخت کی پہلی خواہش کی کامیابی کا عجیب سا احساس تھا ــــ دوسری جانب باغاتِ معلقہ کی با اختیار شہزادی شمورہ کی خیال انگیز رفاقت تھی جو اس کا سہارا لئے ڈھلان پر چڑھ رہی تھی۔ وہ انہی خیالوں سے دوچار آگے بڑھتا رہا۔

ڈھلان کی بلندی پر دیوار کا چوکور خلا عبور کر کے وہ پھر اسی کمرے میں آ گئے جہاں شوشان کا بدہیئت دیوتا منہ دوسری طرف موڑے ان کی واپسی کا منتظر تھا۔ فوراً ہی سردار نے مشعل زرہ پوش محافظ کو پکڑا دی اور خود دیوتا کی گردن میں پڑی ہوئی زنجیر کو دوسرے رخ کھینچنے لگا جس کے ساتھ ہی پھر ہلکی ہلکی گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی۔ دیوتا کا چہرہ آہستہ آہستہ اصلی حالت پر آنے لگا اور سرنگ کا خفیہ دروازہ بند ہوتا چلا گیا۔

کمرے سے نکل کر اور بڑے ہال سے گزرتے ہوئے وہ دوسری فصیل کے حصار سے باہر کھلے صحن میں آ گئے۔ سامنے ایوانِ ماکلوب کی پہلی دیوار کی ڈیوڑھی تھی اور اس کے دائیں بائیں پھیلی ہوئی بارکیں۔ رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ آخری راتوں کا چاند اساگیلہ کے تہرے حصاروں کے عقب میں روشنی بکھیر رہا تھا جس سے مشرقی آسمان پر اجالا پھیل گیا تھا۔ صحراؤں کی خنک ہوا بھی چلنے لگی تھی اور اس کا ہر جھونکا محبت کا نیا پیغام دے رہا تھا۔ مگر مہرتاب اب رخصت چاہتا تھا۔ شہزادی صحن میں رک گئی۔ اس نے نومی اور بلقیس کو بھی پرے ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور عشق انگیز لہجے میں بولی۔

''دیکھو مہرتاب! اساگیلہ کی اس طرف چاند طلوع ہو چکا ہے اور زندگی میں تمہاری رفاقت پہلی بار نصیب ہوئی ہے۔ یہ رفاقت رات بھر کی تو ہونی چاہئے۔''

''ابھی وہ رات نہیں آئی شمورہ!'' مہرتاب نے آسمان پر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ خطروں کی رات ہوگی کیونکہ جب آسمان پر عطارد اور زحل کا قران ہوتا ہے، زمین پر موت کی دستک اُبھرتی ہے اور اس سے پہلے کہ وہ رات آئے، میں کچھ لوگوں کو تلاش کرنا چاہتا ہوں جن کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔''

مہرتاب انتہائی مناسب وقت پر، جب وہ شہزادی کے دل میں ایک نئی تڑپ پیدا کر کے رخصت ہو رہا تھا اپنے اصل مقصد کی طرف آیا۔ شمورہ اُسے فکرمند دیکھ کر کچھ پریشان سی ہوگئی۔

''کون لوگ ہیں وہ؟''

مہرتاب سوچنے لگا جس مقصد کے لئے خود شہزادی سے ملنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا اس کا اظہار کس طرح کرے۔ اگر اس نے انکار کر دیا تو ساری تگ و دو بیکار جائے گی۔ وہ کئی دن سے اپنے فرض کی خاطر کہاں کہاں نہیں بھٹکا تھا اور جوں جوں وقت گزرتا گیا، نئے نئے اندیشے مایوسی کے حلقے بُنتے چلے گئے۔ اب وہ اظہارِ مطلب سے قبل یہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ جو کچھ چاہتا ہے وہ مل بھی سکتا ہے یا نہیں۔ ادھر شہزادی منتظر تھی کہ وہ کہے تو سہی۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے؟ کیا میں ان لوگوں کی تلاش میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی؟''

''تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔''

''پھر تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ریموت کے جاسوس انہیں ایک ہی دن میں ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''یہ معاملہ ریموت کے بس کا نہیں۔''

''تو پھر کس کے بس کا ہے؟''

''صرف تم انہیں بچا سکتی ہو۔''

شمورہ نے اُس کے الفاظ پر غور کیا اور معاملے کی صورت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ ''کیا ان کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے؟''

''شاید ہو چکا یا ہونے والا ہے۔''

اب بات کچھ واضح ہو رہی تھی۔ معاملہ سنگین نوعیت کا معلوم ہوتا تھا پھر بھی شہزادی بڑے تحمل سے بولی۔ ''اگر حکم صادر ہونے والا ہے تو ٹل جائے گا۔ اگر صادر ہو چکا ہے تو شاید تعمیل بھی ہو چکی ہو گی۔''

''نہیں.....'' مہرتاب کے ہونٹوں پر سسکی سی تڑپ گئی۔ ''میں ان کی خاطر اپنی جان دے سکتا ہوں۔''

''تمہاری جان تو مجھے بھی عزیز ہے۔ ان کی زندگی کے لئے کوئی اور منت کیوں نہیں مان لیتے؟''

وہ کچھ سوچنے لگا۔ کون سی منت مانے، کون سی قربانی دے کہ مقصد کو پا سکے۔ کچھ ساعتیں ایک عجیب سے تذبذب، ایک عجیب سی کشمکش میں گزر گئیں۔ آخر اس نے فیصلہ کن لہجے میں

کہا۔ ''دیکھو شمورہ! میں ان کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم ان کی زندگی کی ضمانت دے سکو تو قول دیتا ہوں کہ اپنی محبت تمہیں بخش دوں گا۔''

یہ ایک انتہائی فیصلہ تھا جو اس نے مجبوری کی حالت میں کیا اور شہزادی کو اس سے نادر موقع شاید پھر نہ مل سکتا۔ وہ اس پیش کش پر خوشی سے تڑپ اٹھی۔ ''مجھے یہ سودا منظور ہے مہرتاب! اب ان لوگوں کے نام بتاؤ۔''

''ہاروت ــــــ ماروت ــــــ''

مہرتاب نے ٹھہر ٹھہر کر نام بتائے۔ فرطِ تحیر میں شہزادی کے لبوں سے ''اوہ'' کی آواز نکلی۔

''وہ عبرانی پیغمبر جنہیں بھائی بیلشازار نے اساگیلہ کے زندان میں قید کر رکھا ہے؟''

''لیکن وہ اس زندان سے پراسرار طور پر غائب کر دیئے گئے ہیں۔''

''کس نے غائب کیا ہے اُنہیں؟''

''شاید تمہارے پدرِ بزرگوار شاہ بنونید نے۔''

''مگر وہ میرے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔''

''ممکن ہے انہوں نے اس معاملے میں تمہارے مشورے کی ضرورت نہ سمجھی ہو۔''

''ناممکن سی بات ہے۔''

''بعض اوقات انہونی بھی ہو جاتی ہے شمورہ!'' اس نے ڈوبے ڈوبے لہجے میں کہا۔

''صرف اس بات کو یاد رکھو کہ ہاروت ماروت کے عوض میں تمہارا پابند ہو گیا ہوں۔''

''اور میں وعدہ کرتی ہوں اگر دونوں اس وقت تک زندہ ہوئے تو شاہ یوسیفر کی قبا کی طرح وہ بھی تمہارے ہو چکے۔''

''تو بس بات طے ہو گئی۔ تم اپنا وعدہ پورا کرو گی۔ میں اپنا قول نبھاؤں گا اور جس وقت انہیں میرے حوالے کرو گی، میں ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جاؤں گا۔''

مہرتاب ایک ایسا جوا کھیل رہا تھا جس میں جیت کی آس پر خود کو ہار دیا تھا۔ شاید ہاروت ماروت کو بچانے کی اور کوئی صورت نہ رہ گئی تھی اور فرض کی راہ میں اس نے اپنی محبت قربان کر دینے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ ''فرشتوں'' کی زندگی ہر قیمت پر ضروری تھی اور جب وہ اپنے آپ کو شہزادی کے سپرد کر دینے کا اقرار کر رہا تھا، اس کے دل میں آفریدۂ جمال بیدخت کے عشقِ بے پایاں کا کرب جاگ اٹھا۔ دنیا میں کوئی عورت اس کی نظیر نہ تھی مگر حالات نے مہرتاب

کواس قدر بے بس کر دیا تھا کہ فرض کی خاطر اس کا پیار ہار دینے پر مجبور ہو گیا۔ اگر چہ یہ سب کچھ انتہائی تکلیف دہ تھا لیکن اس نے یہ اندھی چال صرف اس لئے کھیلی تھی کہ اس مقصد کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے جس کے لئے وہ بابل میں آیا تھا۔

بھیگتی راتوں کے لمحوں میں وہ دونوں ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے۔ پھر اس نے رخصت چاہی تو شہزادی نے فوراً اکتانا کو طلب کیا اور حکم دیا کہ مہمان کو قلعہ اساگیلہ کے دروازے تک چھوڑ آئے۔ یہ احتیاط غالباً اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ واپسی پر مہرتاب کے پاس ایک نادر صندوقچی بھی تھی۔ رخصت سے قبل اس نے شہزادی کو توجہ دلائی ''اب ہماری ملاقات ہاروت ماروت کی زندگی پر منحصر ہے۔''

''ان کی زندگی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے۔''

''تو پھر الوداع۔''

''الوداع مہرتاب!'' شمورہ کی آواز شدتِ جذبات سے تھرتھرا رہی تھی۔ ''مجھے یقین ہے جب دوبارہ ملو گے تو جدا نہ ہو سکو گے۔''

مہرتاب ہاتھ لہراتا ہوا پلٹا اور ساگوان کی صندوقچی اٹھائے اکتانا کے ہمراہ ڈیوڑھی کی طرف بڑھا جہاں زرہ پوش محافظوں کا پہلا دستہ ایوانِ ماکلوب کی حفاظت پر متعین تھا۔ شہزادی صحن میں کچھ دیر کھڑی اُسے جاتے دیکھتی رہی پھر بلقیس اور نومی کے ساتھ آہستہ آہستہ واپس چلنے لگی۔ وہ اس بات پر مطمئن تھی کہ آج کی ملاقات اس کی جیت پر ختم ہوئی ہے۔

(20)

دُوسری خواہش

◎

مہرتاب نے شاہ یوسیفر کی قبا کسی خطرہ و خوف کے بغیر حاصل کر لی اور یہ نادر شے بالکل غیر متوقع طور پر ہاتھ لگی تھی۔ وہ زہرہ جمال بیدخت کی پہلی فرمائش، پہلی خواہش پوری کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن یہی کامیابی اس کے پاؤں کی زنجیر بن گئی تھی اور وہ ہاروت ماروت کی زندگی کے عوض خود کو شہزادی شمورہ کی محبت کا پابند کر آیا تھا۔

بیدخت سے ملنے اور پیمانِ محبت باندھنے کے بعد بھی اگر چہ وہ ایک لمحہ کے لئے اپنے فرض سے غافل نہیں ہوا بلکہ دل کی تڑپ کے ساتھ مقصد کی ذمہ داری کا احساس کچھ اور بڑھ گیا تھا اور وہ جذبۂ عشق میں سرشار ہو کر فرض کی تکمیل میں کوشاں رہا لیکن فرض اور عشق کے راستے تو ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کی جیت اور دوسرے کی ہار لازم ہو جاتی ہے۔ وہ بھی فرض کی خاطر عشق کی بازی ہار بیٹھا تھا۔ شہزادی شمورہ سے ملاقات اس کے عشق کی ناکامی، پیمانِ محبت کی شکست اور آفریدۂ حُسن بیدخت سے بے وفائی کا آغاز ثابت ہوئی تھی۔ اب وہ پہلا سا مہرتاب نہیں تھا جس نے زندگی بھر کے لئے اسی کا ہو رہنے کا عہد کیا اور پیمانِ وفا باندھا تھا۔ وہ خود محسوس کر رہا تھا کہ ایوانِ ماکلوب سے واپسی پر ایک ایسی چیز کھو بیٹھا ہے جو اس کی ذات کی تکمیل کر رہی تھی۔

رات بھر کروٹیں بدلتا، سوچتا اور تڑپتا رہا۔ سینے سے دھواں سا اٹھ رہا تھا اور ایک آگ اُسے اندر ہی اندر بھسم کئے دے رہی تھی کہ وہ کیا کر آیا ہے۔ بھلا دنیا میں دوسری زہرہ جمال کہاں ہے۔ پھر اس نے کسی اور کا پابند ہونا کیوں قبول کر لیا؟ احساس کی یہی تیز دھار جگر کو کاٹ رہی تھی۔ دل میں کانٹے سے چبھ رہے تھے مگر ذہن میں ایک اور ہی کشمکش جاری تھی، کوئی

اسے سمجھا رہا تھا کہ زہرہ جمال بیدخت سے دور رہنے کی ہدایت یونہی نہیں کی گئی تھی۔ وہ تو ''کنواری دُخترِ بابل'' کا دُلہا بن کر آیا تھا جو باغاتِ معلقہ میں بیٹھی نہ جانے کب سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پھر اس حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کیوں کرتا ہے جو غیر متوقع طور پر سامنے آئی؟ بیدخت اور شمورہ میں سے ایک کا انتخاب اس نے خود کیا لیکن دوسرا انتخاب اس کے حالات، اس کی ضرورت اور شاید اس کی تقدیر نے کیا تھا اور اپنی تقدیر سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔

وہ سمجھ گیا یہ کوئی اور نہیں، اس کا فرض بول رہا ہے۔ دماغ کے خفیہ اور تاریک گوشوں میں چھپ کر بیٹھی ہوئی مصلحت اندیش عقل ہے جو شہزادی شمورہ سے سمجھوتہ کرنے کی ترغیب دے رہی ہے۔ مقصد کی ناکامی کا خوف ہے جسے اصرار ہے کہ وہ جو کچھ کر آیا ہے وہی درست ہے لیکن ـــــ ایک آوازِ غیب کہہ رہی تھی کہ اس نے خود کو ہار کر سب کچھ ہار دیا ہے۔ اب وہ ایک ''بے وفا مرد'' کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس آوازِ غیب نے جو نہ جانے کہاں سے آئی تھی، اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ سوچنے لگا کہیں یہ اس کے وہم کی آواز تو نہیں۔ کیونکہ اس حقیقت سے تو اسے بھی انکار نہ تھا کہ اگر فرض کو کامیابی کی منزل نظر آئی ہے تو عشق اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے مگر عقل نے یہاں بھی اُسے ملامت کرنے کی کوشش کی کہ وہ بابل میں عشق کرنے نہیں ایک عظیم مقصد کی تکمیل کرنے آیا تھا۔ جب تک مقصد پورا نہیں ہو جاتا اسے عشق و محبت کے جھمیلوں سے دور رہنا چاہئے۔ اس خیال سے خود کو تسلی دینے لگا کہ اگر بیدخت سے الجھ ہی بیٹھا ہے تو اس کی تینوں خواہشیں، تینوں شرطیں بہر حال پوری کرے گا اور ''بے وفا'' نہیں کہلائے گا بلکہ وعدے کے مطابق جب وہ اس پر محبت کی راحتیں نچھاور کرنے اور اپنے مکمل بدن کی لطافتیں بخش دینے پر آمادہ ہو گی یہ کہہ کر اُسے حیران کر دے گا کہ اپنی قربانیوں کا کوئی معاوضہ، کوئی صلہ، کوئی انعام نہیں چاہتا۔ بلاشبہ یہ قربانی محبت کی ایک نئی مثال ہو گی اور کوئی شخص اُسے ''بے وفا'' نہیں کہہ سکے گا۔

اس خیال سے کسی قدر ڈھارس ہوئی اور اس کے اندر ٹوٹنے پھوٹنے کا عمل رک سا گیا۔ پھر نہ جانے کب نیند آئی اور کب آنکھ لگی لیکن ایک بھیانک سا خواب دیکھتے دیکھتے جس کے منظر ذہن سے محو ہوتے چلے گئے، وہ اچانک بیدار ہو گیا۔ دریچہ کھول کر دیکھا تو صبح صادق طلوع ہو چکی تھی۔ صبح کی روشنی میں اس کی پہلی نظر زہرہ جمال بیدخت کی مورتی پر پڑی جسے وہ نورنا ہید آموسی کے بالا خانے سے اٹھا لایا تھا اور جو ہر شب اس کے سرہانے ایک چوبی میز پر

دھری رہتی تھی۔

اس نے مورتی کو اٹھا کر غور سے دیکھا پھر اسے میز پر رکھ دیا اور ساگوان کی صندوقچی کو ایک کپڑے میں باندھنے لگا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کئے پھر گٹھڑی اٹھا کر باہر نکلا اور کاشانۂ زہرہ کی طرف چل دیا کیونکہ وہ اپنے نئے دن کا آغاز ایفائے عہد سے کرنا چاہتا تھا۔

شب بھر کی بیداری اور پریشان خیالی سے آنکھیں جل رہی تھیں۔ سر میں ہلکا ہلکا درد بھی تھا اور جسم بوجھل سا لگ رہا تھا مگر بیدخت کو پہلی خواہش کی کامیابی کا مژدہ سنانے کے لئے اتنا بے چین ہو رہا تھا کہ اپنے آپ کا بھی ہوش نہ رہا اور تیز تیز قدموں سے مختلف راستوں، مختلف کوچوں، مختلف بازاروں سے گزرتا جو ابھی بند پڑے تھے، عین اس وقت کاشانۂ زہرہ کے سامنے پہنچ گیا جب سورج ایمگوربل کی لکیر سے آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا۔

کاشانۂ زہرہ کا بھاری پھاٹک ابھی بند پڑا تھا اور وہ اس بات پر خود حیران تھا کہ آخر اس قدر جلد آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ممکن ہے زہرہ جمال ابھی بیدار بھی نہ ہوئی ہو یا کسی محفل میں گزرنے والی رات کی تھکن نے اس کا جسم کسلمند کر دیا ہو اور وہ اس وقت اپنی ''پیاریوں'' کے درمیان لیٹی اپنے جسم کی تھکن اور کسلمندی دور کر رہی ہو مگر یہ تو دل کی بے تابی اور بے چینی تھی جو اسے کشاں کشاں ادھر کھینچ لائی تھی۔ آج کا دن اس کے عشق کی سوگواری اور غمِ محبت کا پہلا دن تھا لیکن وہ بیدخت کے لئے بہر حال ایک خوشخبری لے کر آیا اور چاہتا تھا کہ اس کا نیا دن اس خوشخبری سے شروع ہو۔

جب وہ پہلی بار یہاں آیا، بیدخت کی ایک کنیز (راحتِ شب لیلیٰ) اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ کاشانۂ زہرہ کا غلام بابک بھی اس کا منتظر تھا مگر آج کوئی کنیز، کوئی غلام استقبال کے لئے موجود نہ تھا۔ اس نے سوچا کیوں نہ پھاٹک پر دستک دے۔ شاید آواز سن کر کوئی دروازہ کھولنے آ جائے۔ اسی خیال سے آگے بڑھا تھا کہ اچانک ایک جھٹکے اور کھٹکے سے پھاٹک خود بخود کھل گیا اور بیدخت کے ہندوستانی رتھ بان شنکر کی صورت نظر آئی جو اسے دیکھتے ہی ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ''پربھو ــــ! آپ کا آنا مبارک ہو۔''

مہرتاب اس اتفاق پر خوش بھی تھا اور حیران بھی کہ دستک کے بغیر ہی پھاٹک کھل گیا۔ مگر شنکر اُسے بتانے لگا۔ ''اس گھر کا یہی دستور ہے۔ سورج ڈوبنے کے ساتھ پھاٹک بند ہو جاتا

اور سورج چڑھتے ہی کھول دیا جاتا ہے۔"

"بہت اچھا دستور ہے۔ زندگی اسی طرح اپنا سفر کرتی ہے۔"

"ہاں پربھو۔۔۔۔! پر میرے نصیب اچھے تھے کہ آج پھاٹک کھولتے ہی آپ کے درشن ہو گئے۔"

"میں تو سوچ رہا تھا، شاید وقت سے پہلے آ گیا ہوں اور گھر والے سو رہے ہوں گے۔"

"نہیں۔ مالکن سویرے ہی بیدار ہو جاتی ہیں۔ اس وقت وہ پوجا بھی کر چکی ہوں گی۔"

یہ ایک دلچسپ اطلاع تھی۔ "کس کی پوجا کرتی ہے تمہاری مالکن؟"

"زہرہ دیوی کی۔"

"میں نے بھی پہلی بار اسے ہیکل زہرہ کے پاس دیکھا تھا۔"

"دیوی کی طرح مالکن بھی بڑی بھاگوان ہیں۔ اچھا پربھو! میں انہیں آپ کے آنے کی خبر دے دوں۔"

پھر شنکر تو بارہ دری کی جانب درختوں کے درمیان اُس راستے پر غائب ہو گیا جو قصرِ زہرہ میں جاتا تھا اور مہر تاب بارہ دری کے پاس ہی اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ شنکر نے لوٹنے میں دیر نہیں لگائی، دور ہی سے بولا۔ "دھن باد پربھو۔۔۔۔! مالکن آپ کے اچانک آنے کی خبر سن کر بہت خوش ہوئیں اور اپنے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

پھر اس نے آگے بڑھ کر مہر تاب کے ہاتھ سے گٹھڑی خود سنبھال لی اور اسے ساتھ لے کر چلا۔

زہرہ جمال بیدخت گلابی رنگ کے شلا مس میں ملبوس ایک تصویر کی صورت کمرۂ خاص کی دہلیز کے فریم میں کھڑی انتہائی مسرور نظر آتی تھی۔ اس نے لپک کر مہمان کا ہاتھ تھام لیا۔

"مہر تاب! آج کا دن میرے لئے کتنا مبارک ہے۔ اس کی ابتدا تمہاری ملاقات سے ہوئی ہے۔"

اس کے ایک ہی فقرے نے مہر تاب کے دل پر بجلیاں گرا دیں۔ بیدخت نے کسی دوسرے مرد کے لئے آج تک ایسی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ فرطِ مسرت سے اس کے عارضوں کا رنگ گلاب میں ڈھل گیا۔ خوشی بدن کے روئیں روئیں سے پھوٹی پڑتی تھی اور حسین آنکھوں سے ایسی ملکوتی محبت جھانک رہی تھی جو آج تک کسی عورت کی آنکھوں میں نظر نہ آئی تھی لیکن اب وہ اس سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ شنکر گٹھڑی اس کے قریب ہی رکھ کر کمرے سے جا چکا تھا۔ بیدخت اس کی باتیں سننے کے

لئے بے چین ہو رہی تھی مگر وہ ابھی تک پریشان تھا کہ گفتگو کا آغاز کہاں سے کرے، کیسے کرے۔ زہرہ جمال کے خلوص اور محبت کی گرم جوشی نے اس کے ذہن کو ماؤف اور زبان کو گنگ کر دیا تھا۔

بیدخت نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ چہرہ اُترا ہوا، آنکھیں جھکی ہوئی، حالت بدلی ہوئی تھی، حیران سی کہنے لگی۔ "کیا ہوا مہر تاب! آج اُداس، پریشان اور کھوئے کھوئے نظر آتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ چہرے پر مسکراہٹ بکھیری اور بتایا۔ "رات سو نہیں سکا شاید۔ اسی لئے کچھ شکستہ دکھائی دیتا ہوں۔ مگر ان باتوں کو چھوڑو، ادھر دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ بیدخت نے ابھی تک گٹھڑی پر توجہ ہی نہیں دی تھی، اب جو نظر پڑی تو تعجب سے پوچھا۔ "کیا ہے اس میں؟"

"تمہارے خوابوں کی تعبیر۔"

"میں خواب نہیں دیکھتی مہر تاب!" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "خود خوابوں کی تعبیر ہوں۔"

مہر تاب نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا، فی الواقع وہ محبت کے ان گنت خوابوں کی حسین تعبیر تھی لیکن وہ فوراً مطلب کی طرف آ گیا۔

"تمہاری پہلی آرزو ایک خواب ہی تھا جو تم نے دیکھا۔ ایک ایسا خواب جس کی تعبیر ممکن نہ تھی کیونکہ کوئی شخص ایوانِ ماکلوب میں چوروں کی طرح گھس کر زندہ واپس نہیں آ سکتا۔ جہاں قدم قدم پر موت رہتی ہے مگر۔۔۔۔" اب بیدخت اس کی گفتگو بڑی توجہ سے سن رہی تھی۔ ایوانِ ماکلوب کے ذکر نے اسے چونکا سا دیا۔ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہاں کیا ہوا۔ مہر تاب نے بتایا۔ "میں اس تہ خانے سے جس کا تم نے پتہ دیا تھا تمہاری مطلوبہ قبا اُڑا لایا ہوں۔"

بیدخت سُن ہو کر رہ گئی۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ ایوانِ ماکلوب کے تہ خانے میں گھسنا جان سے گزرنے والی بات ہے مگر مہر تاب کی زبان سے جو الفاظ سنے وہ ناقابلِ یقین تھے، سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خواہش اتنی جلد پوری ہو سکتی ہے۔ اس کی حیرت پاش نظریں مہر تاب پر مرتکز ہو کر رہ گئیں جس نے گٹھڑی کھول کر ساگوان کی پرانی صندوقچی نکالی اور کہا۔

"میں نے اسے عطارد دیوتا کے پیٹ سے نکالا ہے اور تمہارے بقول اس میں شاہ یوسیفر

کی قبا ہونی چاہئے جس کی تم نے خواہش کی تھی۔"

بیدخت اپنی مطلوبہ صندوقچی کو دیکھ کر ہوش میں آ گئی۔ مہرتاب نے جو کچھ کہا، اس نے جو کچھ سنا وہ سب درست تھا۔ یہ حقیقت کتنی عجیب اور ہوشربا لگ رہی تھی کہ جس فقید المثال صندوقچی کی اس نے خواہش کی وہ اس وقت سامنے تھی۔ پھر جوشِ مسرت سے اٹھ کر اسے یوں تھام لیا جیسے دنیا کی سب سے قیمتی اور مقدس چیز ہاتھ آ گئی ہو۔ آنکھوں میں عقیدت کی چمک پیدا ہوئی اور صندوقچی پر نقش نا قابل فہم عبارت دیکھنے لگی جس کا مطلب سمجھنا شاید صندوقچی حاصل کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ فرطِ مسرت سے اس کے نرم و نازک بدن پر ایک لرزش سی طاری تھی۔ اس نے صندوقچی کو بصد احترام بوسہ دیا اور کپکپاتی آواز میں کہا۔

"بے شک یہی شاہِ یوسیفر کی وہ امانت ہے جس کی مجھے ضرورت تھی اور تم ٹھیک کہتے ہو، اس تاریخی صندوقچی کے حصول کی خواہش میرا ایک خواب ہی تھا کیونکہ اساگیلہ کے تہرے حصاروں کے اندر ایوانِ ماکلوب کے کسی تہ خانے میں اترنا اور یہ فلکیاتی عجوبہ اُڑا لانا انسانی طاقت سے بعید تھا، مگر تم نے میرا خواب پورا کر دیا ہے۔ میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ ہائے، مجھے تو کہنے کے لئے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔"

"شکریے کی ضرورت نہیں بیدخت! میرے لئے یہی کافی ہے کہ جو کچھ تم نے کہا میں نے کر دیا۔"

"واقعی یہ تو ایک شعبدہ ہوا ہے۔ اِدھر میں نے ایک آرزو بیان کی، اُدھر تم نے اسے پورا کر دیا۔ انتہا کی قسم! ایسا تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"یہ کوئی ایسا کارنامہ نہیں جس کی تم اتنی تعریف کر رہی ہو۔ میں نے تو صرف اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔"

"تم اسے کارنامہ نہیں سمجھتے حالانکہ یہ تو کئی کارناموں سے بھی بڑا کارنامہ ہے مہرتاب! اگر "سیارگانِ الوہیت" کے پرستاروں کو معلوم ہو گیا کہ عطارد دیوتا کے پیٹ سے شاہ یوسیفر کی قبا اُڑا لی گئی ہے تو بابل میں ایک تہلکہ مچ جائے گا اور تم کہتے ہو یہ کوئی کارنامہ نہیں۔ ارے یہ تو ایک انہونی بات ہوئی ہے اور تم نہیں جانتے کہ کیا کر آئے ہو۔"

مہرتاب یہ باتیں سن کر حیران ہوا جاتا تھا اور زہرہ جمال کی وارفتگی اُسے گھائل کئے دیتی تھی مگر اس بات کا اظہار نہ کر سکا کہ وہ تو کچھ اور بھی کر آیا ہے جسے سنتے ہی شاید بیدخت کا کلیجہ

پھٹ جائے گا۔ پھر دل ہی دل میں کہنے لگا۔ "کاش اس عورت کو وہ بات کبھی معلوم نہ ہو سکے جو کل رات شہزادی شمورہ سے طے پا چکی۔"

اِدھر بیدخت خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی جیسے ساگوان کی ایک پرانی صندوقچی کیا، ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ وہ صندوقچی کو سینے سے لگائے اس کے بالکل قریب آ گئی اور کہنے لگی۔

"اچھا یہ بتاؤ جب تم شہزادی شمورہ کے کمرے میں گھس کر تہ خانے کی چابیاں ڈھونڈ رہے تھے، تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟ زرہ پوش پہرے داروں سے نمٹتے اور اندھیری سرنگ میں اترتے وقت کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟ دیوتا کے پیٹ سے صندوقچی نکالتے ہوئے تمہیں کوئی خوف تو محسوس نہیں ہوا؟ ____ مگر میں بھی کیسی فضول باتیں پوچھ رہی ہوں کیونکہ جب تم نے میری خاطر ایک چیز حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا تو پھر کیسی پریشانی، کون سی مشکل اور کہاں کا خوف۔ تم ان باتوں سے بالاتر ہو مہرتاب! پھر بھی یہ ضرور پوچھنا چاہتی ہوں، کسی نے تمہیں صندوقچی لاتے دیکھا تو نہیں؟"

زہرہ جمال سمجھ رہی تھی، وہ صندوقچی چرا کر لایا ہے مگر اسے کیا معلوم یہ نادر شے کس قیمت پر حاصل ہوئی تھی۔ مہرتاب نے جواب دیا۔

"تمہارے کسی سوال کا اصل معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تم نے جس چیز کی خواہش کی وہ تمہیں مل گئی؟"

"معاف کرنا میں خوشی میں انمل بے جوڑ باتیں کئے جاتی ہوں۔ تم نے جو کچھ کیا ہے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا اور میں اسی مقدس صندوقچی کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرے پیار کی ہر مٹھاس تمہارے لئے ہو گی ____ صرف تمہارے لئے۔"

اور جب زہرہ جمال بیدخت بے خودی کی سی حالت میں اپنی محبت کا رس الفاظ میں گھول رہی تھی، اس پر قربان ہوئی جاتی تھی مہرتاب شرم کے مارے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ کیوں اس نے خود کو شہزادی شمورہ کے سپرد کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ ہاروت ماروت کی رہائی کے لئے تو اسے اپنی ہی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا چاہئے تھا۔ بھلا بیدخت سے کیا ہوا پیمانِ محبت توڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو محض ایک حسین اتفاق تھا، قسمت کی خوبی تھی، تقدیر کا کھیل تھا کہ وہ بے خبری میں زہرہ جمال سے ٹکرا گیا اور وہ بھی خود بخود اس کی طرف مائل ہو گئی۔ حالانکہ کوئی حُسن اس کی مثال نہیں، کوئی عورت اس کا جواب نہیں۔ اس سے بڑھ [illegible] اور کیا

ہوسکتا تھا کہ بابل کی، دنیا کی، کائنات کی سب سے خوب صورت عورت اُس کی مرضی کی پابند ہو گئی تھی مگر اس نے خود ہی فرض کی خاطر ایک دوسری عورت کا حلقہ قبول کرلیا اور عشق کے اس راستے سے بھٹک گیا جو تقدیر برسوں پہلے تیار کر چکی تھی۔ شاید یہ اس کی بدنصیبی کا آغاز تھا۔

وہ اسی حیص بیص میں محو اور کچھ دیر کے لئے اپنے گرد و پیش سے بھی بے خبر ہو گیا تھا۔ کہ اچانک یوں لگا جیسے کوئی پراسرار قوت اس سے مخاطب ہو بہت دُور سے ـــــ یا ـــــ بہت نزدیک سے۔ اُس کی ''بے خبری'' فاصلے کا اندازہ کرنے سے قاصر تھی۔ شاید یہ آواز کا زیر و بم تھا یا اپنی خود رفتگی تھی کہ وہ قریب اور دور کی آواز میں بھی امتیاز نہ کر سکا لیکن فوراً ہی اس نے خود کو سنبھالا تو پتہ چلا کہ وہ شیریں آواز جو بہت دور سے، بہت نزدیک سے آ رہی تھی، زہرہ جمال بیدخت کی تھی اور وہی اس سے مخاطب تھی۔ اب الفاظ باقاعدہ اس کی سماعت سے ٹکرانے لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''مہرتاب! جو عظیم کام تم نے میرے لئے انجام دیا ہے، اس کا صلہ تو میں چکا ہی نہیں سکتی۔ بس آج ثابت ہو گیا کہ تمہارے دل میں میرے لئے ایسا پیار ہے جو روئے زمین پر کسی دوسرے انسان کے دل میں نہیں ہو گا اور تم مجھ سے ایسی والہانہ محبت کرتے ہو جو آج تک کسی مرد نے کسی عورت سے نہیں کی ہو گی۔ یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے۔ آج کے بعد تم میرے عاشق نہیں بلکہ میں تمہاری عاشق بن گئی ہوں اور تم میرے محبوب ہو مہرتاب! میں تمہاری خاطر سب کچھ کر گزروں گی اور دنیا جان لے گی کہ عورت کی وفا کیا ہوتی ہے۔''

یہ الفاظ کسی بھی مرد کو تباہ کر دینے کے لئے کافی تھے۔ مہرتاب تو پھر اس کے عشق کا دم بھرتا تھا۔ کٹ کر رہ گیا اور تڑپ کر بولا۔ ''بس کرو بیدخت! تم نے تو مجھے مار دینے کی ٹھان لی ہے۔''

''آج تو میں خود مر مٹی ہوں تم پر۔''

اور زہرہ جمال کی آنکھیں بتا رہی تھیں وہ واقعی اس پر مر مٹی ہے لیکن مہرتاب اس موضوع کو بدل دینا چاہتا تھا، کہنے لگا۔ ''جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب تم اپنی دوسری خواہش بیان کرو۔''

''دوسری خواہش؟'' زہرہ جمال صندوقچی کو سنگھار دان پر رکھ کر مُڑی جس کے آئینے میں اس کا حسین عکس نظر آ رہا تھا۔ ''اتنی جلدی بھی کیا ہے مہرتاب! ذرا مجھے پہلی خواہش پوری ہو جانے کی خوشی تو برداشت کر لینے دو۔ ابھی تو میں نے تمہیں جی بھر کے دیکھا بھی نہیں۔ تم سورج کی پہلی کرن کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوئے ہو اور میں نے تمہاری کوئی خاطر مدارات

بھی نہیں کی۔ ہائے کیسی عورت ہوں میں بھی۔''

پھر اس نے تالی بجائی۔ دوسرے لمحے ایک خادمہ زربفت کا پردہ ہٹا کر اندر آئی تو بیدخت نے حکم دیا۔ ''راحتِ شب لیلیٰ سے کہہ دے وہ مہمان کے لئے ناشتہ تیار کرے۔ جب تُو اسے بتائے گی کہ مہمان کا نام مہرتاب ہے تو سمجھ جائے گی کہ اُسے کیا کچھ پیش کرنا چاہئے۔''

خادمہ یہ حکم سننے کے بعد کھڑی رہی تو بیدخت نے حیرت سے پوچھا۔ ''اب کیا ہے؟''

اس نے بڑے ادب سے گردن جھکا کر اطلاع دی۔ ''راحتِ شب لیلیٰ موجود نہیں۔''

''کہاں چلی گئی صبح ہی صبح؟''

''ابھی ابھی نورِ ناہید آموسی آئی تھی۔''

آموسی کا نام سن کر بیدخت اور مہرتاب بیک وقت چونکے۔ ''تُو نے آموسی کے آنے کی اطلاع مجھے کیوں نہیں دی؟''

''وہ صرف لیلیٰ سے ملنے آئی تھی۔''

''تو ناشتے کے لئے شمونہ سے کہہ دے۔''

خادمہ لوٹ گئی تو مہرتاب نے پوچھا۔ ''نورِ ناہید آموسی وہی ہے نا جو کبھی تمہاری ''پیاری'' تھی اور پورے پانچ سال تک تمہارے ساتھ سوئی ہے۔''

''بابل میں جو عورت کسی لڑکی کو ''پیاری'' بنا کر رکھتی ہے، اسے اپنے بستر پر ضرور سلاتی ہے۔ مگر تمہارا آموسی سے کیا تعلق ہے؟''

''بس اتنا کہ میں نے بابل میں پہلی رات اُسی کے کوٹھے پر گزاری تھی۔ اُس کے بستر پر نہیں، صرف کمرے میں۔ وہ ایک مظلوم لڑکی ہے۔''

ٹھیک اسی وقت راحتِ شب لیلیٰ کمرے میں داخل ہوئی اور مہرتاب کو دیکھ کر بری طرح ٹھٹک گئی۔ معذرت کے ساتھ پلٹنے ہی والی تھی کہ بیدخت نے آواز دی۔ ''کیا نورِ ناہید آئی تھی؟''

''ہاں ایک بار پہلے بھی آ چکی ہے۔''

''کس لئے آتی ہے؟''

''اُسے ایک آدمی کی تلاش ہے جس نے چاند کی تیسری رات اس کے کوٹھے پر گزاری تھی۔''

''نورِ ناہید اُسے کیوں تلاش کر رہی ہے؟''

''کہتی ہے اس کا گاہک جاتے وقت کمرے سے ایک ایسی مورتی اٹھا کر لے گیا جسے وہ

فروخت نہ کرنا چاہتی تھی کیونکہ اپنے سوا وہ اپنی کوئی چیز نہیں بیچتی۔"

"اُسے جا کر کہہ دو، وہ آدمی اس وقت میرے پاس موجود ہے۔"

لیلیٰ نے حیران سی نظروں سے زہرہ جمال کی طرف دیکھا پھر زیرِ لب مسکرائی اور بولی۔

"مورتی کے علاوہ گاہک اس کی ایک اور چیز بھی چرا کر لے گیا تھا۔"

"وہ کیا ___؟"

"دل ___"

راحتِ شب لیلیٰ نے یہ چھوٹا سا مگر دھڑکتا ہوا لفظ اس نزاکت، اس شرارت سے ادا کیا کہ اگر مہرتاب پہلے ہی وضاحت نہ کر چکا ہوتا تو بیدخت احساسِ رقابت سے تڑپ گئی ہوتی۔ وہ صرف مسکرا کر رہ گئی اور مہرتاب نے کہا۔

"آموی کو میرا پیغام پہنچا دو کہ مجھے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔ میں کسی روز خود اس کے پاس پہنچ جاؤں گا لیکن عاشق بن کر نہیں، گاہک بن کر نہیں، صرف دوست بن کر۔"

یہ الفاظ سن کر لیلیٰ پلٹنے لگی تو زہرہ جمال نے اُسے ناشتے کی ہدایت کی اور وہ جس آہستگی کے ساتھ آئی تھی اسی آہستگی سے لوٹ گئی۔ مہرتاب کے دل و دماغ میں ابھی تک ایک شدید کشمکش جاری تھی جسے نورِ ناہید آموی کے ذکر نے ایک نیا رخ دیا تھا۔ وہ اس کشمکش سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کہنے لگا۔ "تم نے ابھی تک اپنی دوسری خواہش بیان نہیں کی۔"

"اسے بیان کرتے ہوئے ڈرتی ہوں مہرتاب!"

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں تمہاری دوسری آرزو، تمہاری دوسری فرمائش کیا ہے؟"

"مجھے سوچنے دو۔"

"سوچنے کا وقت گزر چکا بیدخت! اب تو تمہاری آرزوؤں کی تکمیل ہی میری زندگی ہے۔"

"مگر میں تمہاری زندگی کے ساتھ کوئی جوا نہیں کھیلنا چاہتی۔"

بیدخت بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی چہرے پر پریشانی کے سائے گزر رہے تھے۔ یوں لگتا تھا، اپنی آرزو بیان بھی کرنا چاہتی ہے اور ڈرتی بھی ہے کہ کہیں پانسہ غلط نہ پڑ جائے۔ کہیں کھیل بگڑ نہ جائے۔ پہلی خواہش کی تکمیل کے بعد مہرتاب اس کی تمام تر اُمیدوں کا مرکز بن گیا تھا اور اب دھڑکا یہی تھا کہ اسے کچھ ہو نہ جائے۔ اسی لئے وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہتی تھی

کیونکہ اب اپنی یا مہرتاب کی شکست کسی قیمت پر گوارا نہ تھی۔ ادھر مہرتاب چاہتا تھا کہ اس کی دوسری دو خواہشیں بھی پوری کر کے کم از کم اپنے نصف عہد سے سبکدوش ہو جائے۔

چند لمحے اسی خاموشی اور تذبذب میں گزر گئے تو مہرتاب نے کہا۔ "خاموش کیوں ہو گئیں؟ میں تمہاری دوسری فرمائش کا منتظر ہوں۔"

وہ آہستہ سے بولی۔ "نہ جانے کیوں مجھے دوسری خواہش بیان کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔"

"بس تکرار ہو چکی۔" مہرتاب اپنی جگہ سے اٹھا۔ "تم اظہارِ مطلب سے ڈرتی ہو اور میں اپنی بات بار بار دہرانے کا عادی نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ بیدخت بھاگ کر اس کے سامنے آ گئی۔ "ناراض کیوں ہو گئے۔ آؤ اطمینان سے بیٹھ کر میری بات سنو۔"

جب وہ دونوں بیٹھ چکے تو کہنے لگی۔ "مجھے اپنی آرزو بھی عزیز ہے اور تمہاری زندگی بھی۔ تمہیں کھو کر جی نہ سکوں گی۔"

"اور اگر میں تمہاری آرزوئیں پوری کئے بغیر مر گیا تو میری موت بڑی حسرت ناک ہو گی۔" پھر اس کے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ "جس طرح قدرت نے تمہارے حُسن کی تکمیل کی ہے اسی طرح میں تمہاری آرزوؤں کی تکمیل چاہتا ہوں اور تمہارا کوئی عذر سننے کے لئے تیار نہیں۔ ذرا سوچو تو سہی، جب کامیابی کا آغاز ہو چکا ہے اور تمہاری پہلی آرزو پوری کر چکا ہوں تو دوسری خواہش بیان کرنے میں خوف کیسا؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ شاید میرا خوف میرے وہم کا عکس ہو اور جب تم نے میری آرزوؤں کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے تو اب میں بھی کسی کمزوری کا اظہار نہیں کروں گی۔"

یہ کہہ کر اس نے مہرتاب کی طرف نظر اٹھائی اور پوچھا۔ "کیا تم نے کبھی چاہِ بابل دیکھا ہے؟"

چاہِ بابل کا نام سنتے ہی مہرتاب کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ نبضوں میں خون کی لہر تیز ہو گئی۔ "نہیں۔ اس کے دہشت ناک افسانے سنے ہیں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ حکومت کے خطرناک مجرموں اور باغیوں کو اوپر سے کنوئیں میں پھینک دیا جاتا ہے جہاں ان کی لاشیں ہی گرتی ہیں۔"

"تم نے غلط نہیں سنا۔ چاہِ بابل جہنم کا دروازہ ہے۔ موت کی ناند ہے۔ ایک بھیانک ترین عقوبت گاہ ہے۔ پہلے میں تمہیں اس کے بارے میں پوری طرح آگاہ کر دینا چاہتی

ہوں۔ کیونکہ میری دوسری خواہش موت کے اسی کنوئیں سے تعلق رکھتی ہے۔"

پھر وہ چاہِ بابل کی تفصیلات بیان کرنے لگی۔

"مہرتاب ــــــ! تم نے دنیا کے خوفناک بندی خانوں اور اذیت گھروں کا ذکر ضرور سنا ہوگا جن کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن چاہِ بابل اُن سب سے مختلف اور عذاب وسزا کا بھیانک ترین عجوبہ ہے جس کی مثال روئے زمین پر نہیں ملتی۔ یہ کنواں تین سو اسّی فٹ گہرا اور پورے ایک میل کے رقبے میں پھیلا ہے۔ قدیم سمیریوں کی ایک پیچ دار ڈھلان پگڈنڈی کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ساتھ بل کھاتی اس کے تین سو اسّی فٹ گہرے اور منحوس اندھیروں میں اترتی ہے لیکن موت کا یہ خم دار راستہ بھی کنوئیں کی تہہ سے چالیس فٹ اوپر ہی ختم ہو جاتا ہے تاکہ کوئی اجل گرفتہ بدبخت گہرائی سے باہر نہ نکل سکے۔

یہ مہیب اور عظیم کنواں جس سے زیادہ ہولناکی کا تصور بھی ممکن نہیں ان بدبخت انسانوں کے لئے وقف ہے جو شاہی عتاب کا شکار ہوتے ہیں اور جنہیں بڑی بے رحمی کے ساتھ اندر پھینک دیا جاتا ہے ان کی کربناک اور روح فرسا چیخیں کنوئیں کے بھیانک خلا میں تھرتھرا کر موت کی سرد خاموشیوں میں ڈوب جاتی اور اس خلا میں لڑھکتے لڑھکتے روحیں قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہیں۔ کنوئیں کی گہری تہہ میں صرف بے جان جسم گرتے ہیں مگر جو بدنصیب اتنی بلندی سے گرنے کے باوجود زندہ رہتے ہیں ان کی حالت مُردوں سے بدتر ہوتی ہے کیونکہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور وہ ایڑیاں رگڑتے، چیختے چلّاتے آہ وزاری کرتے مر جاتے ہیں۔ ان کی آہیں، فریادیں، چیخیں، گردوباد کے بگولوں کی طرح کنوئیں کے وسیع مدوّر حصار میں نیچے ہی نیچے گھومتی، چکراتی فضا کے دوش پر اُڑتی اور گہری خاموشیوں میں ڈوب جاتی ہیں۔

کوئی فریاد، کوئی چیخ، کوئی آواز چاہِ بابل کی عمیق ترین گہرائیوں سے اُبھر کر انسانی سماعت سے نہیں ٹکراتی ــــــ کوئی کمند کسی بدنصیب کو ان تیرہ وتار پنہائیوں سے باہر نہیں لا سکتی ــــــ کوئی برگشتہ قسمت موت کی اس گہری اور تاریک ناند سے نکلتے نہیں دیکھا گیا۔

چاہِ بابل انسانی تاریخ کا وہ سیاہ ترین باب ہے جس میں صرف موت کی تحریریں رقم کی ہوئی ہیں۔ ہر ساتویں روز جب شاہی اصطبل کے شیروں، چیتوں، بھیڑیوں، اور تیندووں کو گوشت دیا جاتا ہے (کیونکہ یہ درندے خودسر، مجرموں، مشکوک لونڈی غلاموں اور گستاخ باغیوں پر چھوڑنے کے لئے عموماً بھوکے رکھے جاتے ہیں) چاہِ بابل میں بھی چند روٹیاں پھینک

دی جاتی ہیں اور ایک طرف چوبچے میں پانی کے کچھ ڈول انڈیل دیئے جاتے ہیں تاکہ اگر کوئی بدبخت زندہ بچ گیا ہو تو پیٹ کی آگ ٹھنڈی کر لے۔ مرنا تو اسے بہرطور ہے۔ یہ ہے چاہِ بابل کا ایک مختصر سا خاکہ مگر اس کی حقیقت میرے الفاظ سے کہیں زیادہ بھیانک اور خوفناک ہے کیونکہ کوئی انسان اس کی ہولناکی کا نقشہ تو بیان کر ہی نہیں سکتا۔"

یہ کہہ کر بیدخت نے سانس درست کیا اور مہرتاب کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ "اب مجھے بتاؤ کیا تم موت کے اس کنوئیں میں کود کر واپس آ سکتے ہو؟"

مہرتاب کے جسم پر ایک لرزش دوڑ گئی، خون میں ٹھنڈی لہر سرسرائی، پیشانی پر پسینہ سا آ گیا اور ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔ "میری زندگی بھی چاہتی ہو اور چاہِ بابل میں کودنے کا مشورہ بھی دے رہی ہو جس کے اجل گرفتہ گہراؤ سے آج تک کسی انسان کو زندہ نکلتے نہیں دیکھا گیا۔"

"تو بس قصہ یہیں ختم ہوا۔" زہرہ جمال ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی اور ساگوان کی صندوقچی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔ "اب شاہ یوسیفر کی یہ امانت میرے لئے بے کار ہے جسے حاصل کرنے کے لئے تم نے نہ جانے کتنی تکلیف اٹھائی ہوگی۔"

مہرتاب بھی فوراً اٹھا، آہستہ آہستہ چلتا اس کے عقب میں پہنچا اور اپنا ہاتھ ہولے سے اس کے عریاں شانے پر رکھ دیا۔ قدِ آدم آئینے میں اب دونوں کے عکس ایک ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ "سنو بیدخت! قصہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس کی ابتداء ہوئی ہے اور میں کسی بات کو ادھوری چھوڑنے کا عادی نہیں۔"

"مگر میں کہہ چکی اب مجھے تمہاری زندگی اپنی خواہش سے زیادہ عزیز ہے اس لئے کوئی تکرار مناسب نہ ہوگی۔"

"تکرار نہیں صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہر سوال کا ایک ہی جواب ہے ــــــ موت۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

"مگر میں ڈرتی ہوں۔"

"مرنا ایک دن سب کو ہے پھر ڈرنا کیسا؟ میں تو اس شہر میں موت کو شکست دینے کا عزم لے کر آیا ہوں۔"

بیدخت نے پلٹ کر قریب سے دیکھا، مہرتاب کا چہرہ موت سے زیادہ ہیبت ناک معلوم

ہورہا تھا جیسے موت کا مذاق اُڑا رہا ہو۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ''کیا موت سے لڑنا چاہتے ہو؟''

''مگر کوئی مقصد بھی ہو۔''

''میں نے چاہِ بابل میں اترنے کی خواہش یونہی نہیں کی۔ ہے ایک مقصد۔''

''وہی جاننا چاہتا ہوں۔''

''تو سنو۔ موت کے اس کنوئیں میں کچھ لوگ قید اذیت کاٹ رہے ہیں۔ میں ان کی رہائی چاہتی ہوں۔''

مہرتاب ہکا بکا سا رہ گیا۔ ''چاہِ بابل میں قید کیسی؟ وہ تو صرف موت کا کنواں ہے۔''

''وہ موت کا کنواں بھی ہے اور ایک عقوبت خانہ بھی۔'' بیدخت اس کا ایک نیا رخ بیان کرنے لگی۔

''چاہِ بابل بڑے وسیع رقبے میں پھیلا ہے اور اس کے اندر ایک لعنتی زندان ہے جہاں بعض لوگوں کو قید اذیت میں رکھا جاتا ہے تاکہ وہ زندان کی سلاخوں سے ان مجرموں کی موت کا نظارہ کرتے رہیں جنہیں اوپر سے زندہ ہی پھینک دیا جاتا ہے لیکن کنوئیں میں گرتے گرتے اکثر مجرموں کا رشتۂ حیات منقطع ہو جاتا ہے۔ زندان کے بدنصیب قیدی ان کی لاشوں کو گرتے دیکھتے، ہڈیوں کے ٹوٹنے کی دہشت ناک آوازیں سنتے اور اس عقوبت خانے کے اندر موت کے لرزہ خیز مناظر دیکھتے دیکھتے بھوک پیاس سے تڑپتے تڑپتے مر جاتے ہیں۔ یہ موت بڑی بھیانک اور اذیت ناک ہوتی ہے۔''

''اسیروں کو اس زندان میں پہنچایا کس طرح جاتا ہے؟''

''میں بتا چکی ہوں۔ ایک پیچ دار راستہ جس پر رتھ دوڑ سکتے ہیں، کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ساتھ نیچے اترتا اور چکر کھاتا تہہ سے چالیس فٹ اوپر ختم ہو جاتا ہے۔ جہاں چکر دار راستے کا اختتام ہوتا ہے اس کے عین نیچے لوہے کی اونچی سلاخوں کا ایک بہت بڑا جنگلہ بنا دیا گیا ہے۔ یہی جنگلہ موت کا عقوبت خانہ ہے۔ اسیروں کو آخری سرے تک لے جا کر جنگلے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ چالیس فٹ کی بلندی سے گر کر وہ مرتے تو نہیں لیکن اس لعنتی زندان میں ان کی زندگی موت سے بدتر ہوتی ہے۔ میں جن آدمیوں کی رہائی چاہتی ہوں وہ اسی زندان میں اسیر ہیں۔''

مہرتاب چاہِ بابل اور اس کے بھیانک زندان کی تفصیل سن کر دم بخود رہ گیا لیکن یہ حقیقت

چاہِ بابل کی ہولناک دہشتوں سے زیادہ پراسرار اور حیرت انگیز تھی کہ زہرہ جمال بیدخت چاہِ بابل کے چند قیدیوں کو باہر نکالنے کے لئے بے چین ہو رہی تھی جنہیں موت کے زنداں میں پھینکا جا چکا تھا۔ وہ بتانے لگی۔

''چاہِ بابل کے محافظوں کو حکم ملا ہے قیدیوں کو صرف اتنا کھانا اور پانی مہیا کیا جائے کہ وہ عید بیلس کے تہوار تک زندہ رہ سکیں۔ پھر انہیں مرنے کے لئے بھوکا پیاسا چھوڑ دیا جائے۔''

''قیدیوں کا جرم کیا ہے؟''

''بے گناہی۔''

''اور تمہارا ان سے تعلق؟''

''کچھ نہیں۔ میں نے آج تک ان کی صورتیں بھی نہیں دیکھیں۔''

یہ ایک اور تعجب خیز بات تھی۔ ''مگر تم چند اجنبی لوگوں کے لئے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لے رہی ہو؟''

''صرف ان کی دوستی چاہتی ہوں۔''

''کون لوگ ہیں وہ؟''

بیدخت ایک لمحہ رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ ''جو لوگ چاہِ بابل کے زندان میں قید کئے جاتے ہیں ان کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا ہے مگر میں تمہیں ان کے ناموں سے آگاہ کر رہی ہوں۔ وہ عبرانی لوگ ہیں ہاروت، ماروت اور تیسرا ان کا غلام سجل[1] ____''

فرطِ تحیر سے مہرتاب یوں اچھلا جیسے زمین نے اچھال دیا ہو۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورنے لگا۔ ''کیا کہا تم نے ہاروت، ماروت اور سجل ____؟''

''ہاں، میں تینوں کو زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''مگر وہ تو قلعہ اساگیلہ کے قید خانے میں بند تھے۔''

''چند روز سے انہیں چاہِ بابل کے زنداں میں منتقل کر دیا گیا ہے۔''

مہرتاب کئی دن سے انہی کی تلاش میں تو بھٹک رہا تھا۔ یہ لرزہ خیز انکشاف اس کی جہدِ فرض کا ایک نیا موڑ تھا۔ اس نے بیدخت کے عریاں شانوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ''اب یہ بھی بتا دو

[1] جلال سیوطی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سجل بھی ایک فرشتہ ہے اور ہاروت ماروت اس کے مددگار ہیں۔ (الاتقان فی علوم القرآن) مگر یہ ان کا ایک عبرانی ساتھی تھا۔

تم ان کی رہائی کیوں چاہتی ہو؟''

ہاروت ماروت کا نام سن کر مہرتاب نے جس ردِعمل کا اظہار کیا وہ بیدخت کے لئے ایک اچنبھے سے کم نہ تھا مگر ان کی رہائی کا مقصد تو بتانا ہی تھا۔''میں نے کہا تھا میری تینوں خواہشیں ایک دوسری سے تعلق رکھتی ہیں اور دوسری خواہش اسی وقت بیان کروں گی جب پہلی خواہش پوری ہو جائے گی۔''

''مجھے تمہاری یہ بات یاد ہے۔''

''پھر سنو۔ ایوانِ ماکلوب کے تہ خانے سے تم جو صندوقچی نکال لائے ہو اس کی تحریر صرف ہاروت ماروت پڑھ سکتے ہیں جو قدیم ترین تحریریں پڑھنے کے ماہر ہیں۔''

''مگر یہ کام تو دینِ اکد کا کوئی کاہن بھی کر سکتا ہے۔ یہاں قدیم سمیری اور اکدی زبانوں کو جاننے والے کئی لوگ ہوں گے۔''

''واہ، تم سمجھتے ہو میں سیارگانِ الوہیت کی ایک سربستہ راز تحریر دینِ اکد کے کسی کاہن سے پڑھواؤں گی۔'' بیدخت معاملے کی وضاحت کرتی ہوئی کہنے لگی۔''ارے وہ تو یہ دیکھتے ہی کہ شاہِ یوسیفر کی خفیہ قبا میرے ہاتھ لگ گئی ہے مجھے قتل کر دیں گے۔ اگر کسی کاہن نے مہربانی سے میری جان بخش دی جس کی توقع نہیں تو بھی وہ مجھے خفیہ تحریر کا صحیح مطلب نہیں بتائے گا اور جس مقصد کے لئے میں نے قبا منگوائی ہے وہ کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔ مگر ہاروت ماروت دینِ اکد سے دلچسپی رکھتے ہیں نہ انہیں شاہِ یوسیفر کی قبا سے کوئی مطلب ہے اس لئے اپنی زندگی کے عوض جو میں انہیں چاہِ بابل سے رہائی کی صورت میں بخشوں گی وہ اس خفیہ تحریر کو میرے لئے کسی حیل و حجت کے بغیر خوشی سے پڑھ دیں گے۔ اب سمجھے تم، میں ہاروت ماروت کی رہائی کیوں چاہتی ہوں۔''

اچانک مہرتاب کو اس پراسرار قبا کی اہمیت کا احساس ہوا جسے وہ محض زہرہ جمال بیدخت کی ایک تفریحی اُپج سمجھتا رہا۔ اس کا خیال تھا وہ ''عید بیلس'' کے تہوار پر قبا محض اس لئے زیب تن کرنا چاہتی ہے کہ اس کی شانِ تجمل میں اضافہ ہو اور لوگ کہیں کہ وہ شہنشاہوں کے قدیم نوادرات کو بھی آرائشِ جمال کے لئے استعمال کرتی ہے مگر معاملہ کچھ مختلف تھا۔ بیدخت جانتی تھی وہ چوری کی قبا کو سرِعام زیب تن نہیں کر سکتی ورنہ دینِ اکد کے کاہن اور سیارگانِ الوہیت کے پرستار اُسے جان سے مار دیں گے۔ پھر اُس قبا کا مصرف کیا تھا۔

وہ سوچنے لگا یقیناً اس کا مصرف کوئی انوکھا اور عام خیال سے ماورا ہی ہوگا۔ تبھی تو بیدخت اس کی خفیہ تحریر کا مفہوم جاننے کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لے رہی ہے۔ چاہِ بابل کے اسیروں کی رہائی کوئی معمولی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ تو واقعی جان سے گزرنے والی بات تھی مگر مہرتاب کو اس وقت فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ پراسرار قبا کا مصرف جاننے کی کوشش کرتا۔ وہ تو اسی بات پر دیوانہ سا ہو گیا کہ جن لوگوں کی تلاش میں بھٹک رہا تھا ان کا سراغ مل گیا۔ انہی کی خاطر اس نے شہزادی شمورہ سے اپنی محبت کا سودا کیا اور عشق کی بازی ہار دی تھی لیکن اب محسوس کر رہا تھا کہ ابھی ایک راستہ کھلا ہے، اس کی جدوجہد کا راستہ۔ اور وہ اپنی ہاری ہوئی بازی پھر جیت سکتا ہے۔ کچھ سوچ کر بولا۔

''میں ہاروت ماروت کی رہائی کا مقصد تو سمجھ گیا مگر چاہِ بابل کے بارے میں جو تفصیلات تم جانتی ہو میں نہیں جانتا۔ کیا اسیروں تک پہنچنے کے لئے میری رہنمائی کر سکتی ہو؟''

''چاہِ بابل کا داروغہ بنوسلان اگر لومڑی کی طرح چالاک اور بھیڑیے کی مانند خونخوار ہے تو اس کے پہرے دار موت کے دیوتا کی طرح ظالم اور سنگ دل ہیں جو تلوار چلانے اور نیزہ مارنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کے بعد ہی تم اسیروں تک پہنچ سکتے ہو۔''

''میں نے سنا ہے، بنوسلان ایک جنسی دیوانہ ہے اور عورت اس کی کمزوری ہے۔''

''یہ غلط نہیں۔ مگر وہ حکومت کا انتہائی وفادار اور اپنے فرض کی خاطر حسین سے حسین عورت کو بھی ذبح کر سکتا ہے۔''

''تو پھر اس کی موت ایک عورت ہی کے ہاتھ سے ہوگی۔''

''دیکھو مہرتاب: میں پہلے بھی کہہ چکی اور اب بھی کہتی ہوں کہ چاہِ بابل موت کا کنواں ہے۔ وہاں سے کسی انسان کو زندہ نکال لانا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے میں تمہیں مجبور نہیں کرتی کہ میری خاطر اس کنوئیں میں کود جاؤ۔''

مہرتاب نے اس کے شانوں کو جھنجھوڑ دیا اور خود رفتگی کے عالم میں بولا۔''بیدخت ـــــ! نورِ جمال بیدخت! میں کن الفاظ سے تمہارا شکریہ ادا کروں کہ تم نے مجھے ایک بہت بڑی شکست سے بچا لیا جو مہرتاب کو زندہ درگور کر دیتی۔''

بیدخت نے چونک کر پوچھا۔''کیسی شکست؟''

''تقدیر مجھے تم سے چھین لینا چاہتی تھی مگر میں اپنے عہدِ محبت کو تازہ کرتا ہوں کہ جس طرح

کل تمہارا تھا اسی طرح آئندہ بھی تمہارا ہی رہوں گا اور دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہ کر سکے گی کیونکہ ہماری سرشت ایک، خاک ایک اور موت بھی ایک ہے۔"

یہ کہہ کر اس کی سیاہ جادوگر آنکھوں میں جھانکنے لگا جن سے زیادہ خوب صورت اور سحر طراز آنکھیں تخلیق ہی نہیں ہو سکی تھیں۔ پھر اچانک ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ "الوداع بیدخت! دوبارہ ملنے کے لئے ہمارا ایک بار پھر جدا ہونا ضروری ہے۔"

وہ تیزی سے مڑا اور زہرہ جمال نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا۔ "رک جاؤ مہرتاب! مہمان اپنی مرضی سے آتے اور میزبان کی مرضی سے جاتے ہیں۔"

شاید وہ چاہتی تھی کہ موت سے ہم کنار ہونے سے پہلے اسے جی بھر کے دیکھ تو لے۔ کیونکہ مہرتاب اپنے ارادے سے ٹلتا نظر نہ آتا تھا۔ رک کر بولا۔

"تم جانتی ہو میں رسموں کا پابند نہیں۔"

"مگر کچھ کھائے بغیر تم میرے گھر سے نہیں جا سکتے۔"

ٹھیک اسی لمحے راحتِ شب لیلیٰ ایک خادمہ کے ہمراہ ناشتے کا سامان لے کر داخل ہوئی اور مہرتاب کے پاس رک کر بتانے لگی۔ "میں ناشتے میں لبنان کی شراب بھی لائی ہوں۔ نورِ ناہید نے بتایا تھا کہ آپ کو لبنان کی شراب بہت پسند ہے۔"

"آج شراب کے پیمانے میں بنو سلان کا خون انڈیلا جائے گا راحتِ شب لیلیٰ! اپنی مالکن سے کہہ دو اس گھر کی ہر شے اس وقت تک مجھ پر حرام ہو چکی جب تک میں اسیروں کو رہا نہیں کرا لیتا۔" پھر وہ زہرہ جمال بیدخت کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے نکلتا چلا گیا کیونکہ اس کی جو تصویر آنکھوں میں بسا کر لئے جا رہا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ چاہتا تھا۔ بیدخت چند لمحے کسی حسین مورتی کی طرح ساکت و خاموش کھڑی رہی پھر تڑپ کر بولی۔

"راحتِ شب لیلیٰ! میری سب "پیاریوں" سے کہہ دو تیار ہو جائیں، میں اسی وقت ہیکل زہرہ میں اس کی زندگی کی نذر دینے جاؤں گی۔"

راحتِ شب لیلیٰ پردوں کے پیچھے بھاگتی چلی گئی اور بیدخت نے تیزی سے پلٹ کر ساگوان کی اس صندوقچی کو سینے سے چمٹا لیا جسے مہرتاب ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے سے نکال کر لایا تھا۔

★

(21)

فیصلہ

◎

کاشانۂ زہرہ سے نکل کر مہرتاب نے دریائے فرات کا رخ کیا۔ فوری طور پر سردار سیسرا سے ملنا چاہتا تھا مگر ملاحوں کی بستی کی بجائے سیدھا گھاٹ کی طرف ہو لیا جہاں سویرے ہی کشتیوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی تھی۔

بابل کے دونوں حصوں، دونوں شہروں کے درمیان آمد و رفت کا ذریعہ وہ عظیم پُل[1] تھا جو ایک میل چوڑے دریا پر فنِ تعمیر کا حیرت انگیز نمونہ تھا۔ عام شہریوں اور مسافروں کے علاوہ سامانِ رسد اور سامانِ تجارت کے قافلے اسی پُل سے گزرتے۔ اُونٹ، گھوڑے، گدھے، گائے، بیل اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی پُل ہی کے ذریعے ایک حصے سے دوسرے حصے میں پہنچائے جاتے تھے۔ عام گزرگاہ ہونے کے باعث چونکہ یہاں اکثر ہجوم رہتا اور بھیڑ کی وجہ سے پُل عبور کرنے میں بہت دیر ہو جاتی تھی تاجر، سوداگر، آڑھتیے اور دوسرے لوگ جو جلدی میں ہوتے کشتیوں کے ذریعے دریا پار کرتے اور نصف شیکل[2] کرایہ ادا کر کے اِدھر سے اُدھر پہنچ جاتے تھے۔ انہی مسافروں کی وجہ سے ملاح بھی اچھے پیسے کما لیتے اور سویرے ہی اپنا دھندا

1. بعض مورخوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مشرقی اور مغربی بابل کے درمیان کئی پُل تھے مگر ہیروڈوٹس ایک ہی پُل بیان کرتا ہے ممکن ہے مورخوں نے شمال اور جنوب میں دریا پر تعمیر کی جانے والی حفاظتی دیواروں کو بھی پُل ہی سمجھ لیا ہو۔

2. اس دور کا ایک سکہ۔ (مصنف)

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم ُالحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

شروع کر دیتے تھے۔

مہرتاب کا خیال تھا سیسرا سے گھاٹ ہی پر ملاقات ہو سکے گی لیکن جب دریا کے بند پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں عبرانی غلاموں کی بھیڑ لگی تھی اور کلدانی سپاہی پیٹیوں میں تلواریں لٹکائے، ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھامے اُن کی نگرانی کر رہے تھے۔ گھاٹ پر بہت سی کشتیاں لنگر انداز تھیں اور عبرانی غلاموں کا ایک گروہ کوڑے بردار سپاہیوں کی حفاظت میں کشتیوں سے سامانِ رسد اتارنے میں مصروف تھا۔ کئی دن سے شہر میں اس اندیشے کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ ایرانی لشکر دریا عبور کر کے مغربی علاقوں سے آنے والی رسد کا سلسلہ بھی بند کر دیں گے مگر کشتیوں سے اتارے جانے والے سامان نے اس اندیشے کی تردید کر دی۔ یہ سامانِ رسد کالدیا کے جنوب مغربی علاقوں ہی سے فراہم کر کے شہر لایا گیا اور اب اسے قلعہ اساگیلہ کے سرکاری گوداموں میں منتقل کرنے کے لئے عبرانی غلاموں کو فرات پر طلب کر لیا گیا تھا۔ ایرانی لشکروں نے دریائے فرات کو عبور کر کے مغربی علاقوں کی ناکہ بندی نہیں کی تھی۔

جنگ کے ایام میں ضرورت کے وقت تمام کشتیاں سرکاری تحویل میں لے لی جاتی تھیں کیونکہ باربردار جانوروں کے علاوہ رسد اور دیگر ضروری سامان کشتیوں کے ذریعے بھی شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں پہنچایا جاتا تھا اور اس صورت میں کوئی ملاح اپنے نجی دھندے کے لئے کشتی دریا میں نہیں ڈال سکتا تھا تاکہ سرکاری کام میں مداخلت نہ ہو۔

مہرتاب نے ذرا آگے بڑھ کر دیکھا تو کشتیوں سے سامان اتارنے والے یہودی غلاموں کے درمیان سردار سیسرا نظر آیا جو چند سرکاری گماشتوں کے ساتھ اترنے والے سامان کی دیکھ بھال کر رہا تھا اور اس قدر مصروف دکھائی دیتا تھا کہ اُسے پل بھر کے لئے کسی سے بات کرنے کی فرصت نہ تھی۔ وہ کوئی ملاح ہی تھا جس نے سردار سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کی طرف توجہ ہی نہ دے سکا۔ یہ صورتِ حال خاصی پریشان کن تھی۔ معلوم ہوتا تھا وہ شام تک بھی فارغ نہیں ہو سکے گا کیونکہ مغربی ساحل سے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد باربردار کشتیاں مشرقی گھاٹ کی طرف چلی آ رہی تھیں اور ادھر جو کشتیاں خالی ہو جاتیں انہیں پھر مغربی کنارے کی طرف لوٹایا جا رہا تھا مگر سردار سیسرا سے ملاقات ضروری تھی اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس عالم میں جب گھاٹ پر ملاحوں، عبرانی غلاموں، سپاہیوں اور سرکاری گماشتوں کا ہجوم تھا سردار سیسرا سے ملنا مناسب بھی ہو گا یا نہیں کیونکہ یہ ملاقات کئی شکوک وشبہات پیدا کر سکتی تھی۔

پھر وہ کیا کرے؟

ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یک لخت سپاہیوں نے یہودیوں کو گھاٹ کی طرف دھکیل دیا اور فوراً سامانِ رسد کے گٹھے ان کی کمروں پر لادے جانے لگے جو انہیں اساگیلہ کے گوداموں میں پہنچانے تھے۔ یہودی غلاموں کے ساتھ سپاہیوں اور سرکاری گماشتوں کا رویہ اس قدر تحقیر آمیز تھا جیسے وہ انسان نہیں جانور تھے کیونکہ ذرا سی غفلت اور تساہل پر کوڑے برسنے لگتے تھے۔

مہرتاب سردار سیسرا کی ملاقات کو بھول کر چند لمحوں کے لئے اسی اذیت ناک احساس میں کھو گیا کہ کلدانی اپنے غلاموں سے کس قدر وحشیانہ سلوک کرتے ہیں جن کی بے کسی پر اُسے ترس آنے لگا تھا۔ اسی اثناء میں یہودی غلام اپنی پشتوں پر سامان لادے آگے پیچھے اس کے قریب سے گزرنے لگے۔

یہ لوگ ستر سال سے اپنی گردنوں میں غلامی کا جوا ڈالے کلدانیوں کی جبری خدمت کر رہے تھے۔ سالہا سال کی طویل اور بے رحمانہ مشقت نے انہیں بے حد سڑیل اور چڑچڑا بنا دیا تھا۔ اس وقت بھی وہ بھاری گٹھے اٹھائے، منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے اور کلدانیوں کے دیوی دیوتاؤں کو عجیب عجیب گالیاں دیتے جا رہے تھے مگر غلامی کی ذلت اور مشقت کی تحقیر تو بہرحال ان کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ صرف ایرانیوں کی فتح ہی پر ان کی غلامی کے خاتمے کا انحصار تھا جس کے فی الحال کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔

وہ الگ تھلگ کھڑا غلاموں کو دیکھ رہا تھا کہ ناگہاں وہی ادھیڑ عمر یہودی کمر پر گٹھا لادے قریب سے گزرا جسے اس نے محلہ کبر میں اس وقت گردن سے دبوچ لیا تھا جب ہاروت ماروت کا پتہ کھوجتا پھر رہا تھا۔ اس بوڑھے یہودی نے بڑبڑاتے ہوئے رزم کی دیوی اِشتار کو پہلے تو ایک غلیظ گالی دی پھر مردوک کے ساتھ اس کا شرمناک رشتہ جوڑ دیا اور غصے میں دانت پیستے ہوئے بولا۔ ''مردوک کی داشتہ۔''

مہرتاب اس کی دیدہ دلیری پر دنگ رہ گیا کیونکہ اگر کوئی کلدانی سن لیتا تو شاید اُسے جان ہی سے مار ڈالتا۔ مہرتاب نے اُسے اس خطرناک غلطی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا۔ ''کیوں بڑے میاں! تمہیں اپنی جان پیاری نہیں جو اشتار کو گالی دے رہے ہو؟''

یہودی اسے دیکھتے ہی سراسیمہ ہو گیا۔ پھر نہ جانے جی میں کیا آئی کہ رسد کا گٹھا پھینک کر چلانے اور ہاتھ ہلانے لگا۔ فوراً ہی ایک کوڑا بردار سپاہی وہاں پہنچ گیا۔ اسے دیکھتے ہی یہودی

نے مہرتاب کی طرف اشارہ کیا اور غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''اس شخص نے یہواہ کو گالی دی ہے۔''

سپاہی کوڑا لہراتا ہوا فوراً مہرتاب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''کیوں جناب! آپ نے عبرانیوں کے خدا کو گالی دی ہے؟''

مہرتاب یہودی کی شرارت اور دیدہ دلیری پر انتہائی پریشان ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نصیحت کا بدلہ الزام تراشی کی صورت میں ملے گا۔ اس نے صفائی پیش کی۔ ''یہ سراسر غلط ہے۔ میں نے کسی کو گالی نہیں دی۔''

یہودی نے فوراً اپنے ایک ساتھی کو گواہ بنا لیا۔ ''کیوں آسو! تم نے بھی سنا ہو گا۔ کیا اس شخص نے یہواہ کا نام لے کر گالی نہیں دی؟''

''ہاں، ہاں۔ میں نے خود اس کی بدکلامی سنی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے بھی اپنا گٹھا زمین پر پھینک دیا۔

اس اثناء میں چند اور یہودی بھی سامان پھینک کر وہیں جمع ہو گئے اور سپاہی مہرتاب پر برسنے لگا۔ ہجوم بڑھتا دیکھ کر اور شور وغل سن کر کیونکہ یہودی مہرتاب کو سزا دینے کا مطالبہ کر رہے تھے ایک کلدانی افسر چند سپاہیوں کے ہمراہ پہنچ گیا اور دور ہی سے پکارا۔

''کیا بات ہے؟ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ کیا ہوا یہاں؟''

کوڑا بردار سپاہی نے مہرتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جھگڑے کی وجہ بتائی اور افسر آگ بگولا ہو گیا۔ ''تمہیں جواب دینا ہو گا کہ تم نے خواہ مخواہ جھگڑا کھڑا کر کے سرکاری کام میں مداخلت کیوں کی؟'' مہرتاب نے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہودی جھوٹ بولتا ہے مگر اس کی سنتا کون۔ یہودی بڑے مشتعل اور غصہ و جوش میں اس پر جھپٹنے کی کوشش کر رہے تھے اگر سپاہی درمیان میں حائل نہ ہو جاتے تو شاید وہ اس کے کپڑے تک نوچ ڈالتے۔ جی میں آئی کہ افسر کو یہودی کی اس بدکلامی سے آگاہ کرے جو اس نے ایشتار اور مردوک کے جنسی اختلاط کے بارے میں کی تھی لیکن اب شاید کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہ کرتا کیونکہ معاملہ سراسر اُس کے خلاف تھا اور یہودی شور مچا رہے تھے کہ یہواہ کو گالی دینے کے جرم میں اسے سرِ عام کوڑے لگائے جائیں۔ کلدانی افسر جھگڑے کو بڑھتے دیکھ کر خود پریشان ہو رہا تھا کیونکہ یہودی غلاموں نے بطورِ احتجاج سامان ڈھونے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ مہرتاب پر ہی گرجنے لگے۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں یہاں کسی قوم کے معبود کو خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو گالی دینا جرم

ہے۔ کون ہو تم ____؟''

اسی وقت سردار سیسرا بھیڑ کو چیرتا آگے بڑھا اور مہرتاب کی طرف ہاتھ لہرا کر بولا۔ ''کیا تم مہرتاب کو نہیں جانتے زرطون! یہ گارجیت کا رئیس زادہ اور بادشاہ کا خاص مشیر ہے۔ اگر شاہِ معظم کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی کہ تم مہرتاب کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے ہو تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔''

زرطون جو مہرتاب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا، چونک سا گیا۔ ''کیا کہہ رہے ہو سیسرا؟''

''ٹھیک کہا ہے سردار نے۔'' یہ ایک نئی آواز تھی۔ کلدانی افسر نے سر اٹھا کر مخاطب کا چہرہ دیکھا تو دم بخود رہ گیا۔ اس کے سامنے بابل کا سب سے خوفناک آدمی کھڑا تھا جسے لوگ ''سایۂ اجل'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

''سردار ریموت ____!''

''معلوم ہوتا ہے اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے ہو۔'' ریموت کا لہجہ انتہائی خشمگیں تھا

''نہیں معزز سردار!''

''جو افسر بادشاہ کے دوستوں کو نہیں پہچانتا اس کا ایک قدم زندان سے باہر اور دوسرا زندان کے اندر ہوتا ہے۔''

زرطون ریموت کی تہدید سن کر بیدِ مجنوں کی طرح کانپ اٹھا اور مہرتاب کو سلام کرتا ہوا بولا۔ ''میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں جناب! مجھے امید ہے آپ اس خادم کو تہ دل سے معاف کر دیں گے۔ یہ یہودی اول درجے کے شریر اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کئے رہتے ہیں۔ میں معزز ریموت کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بروقت مجھے غلطی سے آگاہ کر دیا۔'' پھر زرطون سپاہیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

''ان یہودی غلاموں کے مزاج درست کر دو اور یاد رکھو ہر وہ شخص جس نے سامان زمین پر پھینک دیا، سرکاری کام میں خلل ڈالنے کا مرتکب ہوا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی سپاہیوں کے کوڑے حرکت میں آ گئے اور وہ یہودیوں کو بڑی بے رحمی سے پیٹنے لگے۔ مہرتاب کے لئے یہ نظارہ خوشگوار نہیں تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا شاید یہ بدماغ قوم غلامی کی شکل میں اپنی شرارتوں ہی کی سزا بھگت رہی ہے۔

کوڑوں کی خوفناک آوازوں کے درمیان وہ بھیڑ کائی کی طرح پھٹ گئی جو اس کے اردگرد اکٹھی ہوگئی تھی۔ یہودی غلام سامانِ رسد کے پھینکے ہوئے گٹھے پھر اپنی پیٹھوں پر لادرہے تھے۔

مہرتاب نے آگے بڑھ کر سردار ریموت کا شکریہ ادا کیا جس کی بروقت مداخلت پر وہ یہودیوں کی شرارت سے بچ گیا تھا۔ ریموت کہنے لگا۔ ''تمہیں میرا نہیں، سیسرا کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جو تمہارے متعلق ایک سرکاری افسر سے زیادہ معلومات رکھتا ہے۔''

''میں سردار سیسرا سے متعارف نہیں مگر اس کی مہربانی کا ممنون ہوں۔''

''کوئی بات نہیں جناب!'' بوڑھے ملاح نے بھی لاتعلقی کا اظہار ضروری سمجھا۔ ''میں نے آپ کے بارے میں بعض باتیں لوگوں سے سنی تھیں اور ایک بار آپ کو دیکھا بھی تھا۔ شاید آپ بھول گئے، چندروز پہلے آپ میری کشتی پر دریا کے اس پار گئے تھے۔''

''ہاں۔ اب مجھے یاد آگیا۔ وہ تمہی تھے مگر تمہارا نام میں بھول گیا تھا۔''

ریموت نے پھر مداخلت کی۔ ''میرا خیال ہے اب تم سردار سیسرا کو کبھی نہیں بھول سکو گے۔''

''اور تمہیں بھی سردار ریموت!''

اچانک ریموت نے ایک بے ڈھب سا سوال کردیا۔ ''کیا رات کو بیدخت کے ہاں قیام کرتے ہو؟''

مہرتاب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کس نے کہا تم سے؟''

''آج صبح ہی صبح تمہیں کاشانۂ زہرہ سے نکلتے دیکھا گیا ہے۔''

مہرتاب کے لئے یہ اطلاع حیرت انگیز تھی اور اس کا مطلب یہ تھا ریموت نے اس کی ''تلاش'' شروع کردی ہے۔ اس کے باوجود چہرے پر گھبراہٹ کی کوئی علامت نہ تھی۔ مسکرا کر کہنے لگا۔ ''تمہاری معلومات میں اضافہ کے لئے بتادوں کہ میری کوئی رات کاشانۂ زہرہ میں نہیں گزری۔''

''مگر آج بیدخت سے ضرور ملے ہو۔''

''تم نے میری نگرانی کب سے شروع کردی؟''

''سوال کیا ہے تو جواب بھی سن لو۔ میں اس وقت تک تمہارا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک اصل ٹھکانہ معلوم نہیں کرلیتا۔''

''تمہیں میرے ٹھکانے سے کیا سروکار ہے؟''

''پہلے بھی بتاچکا ہوں کہ بابل میں نئے نئے واقعات تمہارے لئے ظہور میں آئیں گے۔ لیکن میری اطلاع کے بغیر یہاں کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آسکتا۔ اب سمجھے مجھے تمہارے ٹھکانے کی تلاش کیوں ہے۔''

''مگر تم اس کا کھوج نہیں لگا سکتے۔'' مہرتاب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''ایک روز تمہیں اسی ٹھکانے سے نکال لاؤں گا۔''

''بندۂ مردود! کہیں ایسا ظلم نہ کرنا۔''

''کیوں ____؟''

''اس لئے کہ آج کل میرا ٹھکانہ بیدخت کے دل میں ہے۔ مجھے وہاں سے برآمد کرکے تمہیں کیا مل جائے گا؟''

اس بے ساختہ جواب پر دونوں قہقہہ مار کر ہنس دیئے۔ ریموت اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''بڑی محفوظ جگہ ٹھکانہ بنایا ہے تم نے۔''

سردار سیسرا حیرت و تعجب سے ان کی گفتگو سن رہا تھا اور یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ ریموت اس کے ساتھی کا دوست ہے یا دشمن۔ مگر ریموت نے مہرتاب کے بارے میں خواہ کسی وجہ سے دلچسپی لینی شروع کردی تھی یہ بات خطرے سے ہرگز خالی نہ ہوسکتی تھی۔ خود مہرتاب بھی محسوس کرنے لگا تھا کہ معاملے کی صورت بدلنے لگی ہے اور کسی وقت بالکل ہی بدل جائے گی۔

سپاہیوں کے کوڑوں نے یہودی غلاموں کے مزاج واقعی درست کردیئے تھے اور سامانِ رسد کی منتقلی کا کام پھر شروع ہوگیا تھا۔ سردار ریموت نے انہیں رسد کے گٹھے اپنی پشتوں پر اٹھائے بند سے اترتے دیکھا، پھر گھاٹ پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ''گھاٹ پر اس لئے آیا تھا کہ شاید کوئی کشتی مل جائے جو مجھے دریا کے پار اتار سکے۔ لیکن یہاں تو آج سرکاری کام ہورہا ہے۔ اب پُل کے راستے جانا ہوگا۔''

غالباً شہر کے دوسرے حصے میں ریموت کو کوئی ضروری کام درپیش تھا۔ ملاحوں کے سردار نے اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے پیش کش کی۔ ''آپ مجھے اپنی خدمت کا موقع کیوں نہیں دیتے۔ میں اپنی چھوٹی کشتی پر آپ کو اس پار چھوڑ آتا ہوں۔''

''سرکاری کام میں حرج تو نہیں ہوگا؟''

''حرج کیسا۔ کام تو ہوتا رہے گا۔ ویسے بھی مجھے نگرانی کے لئے دوسرے ساحل پر جانا ہے

اور میرے علاوہ دوسرا کوئی ملاح آج دریا میں کشتی نہیں ڈال سکتا۔“

”پھر تمہاری پیش کش شکریے کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔“

مہرتاب نے موقع غنیمت سمجھا اور فوراً بولا۔”کیوں سردار ریموت! میں بھی کشتی میں تمہارا رفیق ہو سکتا ہوں؟“

”تم بھی دوسرے کنارے جاؤ گے؟“

”صرف چند لمحے کشتی میں گزارنا چاہتا ہوں۔“

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔میرا دریائی سفر دلچسپ ہو جائے گا۔“

اب بوڑھے ملاح سے مخاطب ہوا۔”کیوں سیسرا! مجھے تم اسی کنارے پر واپس لے آؤ گے نا؟“

”سردار ریموت کے ساتھ مجھے آپ کی خدمت کر کے بھی خوشی ہوگی۔“

پھر تینوں گھاٹ کی طرف بڑھے اور بار بردار کشتیوں کو چھوڑتے ہوئے اس کنارے آ گئے جہاں چند چھوٹی کشتیاں ساحل کے چوبی کھونٹوں کے ساتھ بندھی سطح آب پر ڈگمگ ڈگمگ ڈول رہی تھیں۔سیسرا کے اشارے پر ایک ملاح نے چھوٹی کشتی کا رسہ کھول دیا۔سردار نے چپو سنبھالے اور کشتی دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔

ریموت اور مہرتاب بظاہر ایک دوسرے کے دوست نظر آتے تھے لیکن درحقیقت ان کی ذمے داریوں کے حلقے مختلف بلکہ باہم متصادم بھی تھے اور کسی وقت بھی ان میں سے ایک، دوسرے کو قتل کر سکتا تھا کیونکہ دونوں ہی اپنے فرض کے پابند تھے۔مہرتاب سوچ رہا تھا اگر اس شخص کو معلوم ہو جائے میں کس مقصد کے لئے بابل آیا ہوں تو شاید ہم دونوں میں کوئی ایک دریا کے دوسرے ساحل پر نہ پہنچ سکے۔

کشتی فرات کے سینے پر تیر رہی تھی۔نجانے ریموت کیا سوچ رہا تھا لیکن اچانک مہرتاب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔”صاحبزادے! کہیں یہ نہ سمجھ لینا میں تمہارا تعاقب کرتا رہا ہوں۔یہ تو محض اتفاق تھا کہ دریا پر پہنچنے کے لئے میں شارع اساگیلہ سے گزرا اور اچانک تمہیں کاشانہ زہرہ سے نکلتے دیکھ لیا۔پھر دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ وہاں سے نکلتے ہی تم نے فرات کا رُخ کیا اور مجھے بھی ادھر ہی آنا تھا اس لئے تمہارے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔“

”واقعی یہ عجیب اتفاق ہوا ہے۔آج فرات پر ہماری ملاقات بھی تو ایک اتفاقی حادثے ہی

کا نتیجہ ہے۔مگر اس قسم کے اتفاق ہر روز نہیں ہوتے۔“

معلوم نہیں یہ سب کچھ اتفاقی تھا یا اس میں سردار ریموت کی کوئی تدبیر شامل تھی لیکن مہرتاب کے ذہن میں کوئی نامعلوم خطرہ ضرور کروٹ لے رہا تھا۔اچانک ریموت نے کہا۔

”میں ایک بات پر بڑا حیران ہوں۔“

”کس بات پر؟“

”شاید تم دریا پر کسی سے ملنے آئے تھے مگر وہ کون ہو سکتا ہے؟“

مہرتاب کے دل میں خطرے نے چٹکی لی۔”سردار ریموت! میں ڈوبنے کے لئے بھی دریا پر آ سکتا ہوں۔“

ریموت کا قہقہہ بلند ہوا۔”یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کیونکہ عاشقوں کی ہر بات نرالی ہوتی ہے۔“

مہرتاب اس کے ذہن سے کسی سے ملنے کا وہم نکال دینا چاہتا تھا۔عجیب سے لہجے میں بولا۔”تم ہی بتاؤ،کاشانہ زہرہ سے نکل کر اور کہاں جاتا۔صرف فرات کا نظارہ ہی عاشقوں کے لئے سکون بخش ہوتا ہے۔اگر آج کشتیاں سرکاری مال ڈھونے میں مصروف نہ ہوتیں تو کوئی کشتی کرائے پر لے لیتا اور دن بھر دریا کی سیر کرتا۔“

ریموت نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور سردار سیسرا کہنے لگا۔”جناب! آج نہیں تو البتہ پھر کسی دن آپ فرات پر آئیں تو میں آپ کو سیر کراؤں گا۔“

”شکریہ سردار سیسرا! آج کی سیر تو ہو گئی۔“

کشتی دوسرے کنارے گھاٹ پر جا لگی۔یہاں بھی ملاحوں اور غلاموں کی بھیڑ تھی۔ایک طرف سامان کے ڈھیر لگے تھے جسے کشتیوں پر لادا جا رہا تھا۔سرکاری گماشتے اور سپاہی بڑے مصروف نظر آ رہے تھے۔ریموت مہرتاب سے ہاتھ ملا کر کشتی سے اترا اور بولا۔”نہ جانے کیوں تم سے بار بار ملنے کو جی چاہتا ہے۔شاید عنقریب پھر ملاقات ہو۔“

مہرتاب نے بڑے آرام سے اس کے متجسسانہ جذبے کو یوں کاٹ دیا جیسے تلوار سے کسی کی گردن کاٹ دی جاتی ہے۔”بابل کی کنواریاں اور محبوبائیں بھی مجھ سے بار بار ملنے کی خواہش رکھتی ہیں مگر میرے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت کہاں ہے؟“

”خیر،اگر گو مانے کہا ہے تو تمہارے لئے نئے نئے حادثات ضرور ہوں گے مگر میں نصیحت

کرتا ہوں خود حادثوں سے بچ کے رہنا۔''

''بعض لوگ حادثوں سے ڈرتے ہیں مگر میں انہیں قید کر لیتا ہوں۔''

ریموت ساحل کی بھیڑ سے نکلتا چلا گیا۔ لوگ اس کے لئے راستہ چھوڑ رہے تھے۔ سردار سیسرا نے گھاٹ پر کام کرنے والے ملاحوں کو چند ضروری ہدایات دیں پھر فوراً ہی کشتی میں لوٹ آیا اور اس کا رخ بڑی تیزی سے مشرقی ساحل کی طرف موڑ دیا۔ اب کشتی میں وہ دونوں اطمینان سے گفتگو کر سکتے تھے۔ بوڑھے ملاح نے کہا۔ ''مجھے ریموت کی باتوں سے خطرے کی بو آتی ہے۔''

''خطرے تو ہمارے آس پاس ہی پھرتے ہیں سردار! ریموت پر لعنت بھیجو۔ میں نے ''فرشتوں'' کا کھوج لگا لیا ہے۔''

ملاح کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ''کہاں ہیں وہ؟''

''چاہِ بابل میں۔''

یہ سنتے ہی اس کے ہاتھوں سے چپو چھوٹ گئے۔ دل ڈوب گیا اور کشتی فرات کی لہروں پر ڈولنے لگی۔

''کشتی سنبھالو سیسرا ——!''

اس نے چپو پھر سنبھال لئے مگر چہرے پر مایوسیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ''اگر وہ زندہ ہیں تو شاید چاہِ بابل سے باہر نہ آسکیں کیونکہ یہ آخری سزا ہوتی ہے اور موت کے اس کنوئیں میں پھینک دیئے جانے کے بعد ہر انسان کے لئے زندگی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔''

''مگر تم نے تو کہا تھا شہزادی شمورہ کے حکم پر ہر دروازہ کھل سکتا ہے۔''

''شاید اب شمورہ بھی انہیں موت کے کنوئیں سے نہ نکال سکے۔''

''تو پھر آج رات میں خود کنوئیں میں اُتروں گا۔''

''تم ——'' بوڑھے ملاح کی آنکھوں میں پتلیوں کی گردش تھم گئی۔ ''موت کے اس کنوئیں میں اترو گے جس کی تہ سے آج تک کوئی انسان زندہ سلامت نکلتے نہیں دیکھا گیا۔''

''یہی فیصلہ کیا ہے میں نے۔''

''تمہیں یہ فیصلہ بدلنا ہوگا۔''

''میں تو پیچھے مُڑ کر دیکھنے کا بھی عادی نہیں، اپنا فیصلہ کیسے بدل سکتا ہوں؟''

''میں نے تمہیں شہزادی شمورہ کے پاس پہنچانے کا بندوبست کر لیا ہے۔ اس سے مدد حاصل کرو۔''

''اب شہزادی کی مدد کی ضرورت نہیں رہی۔ مجھے تمہارے بازوؤں کی مدد درکار ہے۔''

''کیا چاہتے ہو؟''

''دس بارہ آدمیوں کا انتظام کر سکتے ہو؟''

''ہو جائے گا۔''

''اور ایک رتھ بھی۔''

''وہ بھی سہی۔''

''تو —— آج رات کا پہلا پہر گزرنے کے بعد معبد نسروک کے عقب میں میرا انتظار کرو۔''

''مگر تم کرنا کیا چاہتے ہو؟''

''کچھ نہیں سردار سیسرا ——! بس تمہاری تلواروں کا لوہا ذرا مضبوط ہونا چاہئے۔ مقابلہ بنوسلان کے تیغ زنوں سے ہے۔''

بوڑھے ملاح نے حیرت پاش نگاہوں سے مہرتاب کی طرف دیکھا جو فرات کی طرح پُرسکون نظر آ رہا تھا لیکن جس طرح دریا کی تہ میں کتنے ہی بھنور گردش کر رہے تھے اسی طرح اس کے دل میں ایک تلاطم بپا تھا۔ کشتی پھر اسی ساحل پر، اسی گھاٹ سے آ لگی جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔ سردار نے رسہ پھینکا اور ایک ملاح نے اسے کنارے کے چوبی کھونٹے سے باندھ دیا۔ دونوں چھلانگ مار کر ساحل پر اترے اور فوراً ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

سیسرا مال بردار کشتیوں کی طرف —— مہرتاب شہر کی جانب۔

(22)

دوستی

◎

نورِ ناہید آموسی شام کے دھندے کی تیاریوں میں مصروف اور آئینہ تھامے زلفیں سنوار رہی تھی کہ دروازے پر دستک اُبھری۔ نشست گاہ کے کواڑ صرف بھیڑ دیئے گئے تھے۔ دروازے کی کنڈی نہیں چڑھائی گئی تھی اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوا تھا کہ کسی نے کھلے دروازے پر دستک دی ہو۔ سوڈانی خادمہ چیفو بھی جو ابھی ابھی اسے لباس پہنا کر فارغ ہوئی تھی اس دستک پر حیران رہ گئی کیونکہ دروازہ تو کھلا تھا۔ آموسی نے کہا۔ ''دیکھ تو کون ہے؟'' پھر خود ہی بڑبڑاتی رہی۔ ''فدیمہ کا چھوکرا ہوگا۔ کل ملی تو کہنے لگی۔ ذری اپنا سونے کا ہار تو بھجوا دینا۔ پہن کر سردار حنانی کی دعوت میں جاؤں گی۔ شاید چھوکرا ہار لینے آیا ہوگا۔''

چیفو دروازے کی طرف چلتی چلتی رک گئی اور پلٹ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ ''جانتی بھی ہو، فدیمہ کو چیزیں لوٹانے کی عادت نہیں۔ ایک ماہ پہلے آئینہ منگوایا تھا مگر ابھی تک واپس نہیں کیا اور آج سونے کا ہار۔''

''میں ہار بھجوانے کا وعدہ کر چکی ہوں۔''

''کوئی لوح تو نہیں لکھ دی؟''

''تو دروازہ کھول۔''

چیفو اپنی نوجوان مالکن کی عادت پر دل ہی دل میں کڑھتی اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی پھر آگے بڑھی۔ ''تم تو کچھ کہو گی نہیں، میں خبر لیتی ہوں اس چھوکرے کی۔ آئینہ بھی یہی لے گیا تھا۔'' پھر اس نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے کواڑ کھول دیئے اور حیران و ششدر سی پیچھے ہٹی۔

دروازے پر مہرتاب کھڑا تھا۔ وہ یگانۂ عصر مہمان جو ماہ نیسان کی تیسری رات اسی بالا خانے پر ٹھہرا تھا اور جب وہ چلا گیا تو نورِ ناہید کئی دن، کئی راتیں اس کی تلاش میں بھٹکتی رہی تھی۔ چیفو مہمان کو دیکھتے ہی گھبرا سی گئی اور تعظیماً جھکتی ہوئی بولی۔ ''سلام ـــــ سلام۔''

آموسی آئینے پر جھکی رخسار کے قریب کاکل کو خم دے رہی تھی اسی حالت میں پوچھنے لگی۔

''کون آیا ہے چیفو!''

''خود ہی دیکھ لو نا۔'' خادمہ بڑی تیزی سے نوجوان مالکن کے پاس پہنچ گئی تھی۔

نورِ ناہید نے آئینے سے سر اٹھایا اور پلٹ کر دیکھا تو آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ دو تین بار پلکیں جھپکائیں، پھر ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی مگر منہ سے کچھ بولی نہیں۔ مہرتاب نے کھلے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑے کھڑے اس کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات اور آنکھوں میں گھومتے ہوئے سوالات کا جائزہ لیا۔ اس کی بے رخی یا سرد مہری محسوس کی اور اسے خاموش دیکھ کر کہا۔ ''نورِ ناہید ـــــ کیا اندر آنے کے لئے نہیں کہو گی؟''

''آیئے صاحب! تشریف لایئے۔'' چیفو دونوں بانہیں پھیلا کر ایک بار پھر جھک گئی اور کاوا کاٹ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ شاید دونوں کو تنہائی کی گفتگو کا موقع دینا چاہتی تھی۔

آموسی دورناہید آئینہ ہاتھ میں لئے حیران سی، بے جان سی کھڑی تھی جیسے اس حقیقت کا ادراک کر رہی ہو کہ جو کچھ دیکھ رہی ہے یا جو کچھ نظر آ رہا ہے کہیں وہم تو نہیں، کوئی دھوکا، کوئی فریب نظر تو نہیں۔ اور مہرتاب چوکھٹ میں بدستور کسی بُت کی طرح ایستادہ غالباً اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ خود اجازت دے تو پاؤں دہلیز کے اندر رکھے۔ دو چار لمحے اسی حالت میں گزر گئے۔ نہ مہرتاب نے اپنی بات دہرائی نہ نورِ ناہید نے زبان ہلائی لیکن اپنے عجیب سے رویے کا احساس ہوا تو خشک لہجے میں جس سے کسی جذبے کا اظہار نہیں ہوتا تھا بولی۔ ''اندر آ جاؤ نا۔ دروازے میں کیوں کھڑے ہو؟''

مہرتاب ہولے ہولے چلتا جیسے دیوتا خوابوں میں چلتے دکھائی دیتے ہیں، آگے بڑھا اور عین آموسی کے مقابل رک کر اس کی گہری آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ ''ناراض ہو مجھ سے؟''

نورِ ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ دن کا اُجالا اس کی آنکھوں میں دم توڑ رہا تھا اور شام کی سیاہی زلفوں کی لہروں میں بہہ رہی تھی۔ وہ اس کی خاموشی اور سرد مہری کا مطلب سمجھتا تھا پھر بھی ایک شوخ و شنگ لڑکی کو اس طرح حسرت و یاس کی تصویر

بنی دیکھ کر درد کی ایک لہر اس کے دل کو چھوتی ہوئی گزرنے لگی۔ ”تم نے جواب نہیں دیا میرے سوال کا؟“

نورِ ناہید جواب کیا دیتی۔ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب تھا ہی نہیں۔ وہ تو بس اندر ہی اندر سلگتی اور پگھلتی جا رہی تھی۔ اس کے نتھنے پھڑکنے اور ہونٹوں کے کنارے تڑپنے لگے۔ پلکیں آپ سے آپ بھیگتی چلی گئیں۔ پھر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر مڑی تو آئینہ ہاتھ سے گر کر ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا اور خود بستر پر ڈھیر ہوگئی۔ بس یہی ایک ”چھناکا“ جو آئینہ یا نورِ ناہید کا دل ٹوٹنے سے پیدا ہوا مہرتاب کے ہر سوال کا جواب تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس کا اپنا دل غوطے کھانے لگا اور آگے بڑھ کر اس کے قریب ہی بستر پر جا بیٹھا۔ آموی تکیے میں سر دیئے رو رہی تھی، سسکیاں بھر رہی تھی اور اس کا نازک سا، کومل سا بدن جس پر نہ جانے کتنے ہاتھوں کی یورش ہو چکی تھی، غم کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ مہرتاب نے آواز دی۔ ”نورِ ناہید ــــــ!“

مگر یہ آواز کہیں ڈوب کے رہ گئی۔ آخر اس نے ہمت کر کے ایک بار پھر اسے بلانے کی کوشش کی۔ ”میں جانتا ہوں تمہارے دل کو صدمہ پہنچا ہے مگر رونے سے کیا فائدہ؟“ جواب میں وہ صرف اس کی سسکیاں سنتا رہا۔ یہ سسکیاں ایک ایسی عورت کی مجبوریوں اور محرومیوں کی داستان سنا رہی تھیں جسے زندگی کی ہر خوشی چھین کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا ہو۔ مہرتاب اس کے روگ سے واقف اور جانتا تھا کہ وہ ملتے ہی شکایات کا پٹارہ کھول دے گی۔ بھلا بجز شکایت اسے کہنا ہی کیا تھا وہ اس کی ساری شکایتیں، تمام گلے شکوے سننے کے لئے تیار تھا مگر آموی نے لفظوں کی بجائے آنسوؤں کو اپنی شکایتوں کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور اسی بات نے مہرتاب کو پریشان کر دیا کیونکہ ہر مرد عورت کے آنسوؤں کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ جب وہ کئی ساعتیں بستر پر اوندھی پڑی سسکیاں لیتی رہی تو بے چین ہو کر بولا۔ ”کچھ کہو گی یا چلا جاؤں؟“

”چلے جاؤ۔“ آموی نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔ ”میں تمہیں بلانے نہیں گئی تھی۔ خود آئے ہو۔“

الفاظ تلخ اور کڑوے تھے مگر ان سے ایک جذبے کا اظہار ہوتا تھا اور وہ جذبہ غالباً یہ تھا کہ خود آئے ہو تو جاتے کیوں ہو، میرے تڑپنے کا تماشا دیکھتے رہو۔ واقعی یہ تماشا ایک ایسے شخص کے لئے سزا سے کم نہ تھا جو اس سے پہلی ہی ملاقات میں ہمدردی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا۔ ”تمہیں

کچھ اور بھی کہنا ہے؟“

”ہاں ــــــ“ نورِ ناہید بھرائی آواز اور بھیگے لہجے میں کہنے لگی۔ ”صرف یہ پوچھنا ہے تم سے کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی کی تھی، تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تھا، تمہاری کوئی رقم لوٹ لی تھی؟“

”یہ کیا کہہ رہی ہو ــــــ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔“

”پھر تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟ میرے گھر سے منہ اندھیرے ہی کیوں بھاگ لئے؟ میری سہیلی کی مورتی کیوں لے گئے حالانکہ میں نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا تھا۔“

”بے شک مجھ سے یہ غلطی سرزد ہوئی مگر میں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ تم سے ملوں گا تو معذرت کر لوں گا۔ جرمانہ بھر دوں گا۔ اب جو سزا چاہے دے لو۔“

”اگر جرمانہ ہی بھرنا تھا، سزا ہی بھگتنی تھی تو دوسرے دن پلٹ کر کیوں نہیں آئے؟ مگر تم آنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ادھر میں تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈتی پھری، کہاں کہاں بھٹکتی رہی۔ مجھے زہرہ جمال کے گھر کے چکر بھی کاٹنے پڑے، نہ جانے وہ کیا سوچتی ہوگی۔ تمہاری تلاش میں پیدل چلتے چلتے تھک کر چور ہوگئی۔ بدن ٹوٹنے لگا، بخار آ گیا۔ کئی روز بستر پر پڑی تڑپتی رہی لیکن تم نے پلٹ کر خبر بھی نہ لی۔ یہ پوچھنے بھی نہ آئے کہ بدنصیب مر گئی ہے یا ابھی کچھ جان باقی ہے۔“

مہرتاب صفائی میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ نورِ ناہید نے چہرہ اٹھا کر جس پر آنسوؤں کی دھاریں خشک ہو رہی تھیں اسے وہیں روک دیا اور بڑے کرب آمیز لہجے میں بولی۔ ”تم تو میرے دُکھ بانٹ لینا چاہتے تھے مگر نیا زخم لگا کر چلے گئے۔ تمہارا اظہارِ ہمدردی محض مجھے بے وقوف بنانے کے لئے تھا کہ میرے پاس خلوص کی جو پونجی رہ گئی ہے اسے بھی لوٹ کر لے جاؤ۔ بتاؤ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا؟“

یہ کہتے کہتے آنکھوں سے پھر آنسوؤں کی دھار پھوٹ پڑی اور پھر بستر پر ڈھیر ہو کر سسکیاں بھرنے لگی۔ آنسوؤں کے ساتھ ساتھ اس نے لفظوں کی صورت میں بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لی تھی لیکن مہرتاب محسوس کر رہا تھا کہ ابھی اس کے زخموں کا الاؤ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ابھی اس کے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ ہے جب کہ خود مزید کچھ سننے کی تاب نہ رکھتا تھا۔

نورِ ناہید کی گلوگیر آواز، جلے کٹے لفظوں اور پلکوں سے ٹوٹتے آنسوؤں نے اس کے دل کو

کچوکے سے دیئے اور دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا نورِ ناہید کے ساتھ اس کا سلوک کچھ اچھا نہ تھا جو لڑکی بچپن ہی سے مصیبتوں کا شکار رہی جسے تقدیر نے، زمانے نے، بدنصیبی نے دنیا کی خوشیوں سے حصہ نہ لینے دیا اور وہ ایک شریف زادی سے کسبی بنا دی گئی اگر اس سے کوئی امید وابستہ کر بیٹھی یا اسے اپنا سمجھنے لگی تو مہر تاب کو غیریت کا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے تھا مگر وہ تو اس کے گھر سے چوروں کی طرح یوں بھاگا تھا کہ کوئی پتہ نشان بھی نہ چھوڑا اور نورِ ناہید کو تلاش و انتظار کی اذیت بھی اٹھانا پڑی۔ اس اذیت میں مہر تاب کے ارادے کا کوئی دخل نہ تھا مگر جو کچھ ہوا اس نے آموسی کی کتابِ زندگی میں درد و کرب کے ایک نئے باب کا اضافہ کیا تھا اور اس وقت وہ بستر پر اوندھی لیٹی اسی کرب، اسی درد کی آگ میں جل رہی تھی، پگھل رہی تھی۔ مہر تاب خود کو ملامت کرتا ہوا اس کے کچھ اور قریب ہو گیا پھر آموسی کی بکھری زلفیں پرے ہٹائیں اور کندھے پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ ''کیا مجھے معاف نہیں کرو گی نورِ ناہید ـــــ! واپس آنے میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن میں لوٹ آیا ہوں۔ اٹھ کر میری طرف دیکھو تو سہی۔''

آموسی ابھی تک سسکیاں بھر رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو آپ سے آپ بہہ رہے تھے مگر مہر تاب کے الفاظ زخمی دل پر مرہم کا کام کر گئے۔ اب وہ اس کی صفائی کا بیان توجہ سے سن رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''بے شک میرے سلوک سے تمہیں تکلیف پہنچی مگر تم میری مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتی۔ تمہارے گھر میں قیام میری ایک ضرورت تھی، فرار ایک مقصد۔ اور میں خود چند روز مخفی رہنے پر مجبور تھا لیکن ان ایام میں بھی تمہیں یاد کرتا رہا ہوں۔ جانتا تھا تم روٹھ جاؤ گی مگر میں منانے کے لئے آگیا ہوں۔ اب اٹھو اور آنسو پونچھ دو۔''

یہ باتیں نورِ ناہید کی ٹوٹی پھوٹی ذات کو پھر جمع کرنے لگیں۔ اسی اثناء میں مہر تاب نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی کو پکڑ لیا پھر آہستہ آہستہ چہرہ اوپر اٹھایا۔ آموسی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ رخساروں پر آنسوؤں کی کتنی ہی خشک و تر لکیریں تھیں۔ چہرہ روتے روتے کچھ اور سرخ ہو گیا یا آنسوؤں سے دھل گیا تھا۔ اس نے نتھنے سکیڑ کر سکہ مارا اور مہر تاب اپنی قبا کے دامن سے آنسو صاف کرنے لگا۔ یہ التفات نورِ ناہید کے دل سے کدورت کی آخری گرد بھی دھو کر لے گیا۔ ہلکی سی سسکی لے کر بولی۔

''جانتی ہوں میں تمہارے قابل نہیں۔ ایک چھوڑی ہوئی ہڈی تم جیسے کسی بھی معزز مہمان

کے دستر خوان کے لائق نہیں ہوتی مگر میں نے یہ اصرار کب کیا تھا کہ ضرور میرے عاشق بن کر آؤ۔ دوست بن کر بھی تو آ سکتے تھے۔ کیا میں اتنی بری ہوں کہ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہوئے بھی عار محسوس کرتے رہے؟''

''نہیں نورِ ناہید ـــــ نہیں۔ میں تمہاری دوستی میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا بلکہ اسی تعلق کے باعث ایک ایسے جذبے سے آگاہ ہوا ہوں جو اس کائنات کی تکمیل کرتا ہے۔ کوئی ایسی بات نہ کہو جس پر تمہیں خود یقین نہ ہو۔''

آموسی نے یہ باتیں ایک نئے احساسِ مسرت کے ساتھ سنیں۔ ''کیا واقعی دل سے میری دوستی کا اقرار کرتے ہو؟''

''نہ صرف اقرار کرتا بلکہ تمہیں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم بازار کی کسبیوں کے روبرو بھی میری دوستی کا اعلان کرو اور انہیں بتا دو کہ وہ اجنبی جو ''کنواری دخترِ بابل'' کا دولہا بن کر آیا ہے جسے دیکھتے ہی مقدس گوما کی مُہرِ سکوت ٹوٹ گئی، جس کے لئے نئے نئے واقعات، نئے نئے حادثات ظہور میں آئیں گے اور جسے شاہ بنونید نے اپنے مشیرانِ خاص میں جگہ دی ہے تمہارا دوست ہے اور دوست بھی ایسا کہ تم اسے جو حکم دو گی وہ بجا لائے گا۔''

یہ الفاظ نہیں قسمت کے ستارے تھے جن کی روشنی کے لئے وہ زندگی کے اندھیروں میں بھٹکتی رہی تھی۔ کسی بھی شخص نے آج تک اس کی خاطر ایسے تعلق کا اظہار نہیں کیا تھا۔ مہر تاب نے عشق سے دامن بچا لیا مگر دوستی کا اقرار کر کے اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی بخش دی تھی اور ایسے یگانہ عصر نوجوان کی دوستی جسے دیکھتے ہی مقدس گوما پھر کلام کرنے لگا تھا، بابل کے دیوتاؤں کی خوشنودی سے بھی بڑھ کر درجہ رکھتی تھی۔ نورِ ناہید کے عارضوں پر گلاب سے کھل اٹھے۔ آنکھوں میں زہرہ و ناہید کی سی روشنی چمکنے لگی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

''بس مہر تاب! مجھے یقین آ گیا کہ تم واقعی میرے ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔ ڈلفی کی قسم! تمہاری دوستی میرے لئے محبت سے بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔''

''میرے لئے یہی بہت ہے کہ تمہیں میرے خلوص پر یقین آ گیا۔''

اب وہ سنبھل کر خوش خوش اس کے پہلو میں بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ ''میں نہیں جانتی بیدخت کے ساتھ تمہارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے۔ راحتِ شب لیلیٰ کہتی ہے تم دونوں کے درمیان محبت کے عہد و پیمان ہو چکے ہیں۔ اگر یہی ہوا ہے تو میں خوش ہوں کیونکہ تم دونوں کے ساتھ

میرا بھی ایک تعلق ہے مہرتاب ــــــ! ذرا غور تو کرو، اگر میں ''پیاری'' کہلائی تو بیدخت زہرہ جمال کی جو بابل کی اور شاید دنیا کی سب سے خوب صورت عورت ہے اور دوست بنی تو تمہاری جو مردوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔''

مہرتاب کو اس کا یہ اظہارِ تعلق اچھا لگا جس میں ایک عجیب سا احساسِ فخر نمایاں تھا۔ ''واقعی یہ اتفاق حیرت انگیز ہے کہ تمہارا تعلق ہم دونوں سے ہے۔''

''اب میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھنے لگی ہوں۔''

''نورِ ناہید ــــــ! تم واقعی خوش قسمت ہو۔ پہلی رات جب تمہارا مہمان بنا تو یہ نہیں بتایا کہ میں کون ہوں اور اس شہر میں کیوں آیا ہوں۔ یہ بات میں آج بھی نہیں بتاؤں گا لیکن یہ خوشخبری ضرور دینا چاہتا ہوں کہ بہت جلد تمہاری ذات سے ذِلت، نفرت اور خوف کے تمام سائے دور ہو جائیں گے اور تم ناہید ستارے کی مانند اُجلی نظر آؤ گی۔''

نورِ ناہید ان الفاظ کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھی لیکن احساسِ مسرت سے دل دھڑکنے لگا تھا۔ ''مہرتاب! مجھے اتنی خوشیاں نہ دو کہ برداشت نہ کر سکوں۔ یہی کیا کم ہے کہ تم لوٹ آئے ہو۔ مجھے تمہاری دوستی مل گئی ہے۔'' پھر سوڈانی خادمہ کو آوازیں دینے لگی۔ ''چیفو ــــ چیفو ــــ! ذرا یہاں تو آ۔''

''کیوں بلا رہی ہو اُسے؟''

''تم اتنے دنوں، اتنی راتوں کے بعد لوٹے ہو، کیا کچھ خاطر مدارات بھی نہ کروں۔''

''کیا ضرورت ہے اس تکلّف کی؟''

''تکلف ــــ؟ آج تو جی چاہ رہا ہے تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور میں ساری رات تمہارے پاؤں دباتی رہوں۔''

مہرتاب کو اس کی سادگی اور بے چارگی پر ترس آنے لگا۔ اسی اثناء میں خادمہ آ گئی اور آموسی کہنے لگی۔ ''چیفو! گھر میں کھانے پینے کو کچھ تو ہوگا۔ جا ذرا لبنان کی شراب اور تھوڑی سی مچھلی ہی لے آ۔''

''نہیں چیفو! تمہیں کسی تردّد کی ضرورت نہیں۔ آج میں شراب نہیں پیوں گا۔''

نورِ ناہید نے حیرت سے دیکھا۔ ''کیوں نہیں پیو گے؟''

''تمہاری باتیں سنوں گا ــــ ان میں زیادہ نشہ ہے۔''

''بنا رہے ہو مجھے۔''

''نہیں ــــ تم تو خود ہی بنائی ہو۔''

''اب ستاؤ گے بھی؟''

''تم کس چکر میں پڑ گئیں۔ آج میں مہمان نہیں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو خود طلب کر لوں گا۔ چیفو! تم جاؤ۔''

''چلو یونہی سہی۔ مگر چیفو! کھانے کے لئے کچھ ضرور تیار کر لینا نری باتوں سے پیٹ نہیں بھرتا۔''

خادمہ مُڑنے لگی تو ناگاہ اس کی نظر ٹوٹے ہوئے آئینے پر پڑی جو فرش پر گر کے چکنا چور ہو گیا تھا۔ ''یہ کس نے توڑا؟''

''کوئی تیسرا بھی نظر آتا ہے تجھے کمرے میں؟ ہمی دونوں تھے۔''

پھر نورِ ناہید کہنے لگی۔ ''آئینہ ٹوٹنے کا غم نہ کر۔ اس کے عوض آج مجھے ''آئینۂ نمرود''[!] سے بھی ایک قیمتی اور نادر شے مل گئی ہے۔ بس اس کی کرچیاں اٹھا لے اور کمرے میں روشنی کر دے۔''

خادمہ نے بڑی احتیاط کے ساتھ آئینہ کے ٹکڑے اور ریزے سنبھالے پھر دونوں قندیلیں روشن کر کے کمرے سے نکل گئی۔ روشنی میں نورِ ناہید کا چہرہ کچھ اور نکھر آیا۔ مہرتاب اس کے چہرے کی اس نئی شادابی کو دیکھ رہا تھا کہ زینے والا دروازہ جس کے صرف پٹ بھیڑ دیئے گئے تھے ایک دھماکے سے کھلا اور زرق برق لباس میں ملبوس ایک بھاری سی، جوان سی، خوبصورت سی عورت آندھی کے تیز جھونکے کی طرح اُڑتی ہوئی اندر آئی اور بے اختیار پکاری۔ ''ہائے میری نورِ ناہید!'' مگر آموسی کے پاس ایک مرد کو بیٹھے دیکھ کر حیرت سے انہی قدموں رک گئی۔

''نورِ ناہید! تیری خلوت میں مخل ہونے کی معافی چاہتی ہوں۔ اب مجھے کیا علم تھا تُو سرِ شام ہی رنگ رلیاں منا رہی ہوگی۔ نادان لڑکی! ایسے موقع پر دروازے کی کنڈی تو چڑھا لیا کرو۔''

آموسی اور مہرتاب نے بیک وقت رخ موڑا اور آنے والی کو دیکھا۔ نورِ ناہید فوراً ہی کھڑی

[!] روایتی طور پر ایک طلسمی آئینہ جس میں گمشدہ لوگ نظر آ جاتے تھے۔ بابل کے ساحروں نے جو چھ طلسم ایجاد کئے ان میں ایک آئینہ بھی تھا۔ (تفسیر عزیزی پارۂ اول زیر لفظ ''سحر'') تاریخی طور سے یہ روایت غلط ہے۔ دراصل ہزاروں سال قبل جب آئینہ ایجاد ہوا تو اسے جادو سے تعبیر کیا گیا کیونکہ یہ حیرت انگیز ایجاد تھی۔ (مصنف)

ہوگئی۔ ''اری فدیمہ! میرا تو خیال تھا تُو اپنے چھوکرے کو بھیجے گی مگر خود آ دھمکی ہے۔ شاید سوچتی ہوگی میں اسے ٹال دوں گی۔ لیکن چیفو سے پوچھ لینا میں نے ہار کے بارے میں اسے بھی ہدایت کردی تھی۔ اری وہیں ٹھنک کے کیوں رہ گئی ہے، آگے آجا۔''

فدیمہ جو دعوت پر جانے کی خاطر گھر سے پوری طرح بن ٹھن کر نکلی تھی ایک غیر مرد کو دیکھ کر بری طرح ٹھنک گئی بلکہ گم صم سی ہو کے رہ گئی تھی کیونکہ معاملہ محض ایک ''غیر مرد'' کا نہیں تھا یہاں تو صورتِ حال ہی کچھ اور تھی اور نورِ ناہید کے پاس وہی البیلا جوان نظر آیا تھا جسے چاند کی تیسری رات بھی اس کے ہمراہ دیکھ چکی تھی۔ آموسی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مہمان کو دیکھ کر کہاں کھوگئی ہے تُو ــــــ آ، تیرا تعارف کراؤں۔''

پھر اسے کھینچ کر مہرتاب کے قریب لائی جو اخلاقاً کھڑا ہوگیا تھا اور کہنے لگی۔ ''یہ میری سہیلی فدیمہ ''بہارِ حُسن'' ہے۔ بڑی شوخ، خوش مزاج اور منہ پھٹ ہے۔ تم اس کی کسی بات کا برا نہ منانا۔ اور فدیمہ بہارِ حُسن! یہ مہرتاب ہے جو ''کنواری دُخترِ بابل'' کا دُلہا بن کر آیا ہے جسے دیکھتے ہی مقدس گوما کی مُہرِ سکوت ٹوٹ گئی۔ جس کے لئے نئے نئے واقعات، نئے نئے حادثات ظہور میں آئیں گے، جسے شاہ بنونید نے اپنے مشیرانِ خاص میں جگہ دی ہے جس نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں اس کی دوستی کا اعلان کردوں اور سب کو بتادوں کہ میں اسے جو حکم دوں گی یہ بجالائے گا کیوں مہرتاب! میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی؟''

''نہیں ــــ تم نے ایک ایک لفظ درست کہا ہے اور میں نے تمہیں انہی باتوں کا اختیار دیا تھا۔''

فدیمہ بہارِ حُسن جو مہرتاب کو دیکھتے ہی جیسے سکتے میں آگئی تھی یہ عجیب اور انوکھا تعارف سن کر طلسم و حیرت کے بھنور میں ڈوبنے لگی کیونکہ آج تک کسی عورت نے کسی مرد کا ایسا تعارف نہیں کرایا تھا۔ اسے چپ چپ سی دیکھ کر آموسی نے پوچھا۔ ''اب بتا، تجھے یہ سب کیسا لگا؟''

فدیمہ ہوش میں آنے لگی۔ ''نورِ ناہید! میں مبارک باد دیتی ہوں کیونکہ تجھے ایک ایسا دوست مل گیا ہے جسے دیکھ کر دیویاں بھی پاگل ہوجائیں۔''

''کہیں تُو پاگل نہ ہوجانا۔''

''میری بات چھوڑ مگر ہر کسی کے سامنے اس کی دوستی کا اعلان نہ کرتی پھرنا ورنہ کسبیاں اور طوائفیں تو کیا، معزز بیگمات و خواتین بھی تیری دشمن بن جائیں گی۔''

''میری جوتی سے ــــ تُو اپنی کہہ۔''

''بھلا میں تیری دشمن کیوں ہونے لگی؟'' پھر ''بہارِ حُسن'' خوش طبعی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ ''اگر جلوداروں کا سردار حنانی ہی میرے شکنجے میں آجائے تو غنیمت ہے مگر وہ موٹو ہر بار بچ نکلتا ہے۔''

''اری ہاں، یاد آیا۔ یہ سردار حنانی دعوت کس خوشی میں دے رہا ہے؟''

''تجھے نہیں معلوم؟ بادشاہ نے اسے ہیرے جواہرات انعام میں دیئے اور جلوداروں کی سرداری کے ساتھ ہیکل بل مردوک کی حفاظت بھی سونپ دی ہے۔ ہیکل کی نگرانی ایک بڑا اعزاز ہے۔ اس نے دعوت میں بڑے بڑے امیروں، رئیسوں اور سرداروں کو بلایا ہے۔ بڑا ہنگامہ ہوگا آج وہاں۔ رات بھر جشن رہے گا۔'' پھر اچانک کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ ''میں تو کہتی ہوں تُو بھی چل میرے ساتھ اور مہرتاب کو بھی ساتھ لے لے۔ عورتیں تو کیا مرد بھی دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ تُو بھی کوئی شے ہے۔''

''مگر ابھی تو کہہ رہی تھی میں مہرتاب کی دوستی کا اعلان نہ کرتی پھروں، عورتیں دشمن ہو جائیں گی۔''

''یہ تو میں اب بھی کہتی ہوں۔ مگر دوستی کا اعلان کیا ضروری ہے۔ مہرتاب کے ہمراہ کسی دعوت میں شریک ہونا ہی کافی ہے۔''

''میں کسی دعوت میں بن بلائے کیوں جانے لگی؟''

''اری میں بلا رہی ہوں تجھے اور تُو جانتی ہے سردار حنانی پر میرا کیا حق ہے۔''

''فدیمہ بہارِ حُسن! مہرتاب کی خلوت چھوڑ کر میں بھلا تیرے حنانی کی دعوت میں کیوں جاؤں؟ تُو جا اور اُس موٹے ٹُپّے کو اپنے شکنجے میں کستی پھر۔ ہاں تیرے لئے ہار منگوائے دیتی ہوں۔'' پھر نورِ ناہید نے چیفو کو آواز دی کہ ہار نکال لائے۔

خادمہ کو ہرگز پسند نہ تھا کہ اس کی نوجوان مالکن اپنی اشیاء کسی اور کو دے مگر اسے حکم کی تعمیل تو کرنا پڑی۔ وہ ہار لے کر آئی اور فدیمہ کی طرف بڑھا کر بولی۔ ''پہلے ایک آئینہ بھی دیا تھا اگر فارغ ہوگیا ہو تو بھجوا دینا۔'' اور جلی کٹی سنا کر لوٹ گئی۔

''ہاں، ہاں بھجوا دوں گی۔'' اور ہار جو اتنا قیمتی تو نہیں مگر فونیقی کاریگری کا بہترین نمونہ تھا گلے میں پہن لیا۔ فدیمہ کے زرق برق لباس پر اس کی سج دھج دیکھنے والی تھی۔ خوش ہو کر بولی۔ ''شکریہ نورِ ناہید! تُو اکثر میرے کام آتی ہے۔ یہ ہار پہن کر دعوت میں جاؤں گی تو میری بھی

کچھ شان ہوگی۔"

"مگر ذرا سنبھال کے رکھنا فدیمہ! میری ماں کا ہے اور تُو جانتی ہے میں اس کی ہر شے کی بڑی حفاظت کرتی ہوں۔"

"فکر نہ کر، کل ہی لوٹا دوں گی۔" پھر مہرتاب سے مخاطب ہوئی۔ "مہرتاب! میری سہیلی کو جو اختیار تم نے دیا ہے کہیں واپس نہ لے لینا۔"

"میں کوئی چیز کسی کو دے کر واپس نہیں لیا کرتا۔"

فدیمہ تو نورِ ناہید کو پیار کر کے رخصت ہوگئی اور پھر وہ مہرتاب کے ساتھ آ گئی۔ اتنی خوش نظر آتی تھی جیسے مہرتاب کی دوستی کیا، پوری کائنات مل گئی ہو۔ اچانک وہ کہنے لگا۔ "نورِ ناہید! آج تمہارے پاس ایک خاص مقصد لے کر آیا ہوں۔"

آموسی نے چونک کر دیکھا۔ "کیا مقصد ہے؟"

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"کہاں؟"

"جہاں میں لے جاؤں۔"

"بس ـــــ؟"

"اور میرا کہنا ماننا ہوگا۔"

"کیا؟"

"جو میں کہوں۔"

"مجھے تمہارے کسی حکم سے انکار نہیں ہوگا مگر بات کیا ہے مہرتاب!"

"آج تمہیں ایک نئے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری آنکھوں میں اتنی چمک ہونی چاہئے کہ ان سے خنجر کا کام لے سکوں۔ دل اتنا مضبوط ہو کہ کسی کو خون میں لت پت دیکھ کر بھی قہقہہ لگا سکو۔"

آموسی بے طرح اچھلی۔ "یہ آج کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"سوال نہ کرو، صرف جواب دو۔ کر سکو گی ایسا؟"

"مگر تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟"

"میں نے کسی مظلوم کے انتقام کی قسم کھائی ہے۔"

"کس سے انتقام لو گے؟"

"جس سے کہو گی۔" مہرتاب نے اس کے سامنے ایک چال رکھ دی۔

"جس سے کہوں گی؟"

"ہاں ـــــ کسی کا نام لو۔"

بڑی عجیب پیش کش تھی۔ بڑا عجیب لحجہ تھا۔ اس کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ سوچنے لگی کس کا نام لے۔ ذہن میں کئی صورتیں، کئی چہرے جلوہ گر ہوئے مگر ایک صورت، ایک چہرہ سب سے نمایاں تھا اور وہ چہرہ تھا بابل کے شیطان داروغہ بنوسلان کا جس نے سب کچھ لوٹ کر اسے جسم فروشی کی غلاظت میں دھکیل دیا تھا۔ چاہتی تھی اس کی گردن دبا دے، گلا گھونٹ دے لیکن اس کی طاقت اور اپنی کمزوری کا خیال کر کے زہریلی مسکراہٹ سے بولی۔ "جانے دو مہرتاب! میں تمہیں کسی امتحان، کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتی۔"

مہرتاب نے اس کے ذہن میں ہونے والی کشمکش سے کچھ اندازہ کر لیا۔ جانتا تھا وہ بنوسلان ہی کا نام لے گی جو اس کی تباہی کا باعث بنا مگر نورِ ناہید اس کی سرکاری حیثیت اور بے پناہ طاقت سے ڈر گئی تھی۔ مہرتاب نے بھی فی الحال اخفائے راز میں مصلحت سمجھی حالانکہ آج وہ اسے چاہِ بابل کے داروغہ بنوسلان ہی کے پاس لے جانے کے لئے آیا تھا۔ مگر اس نے ذہن میں سوچا، اس سیدھی سادھی لڑکی کو اپنے ہی خیالوں میں گم رہنے دو مبادا اس کی گزری ہوئی زندگی اور اس زندگی میں ٹوٹنے والی ہر قیامت "عورت کی کمزوری" بن کر پھر سامنے آ جائے اور وہ خوف اور دہشت اور سراسیمگی کی حالت میں اس کا راستہ روک لے۔ اسے دوستی اور زندگی کا واسطہ دے کر حصولِ مقصد سے باز رکھے۔ اس کے ارادے کو خلافِ مصلحت قرار دے کیونکہ مصلحت انسان کی کمزوری کا دوسرا نام ہے مگر وہ تو آج عقل اور مصلحت کا کوئی عذر سننے پر تیار نہیں تھا۔ پھر بھی اس کا جی رکھنے کے لئے بولا۔ "چلو تم جیسا کہتی ہو ویسا ہی سہی۔"

"تم کتنے اچھے ہو مہرتاب! آج تم نے میری ہر بات مان لی ہے۔ مگر میں بھی تمہارے کسی حکم سے انکار نہ کروں گی۔ جہاں چاہے لے جاؤ۔"

باتوں ہی باتوں میں شام کے پُرسکون لمحے رات کے ہنگاموں میں تبدیل ہو گئے۔ بابل کے بازاروں میں زندگی اپنی تمام تر سرمستیوں کے ساتھ جاگ اٹھی۔ آج مہرتاب کی اپنی زندگی کی ایک معرکہ خیز رات تھی اور اس رات سے نمٹنے کے لئے وہ بساط کے سارے مُہرے تیار کر چکا، سب

چالیس سوچ بیٹھا تھا۔ جانتا تھا قلعہ اساگیلہ میں رسد کے نئے ذخیرے جمع ہو گئے ہیں اس لئے آج رات شاہ بنونید، بیلشازار، میر معظم، فوج کے افسر، شاہی ہرکارے اور کارندے سب اطمینان کی نیند سوئیں گے۔ ریموت سے بھی ملاقات کا کوئی امکان نہیں کیونکہ دن کو وہ کافی مصروف نظر آیا تھا۔ سردار حنانی کے ہاں تو آج رات دعوت ہو رہی تھی۔ اس نے امیروں، رئیسوں اور اپنے دوستوں کو بلا رکھا تھا۔ ان کی یہ رات نشہ و مستی اور حُسن و شباب کی دلچسپیوں میں گزرے گی۔ بابل کے اُمراء کی دعوتیں کبھی کبھی ساری ساری رات چلتی تھیں۔ جہاں شراب کے خم لنڈھائے جاتے وہاں عورتیں موسم کے پھلوں کی طرح تقسیم ہوتی تھیں۔ ان تمام حالات کے پیش نظر مہرتاب کے خیال میں یہ رات چاہِ بابل کے داروغہ بنوسلان سے نمٹنے کے لئے انتہائی موزوں تھی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا، نورِ ناہید کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بار بار پوچھتی۔ ''کہاں جانا ہے مہرتاب! کب جانا ہے؟'' اور ادھر ہر سوال کا ایک ہی جواب تھا۔ ''انتظار کرو۔'' یہی دو لفظ اس کے دل کو بے چین کئے دے رہے تھے اور وہ چاہتی تھی، یہ انتظار ختم ہو اور جہاں وہ اسے لے جانا چاہتا ہے لے جائے اور جو کچھ ہونا ہے ہو جائے تا کہ پتہ تو چلے اس کے جی میں کیا ہے اور وہ کس مقصد کے لئے آیا ہے۔

ٹھیک اس وقت جب رات کا پہلا پہر گزرنے والا تھا اور کسبیوں کے حجروں اور جنسی دیوی دیوتاؤں کے مندروں اور صنم کدوں اور شراب خانوں میں گناہ اور لذت اور ہوس اور نشہ و سرور کے ہنگامے جوان ہو گئے تھے، مہرتاب یک لخت یوں کھڑا ہو گیا جیسے تقدیر کھڑی ہوتی ہے اور بولا۔ ''اُٹھو نورِ ناہید! ہمارے چلنے کا وقت آ گیا۔''

آموسی تو خود اس لمحے کے لئے گھڑیاں گن رہی تھی۔ بے تابانہ اٹھی تو مہرتاب نے اپنی قبا کے نیچے سے ایک چھوٹا سا، ہلکا سا مگر تیز دھار کا خنجر نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''اسے کسی ایسی جگہ چھپا لو جہاں سے فوراً نکال سکو۔''

وہ دم بخود رہ گئی۔ ''مگر یہ خنجر کیوں؟''

''تمہاری حفاظت کے لئے۔''

''میری حفاظت کے لئے تم جو ساتھ ہو۔''

''پھر بھی آج رات یہ خنجر تمہارے پاس ہونا ضروری ہے۔''

وہ معاملے کی نوعیت سے قطعی بے خبر اور حیران تھی۔ آخر اس پیش بندی کا مقصد کیا ہے۔

وہ کہاں جا رہا ہے، کیا کرنے جا رہا ہے اور خنجر ضروری قرار دیتا ہے تو استعمال کی نوبت بھی آئے گی۔ مہرتاب نے اس کے چہرے سے دل و دماغ کی کیفیت کا اندازہ لگایا اور کہا۔ ''پارمیتیو کی بیٹی ہو کر ڈرتی ہو؟''

یہ الفاظ کوڑے کی طرح آموسی کے دل پر پڑے۔ پرانے زخم پھر دُکھنے لگے۔ مہرتاب نے اس کے باپ کا نام لے کر روح کو گھائل کر دیا تھا۔ اس نے خنجر کی دھار کی مانند تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''اسی نام کو تو بارہ سال سے سینے میں چھپائے پھرتی ہوں۔ شاید کسی دن اعلان کر سکوں کہ میں پارمیتیو یونانی کی بیٹی ہوں۔ نہ جانے وہ دن کب آئے گا۔''

''وہ دن ضرور آئے گا۔''

اس فقرے نے آموسی کو ایک نیا حوصلہ دیا۔ اس نے خنجر اپنی کمر کی پیٹی میں اُڑس کر اوپر ایک ارغوانی رومال اس طرح باندھ لیا کہ خنجر چھپ گیا اور ارغوانی رومال کے اضافے سے لباس کی زینت بھی بڑھ گئی۔ بالکل یوں لگا جیسے اس نے کمر میں ایک پھول ٹانک لیا ہو۔ مہرتاب نے بڑے پیار سے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور اسے بہت قریب سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''نورِ ناہید ـــــ! خنجر کسی حسین لڑکی کے چلانے کی چیز نہیں مگر کبھی کبھی اس کا استعمال حُسن کی قیمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔''

مہرتاب اسے آنے والے وقت کے لئے تیار کر رہا تھا مگر نورِ ناہید تو کسی اور ہی خیال میں کھو گئی تھی۔ اس نے مہرتاب کے الفاظ پر غور کیا اور بولی۔ ''آج تک کسی نے یہ گُر تو مجھے سکھایا ہی نہیں۔ چلو آج یہ تجربہ بھی سہی۔''

مہرتاب نے اسے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ کمرے سے نکل کر دونوں آگے پیچھے زینہ اترنے لگے۔ فوراً ہی ان کے عقب میں کواڑ بند ہو گئے کیونکہ چیفو نے انہیں باہر نکلتے دیکھ لیا اور فوراً دروازہ بند کرنے آ گئی تھی۔ وہ کنڈی چڑھا کر پلٹی تو بڑی خوش نظر آتی تھی کیونکہ اس کی نوجوان مالکن نے اپنا کھویا ہوا ''محبوب'' پھر پا لیا تھا۔

(23)

انتقام

آموسی نہیں جانتی تھی، وہ اسے کہاں لئے جا رہا ہے، کیوں لئے جا رہا ہے لیکن ایک عجیب سے احساسِ مسرت میں ہوا کے جھونکے کی طرح ساتھ ہی ساتھ اُڑی جا رہی تھی۔ خلافِ معمول آج مہرتاب کی رفتار بھی تیز تھی اور وہ بھرے پرے بازار میں جہاں کھوے سے کھوا چھلتا تھا جیسے بھاگا جا رہا تھا۔ شاید اسی لئے کسی عورت نے اس کا راستہ نہیں کاٹا، کسی کسی نے اپنا نام پیش نہیں کیا۔

بابل ایک چوکور شہر تھا اور خدائے بل مردوک کی وہ نیرنگِ زمانہ ہیکل زیگورات جسے ''منارۂ بابل'' کہتے تھے شہر کی مرکزی عمارت تھی۔ اس کے فلک بوس گنبد کی محرابوں میں ہر شب ہزاروں قندیلیں روشن رہتی تھیں اور بلندی کاروانوں[1] کو میلوں سے نظر آ جایا کرتی تھی۔ شہر کا ہر راستہ بخطِ مستقیم ''منارۂ بابل'' ہی کی طرف جاتا اور گنجان بازاروں اور راستوں سے مل جاتا تھا۔ کلدانیوں کا لعنتی زندانِ اجل ''چاہِ بابل'' جس کے تصور ہی سے انسانوں پر موت کی دہشت طاری ہو جاتی، ہیکل بل مردوک کے عقب میں واقع تھا مگر مہرتاب نے اس ہیکل کی بجائے معبدِ نسروک کا راستہ اختیار کیا۔

رات کا پہلا پہر گزر رہا تھا مگر بازارِ عیش اور اس سے ملحق ہر بازار، ہر کوچہ جس میں کسبیوں

[1] بخت نصر کے عہد میں جب کلدانی سپاہ یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل کی طرف آ رہی تھی تو منارۂ بابل انہیں کئی میل سے نظر آ گیا تھا جس پر یہودی بڑے حیران ہوئے تھے۔ (ہینڈرک وان لون)

کے حجرے اور طوائفوں کے دو منزلہ، سہ منزلہ مکانات تھے، تماشائیوں سے اٹا پڑا تھا۔ وہ اس وقت بازارِ عیش ہی سے گزر رہے تھے اور شہر کے اس حصے میں راتیں جاگتی اور دن سوتے تھے مگر جوں جوں وہ بازار سے دُور ہوتے گئے، لوگوں کے ہجوم گھٹتے اور چھٹتے چلے گئے۔

معبدِ نسروک تک پہنچتے پہنچتے ہنگامے بالکل ہی ماند پڑ گئے۔ وہ بازاروں کی رونق پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ یہاں تو بس اِکا دُکا لوگ دکھائی دیتے۔ معبد کی بلند دیوار کے سائے میں کچھوے کی کھوپڑیوں جیسے بعض سر منڈھے پجاری چند آدمیوں سے سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ یہ پجاری معبد کی جوان پجارنوں یا پھر ان معزز خواتین کے لئے عاشق فراہم کرتے تھے جو عیش و عشرت کے لمحے گزارنے کی خاطر راتوں کو مندروں، معبدوں اور ہیکلوں کا رُخ کرتی تھیں کیونکہ دینِ بابل کی رُو سے یہ ''تفریح'' جائز تھی اور پجاری ایسی عورتوں کو مذہبی[1] تحفظ دیتے تھے۔

سر منڈھے پجاریوں اور ان کے گاہکوں کی نظروں سے بچتے وہ ایک گلی عبور کر کے معبد نسروک کے پچھواڑے پہنچ گئے جہاں ایک قدیم عمارت کے کھنڈر دُور تک پھیلے تھے۔

آسمان پر آخری راتوں کا چاند روشن تھا مگر اس کی روشنی میں بھی یہاں ایک عجیب سی ویرانی اور خاموشی برس رہی تھی جیسے وہ روحوں کے کسی قبرستان میں آ گئے ہوں۔ اُونچی اُونچی شکستہ دیواروں، بغیر چھت کے کمروں اور سنگ و خشت کے بے ترتیب ڈھیروں میں چاندنی بھی گویا آنکھ مچولی کھیل رہی تھی کیونکہ کہیں روشنی تھی، کہیں اندھیرا تھا اور اس روشنی اور اندھیرے میں یہ کھنڈر بھوتوں اور آسیبوں کا مسکن معلوم ہوتا تھا۔

آموسی نورِ ناہید نے جسم میں ہلکے سے خوف کی سرسراہٹ محسوس کی۔ مہرتاب اُسے ساتھ لئے ایک اندھیرے گوشے کی طرف بڑھا۔ نہ جانے کھنڈر کے کس حصے سے نکل کر ایک بے آواز سایہ جس نے منہ پر کپڑا اس طرح باندھ رکھا تھا کہ آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا اچانک ان کے قریب آ گیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ ''بہت دیر کر دی مہرتاب!''

مہرتاب نے فرات کے ملاحوں کے سردار کو آواز سے پہچان لیا اور اسی لہجے میں جواب دیا۔ ''یہی وقت ہمارے مقصد کے لئے موزوں ہے۔''

اس کے ہمراہ ایک عورت کو دیکھ کر سردار سیسرا اشش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں میں تعجب کی چمک صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے آموسی کی طرف یوں اشارہ کیا

[1] تاریخ بابل و نینوا

جیسے پوچھ رہا ہو۔ ''ایک خطرناک مہم میں بھلا عورت کا کیا کام؟''

مہر تاب نے اس کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔ ''گھبراؤ نہیں، عورت ساتھ ہو تو مرد کی ذمے داری بڑھ جاتی ہے۔ کیا تم تیار ہو؟''

''صرف تیار ہی نہیں، ''چاہِ بابل'' کے بارے میں بعض ضروری معلومات بھی حاصل کر چکا ہوں۔''

مہر تاب اس کا ہاتھ پکڑ کر کھنڈر کے ویران گوشے میں لے گیا۔ آموسی بھی ساتھ ہی تھی۔

''کیا معلومات حاصل کی ہیں تم نے؟''

سردار سیسرا بتانے لگا۔ ''چاہِ بابل کے لعنتی حصار میں بنوسلان کے ساتھ پچاس وحشی غلام متعین تھے مگر جنگی خطرات کے پیش نظر بیس غلام جو تیغ زنی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے باغاتِ معلقہ کی عقبی پہاڑی پر منتقل کر دیئے گئے ہیں جہاں سے وہ آج کل شاہی خاندان کی حفاظت و نگرانی کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ بنوسلان کے پاس صرف تیس غلام ہیں۔ سات غلام بنوسلان کے ایک نائب سمیت ہر وقت حصار کے بیرونی دروازے پر پہرہ دیتے اور رات کو دروازے کی ڈیوڑھی میں سوتے ہیں۔ سولہ غلام ''چاہِ بابل'' کی فصیل کے ساتھ ساتھ دو ٹولیوں کی صورت میں گشت کرتے ہیں۔ آٹھ غلاموں کی ایک ٹولی آدھی رات تک گشت کرتی اور دوسری ٹولی اپنے حجروں میں آرام کرتی ہے۔ آدھی رات کو پہلی ٹولی واپس آجاتی اور دوسری ٹولی گشت کے لئے نکلتی ہے۔ بقیہ سات غلاموں میں تین جلاد اور چار خونخوار درندوں کے نگران ہیں۔ وہ رات کو اپنے حجروں میں سوتے ہیں۔ بنوسلان کا کمرہ ان حجروں سے پرے ہے اور ہر رات اس کے ساتھ ایک عورت ضرور ہوتی ہے۔''

مہر تاب یہ تفصیل سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ ''اگر ہم غلاموں کو قابو میں کر لیں تو بنوسلان سے نمٹ سکتے ہیں۔ تم اپنے ساتھ کتنے آدمی لے کر آئے ہو؟''

''تم نے دس بارہ کہے تھے۔ میں پندرہ بہادر ساتھ لایا ہوں۔ کم از کم ایک اور دو کا مقابلہ تو ہونا چاہئے۔ لیکن مہر تاب! تم ان بہادروں کو بنوسلان کے غلاموں سے کم نہیں پاؤ گے۔''

''اور رتھ؟''

''کھنڈر کے پیچھے موجود ہے۔'' یہ کہہ کر سیسرا نے اپنے چغہ سے ایک خم دار تلوار نکال کر اس کی طرف بڑھائی جس کی میان چمڑے کی تھی۔ ''یہ تلوار تمہیں خود بتا دے گی کہ اس کا لوہا کتنا

مضبوط ہے۔''

مہر تاب نے تلوار اپنی قبا کی پیٹی میں لٹکائی۔ ''اب ہمیں چلنا چاہئے۔ ہم دونوں آگے ہوں گے اور تم ہمارا تعاقب کرو گے۔''

پھر اس نے آموسی کا ہاتھ تھام لیا اور پلٹ کر اس ویران راستے پر ہولیا جو چاہِ بابل کے بلند حصار کی طرف جاتا تھا۔ نورِ ناہید آموسی نے ان کی ساری گفتگو سنی اور فرطِ تحیر سے گم ہو کر رہ گئی۔ یہ جان لینے کے بعد کہ وہ تنہا نہیں اور اس وقت پندرہ بہادروں کے ہمراہ ''چاہِ بابل'' کے داروغہ بنوسلان سے نمٹنے جا رہا ہے اس کی نبضوں میں خون کی حرکت تیز ہو گئی اور دل دھک دھک دھڑکنے لگا۔ یہ انکشاف ہی بڑا لرزہ خیز تھا کہ اس نے ''چاہِ بابل'' کے حصار میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا ہے جہاں سے کوئی شخص زندہ سلامت نہیں نکل سکتا۔ حیرت اور خوف اور سراسیمگی سے اس کے پاؤں پھولے جا رہے تھے اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے اس خطرناک ارادے سے کس طرح باز رکھے۔ چلتے چلتے بولی۔ ''یہ تم نے کیا سوچ لیا مہر تاب! ''چاہِ بابل'' موت کا کنواں ہے......''

''خاموش رہو'' مہر تاب کے لہجے میں سرزنش تھی۔ ''جب کھیل شروع ہو جائے تو اس کے منظر تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ خود کو قابو میں رکھو۔''

نورِ ناہید کو یوں لگا جیسے اس نے تلوار کی زبان میں بات کی ہو۔ لہجہ کتنا تیز اور بدلا ہوا تھا۔ وہ سہم گئی، چپ ہو گئی۔ نجانے ابھی اسے اور کیا کچھ کہنا تھا مگر اب بولنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پلٹ کر دیکھا، پندرہ سولہ آدمی جنہوں نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے، کچھ فاصلے پر پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ پھر مہر تاب کے ساتھ چلنے لگی اور وہ چلتے چلتے اُسے ہدایات دینے لگا۔

''ابھی تم مجھ سے ہاتھ چھڑا کر ''چاہِ بابل'' کے دروازے کی طرف بھاگو گی اور پہرے داروں کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ گی۔ نورِ ناہید! خوب غور سے سن لو۔ تم اس وقت بنوسلان کی ''محبوبہ'' ہو۔ اس سے ملنے جا رہی تھیں کہ کچھ لوگوں نے تم پر حملہ کیا اور تم ان کے چنگل سے نکل بھاگیں مگر وہ آدمی بدستور تمہارے تعاقب میں ہیں۔ تم دروازے پر جا کر گر جاؤ گی اور پہرے داروں سے کہو گی کہ فوراً دروازہ کھول کر تمہیں اندر بلا لیں اور بنوسلان کو اس واقعے کی خبر کریں یا تمہیں اس کے پاس پہنچا دیں۔''

آموسی حیرت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ہدایات سن کر بدن ٹھنڈا ہونے لگا۔ وہ اسے بنوسلان کے پاس دھکیل رہا تھا جس سے شدید نفرت کرتی تھی۔ آنکھوں میں التجا تھی۔ ''مہر تاب! یہ کیا کر رہے ہو؟''

وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا۔ ''گھبرانے کی ضرورت نہیں، حوصلہ رکھو۔ اس کے سوا ''چاہِ بابل'' کے حصار میں داخل ہونے کی اور کوئی ترکیب نہیں۔ نورِ ناہید! تم آج بنوسلان کا دل بہلانے نہیں، اس سے انتقام لینے جا رہی ہو۔ بس اب تیار ہو جاؤ اور یہیں سے چیختی چلاتی دروازے کی طرف بھاگو، میں تمہارے پیچھے ہوں، تمہارے ساتھ ہوں۔ جاؤ۔''

یہ سب کچھ بے حد سنسنی خیز اور حیرت انگیز تھا۔ نورِ ناہید نے تمام ہدایات بغور سنیں۔ پھر یہ سوچ کر کہ مہر تاب ساتھ ہے اس کے اشارے پر فوراً ہی بلند حصار کے دروازے کی طرف بھاگنے لگی۔ وہ چند لمحے کھڑا رہا تاکہ نورِ ناہید کچھ آگے نکل جائے پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ سردار سیسرا بھی اپنے جوانوں کے ہمراہ اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ مہر تاب نے اسے کچھ سمجھایا۔

آموسی اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن رہی تھی۔ اس نے اپنی رفتار کچھ تیز کر دی اور چلانے لگی۔ ''بچاؤ..... بچاؤ..... بچاؤ......''

رات کے سناٹے میں ''چاہِ بابل'' کے محافظوں نے ایک عورت کے چلانے کی آواز سنی تو چونک گئے۔ اس لئے نہیں کہ کسی مظلوم عورت سے ہمدردی رکھتے اور اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ رحم کے کسی جذبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کے کان رحم، فریاد اور مدد کے لفظوں سے بے بہرہ اور ذہن ان کا مفہوم سمجھنے سے عاری ہو چکے تھے۔ ان کے نزدیک یہ الفاظ بے معنی تھے۔ وہ تو بس ایک نسوانی آواز تھی جس نے انہیں چونکا دیا تھا اور عورت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو چند لمحوں کے لئے ان کی درندگی کی تسکین کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ پھر عام طور پر خوب صورت عورتیں ہی مدد کے لئے پکارتی ہیں اس لئے بھی ان کا چونکنا ضروری تھا۔

آموسی بدستور شور مچاتی، فریاد کرتی بھاگی آ رہی تھی۔ آواز کچھ اور قریب محسوس کر کے بنو سلان کے گرانڈیل نائب نے عظیم و مہیب دروازے کے ایک گوشے میں واقع روزن نما چھوٹی سی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ ٹھیک اسی لمحے آموسی ''بچاؤ، بچاؤ'' پکارتی دروازے پر آ کر ڈھیر ہو گئی۔ اس عجیب و غریب واقعے نے نائب کو حیران کر دیا اور گرج دار آواز میں بولا۔

''کون ہے تو...... یہاں کیوں آئی ہے؟''

آموسی اندھیرے میں تھی کیونکہ چاند اس بلند حصار کی دوسری جانب چمک رہا تھا۔ وہ ہانپتی کانپتی آواز میں بتانے لگی۔ ''میں بنوسلان کی محبوبہ ہوں۔ ادھر آ رہی تھی کہ چند آدمیوں نے پکڑ لیا۔ میں خود کو چھڑا کر بھاگی مگر وہ ''بدمعاش'' میرا پیچھا کر رہے ہیں''

''پیچھا کر رہے ہیں؟''

''ہاں، مردود کے لئے دروازہ کھول دو اور بنوسلان کو خبر کرو۔''

صورتِ حال بڑی عجیب و غریب تھی۔ بنوسلان کا نام بھی بڑی دہشت رکھتا تھا۔ نائب کی پریشانی بڑھ گئی۔ درندگی کی تسکین کا جذبہ تو بالکل سرد پڑ گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا اگر بنوسلان کی محبوبہ کو بدمعاش اس کی آنکھوں کے سامنے اٹھا کر لے گئے اور وہ کچھ نہ کر سکا تو شاید دوسرے دن کا سورج بھی نہ دیکھ سکے۔ ''چاہِ بابل'' کا خونی داروغہ عورتوں کے معاملے میں کسی سے رُو رعایت نہیں کرتا تھا۔ اس اثناء میں نائب خود بھی بہت سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سننے لگا تھا۔ آموسی پھر چلائی۔ ''ارے کم بختو! وہ آ گئے۔ جلدی سے دروازہ کھول دو۔ مجھے اندر آنے دو۔''

نائب نے غلاموں کو حکم دیا۔ ''اس عورت کے لئے دروازہ کھول دو اور دیکھو باہر کون لوگ ہیں؟''

اس کے ساتھ ہی روزن نما کھڑکی بند ہو گئی۔ بھاری بھرکم دروازے کی زنجیریں گرا دی گئیں اور بڑے بڑے برنجی کواڑ جنہیں چار چار غلام دھکیل کر کھولتے اور بند کرتے تھے، آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔ فوراً ہی ایک ہاتھ نے اور وہ نائب کا ہاتھ تھا، آموسی کو اندر کھینچ لیا اور چار وحشی غلام تلواریں سونتے باہر آ گئے تاکہ تعاقب کرنے والوں سے نمٹ سکیں۔

دروازے پر اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے میں کچھ فاصلے پر چند سائے نظر آئے مگر وہ ان دو سایوں کو تو دیکھ ہی نہ پائے جو ان کے عقب میں پہنچ گئے تھے۔ پھر دو غلاموں کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اندھیرے میں وار کس طرف سے ہوا۔ دو گردنیں ایک ساتھ کٹ کر گریں۔ باقی دو گھبرا کر پلٹے تو نظر نہ آنے والے حملہ آوروں کی تلواریں ان کے پیٹ پھاڑ چکی تھیں۔ وہ موت کی ہچکیاں لئے ڈھیر ہو گئے۔ مہر تاب اور سردار سیسرا لاشوں سے گزر کر دروازے میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ متعدد سائے اندر رینگ گئے۔ غلاموں کی لاشیں اندر گھسیٹ لی گئیں اور دروازے کے بھاری

ڈیوڑھی کے پرلے گوشے میں ایک اندھی سی قندیل روشن تھی جس کی نیم مردہ روشنی میں نائب، آموسی کا ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔ ''بنوسلان کی آج رات کی محبوبہ تو اس کے کمرے میں پہنچ چکی۔ پھر تو کون ہے؟''

غالباً نائب دروازے پر ہونے والے واقعے سے بالکل بے خبر یا پھر اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ غلاموں نے عورت کا پیچھا کرنے والے ''بدمعاشوں'' کو ٹھکانے لگا دیا ہوگا اور انہی کی لاشیں اندر گھسیٹی گئی ہیں تبھی وہ بڑے اطمینان کے ساتھ آموسی سے پوچھ گچھ میں مصروف تھا۔

مہرتاب گربہ پاؤں اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ اسی وقت دو غلام ڈیوڑھی کے حجرے سے باہر نکلے اور وہاں اجنبی لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اب ایک پل کی تاخیر بھی مناسب نہیں تھی۔ مہرتاب نے نائب پر بھرپور وار کیا۔ تلوار اس کا وہ بازو کندھے تک کاٹ کر لے گئی جس سے اس نے آموسی کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح وہیں ڈھیر ہوگیا۔

دونوں غلام تلواریں کھینچ کر مہرتاب پر جھپٹے مگر سیسرا کے بہادروں نے انہیں روکا۔ واقعے کی دہشت نے ان کے حوصلے پہلے ہی پست کر دیئے تھے۔ وہ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے اور بہت جلد ٹھکانے لگا دیئے گئے۔ ڈیوڑھی میں بنوسلان کے نائب اور چھ غلاموں کی لاشیں پڑی تھیں اور فرش ان کے خون سے گیلا اور چپچپا ہوگیا تھا۔

مہرتاب نے آگے بڑھ کر آموسی کو سنبھالا جو اس واقعے پر حیران اور رم خوردہ ہوگئی تھی۔ کسی نہ معلوم احساس سے بدن پر ہلکی سی لرزش تھی۔ شاید خونریزی نے اسے دہلا دیا تھا۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ سب کچھ اتنی سرعت کے ساتھ ہو جائے گا۔ مہرتاب کو اپنے قریب دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ ''نورِ ناہید! تم ٹھیک تو ہونا؟''

''ہاں مگر یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' پھر وہ سردار سیسرا کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''آدھی رات ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے سردار! اور ہمیں آدھی رات سے پہلے پہلے اپنا کام نمٹانا ہے۔''

''کنوئیں کی فصیل کے ساتھ گشت کرنے والے غلاموں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔'' سیسرا نے کہا۔ ''میرے ہمراہ صرف چھ بہادر کافی ہوں گے۔''

''نہیں ___'' مہرتاب نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔ ''آٹھ بہادر تمہارے ساتھ جائیں گے، تین اسی دروازے پر پہرہ دیں گے تاکہ باہر کا کوئی شخص اندر اور اندر کا کوئی شخص

باہر نہ جا سکے۔ باقی میرے ساتھ رہیں گے۔''

اس فیصلے کے مطابق فوراً ہی بہادروں کی تقسیم عمل میں آ گئی اور تین تیغ زنوں کو دروازے پر متعین کر کے وہ آگے بڑھے۔ ''چاہِ بابل'' کے حصار میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کا یہی ایک دروازہ تھا۔

موت کا یہ حصار جس کی دہشت کے افسانے دور دور تک مشہور تھے، ایک میل کے گھیر میں واقع اور ایک قلعہ کی طرح شہر سے الگ تھلگ کر دیا گیا تھا۔ بلند حصار کے اندر وسیع رقبے پر موت کا تاریخی کنواں تعمیر کیا گیا تھا جو تین سو فٹ گہرا تھا لیکن اس کے اوپر اسی فٹ اونچی ایک فصیل کھڑی کر دی گئی تھی جس کی بلندی تک پہنچنے کے لئے سمیریوں[1] کی ایک چکر دار چوڑی پگڈنڈی جس پر ایک رتھ بخوبی دوڑ سکتا تھا، فصیل کے ساتھ ساتھ اوپر جاتی تھی۔ سلطنت کے بدترین مجرموں اور حکومت کے غداروں کو اسی چکر دار راستے سے ''چاہِ بابل'' کی فصیل پر لایا جاتا پھر تین سو اسی فٹ گہرے اندھیرے میں پھینک دیا جاتا تھا مگر اس حصار کے اندر سزائے موت کے دو اور شعبے بھی تھے۔ ایک تو وہ قتل گاہ جہاں ان مجرموں کے سر قلم کئے جاتے جن کی موت کے احکام صادر ہوتے تھے۔ اس مقصد کے لئے تین جلاد ہمیشہ اسی حصار میں رہتے تھے۔

دوسرا شعبہ درندوں کا تھا جہاں خونی شیر، چیتے، تیندوے وغیرہ عموماً بھوکے رکھے جاتے تاکہ وہ انسانی گوشت سے اپنی بھوک مٹانے کے لئے وحشی اور خوفناک بن جائیں۔ یہ درندے عام طور پر ان لونڈی غلاموں پر چھوڑے جاتے جو شاہی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ شہزادیوں پر جنسی ڈورے ڈالتے یا دشمنوں کے لئے جاسوسی کرتے تھے۔ درندوں کے جنگلے حصار کی شمالی سمت واقع تھے۔ ان کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے چار غلام اور کئی خادم مقرر تھے۔ خادم وغیرہ تو رات کو گھر چلے جاتے لیکن مستقل نگران وہیں سوتے تھے۔ یہ تھا ''چاہِ بابل'' کے حصار کا نقشہ جس سے بڑھ کر سزا و عقوبت کی ہولناکی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وسطی شہر میں بابل کی گناہ آلود رات ابھی جوان تھی اور عشق و مستی کے ہنگامے شباب پر تھے لیکن ''چاہِ بابل'' کے اس لعنتی حصار میں موت کی ویرانیاں اور خاموشیاں چھائی تھیں۔

1۔ سمیریوں نے بابل کے علاوہ دوآبہ عراق میں جتنی عمارتیں بالخصوص عبادت گاہیں تعمیر کیں ان میں زینہ کہیں بھی نہیں آتا۔ کسی عمارت کے اوپر پہنچنے کے لئے اس کے گرداگرد ایک چکر دار راستہ بناتے تھے۔ (مصنف)

غلاموں کے رہائشی حجرے ڈیوڑھی سے کافی دور شمالی جانب واقع تھے۔ شاید یہی وجہ تھی دروازے پر موت کی جو کشمکش چند ہی لمحوں میں ختم ہوگئی تھی کسی کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوسکی۔

سردار سیسرا آٹھوں بہادروں کے ہمراہ سیدھا کنوئیں کی فصیل کی طرف ہولیا تھا اور مہرتاب نے جس کے ساتھ آموسی اور چار تیغ زن تھے، رہائشی حجروں کا رخ کیا۔ ڈیوڑھی سے حجروں تک ایک ایک مسقف راہداری حصار کے ساتھ ساتھ جاتی تھی جسے غلام گردش کہنا چاہئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اسی راہداری میں بے آواز چلتا حجروں کے قریب پہنچ گیا۔

اچانک کنوئیں کے جنوب مغرب میں کچھ شور ہوا اور چند بے ہنگم سی آوازوں کے درمیان تلواروں کے ٹکرانے کی جھنکار اُبھری۔ وہ سب کے سب راہداری میں دُبک گئے۔ سردار سیسرا کے بہادروں اور ''چاہِ بابل'' کا پہرہ دینے والے غلاموں میں جھڑپ ہوگئی تھی اور خطرہ تھا کہ شور کی آوازسن کر کہیں حجروں میں آرام کرنے والے غلام بھی باہر نہ نکل آئیں مگر ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا البتہ یہ دیکھ کر وہ پریشان ہوگئے کہ خون میں لت پت ایک غلام کنوئیں کی فصیل سے بے تحاشا حجروں کی سمت بھاگا آرہا ہے۔ شاید اپنے ساتھیوں کو حملے اور خطرے سے آگاہ کرنے آیا تھا مگر اسے حجروں تک پہنچنے کی مہلت نہ مل سکی۔ مہرتاب کے اشارے پر ایک بہادر نے اچانک راہداری سے نکل کر اسے موت کی نیند سلا دیا۔ پھر وہ آگے بڑھے۔ کیونکہ جنوب مغرب میں اُبھرنے والا شور خاموشیوں میں ڈوب گیا تھا۔

چاندنی حجروں کے دروازوں پر پڑ رہی تھی۔ مہرتاب نے آگے بڑھ کر پہلے حجرے کے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو اس کے کواڑ کھلتے چلے گئے۔ اندر خراٹوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ دروازہ کھلتے ہی سب سے پہلے چاندنی حجرے میں داخل ہوئی۔ اس کی روشنی میں چار غلام خوابِ خرگوش میں محو نظر آئے۔ مہرتاب کے اشارے پر اس کے چاروں ساتھی کوئی آہٹ کئے بغیر کمرے میں داخل ہوئے اور چاروں خوابیدہ غلام عارضی نیند سے ہمیشہ کی نیند میں منتقل کردیئے گئے۔ کسی کو کروٹ لینے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

دوسرے حجرے میں بھی کم و بیش یہی صورت گزری۔ البتہ دروازہ بند اور کھڑکی کھلی تھی۔ موت اسی کھلی کھڑکی سے اندر کود گئی۔ کھٹکا سن کر دو غلام بیدار ہوگئے۔ پہلے تو وہ واقعے کی نوعیت ہی نہ سمجھ سکے کیونکہ کسی دشمن کا ''چاہِ بابل'' کے حصار میں گھس کر یوں کھڑکیوں سے کودنا بعید از قیاس تھا۔ جب حملہ آوروں کے ہاتھوں میں تلواریں دیکھیں تو فوراً مزاحمت کے لئے اٹھے مگر یہ

مزاحمت بے کار تھی۔ جب تک وہ ہتھیار سنبھالتے حملہ آوروں کی تلواریں کام کر چکی تھیں۔ پھر بھی ایک غلام نے گرتے گرتے دو بہادروں کو زخم لگائے۔

اس حجرے میں بھی چار غلام قتل ہوئے۔ اس اثناء میں سردار سیسرا لوٹ آیا لیکن اس کے ہمراہ آٹھ کی بجائے چھ بہادر تھے۔ دو ''چاہِ بابل'' کے پہریداروں کا مقابلہ کرتے ہوئے کام آ گئے اور بعض زخمی بھی ہوئے تھے۔ اس طرح بنوسلان کے تیئس غلام جہنم رسید ہو چکے تھے۔ اب صرف تین جلاد اور درندوں کے چار نگران باقی تھے۔ گویا اصل کام ختم ہوگیا تھا کیونکہ یہی غلام بنوسلان کی طاقت تھے۔

یہ حیرت انگیز کامیابی ایک طرف ''چاہِ بابل'' کے غلاموں کی غفلت و بے پروائی اور اس خوش فہمی کا نتیجہ تھی کہ کوئی دشمن موت کے حصار میں داخل ہونے کی جرأت کر ہی نہیں سکتا۔ دوسری جانب اس میں مہرتاب کی ہوشیاری اور منصوبہ بندی کا بھی بڑا دخل تھا جس نے اچانک تحیر اور سراسیمگی پیدا کر کے صورتِ حال سے فائدہ اٹھایا۔ مگر اس کامیابی کی ایک تیسری وجہ بھی تھی جسے عام زبان میں لوگ تقدیر کہتے ہیں۔ یہ تقدیر کی پُراسرار طاقت ہی تھی جو ''چاہِ بابل'' کے محافظوں کے خلاف دام پر دام بچھاتی چلی گئی اور وہ خاموشی سے ہلاکت کا لقمہ بن گئے جیسے آج رات انہیں بہرطور مرنا تھا۔

جلاد اور درندوں کے نگران بھی یقیناً غفلت کی نیند سو رہے تھے اور مہرتاب کو اصرار تھا کہ وہ ''چاہِ بابل'' کے کسی غلام، محافظ اور جلاد کو زندہ چھوڑ کر نہیں جائے گا تاکہ اس واقعے کا کوئی گواہ باقی نہ رہے جو کسی قسم کی نشاندہی کر سکے۔ سردار سیسرا نے غور کیا تو اس میں گہری حکمت پوشیدہ تھی۔ پھر وہ جلادوں کے حجرے کی طرف بڑھے اور اسی لمحے ایک خلافِ توقع بات ہوئی۔ حجرے کا دروازہ کھول کر ایک غلام آنکھیں ملتا باہر نکلا۔

مہرتاب نے آسمان پر ستاروں کے ترنگل دیکھے۔ آدھی رات ہوگئی تھی اور یہ غلام یقیناً گشت پر جانے والے پہریداروں کو بیدار کرنے کے لئے اٹھا تھا جو اپنے حجروں میں ہمیشہ کی نیند سو چکے تھے۔ مگر اپنے اردگرد متعدد خوفناک اجنبیوں کو دیکھ کر جنہوں نے اپنے چہرے باندھ رکھے تھے، بری طرح بوکھلا گیا اور دروازے کی طرف پلٹا ہی تھا کہ منہ کے بل گرا۔ عقب سے تلوار کا بھرپور وار سر پر پڑا جس نے سر دو حصوں میں کاٹ دیا تھا۔ فوراً ہی کئی بہادر تلواریں تولے حجرے میں گھس گئے اور بقیہ دو جلاد بستر ہی پر ختم کردیئے گئے۔ اب صرف درندوں کے

چار محافظ باقی رہ گئے تھے جو ملحقہ حجرے میں محوِ خواب تھے مگر انہیں بھی ٹھکانے لگانے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں ہوا۔ بس بے رحم تقدیر ''چاہِ بابل'' کے غلاموں کے خلاف سرگرمِ عمل تھی۔

اب اس لعنتی حصار میں بنوسلان تھا یا اس کی ایک محبوبہ۔ مہرتاب نے بتایا۔ ''وہ صرف میرا شکار ہے۔'' اور تنہا اس کمرے کی طرف بڑھا جو غلاموں کے حجروں سے کچھ فاصلے پر شمال کی سمت واقع تھا۔ کمرے کے اندر قندیل روشن تھی جس کی روشنی دروازے کی درزوں سے دکھائی دے رہی تھی لیکن اندر سناٹا طاری تھا۔ بنوسلان اور اس کی محبوبہ سو رہے تھے۔

مہرتاب نے تلوار کے دستے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تیسری دستک پر اندر سے ایک بھیانک اور بھاری آواز سنائی دی۔ ''کون ہے؟'' آواز نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''دروازہ کھولو۔''

بنوسلان نے آواز کی اجنبیت محسوس کی اور حیرت سے بولا۔ ''کون ہو تم؟''

''دروازہ کھول کر دیکھ لو۔''

یہ لہجہ بھی بنوسلان کو بڑا شاق گزرا۔ ''چاہِ بابل'' کا کوئی غلام اس لہجے میں ہم کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر آدھی رات کے وقت کس بدبخت کی موت اسے گھیر لائی ہے؟ اچانک نیام سے تلوار کھینچنے کی آواز سنائی دی۔ پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا، ایک کریہہ ہیئت، سیاہ فام اور گرانڈیل آدمی تیغ بکف دہلیز پر نمودار ہوا۔ یہی ''چاہِ بابل'' کا خوفناک داروغہ بنوسلان تھا مگر دروازہ کھلتے ہی اک برقِ ناگہاں لپکی اور دوسرے لمحے مہرتاب کی تلوار کی نوک اس کی شہ رگ پر نظر آئی۔ یہ صورتِ حال قطعی غیر متوقع اور پریشان کن تھی۔ مہرتاب نے تلوار پر دباؤ ڈالا اور اسے کمرے کے اندر دھکیلتا ہوا بولا۔ ''بنوسلان! باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ پیچھے ہٹو۔''

بابل کا خوفناک ترین آدمی حریف کی پھرتی اور مہارت پر دنگ رہ گیا۔ گلے پر تلوار کا دباؤ اسکے بازوؤں کی غیر معمولی طاقت کا بھی پتہ دے رہا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا تاکہ تلوار کا دباؤ توڑ کر اس مہلک وار کی زد سے نکل سکے جس نے اُسے بے بس کر دیا تھا مگر مہرتاب غافل نہیں تھا وہ بھی تلوار کا دباؤ بڑھاتا ہوا آگے بڑھا اور تلوار کی نوک جہاں جمی تھی جمی رہی۔ بنوسلان کی پہلی کوشش ناکام ہوگئی۔

کمرہ کافی وسیع و عریض اور مختلف سامان سے آراستہ تھا۔ بستر پر ایک جوان اور خوبصورت عورت نیم عریاں حالت میں سب کچھ دیکھ رہی تھی اور معاملے کی نوعیت سمجھنے سے عاری تھی

کیونکہ ابھی ابھی نیند سے جاگی تھی۔ مگر جب اس نے ایک اجنبی کو کمرے میں گھستے اور تلوار سے بنوسلان کو پیچھے دھکیلتے دیکھا تو چیخ مار کر بستر سے اُتری۔ اس افراتفری میں چوبی میز سے ٹکرائی جس پر شراب کی صراحی اور کانچ کے پیالے پڑے تھے۔ میز الٹ گئی۔ پیالے گر کر چکنا چور ہو گئے۔ صراحی بھی ٹوٹی اور شراب فرش پر بہہ گئی۔ صراحی اور پیالوں کے ٹوٹنے کی آواز پر عورت نے پھر چیخ ماری۔ اچھل کر دیوار کے ساتھ جا لگی اور چلائی۔ ''بچاؤ...... بچاؤ......''

مہرتاب بڑے سرد اور سنگین لہجے میں بولا۔ ''خاموش رہو۔'' عورت فوراً خاموش ہوگئی اور کسی بے جان مورتی کی طرح دیوار سے لگ گئی۔

مہرتاب کی تلوار بدستور بنوسلان کی شہ رگ پر تھی جو ابھی تک اپنی تلوار کو حرکت بھی نہیں دے سکا تھا۔ سمجھ گیا تھا کہ حملہ آور جو کوئی بھی ہے تلوار پر پوری گرفت رکھتا اور اس سے کام لینا جانتا ہے۔ اگر ذرا سی غلطی بھی ہوئی تو نوک شہ رگ میں اتر جائے گی۔ اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ حملہ آور کو باتوں میں لگانے کی کوشش کرے۔ شاید اس کوشش میں وہ پل بھر کے لئے غافل ہو جائے اور اس سے گردن چھڑانے کا موقع مل سکے۔ بولا۔ ''بہادر آدمی معلوم ہوتے ہو، کیا اپنا نام نہیں بتاؤ گے، صورت نہیں دکھاؤ گے؟''

''تمہاری دونوں خواہشیں پوری کی جائیں گی مگر میرے آنے کا مقصد نہیں پوچھا تم نے؟''

''وہ بھی بتا دو۔''

''تمہاری ایک محبوبہ سے ملاقات کرانا چاہتا ہوں۔''

''کون محبوبہ؟''

''آموسی ____ نورِ ناہید۔''

بنوسلان کے ذہن پر بجلی سی گری اور مہرتاب کی تلوار گردن میں اترتی ہوئی محسوس کی۔ تلوار پر دباؤ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ گھبراہٹ میں بولا۔

''میں ____ کسی نورِ ناہید کو نہیں جانتا۔''

''حالانکہ پچھلی عید بیلس تم نے اسی کے ساتھ معبد اکور کے حجرے میں منائی تھی۔''

''تمہیں کیا معلوم؟''

''یہ بھی جانتا ہوں تم نے اس غریب کو بدبخت زہرہ جمال کے نام پر ورغلایا تھا۔ معبد اکور کے پجاری سے جھوٹ بولا تھا کہ لڑکی اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ آئی ہے۔''

"مگر تم میرے ذاتی معاملات میں دخل دینے والے ہو کون؟"

مہرتاب نے آواز دی۔"نورِناہید ____! ذرا یہاں آؤ اور اس شیطان کو بتاؤ کہ میں کون ہوں۔"

بنوسلان نے ایک اور کوشش کی کہ اس کی تلوار کا حلقہ توڑ سکے اور اندھا دھند اپنی تلوار چلا دی جو ابھی تک اس کے ہاتھ میں لٹک رہی تھی۔ لیکن مہرتاب پوری طرح ہوشیار اور جانتا تھا کہ وہ کس داؤ پر ہے۔ بنوسلان کو اپنا وار مہنگا پڑا۔ مہرتاب نے وار بچا کر گردن پر اتنا دباؤ ڈالا کہ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی مکروہ آواز نکلی۔ اس اثناء میں آموسی کمرے میں داخل ہو چکی تھی جسے دیکھتے ہی بنوسلان بدحواس ہو گیا۔ مہرتاب نے کہا۔"نورِناہید! یہ داروغہ جی تو تمہیں پہچانتے ہی نہیں۔ انہیں یاد دلاؤ تم کون ہو، انہیں کب سے جانتی ہو۔"

آموسی نے قہر آلود نگاہوں سے بنوسلان کی طرف دیکھا ____"کیوں شیطان! تو مجھے نہیں جانتا؟" اور ساتھ ہی اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہو؟ محض تھوک دینے سے کیا ہوگا۔ بنوسلان کی مزاج پرسی کے لئے میں نے تمہیں ایک چھوٹا سا خنجر بھی تو دیا تھا۔"

دوسرے ہی لمحے خنجر آموسی کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔ مہرتاب نے کہا۔"دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں اس کا استعمال بھی آتا ہے یا نہیں۔"

بنوسلان حیران و ششدر کھڑا تھا۔ آموسی نے بڑھ کر خنجر اس کے دائیں ہاتھ میں گھونپ دیا۔ تلوار چھوٹ کر فرش پر گری اور درد کی شدت سے بلبلاتے اس نے وہی زخمی ہاتھ نورِناہید کے منہ پر اس زور سے رسید کیا کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ اس حرکت کے جواب میں مہرتاب نے اس کے دائیں رخسار پر تلوار سے ایسی چپت لگائی کہ رات کے سناٹے میں اس کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی یہ ایک ایسا ماہرانہ وار تھا کہ بنوسلان کے چہرے پر ہلکی سی خراش بھی نہ آئی۔ البتہ تلوار کی چپت سے اس کا سیاہ عارض نیلا پڑ گیا۔ اسی لمحے وہ اپنی تلوار اٹھانے کے لئے تیزی سے جھکا مگر منہ پر پڑنے والی پاؤں کی ٹھوکر شاید تلوار کی چپت سے زیادہ لرزہ خیز تھی۔ وہ اپنے گرانڈیل جسم کو سنبھال نہ سکا اور لڑھک کر فرش پر آ رہا۔ اب یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ مدمقابل اس سے زیادہ جسمانی طاقت کا مالک ہے۔ مہرتاب نے ایک ساعت کی مہلت بھی نہیں دی اور لپک کر تلوار کی نوک پھر اس کی شہ رگ پر جما دی۔"بنوسلان! اب تو تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ

میرے آنے کا مقصد کیا ہے۔"

بنوسلان نے غصے میں جھنجھلا کر جواب دیا۔"تم اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔"

"اسی کی دعوت پر تو یہاں آیا ہوں۔"

"پھر تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔ ابھی میرے غلام آ کر تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے۔"

"سب کو جہنم رسید کر چکا ہوں۔ صرف تم باقی ہو۔"

بنوسلان کو اس اطلاع پر یقین نہیں آیا کہ سب غلام ختم ہو چکے ہیں۔ یقین تو اس بات پر بھی نہیں آ رہا تھا کہ اتنے پہریداروں کی نظروں سے بچ کر ایک شخص اس کے کمرۂ خاص تک کیسے آ پہنچا۔ مگر یہ انہونی ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں فرش پر پڑا تھا اور حریف نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اب اس نے دوسرا حربہ آزمانے کی کوشش کی۔"اگر اتنے ہی بہادر ہو تو مجھے بھی تلوار اٹھانے دو۔ تمہارا سارا حساب چکا دوں گا۔"

"فکر نہ کرو، تمہیں یہ موقع بھی دیا جائے گا۔ دیکھوں گا کہ کتنے جاندار ہو۔ لیکن پہلے نورِناہید کو اپنا حساب چکانے کا موقع دوں گا۔ آؤ نورِناہید! تم اپنا قرض بے باق کرو۔"

اس اثناء میں آموسی سنبھل چکی اور ہاتھ سے اپنا رخسار مل رہی تھی جس پر بنوسلان کی انگلیوں کے نشان اُبھر آئے تھے۔ پھر خنجر تان کر آگے بڑھی۔"شیطان! آج تجھ سے گن گن کر بدلے لوں گی۔" اور یہ کہہ کر خنجر کی نوک سے اس کے گھٹنے کی کھال چیر دی۔ اب کے بنوسلان نے ٹانگ چلائی لیکن آموسی بڑی پھرتی سے اچھل کر پرے ہٹ گئی۔ البتہ مہرتاب نے زخمی گھٹنے پر ہی ٹھوکر رسید کی۔ بنوسلان سانڈ کی طرح ڈکرایا۔

نورناہید اب اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ جھک کر بڑی تیزی سے ایک کان کاٹ دیا۔ دوسرے وار میں دوسرا کان بھی کٹ گیا۔ وہ گردن بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ اگر سر اٹھاتا تو مہرتاب کی تلوار شہ رگ میں کھب جاتی۔ دونوں کان کاٹ جانے سے چہرہ لہولہان ہو گیا۔ تکلیف کی شدت سے صرف فرش پر پاؤں مارتا رہا۔ آموسی نے تیسری مرتبہ ہاتھ چلایا تو ناک کاٹ کر لے گئی اور بنوسلان نے شدید غصہ و درد میں مہرتاب ہی پر ٹانگ چلا دی لیکن وار خالی گیا اور جواب میں ایک اور ٹھوکر کھائی جس سے سارے بدن میں آگ سی دوڑ گئی۔ چہرہ خون سے لت پت ہو رہا تھا۔ دونوں کان اور ناک کٹ جانے سے مکروہ شکل اور زیادہ بھیانک ہو گئی تھی۔ زخموں میں جیسے کسی نے چنگاریاں بھر دی تھیں اور وہ سر سے پاؤں تک ایک ایسے عذاب میں

مبتلا تھا جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

وہ عورت جو آج رات اس کی محبوبہ بنی تھی یہ سب کچھ دیکھ کر یوں سہم گئی جیسے بدن سے جان نکال لی گئی ہو۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بابل کے خوف ناک ترین آدمی کے ساتھ جس کے جسم میں کئی سانڈوں کی طاقت تھی، ایسا ذلت آمیز سلوک بھی ہوسکتا تھا اور کوئی مرد اُسے پچھاڑنے کی طاقت رکھتا ہوگا۔

اچانک مہرتاب نے اس کی گردن سے تلوار ہٹالی۔ اسے اٹھنے کا موقع دیا اور کہا۔ ''بنو سلان! اب تم اپنی تلوار اٹھا سکتے ہو۔ میں تمہیں تلوار چلانے اور بہادری دکھانے کا پورا موقع دوں گا۔ سنا ہے بابل میں کوئی شخص تیغ زنی میں تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔''

بنوسلان نے آزاد ہوتے ہی جھپٹ کر تلوار اٹھائی اور پلٹ کر آموسی پر حملہ کیا جو مہرتاب کے قریب کھڑی تھی۔ سب سے پہلے اسی کو سزا دینا چاہتا تھا مگر مہرتاب بجلی ایسی سرعت سے ان کے درمیان حائل ہوگیا اور بنوسلان کا وار اپنی تلوار پر روکا۔ ''بزدل ____! عورت پر وار کرتے ہو۔''

وار خالی جاتا دیکھ کر خوف ناک آدمی کچھ اور جھنجلا گیا۔ ''تم اسے زیادہ دیر تک میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکو گے۔'' کانوں اور ناک سے ابھی تک خون جاری تھا۔ گھٹنے کی کھال سے بھی لہو رِس رہا تھا۔ خون آلود چہرہ کسی خوف ناک عفریت کی صورت اختیار کرگیا تھا۔ صرف چہرہ ہی نہیں بدلا، ناک کٹ جانے سے آواز بھی بدل گئی تھی۔ زخموں سے چنگاریاں اُڑ رہی تھیں اور دل میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس نے ایک بار پھر نورِ ناہید کی طرف دیکھا اور ہونٹ کاٹ کے رہ گیا۔ پھر دانت پیستا ہوا بولا ____ ''میں اس عورت کو تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کرنا چاہتا ہوں۔''

''شوق سے قتل کرنا مگر مجھ سے نمٹنے کے بعد۔''

بنوسلان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مہرتاب اسے حیران کردینا چاہتا تھا۔ ''تم میرا نام جاننا اور میری صورت دیکھنا چاہتے تھے۔'' اس نے چہرے سے پٹکا اتار دیا۔ ''دیکھ لو صورت ____ نام ہے مہرتاب۔''

''چاہِ بابل'' کا داروغہ نقشِ حیرت بن گیا۔ دربار میں اسے دیکھ چکا اور یہ بھی سن چکا تھا کہ بادشاہ نے گارجیت کے اس نوجوان کو اپنے مشیرانِ خاص میں جگہ دی ہے۔ عورت کے ہاتھ

سے ناک کان کٹوا کر ذہنی طور پر مفلوج ہوچکا تھا۔ مہرتاب کی صورت دیکھ کر رہی سہی طاقت بھی زائل ہونے لگی مگر فوراً سنبھلا اور غصے میں جھنجلا کر ایسا وار کیا کہ اگر مہرتاب جلدی سے جھک نہ گیا ہوتا تو تلوار گردن پر پڑتی اور قصہ تمام ہوجاتا۔ دوسرا وار بھی بڑا، جچا تُلا تھا۔ مہرتاب نے تلوار کو تلوار پر روکا اور اُچھل کر پرے ہٹ گیا۔ اب اصل مقابلہ شروع ہوا۔ داؤ پیچ ہونے لگے۔ لوہا لوہے سے بجنے لگا۔

بنوسلان تیغ زنی میں واقعی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور پورے بابل میں اس کی تلوار کی دھاک بیٹھی تھی مگر مقابلہ بھی ایسے نوجوان سے تھا جو ایک سو بہادروں کی تلواریں توڑنے کا اعزاز حاصل کرچکا تھا۔

کئی لمحے دونوں حریف ایک دوسرے کو اپنی زد پر لانے کی کوشش کرتے رہے مگر کوئی کامیاب نہ ہوسکا۔ مہرتاب کو اس مقابلے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس کے برعکس بنوسلان کا ذہن کئی الجھنوں کا شکار تھا۔ ابھی تک کسی غلام نے بھی خبر نہیں لی تھی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ شاید مہرتاب نے سچ مچ انہیں ٹھکانے لگا دیا ہے۔ کوئی زندہ ہوتا تو ضرور آتا۔ وہ بڑی شدت کے ساتھ مدد کی ضرورت محسوس کررہا تھا لیکن دروازے کی طرف نظر اٹھی تو چند اجنبیوں کو دیکھ کر مزید پریشان ہوگیا۔ جسم پہلے ہی زخمی تھا اب ذہن پر بھی ضرب پڑی کہ حریف تنہا نہیں۔ وہ اسی پریشانی میں تھا کہ مہرتاب کو اس کے مکروہ چہرے پر خون کی لکیر کھینچنے کا موقع مل گیا جس نے سارے بدن میں آگ لگا دی اور پینترا بدل کر اپنا مخصوص وار کیا۔ یہ خطرناک وار بہتیرے لوگوں کو زندگی سے محروم کرچکا تھا۔ اس نے ذرا جھک کر تلوار مہرتاب کی پسلیوں میں اتارنے کی کوشش کی تھی۔ یہ قطعی موت کا ہاتھ تھا لیکن مہرتاب نے نہ صرف پھرتی سے وار بچایا بلکہ تلوار کو تلوار پر چڑھا کر اس تیزی سے گھمایا کہ بنوسلان کی تلوار ہوا میں اُڑتی چلی گئی اور وہ نہتا ہوکر خوف سے پیچھے ہٹا۔ مقدر کی سیاہی چہرے سے بہنے والے خون میں گھل مل رہی تھی۔ رنگ کچھ اور سیاہ پڑ گیا تھا۔ مہرتاب نے تلوار زمین پر ٹیک دی تھی۔

''بنوسلان! تلوار اٹھالو۔ تمہیں مدافعت کا پورا موقع دوں گا۔'' ڈرتا تھا کہ شاید تلوار اٹھاتے وقت ہی قتل کردیا جائے مگر مہرتاب اس کے وسوسے کو بھانپ کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''اب تم تلوار اٹھا سکتے ہو۔''

بنوسلان پر خوف طاری ہوگیا۔ یہ دشمن اوروں سے بالکل مختلف اور شاید موت کو ساتھ لے

کر آیا تھا۔ اب وہ صرف جان بچانے کی فکر میں تھا۔ جھپٹ کر تلوار اٹھائی اور وار کرنے کی بجائے وار روکنے لگا مگر چند ہی لمحوں کے بعد پھر وحشت سوار ہوئی اور تلوار سیدھی کر کے تیزی سے بھاگا کہ اسے دشمن کے پیٹ میں اتار دے۔ مہرتاب کاوا کاٹ کر ایک طرف ہٹ گیا اور کمرہ لرزہ خیز نسوانی چیخ سے گونج اٹھا۔ حملے کے جوش میں بنوسلان خود کو سنبھال نہ سکا اور تلوار اس کی محبوبہ کے پیٹ میں اتر گئی جو دیوار کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھی۔ ایک دلدوز صدائے مرگ بلند ہوئی اور جب بنوسلان نے اس کے پیٹ سے تلوار کھینچی تو عورت وہیں ڈھیر ہوگئی۔ انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل آئی تھیں۔ آموسی نے یہ جگر خراش منظر دیکھا تو دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔

بنوسلان پر جھنجھلاہٹ سوار تھی۔ اسے عورت کے مرنے کا کوئی افسوس تھا یا نہیں لیکن مہرتاب یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ کہیں وہ دور ہی سے تلوار پھینک کر آموسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اب وہ اسے کوئی مہلت نہ دینا چاہتا تھا۔ اس لئے آگے بڑھ کر پے در پے وار کئے اور ایک ایسا ہاتھ مارا کہ بنوسلان کی تلوار دو ٹکڑے ہوگئی۔ اس اندیشے کے پیشِ نظر کہ کہیں وہ ٹوٹی ہوئی تلوار آموسی پر نہ دے مارے اس نے بنوسلان کا دایاں بازو شانے تک کاٹ دیا۔ خون کا ایک فوارہ چھوٹا جس میں بابل کا خوفناک آدمی نہا گیا مگر جسم میں اتنی طاقت تھی کہ اسی حالت میں مہرتاب پر چھلانگ لگا دی۔ شاید مرنے سے پہلے کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔ مگر مہرتاب نے بھی تلوار پھینک کر قوتِ بازو پر بھروسہ کیا اور اس کے گرانڈیل جسم کو بازوؤں پر روک کر کن پٹی پر اس زور کا گھونسا مارا کہ وہ اچھل کر دور جا پڑا اور فرش پر تڑپنے لگا۔ خون میں نہایا بنوسلان کچھ دیر تڑپتا رہا پھر ایک خوف ناک خرخراہٹ کے ساتھ اس کی گردن ڈھلک گئی۔

اس کے دم توڑتے ہی نورِ ناہید لپک کر آگے بڑھی اور مہرتاب کے قدموں میں بیٹھ کر اس کی پنڈلی سے لپٹ گئی۔ آنکھوں سے آنسو اُمڈ آئے اور بھرائے ہوئے لہجے اور آنسوؤں سے بھیگی آواز میں کہنے لگی۔ ''مہرتاب ـــــ مہرتاب!! میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ آج میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو پوری ہوگئی اور میں نے اس شیطان کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھ لیا جس نے مجھے برباد کیا تھا۔ آج میرا انتقام پورا ہوا۔ میری مضمحل روح کو سکون مل گیا۔ اگر میں ساری عمر تمہارے پاؤں دھوتی رہوں پھر بھی اس احسانِ عظیم کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ مہرتاب ـــــ! میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ میرے جیتے جی کبھی ایسا ہو جائے گا۔''

نورِ ناہید کی آواز میں آنسو اور الفاظ میں بدنصیب عورت کے دل کا درد اس طرح گھل گیا تھا کہ مہرتاب تڑپ گیا۔ اس نے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسے اوپر اٹھایا، آنکھوں سے ابھی تک آنسو بہہ رہے تھے اور ہونٹوں کے گوشے لرزاں۔ یہ ایک مظلوم عورت کا ہدیۂ تشکر تھا جو اس نے اپنے محسن کے حضور پیش کیا۔

مہرتاب نے اپنے پٹکے سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا۔ ''بس نورِ ناہید! جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اپنی گزری زندگی کو بھول جاؤ۔ آج سے تم ایک نئی زندگی شروع کرو گی۔''

اس اثناء میں سردار سیسرا بھی چند بہادروں کے ہمراہ اندر آ چکا تھا۔ اس نے مہرتاب کو آفرین کہی اور بولا۔ ''سب کام ہو گئے مہرتاب! صرف ایک کام باقی رہ گیا ہے۔''

''اور وہی سب سے مشکل ہے۔ مگر میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے اگر وہ درست ہوئی تو مشکل آسان ہو جائے گی۔''

اس کی نظر دیوار پر گئی جہاں بہت سی چابیوں کا ایک گچھا آویزاں تھا۔ اس نے وہ گچھا اتار لیا اور کہا۔ ''سردار سیسرا ـــــ! صرف تم میرے ساتھ آؤ۔ باقی سب لوگ صرف نگرانی کا فرض ادا کریں گے۔''

پھر وہ آموسی کا کندھا تھپتھپاتا سردار سیسرا کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا اور ''چاہِ بابل'' کی فصیل کی طرف لپکتا چلا گیا۔

(24)

رِہائی

◎

بنو سلان کے کمرے سے نکل کر وہ کئی مشعلیں اٹھائے ''چاہِ بابل'' کی 80 فٹ اونچی فصیل کی طرف بھاگنے لگے اور خونی درندوں کے جنگلے عبور کر کے جلد ہی اس کے دیو ہیکل دروازے پر پہنچ گئے۔

دروازے کے قریب ہی ایک ڈھلان راستہ جس پر ایک رتھ بخوبی دوڑ سکتا تھا فصیل کے ساتھ ساتھ چکر کھاتا بتدریج اوپر جاتا تھا۔ یہ قدیم سمیریوں کا مخصوص فنِ تعمیر تھا جو سیڑھیاں اور زینے بنانے سے نا آشنا اور عبادت گاہوں کے بلند برجوں پر پہنچنے یا تہہ خانوں اور نشیب میں اترنے کے لئے خم دار پگڈنڈیاں اور راستے تعمیر کرتے تھے۔

کنوئیں کی تہہ میں اترنے والی خم دار پگڈنڈی اسی دیو ہیکل دروازے سے شروع ہوتی تھی جس پر بہت بڑا وزنی تالا پڑا تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ایک چابی تالے میں لگ گئی پھر بھاری مہیب اور سیاہ کواڑ کھلے اور دو مشعلوں کی زرد روشنی میں انہوں نے تاریخِ انسانی کے سب سے ہولناک اور دہشت انگیز کنوئیں کی پگڈنڈی پر قدم رکھا جو اس کی مدوّر دیوار کے ساتھ چکر کھاتی اور گھومتی ہوئی نیچے اترتی تھی۔

اس بھیانک ترین تاریخی کنوئیں کا قطر بارہ سو فٹ، محیط ایک میل کے لگ بھگ اور گہرائی تین سو فٹ تھی۔ صدیوں قبل جب اس کی شعبدہ نما تعمیر عمل میں آئی تو بیرونی ممالک کے باشندوں کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ دنیا میں کوئی اتنا عظیم و مہیب کنواں بھی تعمیر ہو سکتا ہے۔ اس

کی تکمیل فنِ تعمیر کا ایک محیر العقل کارنامہ تھا۔ ہزاروں بدنصیب غلام جو مفتوحہ ملکوں سے اسیر کر کے لائے گئے اس کی کھدائی میں مصروف رہے تھے۔ سینکڑوں معماروں اور کاریگروں نے تعمیر میں حصہ لیا تھا۔

تین سو فٹ کی گہرائی تک زمین کھودتے کھودتے کئی جگہوں سے پانی کے سوتے پھوٹے مگر شاہی کاریگر ان سوتوں کو چیڑ کے گوند، تارکول اور چونے کے آمیزے سے بند کرتے چلے گئے۔ ہزاروں غلام پتھر کوٹتے اور انہیں ریت مٹی کی طرح باریک کرنے میں شب و روز مصروف رہے تھے۔ تین سو فٹ گہری تہہ میں رال، کول تار اور چونے کے آمیزہ کی ایک موٹی پرت بچھا دی گئی اور اوپر تراشیدہ پتھروں کا فرش تعمیر کیا گیا تھا۔ جر ثقیل کے اصول پر بڑی بڑی چرخیوں کے ذریعے بھاری اور وزنی پتھر گہرائی تک پہنچائے گئے۔ معماروں نے انہیں کمال استادی سے کنوئیں کی دیوار میں پیوست کیا اور اس طرح اوپر نیچے جمایا تھا کہ آمیزے کی تہہ پتھروں ہی کا حصہ بن گئی تھی۔ ہزاروں مزدور یہ آمیزہ چوبی کڑاہیوں میں بھر بھر کے معماروں تک پہنچاتے رہے تھے۔

تعمیر کے دوران بیسیوں نہیں، سینکڑوں غلام اور مزدور ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ چرخیوں کے رسے کئی بار ٹوٹ جانے سے بڑے بڑے بھاری پتھر کنوئیں میں کام کرنے والے محنت کشوں پر بالائے ناگہانی بن کر گرتے اور متعدد مزدور اور غلام ان پتھروں کے نیچے دب کر ہلاک ہوتے رہے تھے۔ اس طرح اپنی تعمیر کے ابتدائی مرحلے ہی میں انسانوں کی لرزہ خیز ہلاکت اور کئی سالوں کی شبانہ روز محنت و مشقت کے بعد یہ تیرنگ زمانہ اور ہولناک ترین کنواں تیار ہوا تھا جس سے زیادہ ہولناکی اور دہشت انگیزی کا انسانی ذہن تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

قریباً ایک ماہ قبل جب مہر تاب بابل میں داخل ہوا اور مقدس گوما سے گفتگو کرنے کے بعد ایگور بل اور نیمیتی بل کے درمیان شہر کی مضافاتی پٹی پر سفر کر رہا تھا، ''چاہِ بابل'' کے خیال نے اسے پریشان کر دیا اور اس کے خوفِ عذاب سے واپس چلا جانا چاہتا تھا۔ وہ موت کے اس کنوئیں کو دیکھنا بھی پسند نہ کرتا تھا لیکن آج خود اجل کی اُسی ناند میں اتر رہا تھا۔ سر کے اوپر اسی فٹ اونچی فصیل نے بارہ سو فٹ چوڑے قطر اور ایک میل محیط نے اس کی دہشت میں اضافہ کر دیا تھا۔ اندر ایک عجیب سی ویرانی، پراگندگی اور خوف انگیز نحوست برس رہی تھی۔ وسعت و فراخی کے باوجود وہ موت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا اور یہی سرد اندھیرے اس کی تاریخ کے سیاہ

اوراق بن گئے تھے۔ دو مشعلوں کی روشنی میں بھی اس کی صحیح ہیئت نظر نہ آتی تھی کیونکہ ان کی روشنی دیوار کے محدود حصے پر پڑ رہی تھی مگر قدموں کی معمولی چاپ یا ہلکی سی آواز بھی موت کے اُس ''گنبد'' میں صدائے بازگشت بن کر یوں گونجتی تھی جیسے جہنم کے سرد و تاریک عقوبت خانوں میں گناہ گار روحیں درد و کرب سے کراہ رہی ہوں۔

وہ خم دار پگڈنڈی جس پر انہوں نے نشیب کا سفر شروع کیا دس بارہ فٹ چوڑی تھی۔ جس پر دو گھوڑوں کا رتھ بخوبی دوڑ سکتا تھا۔ لیکن کنوئیں کی جانب اس راستے پر کوئی روک، جنگلہ یا دیوارِ مزاحمت نہ تھی۔ اگر پاؤں پھسلتا تو آدمی لڑھک کر سینکڑوں فٹ نیچے تحت الثریٰ میں گرتا اور کنوئیں کی تہ میں گرنے سے قبل ہی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی۔ اسی اندیشے کے خیال سے انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا اور بڑی احتیاط سے ڈھلوان راستہ اترنے لگے۔

اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے ایک عجیب سی بُو محسوس کی۔ خم دار راستے پر جوں جوں نیچے اترتے گئے اس بُو میں اضافہ ہوتا گیا۔ شاید کنوئیں کو صاف کئے عرصہ ہو گیا تھا یا پھر صفائی کبھی ہوتی ہی نہیں تھی۔ اس خیال سے مہرتاب کے ذہن پر تاریکی چھانے لگی کیونکہ وہ جس امید پر کنوئیں میں اترا اس کا تمام انحصار اس خیال پر تھا کہ کنوئیں کی صفائی ہوتی ہو گی اور کچھ لوگ اس مقصد کے لئے تہ میں اترتے اور واپس آتے ہوں گے مگر ہیبت ناک دیوار کے ساتھ ساتھ خم دار پگڈنڈی پر حصار کے دو چکر کاٹتے کم و بیش اڑھائی میل کا سفر طے کرنے اور دوسری مشعلیں جلانے کے بعد جب وہ مزید نیچے پہنچے تو بُو ایک تعفن میں تبدیل ہو گئی۔

سردار سیسرا نے توجہ دلائی۔ ''اس بُو سے تو ظاہر ہوتا ہے اسیروں کی زندگی ختم ہو چکی۔ یہ لاشوں کے گلنے سڑنے کا تعفن ہے۔''

''اس بے رحمی سے اسیروں کا ذکر نہ کرو سیسرا ____!''

پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ کنوئیں کی تہ سے اٹھنے والا تعفن درندوں کے غاروں یا ان کھڈوں اور گڑھوں کا احساس دلا رہا تھا جہاں گوشت خور جانور اپنا شکار کھاتے اور ہڈیاں اور بعض اعضا پڑے پڑے بو چھوڑ دیتے ہیں۔ ''چاہِ بابل'' انسانوں کی شکار گاہ تھی اور اس کی فضا میں انسانی جسموں ہی کے گلنے سڑنے کی بُو پھیلی تھی۔ ان کے ذہن میں المناک خیال گزر رہے تھے کہ اچانک نیچے سے ایک انسانی آواز کی گونج سنائی دی۔ الفاظ تو سمجھ میں نہ آسکے مگر زندگی کا

نشان مل گیا۔ ان کی رفتار تیز ہو گئی اور کنوئیں کی عظیم و مہیب دیوار کے ساتھ ساتھ تیسرا چکر کاٹ کر وہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں خم دار پگڈنڈی ختم ہوتی اور سامنے پتھروں کی ایک منڈیر سی چن دی گئی تھی۔ اس مقام کے عین چالیس فٹ نیچے لوہے کا بہت بڑا جنگلہ یا ''زندانِ اجل'' جو وسیع کنوئیں کے ایک گوشے میں واقع تھا، اسی گوشے میں دو انسانی سائے حرکت کرتے نظر آئے۔ تیسرا ایک جانب فرش پر لیٹا تھا۔ مگر تینوں ہی حیرت و استعجاب کے عالم میں منہ اوپر اٹھائے مشعل برداروں کو چشمِ تحیر سے یوں دیکھ رہے تھے جیسے انسانوں کی بجائے وہ کسی ماورائی مخلوق سے تعلق رکھتے ہوں۔

''زندانِ اجل'' کے اسیروں کا تحیر و تعجب بے جا نہ تھا کیونکہ آدھی رات کے وقت اُن مشعل برداروں کا موت کے کنوئیں میں اترنا بجائے خود ایک انوکھا اور ناقابلِ یقین واقعہ تھا اور ''چاہِ بابل'' کی تاریخ میں ایسا واقعہ شاید کبھی نہیں ہوا تھا۔

مہرتاب اور سیسرا سمجھ گئے کہ وہی ہاروت، ماروت اور تجل ہیں مگر مشعلوں کی روشنی ٹھیک طرح نیچے نہیں پڑتی تھی، ویسے بھی پیہم مصائب نے اسیروں کے حلیے بگاڑ دیئے اور ''قیدِ اجل'' نے ان کی صورتیں تک بدل دی تھیں۔ شاید اسی لئے سردار سیسرا بھی ان کی شناخت نہیں کر سکا۔ اس نے چالیس فٹ کی بلندی سے پکار کر پوچھا۔ ''کیا نام ہیں آپ کے؟''

یہ ایک عجیب سوال تھا۔ اسیر غالباً سوچ میں پڑ گئے تھے۔ کیا مشعل بردار یہاں تک صرف اُن کے نام ہی پوچھنے آئے ہیں؟ پھر بھی ایک کمزور سی آواز سنائی دی۔ ''میں ماروت، یہ تجل اور وہ ہاروت ہیں جو فرش پر لیٹے ہیں۔''

اس تصدیق سے مہرتاب اور سیسرا کے دل دھڑکنے لگے اور یک لخت مہرتاب کو خیال آیا کہ زہرہ جمال بیدخت کی اطلاع کتنی درست تھی جب کہ معبد اکور کا کاہنِ اعظم زریہ بھی مجلس دینی کا سربراہ اور میر دو تیغ بیلشازار کا معتمد ہونے کے باوجود ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ مگر زہرہ جمال جانتی تھی۔

اچانک سردار سیسرا کی آواز نے اُس کی سوچ کا حلقہ توڑ دیا۔ وہ اسیروں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔ ''معزز ماروت! میں فرات کے ملاحوں کا سردار سیسرا ہوں اور میرے ساتھ مہرتاب ہے، بابل کا مہمان۔''

مہرتاب اور سیسرا کے دونوں نام اسیروں کے لئے سکون بخش تھے ان کے تاریک سے

چہروں پر جو آلام و حوادث کی گرد سے ناقابلِ شناخت ہو گئے تھے، اُمید کی کرنیں تھرتھرانے لگیں۔ مگر آنے والوں کے پاس کوئی کمند نہ دیکھ کر جس کے ذریعے وہ آہنی زندان سے باہر نکل سکتے، وہ کچھ پریشان سے نظر آنے لگے۔ ماروت کی آواز اُبھری۔ ''سردار سیسرا! کمند کے بغیر آئے ہو؟''

سیسرا کو پریشانی میں کوئی جواب نہ سوجھا۔ واقعی کمند کے بغیر آنا بیکار تھا۔ مگر مہرتاب نے بلند آواز میں پوچھا۔ ''کیا کنوئیں کی صفائی ہوتی ہے؟''

یہ ایک عجیب سوال تھا۔ بھلا کنوئیں کی صفائی کا اُن کی رہائی سے کیا تعلق؟ ماروت نے جواب دیا۔ ''ہماری موجودگی میں صفائی نہیں ہوئی لیکن جب ہمیں یہاں منتقل کیا گیا، کنواں صاف تھا۔ تین دن پہلے ایک آدمی پھینکا گیا تھا۔ اُس کی لاش خراب ہو گئی اور بڑی بُو پھیل رہی ہے۔ پہلے ایسی بُو نہیں تھی۔''

یہ سن کر مہرتاب اُچھلا۔ ''وہ لاش یقیناً شامی سردار پلاطو کی ہو گی جسے بادشاہ نے دربار کے روز ''چاہِ بابل'' میں پھینکنے کا حکم دیا تھا۔''

''مگر ہمیں کنوئیں کی صفائی اور پلاطو کی لاش سے کیا مطلب؟''

مہرتاب نے اپنے ساتھی کا کندھا جھنجھوڑ دیا۔ ''سردار سیسرا ___ ! کنوئیں کی صفائی کے لئے نیچے جانے اور اوپر آنے کا کوئی خفیہ راستہ یہیں کہیں ہو گا اور ہمیں وہی راستہ تلاش کرنا ہے۔''

بوڑھے ملاح نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ بات تو میں نے سوچی ہی نہیں تھی۔'' اور وہ خیال جو اُمید بن کر مہرتاب کو یہاں تک لے آیا تھا اب سردار سیسرا کے ذہن میں جھماکے سے پیدا کرنے لگا۔ پھر دونوں خفیہ راستے کی تلاش میں سرگرم ہو گئے۔

دیوار کے بھاری پتھر بڑی مضبوطی سے ایک دوسرے سے جمائے گئے تھے اور انہیں سیاہ رال کے آمیزے سے اس طرح جوڑ دیا گیا تھا کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی کوئی پتھر کمزور نہیں پڑا تھا۔ وہ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا پتھر ٹٹولتے چلے گئے۔ دیوار کو جگہ جگہ سے ٹھونک بجا کر دیکھا مگر کوئی پتھر ہلتا نہ تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ چند لمحوں کی بیکار تلاش کے بعد انہوں نے مایوس نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اچانک مہرتاب اُس منڈیر کی طرف بڑھا جو خم دار پگڈنڈی کے خاتمے پر بنائی گئی تھی۔ منڈیر کے ساتھ دیوار کا پتھر ہلتا ہوا ملا اور وہ خوشی سے چلّایا۔ ''سردار سیسرا ___ ! ذرا یہاں آؤ۔''

دونوں نے مل کر پتھر پر دباؤ ڈالا تو وہ ایک جانب سے دیوار کے اندر گھومتا چلا گیا۔ پتھر قریباً چار فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا تھا۔ پورا دباؤ ڈالنے سے وہ گھوم کر اس طرح سیدھا ہو گیا کہ دیوار میں دو دو فٹ چوڑے اور چار چار فٹ لمبے دو مستطیل خانے پیدا ہو گئے جن سے آدمی بخوبی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ یہ دراصل اس ڈھلان سرنگ کے دہانے تھے جو کنوئیں کی دیوار کے اندر ہی اندر چکر دار پگڈنڈی کی طرح گھومتی نیچے جاتی تھی۔ وہ مشعل اٹھائے فوراً ان جھریوں سے تاریک خلا میں رینگ گئے۔

سرنگ میں گھٹن تھی مگر اتنا وقت ہی کب تھا کہ وہ تازہ ہوا اندر داخل ہونے کا انتظار کرتے۔ جوں جوں سرنگ میں اترتے گئے، گھٹن بڑھتی گئی حتیٰ کہ سرنگ ختم ہو گئی اور وہ باہر نکلنے کا دہانہ تلاش کرنے لگے۔ یہ دہانہ جلد ہی مل گیا۔ اسی قسم کے ایک پتھر کو دھکیلنے سے ویسی ہی دو مستطیل جھریاں نمودار ہوئیں جن سے گزر کر وہ باہر آ گئے مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ''چاہِ بابل'' کی بھیانک تھاہ میں کھڑے تھے اور ''آہنی زندانِ اجل'' ایک طرف رہ گیا تھا۔ یہاں تعفن کے بھبھوکے نتھنوں سے ٹکرائے۔ مشعلوں کی روشنی میں پچاس ساٹھ قدموں کے فاصلے پر انسانی لاش کی ایک ڈھیری نظر آئی جس سے سڑاند اُٹھ رہی تھی۔ وہی بدنصیب پلاطو کی نعش تھی۔

اور نظر اٹھائی تو ''چاہِ بابل'' کے تین سو اسی فٹ بلند مدوّر حصار اور بارہ سو فٹ چوڑے قطر کے خلا سے آسمان گول ٹکڑے کی صورت میں دکھائی دیا جس کے درمیان زہرہ ستارہ بڑی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ مہرتاب نے سوچا۔ زہرہ بیدخت کا ستارہ ہے اور اس وقت بھی اگر وہ خود نہیں تو اس کا ستارہ اسے آسمان کی بلندیوں سے ''چاہِ بابل'' کی تھاہ میں کھڑا دیکھ رہا ہے۔ یہ ایک عجیب سا احساس تھا جس سے دل کو کسی قدر تسکین ہوئی لیکن بوڑھے ملاح کی طرف دیکھا تو وہ سخت پریشان نظر آیا۔ ''ہم کہاں آ گئے مہرتاب! کیا زندان کا کوئی دروازہ نہیں؟''

اُس نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور زہرہ ستارے سے شگون لیتا ہوا بولا۔ ''جب آسمان پر زہرہ چمک رہا ہو تو زمین پر مہرتاب مایوس نہیں ہو سکتا۔ ہم زندان کا دروازہ پھر تلاش کریں گے۔''

دونوں سرنگ میں لوٹ گئے اور آہنی زندان کا دہانہ تلاش کرنے لگے۔ انہوں نے ایک بار پھر پتھروں کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ ایک ایک پتھر پر دباؤ ڈالا مگر جس پتھر کی تلاش تھی وہی نہ ملا۔ سردار سیسرا کی مایوسی بڑھنے لگی۔ ''شاید اس قید خانے کا دروازہ رکھا ہی نہیں گیا۔''

اسی لمحے سردار سیسرا کی تیسری مشعل کا شعلہ بھی بھڑک کر خاموش ہو گیا اور سرنگ میں روشنی گھٹ گئی۔ بوڑھے کو مشعل گل ہونے کا بڑا افسوس ہوا کیونکہ ایسے موقع پر مشعل کا بجھ جانا اس کے نزدیک اچھا شگون نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر مہرتاب کی آخری مشعل میں جلنے والی چربی بھی ختم ہوگئی تو وہ ''چاہِ بابل'' کے اجل گرفتہ اندھیروں میں خود بھی گم ہو جائیں گے۔ لیکن اسی لمحے سرنگ کے کونے میں مطلوبہ پتھر مل گیا۔ انہوں نے مل کر پتھر کو دھکیلا اور جھری نما راستے سے ''زندانِ اجل'' میں داخل ہو گئے۔

تینوں اسیر پہلے ہی اس دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ مہرتاب اور سیسرا نے بڑے احترام کے ساتھ اُنہیں سلام کیا۔ تینوں بے حد کمزور اور دُبلے ہو گئے تھے۔ چالیس فٹ کی بلندی سے اس لعنتی زندان میں پھینکے جانے سے انہیں چوٹیں بھی آئی تھیں۔ بزرگ ہاروت کی پسلی کی ایک ہڈی پچک گئی اور ایک ٹانگ میں شدید چوٹ آئی تھی۔ وہ ٹھیک طرح سے چلنے کے قابل نہ تھا۔ تاہم ''قیدِ مرگ'' سے رہائی کے خیال نے ان تینوں کے جسموں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی تھی

یہاں کسی قسم کی گفتگو کا موقع نہ تھا۔ نہ اُن کے ساتھ پیش آنے والے حادثات کی تفصیل معلوم کرنے کا محل۔ وقت کا ایک ایک پل زندگی کے سانس کی طرح قیمتی تھا۔ سردار سیسرا نے ہاروت کو سہارا دیا۔ مہرتاب نے رہنمائی کی اور انہیں ''زندانِ اجل'' سے نکال کر خم دار ڈھلان سرنگ میں داخل ہوئے۔ سرنگ عبور کرنے کے بعد کنوئیں کی پیچ دار پگڈنڈی کا طویل سفر شروع ہوا جو تین میل سے کم نہ تھا۔

چڑھائی چڑھتے ہوئے عبرانی اسیروں کے قدم کمزوری کی وجہ سے بار بار ڈگمگاتے اور سانس پھول جاتے تھے۔ مگر یہ خم دار راستہ طے کر کے ہی وہ نئی زندگی سے ہم کنار ہو سکتے تھے۔ دو تین جگہوں پر سانس لینے کے لئے تھوڑے تھوڑے وقفے کا پڑاؤ کیا گیا مگر وقت کی نزاکت اصرار کر رہی تھی کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے۔

آخر یہ خم دار اور طویل سفر ختم ہوا اور وہ ''چاہِ بابل'' کے مرگ آفرین محیط سے نکل کر اس کے دیوہیکل دروازے پر پہنچے اور جونہی انہوں نے موت کی دہلیز پار کی، مہرتاب کے ہاتھ میں جلتی ہوئی آخری مشعل بھی بھڑک کے دم توڑ گئی۔ جیسے وہ صرف کنوئیں سے نکلنے کا انتظار کر رہی تھی۔
باہر فصیل کے پاس نورِ ناہید آموسی چند بہادروں کے ہمراہ اُن کی آمد کی گھڑیاں گن رہی

تھی۔ یہ بات ان سب کے لئے حیرت کا باعث بنی کہ ان کے ساتھی تین ''اجنبیوں'' کو ''چاہِ بابل'' کی تھاہ سے نکال لائے ہیں۔ کسی بھی شخص کو ان کی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ نہ ہی مہرتاب اور سیسرا نے اس بات کی ضرورت سمجھی کہ اسیروں کی حقیقت آشکار کی جائے کیونکہ یہ حقیقت تو خود بخود آشکار ہونے والی تھی۔

رات کا آخری پہر شروع ہو گیا تھا۔ اب انہیں جلد از جلد اس حصار کو چھوڑ دینا تھا۔
مہرتاب نے کہا۔ ''سردار سیسرا! اپنے دونوں بہادروں کی لاشیں ہم ساتھ لے کر جائیں گے۔ یہاں کوئی ایسا نشان باقی نہ رہے جس سے کسی کو ہمارا سراغ مل سکے۔''
آموسی نے بتایا۔ ''دونوں لاشیں پہلے ہی ڈیوڑھی میں پہنچا دی گئی ہیں۔''
''تو پھر ہمیں چلنا چاہئے۔''
کنوئیں سے باہر نکلنے کے بعد عبرانی اسیروں کو معلوم ہوا کہ ان کی رہائی کے لئے یہاں کشت وخون بھی ہوا ہے اور ''چاہِ بابل'' کا کوئی غلام زندہ نہیں بچا جو شاہ بنونید یا بیلشازار کو یہ اطلاع ہی دے سکے کہ اسیروں کو کون چھڑا کر لے گیا۔ یہ ایک انتہائی سنسنی خیز واقعہ تھا۔
فوراً ہی سب لوگ حصارِ مرگ کے بلند بالا دروازے پر پہنچ گئے پھر بڑی احتیاط کے ساتھ باہر نکلے اور دروازہ بند کر کے اُسی کھنڈر کی جانب ہو لئے جہاں رتھ اور رتھ بان ان کے منتظر تھے۔ چاند ایگو ربل کے مغربی اُفق پر چمک رہا تھا اور تھوڑی دیر میں بابل چاندنی سے محروم ہونے والا تھا۔

مہرتاب نے ہاروت، ماروت، نجل اور آموسی کو رتھ میں سوار کرایا جو کافی کھلا اور غالباً بار برداری کے کام آتا تھا۔ پھر سیسرا کو چند ضروری ہدایات دے کر خود بھی سوار ہوا اور اس کی ہدایت پر رتھ بان نے گھوڑوں کا رُخ شارع اساگیلہ کی طرف موڑ دیا۔
رات کے آخری پہر میں دیوتاؤں کا بابل خوابوں کے کسی جزیرے کی طرح نیند کی لہروں میں ہچکولے لے رہا تھا۔ مندروں، معبدوں اور ہیکلوں پر آخری رات کا سناٹا طاری تھا۔
بازارِ عیش کے گناہ آفرین ہنگامے سرد پڑ گئے اور دل گرفتہ عاشق یا تو اپنے گھروں کو لوٹ چکے یا اپنی محبوباؤں کے بستروں ہی پر گہری نیند ڈوب گئے تھے۔ بازاروں کی روشنیاں خاموش اور عیش کدوں کی قندیلیں بجھ چکی تھیں۔ صرف ہیکل مردوک کی آٹھویں منزل کی محرابوں میں مقدس قندیلیں کہکشاں کے ستاروں کی مانند جگمگا رہی تھی اور ان کی روشنیوں نے وسطی شہر میں

ایک مکر اُجالا سا کر رکھا تھا۔ بازار سُونے اور سڑکیں ویران تھیں۔ اس سناٹے میں صرف دو گھوڑوں کی ٹاپیں اور چوبی پہیوں کی کھڑکھڑاہٹیں آخری رات کا سینہ زخمی کر رہی تھیں۔

❀

جب رتھ کاشانۂ زہرہ کے پھاٹک پر رُکا نورِ ناہید حیران و ششدر سی مہرتاب کو دیکھنے لگی۔ اُس نے جواب دیا۔ "یہی ہماری منزل ہے۔"

پھر وہ لپک کر نیچے اُترا اور آموسی کو سہارا دے کر اُتارنے لگا۔ اسی وقت کاشانۂ زہرہ کا پھاٹک جو غروبِ آفتاب کے ساتھ بند ہوتا اور طلوعِ آفتاب پر کھلتا تھا، خلافِ معمول رات کے آخری پہر آپ سے آپ کھل گیا اور ہندوستانی رتھ بان شنکر کسی طلسمی سائے کی طرح باہر نکلا۔ یہ سب کچھ خلافِ توقع تھا۔ شنکر نے بتایا۔ "آج رات کاشانۂ زہرہ کا پھاٹک بند ہی نہیں کیا گیا تھا۔"

"کیوں ___ ؟" مہرتاب شنکر کی اطلاع پر حیران رہ گیا تھا۔

"مجھے حکم ملا تھا ساری رات جاگتا اور پھاٹک پر آپ کا انتظار کرتا رہوں۔"

اتنی دیر میں عبرانی بزرگ بھی رتھ سے اتر چکے تھے۔ مہرتاب کے اشارے پر رتھ بان نے گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور سیدھا شارع اساگیلہ پر ہولیا۔ یہ راستہ شاہراہِ پراتو سے جاملتا تھا اور رتھ بان کو اسی شاہراہ کے کنارے ایک محلے میں پہنچنا تھا۔

اس کے رخصت ہوتے ہی مہرتاب "عبرانی مہمانوں" کے ساتھ کاشانۂ زہرہ میں داخل ہوا اور شنکر نے فوراً پھاٹک بند کر دیا۔ ٹھیک اسی ساعت چاند ایمگو ربل کی دیوار سے نیچے اُتر گیا اور پورے شہر پر ایک ملگجا سا اندھیرا چھا گیا۔

نورِ ناہید نے مہرتاب کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ بارہ دری سے گزر کر جب شنکر قصرِ زہرہ میں جانے کی بجائے اصطبل کی جانب مُڑا تو مہرتاب نے تعجب سے پوچھا۔ "اِدھر کہاں؟"

"پربھو! آپ کے ساتھ جو مہمان آئے ہیں انہیں تہ خانے میں ٹھہرایا جائے گا۔"

"تہ خانہ ___ تو کیا کاشانۂ زہرہ میں بھی کوئی تہ خانہ ہے؟"

"ہاں پربھو! اور ایسا ہے وہ تہ خانہ کہ مالکن اور میرے سوا تیسرا کوئی فرد اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ مہمانوں کے لئے وہی جگہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ مالکن کا حکم ہے، اگر آپ مہمانوں کے ساتھ آئیں تو آپ کو سیدھا تہ خانے میں لے جاؤں پھر انہیں اطلاع دوں۔ وہ میرا انتظا کر رہی ہوں گی۔"

"کیا بیدخت اس وقت جاگ رہی ہو گی؟"

"آج رات وہ سوئی کہاں ہیں۔"

پھر شنکر چلتے چلتے بتانے لگا۔ "صبح آپ کے جاتے ہی مالکن اپنی تمام "پجاریوں" کو ساتھ لے کر ہیکل زہرہ میں چلی گئی تھیں۔ وہاں سارا دن دیوی کے حضور آپ کے جیون کی پرارتھنا کرتی رہیں۔ آپ کے نام کی بھینٹ چڑھائی۔ خیرات بھی بانٹی۔ شام کے وقت گھر لوٹیں تو مجھے تنہائی میں بلا کر ہدایت کی کہ آج ساری رات پھاٹک کھلا رکھوں اور آپ کا انتظار کروں۔ ان کا خیال تھا شاید آپ رات کے کسی وقت اچانک آجائیں اور کوئی بھی سمے ہو، پھاٹک کھلا ملنا چاہئے۔ مجھے ساری رات ہوشیار رہنے کی تاکید کی تھی۔ آج وہ خود بھی نہیں سوئیں۔ پربھو! میں نے انہیں اتنا بے چین اور پریشان کبھی نہیں دیکھا۔ آدھی رات کے وقت اچانک پھاٹک پر آئیں اور کہنے لگیں۔ "شنکر! مالک کے لئے دعا کرو۔" وہ آپ کو "مالک" کہتی ہیں پربھو! مجھ سے کہا میں آپ کی زندگی کے لئے جو منت چاہوں مانگوں، وہ پوری کریں گی۔ جب میرے پاس آئیں، آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ شاید وہ آپ کے لئے روتی رہی ہیں اور اس وقت بھی ضرور دیوی کے سامنے بیٹھی آپ کے لئے پرارتھنا کر رہی ہوں گی۔ پربھو! میں نہیں جانتا آج رات آپ کو کون سی مشکل درپیش تھی۔ کس خطرے کا سامنا تھا، مگر آپ کے گھر سے نکلتے ہی مالکن کی جان پر بن گئی تھی اور وہ یوں تلملا اٹھی تھیں جیسے کوئی قیامت ٹوٹنے والی ہو۔ پربھگوان کا شکر ہے کہ آپ صحیح سلامت لوٹ آئے ہیں۔"

مہرتاب پر حیرتوں کا پہاڑ اُلٹ پڑا۔ کیا بیدخت کو اس کا اتنا خیال ہے؟ اس انداز سے تو اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ دل ہی دل میں اُس پر قربان ہوتا شنکر کے ساتھ چلتا رہا۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ آج رات "چاہِ بابل" کی تھاہ میں کھڑے کھڑے اُس نے آسان کے گول ٹکڑے پر زہرہ ستارے کو چمکتے دیکھا تھا اور اصل میں وہ زہرہ جمال بیدخت ہی تھی جو اس کی محبت کی آنکھ بن کر آسمان پر طلوع ہوئی کہ اپنے محبوب کو دیکھتی رہے اور اس بات کا دھیان رکھے کہ کہیں موت کے کنوئیں میں اسے کچھ ہو نہ جائے۔ کہیں وہ اس سے چھین نہ لیا جائے۔ اسی لئے وہ دن بھر دیوی کی پوجا کرتی اور اس کے لئے تڑپتی رہی تھی۔ شاید اس کی دعاؤں نے

دل کی تڑپ نے ''چاہِ بابل'' کے خطرناک حصار میں اس کا کام آسان کر دیا تھا۔ اس کے دشمنوں کے لئے موت کے پُراسرار دام بچھا دیئے تھے۔ نجانے وہ اور کیا کیا سوچتا رہا۔ اس اثناء میں شنکر صحن عبور کر کے اصطبل میں داخل ہوا اور اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں گھوڑوں کا خشک چارہ اور دوسرا سامان پڑا تھا۔

اصطبل کے صحن میں بندھے ہوئے سفید نقرئی گھوڑے اُسے دیکھ کر ہنہنائے۔ وہ ان کے قریب سے گزرتا کمرے میں داخل ہوا۔ آگے چھوٹا سا ایک اور کمرہ تھا جس میں کچھ مورتیاں اور پرانے کتبے پڑے تھے۔ سامنے کی دیوار پر قدیم سمیری زبان کا ایک بہت بڑا کتبہ آویزاں تھا۔ شنکر نے اس کتبے کو ہٹا کر ایک پتھر کو دھکیلا تو وہ کواڑ کی طرح اندر کو گھوم گیا اور دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا۔ کمرے کی قندیل اٹھا کر وہ پہلے خود داخل ہوا پھر سب باری باری اندر آ گئے۔

یہ دروازہ ایک طویل راہداری میں کھلتا تھا اور یہیں سے پتھر کا ایک زینہ تہ خانے میں اترتا تھا۔ تہ خانہ تین کمروں پر مشتمل تھا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تینوں کمرے آراستہ تھے اور اندر نہ جانے کہاں سے تازہ ہوا آ رہی تھی۔

انہیں ایک آراستہ کمرے میں پہنچا کر شنکر نے مخصوص انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''پربھو! اب مجھے آگیا دیجئے، میں مالکن کو آپ کے آنے کی خبر کر آؤں۔''

پھر شنکر تو لوٹ گیا اور مہرتاب عبرانی مہمانوں کو بتانے لگا کہ وہ ان کی تلاش میں کہاں کہاں نہیں بھٹکا۔ مگر آج بیدخت نے یہ عجیب فرمائش کر کے اُسے مبہوت کر دیا کہ وہ عبرانی اسیروں کی رہائی چاہتی ہے۔ چاہِ بابل کے ''زندانِ اجل'' کا پتہ بھی اُسی نے بتایا تھا۔

ابھی وہ یہ سب کچھ بتا ہی رہا تھا کہ شنکر اپنی مالکن کے ساتھ واپس آ گیا۔ وہ مہرتاب کے ساتھ عبرانی مہمانوں کو دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوشی سے ازخود رفتہ بھی ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے خلافِ معمول ایک سادہ سا لباس پہن رکھا تھا مگر اس لباس میں بھی حُسن و جمال کی شہزادی نظر آ رہی تھی۔

• وہ مہرتاب کو عشق انگیز نظروں سے دیکھتی ہوئی بے تابانہ آگے بڑھی جیسے اتنے لوگوں کی موجودگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اُس سے بے اختیار لپٹ جائے گی۔ مگر مہرتاب نے فوراً اُسے توجہ دلائی۔ ''دیکھ لو بیدخت! میں نے تمہارا کہا پورا کر دیا۔ تم نے جن لوگوں کی رہائی کی تمنا کی تھی، میں انہیں چاہِ بابل سے نکال لایا ہوں۔''

یہ آواز سنتے ہی بیدخت جیسے ہوش میں آ گئی۔ بڑھتے ہوئے قدم رک گئے مگر اس کی نظریں جن میں محبت کے اَن گنت جذبے تڑپ رہے تھے، پیار کے اَن کہے گیت مچل رہے تھے مہرتاب پر مرتکز تھیں۔

''مہرتاب! میں تمہارا کس طرح شکریہ ادا کروں؟ کیونکہ اس کام کے لئے جو تم نے میری خاطر کیا ہے، ''شکریہ'' لفظ تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔ یہ بوڑھا لفظ میرے جوان اور انتہائی مقدس جذبے کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہی نہیں آتا کہ تم اسیروں کو چھڑا لائے ہو، حالانکہ وہ میرے سامنے کھڑے ہیں۔ انتھیا کی قسم! یہ تو کچھ معجزے سے بڑھ کر ہوا ہے۔ کس قدر حیرت انگیز ہے کہ میں نے صبح تمہارے سامنے ایک خواہش بیان کی اور تم نے دوسرے دن کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی پہلے اُسے پورا بھی کر دیا۔ حالانکہ چاہِ بابل میں اُتر کر زندہ لوٹ آنا ممکن ہی نہیں۔ مگر تم لوٹ آئے ہو اور یہ انہونی بات ہو گئی ہے۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ آسمان کے الٰہوں اور زمین کے دیوتاؤں کی پُراسرار طاقتیں تمہارے ساتھ ہیں اور وہی تمہاری حفاظت کرتی ہیں____''

''میں نہیں سمجھتا تمہاری اس قصیدہ خوانی کا مقصد کیا ہے۔ لیکن یہ ضرور بتا دینا چاہتا ہوں اگر نورِ ناہید ساتھ نہ ہوتی تو شاید چاہِ بابل کے حصار میں داخل ہونا بھی ممکن نہ تھا۔''

اس نے آموسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نورِ ناہید کی کہانی تمہیں پھر کبھی سناؤں گا۔ مگر فی الحال اتنا انکشاف ہی کافی ہے کہ تمہاری دوسری خواہش نورِ ناہید ہی کے طفیل پوری ہو سکی۔''

بیدخت نے ابھی تک آموسی کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب جو اس پر نظر پڑی تو دنگ رہ گئی اور فرطِ مسرت سے چلائی____ ''ہائے نورِ ناہید____! میری جان.....میری پیاری.....'' وہ آگے بڑھ کر بے اختیار اُس سے لپٹ گئی۔

آموسی نے بھی بازو کھول دیئے اور بیدخت کو گلے سے لگا لیا۔ وہ اُسے دیوانہ وار پیار کرنے اور اس کا منہ چومنے لگی۔

''اری تُو کیوں روٹھ گئی تھی مجھ سے____ ہزار بار بلایا مگر تُو ایک بار نہ آئی۔ بھلا ایسی بھی کیا ناراضگی۔ مہرتاب! میں تمہاری بے حد ممنون ہوں کہ اسیروں کے ساتھ تم میری جان سے پیاری سہیلی کو بھی لے آئے۔ اب میں اسے کہیں نہ جانے دوں گی۔''

"نورِ ناہید اب کہیں جائے گی بھی نہیں، یہیں رہے گی۔"

آموسی نے چونک کر مہرتاب کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگا۔ "ہاں نورِ ناہید! اب تم ہمیشہ یہیں رہو گی۔ اپنی پچھلی زندگی کو بھول جاؤ۔ آج تمہاری نئی زندگی کی صبح طلوع ہوئی ہے۔"

"مجھے تمہارا ہر حکم منظور ہے۔"

اس پر زہرہ جمال بیدخت نے اُسے ایک بار پھر سینے سے لگا لیا۔ پھر اچانک اُسے خیال آیا اور ہندوستانی نوکر سے مخاطب ہو کر بولی۔ "شنکر! کھڑے کیوں ہو، مہمانوں کے کھانے کے لئے کچھ لاؤ۔"

شنکر فوراً ہی کمرے سے نکل گیا اور عبرانی مہمان حیرت و تعجب کی نظر سے اپنی میزبان کو دیکھنے لگے جو حُسن جمال ہی میں نہیں، حُسنِ سلوک میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔

(25)

ہار

◎

جس رات نورِ ناہید آموسی نے مہرتاب کے ساتھ چاہِ بابل کے حصار میں زندگی کے ناقابلِ یقین، ہولناک، سنسنی خیز لمحے گزارے اور بنوسلان سے اپنی دوشیزگی کی توہین کا انتقام لیا اسی رات بہارِ حُسن فدیمہ سردار حنانی کی ضیافت میں اُس ہار کی بدولت جو آموسی سے عاریتاً مانگ کر لے گئی تھی، بہت سی عورتوں، بہت سے مردوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

ہار اتنا قیمتی نہ سہی مگر فونیقی کاریگری کا نادر نمونہ تھا اور اس کی سب سے نمایاں خصوصیت افرودیت کی وہ ننھی منی سی طلائی شبیہہ تھی جو ایک انچ سے بھی چھوٹی ہوگی لیکن بناوٹ، سجاوٹ، چمک دمک سے آنکھوں کو خیرہ کرتی اور ہار کے وسط میں فدیمہ کی پُر بہار قوسوں کے درمیان اس طرح آویزاں تھی کہ دیکھنے والوں کی پہلی نظر اُسی شبیہہ پر پڑتی اور وہ بیک وقت انسان کی صناعی اور قدرت کی رعنائی کے ہوش رُبا نظاروں میں کھو جاتے۔ جس نے بھی ہار دیکھا فدیمہ کے ذوقِ آرائش کی داد دی۔ حالانکہ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ مانگے تانگے کا زیور اُس کی شخصیت میں چار چاند لگا دے گا۔

اُس نے تو آموسی سے ہار اس لئے مانگ لیا تھا کہ بھری محفل میں خالی خالی جانا کچھ اچھا نہ تھا۔ چاندی کی ایک چھوٹی سی زنجیر کے علاوہ جسے وہ بابل کی عورتوں کی طرح بالوں پر سجا لیتی اُس کے پاس کوئی زیور نہ تھا۔ چندروز قبل جب شاہ بنونید کی دوسری مہربانی کے طفیل سردار حنانی کو ہیکل مردوک کی نگرانی کا اعزاز ملا اور اس نے ایک شاندار ضیافت کا ارادہ ظاہر کیا تو فدیمہ
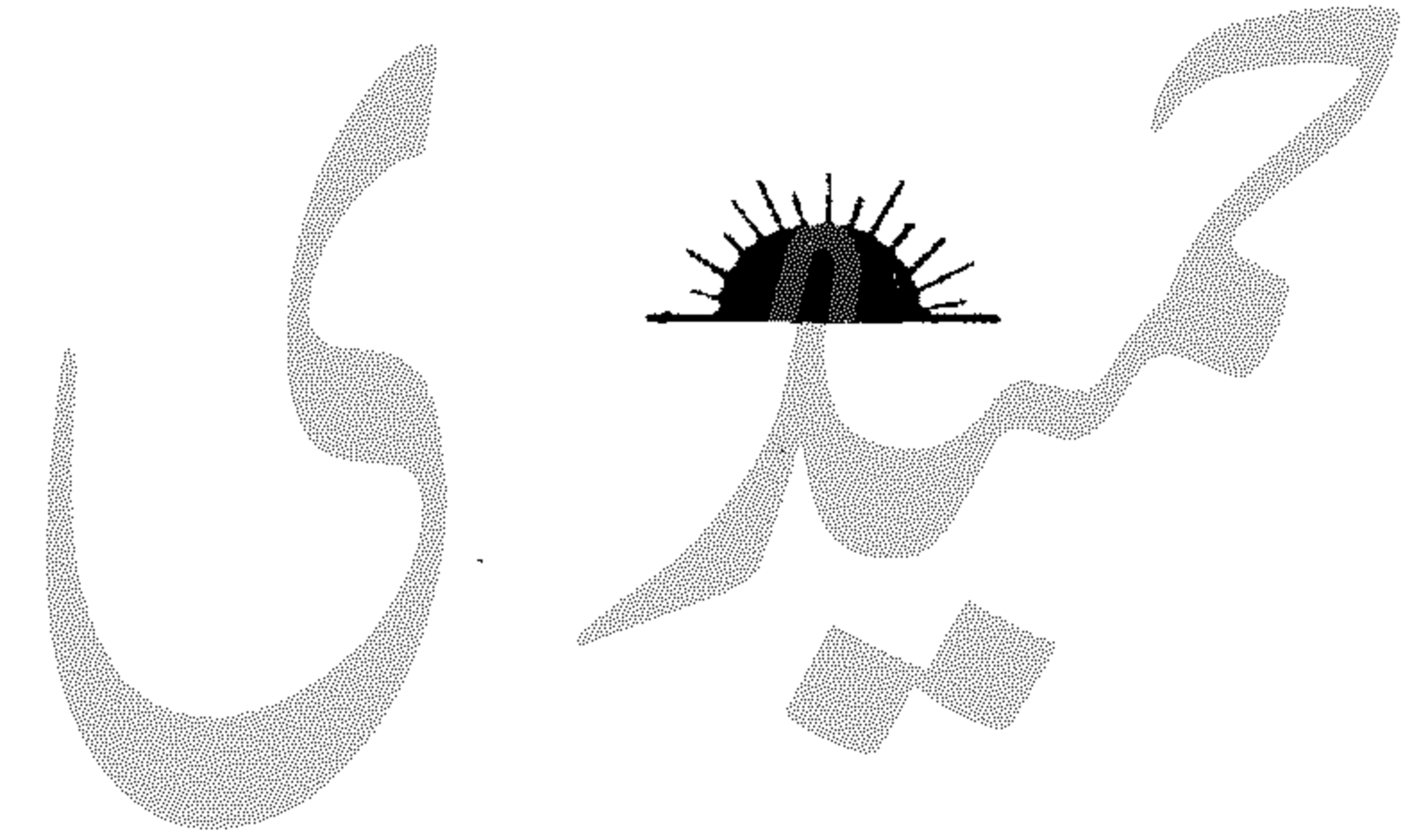
نے فرمائش کی تھی۔

"بادشاہ تم پر مہربان ہے اور اس کے خزانے میں بے شمار نوادرات ہیں۔ اگر اُس سے کوئی زیور مانگ لو تو پہن کر میں بھی ضیافت کی رات تمہارے مہمانوں میں سر بلند ہو سکتی ہوں۔"

سردار حنانی اُس کی فرمائش سن کر عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔

"کیا تُو چاہتی ہے میں بادشاہ کی نظروں میں ذلیل ہو جاؤں؟"

"بادشاہ سے کچھ مانگ لینے میں ذلت کیسی؟ وہ ظلِ مردوک ہے۔"

"تُو نہیں جانتی، شاہ بنونید اپنے موروثی نوادرات پر نظر رکھنے والوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔"

"میں تو تمہاری ہی عزت کے لئے کہہ رہی تھی۔ دیکھو نا میرے کانوں میں، گلے میں، ہاتھوں میں کوئی زیور نہیں۔ ضیافت میں ننگی بچی پھروں گی تو لوگ تمہی پر انگلیاں اٹھائیں گے۔"

"کیا تُو سمجھتی ہے میں تیرے لئے کوئی زیور بھی نہیں خرید سکتا؟"

سردار حنانی کو فدیمہ کا بھرا بھرا جسم پسند تھا۔ سامنے ہوتی تو آسمان کے ستارے بھی توڑ کر نچھاور کر دینے پر تیار ہو جاتا۔ چلی جاتی تو سرکاری کاموں کے ہجوم میں گم ہو جاتا اور خیال ہی نہ رہتا کہ کسی عورت سے پیار کرتا ہے۔

بعض مرد عورت کی چال کے مُہرے ہوتے ہیں۔ سردار حنانی صرف دربار اساگیلہ کی بساط کا مہرہ تھا جسے کبھی شاہ بنونید آگے بڑھاتا کبھی میرودتخ بیلشازار پیچھے ہٹاتا تھا۔ فدیمہ سے ملتا اور اس کی باتیں سنتا تو محسوس کرتا کہ دنیا کی رنگینی میں اس کا بھی کچھ حصہ ہے۔ بس یہی لمحے اُسے عورت کی رعنائی اور زندگی کی دل کشی کا احساس دلاتے تھے۔ اس نے فدیمہ سے وعدہ کر لیا تھا کہ اس کے لئے زیور خرید لائے گا لیکن ضیافت کی رات جب فدیمہ کی بھیجی ہوئی ساقی گری کرنے والی لڑکیاں اس کے ہاں پہنچیں اور مہمان آنا شروع ہوئے تو اچانک یاد آیا کہ وہ زیور لانا تو بھول ہی گیا ہے۔ شاید زندگی میں پہلی بار سرکاری مصروفیات سے نفرت ہوئی مگر اب کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ بابل کے جوہری اور صراف سرِ شام ہی دکانیں بڑھا دیتے تھے۔

اسی اثناء میں معبد اشتر کے کاہن اشمیدی کی بیگم زیورات سے لدی پھندی داخل ہوئی اور سردار حنانی اس کی سج دھج دیکھ کر دل ہی دل میں کٹ کے رہ گیا کہ فدیمہ آئے گی، زیور کا مطالبہ کرے گی تو اُسے کیا جواب دے گا۔ ان لوگوں کے سامنے سر کس طرح اونچا کر سکے گا جو جانتے ہیں کہ فدیمہ محض اس کی خاطر اپنا دھندا ترک کر چکی ہے۔

اسی شش و پنج میں کھڑا تھا کہ بہارِ حُسن فدیمہ چند مہمانوں کے ہجوم میں گھری اندر آئی اور آراستہ و پیراستہ صحن میں رک گئی جہاں ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سردار حنانی یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ زرق برق لباس کے ساتھ ایک خوب صورت ہار بھی گلے کی زینت تھا اور ہار بھی ایسا کہ سب عورتوں، سب مردوں کی نظریں اُسی پر مرتکز تھیں۔ ایک عورت نے غالباً حنانی کو دیکھ کر فقرہ چست کیا تھا۔

"فدیمہ! آج تو سردار حنانی بھی تیرے حُسن کی بہار دیکھ کر گھائل ہو جائے گا۔ تُو نے محبت کی دیوی افرودیت کو گلے لگایا ہے۔"

یہ الفاظ حنانی کے دل میں اترتے چلے گئے اور اسے ایک اکدی شاعر کی بات یاد آ گئی کہ عورت جب کسی سے پیار کرتی ہے تو اسے دیوتاؤں کا سا اعزاز بخش دیتی ہے۔ سوچنے لگا یہ زرق برق لباس تو گزشتہ عید بیلس پر اُسی نے بنوا کر دیا تھا مگر طلائی ہار کہاں سے لے آئی جو واقعی کھلے گریبان پر خوب سج رہا تھا۔ خیر کچھ بھی ہو فدیمہ نے اُسے ذاتی ذلت سے بچا لیا تھا جس کے تصور سے پریشان ہوا جا رہا تھا۔

وہ مہمانوں کو چھوڑ کر سیدھی اُسی کے پاس پہنچی اور ایک گوشۂ تنہائی میں لے جا کر لباس اور ہار کی نمائش کرتی بولی۔

"ذرا دیکھو تو کیسی لگتی ہوں؟"

"انلیل دیوی کی طرح دل کش اور خوب صورت....." سردار حنانی سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگا۔ "مگر میں شرمندہ ہوں، میں تیرے لئے زیور لانا بھول گیا۔"

"میں جانتی تھی تم بھول جاؤ گے مگر یہ نہ بھول جانا کہ ہماری آج کی ملاقات آخری ہو گی۔"

"آخری کیوں؟"

"کل سے اپنا دھندا پھر شروع کر دوں گی؟"

حنانی کے دل پر بجلی سی گری۔ "میں تجھ سے محبت کرتا ہوں فدیمہ!"

"کسی کے لئے محبت ایک بے معنی لفظ ہے۔"

"مگر میں محبت کو تیرے دل کی دھڑکن بنا دوں گا، اسے معنی عطا کروں گا۔"

اس کی بے قراری بلکہ بدحواسی دیکھ کر فدیمہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکی کیونکہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی مگر فوراً مسکراہٹ کو زہر خند میں بدل دیا۔

"یہ بات تم پہلے بھی کئی بار کہہ چکے ہو۔"

"آج آخری بار کہتا ہوں، دیوتا بھی آدمی کو آخری موقع دیتے ہیں۔"

فدیمہ نے سوچا جھگڑا بڑھانا ٹھیک نہیں فی الحال جو دھمکی دے چکی وہی کافی ہے۔ مہربانی کے انداز میں بولی۔

"چلو۔۔۔۔ میں بھی تمہیں آخری موقع دیتی ہوں۔"

"بس تیری یہی بات مجھے پسند ہے کہ روٹھ کر مان جاتی ہے۔" حنانی بے حد خوش نظر آتا تھا۔ "اب بول یہ ہار کتنے میں خریدا ہے تُو نے۔ میں ابھی اس کی قیمت چکاتا ہوں۔"

"ارے واہ!" وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ "اس ہار کی قیمت چکاؤ گے؟۔۔۔۔ یہ تو انمول ہے۔"

"بتانا نہیں چاہتی کہ ہار خرید کر نہیں، اپنی سہیلی سے مانگ کر لائی ہے۔" حنانی نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔

"اپنے لئے مجھے کچھ تو خریدنے دے۔"

فدیمہ نے "آخری موقع" کے الفاظ کو معنی پہنا دیئے۔

"سردار حنانی! میں جانتی ہوں بڑے آدمیوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے مگر ذرا غور سے سن لو اور یاد رکھو کل کا سورج غروب ہونے تک تم میرے کانوں کے لئے بالے، گلے کے لئے ہار، ہاتھوں کے لئے کڑے لے آئے تو میں تمہاری ہوں۔"

حنانی نے اطمینان کا سانس لیا۔ "تیرے آخری الفاظ نغمہ شیریں سے زیادہ دلکش ہیں۔۔۔۔ تُو میری ہے، میری ہی رہے گی۔"

یہ گفتگو جو گوشۂ تنہائی میں ہوئی کوئی نہ سن سکا اور ان کے درمیان معاملہ طے پا گیا۔ فدیمہ مطمئن تھی کہ سردار حنانی شاید افرودیت کی برکت سے سیدھی راہ پر آ گیا ہے جو اس کے سینے پر لٹک رہی تھی۔ حنانی سے رخصت ہو کر دیوی کو نگاہِ شوق سے دیکھتی مہمانوں کی طرف پلٹی جن میں ساقیہ لڑکیاں شراب تقسیم کر رہی تھیں۔ اس اثناء میں بہت سے مہمان پہنچ چکے تھے اور دعوت کا ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ ابھی چند قدم چلی تھی کہ اچانک ایک جوان سی حسین عورت نے روک لیا۔ "بڑی خوش قسمت ہو فدیمہ! یہ ہار کیا سردار حنانی نے دیا ہے؟"

"ہار۔۔۔۔" اس نے چونک کر، سر اٹھا کر روکنے والی کو دیکھا اور دل ہی دل میں نورنا ہید

آموسی کو دعائیں دینے لگی جس کے ہار نے اس کی شخصیت کو کچھ سے کچھ بنا دیا تھا۔ جوان عورت کی نظریں بھی اُسی ہار پر مرتکز تھیں۔

فدیمہ کو اس کی صورت کچھ آشنا سی لگی۔ پھر ناگاہ یاد آیا کہ وہ ایک فوجی افسر کی بیوہ بطانہ ہے جس کا خاوند سیپار کی جنگ میں مارا گیا اور سردار حنانی کے پاس اس غرض سے آئی تھی کہ بادشاہ سے سفارش کر کے اس کا وظیفہ لگوا دے۔ فدیمہ نے مسکرا کے جواب دیا۔

"نہیں۔۔۔۔ حنانی کو اتنی فرصت ہی کہاں ملتی ہے کہ ایسے تحفے خرید سکے۔"

"میں تو سمجھی تھی اُسی نے دیا ہوگا مگر تم کہتی ہو نہیں تو پھر کہاں سے لیا؟"

"بس قسمت سے مل گیا۔"

"بہارِ حُسن! قسمت واقعی تم پر مہربان معلوم ہوتی ہے۔ بڑا خوبصورت ہار ہے۔ افرودیت کی مہربانی سے تم سردار حنانی کی محبت جیت لو گی۔"

"مردوک تمہاری زبان مبارک کرے۔"

یہ کہہ کر فدیمہ تو ساقیہ لڑکیوں کی طرف بڑھ گئی اور بطانہ اُس الگ تھلگ گوشے کی طرف مڑی جہاں چند عورتیں، چند مرد الگ الگ تنہا بیٹھے تھے۔ شاید انہیں اپنے اپنے ساتھی کا انتظار تھا۔ اسی گوشۂ انتظار میں بیگم اشمیدی بھی ایک طرف تنہا بیٹھی تھی۔

ضیافت کا اہتمام ایک وسیع و عریض کھلے صحن میں کیا گیا تھا تاکہ مہمان آسمان کی چھت کے نیچے حُسن اور شراب کے ساتھ ساتھ نظارۂ فلک سے بھی شاد کام ہو سکیں۔ صحن خوب آراستہ کیا گیا اور جگہ جگہ مشعلیں نصب کر دی گئی تھیں جن کی روشنیاں رات کے سیاہ دامن میں زرد غبار کی طرح لرز رہی تھیں اور ان کی روشنیوں میں ساقیہ لڑکیاں اور غلام مہمانوں کی خدمت میں مصروف تھے۔

صحن کے پیچھے دیوان خانے اور اس سے ملحق کمروں کے دروازے بھی کھلے رکھے گئے تھے تاکہ مہمان اگر چاہیں تو وہاں تنہائی کے کچھ پُر کیف لمحے گزار سکیں۔ مگر ان کمروں میں بہت ہی مدھم بس برائے نام سی روشنی کی گئی تھی تاکہ نیم تاریکی ان کی حسین خلوتوں کے درمیان چلمن کا کام دے سکے۔

ضیافت میں ہر طبقے کے خاص خاص لوگ مدعو تھے مگر اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ مردوں کے ساتھ ان کی بیویاں اور عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر نہیں بلائے گئے تھے۔ ایسی

دعوتیں بابل کی رنگین تہذیب[1] کا حصہ تھیں جس سے محفل میں بے تکلفی اور بے حجابی کی فضا پیدا ہو جاتی اور مرد کسی خوف کے بغیر اپنی پسند کی عورتوں سے اور عورتیں کسی جھجک کے بغیر اپنی پسند کے مردوں کے ساتھ گھل مل جاتی تھیں۔

سردار حنانی کے جشنِ ضیافت میں بھی تہذیبِ بابل کی دلچسپیوں اور لذت و گناہ کی رنگینیوں کے سامان فراہم کیے گئے تھے۔ قسم قسم کے کھانوں، پھلوں اور شرابوں نے ضیافت کی رونق کو دوبالا کر دیا تھا۔ اوپر کالے آسمان پر ستاروں کے چراغ فروزاں تھے۔ نیچے خاکستری زمین پر دلوں میں سرور و کیف کی آگ دہک رہی تھی جس طرح ایک روشنی دوسری روشنی میں گھل مل کر زیادہ چمک اٹھتی اور ایک اندھیرا دوسرے اندھیرے میں مل کر اور گہرا ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی روشنی، روشنی سے مل کر اور اندھیرا اندھیرے میں گھل کر ایک عجیب سماں پیدا کر رہا تھا۔

اہلِ بابل کے نزدیک گناہ کے اندھیرے اُن کی تہذیب کی روشنی سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ روشنی، یہ تاریکی صحن سے لے کر دیوان خانے اور اس کے ملحق کمروں تک پھیلتی تھی۔ کہیں گہری کہیں ہلکی۔ اور اس اُجالے اندھیرے میں ہلکا ہلکا سا شور یوں لگتا تھا جیسے ہنستی آوازوں، بہکتی سرگوشیوں، سریلی کھنکھناہٹوں کا ایک مترنم جھرنا بہہ رہا ہو۔

بطانہ اس جھرنے کے کنارے کنارے چلتی اس گوشۂ انتظار میں آ بیٹھی تھی جہاں کچھ لوگ ایک دوسرے سے بے تعلق بیٹھے تھے۔ وہ بے چینی سے پھاٹک کی جانب دیکھ رہی تھی کہ بیگم اشمیدی اس کے قریب کھسک آئی اور بڑی بے تکلفی سے بولی۔

"اری بطانہ! کیا انتظار ہے کسی کا؟"

"ہاں، دنیا میں بہت سی عورتیں بہت سے مردوں کا انتظار کرتی آئی ہیں۔ ان میں ایک میں بھی ہوں مگر تم اپنی کہو بیگم اشمیدی!"

"میں تو یونہی بیٹھی ہوں یہاں۔" اچانک اس نے بات گھما دی۔ "تم شاید فدیمہ سے ہار کی بابت پوچھ رہی تھیں، میرا خیال ہے حنانی نے لے کر دیا ہو گا۔"

"نہیں، سردار حنانی شاہی امور کا ماہر ہو گا مگر عورتوں کے معاملے میں اناڑی ہے۔"

[1] بابل کے طبقۂ امراء میں ایسی دعوتوں کا رواج تھا جن میں مرد غیر عورتوں کے ساتھ اور عورتیں غیر مردوں کے ساتھ تفریح کرتیں۔ یہ دعوتیں رات بھر جاری رہتی تھیں۔ (تاریخ بابل، اصنامی تہذیبیں)

"پھر فدیمہ نے ہار کہاں سے لیا؟"

"کہتی تھی قسمت سے مل گیا ہے۔"

"اونہہ..... قسمت اور وہ بھی کسبی کی۔" بیگم اشمیدی نے ناک چڑھائی۔ "اگر حنانی نے نہیں دیا تو ہار اس نے کہیں سے چرایا ہے کیونکہ بازار میں ایسے ہار نہیں ملتے۔"

"فدیمہ کسبی ضرور ہے مگر چور نہیں۔" بطانہ نے اس کی حمایت کی۔ "سردار حنانی کسی چور عورت سے واسطہ کیوں رکھے گا؟"

"مگر کسبی مرد کا دل تو چراتی ہے۔" بیگم اشمیدی نے حجت نکالی۔ "فدیمہ نے بھی حنانی کا دل چرایا ہے۔"

"دل سونے کا زیور نہیں جسے چرا کر وہ گلے میں سجا لے۔ پھر مرد کتنا ہی پارسا ہو، حسین عورت کو دیکھ کر خود ہی پھسل پڑتا ہے۔ اپنے میاں کی بات بھول گئی ہو کیا؟" بطانہ نے اس کی دُکھتی رگ پر انگلی رکھ دی۔

"کون سی بات؟"

"لو، تم تو بالکل انجان بن گئیں۔ بھلا اشمیدی نے معبدِ اشتر کے نذرانوں سے قیمتی ہیرے زہرہ جمال بیدخت کو کس لئے بھجوائے تھے؟ خود تم نے بادشاہ سے شکایت کیوں کی تھی کہ تمہارا میاں غیر عورتوں سے میل ملاپ رکھتا ہے ____؟" بیگم اشمیدی کچھ بجھ سی گئی۔ بطانہ کہنے لگی۔

"زہرہ جمال کی بات چھوڑو۔ اس کی زلفوں میں کسی کا دل نہیں اٹکا۔ اگر اشمیدی پھسل گیا تو کیا ہوا۔ مگر یہ غیر عورتوں سے میل ملاپ والی بات کسی کاہن کو زیب نہیں دیتی۔ جبھی "رقصِ عبادت" کی رات بادشاہ نے اُسے سخت سرزنش کی تھی۔"

"ٹھیک کہتی ہو بطانہ! مردوں کا کیا بھروسا۔" بیگم اشمیدی اس بات سے انکار نہ کر سکی جس کا پورے بابل میں چرچا ہوا تھا۔ "میں نے بہت کچھ سنا تھا، بہت کچھ دیکھا تھا تب بادشاہ سے شکایت کی۔"

وہ افسردہ سی ہو گئی۔ اب بطانہ کو اس کی تعریف کی سوجھی۔

"تمہاری عمر کچھ زیادہ تو نہیں کہ بوڑھا اشمیدی دوسرے سہارے ڈھونڈنے لگا۔ پھر خوب صورتی اور دل کشی کا عمر سے کیا واسطہ؟ ڈھلتا سورج بھی گرم ہوتا ہے۔ اور ابھی تمہارے جسم

میں بلا کی کشش ہے۔

اپنی تعریف سن کر جیسے بیگم اشمیدی کی گزری جوانی لوٹ آئی۔ حسرت بھری آواز میں کہنے لگی۔

''اب تم سے کیا چھپانا۔ میں نے اشمیدی کو ایک مکمل عورت کا پیار دیا۔ وہ بھی الفاظ کی حد تک میرا دیوانہ رہا۔ کہتا تھا میرے سوا دنیا میں اور کچھ نہیں۔ لیکن اس کی کئی راتیں معبدِ اشتر میں گزرتیں اور میں جانتی تھی وہاں کیا ہوتا ہے ___ خیر چھوڑو، اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے؟''

''بادشاہ کی سرزنش کے بعد تو تمہارا ہی طواف کرتا ہوگا۔''

''کہاں ___ بادشاہ نے اُسے کہانت سے معزول کر دیا اور آبائی دین کی تکمیل کے لئے زیگورات میں جانے کا حکم دے دیا تھا۔''

''ہاں، میں نے بھی سنا ہے وہ مذہبی بحث میں ایک اجنبی سے ہار گیا اور بادشاہ نے الزام لگایا تھا کہ دینِ اکد کا علم نہیں رکھتا ___ پھر کیا ہوا؟''

''دوسرے ہی دن زیگورات میں منتقل ہو گیا۔ اب تکمیل علم کے بعد ہی گھر لوٹے گا۔ شاید ایک سال تک وہیں رہے۔''

بطانہ نے ایک نیا شگوفہ چھوڑ دیا ___ ''پھر تو آج کل تم بھی بلبل کی طرح آزاد ہو۔ شاید سردار ریموت تمہاری ہی تاک میں یہاں آ بیٹھا ہے۔ بیچارے کو ایک نظر دیکھ تو لو۔''

''کہاں ہے ریموت؟''

بیگم اشمیدی یہ سن کر کہ کوئی اس کی تاک میں بھی ہے مضطرب سی ہو گئی۔ بطانہ نے آنکھ سے ایک طرف اشارہ کیا تو اس نے بڑی شان اور بڑی ادائے دلبرانہ کے ساتھ ذرا گردن گھما کر ادھر یوں دیکھا جیسے نہیں دیکھا پھر فوجی افسر کی بیوہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''دیکھ تو مجھ ہی کو رہا ہے مگر نہ جانے دل میں کیا ہے۔''

''تمہیں ملنے کے لئے بے چین نظر آتا ہے۔ مجھے اب یہاں سے اٹھنا چاہئے۔''

''نہیں، بیٹھو ابھی۔'' بیگم اشمیدی نے اُسے پھر بٹھا لیا۔ ''میرے لئے بے چین ہے تو ذرا اور تڑپ لینے دو۔''

''بیچارے کو تڑپاؤ گی؟''

''مرد جتنا تڑپتا ہے اس کے اندر عورت سے ملنے کی خواہش اتنی ہی شدید ہو جاتی ہے۔''

اچانک اُسے ایک نیا خیال آیا۔ ''کاش وہ ہار جو فدیمہ نے پہن رکھا ہے اس وقت میرے گلے میں ہوتا تو پھر تم ریموت کے تڑپنے کا تماشا دیکھتیں۔''

''مگر تجربہ کار مرد زیور کی بجائے عورت کے تجربے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔''

''ہائے بطانہ! تم نے کیسی پتے کی بات کہی ہے۔'' بیگم اشمیدی نے ایک کیف آور سسکی بھری۔ ''تجربہ عورت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ حوا سے لے کر آج تک عورت کتنے حسین تجربوں سے گزری ہے۔''

''اور آدمؑ سے لے کر آج تک مرد بھی عورت کے لئے کبھی لڑتا، کبھی جیتتا، کبھی ہارتا رہا ہے۔'' یہ کہہ کر بطانہ یک لخت کھڑی ہو گئی اور بیگم اشمیدی کے کان میں بولی۔ ''اب ریموت تمہیں جیتنا چاہتا ہے اور میں اسے موقع دیتی ہوں کہ آ کر جیت لے اور تم کوئی نیا تجربہ حاصل کر سکو۔''

یہ کہہ کر پھاٹک کی طرف لپکی۔ اسی لمحے ایک فوجی افسر پھاٹک سے گزر کر صحن میں داخل ہوا۔ بطانہ غالباً اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ بیگم اشمیدی نے مسکرا کر اُسے جاتے دیکھا لیکن یہ دل نوازسی مسکراہٹ دراصل ریموت کے لئے ایک بلاوا تھا کہ بھلے آدمی اب آ بھی چکو۔ سردار ریموت اس کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھتا ہوا جلدی سے اٹھا، کسی ہچکچاہٹ کے بغیر سیدھا اس کے پاس آیا اور بولا۔

''کیا بیٹھ سکتا ہوں یہاں؟''

بیگم اشمیدی نے اپنی آنکھوں میں تسخیر کا جادو جگاتے ہوئے بھرپور نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے ریموت! میں نے بھانپ لیا تھا کہ مجھ سے ملنے کو بے چین ہو رہے ہو، تبھی بطانہ کو چلتا کیا ___ بیٹھو نا۔''

''تمہاری تجربہ کار نگاہوں کی داد دیتا ہوں۔''

''مگر تمہاری طرح ہر شخص عورت کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''

سردار ریموت نے بیٹھتے ہی پانسہ پھینک دیا۔ ''پھر مطلب کی بات کیوں نہ کی جائے۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' بیگم اشمیدی کے ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''ابھی تو

رات نے پہلی انگڑائی لی ہے اور ضیافت رات بھر چلے گی۔"

"مگر میں رات بھر نہیں ٹھہر سکوں گا۔ مجھے جلدی ہے۔"

"تم جیسے مرد کو جلد بازی زیب نہیں دیتی۔ سہج پکے سو میٹھا ہو۔"

ریموت کا مطلب کچھ اور تھا وہ کچھ اور سمجھ رہی تھی۔ ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر بولی۔

"ذرا فدیمہ کو آ لینے دو، تمہارے لئے کوئی عمدہ سی شراب منگواتی ہوں پھر مطلب کی بات بھی ہو جائے گی۔"

ریموت اس کی بہکی بہکی باتوں کو سمجھ رہا تھا۔ فدیمہ کا نام سن کر چونکا، جیسے مطلب ہاتھ آ گیا ہو۔ "تم فوجی افسر کی بیوہ سے فدیمہ کے ہار کی بات کر رہی تھیں نا؟"

"ہاں ـــــ بڑا خوبصورت ہار ہے۔"

"اور تمہارا خیال ہے شاید اس نے چرایا ہے کہیں سے؟"

یہ سنتے ہی بیگم اشمیدی پریشان ہو گئی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ میری اور بطانہ کی گفتگو سنتے رہے ہو۔"

ریموت نے اس کے تحیر یا احتجاج کو کوئی اہمیت نہیں دی اور کہا۔

"تمہارا خیال غلط ہے کہ ہار اس نے چرایا ہے۔ چرایا ہوتا تو ضیافت میں پہن کر نہ آتی۔"

بیگم اشمیدی نے محسوس کیا وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ چوری کے ہار کی نمائش نہیں کی جاتی۔ "پھر تم کیا کہتے ہو؟"

"کسی سے مانگ کر لائی ہے۔"

"جانتے ہو کس سے مانگ کر لائی ہے؟"

"نہیں مگر ـــــ" اور اس "مگر" کے ساتھ ہی سردار ریموت نے ایک دھماکا خیز انکشاف کر دیا۔ "مجھے بارہ سال سے ایک ایسے ہی ہار کی تلاش ہے۔"

"بارہ سال سے؟؟" بیگم اشمیدی کا چہرہ سوالیہ بن گیا۔ آنکھوں میں نئے تجسس نے لہر لی۔ "پھر تو اس ہار کا تعلق کسی اہم معاملے سے ہو گا؟"

"ہاں، کچھ ایسا ہی ہے۔ اور اب میں تمہیں ایک دلچسپ موقع دینا چاہتا ہوں۔"

وہ سمجھ گئی سردار ریموت کو نسوانی کشش نہیں بلکہ ایک ضرورت اس کے پاس کھینچ لائی ہے۔ اور وہ اپنا کام لینا چاہتا ہے۔ پھر بھی اس کی ضرورت کی ڈور بیگم اشمیدی کے ہاتھ میں تھی۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی ریموت! ذرا کھل کر بات کرو۔"

اب ریموت نے اپنا مطلب ایک خوب صورت ترغیب میں لپیٹ کر پیش کیا۔

"اگر فدیمہ سے یہ معلوم کر لو کہ ہار کی اصل مالکن کون اور اس وقت کہاں ہے تو ہماری دوسری ملاقات خاصی پُر لطف ہو گی جیسی تم چاہتی ہو۔ اس ملاقات کے لئے میں نے دیوان خانے کے مغربی کمرے کو پسند کیا ہے، تم اس کے اندھیرے میں مجھے اپنا منتظر پاؤ گی۔"

بیگم اشمیدی جیسی عورت کے لئے یہ ترغیب بڑی پُرکشش تھی مگر بارہ سال سے اس ہار کی تلاش بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کچھ معلوم تو ہو، آخر معاملے کی صورت کیا ہے؟"

"تمہیں معاملے کی صورت سے کیا غرض۔ ہاں اتنا کہے دیتا ہوں، ہار کی مالکن کا پتہ معلوم کرنے کے بعد اگر کسی کا خون بھی کر دو گی تو میرودیخ بیلشازار وہ خون[1] تمہیں معاف کر دے گا۔"

بیگم اشمیدی فرطِ تحیر سے بُت سی بن گئی اور پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ معاملہ بڑا سنگین معلوم ہوتا تھا۔ "تو ہار کی اصل مالکن کی تلاش بیلشازار کو ہے وہ بھی بارہ سال سے؟"

"تم اپنی ذہانت سے ایک ایسی بات کی تہ کو پہنچ گئی ہو جسے شاید میں بیان نہ کرتا۔ اب اس عورت کی تلاش میں میری مدد کرو۔"

"یہ بھی بتا دو وہ عورت بیلشازار کی کوئی محبوبہ تھی؟"

"نہیں ـــــ ایک یونانی عورت ـــــ خاندانِ بخت نصر کی دشمن۔"

بیگم اشمیدی اچھل کر کھڑی ہو گئی ـــــ اُسے یاد آیا بارہ برس پہلے ایک یونانی عورت کی تلاش پر بابل میں بڑا ہنگامہ اٹھا اور باغاتِ معلقہ کا شاہی داروغہ شبوران اس پاداش میں بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا گیا تھا کہ وہ اس عورت کی نگرانی نہیں کر سکا۔ تو یہ تھی معاملے کی صورت۔ اور وہ جان گئی تھی اس خدمت کا صلہ جو ریموت اس سے لینا چاہتا ہے صرف اندھیرے کی ملاقات پر ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ سلسلہ کچھ آگے بڑھ سکتا اور وہ میرودیخ بیلشازار کی خوشنودی بھی حاصل کر سکتی ہے۔ اچانک اس نے اپنی انگشت شہادت ریموت کے سینے کی طرف اٹھا دی ـــــ اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

---

[1] حمورابی کے قوانین میں خون معاف نہیں ہو سکتا تھا۔ (مصنف)

"تم نے یہی کہا ہے نا کہ اگر میں ہار کی اصل مالکن کا پتہ معلوم کر لوں تو تم دیوان خانے کے مغربی کمرے میں میرا انتظار کرو گے؟"

ریموت بھی کھڑا ہو گیا۔ "ہاں ____ یہی کہا ہے میں نے۔"

"اور اس خدمت کے عوض اگر میں کسی کا خون بھی کر دوں تو بیلشازار وہ خون مجھے معاف کر دے گا؟"

"بے شک معاف کر دے گا۔ چاہو تو اس بات کی لوح لکھ دیتا ہوں۔"

"سردار ریموت! میں تمہاری مدد کروں گی۔"

"اور میں اندھیرے کمرے میں تمہارا منتظر رہوں گا۔"

ابھی یہ الفاظ ریموت کی زبان پر تھے کہ اس نے فدیمہ کو آتے دیکھا اور بے چین ہو کر کہا۔

"لو ____ وہ اسی طرف آ رہی ہے۔ باتوں میں لگا کر ہار کی مالکن کا پتہ پوچھ لو، میں جاتا ہوں۔ اور ہاں، دیوان خانے کا مغربی کمرہ یاد رکھنا۔"

یہ کہہ کر سردار ریموت سانپ کی طرح بڑی تیزی سے ایک طرف نکل گیا اور بیگم اشمیدی کھڑی سوچنے لگی اُس کے ساتھ اندھیرے کمرے میں ملاقات کتنی پُر لطف اور سنسنی خیز ہو گی۔ اپنی نبضوں میں ابھی سے کیف آور سنسناہٹ محسوس کر رہی تھی ...... جونہی فدیمہ قریب آئی، بڑے تپاک سے آگے بڑھی۔

"اے فدیمہ بہارِ حُسن! ذرا فرصت ہو تو گھڑی دو گھڑی میرے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔"

بیگم اشمیدی مغرور اور نک چڑھی مشہور تھی، اُس کی جانب سے یہ التفات غیر معمولی اور حیران کن تھا۔ فدیمہ اُسے کوئی معنی نہ پہنا سکی۔

"معاف کرنا بیگم اشمیدی! تم ایک کاہن کی بیوی، میں بازار کی عورت......"

"یہ کیا دقیانوسی بات نکالی تم نے۔ ہیکل، معبد، مندر کی طرح بازار بھی ہماری تہذیب کا حصہ، ہمارے معاشرے کی ضرورت ہے۔ آؤ ادھر۔"

پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بالکل قریب بٹھا لیا۔ خود اپنی بچھائی ہوئی بساط کے خانے میں آ بیٹھی اور نگاہیں اس کے کھلے گریبان پر جما دیں۔

"یہ ہار تم نے بازار سے تو نہیں خریدا ہو گا۔"

پھر وہی ہار ...... فدیمہ چونکی۔ "تمہیں کیا معلوم؟"

"میں زیورات کی پہچان رکھتی ہوں اور بابل کے سب جوہریوں، صرافوں کو جانتی ہوں۔ آج کل وہ اپنی دکانوں پر بدیسی مال نہیں رکھتے۔"

"بدیسی مال؟" فدیمہ کی حیرت کچھ اور بڑھی۔

"افرودیت یونانی دیوی ہے بہارِ حسن! بابل میں اس کی پرستش ہوتی ہے نہ مورتیاں ڈھالی جاتی ہیں۔ شاید یہ ہار کسی یونانی عورت نے دیا ہے تمہیں ____ کون ہے وہ؟"

فدیمہ کو کیا معلوم کہ نورِ ناہید آموسی کا یونان سے کوئی واسطہ ہے یا نہیں مگر ہار تو اسی سے مانگ کر لائی تھی۔ شش و پنج میں پڑ گئی کہ خاموش رہے یا بتا دے کہ ہار کس کا ہے؟ ناگہاں کوئی غیبی طاقت اشارہ کرنے لگی کہ خاموش ہی رہے۔ نہ جانے کیا معاملہ ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اُس نے سردار ریموت کو بیگم اشمیدی سے مل کر جاتے دیکھا تھا اور ریموت بابل میں "سایۂ اجل" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

اس کی خاموشی دیکھ کر بیگم اشمیدی کا اصرار بڑھا۔ "بتاؤ نا، کون ہے وہ عورت جس نے تمہیں ہار دیا۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

فدیمہ کے دل میں خطرے کی دوسری دھمک اُبھری۔ خیال آیا کہیں آموسی یا اُس کی بیمار ماں پر چوری کا الزام تو نہیں دھرنا چاہتی۔ اس کے ساتھ ہی کوئی اندر سے بولا ____ "ہوشیار فدیمہ! ہوشیار، کہیں اپنی سہیلی کے لئے مصیبت کھڑی نہ کر دینا۔" مگر مصیبت تو کھڑی ہو چکی تھی اور دل میں شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ ریموت ہی بیگم اشمیدی کے کان میں کوئی منتر پھونک گیا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کچھ بھی ہو اپنی سہیلی کا نام نہیں لے گی۔

"تم اُس عورت سے مل کر کیا کرو گی؟"

"ہار خریدنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں خرید سکو گی۔"

"دام بڑھا دیئے جائیں تو انمول چیز بھی بک جاتی ہے۔ مجھے اس عورت کا پتہ بتاؤ۔"

فدیمہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ "وہ عورت تمہارے سامنے کھڑی ہے۔ لگاؤ قیمت، بڑھاؤ دام۔ دیکھوں کہاں تک بڑھاتی ہو۔"

"تم ____؟" بیگم اشمیدی دم بخود رہ گئی۔

"ہاں، میں ہوں بہارِ حُسن فدیمہ اس ہار کی مالکن۔"

''نہیں ــــــ تم نہیں ــــــ '' بیگم اشمیدی بھی کھڑی ہوگئی۔ ''صرف ایک یونانی عورت اس ہار کی ملکیت کا دعویٰ کر سکتی ہے اور تم یونانی نہیں ہو۔''

فدیمہ نے اس کی پریشانی سے بھانپ لیا کہ کوئی چکر ہے ضرور۔ بولی۔

''اب تو ہار میرا ہی ہے۔''

''سچ بتاؤ تمہیں کس نے دیا تھا؟''

''سچ جاننا چاہتی ہو تو وہ ایک گاہک تھا میرا۔'' فدیمہ نے صاف جھوٹ بول دیا۔

''گاہک کا نام بتا سکتی ہو؟''

''کیا ہار خریدنے کے لئے گاہک کو ڈھونڈتی پھرو گی؟''

بیگم اشمیدی کٹ کے رہ گئی۔ اس کی بدحواسی اور غلط سوال نے یہ بات واضح کر دی کہ اصل مدعا ہار نہیں، ہار والی ہے۔ فدیمہ کے دل میں جس خطرے نے انگڑائی لی تھی وہ سامنے کھڑا تھا۔ پھر ہاتھ ہلایا جیسے خنجر چلا دیا ہو اور زہر خند سے بولی۔

''ایک بات اور سن لو بیگم اشمیدی! کسبی اپنے گاہکوں کے نام یاد نہیں رکھتی۔''

یہ کہہ کر پلٹی اور چل دی۔ بیگم اشمیدی گھائل سی کھڑی دیکھتی ہی رہ گئی۔ اسے روک نہ سکتی تھی کچھ پوچھ نہ سکتی تھی۔ بازاری عورت نے سارے تجربے خاک میں ملا دیئے اور ندھیرے کمرے میں سردار ریموت سے سنسنی خیز ملاقات کا خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔ میرودیج بیلشازار کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

فدیمہ اُسے مات دے کر نکل گئی۔ اب مایوس و دل شکستہ سی کھڑی محسوس کر رہی تھی کہ ضیافت میں شریک ہر عورت، ہر مرد نے اس کی شکست کا منظر دیکھ لیا ہے۔ حالانکہ کیف و سرور کی لہروں میں بہتے بیگانۂ ہوش مہمانوں کو کیا پڑی تھی وہ بیگم اشمیدی اور فدیمہ بہارِ حُسن کی باتوں پر کان لگاتے یا ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی۔ یہاں تو کسی کو اتنی فرصت بھی نہیں تھی کہ صرف دو قدم پر ہونے والی حسین سرگوشیوں اور کیف و مستی کی گھاتوں پر دھیان دیتا۔ سب اپنے ہی نشے میں چور تھے۔ مگر بیگم اشمیدی کا یہ خیال ڈسے جا رہا تھا کہ کانوں نے سب کچھ سن لیا، آنکھوں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے اور ہنستے چہرے، مسکراتے ہونٹ اس کا تمسخر اُڑا رہے ہیں۔

اسی احساسِ شکست میں پیچ و تاب کھاتی انتظار گاہ سے نکلی، غلاموں اور ساقیہ لڑکیوں سے

بچتی بچاتی پھاٹک پر پہنچی اور ہوا کے جھونکے کی طرح باہر نکل گئی۔ صرف ایک آدمی نے اُسے جشنِ ضیافت سے نکلتے بھاگتے دیکھا اور وہ دربارِ اساگیلہ کے خفیہ امور کا سربراہ سردار ریموت تھا جس نے اس کے جاتے ہی کوئی چیز اپنے پاؤں سے مسل دی اور مہندی کی باڑھ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

اس رات اہلِ بابل کی لذتِ ہوس اور کیف و سرمستی کا ایک اور باب آسمانوں کی کتابِ اسرار میں رقم ہو گیا۔

سپیدۂ سحری نمودار ہوتے ہی بہارِ حُسن فدیمہ نے سردار حنانی سے اجازت لی۔ شام تک اپنی شرط پوری کرنے کی تاکید کی اور پھاٹک سے نکل کر گھر کی طرف ہو لی۔ لیکن چند ہی قدم چلی تھی کہ ناگہاں ایک موڑ سے نکل کر ریموت کے خفیہ آدمی اس پر جھپٹ پڑے اور بابل میں کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ فدیمہ پر کیا بیت گئی۔

(26)

باغاتِ مُعلّقہ میں

◎

دوسرے دن کا سورج ایمگور بل کی تین سو پچاس فٹ اونچی فصیل سے اُبھرا تو چاہِ بابل کے حصار میں کشت وخونریزی کی لرزہ خیز خبر بھی ساتھ لایا۔

بنوسلان ولی عہد بیلشازار کا مقرر کردہ داروغہ تھا۔ ہلاکت کی خبر سب سے پہلے اسی تک پہنچائی گئی۔ کوئی یقین ہی نہیں کرسکتا تھا کہ چاہِ بابل کے محافظوں پر حملہ کرنا تو درکنار کوئی دشمن اس کے حصار میں بھی داخل ہوسکتا ہے۔ بیلشازار قاصد پر برس پڑا۔

''کیا بکتے ہو، پورے بابل میں، پورے کالدیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو بنوسلان پر تلوار اُٹھانے کی جرأت کرسکے؟''

''میں نہیں جانتا خداوند!'' قاصد نے کپکپاتی آواز میں جواب دیا۔ ''غلام کو میر معظم نے بھیجا ہے کہ حضور کو اس افسوس ناک واقعے سے مطلع کروں۔''

''میر معظم کہاں ہے؟''

''وہ کنوئیں کے حصار میں موجود ہیں عالی جاہ! انہوں نے بہادر تیغ زنوں کی لاشیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔''

یہ سنتے ہی جنگجو بیلشازار بگولے کی طرح قصرِ میرودیخ سے نکلا اور اس کا رتھ آندھی کے جھونکے کی مانند چاہِ بابل کے حصار کی طرف اُڑتا چلا گیا۔ وہاں پہنچا تو میرِ معظم کے علاوہ کاہنِ اعظم زریہ، سردار ریموت، سردار حنانی، کوتوال اور کچھ اور لوگ بھی بدحواسی کی حالت میں

کھڑے نظر آئے۔ خون میں لتھڑی تمام لاشیں ایک جگہ پہلو بہ پہلو رکھ کے ڈھانپ دی گئی تھیں۔ صرف بنوسلان کی لاش ان سے الگ رکھی تھی۔ بیلشازار نے یہ ہولناک منظر دیکھا تو جھرجھری لی اور سوچنے لگا۔ یہ واقعہ سیپار کی شکست سے کم بھیانک نہیں۔ پھر میر معظم کی طرف گھوم گیا۔

''کیا حملہ آور گرفتار ہوگئے؟''

''ابھی تک یہی معلوم نہیں ہوسکا کہ حملہ کس نے اور کیوں کیا؟''

سردار ریموت نے آگے بڑھ کر بنوسلان کی لاش سے کپڑا ہٹا دیا۔ کٹے ہوئے ناک، کان اور بگڑی ہوئی شکل دیکھ کر بیلشازار لرز گیا۔ ریموت نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ''شاید کسی نے انتقام لیا ہے بنوسلان سے ـــــ اس واقعے کے پیچھے کوئی عورت معلوم ہوتی ہے۔''

وہاں ایک عورت کی لاش بھی موجود تھی۔ کوئی شخص فوری طور پر ریموت کے خیال کی تردید نہ کرسکا۔ سب جانتے تھے، بنوسلان ایک جنسی بھیڑیا تھا۔ اچانک ولی عہد نے پوچھا۔

''کنوئیں کا زندان بھی دیکھا؟''

''خالی پڑا ہے۔''

''پھر یہ محض انتقامی واقعہ نہیں۔'' وہ سردار ریموت کی طرف مُڑ گیا۔ ''کنوئیں کے زندان میں عبرانی نبی بند تھے اور بنوسلان اُن کی نگرانی کررہا تھا۔ دشمن ان اسیروں کو نکال کرلے گیا۔''

اس خبر نے سب کو حیران کردیا۔ وہ یہ تو جانتے تھے ولی عہد بیلشازار نے عبرانی نبیوں کو ایرانیوں کے ساتھ سازباز[1] کے جرم میں گرفتار کیا اور قلعہ اساگیلہ کے قیدخانے میں ان سے پوچھ گچھ ہورہی تھی کہ انہیں وہاں سے بڑے پراسرار طریق سے اغوا کرلیا گیا مگر شاید بیلشازار کے سوا یہ راز کی بات کسی کو معلوم نہ ہوسکی کہ عبرانی اسیروں کو شاہ بنونید ہی نے کسی خاص مقصد کے تحت ولی عہد کے چنگل سے چھڑا کر اپنے پنجوں میں جکڑ لیا اور چاہِ بابل میں قید کردیا تھا۔

---

[1] بابل میں ستر سال سے غلامی کی ذلت آمیز زندگی بسر کرنے والے سردارانِ یہود نے کورش ہخامنشی سے خفیہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر وہ بابل پر حملہ کرے تو شہر کے اندر سے یہودی اس کی مدد کریں گے۔ (ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد 2 صفحہ 126) بابل میں یہود کی خفیہ تحریک سرگرم عمل تھی۔ ایک طرف حضرت دانیالؑ اور دوسری طرف حجیؑ اور ذکریاؑ بن برکیا اس سلسلے میں کام کررہے تھے اور یہ کام فری میسن تحریک کے خطوط پر ہورہا تھا۔

شاید یہ بھی باپ بیٹے کے درمیان کوئی نئی کشمکش تھی جس سے خفیہ امور کا سربراہ ابھی تک ناواقف تھا۔ تاہم کنوئیں کے حصار میں محافظوں کی ہلاکت اور اسیروں کی رہائی کے خوفناک سانحہ نے بیلشازار کو بھی اس فکر میں گم کر دیا تھا کہ آخر وہ تیسرا فریق کون ہے جو ہاروت ماروت میں دلچسپی رکھتا اور بنوسلان کے تیغ زنوں کو خون میں غسل دے کر، جامِ مرگ پلا کر انہیں زندانِ اجل سے نکال لے گیا؟

وہ اس واقعہ کے لئے انتظامیہ کے کسی افسر کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا تھا کیونکہ جب سے شاہ بنونید نے تمام اختیاراتِ حکومت خود سنبھال لئے تھے، چاہِ بابل کی حفاظت ونگرانی کا تعلق براہِ راست اُسی کی ذات سے تھا اور کوئی دوسرا شخص حتیٰ کہ خود بیلشازار بھی مداخلت کا مجاز نہیں تھا۔ اچانک اس نے میر معظم سے پوچھا۔

''کیا بادشاہ کو اس واقعہ سے آگاہ کر دیا گیا؟''

''نہیں، میرا خیال تھا یہ اطلاع آپ ہی ان کے گوش گزار کریں گے۔''

ولی عہد کو بتایا گیا، سردار ریموت کے جاسوس اور سردار حنانی کے خفیہ گماشتے محلہ کبر اور بعض دوسرے مشتبہ مقامات پر حملہ آوروں کا کھوج لگا رہے ہیں مگر ابھی تک ان کی طرف سے کوئی امید افزا خبر موصول نہیں ہوئی۔ اس بھیانک واقعہ کا کوئی ایسا سراغ بھی نہیں مل سکا تھا جس کی روشنی میں ولی عہد بادشاہ کے اُلٹے سیدھے سوالوں کا جواب دے سکتا۔ ویسے بھی وہ اس معاملے میں باپ سے رُو در رُو گفتگو مناسب نہ سمجھتا تھا۔ اُس نے بادشاہ کو اطلاع رسانی کا ناخوشگوار فرض میر معظم کو سونپ دیا اور خود خفیہ گماشتوں کے سردار سے مخاطب ہوا۔

''سردار حنانی! کیا یہ محض اتفاق ہے کہ دشمن نے خواہ وہ کوئی بھی ہو اس خونریزی کے لئے تمہاری شبِ ضیافت کا انتخاب کیا؟''

یہ سنتے ہی فربہ جسم حنانی سر سے پاؤں تک لرز گیا۔ ٹھیک اسی لمحے سردار ریموت آگے بڑھا اور ولی عہد کو ایک طرف لے جا کر سرگوشی کے لہجے میں کچھ بتانے لگا۔ بیلشازار کی آنکھیں حیرت اور مسرت سے چمکنے لگیں۔ شاید ریموت نے ولی عہد کو اس فونیقی ہار کے بارے میں کوئی اہم اطلاع فراہم کی تھی جو بارہ سال پہلے بزرگانِ یہود کے آلہ کار پارمیتیو یونانی کی بیوی کے گلے میں دیکھا گیا تھا۔

بیلشازار تیزی سے پلٹا اور میر معظم سے جو بادشاہ کو واقعے کی اطلاع دینے روانہ ہونے

والا تھا، کہنے لگا۔ ''ابھی ابھی ایک عجیب بات معلوم ہوئی ہے۔ شاید اس کا تعلق اسی واقعہ سے ہو۔ بادشاہ سے کہنا ہم اسیروں کو تلاش کر لیں گے۔''

میر معظم چاہِ بابل کے حصار سے نکلا تو اس نے سڑکوں، بازاروں، کوچوں میں چلنے پھرنے والے لوگوں میں ایک عجیب سی سراسیمگی محسوس کی۔ غالباً چاہِ بابل میں پیش آنے والے ہولناک حادثے کی خبر لوگوں نے سن لی تھی اور وہ افراتفری کے عالم میں اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگ رہے تھے کہ دروازے بند کر کے بیٹھ جائیں۔ کیا خبر ریموت کے جاسوس اور سردار حنانی کے خفیہ گماشتے شبہ میں پکڑ لیں اور ان پر کوئی ناگہانی مصیبت ٹوٹ پڑے۔

سمیری حکمرانوں کے وقت سے لے کر جو شمال کے پہاڑوں سے آئے اور جن کے عہد میں چاہِ بابل کا نیرنگِ زمانہ عقوبت کدہ تعمیر ہوا، بنوپلاسر اور بخت نصر ایسے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے عہد تک بابل اور اس کے اسرار و عجائب کا خوف اردگرد کے تمام ملکوں پر چھایا رہا۔ دجلہ وفرات سے وادیٔ نیل تک سب مملکتیں بابل کی عظمت سے لرزہ براندام تھیں اور اسے ''مملکتوں کی خاتون'' کا مقام حاصل تھا۔ کوئی دشمن منارۂ بابل (زیگوراتِ مقدس) اور چاہِ بابل کے خلاف بدکلامی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ مردوک کے جانشینوں نے بابل کے خداؤں اور دیوتاؤں کی کچھ ایسی ہیبت طاری کر دی تھی کہ زمینی اور آسمانی الٰہوں کو ماننے والی سب قومیں ان کے سامنے سرنگوں ہو گئی تھیں۔

جہاں تک چاہِ بابل کا تعلق تھا، دیبنِ اکد کے کاہنوں کی سینہ در سینہ روایتوں کے مطابق ایک میل کے محیط اور تین سو فٹ تک بطنِ زمین کی گہرائیوں تک اترتا ہوا تاریخ انسانی کا یہ مہیب تر عقوبت کدہ دیوتاؤں کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ جنوب کی سمت عرب کے صحراؤں میں بسنے والے صحرائی قبیلے بھی چاہِ بابل کے بارے میں عجیب وغریب کہانیاں[1] بیان کرتے رہے

[1] تفسیر ابنِ جریر، ابن ابی حاتم، مسند حاکم، سنن بیہقی اور مسند امام احمد میں ہاروت ماروت کے قصے کے ذیل میں بڑی عجیب وغریب اور خلافِ حقیقت روایات درج ہیں۔ سب سے مشہور روایت یہ ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جنہیں بابل میں اتارا گیا۔ وہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ زہرہ نام کی عورت کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے۔ خواہشِ وصل کی۔ زہرہ نے چار شرائط پیش کیں کہ 1۔ میرے بُت (معبود) کو سجدہ کرو، 2۔ شوہر کو قتل کر دو، 3۔ اسمِ اعظم سکھاؤ، 4 یا پھر میرے ساتھ شراب پیو۔ فرشتوں نے شراب پی لی اور نشے میں زہرہ کے شوہر کو بھی قتل کر دیا۔ بُت کو سجدہ بھی (باقی آگے)

جن سے بابل کے اسرار و عجائب کی شہرت صحراؤں میں بھی پھیل گئی تھی مگر شاہ بنونید کے عہد میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ سلطنت کالدیا کی پہلی سی عظمت و شوکت باقی نہ رہی۔ کورش بخا منشی نے کالدیا کے بہت سے علاقے فتح کر لئے اور اب لوگوں کے دلوں میں اسرارِ بابل کا پہلا سا خوف بھی باقی نہ رہا جو ماضی میں انہیں دہلا دیا کرتا تھا۔

بنوسلان اور اس کے تیس تیغ زنوں کا بھیانک قتل اس کا ثبوت تھا۔ جس کسی نے یہ لرزہ خیز واقعہ سنا، دم بخود رہ گیا۔ لوگ گھروں میں بند ہو کر قسم قسم کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

میر معظم جسے بادشاہ کو اطلاع دینے کا ناخوشگوار فرض سونپ دیا گیا جب سرکاری رتھ میں سوار ہو کر باغاتِ معلقہ کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں سوچتا اور موزوں الفاظ اپنے حافظے میں محفوظ کرتا جا رہا تھا جن سے اپنا مطلب اچھی طرح ادا کر سکے اور بادشاہ کی ناراضگی سے بھی بچ جائے۔ کیونکہ واقعے کی نوعیت ایسی تھی کہ شاہ بنونید کا مشتعل ہو جانا ضروری تھا۔

بقیہ حاشیہ (369) کیا اور زہرہ کو اسمِ اعظم بھی بتا دیا جسے معلوم کر لینے کے بعد وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئی اور زہرہ ستارہ بن گئی۔ ہاروت ماروت کو خدا نے اس جرم کی پاداش میں زنجیروں سے جکڑ کر چاہِ بابل میں قید کر دیا۔ وہ آج بھی وہاں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ مگر امام رازی اور امام بیضاوی نے اس قصے سے انکار کیا ہے۔ حاکم نے مسند میں اور بیہقی نے سنن میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے جادو کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر سے سخت نالاں تھی۔ اس کے پاس ایک بڑھیا آئی۔ دو کتیاں ہمراہ تھیں۔ دونوں اُن پر بیٹھیں اور چشمِ زدن میں بابل کے کنوئیں پر پہنچ گئیں۔ کنوئیں میں دو فرشتے زنجیروں میں جکڑے اُلٹے لٹکے نظر آئے جن کی آنکھیں ڈھالوں کی مانند تھیں۔ عورت نے سحر سیکھنے کی خواہش کی۔ فرشتوں نے پہلے تو منع کیا پھر اسے کنوئیں پر پیشاب کرنے کے لئے کہا۔ عورت نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ پیشاب کر آئی ہے۔ پوچھا۔ "تو نے کیا دیکھا؟" عورت نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں۔" فرشتے بولے۔ "تو نے پیشاب نہیں کیا۔" آخر عورت نے پیشاب کیا تو کیا دیکھتی ہے کہ لوہے میں غرق اور سفید گھوڑے پر ایک سوار اس کے اپنے اندر سے نکلا اور پرواز کر گیا۔ فرشتوں نے کہا۔ "وہ تیرا ایمان تھا۔" بہر حال فرشتوں نے اُسے جادو سکھایا۔ اُس نے جادو کر کے اپنے شوہر سے نجات پائی۔ ابن منذر وزاعی نے بھی ہارون بن رباب سے جادو کی ایک روایت لکھی ہے۔ قتادہ کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ ہاروت ماروت چاہِ بابل میں قید ہیں اور ہر سال ایک شیطان ان سے جادو سیکھ کر آتا ہے۔ مگر یہ تمام روایات وضعی ہیں۔ (قمر اجنالوی)

بابل کے باغاتِ معلقہ جو اہرامِ مصر کی طرح دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتے ہیں، شاہی محلات کے شمال مشرق میں دریائے فرات کے ساحل سے ہیکل مردوک تک کئی میل میں واقع اور کلدانی کاری گروں اور انجینئروں کے فنِ تعمیر کا محیر العقل نمونہ پیش کرتے تھے کیونکہ ان کا پیچیدہ فنِ تعمیر اور باریک رموز عقلِ انسانی کے لئے چیستان سے کم نہ تھے۔

یہ نیرنگِ زمانہ باغات و محلات اوپر نیچے سات منزلوں پر مشتمل تھے جو کوہ پیکر پیل پایوں اور پتھر کی بڑی بڑی محرابی کمانوں پر حلقہ در حلقہ اور منزل در منزل اوپر اٹھتے چلے گئے اور چشمِ انسانی کے لئے طلسم و حیرت کا سامان فراہم کرتے تھے۔

ہر منزل ہر قصر و ایوان، محلات اور کماندار محرابی غلام گردشیں اور ان کے چاروں طرف باغات کے قطعے جن میں قسم قسم کے درخت، رنگ رنگ کے پھولوں کے پودے اور ان کے درمیان پانی کے رواں چشمے جنت ارضی کا منظر پیش کرتے تھے۔ غلام گردشوں کے بھاری ستونوں اور کماندار محرابوں پر سرسبز و شاداب بیلیں چڑھا دی گئی تھیں جن سے ان کی خوب صورتی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

نیچے کا درجہ سب سے بڑا اور ایک روایت کے مطابق آٹھ فرلانگ پر مشتمل تھا۔ اس کے اردگرد خوب صورت باغات کی پٹی چھوڑ کر تعمیر شدہ رقبے کی چھت پر جو کئی مربع فرلانگ پر محیط تھی رال، گندھک، چونے اور کولتار کی پرت جمانے کے بعد فرش لگایا گیا اور اس فرش پر بیس پچیس فٹ تک مٹی تہہ در تہہ بچھا دی گئی تھی۔

پھر اس چھت پر باغات کی پٹی چھوڑ کر درمیان میں قصر و محلات کی عمارتیں تعمیر کی گئیں جو پہلے درجہ کی طرح بھاری پیل پایوں اور پتھر کی محرابی کمانوں پر کھڑی تھیں۔ اس منزل کے تعمیر شدہ رقبے کی چھت پر بھی رال، گندھک، چونے اور کولتار کے آمیزے کی پرت جمائی گئی اور بیس پچیس فٹ تک مٹی ڈالی گئی۔ حتیٰ کہ درجہ بدرجہ یہ سلسلہ سات منزلوں تک پہنچ گیا اور ساتویں منزل 350 فٹ اونچی تھی۔

چھتوں پر رال، گندھک، چونے اور کولتار کی پرت اس لئے جمائی جاتی تھی کہ جب باغات کو سیراب کیا جائے تو پانی مٹی کی تہوں میں جذب ہو کر درختوں کی جڑوں تک تو پہنچے مگر چھت میں نمی اور سیل پیدا نہ کر سکے۔

بعض روایات کے مطابق سیسے کے پتروں یا نفت اور رال کی استرکاری کی جاتی تھی۔

جرِ ثقیل کے اصولوں کی مدد سے دریائے فرات کا پانی نلکوں[1] کے ذریعے 350 فٹ بلند ساتویں منزل تک پہنچایا اور وہاں ایک جھیل نما تالاب میں جمع کیا جاتا تھا۔ اسی تالاب سے پانی چشموں اور نالوں کی صورت میں نچلی منزلوں تک پہنچتا اور باغاتِ معلقہ کو سیراب کیا جاتا تھا۔

ان نیرنگِ زمانہ باغات[2] کی ہر منزل کے چوفیر سیمیریوں کے فنِ تعمیر کی طرح ایک چوڑی ڈھلان، خم دار سڑک بھی گھومتی ہوئی بتدریج اُوپر جاتی تھی جس پر رتھ بہ آسانی دوڑ سکتا تھا اور شاہی خاندان کے افراد رتھ پر سوار ہو کر ساتویں منزل تک پہنچ جاتے تھے۔ اس خم دار ڈھلان پر گھومتی ہوئی سڑک کے علاوہ ایک منزل سے دوسری منزل تک جانے کے لئے زینے بھی تعمیر کئے گئے تھے۔

زہرہ دیوی کی پرستش کے تہوار پر باغاتِ معلقہ کے درختوں کی شاخوں پر سونے چاندی کی لیندیں آویزاں کر دی جاتیں جو چاند کی کرنوں یا قندیلوں کی شعاعوں میں جگمگ جگمگ چمکتی تھیں۔ چشموں کے اندر سنگِ موسیٰ پر جواہرات کی پچی کاری کی گئی تھی۔ زہرہ دیوی کی عریاں مورتی جنسی بے حیائی کی ترغیب دیتی تھی۔

بادشاہ اس تہوار کے موقع پر بے شمار مردوں، عورتوں کو اپنی دعوت میں شریک کرتا اور مہ جبین نازنینیں شوخ لباس پہن کر تہوار میں شریک ہوتی تھیں۔

---

[1] بلّہ (بابل کا موجودہ نام) کے مقام پر باغاتِ معلقہ کے چند آثار اب بھی باقی ہیں جن سے ان کی بنیاد کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ کنوئیں بھی دریافت ہوئے ہیں جن میں پانی اوپر اٹھانے کی کلیں لگائی گئی تھیں۔ (ونڈرس آف دی پاسٹ)

[2] ہیروڈوٹس کے بقول باغات کا سلسلہ آٹھ میل تک پھیلا تھا۔ انگریز سیاہ مسٹر رچ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ یہ باغات ابتداء میں نمرود نے اپنی سیر و تفریح کے لئے تعمیر کئے تھے۔ ایک یونانی مؤرخ کی تحقیق کے مطابق برجوں اور پیل پایوں کا فاصلہ ایک برج سے دوسرے برج تک پانچ سو گز تھا۔ باغاتِ معلقہ کے سلسلے میں ہم نے بعض تفصیلات ''ونڈرس آف دی پاسٹ'' سے مہیا کی ہیں اور اس کتاب کے مطابق بخت نصر کو حکومت ہوخشترہ شاہِ عجم (ماد) کی مدد سے ملی تھی۔ اس اتحاد کے نتیجے میں ہوخشترہ کی بیٹی شہزادی امیتیس کی شادی بخت نصر سے ہوئی عجمی شہزادی بابل میں آ کر اُداس ہو گئی۔ بخت نصر نے اس کی دلبستگی کے لئے باغاتِ معلقہ تعمیر کرائے جن کی بلندی سے وہ پورے بابل کا نظارہ کر سکتی تھی۔ (قمر اجنالوی)

موسمِ گرما میں بادشاہ اور خاندانِ بخت نصر کے شہزادے اور شہزادیاں باغاتِ معلقہ ہی میں قیام کرتے تھے۔ ان باغات کی وسعت، عظمت اور خوب صورتی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ چار ہزار باغبان ان کی حفاظت اور آرائش پر مامور تھے۔

زہرہ[1] کے تہوار یا چند خاص ایام کے علاوہ جب شہزادیاں شاہی محلات میں منتقل ہو جاتی تھیں، کوئی غیر متعلقہ آدمی ان باغات کی چار دیواری کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا جو بیس فٹ چوڑی اور کسی فصیل کی مانند اُونچی تھی۔ بادشاہ کے ایامِ قیام میں باغاتِ معلقہ کی حفاظت کا خاص انتظام کیا جاتا تھا اور صرف چند امرائے خاص ہی جنہیں بادشاہ سے ملنے کی اجازت تھی اس کا بلند و بالا دروازہ عبور کر سکتے تھے۔

میرِ معظم باغاتِ معلقہ میں داخل ہوا تو کسی کو چاہِ بابل کے سانحہ کی خبر نہ تھی۔ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ رتھ پہلے درجے میں روک لیا گیا کیونکہ بادشاہ، شہزادی شمورہ، ولی عہد بیلشازار اور خاندانِ بخت نصر کی چند معزز خواتین کے علاوہ رئیس، سردار اور مشیرانِ سلطنت بھی رتھ پر سوار ہو کر اوپر کے درجوں میں نہیں جا سکتے تھے۔ البتہ سواری کے لئے گھوڑے استعمال کر سکتے تھے۔

وہ رتھ سے اُترا تو باغاتِ معلقہ کا کلدانی افسرِ اعلیٰ لپک کر آگے بڑھا۔ ساتھ ہی اس نے غلاموں کو گھوڑے لانے کا اشارہ کیا کیونکہ میرِ معظم کو بادشاہ کی ملاقات کے لئے چھٹی منزل پر پہنچنا تھا اس لئے افسرِ اعلیٰ کا فرض تھا، وہ قصرِ خاص تک اس کا ساتھ دے۔

دونوں نیسائی گھوڑوں پر سوار کسی سلسلۂ کوہ کی مانند ایستادہ محلات و باغات کے چوفیر حاشیے پر ڈھلان، خم دار راستہ طے کرنے لگے۔ ہر درجے پر باغات اور ان کے درمیان پتھر کی کمانوں اور محرابوں کی غلام گردشوں کے منظر پر خوابوں کا سا گمان ہوتا تھا جہاں باغبانوں، غلاموں اور کنیزوں کے جمگھٹے ان کے مخصوص فرائض کی نشان دہی کرتے تھے۔ مگر دوسری جانب باغاتِ معلقہ کی بتدریج بلندیوں سے دیوتاؤں کے شہر بابل کا نظارہ بھی حیرت انگیز تھا۔ میرِ معظم کے لئے شاید اس نظارے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ متفکر اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔ حتیٰ کہ بلندی کے اس سفر میں اس نے افسرِ اعلیٰ سے کوئی بات نہیں کی۔

---

[1] تاریخ بابل کے علاوہ مسٹر رچ کے سفرنامے میں بھی زہرہ دیوی کے تہوار اور باغاتِ معلقہ کے مختلف درجوں، چبوتروں اور کثیر محرابوں کی تفصیل ملتی ہے۔ (مصنف)

چھٹے درجے کے دروازے پر وہ گھوڑوں سے اترے۔ شاہ بنونید اسی درجے میں مقیم تھا۔

باغاتِ معلقہ کی ساتویں منزل جہاں کسی زمانے میں عظیم بخت نصر کی عجمی ملکہ امیتی دختر ہوخشترہ رہائش رکھتی تھی صرف شہزادی شمورہ کے لئے مخصوص تھی جہاں بلندی کے ساتھ ساتھ اسے تنہائی کا عرفان بھی حاصل تھا۔ کیونکہ زندگی کے ہنگامے اور شور انگیز جذبے بہت نیچے رہ جاتے تھے۔

باغاتِ معلقہ کا مخنث داروغۂ خاص میر معظم کو دیکھتے ہی استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ اس نے بتایا بادشاہ ابھی تک بسترِ استراحت پر ہے کیونکہ رات کو حضور کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا میر معظم کو ملاقات کے لئے انتظار کرنا ہوگا۔ مگر اس نے کہا۔

''شہنشاہ سے عرض کرو، معاملہ بے حد سنگین ہے۔ میں فوری حاضری چاہتا ہوں۔''

مخنث داروغہ کماندار محرابوں کے درمیان لپکتا چلا گیا اور چند ہی لمحوں بعد لوٹ آیا۔ میر معظم کو ایوانِ خاص میں طلب کر لیا گیا تھا۔

جب وہ داروغۂ خاص کی رہنمائی میں غلام گردشوں سے گزرتا جہاں کنیزیں اور غلام سر نہوڑائے مؤدب کھڑے تھے، ایوانِ خاص کے دروازے میں داخل ہوا تو کسی نہ معلوم خوف سے ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

شاہ بنونید نے جو بہ عجلت وہاں پہنچ گیا تھا اور شاہی مسند پر مضطرب سا بیٹھا تھا، اس کے قدموں کی لرزش اور چہرے کی اُڑی اُڑی رنگت سے اندازہ کر لیا کہ وہ کوئی دل خراش خبر لے کر آیا ہے۔ اُسے خیال گزرا، شاید ایرانی لشکر نے کوئی اور علاقہ فتح کر لیا ہے۔ مگر میر معظم جو خبر لے کر آیا وہ ایرانیوں کے حملے سے زیادہ سنگین تھی۔

شاہ بنونید ایک سال سے بری خبریں سننے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس نے میر معظم کا سلام قبول کیا اور اس کے الفاظ کا انتظار کرنے لگا مگر میر معظم مسند کے سامنے دونوں ہاتھ پیٹ پر باندھے، گردن زمین پر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ اس کی یہ خاموشی بادشاہ کے لئے بڑی اذیت ناک تھی۔ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

''شاید کوئی بری خبر لے کر آئے ہو؟''

میر معظم نے سر کو خفیف سی جنبش دی مگر اظہارِ مطلب کے لئے زبان نہیں کھولی۔ بادشاہ کی پریشانی بڑھنے لگی۔

''کیا کورش بابل کی طرف لوٹ آیا ہے؟''

''نہیں عالی جاہ! معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہے۔''

''کچھ بھی ہو، بیان کرو۔ صرف ایک خبر کے علاوہ ہم ہر بری خبر سننے کے لئے تیار ہیں۔''

اس اثناء میں میر معظم نے اپنے حواس پر قابو پا لیا اور وہ موزوں الفاظ تلاش کر لئے جنہیں راستے میں یاد کرتا آیا تھا۔ اُس نے شاہ بنونید کی بلند اقبالی اور ''لشکروں کے خدا'' مردوک کی عظمت بیان کرنے کے بعد بڑے محتاط انداز میں چاہِ بابل کے حصار میں پیش آنے والے واقعے کا آغاز کیا۔

جب وہ بنوسلان اور اس کے تیغ زنوں کی ہلاکت وخونریزی کی خبر گوش گزار کر رہا تھا، بادشاہ کے ہوش اُڑنے لگے۔ کیونکہ یہ بات تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ کوئی دشمن موت کے اس حصار میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی اور اس حالت میں الفاظ تو اس کی سماعت سے ضرور ٹکرا رہے تھے مگر ذہن شاید ان کا مطلب ومفہوم سمجھنے سے عاری ہو گیا تھا۔ کیونکہ بنوسلان اور تیغ زنوں کی ہلاکت کے بعد میر معظم نے جو کچھ کہا وہ اس نے گویا سنا نہ تھا۔ اگر سنا تو سمجھا نہ تھا۔

اطلاعی بیان ختم ہونے کے بعد بھی وہ گم صم سا بیٹھا رہا۔ میر معظم نے ابھی تک عبرانی اسیروں کا ذکر نہیں کیا تھا۔ شاہ بنونید کا سکتہ ایک جھٹکے سے ٹوٹ گیا اور یک لخت بولا۔

''چاہِ بابل کے اسیر کیا ہوئے؟''

''شاید انہی کی رہائی کے لئے محافظوں کو قتل کیا گیا ہے۔''

یہ جواب سنتے ہی بنونید بڑے غصہ وجوش میں مسند سے اٹھا اور غضب ناک آواز میں چلایا۔

''بس میر معظم! تم نے ہمیں وہی خبر سنائی جو ہم سننا نہ چاہتے تھے۔ کیونکہ عبرانی نبیوں کی رہائی ہمارے لئے کورش کے حملے سے زیادہ بری خبر ہے۔''

پھر وہ یک لخت اپنے بوڑھے مشیر سلطنت کی طرف گھوم گیا۔

''تم نے حملہ آوروں کے بارے میں کیا کہا تھا۔ کون لوگ ہیں وہ؟''

''میں نے عرض کیا تھا، حملہ آوروں کا کوئی کھوج نہیں مل سکا۔''

بادشاہ پھر بھڑک اٹھا۔

''خوب! تم یہ بھی معلوم نہیں کر [illegible] حملہ آور کون تھے۔ دشمن ایک جمعیت کے ساتھ آیا،

محافظوں کو قتل کر کے اور عبرانی اسیروں کو چھڑا کر لے گیا مگر کسی کو پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون تھا۔ کوئی آدمی تھا یا بھوت پریت جس نے اپنے پیچھے کوئی کھوج نہیں چھوڑا؟''

میر معظم کو فوری طور پر کوئی جواب نہ سوجھا اور شاہ بنونید نے اس پر انگشت الزام اٹھا دی۔

''یہ ہمارے مشیرِ سلطنت ہیں جو رات کو بے خبر سوئے اور دن چڑھے ہمیں خبر سنانے آ گئے کہ حضور کے جسم سے جان نکال لی گئی ہے۔ جنگ کے ایام میں جب ایرانی ہمارے ملک کو پامال کر رہے اور عبرانی پیغمبر دشمنوں سے ساز باز رکھتے ہیں، اسیروں کی رہائی ایک سنگین جرم ہے مگر یہ خبر سنانے کے لئے ہمارے سعادت مند بیٹے کو خود آنا چاہئے تھا۔''

اچانک میر معظم کو بیلشازار کی بات یاد آئی اور امید افزا لہجے میں بولا۔

''ولی عہد خود پریشان ہیں مگر انہوں نے کہا ہے ہم اسیروں کو تلاش کر لیں گے۔''

شاہ بنونید اس اطلاع پر حیران سا رہ گیا۔ وہ تو سوچ رہا تھا شاید اسیروں کی رہائی میں بیلشازار ہی کا ہاتھ ہو۔ کیونکہ جس طرح بادشاہ نے ہاروت ماروت کو اس سے چھین لیا تھا اُسی طرح وہی انہیں چاہِ بابل سے نکال کر لے گیا اور بادشاہ کو مات دے گیا ہو۔ اس کے غصے اور قہر و غضب کا اصل سبب بھی یہی تھا کہ بیٹے کی خودسری نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مگر میر معظم کی دوسری اطلاع اس کے بدترین اندیشے کی تردید کر رہی تھی۔ حیرت زدہ سا بولا۔

''کیا بیلشازار اسیروں کو تلاش کرے گا؟''

''میرا خیال ہے سردار ریموت کو کوئی کھوج مل گیا ہے۔ اس سے بات چیت کرنے کے بعد ہی ولی عہد نے اسیروں کی تلاش کا ذکر کیا تھا۔''

شاہ بنونید نے ایک لمحہ توقف کیا پھر ہاتھ اٹھا دیا۔

''بیلشازار سے کہو، قلعہ اساگیلہ میں ہمارا انتظار کرے۔ اور تم بھی میر معظم! تم بھی ہمارا انتظار کرو گے۔ کیونکہ جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ ناقابل برداشت ہے۔''

اس تہدید کے ساتھ اس نے مشیرِ سلطنت کو رخصت کر دیا اور چند لمحے مسند کے پاس چپ چاپ کھڑا سوچتا رہا کہ اگر پراسرار حملہ آور بیلشازار نہیں تو پھر عبرانی اسیروں کو چاہِ بابل سے کون نکال کر لے گیا۔

اچانک یاد آیا ایک روز قبل شہزادی شمورہ نے ہاروت ماروت کا ذکر کیا اور ان کی رہائی کے لئے سفارش کی تھی۔ شمورہ کا خیال آتے ہی اس نے پلٹ کر تالی بجائی اور مخنث داروغہ کو حکم دیا۔

''دخترِ بابل سے کہو ہم کسی تاخیر کے بغیر ابھی اس سے ملنا چاہتے ہیں۔''

داروغہ مڑا اور اس کا اشارہ پاتے ہی دو کنیزیں شہزادی کو اطلاع دینے کے لئے باغاتِ معلقہ کی ساتویں منزل کی طرف بھاگتی چلی گئیں۔

(27)

بازپُرس

کنواری دخترِ بابل شمورہ اپنی روایتی شان کے ساتھ چلتی ایوانِ خاص میں داخل ہوئی۔ اس کی رفتار میں دیوی اِشتار اور دیوی انلیل کا سا وقار تھا۔ حالانکہ کسی نے بھی ان دیویوں کو چلتے پھرتے نہیں دیکھا۔ اپنی شاہی عظمت کے باوجود وہ کچھ اُداس، کچھ پریشان نظر آتی تھی۔

شاہ بنونید ہر مشکل معاملے میں اس سے مشورہ لیتا اور ہر مشورے کو دیوتاؤں کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرتا کیونکہ اسے ''عقلِ کل'' سمجھتا تھا۔ شہزادی نے بادشاہ کی گرتی ہوئی ذات کو سہارا دیا۔ فتنہ پرداز کاہنوں کی سازشوں سے بچایا اور تمام اختیاراتِ حکومت خود سنبھال لینے کا مشورہ دے کر اس کی اعلیٰ حیثیت ایک بار پھر بحال کر دی تھی۔

شمورہ کی رہنمائی کے بغیر خود بنونید اپنے آپ کو ادھورا اور نامکمل محسوس کرتا کیونکہ فی الحقیقت وہ ایک کمزور حکمران تھا لیکن آج اس نے شہزادی کو کسی صلاح مشورہ کی بجائے صرف جواب طلبی کے لئے بلایا تھا۔ آج وہ پہلی بار بیٹی سے ایک بادشاہ کی حیثیت میں ملاقات کر رہا تھا مگر یہ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس سے باز پرس کرنے والا ہے۔

شمورہ نے پہلی ہی نظر میں اس کے چہرے پر اضطراب اور پریشانی کا دھواں سا دیکھا پھر بھی چونکی نہیں۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئی بادشاہ پکارا۔

''شمورہ! دیوتا ہم سے ناراض ہو گئے۔''

''مگر آپ تو دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا اہتمام کر کے ان کی خوشنودی حاصل کر چکے ہیں۔'' شہزادی کا لہجہ پُرسکون تھا۔

''پھر بھی ان کا عتاب نازل ہوا۔'' بادشاہ فوراً ہی اپنے اصل مطلب کی طرف آ گیا۔ ''ہم نے تمہیں یہ افسوس ناک خبر سنانے کے لئے طلب کیا ہے کہ رات چاہِ بابل کے داروغہ بنوسلان اور اس کے تمیں تیغ زنوں کو قتل کر دیا گیا......''

وہ مدھم آواز میں بولی۔

''ہم یہ افسوس ناک خبر سن چکے ہیں پدرِ محترم!''

''سن چکی ہو؟'' شاہ بنونید چشمِ حیرت سے دیکھنے لگا۔ ''یعنی یہ خبر ہم سے بھی پہلے تمہیں معلوم ہو گئی؟''

''اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ بعض ضروری معلومات ہم خود حاصل کر لیتے ہیں۔'' پھر وہ بتانے لگی۔ ''طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی ہمیں اس بھیانک واقعہ کی خبر مل گئی تھی۔ آپ کو مطلع کرنا چاہا مگر ہر بار یہی پتہ چلا کہ حضور آرام فرما رہے ہیں۔ ہم نے آپ کو بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا۔''

بنونید اس بات پر بھی دنگ رہ گیا کہ اسے یہ خبر صبح ہی مل گئی تھی جب کہ وہ خود تھوڑی دیر پہلے اس سے آگاہ ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''ہمیں بنوسلان اور تیغ زنوں کی ہلاکت پر افسوس ہے۔ مگر اصل بات اس سے زیادہ وحشت ناک ہے۔''

''اصل بات؟'' شہزادی نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''وہ کیا ہے؟''

''اسیروں کی رہائی۔''

''کون اسیر؟'' سوال خنجر کی طرح تیز تھا۔

''وہی عبرانی پیغمبر ہاروت ماروت، جن کی رہائی کی سفارش تم نے کی تھی۔''

شمورہ بھڑک اٹھی۔ ''مگر کل جب ہم نے ان کے بارے میں پوچھا، آپ نے لاعلمی ظاہر کی۔''

''ہم نے حقیقت تم سے چھپائی تھی۔ دراصل ان کے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتے تھے۔''

''بتانا کیوں نہیں چاہتے تھے؟''

"تمہارے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کیونکہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔"

وہ چونکی۔ "بادشاہ کا کوئی معاملہ ذاتی نہیں ہوتا۔"

"ہم جانتے ہیں معزز حمورابی کے قوانین کیا ہیں۔ پھر بھی بعض باتیں ہماری اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔" پھر ایک پل ٹھہر کے کہنے لگا۔ "کل ہم نے عبرانی اسیروں کی حقیقت تم سے چھپائی مگر آج یہ معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ تم نے ہاروت ماروت کی سفارش کیوں کی تھی؟ اس کی رہائی کیوں چاہی تھی؟"

شہزادی نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ہم کسی کو ان کی رہائی اور واپسی کا قول دے چکے تھے۔"

"یہی تو معلوم کرنا چاہتے ہیں، وہ کون ہے؟"

دُخترِ بابل کچھ دیر خاموش رہی پھر کچھ سوچ کر، کچھ فیصلہ کر کے بولی۔

"ہم بھی آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے پدرِ محترم! کیونکہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔"

بنونید نے پریشان سی نظروں سے اسے دیکھا اور وہ اپنے الفاظ کی وضاحت کرنے لگی۔

"اگر بعض باتیں صرف آپ کی اپنی ذات تک محدود ہیں تو کچھ باتیں ہماری ذات سے بھی وابستہ ہو سکتی ہیں۔"

بادشاہ نے اس جواب پر غور کیا یا نہیں، کچھ سمجھا یا الفاظ سر سے گزر گئے مگر آواز میں کسی قدر خفگی پیدا کر کے بولا۔

"تم نہیں جانتیں، ہم نے اس آدمی کا نام کیوں پوچھا ہے۔"

"ہم جانتے ہیں خداوند! آپ سوچ رہے ہیں شاید وہی آدمی عبرانی اسیروں کو زندان سے نکال کر لے گیا ہے جو ان کی رہائی چاہتا تھا۔"

شاہ بنونید کچھ شرمندہ سا ہو گیا کیونکہ عقلِ کُل شمورہ نے اس کے ذہن میں اُبھرنے والے خیال کو صاف صاف پڑھ لیا، صاف صاف بیان کر دیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے اس نے اپنا لہجہ نرم کر لیا۔

"جس آدمی نے بھی ہاروت ماروت کی رہائی چاہی تھی، سلطنت بابل کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔"

"ہم کسی ایسے آدمی سے تعلق کیوں رکھیں گے خداوند! جو ہمارے اور آپ کے اعتماد کو دھوکا دے سکے۔ چاہِ بابل کے حصار میں جو کچھ ہوا وہ سراسر کسی دشمن کا کیا دھرا ہے۔ جب کہ وہ آدمی ہمارا دوست ہے۔"

بادشاہ بری طرح چونکا۔ شمورہ نے پہلی بار کسی آدمی کو اپنا دوست کہا تھا۔ کسی سے اپنے تعلق کا اظہار کیا تھا۔ پھر خیال آیا وہ تو کچھ اور بھی کہہ چکی ہے جس پر خفگی کی حالت میں غور ہی نہیں کر سکا۔ وہ اس آدمی کے نام کو اپنا ذاتی معاملہ قرار دے رہی تھی۔ خوب، تو کوئی معاملہ اس کی اپنی ذات سے بھی تعلق رکھتا ہے؟ یہ ایک دلچسپ اور حیرت انگیز انکشاف ہوا تھا۔ کیونکہ شہزادی شمورہ نے آج تک کسی معاملے کو اپنی ذات سے وابستہ نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ مصر کے عالی مرتبت ولی عہد اور ہونے والے فرعون شہزادہ ساطیق کو بھی مسترد کر کے "تنہائی کے عرفان" میں لوٹ گئی تھی۔ مگر وہی شمورہ آج ایک آدمی سے اپنا تعلق ظاہر کر رہی تھی۔

اس سنسنی خیز انکشاف نے بادشاہ کی بوڑھی شریانوں میں دوڑنے والے خون کی گردش تیز کر دی۔ چند لمحوں کے لئے وہ تیغ زنوں کی ہلاکت اور عبرانی اسیروں کے فرار کا الم ناک سانحہ بھی بھول گیا کہ کنواری دُخترِ بابل کا کسی شخص کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار سب سے اہم واقعہ تھا۔ یہ سوچ کر کہ اس کی بیٹی نے بالآخر کسی مرد کو پسند کر لیا ہے، شفقت بھرے مگر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"تم نے ہمیں پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا کہ کسی کو اپنا دوست سمجھتی ہو۔ کون ہے وہ خوش قسمت جسے تم نے پسند کیا ہے؟"

شمورہ نے فوری طور پر جواب نہیں دیا۔ ایک دو لمحے سوچتی رہی، پھر کچھ افسوس، کچھ جرأت، کچھ خفگی سے کہنے لگی۔

"پدرِ محترم! ہم نے زندگی میں پہلی بار اپنے لئے کچھ مانگا تھا مگر آپ نے ہماری سفارش ٹھکرا دی۔ صاف انکار کر دیا کہ ہاروت ماروت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور آج جب آپ عبرانی اسیروں کو کھو چکے ہیں اس آدمی کے متعلق پوچھ رہے ہیں جسے ہم اپنے لئے پسند کر چکے ہیں۔ آپ نے یقیناً کسی مصلحت کے تحت حقیقت ہم سے چھپائی ہو گی مگر حقیقت چھپا کر اپنی بیٹی کو جیتے جی مار ڈالا۔"

بنونید اس اندازِ گفتگو پر دنگ رہ گیا۔ گھبرا گیا۔ تڑپ کے بولا۔

"نہیں شمورہ! نہیں۔"

پدرِ محترم! ہم اس آدمی سے محبت کرتے ہیں جس کا نام جاننے کے لئے آپ اصرار کر رہے ہیں۔ اُس نے تو محبت کی صرف ایک شرط ٹھہرائی تھی مگر ہم وہ شرط پوری نہیں کر سکے۔"

حقیقت کے اس اظہار نے بادشاہ کو بے حد پریشان کر دیا کیونکہ شمورہ ناراض اور شکستہ خاطر نظر آ رہی تھی۔ اچانک اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لیں۔ حسین کلائیاں چھت کی طرف اٹھائیں اور بڑے کرب سے چلائی۔

"اے انلیل! ہم کیا کریں۔ اے اِشتار! ہم کہاں جائیں۔ ہم نے اُس مرد کو دیا ہوا قول ہار دیا۔

پھر وہ حسرت و یاس کی حالت میں اپنی خوب صورت کلائیاں نیچے گراتی ہوئی باپ کی طرف مُڑ گئی اور بولی۔

"پدرِ محترم! ہم نہیں جانتے آپ نے حقیقت کیوں چھپائی، جھوٹ کیوں بولا۔ مگر اس کے نتیجے میں آپ کی عزیز از جان شمورہ ختم ہو گئی۔ کیونکہ ہم اس آدمی کا سامنا کرنے کی ساری طاقت کھو بیٹھے ہیں جو ہمیں دیوتاؤں سے بڑھ کر عزیز ہے۔"

شہزادی کے ان الفاظ نے بنونید کو لرزا دیا۔ بیٹی کی مایوسی اور شکستہ خاطری اس کے دل میں شگاف ڈال رہی تھی۔ معاملات نے عجیب صورت اختیار کر لی تھی۔ یہ اطلاع بڑی خیال انگیز تھی کہ عقلِ کُل شمورہ آخر دل و نگاہ کے حسین حادثے سے دوچار ہو گئی۔ مگر حیرت تو اس بات پر تھی کہ اس کے محبوب نے اپنی محبت کی قیمت ٹھہرائی اور کتنی انوکھی قیمت ٹھہرائی۔ ہاروت ماروت کی واپسی۔ جب کہ وہ عبرانی اسیروں کے بارے میں کوئی سفارش، کوئی حجت سننا نہ چاہتا تھا۔ معاملہ ہی کچھ ایسا تھا کہ اس نے اپنی رہبر و محافظ بیٹی کو بھی اصل بات نہیں بتائی تھی اور اس وقت جب عبرانی اسیر اس سے چھین لے گئے تھے، شہزادی کا حیرت انگیز انکشاف ایک نیا منظر پیش کر رہا تھا۔

شاہ بنونید حیران و پریشان تھا کہ بیٹی کو کس طرح مطمئن کرے۔ اس نے تو شمورہ کو اس لئے طلب کیا تھا کہ اگر اسیروں کو زندانِ اجل سے نکال لے جانے والا بیلشازار نہیں تھا جیسا اس نے سوچا تو پھر وہی آدمی ہو گا جو ان کی رہائی چاہتا تھا اور اسی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا مگر یہاں معاملے کی صورت ہی کچھ اور نکل آئی۔

سیدھی سی بات تھی جس آدمی پر شمورہ نے اعتماد کیا وہ ناقابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اسیروں کی رہائی کی سفارش کر کے انہیں چاہِ بابل سے بزورِ قوت نکال لے جانا بھی عقل و فکر سے بعید تھا کیونکہ اس صورت میں الزام کی انگلی اسی کی طرف اٹھتی پھر وہ ہے کون؟

اس پُراسرار آدمی کا تعین کرنے کی کوشش کی مگر ذہن میں کوئی تصویر نہ اُبھری۔ زبان پر کوئی نام نہ آیا۔ البتہ اس خیال سے بدن میں سنسنی سی دوڑتی رہی کہ شمورہ نے کسی مرد کو پسند کر لیا ہے۔

بنونید کتنا ہی کمزور حکمران سہی اور حالات کی رفتار کتنی ہی بے ڈھب کیوں نہ ہو وہ بیٹی کی خوشنودی کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا جو "تنہائی کے عرفان" سے "محبت کے عرفان" میں داخل ہو چکی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی اور سوچ بچار کے بعد کہنے لگا۔

"ہمیں اعتراف ہے تمہارے سامنے جھوٹ بول کر ہم اپنی حیثیت سے گر گئے مگر ہمارے اور ہاروت ماروت کے درمیان ایک خاص معاملہ ہے جو ہم نے پہلے بھی نہیں بتایا اور اب بھی نہیں بتائیں گے۔ اس کے باوجود تمہیں مایوس نہیں ہونے دیں گے۔ عبرانی اسیر چاہِ بابل سے ضرور نکال لئے گئے مگر وہ بابل سے باہر نہیں نکل سکتے کیونکہ ہماری فصیلیں اونچی اور پہرے سخت ہیں۔ ان پہروں میں کوئی مفرور شہر سے نہیں نکل سکتا۔ اس لئے یقین رکھو، ہم انہیں ڈھونڈ کر تمہارے سپرد کر دیں گے تاکہ تم اپنا قول پورا کر سکو۔"

شہزادی کو یہ الفاظ معانی سے خالی محسوس ہوئے۔

"ہم آپ کی بات پر کیسے یقین کر لیں؟ کیونکہ کمان سے نکلے ہوئے تیر اور قفس سے اُڑنے والے پرندے کبھی لوٹ کے نہیں آتے۔"

ابھی بادشاہ اس کی تسلی کا کوئی نیا پہلو ڈھونڈ رہا تھا کہ اس نے خلافِ توقع ایک عجیب سوال کر دیا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے، بھائی بیلشازار نے ہاروت ماروت کو گرفتار کیوں کیا تھا؟"

"ان پر ایرانیوں کے ساتھ خفیہ ساز باز کا الزام ہے۔"

"مگر قلعہ اساگیلہ کے قید خانے میں ان سے حران کے معبدِ قمر کے کسی واقعہ سے متعلق پوچھ گچھ ہوتی رہی جس کا موجودہ جنگ اور ایرانیوں سے کوئی تعلق نہیں۔"

یہ سنتے ہی بنونید کا رنگ فق ہو گیا۔ "حران کے معبدِ قمر" کی بات گویا الفاظ کے بادلوں میں

لپکتی جھپکتی بجلی تھی جو اس کے حواس پر گری اور گھبرا کر دیوار کی طرف مڑ گیا۔

''تم نے کچھ اور بھی سنا ہے اس بارے میں؟''

''نہیں۔ مگر یہ ضرور جاننا چاہتے ہیں آپ نے اسیروں کو بیلشازار سے کیوں چھین لیا۔ خفیہ خفیہ انہیں چاہِ بابل میں کس لئے منتقل کر دیا تھا؟''

بنونید جواب نہیں دینا چاہتا تھا مگر خاموشی مزید غلط فہمیاں پیدا کر سکتی تھی۔ ہاروت ماروت کے معاملے میں پہلے ہی خود کو بیٹی کا مجرم محسوس کر رہا تھا، کچھ سوچ کر بولا۔

''بیلشازار کا خیال ہے عبرانی پیغمبر کوئی ایسا راز جانتے ہیں جو ہماری ذات سے وابستہ ہے۔''

''اور اس راز کا تعلق حران کے معبد قمر سے ہے۔''

''ہاں۔'' بنونید کی آواز ڈوب رہی تھی۔

شمورہ کی دلچسپی بڑھی۔ ''پدرِ محترم! اس سے پہلے کہ ہم کچھ پوچھیں اور آپ کچھ کہیں، اس بات کا فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ کہیں آپ ہمارے متعلق تو کسی بدگمانی میں مبتلا نہیں؟''

''کیسی بدگمانی؟''

''شاید آپ سوچتے ہوں کسی لمحے ہم بھی بے وفائی کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔''

شاہ بنونید نے سوال بڑے تعجب سے سنا اور جواب بڑے اعتماد سے دیا۔

''شمورہ! عزیز از جان شمورہ! تمہارے سوا ہم کسی کو اپنا ہمدرد و وفادار نہیں سمجھتے۔ ہمارا قانون دوسروں کے لئے ہے، تمہارے لئے نہیں۔ ہم سوچتے ہیں تو تمہارے دماغ سے، بات کرتے ہیں تو تمہاری زبان سے۔''

''تو پھر بتائیے معبد حران کا وہ راز کیا ہے جس سے عبرانی پیغمبر تو واقف ہیں مگر ہم آج تک بے خبر رہے حالانکہ آپ کی حفاظت و رہنمائی پر مامور ہیں۔''

بنونید پر ایک بجلی اور گری۔ تڑپ کے پیچھے ہٹا اور اپنا ہاتھ بطور احتجاج بلند کیا۔ ''ہم سے وہ بات نہ پوچھو جو بتا نہیں سکتے۔'' اس کی گھبراہٹ نے شہزادی کو مزید حیران کر دیا۔ اب اس کا لہجہ تشفی آمیز تھا۔

''پدرِ محترم! ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ہمیں شریکِ راز کر لیں تو ہم اس نادیدہ خطرے کو بھی روک دیں گے جس کا

خوف آپ کی ذات کو مضمحل کر رہا ہے۔''

''مجبور نہ کرو شمورہ! رازداری کے عہد نے ہماری زبان بند کر رکھی ہے۔''

''کس سے رازداری کا عہد کیا تھا آپ نے؟''

''لشکروں کے خدا مردوک سے اور اس کے بعد ربہٴ قمر سے۔''

شہزادی حیران ہوئی۔ ''ربہٴ قمر سے کیوں؟''

''ہم تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتا سکتے ہیں کیونکہ تم ہماری رہبر اور محافظ ہو۔''

بنونید ایک پل ٹھہر کے کہنے لگا۔

''ہماری پرورش کا کچھ زمانہ حران[1] میں گزرا تھا جہاں ربہٴ قمر کا سب سے بڑا معبد ہے۔ ہمیں بچپن ہی سے ربہٴ قمر سے بڑا لگاؤ رہا۔ ان دنوں بھی جب ہم حران میں تھے دیوی کی برکت حاصل کرنے معبد قمر میں جاتے تھے مگر ایک روز معبد کے کاہنِ اعظم نے ہم پر ایسا بے ہودہ الزام عائد کیا جس سے ہمارے خاندان کی توہین ہوئی۔ ہم عظیم بخت نصر کی بہن کے بیٹے[2] اور سلطنت کالدیا کے جائز وارث تھے اس لئے طیش میں آ کر کاہن کو ہلاک کر دیا۔ جب تخت پر بیٹھے تو ہیکل مردوک میں اس خون کا کفارہ دیا جو ہم سے لڑکپن میں ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی یہ قسم بھی کھائی کہ خاندانِ بخت نصر کی حرمت اور عظمت کی خاطر حران کے معبد قمر کا واقعہ کسی سے بیان نہیں کریں گے۔ یہی عہد ہم نے دیوی قمر سے بھی کیا۔''

شہزادی شمورہ یہ عجیب و غریب کہانی پہلی مرتبہ سن رہی تھی۔ ''اور وہ الزام کیا تھا جو معبدِ قمر کے کاہنِ اعظم نے آپ پر لگایا؟''

''وہی تو بتا نہیں سکتے۔ اگر رازداری کا حلف توڑا تو خدائے مردوک کا عذاب اور دیوی کی لعنت ہم پر نازل ہو گی۔''

اب کچھ پوچھنا لاحاصل تھا۔ معلوم نہیں بادشاہ نے کوئی ایسا حلف اٹھایا بھی تھا یا نہیں مگر

---

1. عربی نام حران۔ فلپ کے حتی کے بقول قدیم نام حرانو۔ بائبل میں اسے حاران لکھا گیا ہے۔ شام کے شمالی علاقے میں ایشیائے کوچک سے ملحق ہے۔ دریائے جلاپ کے قریب واقع ہے یہاں چاند دیوتا سین کا بہت بڑا معبد تھا۔ اسی کے حوالے سے مؤرخ البیرونی اسے سین لکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کے دوران یہاں ٹھہرے تھے۔ (مصنف)
2. شاہ بنونید بخت نصر کی نسل سے نہیں بلکہ اس کا بھانجا سمجھا جاتا تھا۔ (مصنف)

مردوک کا نام لے کر اس نے اخفائے راز کا جواز پیدا کر لیا تھا اور قوانینِ بابل کی رُو سے دیوی دیوتاؤں بالخصوص مردوک کے نام پر اٹھایا ہوا حلف توڑنا سنگین جرم تھا۔

اب شہزادی شمورہ کو ہاروت ماروت کی اہمیت کا احساس ہوا جو اس رازِ سربستہ سے واقف تھے۔ ایمگور بل اور نیمیتی بل ایسے اونچے حصاروں کی موجودگی میں بابل کو ایرانیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ وہ ان فصیلوں کے اندر محفوظ تھے۔ ہاروت ماروت کی گرفتاری یقیناً اُسی رازِ سربستہ کی خاطر عمل میں آئی تھی۔

شہزادی نے سوچا۔ کوئی بات ہے ضرور جس نے بادشاہ کو خوف زدہ کر رکھا ہے۔ وہ معاملے کی صورت پر غور کرتی رہی پھر کسی دیوی کے سے ملہمانہ انداز میں بولی۔

''خداوند! تقدیر عبرانی اسیروں کو آپ سے چھین کر لے گئی جس طرح آپ نے انہیں بھائی بیلشازار سے چھین لیا تھا۔ اب ان کی تلاش بے سُود ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ مردِ یگانہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گیا جسے ہم اپنے لئے جیت لینا چاہتے تھے۔''

شہزادی کے آخری الفاظ حسرت و ناکامی کا نوحہ پڑھ رہے تھے۔ بنونید نے اُسے ناکامی سے بچانے کی آخری کوشش کی۔

''پھر بھی تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ہم قیدی واپس نہ کر سکے تو اس آدمی کے قدموں پر آدھی سلطنت رکھ دیں گے جس سے محبت کر بیٹھی ہو۔''

''محبت کی قیمت نہیں لگائی جاتی پدرِ محترم! آدھی سلطنت کا لالچ اس آدمی کی توہین ہے۔''

بنونید کی آواز میں اس کے بڑھاپے کی پکی پکی دانائی بول اٹھی۔

''محبت کی قیمت اس آدمی نے خود لگائی ہے۔ ہم تو فقط اس میں اضافہ کر رہے ہیں۔ آدھی سلطنت ''ہاروت ماروت کی واپسی'' سے بہت بڑی قیمت ہے۔''

''آپ کے تمام اندازے غلط ہیں۔ ہم قیدی لوٹا کر اسے اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے تھے، سلطنت کے لئے نہیں۔ کیونکہ حکومت، بادشاہت، سلطنت کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔''

''دنیا میں ہر بات کی اہمیت اور ہر چیز کی قیمت ہے۔ تم اس آدمی کا نام بتاؤ اور معاملہ ہم پر چھوڑ دو۔''

شمورہ نے سوچا۔ شاید بادشاہ اسی بہانے نام پوچھنا چاہتا ہے تاکہ اسے اسیروں کے اغواء

کا ملزم ٹھہرائے اور گرفتار کر لے۔ جھٹکے سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اور تڑپ کے بولی۔

''اس حالت میں تو اس کا نام کبھی نہیں بتائیں گے۔''

''کیوں ___؟'' بنونید مجسم سوال بن گیا۔

''کیونکہ قول ہار کر بھی ہم اس کی توہین نہیں چاہتے۔''

بنونید دنگ رہ گیا۔ معاملہ اتنا مختلف ہوگا یہ اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ آدمی صرف عبرانی اسیر چاہتا تھا تو شمورہ بھی اسے صرف اپنے لئے جیتنا چاہتی تھی۔ حیران تھا، نہ جانے وہ کیسے عجیب و غریب مرد کا انتخاب کر بیٹھی ہے جسے حکومت اور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بھی سمجھتا تھا، محبت خود رفتگی اور دیوانگی ہی کا نام ہے مگر جب اپنا راز چھپایا تو بیٹی کو اپنے محبوب کا نام بتانے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں چند لمحے ایک کشمکش سی جاری رہی پھر اپنی عبا کو جھٹک کر بولا۔

''اگر تم اس آدمی کو صرف اپنے لئے جیتنا چاہتی ہو تو جیت لو گی۔ مگر دیوی ایشتار سے دعا کرو، عبرانی اسیر ہمیں مل جائیں اور ہم تمہاری ضد پوری کر سکیں۔ ہم نے اسیروں کی تلاش کے لئے بیلشازار اور میر معظم کو قلعہ اساگیلہ میں طلب کیا اور یہ اطلاع بھی سنی ہے کہ بیلشازار کو ان کا کوئی کھوج مل گیا ہے۔ ان کی واپسی کے لئے جو کچھ بھی ہوگا ہم کر گزریں گے۔''

یہ کہہ کر وہ عبا کو پشت پر لہراتا کمرے سے نکل گیا اور شہزادی شمورہ باغاتِ معلقہ کے ایوانِ خاص میں تنہا رہ گئی۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ بادشاہ نے جو کچھ کہا ہے وہ پورا بھی ہو جائے گا۔ ریت پر لکھی جانے والی تحریر اعتماد کے لائق نہیں ہوتی جسے ہوا کا صرف ایک جھونکا مٹا دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ مگر ہاروت ماروت کے ساتھ مہرتاب کے ہاتھ سے نکل جانے کا خیال اتنا الم انگیز اور وحشت ناک تھا کہ اندر ہی اندر جلی اور مری جا رہی تھی۔ دل پہلو سے نکلا جاتا تھا جیسے مہرتاب اس کے وعدے کی گرفت سے نکل گیا تھا۔

اسی لمحے شاہی رتھ کے چوبی پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی جو باغاتِ معلقہ کی چھٹی منزل سے خم دار ڈھلوان سڑک پر روانہ ہوا تھا۔ اس نے دریچے کا اطلسی پردہ ہٹا کر بادشاہ کو کسی بگولے کی طرح گزرتے دیکھا اور رتھ کے ساتھ اس کا اپنا دل بھی اُڑتا چلا گیا بابل کے اُن گھنے بازاروں اور پُر رونق راستوں کی طرف جہاں ہاروت ماروت کھو گئے تھے۔

کچھ دیر صورتِ تصویر کھڑی رہی۔ پھر کچھ سوچ کر تالی بجائی اور مخنث داروغۂ محلات فوراً

حاضر ہوگیا۔شہزادی نے حکم دیا۔

''ایوانِ ماکلوب میں ہمارے غلام اکتانا کو پیغام بھجواؤ کہ ہم نے طلب کیا ہے اور یہیں اس کا انتظار کریں گے۔''

داروغۂ محلات رخصت ہوگیا تو ہولے ہولے چلتی اُس مسند پر آبیٹھی جو صرف اُسی کے لئے مخصوص تھی کیونکہ جب شاہ بونید باغاتِ معلقہ میں امیروں یا سفیروں سے ملاقات کرتا تو عقلِ کُل شمورہ اس کے ساتھ بیٹھتی تھی تاکہ بوقتِ ضرورت کوئی مشورہ دے سکے مگر آج وہ خود بڑی نڈھال، بڑی پریشان اور کسی سہارے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

(28)

غمِ محبت

◎

شہزادی شمورہ زندگی میں پہلی بار محبت اور اس کے درد سے آشنا ہوئی تھی۔ جس طرح لوہا بھٹی میں اور سونا کٹھالی میں پگھلتا ہے اسی طرح اس کا دل غمِ محبت کی آنچ پر جل بھی رہا تھا، پگھل بھی رہا تھا اور بیٹھی سوچ رہی تھی۔ کیا مہرتاب اس شرط کے بغیر بھی جو ان کے مابین ایوانِ ماکلوب میں طے پائی تھی، اُسے لائق التفات سمجھے گا____؟ اپنی حیات افروز محبت سے حصہ دے گا؟

وہ تو پہلی ہی ملاقات میں یگانۂ عصر محبوب کی دیوانی ہوگئی تھی۔ اس کے مردانہ اوصاف جمال، وجاہت وقوت اور رعبِ گفتار نے کچھ ایسا مرعوب کر دیا تھا کہ عالی مرتبت شہزادی کا مقام اور دیویوں کا سا اندازِ کلام ترک کر کے اس کی خاطر صرف شمورہ بن گئی اور اپنی ذات کو ''کُل'' کی بجائے ایک ''اکائی'' سمجھنے لگی تھی جو مرد کی قوتِ عشق سے مل کر زندگی کی تکمیل کرتی ہے۔

شمورہ بابل کی سماجی گہما گہمی، اصنامی تہذیب اور ''فطرت کی قوتوں[1]'' پر مشتمل دینِ اکد کی نمائندہ خاتون تھی۔ جس نے اس سرزمین کی قومی روایات کو اپنایا تھا۔ عرفانِ تنہائی اور تخلیۂ روح کی خاطر شب و روز اعتکاف میں بیٹھنے کے بعد آسمان و زمین کی ان پراسرار قوتوں کا

[1] اہلِ بابل اپنے دین کو ''دینِ فطرت'' کہتے تھے کیونکہ بزرگانِ اکد نے اس دین کو فطرت کی تخلیقی قوتوں کا تمثیلی رنگ دیا تھا جس میں مظاہرِ قدرت، شمس وقمر، ستاروں کے اثرات، سلسلۂ ارواح اور سحر و طلسم کا بڑا دخل تھا۔ ان کے نزدیک روحیں ستاروں میں قیام کرتی تھیں۔ (باقی آگے)

ادراک حاصل کیا تھا جنہیں دینِ اکد کے بزرگوں نے مظاہرِ قدرت سے دریافت کیا اور ایک تمثیلی شکل دی تھی۔ وہ دین جو آسمان، زمین، ابر و ہوا، سورج، چاند اور ستاروں کی گردش و رفتار سے بندھا ہوا ان کے اثبات و اثرات سے عبارت اور زندگی کے عمل کی ایک منطقی اور فلسفیانہ توجیہہ پیش کرتا تھا۔

مذہبی طور پر بل یا بیل (جو برقِ آسمانی کے نطفہ سے پیدا ہوا) آسمان کے الٰہوں اور ان کی تمام تر قوتوں کے ساتھ فطرت کے مردانہ جوہرِ اصول کا بھی مظہر سمجھا گیا۔ اسی لئے وہ فرزندِ آسماں اور راکب الغمام (بادلوں کا سوار) کہلایا۔ جب کہ ایشتار یا بیلت جو عاشرہ (زمین) کی نمائندہ دیوی تھی، نسوانی اصولِ فطرت کی ممثلہ اور بیل کی زوجہ قرار دی گئی۔ اس طرح آسمان و زمین کی قوتوں کو نر و مادہ کی تمثیل میں پیش کیا۔ ان کے وصل و اختلاط ہی سے کائنات میں زندگی کا ہنگامہ اور تخلیق کا عمل جاری تھا اور یہی نکتہ دینِ اکد کا محور و مرکز تھا۔ مگر بل کے ساتھ مردوک بھی جو اس سے زیادہ طاقتور تھا ایشتار کا شوہر مانا گیا۔ شہزادی شمورہ نے اس اصولِ فطرت کو مذہب کی منطق پر ضرور پرکھا جس سے اس پر دینِ اکد کی اہمیت واضح ہوئی لیکن اس کے عملی تجربہ سے نا آشنا تھی۔

مہرتاب کو قریب سے دیکھا تو شکل و صورت میں رب النوع کا اوتار اور قوت و مردانگی میں رب مردوک کا مظہر دکھائی دیا۔ اس سے ملتے ہی جسم میں زندگی کے طبعی تقاضے نے لہر لی اور دل میں ایشتار یا بیلت بننے کی اُمنگ جاگ اٹھی جو زمین کی قوتِ نمو کی نمائندگی کرتی تھی۔

شمورہ جس نے پہلے ہی خود کو دیویوں کی طرح واجب الاحترام بنا لیا اور حُسن و محبت کی دیوی انلیل سے خصوصی لگاوٹ رکھتی تھی، مہرتاب سے ملاقات کے بعد اپنے آپ پر اہل بابل کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ 389) اس دین کے بنیادی الٰہ بارہ تھے۔ آنو، بل، ای آجن کی اوّلین تثلیث قائم ہوئی پھر چاند (آرک) سورج (آد) اور آب و ہوا (مرمر) جن سے دوسری تثلیث عمل میں آئی۔ چاند سورج کے علاوہ پانچ دوسرے سیارے مریخ، مشتری، عطارد، زہرہ اور زحل بھی شریکِ الوہیت تھے جنہیں اکدی زبان میں نگا، نیبو، مردک، اشتر اور ننداد کہتے تھے۔ بارھویں مسجود و معبود ایشتار یا بیلت تھی جو زمین کی تخلیقی قوتوں کی مائندہ اور بیل کی محبوبہ تھی۔ ان کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں دوسرے دیوی دیوتا تھے جن کے ساتھ کائنات کی دیگر تخلیقی صلاحیتوں کو منسوب کیا جاتا تھا۔

(سمیات بابل، اسنامی تہذیبیں، پریڈگس رومنر، ہسٹری آشرابو، ہسٹری آف سیریا از فلپ ہٹی)

سب سے محبوب، سب سے پیاری، سب سے طاقتور دیوی ایشتار کا رنگ چڑھانے لگی جو بل اور مردوک کی محبوبہ و زوجہ کہلاتی تھی۔ گویا تنہائی کے عرفان سے نکل کر وہ تخلیق و نمو کے عرفان میں داخل ہو رہی تھی۔ مگر زحل نے جو ساتویں آسمان کی بلندیوں سے اُسے بغور دیکھ رہا تھا اور اس کا اپنا ستارہ تھا محبت کے آغاز ہی میں ایک مشکل پیدا کر دی۔ اب اس شرط کو پورا کرنا ممکن نہ رہا تھا جس پر مہرتاب نے اس کی محبت کا پابند ہو جانے کا وعدہ کر لیا۔ اس نے کہا تھا۔

''جب تم ہاروت ماروت کو میرے حوالے کرو گی، میں ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جاؤں گا۔''

کچھ ایسے ہی الفاظ تھے جنہیں سن کر وہ جھوم اٹھی تھی۔ اس کے نزدیک ہاروت ماروت کی واپسی کوئی ایسی کڑی شرط نہیں تھی جسے وہ پورا نہ کر سکے۔ مگر اب یہی شرط ایمگور بل (دیوتاؤں کی دیوار) بن کر ان کے درمیان حائل ہو گئی اور شمورہ عجیب سی مایوسی اور بے چینی محسوس کر رہی تھی۔

بیٹھے بیٹھے اس نے سوچا۔ مہرتاب نے پہلی ملاقات میں کچھ باتیں ادھوری چھوڑ دی۔ کچھ باتیں آئندہ ملاقات پر اٹھا رکھی تھیں اور ان میں سب سے اہم بات محبت کی تھی کہ محبت کا شعلہ وقت کے ساتھ ساتھ بھڑکتا رہے۔ اس نے تو کچھ اور بھی کہا تھا کہ زحل اور عطارد کے قِران کی رات خطرے کی رات ہے۔ لیکن وہ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی اس کی حفاظت کرے گا۔ یہ بہت بڑی بات تھی جو مہرتاب نے کہی اور یہی بات اس کے ڈوبتے دل کو سہارا دے رہی تھی۔ اس طرح ایک ایک کر کے وہ تمام باتیں یاد آئیں جو بدنصیب شمورہ کے حق میں جاتی تھیں اور دل کو تسلیاں دے رہی تھی کہ رب النوع کا مظہر ہونے کی صورت میں وہ اتنا ظالم نہیں ہو سکتا کہ اپنی شمورہ کو محض ایک شرط کی بنا پر مایوس کر دے۔ مگر اس بات کا کیا علاج کہ رہ رہ کر وہ شرط اس کے دل میں خوف کی سیندھ لگا رہی تھی۔ اور اب تو اس کا دہانہ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ مہرتاب باآسانی اس رستے دل سے باہر نکل سکتا تھا بلکہ باہر نکل بھی گیا تھا۔

اس وحشت ناک احساس کے ساتھ ہی وہ گھبرا کر مسند سے اٹھی اور تیز تیز چلتی دریچے کے سامنے پہنچ گئی تا کہ پردہ ہٹا کر اپنے آپ کو باغاتِ معلقہ کے حسین مناظر میں اُلجھانے کی کوشش کرے مگر پردے کی طرف بڑھنے والا ہاتھ رُک گیا اور دریچے سے ہٹ کر پھر مسند پر لوٹ آئی۔ دل مضطرب اور بے کل تھا۔ اپنی ذات کو اُس رات سے الگ نہیں کر سکتی تھی جو مہرتاب کے ساتھ ملاقات کا واسطہ بنی۔ اس رات کا چاند، ستارے، اندھیرا، اُجالا، وقت اور

وقت کا ہر لمحہ اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ سرگوشیاں کر رہا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے اس رات پوری کائنات نے کنواری دُخترِ بابل کو ایک اور ہی رُوپ میں دیکھا تھا اور اب وہی حسین رات جو اس کی نئی زندگی کا نقطۂ آغاز بنی مایوسیوں اور حسرتوں کے اندھیرے میں ڈھل رہی تھی۔

کبھی کبھی ایک رات اور ایک صبح کے درمیان سالوں کے فاصلے حائل ہو جاتے ہیں۔ آج اس رات کو گزرے تیسرا دن تھا مگر چاہِ بابل کے ہولناک سانحے نے اس کے شعور پر اندھیرے بکھیر دیئے تھے۔ وہ ان اندھیروں میں بھٹکتی پھرتی اور مہرتاب کو ڈھونڈنے میں سرگرداں تھی۔ اس تصور نے نڈھال کر دیا تھا کہ جب وہ سنے گا ہاروت ماروت اس کی دسترس سے بہت دور نکل گئے اور کوئی زبردست ہاتھ انہیں شاہ بنونید سے بھی چھین کر لے گیا ہے تو اس کے بارے میں کیا سوچے گا۔ وہ تو ان کی واپسی کا قول دے چکی تھی۔

ایک پل کے لئے خیال آیا کہیں مہرتاب ہی تو عبرانی اسیروں کو نہیں لے اُڑا؟ مگر وہ نہیں جانتا تھا اس کے مطلوب کہاں نظر بند ہیں۔ جانتا بھی تو چاہِ بابل کے حصار میں داخل ہونا اور انہیں زندانِ اجل سے نکال کر لے جانا ایک آدمی کی قوت سے بعید تھا۔ بس خود کو ملامت کئے جاتی تھی کہ اس نے کوئی بروقت اقدام نہ کر کے اسیروں اور ان کے ساتھ شاید مہرتاب کو بھی کھو دیا ہے۔

واقعات کو عقل کی ترازو میں تولنے والی شمورہ ابھی تک اُس یگانۂ عصر نوجوان کی طاقت اور اس کے عشق کی اصل منزل سے ناواقف تھی۔ کیونکہ عقل بہت سی حکمتوں کا شعور نہیں رکھتی۔ وہ تو اسے ظہورِ مردوک کا انسانی روپ سمجھ کر خود کو اس کی ارضی محبوبہ خیال کر بیٹھی اور اب رہ رہ کر سوچ رہی تھی کہ اس سے کیا عذر کرے گی اور وہ کوئی عذر سنے گا بھی یا نہیں؟ دل پر بوجھ اور دماغ میں اندھیرا تھا پھر بھی کچھ باتیں ابھی تک اس کے حق میں جاتی تھیں اور اس اندھیرے میں ایک موہوم سی اُمید جگنو کی طرح کبھی جلتی کبھی بجھتی تھی کہ شاید مہرتاب اس کا عذر قبول کرے، شاید نہ کرے۔

بے شک ہاروت ماروت پر ایرانیوں سے ساز باز کرنے کا الزام بھی تھا مگر اس نے اس الزام کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ کالدیا کی مملکت میں ہزاروں کلدانی بھی عبرانیوں کی طویل غلامی سے جو بخت نصر کے دور سے شروع ہوئی، بیزار ہو چکے اور اسرائیلی پیغمبروں حضرت دانیالؑ، حضرت عذراؑ (عزیرؑ) حضرت حجیؑ اور حضرت ذکریاؑ کی روحانی باتوں سے

دلچسپی رکھتے تھے جنہوں نے اس دورِ غلامی میں بھی خدائے واحد یہواہ کی تقدیس کے گیت گائے اور یہ پیش گوئی کی تھی کہ چکی پیسنے کی مشقت ختم ہونے والی ہے اور ستر سال کے بعد غلامی کا جوا ٹوٹ جائے گا۔ وہ مہرتاب کو بھی انہی عقیدت مندوں میں سے ایک سمجھتی تھی جو انسانیت کے ناتے عبرانی نبیوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ خود شمورہ بھی سڑیل یہودیوں سے تو بیزار لیکن ان کے پیغمبروں کے اخلاق کی گرویدہ تھی۔ اس نے تو یہاں تک سوچ لیا تھا کہ اگر مہرتاب عبرانی غلاموں اور بزرگانِ یہود سے کوئی دلچسپی رکھتا ہے تو آئندہ وہ بھی ان کے لئے نرم گوشہ اختیار کرے گی۔ یہ خیال بھی گزرا کہ اگر عبرانی غلام ایرانیوں کے خلاف جنگ میں مدد کریں تو بادشاہ سے ان کی رہائی کا وعدہ لے سکتی ہے۔ مگر شمورہ کے ذہن میں یہ تجویز اس وقت آئی جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

انہی خیالوں میں گم تھی کہ داروغۂ خاص نے اکتانا کے آنے کی اطلاع دی۔ شہزادی نے حکم دیا اسے فوراً اندر بھیج دو اور خود مسند کے پاس کھڑی ہو گئی۔

عجمی غلام ایوانِ خاص میں لرزتا، کانپتا داخل ہوا اور بھاگ کر شہزادی کے قدموں میں اوندھے منہ گر گیا کہ شاید انجانے میں کوئی غلطی کر بیٹھا اور تہدید کے لئے طلب کیا گیا ہے۔ مگر شہزادی لطف و مہربانی کے لہجے میں بولی۔

"کھڑا ہو جا اکتانا! اور جو کچھ ہم کہتے ہیں غور سے سن۔"

عجمی غلام اٹھا اور رکوع کی حالت میں کھڑا ہو گیا۔ شہزادی نے اشارہ کیا۔

"کچھ قریب آ جا۔"

وہ ڈرتا ڈرتا قریب آ گیا

"پرسوں ہم نے تجھے ایک جڑاؤ کنگن انعام میں دیا اور بڑا قیمتی اور نادر تھا وہ شاہی کنگن۔" شہزادی کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

اکتانا مجسم سپاس بن گیا۔ "حضور نے خاص کرم کیا ہے غلام پر۔"

"ہمارا خیال ہے تُو دوسرا کنگن بھی حاصل کرنا چاہے گا تاکہ جوڑی مکمل ہو جائے اور تُو کہہ سکے کہ ملکہ سمی رامیس کے دونوں کنگن تیری ملکیت ہیں۔ ہمارے وفادار اکتانا کی ملکیت۔"

آخری الفاظ نے عجمی غلام پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی کیونکہ غلاموں کی وفادار کا اعتراف انہیں زیادہ مخلص اور خدمت گزار بنا دیتا ہے۔ اکتانا سمجھ گیا کہ وہ اس سے کوئی

کام لینا چاہتی ہے۔"

"یہ تو غلام کی خوش بختی ہے کہ شہزادی صاحبہ مجھ پر اعتماد کرتی ہیں۔"

"ہاں، ہم تجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ کیونکہ تُو لائقِ اعتماد ہے، وفادار ہے۔"

"پھر حکم دیجئے، مجھے کیا کرنا ہے؟"

"سن اکتانا!" شہزادی کا لہجہ کچھ اور سرگوشیانہ بلکہ رازدارانہ ہو گیا۔ "آج تجھے پھر مہرتاب کے پاس جانا اور ہمارا پیغام پہنچانا ہے۔ مگر پیغام اس طرح پہنچانا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے۔"

اکتانا پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "مطمئن رہیے شہزادی حضور! غلام ہوا کو بھی خبر نہیں ہونے دے گا۔"

"کوئی مہرتاب کے بارے میں پوچھے بھی تو تجھ سے کچھ معلوم نہ کر سکے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔ آپ پیغام دیجئے، مہمان کے گھر کا پتہ بتایئے اور باقی سب کچھ غلام پر چھوڑ دیجئے۔"

شہزادی پریشان سی ہو گئی۔

"ہمیں گھر کا پتہ معلوم نہیں اکتانا! یہ بھی نہیں جانتے شہر کے کس حصے، کس محلے، کس کوچے میں رہتا ہے۔ اس کا پتہ تجھے خود معلوم کرنا اور گھر بھی خود ڈھونڈنا ہوگا۔"

غلام کے چہرے پر بدحواسی طاری ہوئی۔ "پھر تو.........."

"کچھ نہیں۔" شہزادی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم جانتے ہیں ہمارا وفادار اکتانا، ہمارا عزیز اکتانا ہماری خاطر لاکھوں انسانوں کے شہر میں اسے ڈھونڈ لے گا۔"

یہ اندازِ گفتگو غلام کی رُوح پر اعتماد اور وفاداری کا ایک طلسم پھونک گیا۔ دُخترِ شاہ نے اکتانا کو "ہمارا عزیز اکتانا" کے الفاظ سے یاد کیا تھا اور یہ الفاظ آج تک کسی دوسرے شخص کے لئے استعمال نہیں کئے گئے تھے۔

پورے بابل میں اکتانا ہی واحد خوش نصیب تھا جسے کالدیا کی بااختیار شہزادی نے یہ اعزاز دیا اور یہ اعزاز معمولی نہ تھا۔

عجمی غلام کی شریانوں میں وفاداری کا نیا خون دوڑنے لگا جس نے اس کے پورے وجود کو یکسر تبدیل کر دیا۔ اب وہ ایک ایسا شخص تھا جو اپنی حسین مالکن کی خاطر جان بھی داؤ پر لگا سکتا

تھا۔ بابل جیسے عظیم شہر میں جو انسانوں کا گھنا جنگل تھا، ایک ایسے شخص کو تلاش کرنا اگرچہ بڑا مشکل اور ٹیڑھا کام تھا جس کا اتا پتہ معلوم نہ تھا اور جس کا ٹھکانہ ابھی تک خفیہ امور کا سربراہ ریموت بھی دریافت نہ کر سکا تھا۔ مگر شہزادی شمورہ کی خوشنودی کے لئے اکتانا کو یہ مشکل اور کٹھن کام بہرحال سرانجام دینا تھا۔ پھر بھی کچھ سوچ کر بولا۔

"مہمان کو ڈھونڈنے میں کچھ وقت لگے گا حضور!"

"کتنا وقت؟"

"یہی کوئی دو دن، تین دن......"

"نہیں اکتانا نہیں۔ اتنی مہلت کہاں ہے ہمارے پاس۔" پھر "آج" کے لفظ پر زور دے کر کہنے لگی۔ "تجھے مہمان کو آج ہی تلاش کرنا اور آج ہی ہمارا پیغام اُسے پہنچانا ہے۔ کل نہ جانے کیا ہو جائے۔"

غلام الفاظ کے بھنور میں ڈوبنے لگا تو شہزادی نے تنکے کا سہارا پیش کیا۔

"ہم تیری رہنمائی کے لئے کچھ باتیں، کچھ علامتیں بتائے دیتے ہیں جن کے ذریعے تُو اُسے ڈھونڈ لے گا۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں غور سے سن اور اپنے حافظے میں محفوظ کرتا جا۔ وہ گارجیت سے آیا ہے۔ اسی کو دیکھ کر دانائے فرات گوما کی مُہرِ سکوت ٹوٹ گئی تھی۔ زرد رنگ کی عبا پہنتا ہے۔ کیونکہ عطارد دیوتا کا بروز ہے۔ نام مہرتاب ہے یعنی "سورج کی روشنی" ____ چلتا ہے تو لوگ دیکھتے ہیں ____ بولتا ہے تو گوش برآواز ہو جاتے ہیں کہ کیا کہتا ہے۔ بس اکتانا! اس کے علاوہ ہم اور کیا بتائیں۔ کیونکہ اس کے بارے میں اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ اب بول، تو ڈھونڈ لے گا اُسے؟"

اکتانا نے فوری جواب نہیں دیا، قدرے تامل سے بولا۔ "شاید ڈھونڈ لوں۔"

دُخترِ بابل تڑپ اٹھی۔ "شاید نہیں، یقین سے کہہ۔" پھر بڑی بے چارگی، بڑی افسردگی سے کہنے لگی۔ "دیکھ اکتانا! آج کا سورج غروب ہونے تک اگر تُو مہرتاب کو نہ ڈھونڈ سکا، اُسے ہمارا پیغام نہ پہنچا سکا تو ہم مر جائیں گے۔"

غلام کی چیخ نکل گئی۔ "نہیں مالکن! خدائے مردوک آپ کو چاند ستاروں کی طرح ہمیشہ زندہ اور تابندہ رکھے۔"

"عزیز اکتانا! اگر تُو چاہتا ہے کہ ہم زندہ رہیں تو تجھے مہرتاب کو آج ہی تلاش کرنا ہوگا۔"

"غلام اپنی جان بھی لڑا دے گا۔ مہمان کو ڈھونڈ لے گا۔"

"پھر ہمارے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے قول دے۔" اور اپنا خوب صورت نازک ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

عجمی غلام دنگ رہ گیا۔ یہ ایک اور اعزاز تھا جو دخترِ بابل شمورہ اُسے دے رہی تھی۔ باغاتِ معلقہ اور محلاتِ شاہی کے کسی غلام کی تو حیثیت ہی کیا تھی، بابل کے بڑے بڑے سردار بھی شہزادی کو چھونے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے جو تنہائی کا عرفان حاصل کر کے دیویوں کا رتبہ حاصل کر چکی تھی بھلا اکتانا وہ خوبصورت ہاتھ تھامنے کی جرأت کس طرح کر سکتا تھا۔ اُسے ہچکچاتے دیکھ کر شہزادی بڑی مدھم، بڑی نرم آواز میں گویا ہوئی۔

"ڈر نہیں اکتانا! ہمارا ہاتھ تھام لے۔ اور اگر تُو نے آج ہی مہرتاب کو ڈھونڈ لیا تو ہم تجھے یہ خوب صورت ہاتھ چومنے کی بھی اجازت دے دیں گے۔"

اس حسین ترغیب پر اکتانا کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے ہمت کر کے اپنے کپکپاتے ہوئے سانولے ہاتھ سے شہزادی شمورہ کا نرم و گداز ہاتھ تھام لیا اور اس کے عجمی جسم میں سر سے پاؤں تک بجلیاں دوڑ گئیں۔ پھر ایک عزم کے ساتھ کہنے لگا۔

"شہزادی حضور! یہ اکتانا کا قول ہے۔ اگر آج سورج کی آخری کرن رخصت ہونے سے پہلے غلام باغاتِ معلقہ میں لوٹ آیا تو سمجھ لیجئے گا اس نے مہمان ڈھونڈ لیا اور آپ کا پیغام پہنچا دیا۔ لیکن غروبِ آفتاب تک واپس نہ آ سکا تو اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوگا۔ کیونکہ ناکامی کی صورت میں آپ کو اپنا منحوس چہرہ دکھانے کی بجائے آپ کا عزیز اکتانا موت کو گلے لگا لے گا۔"

اس جذبۂ جاں نثاری پر شہزادی کا دل گداز ہو گیا۔ آواز بدل گئی۔ "وفادار اکتانا! ہم تیری زندگی چاہتے ہیں تاکہ تُو ہمارے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کر سکے۔ دیوی اِشتار تیری رہنمائی اور حفاظت کرے گی۔"

"اب ارشاد فرمایئے، مہمان کے لئے کیا پیغام ہے؟"

اس اثناء میں خود شمورہ محبت کی کئی کیفیتوں سے گزر چکی تھی اور سر سے لے کر پاؤں تک بیمار نظر آتی تھی۔ محبت کی بیمار۔ کیونکہ جو صورت درپیش تھی اس کے خیال ہی سے دل بیٹھا جاتا تھا۔ اس حالت میں آنکھیں بند کر لیں جیسے تصور میں مہرتاب کو دیکھ رہی ہو۔ پھر ہولے ہولے، ٹھہر ٹھہر کے بولی۔

"مہرتاب سے کہنا اگر وہ ہمیں چاہتا ہے، اگر اسے ہماری زندگی عزیز ہے تو آج رات، کل رات، پرسوں رات کسی وقت ایوانِ ماکلوب میں چلا آئے۔ ہم اس کے منتظر ہوں گے۔ ہماری نظریں اُس کی راہ میں بچھی رہیں گی۔ مگر تین راتوں کے بعد آنا بیکار ہوگا کیونکہ ہم نہیں ہوں گے۔ کہنا ہم سے خفا ہونے اور تعلق توڑ لینے میں جلدی نہ کرے۔ کیونکہ تعلق توڑ لینا تو آسان ہے مگر اسے جوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ کہنا کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار ہم سے مل لے۔ ایک بار ہمارا عذر سن لے۔ اگر عذر قبول نہ ہو تو ہمارے لئے سزا بھی خود تجویز کرے اور ہمیں قتل ہی کرنا ہے تو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ بس یہی کہنا ہے اکتانا! اور یہ بتانا ہے کہ ہم کتنے بے چین، کتنے پریشان، کتنے اُداس اور تنہا ہیں۔ کیونکہ اس کے لئے اپنے آپ سے بھی بچھڑ گئے ہیں۔"

یہ کہتے کہتے آواز بھرا گئی، پلکیں بھیگ گئیں اور آنسو حسین عارضوں پر لڑھک آئے۔ اکتانا یہ منظر دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اگر شمورہ نے اُسے اپنا خوبصورت ہاتھ تھامنے کی عزت بخشی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھی صرف اُسی نے دیکھے تھے۔

یہ ایک ناقابلِ یقین بلکہ انتہائی سنگین واقعہ تھا۔ آج تک کسی نے دخترِ بابل کی پلکوں کو بھیگتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ کسی ایسے حادثے سے دوچار ہی نہیں ہوئی تھی کہ آنسوؤں کی زبان میں غم کا اظہار کرتی۔ یہ تو زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس کی یہ حالت ہوئی اور محبت ہی وہ جذبہ ہے جو ہر کسی کو اس کے مقدر کے آنسو عطا کرتا ہے اور آنسو ان کہی باتوں کا اظہار بھی کر دیتے ہیں جو کبھی زبان پر نہیں آتیں۔ مگر عورت کے آنسو دیکھ کر تو بہادر سے بہادر آدمی کا دل بھی نرم اور لہو پانی ہو جاتا ہے۔ بھلا عجمی غلام اکتانا ان کی تاب کیسے لا سکتا تھا جو پہلے ہی وفاداری کے رشتے میں بندھا تھا۔ شہزادی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اُسے یوں لگا جیسے کسی نے کلیجے میں تلوار گھونپ دی ہو۔ تڑپ کے، کراہ کے رہ گیا مگر کچھ بول نہ سکا کیونکہ احساسِ درد کی شدت نے قوتِ گفتار ہی چھین لی تھی۔

شہزادی نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔ "اکتانا! کیا تُو نے ہمارا پیغام سن لیا؟ ہماری حالت دیکھ لی؟"

اکتانا رو پڑا۔ "ہاں۔" کا مختصر سا لفظ بڑی مشکل سے زبان پر آ سکا۔

''تو پھر جو کچھ سنا ہے کہہ دینا۔ جو کچھ دیکھا ہے بتا دینا اور اسی حالت میں رخصت ہو جا تا کہ ہم پر جو بیت رہی ہے اسے ٹھیک ٹھیک بیان کر سکے۔''

دستور کے مطابق اکتانا سجدہ کر کے اٹھا اور آنسو پونچھتا اُلٹے قدموں باہر نکل گیا۔

شمورہ چند لمحے اسی طرح تصویرِ غم بنی مسند کے قریب کھڑی رہی۔ دل پر حسرت و یاس کی ایک ایسی کیفیت گزر رہی تھی جو پہلے کبھی نہ گزری تھی۔ آج تک اس حکمت سے بیگانہ تھی کہ اُداسی اور بے چینی کی خیرات اور آنسو عشق کا نذرانہ ہیں۔ غم چہرے کو تو اُداس کر دیتا مگر دل کو ایک نئی قوت بھی بخشتا اور اسے بیدار کرتا ہے تاہم اتنا ضرور جانتی تھی کہ کسی کو دل کی گہرائیوں سے یاد کرنا اس سے ملاقات کرنے کے برابر ہے اور اسی خیال سے اجنبی محبوب کو جو رب مردوک کی طرح اپنے مردانہ جوہرِ فطرت کے ساتھ اس کے نہاں خانۂ دل میں آ بیٹھا تھا، براہِ راست خطاب کرنے لگی۔ بڑی مدھم، بڑی پُرسوز آواز میں اُس نے کہا۔

''مہرتاب! مجھے مایوس نہ کرنا۔ اے مردوک کے انسانی ظہور! اپنی شمورہ کو چھوڑ نہ دینا۔ میں دوسروں کے لئے بے شک ایک پُر جلال اور با اختیار شہزادی ہوں مگر تمہارے لئے تو اس بیلت کی طرح ہوں جو اپنے بدن کے مہکتے دنوں میں محبوب کے لئے بے چین رہتی ہے۔ میں تمہیں اپنے باپ کے محلوں میں، اپنی محبت کی ہیکل میں، اپنے خاص خلوت خانے میں لے آنا چاہتی اور تمہارے لئے پھولوں کی ایسی سیج سجانے کی تمنا رکھتی ہوں جو کسی دیوی نے بھی کسی دیوتا کے لئے نہیں سجائی ہو گی۔ میرے محبوب! میں اکتانا کو تمہارے حضور بھیج رہی ہوں۔ اُسے ٹھکرا نہ دینا اور میرا عذر سننے کے لئے ضرور آ جانا۔''

یہ دعا یا درخواست کرتے ہوئے وہ مہرتاب کی خاطر ''ہم'' کی بجائے صرف ''میں'' بن گئی کیونکہ خود کو محبت کی ایک ''اکائی'' سمجھتی تھی جو دوسری ''اکائی'' سے ملنے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ پھر اس نے آنسو پونچھ دیئے اور یقین کر لیا کہ زوجۂ مردوک ایشتار اس کے یہ الفاظ مہرتاب کے دل میں ضرور القا کر دے گی اور شاید مہرتاب اس کی درخواست قبول کر لے۔ شاید لوٹ آئے۔ مگر نجانے کیا بات تھی کہ آنسو پونچھنے کے باوجود آنسو پھر اُمڈے آ رہے تھے اور اس کا گداز دل پانی میں ڈھل کر آنکھوں کے رستے بہا جا رہا تھا۔

(29)

بے چین کنواری

''آہستہ آہستہ، اے دلِ بے قرار! ذرا آہستہ آہستہ تڑپ۔ نہ رو، اے چشمِ اشک بار! نہ رو۔''

''عقلِ کُل''، شمورہ اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ اپنے آپ کو سمجھا رہی تھی۔ ''شمورہ! ہماری جان! اتنی بے چین کیوں ہے۔ بس بہت رو لیا، بہت تڑپ لیا تُو نے، اب آنسو پونچھ دے، اپنے دل کو سنبھال۔ اگر آسمان پر یہی طے پا چکا ہے کہ دل ہارنے کے بعد تُو اپنا قول بھی ہار دے تو زمین پر کوئی طاقت تیرے غم کا مداوا نہیں کر سکتی۔ شاید دیوتاؤں کی یہی مرضی ہے کہ تُو اپنی پہلی اور آخری محبت میں ناکام ہو اور دل پر غم کی چوٹ کھا کر اپنے ''عرفانِ تنہائی'' میں لوٹ جائے جیسے تُو ایک یگانۂ عصر محبوب کی خاطر چھوڑ بیٹھی اور اکیلے میں بھی اس کے خیال سے باتیں کرنے لگی ہے۔ بس کر، بس کر، کب تک روئے گی، کب تک تڑپے گی؟''

حسین شمورہ کی آنکھیں ابھی تک بھیگی تھیں۔ دل ابھی تک کسی گھائل پرندے کی طرح پھڑک رہا تھا۔ وفادار اکتانا اُس کا پیغامِ ملاقات لے کر مہرتاب کی تلاش میں جا چکا تھا مگر وہ ابھی تک اُداس اور مضطرب تھی۔ کسی کل چین نہیں تھا۔ کبھی دیوی ایشتار کو اور کبھی دیوی انلیل کو پکارتی کہ اس کی محبت کو ناکام ہونے سے بچا لیا جائے، اُسے سکونِ قلب عطا ہو جو عبرانی اسیروں کے زبردستی اغواء اور فرار کی خبر سنتے ہی غارت ہو گیا تھا۔

مہرتاب سے محبت کی یہی شرط ٹھہری تھی کہ اسیروں کو اس کے حوالے کر دے گی اور اس تھوڑی سی خدمت کے عوض سے ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لے گی۔ مگر حادثہ اتنا خوف ناک اور اس

قدر سنگین پیش آیا تھا کہ بابل کی تاریخ میں اُس کی نظیر نہ ملتی تھی۔

چاہِ بابل کے منتخب تیغ زنوں کو خون میں نہلا کر اور بنوسلان جیسے بہادر اور زور آور آدمی کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے اسیروں کو نکال لے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی اور جس نے یہ سب کچھ کیا ہے، وہ بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوگا۔

یہی سوچ سوچ کر شمورہ دیوانی ہوئی جا رہی تھی کہ عبرانی اسیر ہاتھ سے نکل گئے اور اب وہ اپنے قول کے مطابق انہیں مہرتاب کو لوٹانے کی حیثیت کھو چکی ہے۔ گویا شرطِ محبت ہار گئی۔ اقرارِ محبت ٹوٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی حسین خیالوں کے وہ آبگینے بھی چکنا چور ہو گئے جو اس نے ستاروں کی مانند اپنی محبت کے آسمان پر سجا لئے تھے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آسمان تو ستونوں اور پیل پایوں کے بغیر ہی قائم ہیں اور ان کی لامحدود وسعتوں میں ستاروں کی قندیلیں بھی کسی زنجیر کے بغیر آویزاں ہیں۔ مگر اس کا اپنا آسمانِ محبت ایک بنیاد پر کھڑا تھا اور اس بنیاد کے ہلتے ہی سارا سامان لرز اٹھا۔ سنہرے خیالوں اور حسین خوابوں کے ستارے شہاب ثاقب کی طرح ٹوٹنے پھوٹنے لگے۔ یوں معلوم ہوتا تھا سب کچھ ٹوٹ جائے گا، سب کچھ بکھر جائے گا۔

”نہیں ــــ ابھی نہیں ــــ“ شمورہ تڑپ اٹھی۔ پھر اپنے آپ سے گفتگو کرنے لگی۔

”ابھی ہماری آخری امید نہیں ٹوٹی۔ ہم کوشش کریں گے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اسے بدل دیں۔ جو کچھ بکھر رہا ہے اسے سمیٹ لیں۔ اگر مہرتاب ہمارا پیغام سن کر اور یہ جان لینے کے بعد بھی کہ اب ہمیں اس کے مطلوبہ اسیروں پر اختیار نہیں رہا، ملنے آ گیا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ ہمیں چاہتا ہے۔ ہمارا خیال رکھتا ہے اور ہم بھی سب لطافتیں اس پر نچھاور کر دیں گے۔ اپنی راحت افزا لذتوں سے اُسے حصہ دیں گے۔ اس کی آغوش میں سما کر، اُس کے قدموں سے لپٹ کر درخواست کریں گے کہ ہم اس کی محبوبہ ہیں، وہ ہمیں برباد نہیں ہونے دے گا۔ کیونکہ وعدہ کر چکا ہے کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی ہمیں بچانے آئے گا۔“

اور ایک بار پھر اس کے ذہن کے حاشیوں پر، خیال کے جھروکوں میں مہرتاب سے پہلی ملاقات کے وہ حسین منظر اُبھرنے لگے جو ایوانِ ماکلوب میں پیش آئے تھے۔ مہرتاب نے اس کے حُسن و جمال کی تعریف کی تھی، کہا تھا۔

”تم ایک دلآویز خواب ہو اور ایک خوب صورت حقیقت بھی ــــ اور ملکہ سمی رامیس تم سے زیادہ خوبصورت، زیادہ بااختیار اور زیادہ پُروقار نہیں تھی۔“

ہاں مہرتاب نے انہی الفاظ میں اس کی خوب صورتی، اس کی شخصیت، اس کی حیثیت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ وہ اس کے الفاظ کو یاد کر کے کچھ دلی تسکین، کچھ ذہنی راحت محسوس کرنے لگی اور سوچنے لگی۔

”وہ ہمیں ایک دلآویز خواب سمجھتا، ایک خوب صورت حقیقت قرار دیتا اور ہمیں پسند کرتا ہے۔ ہم بھی اس کے خواب حقیقت میں بدل دیں گے۔ اس کی خاطر اپنے آپ کو اور خوب صورت بنائیں گے، شرطِ محبت پوری کریں گے اور بادشاہ کو مجبور کر دیں گے کہ ہمارے مطلوبہ اسیر ڈھونڈ لائے تا کہ ہم اپنے محبوب کو دیا ہوا قول پورا کر سکیں اور اس کے منظورِ نظر ٹھہریں۔“

شمورہ جانتی تھی کہ جس جگہ اور جس زمین پر کھڑی ہے وہ اس کا بوجھ سہار سکتی ہے۔ باپ چاہنے والا بھی ہے اور راہنمائی کا محتاج بھی۔ مشورے کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا اور اس کا کمزور وجود بیٹی کے سہارے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ضرور اس کی فرمائش پوری کرے گا۔ پھر اس نے زندگی میں ایک ہی فرمائش، ایک ہی ضد تو کی اور بادشاہ پر یہ ذمے داری ڈال دی ہے کہ اس کی ان گنت مہربانیوں کا کچھ تو صلہ چکائے اور ہاروت ماروت کو بابل کے ان نہاں خانوں سے نکال لائے جہاں انہیں چھپا دیا گیا ہے۔ یقیناً وہ بیٹی کی خوشنودی کے لئے سب کچھ کر گزرے گا اور دیوتاؤں کی مہربانی سے اسیروں کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ یہ خیال بھی تھا کہ وہ دیوتاؤں کی پیاری اور دیویوں کی خدمت گزار ہے۔ دیوی دیوتا اسے مایوس نہیں کریں گے۔ حسین ایشتار خود بل مردوک سے وصل کے لئے بے چین رہتی ہے اور عرفان شناس اور تنہائی پسند شمورہ کی پہلی محبت کو ناکام نہیں ہونے دے گی۔ اور انلیل اُس کے سکونِ قلب کے سامان پیدا کرے گی۔

یہ سب باتیں جو اس نے سوچیں، اُمید افزا تھیں۔ جن سے کسی قدر مطمئن سی نظر آنے لگی۔ لیکن دل کے ویران گوشوں میں یہ خطرے کی چاپ کیسی تھی۔ روح کی پنہائی میں ایک عجیب سی سنسناہٹ کیوں محسوس ہو رہی تھی؟

انہی ساعتوں میں جب وہ محبت کے پہلے اور انوکھے غم سے دوچار تھی، باغاتِ معلقہ کے گرداگرد پھیلے خم دار ڈھلان راستے پر شاہی رتھ کی کھڑکھڑاہٹ نے بادشاہ کی آمد کا اعلان کیا۔ دل گرفتہ شمورہ نے لپک کر دریچہ کھولا اور باہر جھانکا۔ شاہ بنونید اساگیلہ سے لوٹ آیا اور رتھ سے اتر کر ایوانِ خاص کی طرف ہو لیا۔ مگر بے حد مشتعل اور برافروختہ نظر آیا اور غلام گردش ہی

میں گرجنے برسنے لگا۔ جب کبھی وہ غصے میں غلاموں، کنیزوں، دربانوں یا محافظوں پر برستا، کڑکتا تو حلق سے غیر معمولی طور پر بیل کے ڈکرانے کی سی آوازیں نکلتی تھیں۔ بادشاہ کی حیثیت میں ربِ بل کا سایہ ہونے کے ناتے شاید وہ بیل کی طرح ڈکرا کر اپنی ''روحانی خفگی'' کا اظہار کرتا تھا۔

شمورہ نے مغضوب الغضب بادشاہ کی قہرناک آوازیں سنیں تو مایوس ہو کر دریچے سے ہٹ آئی۔ خوش فہمی کا وہ حلقہ جسے چند لمحے قبل اپنے خیالوں میں تعمیر کر رہی تھی، ٹوٹتا دکھائی دیا۔ کیونکہ بادشاہ کی خفگی اور غصے کا یہی مطلب تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام لوٹا اور مفرور اسیروں کی بازیابی مشکل نظر آتی ہے۔ اسی فکر میں تھی کہ شاہ بنونید ایک دھماکے سے اندر داخل ہوا اور آتے ہی مسلسل بولنے لگا۔

''شمورہ! جانِ پدر شمورہ! ہم غلط سمجھے تھے، غلط سوچ رہے تھے۔ اسیروں کے اغوا میں بیلشازار کا ہاتھ نہیں۔ وہ سرکش و گستاخ ضرور ہے اور تختِ اژدر پر جلوس آرائی کا خواہش مند بھی مگر اس کے دل سے ہمارا احترام ابھی مکمل طور سے رخصت نہیں ہوا۔ آج وہ پہلے سے بہت بدلا بدلا تھا۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ اسیروں کی تلاش و گرفتاری میں ہماری مدد کرے گا۔ ان سرکش اور باغیوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا جنہوں نے بنوسلان اور اس کے تیغ زنوں کو قتل کیا۔ ہماری طرح اس کا بھی یہی خیال ہے کہ قیدی اور باغی ابھی شہر سے باہر نہیں نکل سکے۔ کیونکہ بابل کی فصیلیں اونچی اور ان کے تمام دروازے[1] بڑے مضبوط ہیں۔ کسی اندرونی دشمن کا بھی انہیں عبور کرنا اور اسیروں کو نکال لے جانا ممکن نہیں۔ وہ لوگ یہیں کہیں چھپ گئے ہیں۔ تو بس بیلشازار کی ذات پر ہم نے جس شبے کا اظہار کیا تھا وہ یہیں ختم ہوا۔ وہ خود اسیروں کی تلاش میں سرگرمِ عمل ہو گیا ہے اور ہمیں امید ہے کہ آج کل تک انہیں ڈھونڈ نکالے گا۔''

شہزادی شمورہ اپنے دیویوں کے سے مخصوص وقار میں چپ چاپ کھڑی سب باتیں سنتی

1۔ صرف ایکوربل کی 350 فٹ اونچی فصیل پر دو سو پچاس برج اور ایک سو دیو ہیکل برنجی دروازے تھے جن میں بابِ ایلہ، بابِ مردوک، بابِ ایشتار، بابِ زہرہ، بابِ نبط، بابِ شمرامنس، بابِ نیناں۔ بابِ کالدین، بابِ بلیدین، بابِ کسین، بابِ اڈو وغیرہ بہت مشہور تھے۔ اڈو نام کا ایک دروازہ نیمیتی بل میں بھی تھا جس کے سامنے شیروں کے مجسمے تھے۔ قلعہ اساگیلہ کا ایک دروازہ بھی ''بابِ ایشتار'' کہلاتا تھا۔ (تاریخ بابل نیز ہیروڈوٹس)

رہی۔ اسے اپنے اردگرد غم اور اُداسی کے سوا اور کوئی شے نظر نہ آتی تھی۔ بادشاہ کی باتوں نے مزید مایوس اور مضمحل سا کر دیا تھا۔ سوچنے لگی کہ اب تلاش و جستجو کی ہر کوشش بے کار اور ہر سعی لاحاصل ہو گی۔

بادشاہ نے اُس کی پریشانی کو بھانپ لیا اور اُمید افزا لہجے میں بولا۔ ''بابل کے تمام دروازوں پر کڑا پہرہ لگا دیا گیا ہے۔ ریموت کے جاسوس، حنانی کے خفیہ گماشتے اور ہمارے خاص مخبر پورے شہر میں پھیل گئے ہیں۔ بیلشازار کے فوجی دستے نے محلہ کبر کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور گھر گھر تلاشی ہو رہی ہے۔ مفرور چھپے نہیں رہ سکتے۔''

شہزادی محلہ کبر کا نام سن کر چونکی جسے یہودی ''تل ابیب'' کے نام سے بھی یاد کرتے تھے اور حیران سی ہو کر پوچھنے لگی۔ ''آپ کے خیال میں ہاروت ماروت کو یہودی غلام نکال کر لے گئے ہیں؟''

''اور کون نکال سکتا ہے؟ وہ عبرانیوں کے پیغمبر ہیں۔ ذکریا اور حجی جنہوں نے ہاروت ماروت کے خفیہ اور اشاراتی ناموں سے ہمارے دشمنوں کے ساتھ رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ فرات کے شمالی برجوں سے گہری دلچسپی رکھتے اور ان برجوں کی خفیہ معلومات ایرانیوں تک پہنچانا چاہتے تھے مگر اسی کوشش میں گرفتار کر لئے گئے۔ ہم نے ان کے ساتھی دانیال کو طلب کیا ہے۔ کیونکہ یہود کی سرگرمیاں خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہیں۔''

یہ اطلاع مزید حیرت انگیز تھی۔ شمورہ نے بات کو ایک نیا رخ دیا۔

''پدرِ محترم! ہم محسوس کرتے ہیں کہ عبرانی پیغمبروں کے بارے میں آپ کا رویہ درست نہیں۔ دربار میں بھی ان کے متعلق آپ نے توہین آمیز لہجہ اختیار کیا تھا۔''

شاہ بنونید بیٹی کی بات سن کر بھونچکا رہ گیا۔ آنکھوں میں حیرت کی بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ ''تم ایک ایسی قوم کی وکالت کر رہی ہو جو تین نسلوں سے ہماری غلام ہے اور جسے اس کے ان دیکھے خدا یہواہ نے بھی شریر اور گناہگار[1] ٹھہرایا ہے۔''

بادشاہ کی حیثیت میں آپ کا کسی قوم کے مذہب اور عقیدے سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ حمورابی کا قانون یہی کہتا ہے۔''

1۔ یہود کا گناہ لوہے کے قلم اور ہیرے کی نوک سے لکھا گیا ہے۔ ان کے دل کی تختی پر اور ان کے مذبحوں کے سینگوں پر کندہ کیا گیا ہے۔ (عہد نامۂ قدیم، کتاب یرمیاہ باب 7 نشان 1)

''ہم حمورابی کا قانون مانتے ہیں۔ لیکن عبرانی غلاموں سے نرم رویہ اختیار کیا تو کاہن، پروہت، پجاری ہمارے خلاف لوگوں میں نفرت پھیلائیں گے۔''

شمورہ کا لہجہ یک لخت تبدیل ہوگیا۔ باپ کو سرزنش کے انداز میں سمجھانے لگی۔

''ہم نے فتنہ پرداز کاہنوں کے خلاف ہمیشہ آپ کی حمایت کی ہے۔ آپ کو ان کی سازشوں سے بچایا ہے اور اب اس بات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر آپ عقیدہ پرست کاہنوں اور متعصب پروہتوں کے بہکاوے میں آ گئے تو سلطنت کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ جو کوئی سلطنت کے خلاف برسرِ پیکار ہوتا ہے اُسے ضرور سزا ملنی چاہئے خواہ وہ کوئی یہود ہو، کوئی مجوسی ہو، کوئی صابی ہو، کوئی اکدی ہو۔ مگر ایک حکمران کی حیثیت میں آپ کو سب قوموں کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہئے۔ اسی اصولِ حکمرانی نے کورش ہخامنشی کو کامیابیاں بخشی ہیں اور مفتوح قومیں بھی اس کا احترام کرتی ہیں۔ پدرِ محترم! ہماری اس بات کو اپنے دل کی لوح پر محفوظ کر لیجئے۔ شاید ہم دوبارہ آپ کو یہ باتیں نہ سمجھا سکیں کیونکہ ہماری زندگی داؤ پر لگ چکی ہے۔ ہم نے جو کچھ مانگا تھا وہ آپ نہیں دے سکے اور ناکامی کا غم برداشت نہیں کر سکیں گے۔''

بیٹی کی آخری بات سن کر بنونید تڑپ اٹھا۔ ''اتنی مایوس کیوں ہو جانِ پدر! ہمیں تھوڑی سی مہلت دو۔ تمہاری فرمائش پوری کر دیں گے۔''

''آپ وہ چیز کھو چکے ہیں جس کی ہمیں ضرورت تھی۔''

''ہم اُسے تلاش کر لیں گے۔''

اچانک شہزادی نے پوچھا۔ ''آپ نے دانیال کو کس لئے طلب کیا ہے؟''

''اس سے مفرور قیدیوں کے بارے میں پوچھیں گے۔''

''آپ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں ضرور پوچھئے۔ ہم تحقیق و تفتیش سے نہیں روکتے۔ مگر اتنا یاد دلانا چاہتے ہیں کہ جدِ بزرگوار بخت نصر نے یہود کو غلام بنانے کے بعد بھی اُن کے پیغمبروں کی عزت کی۔ وہ دانیال کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ اسے اپنے دیوتا ''بیلطشفر''[1] کا

[1] 606 قبل مسیح جب بخت نصر یہود کو غلام بنا کر بابل میں لے آیا، چار یہودی بزرگوں کو منتخب کر کے انہیں دیوتاؤں کے خطابات سے نوازا چنانچہ حننیا کو سدرک، میسائیل کو میسک، عزرا کو عبدنجو اور دانیال کو بیلطشفر کے خطابات دیئے گئے۔ دانیال بخت نصر کی نظر میں سب سے زیادہ بزرگ اور صاحبِ معرفت تھا۔ (عہد نامہ قدیم۔ کتابِ دانیال باب 1 نشان 3 تا 9)

تعریفی لقب دیا تھا اور دیوتا کا لقب کسی معمولی آدمی کو نہیں دیا جاتا۔''

شاہ بنونید اس اطلاع یا انکشاف پر دنگ رہ گیا حالانکہ یہ بات کسی انکشاف کے زمرے میں نہیں آتی تھی۔ سب جانتے تھے کہ عظیم بخت نصر نے غلامی کے باوجود یہودی نبیوں کو عزت بخشی اور ان کے مشوروں سے استفادہ کیا تھا۔ فتنہ پرداز کاہنوں اور بدنہاد پروہتوں کی مذہبی نفرت نے عبرانیوں کی غلامی کو حقارت و ذلت کا نشان بنا دیا تھا اور اسی نفرت میں شاہ بنونید بھی بیلشازار کی طرح یہود اور ان کے پیغمبروں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگا تھا۔ مگر شہزادی شمورہ نے اس کے سامنے ایک نیا باب کھول دیا اور بادشاہ نے اپنا لہجہ کسی قدر نرم کر لیا۔

''ہم بھی دانیال کا احترام کریں گے۔ سنا ہے دینِ اکد کے کچھ لوگ اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے ہیں۔''

''کچھ نہیں، ہزاروں[1] کلدانی خفیہ طور پر دانیال کے معتقد ہیں۔''

یہ اطلاع حیرت انگیز تھی۔ بنونید پریشان نظر آنے لگا۔

''مگر آپ اس سے پوچھیں گے کیا۔ چاہِ بابل کے تیغ زنوں کی ہلاکت عبرانیوں کے بس کی بات نہیں۔''

''تم بھولتی ہو شمورہ! بارہ برس پہلے بزرگانِ یہود نے ہمارے قتل کی خوفناک سازش کی اور ایک یونانی فوجی پارمیتو کو کوہِ صیہون سے صرف اس لئے بابل بھیجا تھا کہ وہ ہمیں بیلشازار اور پورے خاندانِ بخت نصر کو تہ تیغ کر دے مگر یہودیہ کے کلدانی صوبے دار نے اس سازش کی بروقت اطلاع دے دی اور پارمیتو کو بابل میں داخل ہوتے ہی گرفتار کر کے کیفرِ کردار کو پہنچا دیا گیا۔

شمورہ کے نزدیک اس واقعہ کی اہمیت ایک قصۂ پارینہ کے سوا کچھ نہ تھی مگر بادشاہ نے ایک عجیب سا انکشاف کر کے اسے چونکا دیا۔ ''رات سردار حنانی کی دعوت سے ریموت نے ایک کسبی کو گرفتار کیا ہے جس سے مقتول پارمیتو کی بیوی کا ہار ملا ہے۔ وہ یونانی عورت بارہ برس پہلے شاہی محل کے داروغہ شبوران کی نگرانی میں چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی تھی۔

مگر اس ہار کا چاہِ بابل کے واقعے اور اسیروں کے فرار سے کیا واسطہ؟'' شمورہ نے حیران

[1] ہزاروں کلدانی حضرت دانیال کے عقیدت مندوں میں شامل تھے مگر حکومت کے ڈر سے اپنے عقائد پوشیدہ رکھتے تھے۔ (قدیم تاریخ یہود از جوزیفس)

ہو کے پوچھا۔ ''پارمیتیو کو بارہ سال قبل سزا دی گئی۔ بنو سلان اور اس کے تیغ زن رات قتل کیے گئے۔''

''کبھی کبھی ایک ہی واقعے کے درمیان برسوں کے فاصلے حائل ہو جاتے ہیں۔ بیلشازار کا خیال ہے چاہِ بابل کا خوفناک واقعہ دراصل پارمیتیو کے قتل کا انتقام ہے۔''

''اس خیال کی کوئی وجہ؟''

''بعض واقعات کا کسی وجہ کے بغیر بھی ایک دوسرے سے تعلق ہوتا ہے۔ بارہ برس کے بعد جس رات ہار کی نمائش ہوئی، اُسی رات تیغ زنوں کو قتل کر کے یہودی اسیر چھڑا لئے گئے۔ کیا یہ وجہ کافی نہیں؟''

''بیلشازار اور آپ کے نزدیک اگر یہ سب کیا دھرا یہودی غلاموں کا ہے تو ہمارا پہلا مشورہ یہ ہوگا، انہیں فوراً آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ کوہِ صیہون کو لوٹ جائیں اور جا کر یروشلم کو پھر آباد کر لیں۔ ورنہ کسی دن، کسی رات پورا بابل لہو میں ڈوب جائے گا۔''

''ابھی ہم اتنے مجبور اور کمزور نہیں ہوئے کہ اپنے غلاموں سے خوف زدہ ہو جائیں۔ تم دیکھ لینا، ریموت بہت جلد کسی کی زبان کھلوائے گا اور بیلشازار آج کل میں مفروروں کو محلہ کبر کے کسی خفیہ ٹھکانے سے نکال لائے گا۔''

حسین شمورہ اپنے عرفان کے لہجے میں بولی۔ ''سب غلط ہے، سب بے کار ہے، سب لاحاصل ہے۔''

شاہ بنونید اس کے اندازِ گفتگو سے پریشان ہو گیا۔ ''پھر تمہارے خیال میں اسیروں کو کون نکال کر لے گیا؟''

''وہی جس نے سیپار کی جنگ جیتی۔''

''کورش ____؟''

''نہیں اگر کورش بابل میں داخل ہو گیا تو لوٹ کر نہیں جائے گا۔''

''پھر کون ہے؟''

''وہ پرندہ جو طوفانوں کے آگے آگے اُڑتا ہے۔ وہ قاصد جو موت کا پیغام لے کر آتا ہے۔'' شمورہ یہ کہہ کر ایک پل کو رُکی، پھر کہا۔ ''کورش کا بھیجا ہوا آدمی جس نے بابل کی کلائی پکڑی اور مروڑ دی۔''

شاہ بنونید یہ باتیں سن کر خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے کورش پر فتح پانے اور پارساگرد تک اس کا پیچھا کرنے کا دعویٰ کیا اور اسی مضمون کی ایک تختی دیوارِ اساگیلہ پر آویزاں کرائی تھی تاکہ سب لوگ اسے پڑھ لیں لیکن درحقیقت کورش کا نام اس کی رُوحِ معنوی کو ضعیف کر دیتا اور اس پر ایک لرزشِ خفی طاری ہو جاتی تھی۔

''شمورہ! عقلِ کُل شمورہ! ہمیں تمہارے مشورے کی ضرورت ہے۔ بتاؤ ہم کیا کریں؟''

شاہ بنونید کے دل کا خوف زبان پر آ گیا۔ ''اگر کورش کے آدمی بابل میں داخل ہو چکے ہیں تو ہم اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔''

شمورہ ''عرفانِ تنہائی'' سے ''عرفانِ محبت'' کی طرف لوٹ آئی۔ ''پدرِ محترم! ہم آپ کو اس وقت تک مزید کوئی مشورہ نہیں دے سکتے جب تک اپنے محبوب کو جیت نہ لیں۔''

''تمہیں بابل کے بارے میں، ہمارے بارے میں سوچنا چاہئے۔ کیونکہ دیوتاؤں نے ہماری راہنمائی تمہیں سونپی ہے۔''

''ہم اپنے محبوب کے لئے بے چین ہیں جس کی محبت نے ہماری تنہائی کے عرفان کو لوٹ لیا۔''

''جانِ پدر! ہم خود چاہتے ہیں تم اس مردِ یگانہ کا نام بتاؤ جس کے لئے تڑپ رہی ہو۔ ہم تمہیں دُلہن بنائیں گے اور اس محبوب کو تمہارے حجلۂ عروسی میں داخل کر دیں گے۔''

''ایسے نہیں ہوگا پدرِ محترم!''

''پھر ____؟'' بنونید حیران ہوا۔

''پہلے ہم اُسے جیتیں گے، مکمل طور پر اپنا بنائیں گے پھر اس کے ساتھ حجلۂ عروسی میں داخل ہوں گے تب آپ کو کورش ہخامنشی کے بارے میں صحیح مشورہ دے سکیں گے کیونکہ اس وقت ہم پریشان خیالی کا شکار ہیں۔''

بنونید نے صورتِ حال پر غور کیا، سوچنے لگا شمورہ کی شادی ہر حال میں ہونی چاہئے۔ جبھی پریشان خیالی سے نکل سکے گی۔ اپنے لئے ایک مرد کا انتخاب کر چکی ہے مگر ضروری نہیں کہ شادی صرف اسی مرد کے ساتھ ہو جس نے اپنی محبت کی ایک عجیب و غریب شرط لگائی ہے۔ کوئی بھی وجیہہ و شکیل اور بہادر نوجوان اس کی فطری ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ اُسی لمحے بنونید کے تصور میں ایک نوجوان کا خاکہ اُبھرا اور کہیں دُور سے، کہیں نزدیک سے ایک آواز آئی۔

''اس نوجوان کے لئے شمورہ کے کمرے کا دروازہ کھول دو۔''

بنونید کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔ کہنے لگا۔ ''ہمیں تمہاری خواہش عزیز ہے شمورہ! ہر لڑکی کا ایک محبوب ہوتا ہے۔ مگر ہم نے بھی تمہارے لئے ایک محبوب، ایک نوجوان پسند کیا ہے۔''

شمورہ نے حیرت پاش نظروں سے باپ کو دیکھا جو کہہ رہا تھا۔ ''تم جانتی ہو کہ ہم تمہارے لئے کوئی ایسا نوجوان پسند نہیں کریں گے جو تمہارے معیارِ جمال پر پورا نہ اترے۔ اگر تم اسے ایک نظر دیکھ لو تو ہمارے انتخاب کی داد دو گی۔''

''آپ نے پہلے بھی ہمارے لئے کچھ نوجوان منتخب کئے تھے۔ ان میں مصر کا ولی عہد شہزادہ سامطیق بھی تھا جسے ہم مسترد کر چکے۔''

''مگر اس بار ہم نے جو نوجوان تلاش کیا ہے وہ شکل و شباہت میں، عقل و دانش میں، رفتار و گفتار میں تمہارے شایانِ شان ہوگا۔ ایک بڑا عہدہ دے کر ہم اس کی شان میں مزید اضافہ کر دیں گے۔''

شمورہ بھڑک اٹھی۔ ''نہیں، نہیں پدرِ محترم! ہم اپنے محبوب کے سوا کسی دوسرے مرد کو قبول نہیں کریں گے۔ صرف وہی ہمارے جسم و جان کا مالک ہے جسے ہم نے اپنے لئے پسند کر لیا۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی شمورہ نے گویا بادشاہ کے ہر انتخاب کا دروازہ بند کر دیا اور اس کے چہرے پر افسردگی سی چھا گئی۔

''ہم کچھ اور چاہتے ہیں، تم کچھ اور سوچ رہی ہو مگر ہوگا وہی جو تمہیں منظور ہے۔ کیونکہ تم دیوتاؤں کی پیاری بھی ہو اور ہماری راہنما بھی۔ ہم صرف مہلت چاہتے ہیں۔''

''کتنی مہلت چاہئے آپ کو؟''

''چند روز کی۔''

''ہمارے پاس مہلت کے لئے زیادہ وقت نہیں پھر بھی ہم پرسوں شام تک آپ کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔''

شمورہ کے آخری الفاظ میں ایک خطرناک عزم کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ الفاظ کا مفہوم سمجھ کر بادشاہ کا دل کسی نادیدہ خطرے سے دھڑکنے لگا۔ ناکامی اور مایوسی کبھی کبھی خودکشی کا روپ دھار لیتی ہے۔ ڈرتا تھا وہ کسی غلط فیصلے پر عمل نہ کر بیٹھے۔

شمورہ اب رخصت چاہتی تھی مگر بادشاہ نے اسے روک لیا۔ قریب ہو کر بڑی محبت اور شفقت سے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور بولا۔ ''شمورہ! جانِ پدر! ہم مردوک کی محبوبہ اور زوجہ دیوی ایشتار کے نام پر تم سے ایک وعدہ لینا چاہتے ہیں۔''

حسین شمورہ نے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''ہم اپنے محبوب کا نام نہیں بتائیں گے، اس سے رشتۂ محبت منقطع کر لینے کا مشورہ بھی نہیں مانیں گے۔''

''ہم ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں چاہتے۔''

''پھر آپ دیوی ایشتار کے نام پر جو وعدہ چاہیں لے سکتے ہیں۔ ہم اسے ایفا کریں گے۔''

شاہ بنونید کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور بیٹی کی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا۔

''جب سے تم نے بلوغت میں قدم رکھا ہے، نہ کبھی ''جشنِ زہرہ'' میں شریک ہوئی ہو، نہ ''عید بیلس'' کا تماشہ دیکھنے گئی ہو۔ حالانکہ بابل کی معزز خواتین اور دوشیزائیں ان کھیل تماشوں سے بڑی دلچسپی رکھتی ہیں۔ ایرانی حملے کی وجہ سے لوگوں میں کچھ خوف و ہراس پایا جاتا ہے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ دیوتاؤں کے جلوس کے بعد امسال جشنِ زہرہ بھی عید بیلس سے پہلے منعقد کریں تاکہ خوف و ہراس کی فضا دور ہو اور لوگ اپنی تہذیب و ثقافت کے ہنگاموں میں کھو جائیں۔''

شمورہ نے ایک پل کے لئے آنکھیں بند کر کے کچھ سوچا پھر آنکھیں کھول دیں اور بولی۔

''جشنِ زہرہ کو وقت سے پہلے منعقد کرنا ایک حیرت انگیز اور خلافِ معمول بات ضرور ہے مگر غیر معمولی حالات میں اس قسم کے تہذیبی ہنگامے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ہمیں آپ کا یہ فیصلہ پسند آیا۔''

''پھر وعدہ کرو کہ جشنِ زہرہ کی رات تم ایوانِ مالکوب کے گوشۂ تنہائی میں بیٹھنے کی بجائے باغاتِ معلقہ میں موجود رہو گی اور جشن میں شرکت بھی کرو گی جو آج سے ٹھیک سات روز بعد منعقد کر دیا جائے گا۔''

کنواری دُخترِ بابل کے ذہن میں ایک عجیب سی کشمکش ہونے لگی۔ شمورہ نے تذبذب کے لہجے میں جواب دیا۔

''اگر دو تین روز کے اندر ہمارے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی پیدا ہو گئی تو ہم آپ کے اصرار پر جشنِ زہرہ میں شرکت کا وعدہ کرتے ہیں۔''

شاہ بونید دراصل بیٹی کو بابل کے تہذیبی ہنگامے میں شرکت کی دعوت اس لئے دے رہا تھا کہ مایوسی کی صورت میں کسی غلط اقدام سے باز رہے اور پریشان خیالات کے دائرے سے نکل کر جشن کی تفریحات میں دلچسپی لے۔ اس نے ترغیب کا ایک نیا پہلو پیش کیا۔

''ہم کوشش کریں گے کہ حالات خوشگوار ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے جشنِ زہرہ تمہاری کامیابی کی رات ہو۔''

''گل اندام شمورہ کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑنے لگی۔ نہ جانے بادشاہ کے الفاظ میں کون سے معنی پوشیدہ تھے کہ کچھ بے چین، کچھ پریشان سی ہوگئی اور پُر خیال لہجے میں بولی۔

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جشنِ زہرہ کی رات کیف و مستی کے کیسے کیسے ہنگامے ہوتے ہیں اور مرد نوجوان لڑکیوں سے کس طرح بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔''

''مگر جشنِ زہرہ ہماری تہذیب کا حصہ ہے۔''

''جشن کی رات اگر کسی سردار نے، کسی فوجی افسر نے، کسی البیلے نوجوان نے، کسی سر پھرے عاشق نے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا تو قانونِ[1] بابل کی رُو سے نہ آپ، نہ ہم اس سے اپنا ہاتھ چھڑا سکیں گے اور یہی بات ہمیں گوارا نہ ہوگی کہ کوئی مرد ہمیں حجلۂ عیش میں کھینچ کر لے جائے۔''

شاہ بونید اس کی نرگسی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر یک لخت قہقہہ مار کر پیچھے ہٹا اور اس کی ہنسی شمورہ کے دل و دماغ میں عجیب سی تھرتھراہٹ پیدا کرتی رہی۔ ''اگر جشن کی رات کوئی ایسا واقعہ ہو جائے تو بابل کا قانون واقعی ہمیں تمہارا ہاتھ چھڑانے کی اجازت نہیں دیتا اور ہم بادشاہ ہو کر بھی تمہیں کسی حجلۂ عیش میں جانے سے نہیں روک سکیں گے۔ مگر ہماری تنہائی پسند شمورہ کچھ بھول گئی۔''

''کیا بھول گئے ہم؟''

''جشن زہرہ میں کوئی مرد تمہارا ہاتھ تو پکڑ سکتا ہے مگر اگلا قدم تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہو گا۔ تمہاری رضامندی کے بغیر وہ تمہیں حجلۂ عیش میں نہیں لے جا سکتا کیونکہ بابل کا قانون لڑکی کی مرضی کو اہمیت دیتا ہے۔''

شمورہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''واقعی یہ قانونی نکتہ ہم بھول گئے تھے پدرِ محترم! اب

[1] بابائے تاریخ ہیروڈوٹس نے بابل کے اس قانون پر شدید نکتہ چینی کی اور کلدانیوں کے تہواروں کو اخلاق باختہ تہذیب قرار دیا ہے۔ (مصنف)

جشنِ زہرہ میں شرکت کا وعدہ پورا کریں گے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی ریشمی قبا لہراتی مُڑی اور بادِ نسیم کے بے آواز جھونکے کی طرح دروازے سے نکل گئی۔ بادشاہ اس بات پر مطمئن تھا کہ اس نے شمورہ کے خیالات میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر دی اور اُسے اُکتا دینے والی تنہائی سے تہذیبی تفریح کی طرف لے آیا ہے۔ اس اطمینان کے ساتھ ہی اس کا ذہن مفرور اسیروں میں اُلجھ گیا اور سوچنے لگا۔ نہ جانے ریموت نے ابھی تک کسی سے کوئی بات اُگلوائی ہے یا نہیں، جسے اس نے سردار حنانی کی دعوت سے گرفتار کیا تھا؟

(30)

تفتیش

فدیمہ بہارِ حُسن کے ساتھ کیسا انوکھا اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا تھا۔ اُسی واقعے کے باعث اساگیلہ کے تہرے حصار کے اندر ''سایۂ اجل'' ریموت کا خفیہ دفتر نئی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ جنگجو بیلشازار بہ نفسِ نفیس ایک کمرے میں موجود اور اس امر کا منتظر تھا کہ کبی بار کے بارے میں کیا انکشاف کرتی ہے۔ مگر یہ سن کر مایوس ہو گیا کہ اس نے اپنے پہلے بیان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

فدیمہ پوچھ گچھ کے بڑے طویل اور صبر آزما مرحلے سے گزری تھی۔ اُسے انعام واکرام کا لالچ دیا گیا، ڈرایا دھمکایا گیا، تادیب وسزا کے لرزہ خیز انتباہ کئے گئے مگر ہار کے بارے میں جو فیصلہ پہلے کر چکی تھی، ابھی تک اسی پر قائم تھی کہ جل جاؤ مگر تمہاری آگ سے شعلہ نہ اُٹھے جو کسی دوسرے کے دامن کو پھونک دے۔ اپنی سہیلی کے اعتماد کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔

بیلشازار کے حکم پر ریموت نے سردار حنانی کو بھی دفترِ خفیہ میں طلب کر لیا کیونکہ فدیمہ نے اعتراف کیا تھا کہ اس سے محبت کرتی اور اس کی خاطر اپنا دھندا ترک کر بیٹھی ہے۔ سردار حنانی کو بلانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ تحقیق وتفتیش کا سلسلہ جلد ختم ہو اور وہ فدیمہ سے اس کا آخری اور قطعی بیان دلانے کی کوشش کرے۔

حنانی کا خیال تھا، ریموت نے اسے مشورے کے لئے بلایا ہے لیکن خفیہ امور کے دفتر میں داخل ہوتے ہی جب پہلی ملاقات بیلشازار سے ہوئی دل کسی نامعلوم خطرے سے کانپ اٹھا۔ ولی عہد میردو تیخ کی موجودگی صورتِ حال کی سنگینی کا پتہ دے رہی تھی۔

اسی لمحے جب وہ بیلشازار کے سامنے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا، فدیمہ کی دردناک چیخیں دفترِ خفیہ کے پراسرار سناٹے میں دہشت کی دراڑیں پیدا کرتی اُبھریں اور حنانی کے ہوش وحواس پر بجلیاں سی ٹوٹنے لگیں۔ دُور کسی کمرۂ عقوبت میں سچ اُگلوانے کے لئے فدیمہ کو اذیت دی جا رہی تھی اور اُس کی آہوں، کراہوں سے پتہ چلتا تھا کہ کسی غیر معمولی عذاب میں مبتلا ہے۔

بیلشازار کے غضب ناک چہرے، ریموت کی خوفناک خاموشی اور فدیمہ کی دردناک چیخوں نے حنانی پر ایک لرزہ سا طاری کر دیا۔ اسی لمحے ولی عہد کی آواز کوڑے کی طرح سرسراتی سماعت سے ٹکرائی۔ ''سردار حنانی! ہم نے سنا ہے تم فدیمہ کبی سے پیار کرتے ہو؟''

''جی ___ نہیں ___ وہ ___ تو ___ بس ___ یونہی ___''

اُس کے منہ سے نکلتے ہوئے بے تکے الفاظ سن کر بیلشازار گرجا۔ ''تمہیں معذرت کرنے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ محبت نے تمہاری عقل ماؤف کر دی ہے۔ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ آج کل دماغ کی بجائے دل سے سوچتے ہو مگر تمہاری اور کبی کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اس عورت کا پتہ بتا دے جس سے ہار لے کر آئی ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کی نازک گردن کے لئے ہم تمہاری تلوار پسند کریں۔''

حنانی پر ایک اور زلزلہ طاری ہوا۔ ''مگر میں تو......''

ولی عہد نے اس کا فقرہ کاٹ کر کہا۔ ''سردار حنانی! مت بھولو، اپنی ضرورت کے لئے کبھی کبھی آدمی اس بھیڑ کو بھی ذبح کر ڈالتا ہے جسے خود پالتا ہے۔''

حنانی گم صم ہو گیا اور اسی عالم میں ولی عہد نے اس کی طرف زیورات کی ایک فہرست بڑھائی اور بتایا۔

''جاؤ، اپنی محبوبہ کو سمجھاؤ اگر وہ تمہارے کہنے پر سچ بول دے تو وہ تمام زیور جو اس فہرست میں درج ہیں، اُسے عطا کئے جائیں گے اور یہ وہ زیورات ہیں جن کی ہر عورت تمنا کرتی ہے۔''

بیلشازار کے اس رویے سے حنانی کی ہمت کچھ بحال ہوئی، سوچا معاملے کی صورت ابھی اتنی خراب نہیں ہوئی کہ سنبھالی نہ جا سکے۔ لوحِ فہرست اٹھائی اور ریموت کے ساتھ کمرۂ عقوبت کی طرف ہو لیا۔

فدیمہ کی چیخیں ابھی تک گونج رہی تھیں۔ کبھی تیز کبھی مدھم اور کبھی ان کے درمیان آہوں

کراہوں کا ایک چھوٹا سا وقفہ آ جاتا۔ ساٹھ ستر قدم کی ایک لمبی راہداری عبور کر کے وہ بائیں جانب اور ایک نسبتاً چھوٹی راہداری سے گزر کر کمرۂ عقوبت میں داخل ہوئے جس میں دروازے کی بجائے لوہے کا جنگلہ لگا تھا۔

حنائی یہ دیکھ کر کانپ اٹھا کہ فدیمہ کو لکڑی کے ایک بھاری شکنجے میں کس کر اذیت دی جا رہی ہے۔ عذاب کے دو خوف ناک ''فرشتے'' شکنجہ کبھی کس دیتے کبھی ڈھیلا کر دیتے اور اذیت کے اس وحشیانہ عمل کے دوران فدیمہ کبھی چیختی، کبھی کراہتی، کبھی سسکیاں لیتی تھی۔

ریموت نے جنگلے کے اندر قدم رکھتے ہی حکم جاری کیا۔ ''مجرمہ کو چھوڑ دو۔ سردار حنائی اپنی محبوبہ کو تڑپتے نہیں دیکھ سکتا۔''

ان الفاظ میں حنائی کے لئے طنز بھی تھی اور تادیب کا پہلو بھی۔ اس نے پریشان ہو کر ریموت کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا تفتیش سے پہلے ہی جرم کا فیصلہ کر چکے ہو؟''

''سردار حنائی! بعض جرم ایسے ہوتے ہیں جن کا ارتکاب کوئی اور کرتا ہے، پاداش کوئی دوسرا بھگتتا ہے۔''

شکنجہ ڈھیلا ہوتے ہی فدیمہ کی چیخیں تو رک گئیں مگر آنسو نہ رکے۔ چہرے کی رنگت اُڑی اُڑی تھی۔ خوب صورت بدن پسینے سے بھیگ چکا تھا بلکہ رائی کے دانے جتنے چھوٹے چھوٹے قطرے اس کے بالوں کی جڑوں سے پھوٹ رہے تھے۔ بدن پر وہی بھڑکیلا لباس تھا جو دعوت میں پہن کر گئی تھی مگر ہار گلے سے اُتار لیا گیا تھا جو اس کی مصیبت کا باعث بنا۔

ریموت کے اشارے پر اُسے شکنجے سے آزاد کر دیا گیا اور مُردہ سی اُسی شکنجے کے سہارے کھڑی ہو گئی۔ نظروں میں سب تصویریں دھندلی ہو رہی تھیں۔ ریموت کے پیچھے پیچھے دونوں غلام عقوبت گھر سے باہر نکل گئے تو حنائی لپک کر آگے بڑھا۔ جونہی اس نے فدیمہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اس کے بازوؤں میں جھول گئی اور اس کے ساتھ لپٹ کر رونے لگی۔ شکایت کرنے لگی۔ ''اب آئے ہو جب ان لوگوں نے مجھے شکنجے میں کس دیا۔ اذیت پر اذیت دی۔ کہاں تھے اتنی دیر سے؟''

''مجھے تو ابھی خبر ملی اور میں دوڑا آیا۔'' حنائی قبا کے دامن سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

''جو کچھ ہوا اُسے دہرانا بے کار ہے، اب خود کو سنبھال اور یہ نہ بھول کہ وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ سب کو وقت کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔''

فدیمہ کا ذہن اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ تو اس کی زبان سے صرف ایک لفظ سننا چاہتی تھی جو اس کی اذیت اور مصیبت کا خاتمہ کر دیتا اور وہ ایک لفظ تھا ''رہائی'' اس اذیت گھر سے، شکنجے سے، ریموت سایۂ اجل سے رہائی چاہتی تھی۔ بھرائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔ ''کیا ریموت مجھے چھوڑ دے گا؟''

''بات ریموت کی نہیں بہارِ حُسن! میرودیج بیلشازار بہ نفسِ نفیس یہاں موجود ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ تُو نے ہار کہاں سے لیا، کس سے لیا؟''

بیلشازار کا نام شاید ریموت سے زیادہ صاعقہ انگیز تھا۔ اس پر ایک بجلی سی گری، تڑپ کر بازوؤں سے نکلی اور شہادت کی انگلی اس کے سینے کی طرف سیدھی کر کے بولی۔ ''یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے حنائی! مجھ پر جو بپتا پڑی اس کے ذمے دار تم ہو۔ صرف تم۔''

حنائی بوکھلا کے رہ گیا۔ ''میں کیوں؟''

''اگر تم وعدے کے مطابق مجھے زیور بنا دیتے تو میں وہ منحوس ہار پہن کر دعوت میں کیوں آتی؟''

حنائی کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی۔ ''تیری شکایت بے جا نہیں۔ میں زیور لانا بھول گیا تھا مگر اب میں تجھے سونے سے بھر دوں گا۔ یہ دیکھ، میں زیورات کی فہرست ساتھ لے کر آیا ہوں۔''

یہ کہہ کر آرامی زبان میں لکھی ہوئی لوح آگے بڑھائی۔ فدیمہ پڑھ نہیں سکتی تھی۔ اپنے عاشق کے الفاظ سن کر لوح دیکھ کر حیران رہ گئی اور سردار حنائی لوح پر لکھے گہنوں کی فہرست پڑھ پڑھ کر اسے سنانے لگا۔

''آویزے، پہنچیاں، پازیبیں، انگوٹھیاں، چوڑیاں، کڑے، بالوں میں لگانے والی طلائی زنجیریں، آرسی، ہار، گلوبند، جھومر ـــــــ اور اگر اس فہرست میں کوئی زیور رہ گیا ہے تو بتا دے، اسے بھی شامل کر لیا جائے گا۔''

فدیمہ بہارِ حُسن حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ زیور عورت کی کمزوری ہے مگر فدیمہ نے اتنے ڈھیر سارے زیوروں کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''کیا یہ سب زیور تم بنا کر دو گے مجھے؟''

''مجھ سے بھی ایک بڑا آدمی ...... بیلشازار ہے اُس کا نام۔''

فدیمہ کو یوں محسوس ہوا جیسے سردار حنانی نے زیورات کو کٹھالی میں اور اُسے اٹھا کر دہکتی بھٹی میں پھینک دیا ہو۔ ساتھ ہی ذہن میں ایک اور تڑاقا ہوا کہ وہ اس کی مصیبت کی خبر سن کر نہیں آیا، اُسے بلایا گیا ہے تاکہ ہار کی ملکیت کا وہ سرِ نہاں معلوم کیا جا سکے جو ابھی تک ریموت معلوم نہیں کر سکا۔ کسبی ضرور تھی مگر بازار کی زندگی نے اُسے بہت کچھ سکھایا، بہت سے تجربے بخشے تھے۔ جانتی تھی کہ کسی جرم یا واقعے کا اعتراف کر لینے کے بعد اقبالی کی اپنی زندگی دوسرے کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔ یہ سوچ کر دل کو ایک اور دھچکا لگا اور خوف زدہ سی ہو کر ایک قدم اور پیچھے ہٹ گئی۔ ''تم بیلشازار کی زبان بن کر آئے ہو؟''

''فدیمہ! زبان کسی کی ہو سکتی ہے مگر دل تیرا ہے۔''

''پھر یہ لوح پھینک دو۔ کیونکہ جو کچھ بتا سکتی تھی، بتا چکی ہوں۔''

''مگر بیلشازار کا خیال ہے کہ تُو جھوٹ بولتی ہے۔''

اب حنانی نے اُسے سمجھانے اور اصل بات جاننے کے لئے لجاجت اور خوشامد کا لہجہ اختیار کر لیا۔ ''فدیمہ، بہارِ حُسن! مجھے غلط نہ سمجھ۔ میں تیری اور اپنی بھلائی چاہتا ہوں۔ اپنی خاطر، میری خاطر وہ سب کچھ بتا دے جو بیلشازار جاننا چاہتا ہے۔ اگر اُس عورت کا نام اور پتہ بتا دے گی جس نے تجھے ہار دیا تو تیری ہر خطا معاف کر دی جائے گی۔ تجھے گہنوں سے بھر دیا جائے گا۔ تجھ پر انعام واکرام کی بارش ہو گی اور تُو کسبی سے ایک معزز خاتون بن جائے گی کیونکہ میرودیخ بیلشازار تیرے حال پر مہربان ہو گا لیکن تیرے انکار سے معاملے کی صورت اور سنگین ہو جائے گی اور تیرے ساتھ تعلق کے باعث مجھ پر بھی عتاب نازل ہو گا۔ اس لئے تیرے حُسن اور تیرے پیار کا واسطہ دیتا ہوں کہ سچ کہہ دے، سچ بتا دے۔ تُو نہیں جانتی کہ تیری ایک طرف زندگی اور دوسری جانب موت کھڑی ہے۔''

سردار حنانی نے آخری بات کہہ دی تھی۔ جو کچھ سمجھانا چاہتا تھا، سمجھا دیا تھا اور فدیمہ بہار حسن پر معاملے کی پوری صورت کھل گئی تھی۔ یہ بات تو سبھی جانتے تھے کہ اگر بیلشازار کوئی حکم لگا دے تو اسے دیوتا بھی تبدیل نہیں کر سکتے۔ اب فدیمہ کو بھی آخری بار سوچنا اور آخری فیصلہ کرنا تھا۔ زندگی اور زندگی کی خوشیاں سب کو پیاری ہوتی ہیں مگر آموسی نورِ ناہید اور اس کی بیمار ماں کا خیال قلب و ذہن کو ڈسے جا رہا تھا۔ خود کو واقعات کی ترازو میں تول رہی تھی اور کوئی اندر سے کہہ رہا تھا۔

''فدیمہ! صرف ایک بات کا پردہ ہے جو تیری زندگی اور موت کے درمیان حائل ہے۔ یہ پردہ اُٹھا کر تُو بچ سکتی ہے اور زندگی کی راحتیں حاصل کر سکتی ہیں۔ مگر اس پردے کے اُٹھتے ہی نورِ ناہید اور اس کی بیمار ماں پر قیامت بیت جائے گی۔ ہار تیری ضرورت تھی، تُو نے خود طلب کیا اور خود ہی لینے گئی۔ نورِ ناہید نے انکار نہ کیا۔ تیری بات رکھ لی۔ اپنی سہیلی سمجھ کر تجھ پر اعتماد کر لیا۔ بول، کیا قصور ہے اس بے چاری کا؟ کیا اس کے اعتماد کا صلہ بے اعتمادی سے دے گی، بے وفائی کرے گی؟''

اور فدیمہ بہارِ حُسن نے ایک بار پھر فیصلہ کیا کہ سب کچھ اپنی جان پر جھیلے گی مگر اپنی سہیلی سے بے وفائی نہیں کرے گی۔ یہی وہ فیصلہ تھ جس نے فدیمہ کسبی کو ایک دم فدیمہ دیوی کا روپ دے دیا اور وہ بھڑک کر بولی۔ ''حنانی! میں نہیں جانتی تھی کہ تم میرے جھوٹے عاشق ہو۔ مجھے دل سے نہیں صرف زبان سے پیار کرتے ہو۔''

''یہ غلط ہے۔ تجھے سچے دل سے چاہتا ہوں۔''

''پھر مانتے کیوں نہیں کہ ہار مجھے ایک گاہک نے دیا تھا۔ ارے عاشق تو اپنی پیاریوں کی جھوٹی بات پر بھی یقین کر لیتے ہیں مگر تم میری سچی بات کو جھٹلا رہے ہو۔''

''میں نہیں فدیمہ! کوئی اور جھٹلا رہا ہے۔''

''اگر مجھے چھڑا نہیں سکتے تو لینے کیا آئے ہو؟''

''میں تیرا آخری اور قطعی بیان لینے کے لئے بلایا گیا ہوں۔'' حنانی نے بالآخر حقیقت ظاہر کر دی۔

''پھر میرا آخری اور قطعی بیان یہ ہے کہ مجھے ہار ایک گاہک نے میرے جسم کی راحت کے عوض دیا اور میرے حُسن کی قیمت چکائی تھی۔ جا کر بیلشازار سے کہہ دو، میں کسی یونانی عورت کو نہیں جانتی۔''

سردار حنانی اس آخری بیان پر دنگ رہ گیا۔ تڑپ کر بولا۔ ''فدیمہ ـــــ فدیمہ، بہارِ حُسن! ایک بار پھر سوچ لے۔ کیونکہ منہ سے نکلی ہوئی بات کی طرح زندگی بھی لوٹ کر نہیں آتی۔''

''بس جو کچھ بتانا تھا بتا چکی۔ جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ یاد رکھنا حنانی! کسبی گاہک بدلتی ہے، اپنی بات نہیں بدلتی۔ اب تم چلے جاؤ، میری نظروں سے دور ہو جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔''

اس کے ساتھ ہی پلٹی اور منہ موڑ لیا۔ سردار حنانی کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دل کو،

دماغ کو، جسم کو کاٹ کے رکھ دیا ہو۔ آہنی جنگلے سے ہٹ کر دیوار کی اوٹ میں کھڑا ریموت جو اُن کی باتیں سن رہا تھا، اچانک کھلے دروازے پر نمودار ہوا اور اس نے اطلاع دی۔

''سردار حنانی! تمہاری ملاقات ختم ہوگئی۔''

افسردہ دل حنانی بوجھل قدموں کے ساتھ عقوبت گھر سے نکلا اور اس کے نکلتے ہی ریموت نے بڑی تیزی سے لوہے کا جنگلہ بند کر دیا۔ اس طرح فدیمہ پر زندگی کا دروازہ بند ہوگیا۔ اس دروازے کے بند ہوتے ہی وہ چوبی ٹکٹکی پر گری اور رونے لگی۔

ریموت سردار حنانی کو لے کر بیلشازار کے پاس لوٹ آیا اور اسے کبھی کے آخری بیان سے آگاہ کرنے لگا۔ ولی عہد نے بیان سنا اور فیصلہ سنا دیا۔

''آج تیسرے پہر فدیمہ کبھی کو کاٹھ پر لٹکا دیا جائے۔''

یہ حکم دے کر بیلشازار ایک جھٹکے سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ فیصلہ سنتے ہی حنانی کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا، دل ڈوب گیا، بدن کانپ گیا تھا۔ میر ودیج کے نکلتے ہی ریموت نے اُسے تھام لیا اور کہا۔

''سردار حنانی! اپنی محبوبہ کے لئے تم مجھے قصور وار نہیں ٹھہرا سکتے۔ میں نے تو صرف بار کی تفتیش کے لئے فدیمہ کو گرفتار کیا تھا مگر اس کی موت کا حکم بیلشازار نے سنایا ہے۔''

حنانی ڈوبتے لہجے میں بولا۔ ''میں ایک بار، آخری بار فدیمہ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''تم آخری ملاقات کر چکے ہو۔''

سردار حنانی نے خالی خالی نظروں سے ''سایۂ اجل'' کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف ہولیا۔ بیلشازار کے فیصلے کے ساتھ ہی فدیمہ کی زندگی ختم ہوگئی تھی البتہ کاٹھ پر لٹکائے جانے کے بعد بھی جب ہاتھوں اور پیروں میں کیلیں ٹھونک دی جاتیں، سانس کا رشتہ ایک یا دو دن کے بعد ٹوٹتا تھا اور اب فدیمہ کے یہی چند سانس باقی رہ گئے تھے۔

حنانی کے جاتے ہی ریموت نے ایک غلام کو ''موت کا لبادہ'' لانے کا حکم دیا اور چند ہی لمحوں میں ایک سیاہ لبادہ اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ ریموت نے سیاہ کپڑا اٹھایا اور ایک بار پھر اذیت گھر کے آہنی جنگلے پر نمودار ہوا۔ فدیمہ ابھی تک چوبی شکنجے پر جھکی رو رہی تھی۔ ریموت نے اس کی ''موت کا نشان'' اندر پھینک دیا اور بولا۔

''فدیمہ! اپنا لباس اتار کر یہ لبادہ پہن لو۔''

فدیمہ نے ٹکٹکی سے سر اٹھایا، سیاہ لبادے کو دیکھا اور سمجھ گئی کہ کاٹھ پر لٹکائی جا رہی ہے۔ ایک چیخ مار کے پیچھے ہٹی اور پھر ٹکٹکی سے ٹکرا گئی۔ ریموت کی آواز اُسے بہت دُور سے آتی سنائی دی۔

''اپنا آخری لباس پہن کر جلد تیار ہو جاؤ، تمہیں ابھی ہمارے ساتھ چلنا ہے۔''

ریموت بہ عجلت پلٹا کیونکہ سہ پہر کا وقت ہوا چاہتا تھا اور بیلشازار کے حکم کی بروقت تعمیل ضروری تھی۔ موت کی گھڑی بھی معین ہے اور وہ کبھی تاخیر سے نہیں آتی۔

(31)

زیگورات

◎

مہرتاب علی الصباح ''کاشانۂ زہرہ'' سے نکلا اور اپنے اس مخفی ٹھکانے پر جا پہنچا جسے سب سے پوشیدہ رکھا تھا۔ پورے بابل میں صرف ایک شخص اُس کے ''رین بسیرے'' سے آگاہ تھا اور وہ تھا فرات کے ملاحوں کا سردار سیسرا۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ اس کا پتہ شاہی وقائع نویسوں کے سردار نیرگل کے دفترِ معلومات میں بھی درج نہیں ہو سکا تھا اور ''سایۂ اجل'' ریموت کو اس امر سے دلچسپی ہوگئی تھی کہ وہ رات کا بسیرا کہاں لیتا ہے۔ مگر مہرتاب نے ریموت کے علاوہ دوسرے سرکاری کارپردازوں کے لئے بھی اتنا کام مہیا کر دیا تھا کہ وہ کئی روز تک اسی میں مصروف رہ سکتے تھے۔ کیونکہ بنوسلان اور اس کے تیغ زنوں کا قتل اور چاہِ بابل کے نافِ زمین تک پہنچے ہوئے زندان سے عبرانی اسیروں کی رہائی کا ہوشربا واقعہ ایسا نہیں تھا جسے چھوڑ کر سرکاری جاسوس اور خفیہ گماشتے کسی دوسری طرف توجہ دے سکتے۔

مہرتاب کو بھی ابھی بہت سے کام نمٹانا تھے۔ وہ مقصد حاصل کرنا تھا جس کے لئے ہاروت ماروت کی تلاش میں سرگرداں رہا تھا مگر جس طرح اچھا سپہ سالار اپنی اصل طاقت آخری حملے کے لئے محفوظ رکھتا، اُسے مکمل آرام دیتا اور دشمن کو حیران کر دینے والی جنگی تدبیریں سوچتا ہے، اسی طرح مہرتاب کو بھی اپنی ذہنی اور جسمانی قوت بحال کرنے کے لئے آرام کی ضرورت تھی۔ رات بھر کا جاگا تھا۔ تمام اندیشوں اور خطروں کو اپنے ساتھ ہی لے کر سو گیا اور دوپہر کو اٹھا تو ایک بار پھر خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔

ذہن میں ایک نیا خیال برقِ آسمانی کی مانند لپکا اور فوراً ہی اُسے عمل کا لباس پہنانے کے

لئے نکل کھڑا ہوا۔ مگر رستے میں چلتے چلتے سوچا، پہلے نورِ ناہید آموسی کے بالا خانے کی حاضری ضروری ہے۔ گھر میں اس کا انتظار کیا جا رہا ہوگا۔ یہ سوچ کر ہیکلِ زہرہ کے عقبی گلی کوچوں سے گزرتا آموسی کے بالا خانے پر جا نکلا۔ دروازہ سوڈانی خادمہ چیفو نے کھولا اور اُسے تنہا دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ مہرتاب نے چہرے ہی سے اس کا سوال بھانپ لیا۔

''اپنی مالکن کے بارے میں جاننا چاہتی ہو؟''

چیفو زیرِلب مسکرانے لگی۔ ''میں تو جانتی ہوں۔ آپ کے راحت کدے میں لیٹی تھکن دور کر رہی ہوگی اور شاید آج بھی آپ کے ساتھ رہے گی۔ مگر بڑی مالکن ذرا پریشان ہو جاتی ہے، بیمار ہے نا۔''

''اُسے بھی پریشان نہیں ہونا چاہئے چیفو! اب نورِ ناہید بالا خانے کا دھندا نہیں کرے گی۔ گاہکوں کی تلاش میں نہیں جائے گی۔''

یہ سنتے ہی سیاہ فام خادمہ کے چہرے پر بیک وقت حیرت اور مسرت کی دو متضاد کیفیتیں شام، سویرے کی طرح نمودار ہوئیں۔ تیس بتیس سال کی جوان اور تجربہ کار عورت بازار کے رموز بھی سمجھتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی نوجوان مالکن اپنے مہمان سے غیر معمولی دلچسپی رکھتی اور کئی راتیں اس کے فراق میں تڑپتی رہی تھی۔ ہو سکتا ہے مہرتاب اُسے اپنی داشتہ بنانے پر تیار ہو گیا ہو۔ اٹھلا کے بولی۔ ''چھوٹی مالکن کو بھی دھندا پسند نہیں تھا صاحب! آپ نے بازار کا ایک ہیرا چن لیا۔''

مہرتاب نے فوراً ہی اس کی غلط فہمی دور کر دی۔ ''چیفو! تمہاری چھوٹی مالکن پھر کاشانۂ زہرہ میں پہنچ گئی اور بیدخت نے اُسے قبول کر لیا ہے۔''

یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی۔ سوڈانی خادمہ بھونچکی رہ گئی۔ ''معاف کیجئے صاحب! میں کچھ اور سمجھی تھی۔''

''تم جیسی تجربہ کار عورت بہت کچھ سمجھتی ہے چیفو! مگر نورِ ناہید نے دھندا چھوڑا ہے، تمہیں اور ماں کو نہیں چھوڑا۔ میں یہی اطلاع دینے آیا تھا۔''

اس کے ساتھ ہی اپنی جیب سے طلائی ستارا کے کچھ سکے نکال کر خادمہ کی مٹھی میں دے دیئے۔ ''یہ ماں کو دے دینا اور کہنا آموسی ایک دو روز میں ملنے آئے گی۔''

چیفو نے جھک کر سلام کیا اور مسکرا کر خوشامد کے لہجے میں بولی۔ ''کچھ دیر بیٹھئے تو سہی،

خادمہ کو اپنی خاطر تواضع کا موقع دیجئے۔"

"میں تمہاری خدمت کے بغیر ہی تم سے خوش ہوں چیفو!" یہ کہہ کر پلٹا اور ڈیوڑھی سے نکل کر تنگ گلیوں سے گزرنے اور سوچنے لگا ان گلیوں کی طرح کسبیوں کی قسمت بھی بڑی پیچیدہ ہوتی ہے مگر اس بات پر خوش تھا کہ اس نے نورِ ناہید کو ان تنگ اور پیچیدہ گلیوں سے نکال لیا ہے۔

خیال کی اسی لہر میں چلتا ہیکلِ زہرہ کے قریب سے گزرا اور بازارِ عیش سے نکلتا ہیکل بل مردوک کی اُس مذہبی درس گاہ کے سامنے نمودار ہوا جہاں کاہن، عالم، پروہت، دینِ اکد کے فلسفۂ فطرت کے علاوہ دیوی دیوتاؤں کے مخفی علوم اور پیچیدہ اسرار کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

عام لوگ تو صرف یہی جانتے تھے کہ فرزندِ آسمان اور راکب الغمام بل تخلیق کی مردانہ قوتوں کا نمائندہ تھا اور دیوی ایشتار (بیلت) زمین پر پیدائش کی نسوانی صلاحیتوں کی مظہر ہونے کے ناتے بل کی زوجہ کہلاتی تھی مگر جب سے "بادلوں کے سوار" بل اور "لشکروں کے خدا" مردوک کو باہم ضم کر دیا گیا تھا، ایشتار بیک وقت دو شوہروں کی محبوبہ اور بیوی تھی۔ بنو پلاسر کے وقت سے لے کر بنونید کے دورِ حکومت تک بل، ایشتار اور مردوک کی تثلیث ہی زیادہ مقبول رہی بلکہ کلدانیوں کے نزدیک مردوک زیادہ مردانہ قوتوں کا مالک اور جنگ جو تھا جسے ایشتار پسند کرتی تھی۔

زیگورات (ہیکل بل مردوک) دراصل ایشتار کے دو طاقتور شوہروں یا تخلیقی قوتوں کی علامت تھی اس لئے اس عظیم الرفعت ہیکل کے دروازوں پر بل، ایشتار اور مردوک کے بُت بھی اپنی مخصوص ہیئتوں کے ساتھ نصب تھے مگر کوئی عام آدمی اس مقدس ہیکل میں داخل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ یہ عبادت گاہ صرف خاندانِ بخت نصر، بڑے بڑے امراء، شیوخ، فوج کے اعلیٰ ترین سرداروں، اُن کی معزز خواتین، دوشیزاؤں یا پھر بڑے بڑے بزرگ کاہنوں، علومِ مخفی کے رازدانوں، گنے چنے عالمانِ روحانی اور بلند مرتبت افراد کے لئے مخصوص تھی۔

بابِ مردوک کے ساتھ ہی ایک بلند چار دیواری کے اندر وہ خاص ندوۃ العلوم تھا جہاں کاہنوں اور پروہتوں کو دینِ بابل کے اسرار و رموز سکھائے جاتے تھے۔ اس ندوہ یا درس گاہ میں آنے جانے کی پابندی نہ تھی۔ پھر بھی منتظم اعلیٰ کی اجازت ضروری سمجھی جاتی۔

مہرتاب اسی درس گاہ کے سامنے کھڑا داخلے کا طلب گار تھا کیونکہ جب تک منتظم اعلیٰ کا

پروانہ نہ مل جائے وہ درس گاہ کی سیڑھیاں چڑھ کر اس کے دروازے میں داخل نہ ہوسکتا تھا۔ ایک پروہت اُسے منتظم اعلیٰ کے پاس لے گیا اور جب اس نے پوچھا کہ وہ کس سے ملنا چاہتا ہے تو مہرتاب نے بے دھڑک جواب دیا۔

"معبدِ اشتر کے کاہنِ اعظم اشمیدی سے۔"

منتظم اعلیٰ جو دینِ اکد کا ایک بزرگ عالم تھا، اس کی زبان سے اشمیدی کا نام سن کر چونک گیا کیونکہ وہ گارجیت کے اسی رئیس زادے سے علمی شکست کھا کر شاہ بنونید کی نظروں میں ذلیل ہوا اور اب بادشاہ کے حکم پر درس گاہ میں دینِ بابل کی تعلیم مکمل کر رہا تھا۔ منتظم اعلیٰ نے سوچا، غالباً مہرتاب کاہن اشمیدی سے معافی مانگنے یا کوئی سمجھوتہ کرنے آیا ہے، کیونکہ اسی دن سے اشمیدی کے چیلوں اور شاگردوں میں اس کے خلاف غم و غصہ پایا جاتا تھا۔ وہ زہرہ جمال بیدخت پر بھی تاؤ کھائے بیٹھے تھے جس نے "رقصِ عبادت" میں ان کے استاد کو مقدس شراب کے پیمانے سے محروم رکھا اور اس پر الزام کی انگلی اٹھائی تھی۔

منتظم اعلیٰ مہرتاب کو خود اپنے ساتھ لے کر کیونکہ اس کی پُر وقار شخصیت اور دینی معلومات سے مرعوب نظر آتا تھا، درس گاہ کی سیڑھیاں چڑھ کر دروازے میں داخل ہوا اور اشمیدی کے حجرے تک پہنچا جہاں معبدِ اشتر کا ایک شاگرد پجاری اس کی مٹھی چاپی میں مصروف تھا۔

مہرتاب کی آمد نہ صرف قطعی خلافِ توقع بلکہ حیران کر دینے والی تھی۔ اشمیدی نے فرطِ تحیر سے تڑپ کر مسند پر پہلو بدلا اور خدمت گزار پجاری اچھل کر دُور جا کھڑا ہوا۔ منتظم اعلیٰ نے مہرتاب کی آمد کا مقصد بیان کیا اور بولا۔

"بزرگ اشمیدی! دانشور کی ملاقات بھی آدمی کے علم میں اضافہ کرتی اور اس کی ترقی کا راستہ کھولتی ہے۔"

یہ چھوٹا سا مگر قیمتی نکتہ بتا کر منتظم تو لوٹ گیا مگر اشمیدی مہرتاب کو بدستور غصے اور نفرت کی نظروں سے دیکھتا رہا۔ شاگرد پجاری شعلہ جوالہ بنا کھڑا تھا کہ ذرا سا اشارہ ملے تو ٹوٹ پڑے۔ مہرتاب بھی ان کے رویے کا جائزہ لیتا رہا، پھر بولا۔

"کاہن اشمیدی کیا بیٹھنے کے لئے نہیں کہو گے؟"

اشمیدی نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور مسند کی طرف اشارہ کیا۔ "بیٹھو۔"

مہرتاب کو اپنے استاد کی مسندِ علم پر بیٹھتے دیکھ کر شاگرد پجاری کے تن بدن میں آگ لگ گئی

مگر مجبور تھا۔ مہرتاب بیٹھتے ہی مقصد کی طرف آ گیا۔

"تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔"

اشمیدی نے کسی جذبے کا اظہار نہ کیا۔ "کرو۔"

"مجھے اپنا دشمن نہیں دوست سمجھو اشمیدی!"

اور یہ ایسی بات تھی جس نے معبد اشتر کے کاہنِ اعظم کو چونکا دیا۔ آنکھوں سے شک و شبہ کا اظہار ہوتا تھا۔ پھر بھی مہرتاب کی گفتگو توجہ سے سننے لگا جو کہہ رہا تھا۔

"دیوتاؤں کے جلوس کی رات معبدِ اکور میں جو کچھ ہوا وہ محض اتفاق تھا۔ میں نے بیدخت کی حمایت اس لئے نہیں کی تھی کہ تمہاری مخالفت کروں یا تمہیں موردِ الزام ٹھہراؤں۔ شاید بادشاہ نے تمہیں کہانت سے اس لئے معزول کر دیا کہ بیلشازار کے ساتھ تمہارے خصوصی مراسم کے باعث وہ پہلے ہی تم سے نالاں تھا اور کسی بہانے تمہیں سزا دینا چاہتا تھا۔"

مہرتاب نے بالکل صحیح بات کہہ دی تھی کیونکہ شاہ بنونید کے خلاف اشمیدی ہی بیلشازار کا سب سے بڑا حامی اور مذہب کے نام پر اس کی حکومت چاہتا تھا۔

اس نے مہرتاب کے بیان کو کاٹ دیا، مختصر کر دیا۔

"مطلب کی بات کرو۔"

مہرتاب تیسرے آدمی کی موجودگی محسوس کر کے بولا۔

"بات تنہائی میں ہوگی۔"

اشمیدی ان الفاظ پر دنگ رہ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ کوئی ایسی بات کرے گا جس کے لئے تنہائی کی ضرورت ہوگی۔ حیرت کے ساتھ دلچسپی بھی بڑھی۔ اپنے شاگرد کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ باہر نکل گیا اور دروازہ بند ہو گیا تو مہرتاب سے مخاطب ہوا۔

"ہمارے درمیان کوئی ایسی بات ممکن نہیں جس کے لئے تنہائی کی ضرورت ہوتی پھر بھی میں نے تمہارا کہا پورا کر دیا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کاہن اشمیدی! بعض واقعات خلاف توقع پیش آتے ہیں۔ "رقصِ عبادت" سے پہلے میں تمہیں اور تم مجھے نہیں جانتے تھے مگر آج ہم دونوں ایک کمرے میں اکٹھے ہیں۔ شاید مجھے اپنا دشمن بھی سمجھتے ہو۔ لیکن تمہارے ساتھ جو توہین آمیز سلوک ہوا وہ مجھے بھی ناگوار گزر رہا ہے اور میں اس کی تلافی چاہتا ہوں۔"

یہ باتیں اشمیدی کو حیران کئے دیتی تھیں۔ "اگر میری توہین تمہیں واقعی ناگوار گزری ہے تو اب میں تمہارا دشمن نہیں۔"

مہرتاب ملہمانہ انداز میں بولا۔ "کاہن اشمیدی! میرے ساتھ دشمنی وہی کرے گا جس کا ظرف چھوٹا ہوگا۔"

یہ کہہ کر جلدی سے اٹھا، دروازے پر جھپٹا اور پجاری کی گردن دبوچ لی جو دروازے سے لگا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پجاری اچانک پکڑے جانے پر بوکھلا گیا۔ گردن چھڑانے کی کوشش کی مگر مہرتاب کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ اس نے پجاری کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ "اپنے استاد کے حکم کی اس طرح تعمیل کرتے ہو؟"

مہرتاب نے پجاری کا منہ درس گاہ کے بیرونی دروازے کی طرف گھما کر کمر پر زور سے لات رسید کی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا اور اُٹھ کر اُونچے دروازے کی طرف بھاگتا چلا گیا۔

اُسے بھگانے کے بعد مہرتاب مسند پر لوٹ آیا اور اشمیدی سے جو گم صم سا بیٹھا تھا کہنے لگا۔

"بعض باتیں اتنی اہم اور خطرناک ہوتی ہیں کہ ان کے اظہار سے قبل دیواروں کے کان بھی بند کر دینا چاہئیں۔"

اشمیدی کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔ نہ جانے وہ اتنی احتیاط کیوں ضروری سمجھتا ہے، مہرتاب کی آواز سرگوشیوں میں ڈھل گئی۔

"کاہن اشمیدی! کچھ باتیں تم بھی جانتے ہو، میں بھی جانتا [illegible]ں، شاہ بنونید بھی جانتا ہے، اس لئے انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں مقصد پر [illegible] ہوں [illegible] باپ [illegible] بجائے بیٹے کو تختِ اژدر پر جلوس فرما دیکھنا چاہتے ہو مگر بہادر بیلشازار [illegible] خلاف کوئی جنگ نہیں جیت سکا اور شاہ بنونید دیوتاؤں کی عبادتِ عام کا اہتمام کر [illegible] پھر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ مگر میرے ترکش میں ایک ایسا تیر ہے جو تمہارے کا[illegible] سکتا ہے اور اگر تم کسی مضبوط عزم و ارادہ کے مالک ہو تو میں تمہیں ایک ایسے سربستہ راز [illegible] آگاہ کر سکتا ہوں جس کے انکشاف پر تمام کلدانی شاہ بنونید کی حکومت سے انکا[illegible] گے اور بابل کے کاہنوں اور بزرگوں کی مجلسِ قومی اُسے تخت و تاج سے محروم کر دینے [illegible] وگی۔"

یہ حیرت انگیز الفاظ سن کر اشمیدی مسند پر اچھل گ[illegible] دوسرے لمحے اس کے قدم فرش پر تھے۔ شاہ بنونید کے خلاف اتنی شدید نفرت رکھتا اور اپنی توہین کا انتقام لینے کے لئے بھی اتنا بے

بے چین تھا کہ اس مقصد کے لئے جنگل کے بھیڑیوں سے بھی سمجھوتہ کرنے پر تیار ہو جاتا۔ اُس نے اپنے ہاتھ مہرتاب کے کندھوں پر رکھ دیئے اور مدھم آواز میں جسے صرف وہی دونوں سن سکتے تھے، کہا۔ ''مہرتاب! اگر کوئی ایسی بات ہے تو دولت تمہارے قدموں پر نچھاور کر دی جائے گی۔''

''مگر میں اپنے کندھوں پر تمہارے ہاتھوں کی لرزش محسوس کر رہا ہوں۔ بادشاہ کے خلاف اٹھنے والے ہاتھ اتنے کمزور نہیں ہونے چاہئیں۔''

''یہ ہاتھ بہت مضبوط ہیں مہرتاب! کیونکہ ان ہاتھوں کو جنگجو بیلشازار کی قوت نصیب ہو گی۔ تم وہ راز بتاؤ، میں تمہیں اپنے عزم و عمل کا منظر دکھاؤں گا۔''

مہرتاب نے اشمیدی کے سامنے چال ہی ایسی کشش انگیز رکھی تھی کہ لوہے کی طرح اس مقناطیس کی طرف کھنچ گیا اور اب وہ راز جاننے کے لئے بے چین تھا جو شاہ بنونید کو تخت و تاج سے محروم کر سکتا تھا۔ مہرتاب نے ہوا میں تیر نہیں چلایا، فی الواقع بنونید کے خلاف ایک لرزہ خیز حقیقت اُس کی مٹھی میں تھی کیونکہ ہاروت ماروت کو حاصل کر چکا تھا۔ کچھ سوچ کر بولا۔

''کاہن اشمیدی! دینِ اکد میں کسی کو قول دینے اور کسی کے راز میں شریک ہونے کے جو دستور ہیں، تم ان سے ضرور واقف ہو گے۔''

اشمیدی اُسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ''بابل میں ہیکلِ مردوک سے بڑی اور مقدس عبادت گاہ اور کوئی نہیں۔ میں ربِّ بل، خدائے مردوک اور ان کی مشترکہ زوجہ دیوی ایشتار کے سامنے رازداری کا حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔ دینِ اکد میں اس سے بڑا حلف اور کوئی نہیں جو دیوی اور اس کے دونوں شوہروں کے سامنے اٹھایا جائے۔''

مہرتاب نے ایک نئی پریشانی کا اظہار کیا۔ ''کیا میں ہیکل کے اندر جا سکوں گا؟''

''کیوں نہیں۔'' اشمیدی نے جواب دیا۔ ''تم بادشاہ کے مشیر ہو۔ پھر میرے ساتھ جاؤ گے تو کوئی نہیں روک سکے گا۔ آؤ میں تمہیں ہیکل میں لئے چلتا ہوں۔''

مہرتاب اس کے ساتھ ہو لیا۔ دونوں درس گاہ کے بلند دروازے سے نکل کر اس کی لمبی لمبی سیڑھیاں اترنے لگے تو اشمیدی کا خدمت گزار پجاری جو پہلی سیڑھی پر ایک طرف بیٹھا ابھی تک اپنی کمر سہلا رہا تھا، انہیں آپس میں گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر نہ صرف حیران رہ گیا بلکہ اپنی کمر میں پہلے سے کچھ زیادہ تکلیف محسوس کرنے لگا۔ مہرتاب کی ایک ہی لات نے اس کے مزاج کافی درست کر دیئے تھے۔

ہیکلِ بل مردوک یا منارۂ بابل اُوپر نیچے آٹھ گنبدوں پر مشتمل 380[1] فٹ اونچی عمارت تھی جو ایمگور بل اور نیمیتی بل کی بلندیوں سے بھی سر اٹھائے کھڑی تھی۔ یہ ہیکل کم و بیش ایک میل کے رقبے میں تعمیر کی گئی۔ انضمام شدہ معبود ''بل مردوک'' کی خاص عبادت گاہ ساتویں منزل پر تھی۔ سب سے نچلے گنبد یا درجے میں جو ایک میل پر محیط تھا، آگے پیچھے، دائیں بائیں متعدد ہال نما کمرے تھے جہاں تثلیث مقدس (بل، ایشتار اور مردوک) کے قبیلے سے تعلق رکھنے یا ان کی حفاظت کرنے والے دیوتاؤں کے عظیم الہیت بُت دیواروں کے ساتھ ایستادہ تھے اور ان کمروں کے درمیان سے چار بڑے بڑے راستے بخطِ مستقیم بڑے وسطی ہال میں جاتے تھے۔ ہیکل بل مردوک بابل کی وسطی عمارت تھی اور ہیکل کے چار اندرونی راستوں کی طرح باہر بھی چار بازار چار مختلف سمتوں کو بخطِ مستقیم نکلتے تھے۔

وسطی ہال دراصل ربِ بل، خدائے مردوک اور ان کی زوجہ دیوی ایشتار کا مشترکہ کمرہ تھا جہاں ان تینوں کے کوہ پیکر بت اپنی مخصوص تخلیقی قوتوں اور علامتوں کے ساتھ موجود تھے۔ ایشتر یا بیلت زمین کی تخلیقی صلاحیتوں کی علامت تھی۔ درحقیقت یہ آسمان اور دھرتی کے ملاپ کی تمثیل تھی کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو زمین اپنے تخلیقی عمل سے گزرتی اور اناج اور پھل پھول پیدا کرتی ہے۔ مگر دینِ اکد کے بزرگوں نے اس عمل کو دیوی ایشتار کے ساتھ بل مردوک کی مباشرت قرار دے کر ایک جنسی[2] اور شہوانی دین کی بنیاد رکھی تھی جسے وہ ''دینِ فطرت'' کہتے تھے۔

وصل و اختلاط کا یہی نکتہ پوری تہذیب بابل کا محور تھا۔

کاہن اعظم اشمیدی مہرتاب کو ساتھ لے کر ہیکلِ بل مردوک کے عظیم و کبیر دروازے پر آیا جس کی بلندی کا اندازہ 80 فٹ لگایا گیا ہے۔ چار سمتوں میں ہیکل کے چاروں دروازے اتنے ہی بلند و بالا تھے تاکہ دیوتاؤں اور الٰہوں کی آمد و رفت میں آسانی رہے۔ اس مقدس ہیکل کی نگرانی یا مذہبی رسومات ادا کرنے والے کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں کی تعداد تین چار ہزار

---

[1] قدیم مؤرخ پریڈیکس نے بلندی ایک فرلانگ (660 فٹ) قرار دی ہے لیکن معتبر مؤرخین کے نزدیک ہیکل بل یا منارۂ بابل کی 380 فٹ بلندی مسلمہ ہے۔ یہ بابل کی سب سے اونچی عمارت تھی۔ (مصنف)

[2] ہیروڈوٹس کے علاوہ اسٹرابو نے بھی بابل کے اصنامی دین اور اس کی شہوانی تہذیب پر نکتہ چینی کی ہے۔ (پریڈکس رانمس ہسٹری از اسٹرابو)

سے کم نہ تھی اور وہ ہیکل سے ملحقہ حجروں اور کمروں میں رہتے تھے۔

ہیکلِ بل کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ اگر طبقۂ اُمراء کی کوئی دوشیزہ یا شاہی خاندان کی کوئی کنواری شہزادی کسی معمولی طبقے کے نوجوان کا انتخاب کر کے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتی اور وہ دونوں ہیکل کی پناہ میں آجاتے تو اُمراء اور بادشاہ بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایسی کارروائی دین میں مداخلت تھی۔ بخت نصر کے زمانے میں ایک شہزادی[1] نے کسی کپتان کے ساتھ ہیکل میں پناہ لے لی تھی اور عظیم بخت نصر بھی کچھ نہیں کر سکا تھا۔

ہیکل کے پروہتوں، پجاریوں کی بھیڑ سے گزر کر اشمیدی اور مہرتاب اس چوڑے اور طویل مسقف راستے پر چلنے لگے جو سیدھا وسطی ہال میں جاتا اور 400 فٹ طویل، 80 فٹ چوڑا تھا۔ دونوں طرف محافظ دیوتاؤں کی دو طویل صفیں قائم تھیں جن کا سلسلہ ہال کے بلند و بالا دروازے پر ختم ہوتا تھا۔ طویل راستہ طے کر کے جس کی دونوں جانب ای آ اور آنو کے قبیلے سے متعلق خداؤں کے کمرے تھے، وہ وسیع و عریض اور عظیم الشان ہال میں داخل ہوئے جو کوہ پیکر ستونوں پر قائم تھا۔ مہرتاب نے پہلی بار کلدانیوں کا سب سے بڑا صنم کدہ دیکھا۔

بل، مردوک اور ایشتار کی تثلیث کے باعث اُسے پورے بابل، پورے کالدیا میں بلند مقام حاصل تھا۔ ہال میں ایشتار کے دونوں شوہر موجود تھے جن سے وہ قوت نمو یا بزرگانِ اکد کے نزدیک نطفۂ تخلیق حاصل کرتی تھی۔ مہرتاب ان کے عظیم، کوہ وقار جثے اور تخلیقی علامتیں دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ حالانکہ وہ پتھر کے بے جان، بے رُوح مجسمے تھے مگر ان کے بڑے بڑے جثے دیکھ کر دل پر ایک خوف سا طاری ہوتا تھا۔

ہال کے وسط میں پتھر کی وہ مقدس کشتی[2] تھی جسے سونے کے پتروں سے منڈھ دیا گیا تھا

1۔ تاریخ بابل و نینوا۔

2۔ بابل کے کھنڈرات کی کھدائی کئی ادوار میں ہوئی۔ طلائی، نقرئی اور پیتل کے بے شمار سکے، انواع و اقسام کے ظروف، سونے چاندی کے علاوہ کانسی کے زیور اور دیگر بہت سی نادر اشیاء دستیاب ہوئیں۔ یہ نوادر لندن، فرانس، جرمنی، ترکی، مصر، شام اور عراق کے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ ان میں پتھر کی ایک کشتی بھی ہے جس کا سر رابرٹ نے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کشتی پر سونا منڈھا ہوا ہے۔ جس پر اکدی زبان میں عجیب و غریب عبارتیں کندہ ہیں، محققین کے نزدیک یہ معبد بل کی ''مقدس کشتی'' تھی جو رسمِ عبادت میں کام آتی تھی۔ (سر رابرٹ پورٹر کا سفرنامہ)

اور جس پر اکدی زبان میں ناقابلِ فہم عبارتیں کندہ تھیں۔ ''مقدس کشتی'' عبادت کی رسومات ادا کرنے اور حلف اٹھانے کے کام آتی۔ عہد کرنے والے کشتی پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتے کہ اگر وہ اپنا حلف توڑیں، بدعہدی کریں تو موت کے بعد بحرِ ظلمات میں انہیں نجات کا سفر نصیب نہ ہو اور وہ ''مقدس کشتی'' پر سوار نہ ہو سکیں۔

اشمیدی نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ کشتی پر رکھ دیئے اور الٰہوں کی طرف چہرہ اٹھا کر کہنے لگا۔ ''اے ربِ بل! اے خدائے مردوک! اے ان کی مشترکہ زوجہ ایشتار! میں معبد اشتر کا کاہنِ اعظم اشمیدی اس مقدس ہیکل میں مقدس کشتی پر ہاتھ رکھ کر عہد کرتا اور قول دیتا ہوں کہ اگر مہرتاب کے بتائے ہوئے راز کو اس کی مرضی کے بغیر کسی پر کھولوں یا کسی کو اس کا نام بتاؤں یا کوئی بدعہدی کروں تو مجھ پر بل، مردوک اور اُن کی زوجہ کا عتاب نازل ہو اور موت کے بعد میری روح کو نجات کی کشتی سے اٹھا کر بحرِ ظلمات میں پھینک دیا جائے۔''

بابل میں یہ سب سے بڑا حلف تھا جو اشمیدی نے اٹھایا۔ رسمی طور پر مہرتاب نے بھی کشتی پر ہاتھ رکھے اور جوابی عہد کیا اور کہا کہ اس نے جس رازِ سربستہ کا ذکر کیا ہے، ان میں کاہنِ اعظم اشمیدی کو شریک کرے گا اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھے گا۔ لیکن ضرورت اور مصلحت کے تحت اسے بتدریج اور قسط وار بیان کرے گا تاکہ اس سے مطلوبہ مقصد حاصل کیا جا سکے۔

مہرتاب نے محض اشمیدی کی تسلی کے لئے بل، مردوک اور ایشتار کے نام بھی لئے تھے لیکن نہ تو ان الٰہوں کو مانتا نہ ان کے سامنے اٹھائے جانے والے کسی حلف کو ''مقدس'' سمجھتا تھا۔ اس کے عہد کی صرف اتنی اہمیت تھی کہ وہ اپنے الفاظ کو سمجھتا اور ان پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ شاہ نبونید اور سلطنت بابل کے خلاف یہ اہم اقدام اُس کے منصوبے کا حصہ تھا۔

حلف اٹھانے کے بعد دونوں نے ہاتھ ملائے۔ اب وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں دوست تھے۔ مہرتاب نے بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے کاہن اعظم اشمیدی کو شاہ نبونید کے خلاف اپنے اہم منصوبے میں شریک کر لیا تھا۔ ہیکل سے نکل کر دونوں درس گاہ یا ندوۃ العلوم کے اسی دروازے میں داخل ہوئے جس کی لمبی لمبی سیڑھیوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھا اشمیدی کا خدمت گزار شاگرد اب ان کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹ دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ دشمن سے استاد کا یہ سلوک شاگرد پجاری کے لئے ناقابلِ فہم تھا۔

دونوں درس گاہ کے اسی کمرے میں، اسی مسند پر آ بیٹھے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔

اشمیدی پُرخیال انداز میں بولا۔

''اب وہ راز بتاؤ جو میرے دشمن کو تخت و تاج سے محروم کرسکتا ہے۔''

مہرتاب عہد کے مطابق مدھم آواز میں پہلی قسط بیان کرنے لگا۔

''آج سے کئی برس پہلے حران کے معبد قمر میں ایک خوفناک اور انتہائی پراسرار واقعہ پیش آیا جب شاہ بنونید ابھی لڑکا تھا۔ اس نے ربہ قمر کے مقدس معبد میں ایک لڑکے کا خون کر دیا تھا اور آج تک اس قتل کو چھپاتا رہا ہے۔ ذرا ہمت کر کے بادشاہ سے پوچھو، اس نے معبد میں کس بدنصیب کو قتل کیا تھا؟ کیوں قتل کیا تھا؟ اور اس کی ماں کا جس کے پیٹ سے اس نے جنم لیا، بخت نصر سے کیا تعلق تھا؟''

اشمیدی پر حیرت کی کئی کیفیتیں گزر گئیں۔ حیران و دم بخود سا مہرتاب کو دیکھنے لگا۔ حران کے معبد قمر کا ذکر پہلے بھی کہیں سن چکا تھا لیکن بات حافظے کی لوح سے اتر گئی تھی۔ ربہ قمر کے معبد میں قتل ایک سنگین جرم تھا جس میں اشمیدی نے دلچسپی محسوس کی۔ مہرتاب یقیناً کسی اہم راز کا انکشاف کرنے والا تھا مگر اس نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ اشمیدی کی بےچینی بڑھ گئی۔

''تم جانتے ہو مقتول کون تھا؟''

''جانتا ہوں۔''

''تمہیں یہ بھی علم ہے اُسے کیوں قتل کیا گیا؟''

''ہاں وجۂ قتل بھی جانتا ہوں'' مہرتاب بتانے لگا۔ ''جب مقتول کی شخصیت اور قتل کی وجہ سامنے آئے گی، صرف بابل کا تخت نہیں، شاہ بنونید کے قدموں تلے سے بابل کی زمین بھی نکل جائے گی۔''

''اگر بنونید نے قتل سے انکار کر دیا؟''

''انکار نہیں کر سکے گا۔ معبد قمر کا کاہنِ اعظم ابھی زندہ ہے جس کے سامنے قتل ہوا اور وہ مقتول کی شخصیت کا ثبوت بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔ بنونید کی بدقسمتی یہی ہے اس نے ربہ قمر کے کاہنِ اعظم کو بھی گھائل کر کے پھینک دیا تھا اور آج تک یہی سمجھتا ہے کہ وہ مر چکا۔ لیکن ''مُردہ'' زندہ آدمیوں کی عدالت میں بنونید کے جرم کا ثبوت لے کر پیش ہوگا۔''

اشمیدی کے چہرے پر اُمید کی روشنی سی جھلملانے لگی۔ ''میں مقتول کا نام اور واقعے کی تھوڑی سی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔''

مہرتاب نے ہاتھ لہرا کر بات کاٹ دی۔ ''کاہن اشمیدی! جو بتایا جاتا ہے وہی سنو، جو کہا جاتا ہے اُسی پر عمل کرو۔ یہ زندگی اور موت کی بازی ہے۔ ہار جیت کا کھیل ہے۔ کھیل سکو تو کھیل جاؤ۔ دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی۔ بنونید یا تم، دونوں میں سے ایک موت کے گھاٹ اُتر جائے گا کیونکہ ان سوالوں کے جواب میں جو تم پوچھو گے، وہ تمہارے قتل کا حکم صادر کر دے گا۔ اگر اس لمحے کو ٹال سکو تو پھر تم زیگورات میں پناہ لے کر اپنے آپ کو محفوظ کر سکتے ہو کیونکہ بل مردوک کی پناہ لینے والے کو گرفتار یا قتل نہیں کیا جا سکتا اور تم اس وقت تک ہیکل میں محفوظ رہو گے جب تک بنونید خود کیفرِ کردار کو نہیں پہنچ جاتا۔ اگر یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو درس گاہ میں بیٹھ کر علم کی جھک مارتے رہو اور جو بات تمہیں بتا چکا ہوں اسے اپنے ذہن سے نکال کر پھینک دو۔''

مہرتاب کے الفاظ اشمیدی کے ذہن کو کچوکے دیتے رہے۔ دو تین لمحے چپ چاپ کچھ سوچتا رہا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''آج کل جو دن گزار رہا ہوں ان سے زیادہ برے دن مجھ پر کبھی نہیں آئے۔ میں اپنے برے دونوں کو اچھے دنوں کے لئے داؤ پر لگاؤں گا۔ خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔''

''پھر نتیجہ تمہاری توقع کے عین مطابق ظاہر ہوگا۔''

مہرتاب نے سوچا کیوں نہ اُسے بتا دے کہ بیلشازار بھی حران کے معبدِ قمر کا راز معلوم کرنے میں کوشاں رہا ہے تاکہ باپ کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکے۔ جب وہ سنے گا کہ اشمیدی نے راز جان لیا ہے تو اس کی مدد پر مستعد ہو جائے گا مگر فوراً ہی یہ ارادہ ترک کر دیا۔ بیلشازار کے حوالے سے ہاروت ماروت کی گرفتاری کا ذکر خطرے سے خالی نہ تھا اور ان کے ذکر سے بچنا چاہتا تھا۔ دل نے کہا۔ ''ہاروت ماروت کو پردۂ اخفا میں رہنے دو اور معاملہ صرف اپنے اور اشمیدی کے درمیان رکھو۔''

اشمیدی سے ملاقات کا مقصد پورا ہو گیا مگر رخصت چاہی تو کاہن پوچھنے لگا۔ ''رہتے کہاں ہو؟ تم سے رابطے کی ضرورت پیش آئے تو کہاں ملوں؟''

یہی وہ سوال تھا جس کا جواب اس نے کسی کو نہیں دیا تھا۔ مسکرا کے بولا۔ ''کاہن اشمیدی! بل، مردوک اور ایشتار کہاں رہتے ہیں، کہاں سوتے ہیں؟''

یہ عجیب سوال سن کر اشمیدی حیرت زدہ رہ گیا اور اسی عالمِ حیرت میں کسی معمول کی طرح

جس پر عملِ تسخیر کر دیا گیا ہو، الفاظ خود بخود اس کی زبان پر آ گئے۔ ''بل مردوک آسمان پر، ایشتار زمین پر۔''

''میں بھی دن کو زمین پر ہوتا ہوں، رات کو آسمان پر سوتا ہوں۔ تمہیں کون سا پتہ بتاؤں؟''

اشمیدی ہکا بکا سا اُسے دیکھنے لگا۔ ''پتہ اس لئے پوچھا ہے کہ معبدِ قمر کا واقعہ سن کر اگر بادشاہ نے مقتول کے بارے میں کوئی سوال کر دیا تو کیا جواب دوں گا، تمہیں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا؟''

''اگر بادشاہ نے مقتول کے بارے میں کچھ پوچھا تو تمہیں اسی وقت جواب سے آگاہ کر دیا جائے گا کیونکہ جس محفل میں بات کرو گے، مجھے وہاں قریب ہی موجود پاؤ گے۔''

یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے مُڑا اور زرد عبا لہراتا کمرے سے نکل گیا۔

(32)

سُولی

◎

سُولی کا وقت قریب آ گیا تھا۔

جب فدیمہ کسبی کو جو سیاہ لبادے میں ملبوس تھی، اذیت گھر کے جنگلے سے نکالا گیا تو اُسے دیکھنے والوں کو پہلی بار محسوس ہوا کہ عورت سیاہ لباس میں کتنی خوبصورت لگتی ہے۔ خواہ وہ موت کا سیاہ لباس ہی کیوں نہ ہو۔ فدیمہ کا چہرہ دھواں دھواں سا ہو رہا تھا، رنگت اُڑی اُڑی سی تھی مگر موت کے سیاہ لبادے نے نئے حُسن کے ساتھ اس کے چہرے کو ایک تقدس بھی بخش دیا تھا۔

جلادوں اور پہرے داروں میں گھری جو آگے آگے چل رہے تھے، اُس نے اسا گیلہ کے حصار سے چاہِ بابل کے حصار تک ایک طویل فاصلہ مکمل خاموشی کے ساتھ طے کیا مگر اس اثناء میں اس کی گرفتاری اور کاٹھ پر لٹکائے جانے کی خبر بابل کے بھرے پُرے بازاروں میں جنگل کی آگ بن کر پھیلتی چلی گئی۔ کسبیاں، طوائفیں، ناچنے گانے والیاں اور ان کے ساتھ ساتھ ہیکلوں، معبدوں، مندروں کی پجارنیں بھی فدیمہ کی سُولی کا منظر دیکھنے چاہِ بابل کے لعنتی حصار کی طرف بھاگیں جس کے سامنے ایک کھلے میدان میں مجرموں کو کاٹھ پر لٹکایا جاتا تھا۔

موت کا قافلہ فدیمہ کو اپنی نگرانی میں لے کر اس میدان میں پہنچا۔ وہاں لکڑی کا ایک بھاری اور صلیب نما موٹا لٹھا گاڑ دیا گیا تھا اور بہت سے مرد، بہت سی عورتیں میدان کے گرد اُس پٹی پر جمع ہو چکی تھیں جو موت کا منظر دیکھنے والوں کے لئے مخصوص تھی۔ ان عورتوں میں بازارِ عیش کی کسبیوں اور جسم کا دھندا کرنے والیوں کی تعداد زیادہ تھی جو اپنی ایک ہم پیشہ کا آخری دیدار کرنے آئی تھیں۔ عورتوں کو شاذ و نادر ہی کاٹھ پر لٹکایا جاتا تھا اس لئے ایک عورت کی سُولی

کا نظارہ ان کی دلچسپی کا باعث بن گیا تھا۔

فدیمہ نے گردن اٹھا کر اپنی ہم پیشہ عورتوں کو حسرت و یاس کی نظروں سے دیکھا۔ شاید وہ اس بھیڑ میں آموسی نور ناہید کو تلاش کر رہی تھی مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی تو پہرے داروں کے حلقے میں ہولے ہولے چلتی کاٹھ تک پہنچی۔

وقت گزرتا جا رہا تھا اس لئے جلادوں نے بڑی تیزی سے کارروائی کا آغاز کیا تاکہ عظیم بیلشازار کے حکم کی جلد تعمیل ہو اور گناہ گار عورت اپنے انجام کو پہنچے۔

سب سے پہلے انہوں نے ''مجرمہ'' کو صلیب نما بھاری چوب کے ساتھ رسوں سے باندھا، پھر سُولی پر اس کی بانہیں پھیلا کر گورے گورے ہاتھوں میں لوہے کی موٹی اور نوک دار میخیں ٹھونکنے لگے۔ اس وحشیانہ اور سنگ دلانہ عمل کے ساتھ ہی فدیمہ کی لرزہ خیز چیخیں بلند ہوئیں جن سے فضا تھرا اٹھی۔ ہوا کانپتی ہوئی گزرنے لگی اور موت کا منظر دیکھنے والی سوگوار عورتوں نے گھبرا کر، لرز کر ایک دوسری کو تھام لیا۔ مگر فدیمہ کی دردناک اور جگر گداز چیخیں بہت جلد خاموشیوں کے بھنور میں ڈوب گئیں کیونکہ وہ اس وحشیانہ کارروائی کی تاب نہ لا کر اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی۔

ہاتھوں کے بعد بازوؤں اور پاؤں میں بھی میخیں ٹھونک دی گئیں۔ بے ہوش فدیمہ کے زخموں سے سرخ سرخ، جیتا جیتا لہو رِستا رہا۔ اس اذیت ناک عمل کے دوران وہ دو تین بار ہوش میں آ کر پھر تڑپی، چیخی، چلائی لیکن پھر غش پر غش کھا گئی۔ میخیں ٹھونکنے کے بعد رسے کھول لئے گئے۔ اب فدیمہ کا نیم مُردہ جسم انہی میخوں کے سہارے کاٹھ پر لٹک رہا تھا اور گردن بائیں کندھے پر ڈھلک گئی تھی۔

وہ فونیقی ہار جس کی بدولت سُولی تک پہنچی پھر اُس کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ موت کے سیاہ لبادے کے اوپر وہ ہار فدیمہ کے سینے پر جھول گیا اور محبت کی یونانی دیوی افرودیت کی ننھی سی مورتی جیسے ''تکمیل محبت'' کرنے لگی۔ پھر کاٹھ کے ساتھ ہی ایک کتبہ بھی نصب کر دیا گیا جس پر آرامی زبان میں لکھا تھا۔

''یہ دشمن کی مخبر، خاندانِ بخت نصر کی بدخواہ اور بابل کی غدار تھی۔''

یہ تھا بہارِ حسن کا انجام جس نے مخبری، بدخواہی اور غداری کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔

مرد اس کتبے کی عبارت کو پڑھ کر یا دوسروں سے سن کر حیران رہ گئے۔ کسبیوں، طوائفوں اور ناچنے گانے والیوں نے دانتوں میں انگلیاں داب لیں۔ مندروں کی پجارنیں چہ میگوئیاں کرنے لگیں، ہر طرف ایک خوف تھا، ایک دہشت تھی، ایک سراسیمگی تھی اور اسی خوف و دہشت کی فضا میں نئی نئی باتیں ہوئیں، نئی نئی افواہیں اُڑیں۔

کسی نے کہا۔ ''دشمنوں سے مل گئی ہوگی، بڑی چالاک تھی۔''

کوئی کہہ رہا تھا۔ ''جلوداروں کے سردار حنانی کو اسی لئے پھانس رہی تھی کہ ایرانیوں کے لئے مخبری کر سکے۔''

مگر پیشہ ور اور جسم فروش عورتوں میں سے کسی کو بھی اس بات پر یقین نہیں تھا کہ کوئی کسبی اور اپنے جسم کا دھندا کرنے والی دیوتاؤں کے شہر بابل سے غداری کی مرتکب ہو سکتی ہے کیونکہ جسم فروشی بازار میں ہو یا جوان پجارنیں اور معزز خواتین ہیکلوں، معبدوں اور مندروں کے حجروں کی تنہائیوں میں اپنے آپ کو عاشقوں کے سپرد کر دیں بہر حال یہ تہذیب بابل کی دلچسپیاں اور دینِ اکد کی رنگین نکتہ آفرینیاں تھیں جن سے بازار کی عورتوں کے علاوہ معزز خواتین بھی بڑے فائدے اٹھاتی اور من مانی کرتی تھیں۔ شہوانی دیوی دیوتاؤں کے مندروں میں حسین پجارنوں کے سودے بھی ہوتے تھے۔

عورت ایک جنسِ تفریح تھی جو خود بڑے شوق سے تفریحی مرحلے طے کرتی اور بابل کے تہذیبی اور مذہبی فلسفے پر گہرا اعتقاد رکھتی تھی۔ اس لئے معزز خواتین سے لے کر معبدوں کی پجارنوں اور بازار کی کسبیوں تک کوئی عورت بابل سے غداری کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی، پھر فدیمہ نے کیوں غداری کی؟

یک لخت ایک کسبی چلانے اور شور مچانے لگی۔ ''جھوٹ ہے۔۔۔۔۔ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔''

دوسری کسبی چلائی۔ ''فدیمہ پر بہتان لگایا گیا ہے۔''

مگر ''سایۂ اجل'' ریموت کے دفترِ خفیہ نے اس جھوٹ کو ''سچ'' بنا کر پیش کیا اور موت کا فیصلہ بیلشازار نے دیا تھا جسے اب کوئی تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔

دنیا میں ان گنت بے گناہ اسی طرح سُولی پر لٹکائے گئے، تختہ دار پر کھینچے گئے یا قتل کیے گئے اور دنیا ہر جھوٹ کو ''سچ'' مانتی رہی۔ یہاں بہت سے جھوٹ فروغ پاتے ہیں۔ بہت سی سچائیاں

مصلحت کے پردوں میں چھپا دی جاتی ہیں۔ یہ دنیا کا دستور ہے، لوگوں کی کمزوری ہے کہ جھوٹ سچ کا فیصلہ نہیں کر پاتے اور کرتے ہیں تو ان کی آواز دبا دی جاتی ہے۔

''جھوٹ ہے۔۔۔۔۔ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔''

کسی کی آواز پھر بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی کچھ سپاہی اُس بھیڑ کی طرف لپکے جو موجِ بحر کی طرح بڑی مضطرب نظر آتی تھی جیسے سمندر میں مد آتا ہے۔ کوڑا بردار سپاہیوں کو لپکتے دیکھ کر کسبیاں اپنے آنسو پونچھتی پیچھے ہٹ گئیں۔ مردوں، عورتوں کی بھیڑ کٹنے چھٹنے لگی اور سپاہیوں نے فوراً ہی حالات پر قابو پالیا۔

جلاد اپنا کام نمٹا کر جا چکے تھے مگر پہرے دار نیزے تھامے سُولی کے اردگرد بڑے ہوشیار اور چوکس کھڑے تھے جس پر مُردہ یا نیم مُردہ فدیمہ آہنی میخوں کے سہارے لٹکی ہوئی تھی۔

ہجوم کبھی گھٹ جاتا، کبھی بڑھ جاتا کیونکہ جوں جوں فدیمہ کے کاٹھ پر لٹکائے جانے کی خبر پھیلتی رہی، پیشہ ور عورتیں جوق در جوق اُس کی موت کا منظر دیکھنے آتی رہیں مگر شام تک سارے ہجوم چھٹ گئے اور تھوڑی سی عورتیں باقی رہ گئیں جن میں آموی نورِ ناہید کی سوڈانی کنیز چیفو بھی تھی۔

چیفو نے ہمیشہ اسے نفرت کی نظر سے دیکھا تھا کہ چیزیں لے کر لوٹانے کی عادی نہیں مگر آج وہی چیفو فدیمہ کے انجام پر آنسو بہا رہی تھی۔ اُسے سُولی پر لٹکتی دیکھ کر نڈھال ہوئی جا رہی تھی، جو مر گئی یا شاید غش میں تھی کیونکہ جسم میں کوئی حرکت، کوئی جنبش نہ تھی۔ زندگی کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ البتہ شام کو چلنے والی ہوائے صحرا اُس کے سیاہ لبادے میں کبھی کبھی ہلکی سی لہر پیدا کر دیتی یا پھر اس کی کسی آوارہ زلف کو اُڑانے کی کوشش کرتی تھی۔

فدیمہ کا سر ابھی تک بائیں شانے پر جھکا تھا۔ ہار بدستور گلے میں تھا اور افرودیت کی ننھی منی سی طلائی مورت بھی نظر آئی جسے اب چیفو بڑی توجہ سے دیکھنے لگی اور اسی کوشش میں مخصوص پٹی سے چند قدم آگے بڑھ گئی۔ سوچ رہی تھی، کوئی ایسی صورت نکلے کہ پہرے داروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہار اُڑا لے جائے مگر یہ ممکن نہ تھا۔ پہرے دار چوکس اور سپاہی ہوشیار تھے۔

ہار ایک تو اس کی مالکن کا تھا، دوسرے فدیمہ کو اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ کسی مرنے والی کو ہار سنگھار سے کیا غرض، پھر سُولی پر بھی ہار اس کے گلے میں کیوں لٹک رہا ہے؟

اچانک خیال آیا کہیں ہار کی نمائش اس لئے تو ضروری نہیں سمجھی گئی کہ کوئی اسے پہچاننے کی کوشش کرے اور پکڑ لیا جائے۔ یہ سوچتے ہی چیفو کانپ گئی۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ابھی پٹی کی طرف پلٹنے ہی والی تھی کہ ایک سپاہی نہ جانے کدھر سے اچانک اس کے پہلو میں نمودار ہوا اور پوچھنے لگا۔

''اے کالی کلوٹی! بڑے غور سے دیکھ رہی ہے۔ کیا پہچانتی ہے ہار کو؟''

چیفو بری طرح بوکھلا گئی۔ ''ہائے وہی بات ہوئی جو سوچی تھی۔'' اور دل ہی دل میں خود کو کوستی فوراً سنبھلی پھر حیرت کے لہجے میں بولی۔

''ہار؟۔۔۔۔ کون سا ہار؟۔۔۔۔ کہاں ہے ہار۔۔۔۔؟''

''مجرمہ کے گلے میں۔''

''اچھا، تو کوئی ہار بھی ہے؟ مگر مجھے شام کے جھٹ پٹے میں نظر نہیں آیا۔''

''آ، تجھے دکھاؤں۔ شاید تُو پہچان سکے۔''

سپاہی کو غالباً شک ہو گیا تھا کہ وہ فدیمہ کو جانتی ہے۔ ممکن ہے ہار کے بارے میں بھی کچھ بتا سکے۔ کلائی سے پکڑ کر سُولی کے پاس لے گیا اور فدیمہ کے گلے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''دیکھ اور پہچان۔ کیا اس ہار اور ہار والی کو جانتی ہے؟''

چیفو نے موت کے سیاہ لبادے میں لپٹی فدیمہ بہارِ حُسن کو دیکھا۔ ہار پر نظر ڈالی۔ ایک بار پھر دل میں اُسے اُڑا لینے کی خواہش اُبھری مگر نہ تو کاٹھ پر لٹکی فدیمہ کے گریبان تک ہاتھ پہنچ سکتا تھا، نہ پہرے داروں اور سپاہیوں کی موجودگی میں ہار چرانے کی کوشش کامیاب ہو سکتی تھی۔ پھر اپنی خواہش کو دباتی ہوئی سپاہی کی طرف مڑی اور گردن ہلا کر کہنے لگی۔

''نہیں۔۔۔۔ میں نے یہ ہار پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''کیا فدیمہ کو بھی نہیں جانتی؟''

''بالکل نہیں۔''

''تُو مجھے اس کی آشنا لگتی ہے۔''

''ارے واہ۔ میں کیوں آشنا ہونے لگی۔ تم ہو گے آشنا۔ تمہاری یار ہو گی۔ میں نے تو اس حرافہ کی صورت ہی پہلی بار دیکھی ہے۔''

''پھر تیری آنکھوں میں آنسو کیوں تھے؟ رو کیوں رہی تھی؟''

"تو کیا اس عورت کو سُولی پر دیکھ کر ہنسوں، مسکراؤں؟"

سپاہی لاجواب سا ہو گیا اور چیفو نے اُسے ایک اور دھچکا لگایا۔ "تمہیں بھی ایک دن مرنا ہے اور دیوتا نہ کریں اگر سُولی چڑھ جاؤ تو میں تم پر بھی روؤں گی۔"

سپاہی ہکا بکا رہ گیا۔ مخبوط الحواس عورت سمجھ کر اس نے چیفو کو باہر کی طرف دھکا دیا اور غصے میں بولا۔ "جا دفع ہو جا، چلی جا۔"

چیفو منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اُس پٹی کی طرف چل دی جس پر اب اِکا دُکا عورتیں رہ گئی تھیں مگر وہ ان سے ہٹ کر ایک طرف نکلتی چلی گئی۔ شام کے ملگجے اندھیرے میں ہیکلِ مردوک (زیگورات) کی آٹھویں منزل پر ہزاروں قندیلیں روشن ہو گئی تھیں۔ معبدوں، مندروں، گھروں، بازاروں اور عیش و نشاط کے حجروں میں چراغ روشن کئے جا رہے تھے۔ رات کے لذت آفرین ہنگاموں کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور دیئے بتی کے اس سمے سوڈنی خادمہ چیفو کا دل بھی جل رہا تھا۔ سلگ رہا تھا۔ وہ جلتی، سلگتی ہولے ہولے معبد نسروک کی طرف چلتی رہی۔ رو بھی رہی تھی اور زیرِ لب معذرت بھی کرتی جا رہی تھی۔

"فدیمہ بہارِ حُسن! مجھے معاف کرنا۔ میں نے تجھے گالی دی۔ تجھے حرافہ کہا۔ میری زبان جل جائے، اس میں کیڑے پڑیں۔ جاتے ہی ہیکلِ زہرہ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں گی۔ دیوی کے سامنے سجدہ کر کے معافی مانگوں گی کہ وہ میری خطا معاف کر دے۔ میں نے وفادار فدیمہ کو، جاں نثار فدیمہ کو برا بھلا کہا جس نے میری مالکن پر اپنی جان قربان کر دی۔ لیکن ہار کے لئے اس پر انگلی نہیں رکھی۔ سُولی قبول کی مگر نورِ ناہید کا نام نہیں لیا۔ میں تجھے غلط سمجھتی رہی۔ تُو کیسی نہیں دیوی ہے۔ کاٹھ پر چڑھ گئی مگر اپنی سہیلی پر آنچ نہیں آنے دی۔ سلام ـــــ فدیمہ بہارِ حُسن! تجھ پر سلام۔ میں تجھے روتی رہوں گی۔ دیوتاؤں کے حضور تیرے لئے دعائیں کرتی رہوں گی۔"

فدیمہ کے لئے چیفو کا دل پگھلا جا رہا تھا مگر رونے اور بولنے کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھی۔ میدان عبور کر کے ابھی معبدِ نسروک کی طرف جانے والے راستے پر پہنچی تھی کہ یک لخت رک گئی اور پلٹ کر دور ہی سے صرف ایک بار، آخری بار فدیمہ کی سُولی کا نظارہ کرنا چاہا مگر پلٹتے ہی سب سے پہلے اُس سپاہی پر نظر پڑی جس نے اُس سے پوچھ گچھ کی تھی اور اب کچھ فاصلے پر اُس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ چیفو چونک گئی۔ حیران رہ گئی۔

"اچھا تو یہ مردود میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میرا ٹھکانہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

پھر جلدی سے مُڑی اور تیز تیز معبد نسروک کی طرف ہو لی۔ تعاقب کے ڈر سے بازارِ عیش اور ہیکلِ زہرہ کے عقبی گلی کوچوں کا رُخ نہیں کر سکتی تھی۔ موڑ کاٹتے ہی ہوا کی طرح اُڑتی معبدِ نسروک میں داخل ہوئی اور عظیم چوبی دروازے کی اوٹ میں چھپ کر بازار کا نظارہ کرنے لگی۔ چند ہی ساعتوں میں سپاہی نظر آیا جو بڑی بے چینی سے کبھی اُسے بازار اور کبھی ملحقہ کوچے میں ڈھونڈنے لگا تھا مگر مایوس ہو کر معبد کے دروازے کی طرف ہو لیا تو چیفو گھبرا گئی۔

"ہائے، یہ نابکار تو اسی طرف آ رہا ہے۔"

وہ بھاری کواڑ کے پیچھے کچھ اور دُبک گئی۔ سپاہی دروازے کی سیڑھیاں چڑھ کے معبد میں داخل ہوا اور سیدھا چلتا گیا۔ چیفو فوراً کواڑ کی اوٹ سے نکلی اور زینہ اُتر کے بگولے کی مانند بازار میں اُڑتی چلی گئی۔ اب اُسے تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔

(33)

نئی خبر

◎

ٹھیک اُسی دن، اُسی وقت جب مہرتاب ہیکل میں بل، مردوک اور ایشتار کے رُوبرو ''مقدس کشتی'' کے پاس کھڑا کاہنِ اعظم سے رازداری کا حلف لے رہا تھا، اُسے شریکِ راز کرنے کا قول دے رہا تھا، چاہِ بابل سے ملحق میدان میں فدیمہ بہارِ حُسن کاٹھ پر لٹکائی جا رہی تھی۔

اس نے دن بھر نہ تو چاہِ بابل کے واقعے کی طرف دھیان دیا، نہ قلعہ اساگیلہ اور باغاتِ معلقہ کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ جاننے کی ضرورت محسوس کی اسے تو اس بات سے بھی دلچسپی نہ تھی کہ سپاہی، جاسوس اور خفیہ گماشتے کہاں کہاں مصروف ہیں۔ کیونکہ ان کی مصروفیت کے سامان تو خود مہیا کر آیا تھا۔ لیکن ہیکل کی درس گاہ سے نکل کر بازار میں پہنچا تو کسبیوں کی ایک ٹولی کو معبدِ نسروک کی سمت جاتے اور ایک ٹولی کو ادھر سے آتے دیکھا۔ بازار میں خوف و ہراس کی لہر بھی محسوس کی۔ پہلے تو خیال آیا شاید بنوسلان اور اس کے تیغ زنوں کے قتل نے سراسیمگی پھیلا دی ہے اور کسبیاں ان کی لاشیں دیکھ کر آ رہی ہیں مگر اچانک فدیمہ کسبی کو سُولی دینے کی خبر کان میں پڑی تو چونک سا گیا۔

معبدِ نسروک کی طرف سے آنے والی پیشہ ور عورتیں اُس کی سولی کا منظر دیکھ کر آئی تھیں جس نے انہیں اُداس، غمگین اور خوف زدہ کر دیا تھا۔ ایک کسبی اس فونیقی ہار کا ذکر بھی کر رہی تھی جو فدیمہ کی سزائے موت کا سبب بن گیا اور یہ اطلاع مہرتاب کے لئے بھی لرزہ خیز ثابت ہوئی۔ جانتا تھا کہ ہار آموسی کی ماں روڈس کا ہے اور فدیمہ اپنی سہیلی سے مانگ کر لے گئی تھی۔

اس ہار کی وجہ سے فدیمہ کو کاٹھ پر لٹکانے کی خبر سن کر مہرتاب کو کسی نئے خطرے کا احساس ہوا۔ بارہ برس پہلے کی کہانی سن چکا تھا کہ روڈس اپنی بچی کی انگلی پکڑے کس طرح چھپتی چھپاتی سوبانہ کسبی تک پہنچی اور کسبیوں کے محلے میں آباد ہو گئی تھی۔ اب شاید فدیمہ کے ذریعے پارمیتیو کی مفرور بیوی اور بیٹی کا سراغ لگانے کی کوشش کی گئی تھی۔

اس خیال نے مہرتاب کو پریشان کر دیا اور اب فوری طور پر نورِ ناہید آموسی سے ملنا اور کاشانۂ زہرہ کا رخ کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ فدیمہ کی سزائے موت کا ذکر سن کر ضرور خوف زدہ ہو گی۔ مگر دن کے اُجالے میں بیدخت زہرہ جمال کے قصر کی طرف جانا شاید مناسب نہ سمجھا۔ چاہِ بابل کے خوف ناک سانحے کے بعد یقیناً ریموت کو اس کی تلاش ہو گی جس نے دعویٰ کیا تھا کہ بابل میں کوئی واقعہ اس کی اطلاع کے بغیر ظہور میں نہیں آ سکتا۔

اب وہ ریموت کو یہ موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ کسی واقعے سے اس کا تعلق ثابت کر سکے یا اس پر شک وشبہ کی نظر ڈالے۔ ریموت سے تصادم نہیں چاہتا تھا۔ کم از کم اس وقت تک تصادم نہیں چاہتا تھا جب تک اپنے منصوبے کو آخری شکل نہیں دے لیتا یا بیدخت کی آخری خواہش بھی پوری کر کے اپنے عہد سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔

اچانک چلتے چلتے رک گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرے، کہاں جائے۔ نورِ ناہید سے ملنے کی کون سی صورت نکالے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ آنے جانے والوں کی بھیڑ سے نکل کر ایک غلام کسی بھوت کی طرح لپکتا جھپٹتا آگے بڑھا اور اس کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔

سرِ بازار ایک اجنبی کا اس طرح پیروں میں گر جانا بڑا حیران کن واقعہ تھا۔ گھبرا کے پیچھے ہٹا اور غور سے دیکھا تو مزید حیران ہوا۔ وہ دُخترِ بابل شمورہ کا غلام اور پیغام رساں اِکتانا تھا۔

''ارے اِکتانا! یہ تُو ہے؟''

''حضور ____ ! جنابِ والا ____ ! سرکارِ عالی ____ !'' عجمی غلام گھبراہٹ یا مہرتاب کے اچانک مل جانے کی خوشی میں کتنے ہی القاب دہراتا کھڑا ہو گیا اور بتانے لگا۔ ''جنابِ عالی! غلام صبح سے حضور کی تلاش میں بھٹک رہا ہے اور دیوتا جھوٹ نہ بلوائیں تو اس وقت تک کئی راستے اور بازار ناپتا ہوا بیس پچیس میل کا سفر طے کر چکا ہے۔ مقدس ہیکل کی طرف آتے ہوئے ابھی ابھی میں خدائے مردوک اور اس کی محبوبہ ایشتار سے آپ کے ملنے کی دُعا مانگ رہا تھا کہ اچانک حضور یہاں کھڑے نظر آ گئے جسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔''

اِکتانا گرد آلود جوتیوں، دُھول سے اٹے کپڑوں اور چہرے کی پریشان خاطری سے واقعی کوئی مسافر معلوم ہوتا تھا جس نے طویل سفر کیا ہو۔ شاید مہرتاب اسی لئے فوراً پہچان بھی نہ سکا تھا۔

''مگر تُو مجھے ڈھونڈ کیوں رہا تھا؟''

اِکتانا ملتجیانہ انداز میں بولا۔ ''عالی جناب! ذرا علیحدگی میں غلام کی بات سن لیں تو گوش گزار کرتا ہوں۔''

مہرتاب اُسے اپنے ساتھ لے کر زیگورات کی طرف پلٹ آیا۔ ہیکل کے سامنے تو عموماً دعائیں مانگنے والوں کا ہجوم سا رہتا مگر ندوہ کی طرف کوئی شاذ و نادر ہی آتا تھا۔ وہ اِکتانا کو اسی عمارت کی طرف لے گیا اور ایک دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو کر پوچھنے لگا۔ ''اب بتا، کیا پھر کوئی پیغام لے کر آیا ہے؟''

مگر کچھ کہنے، کچھ بتانے کی بجائے اکتانا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور مہرتاب پریشان ہو گیا۔ یہ بات خلافِ توقع اور حیرت انگیز تھی۔ سمجھا شاید اکتانا سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے اور شہزادی اسے ''کشتی کے عذاب'' میں مبتلا کر دینا چاہتی یا کوئی اور بھیانک سزا دینے کا ارادہ رکھتی ہے اور عجمی غلام اسے محض اس لئے ڈھونڈتا رہا ہے کہ وہ سفارش کر کے سزا معاف کرا دے۔ پریشان سا بولا۔ ''روتا کیوں ہے اکتانا! کیا شہزادی نے کچھ کہا ہے؟''

''جنابِ والا!'' وہ بھرائی اور کپکپاتی آواز میں کہنے لگا۔ ''آج پہلے پہر جب میں باغاتِ معلقہ سے روانہ ہوا، شہزادی صاحبہ بھی اسی طرح رو رہی تھیں، اسی طرح تڑپ رہی تھیں اور غلام نے زندگی میں پہلی بار اپنی عالی وقار مالکن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔''

مہرتاب دنگ رہ گیا۔ ''کیا شہزادی شمورہ پر کوئی مصیبت آپڑی ہے؟''

''وہ آپ کے بغیر ماہئی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہیں، آپ سے ملنے کے لئے بے قرار ہیں۔ آج انہوں نے مجھے باغاتِ معلقہ میں طلب کیا اور بچشمِ تر یہ حکم دیا کہ میں آپ کو محلّہ محلّہ ڈھونڈوں، گلی گلی تلاش کروں اور یہ پیغام پہنچا دوں کہ وہ آج رات ____ کل رات ____ پرسوں رات ایوانِ ماکلوب میں آپ کا انتظار کریں گی اور یہ بھی کہا تھا، ''تین راتوں کے بعد آنا بے کار ہو گا کیونکہ ہم نہیں ہوں گے۔'' شہزادی کا یہ فقرہ دہراتے ہوئے عجمی غلام بے حد اُداس اور سوگوار ہو گیا۔ ایک بار پھر اس کی پلکوں سے آنسو ٹوٹنے لگے اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''حضور! انہوں نے کہا ہے کہ آپ ان سے تعلق توڑ لینے میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ تعلق توڑ لینا تو آسان ہے مگر اسے جوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار عذر سن لیں۔ بس یہی کہا ہے انہوں نے اور میں حضور سے درخواست کرتا ہوں کہ آج ____ کل ____ پرسوں ایوانِ ماکلوب میں ضرور تشریف لائیں اور ربۂ جمال انلیل کی مانند حسین و جمیل شہزادی سے ملاقات فرمائیں جو آپ سے بچھڑنے کے بعد اپنے آپ سے بھی بچھڑ گئی ہیں۔ میں مردوک اور ایشتار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ سے شہزادی صاحبہ کی حالت دیکھی نہیں گئی۔ میرا دل ان کے لئے روتا ہے۔ اسی لئے آپ سے مل کر، آپ کو دیکھ کر میں اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکا۔''

عجمی غلام نے پیغام رسانی میں خوشامد، چاپلوسی اور چرب زبانی کا پورا مظاہرہ کیا مگر اپنے اندازِ بیان اور آنسوؤں کی زبان سے اس نے جو کچھ کہا اس سے حسین شمورہ کی بے چینیاں بھی عیاں تھیں اور اکتانا کے الفاظ کی تڑپ اس صورتِ حال کی بھی پوری وضاحت کر رہی تھی، جو عبرانی اسیروں کی رہائی کے بعد شہزادی کو درپیش تھی۔ اس پیغام سے اس کے بے پناہ جذبۂ محبت کا اظہار ہوتا تھا اور اب مہرتاب پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ واقعات کی رفتار اور زمانے کی گردش بھی محبت کا رُخ نہیں پھیر سکتی۔

عرفان پسند شمورہ واقعی اس سے محبت کر بیٹھی تھی۔ پیغام سے ظاہر تھا کہ اس کے دل میں، رُوح میں محبت نے شدید اضطراب پیدا کر دیا ہے جو اس کے اختیار کی قوتوں کو سلب کئے دیتا اور جذبات کو پگھلائے جا رہا تھا۔ عورت کی زندگی کے دو پہلو، دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک راحت و سکون کا پہلو جس میں وہ اپنے گھر اور خاندان کی خوشیوں میں شریک ہوتی ہے۔ دوسرا محبت کی بے قراری اور بے چینی کا پہلو جس میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتی۔ اکیلی روتی اور اکیلی تڑپتی ہے۔

دُخترِ بابل شمورہ بھی اپنی راحت و تنہائی کے عرفان سے نکل آئی اور محبت کی پریشانیوں کے حلقے میں داخل ہو چکی تھی۔ اس نے محبت کی ایک شرط بھی قبول کر لی جسے مہرتاب نے خود ناممکن بنا دیا تھا اور اب بااختیار شمورہ اپنے محبوب کے سامنے بے اختیار نظر آتی تھی۔ اس نے التجا کی تھی کہ شرطِ محبت کی ناکامی کے باوجود مہرتاب اس سے تعلق نہ توڑے اور ملنے آ جائے مگر تین راتوں کے بعد آنا بے کار ہو گا کیونکہ وہ نہیں ہو گی۔ گویا شمورہ اس پر قربان ہونے کا فیصلہ کر

چکی تھی اور یہی بات مہرتاب کو پریشان کئے دیتی تھی۔ آفریدۂ جمال بیدخت سے محبت کے باوجود شمورہ سے تعلق توڑنا اور اسے کسی المناک انجام کے حوالے کرنا نہیں چاہتا تھا۔

انہی خیالات میں گم تھا کہ اکتانا کی آواز سنائی دی۔ ''حضور!۔۔۔۔ جنابِ عالی! کیا میں اپنی حسین و مہ جبین شہزادی کو جا کر یقین دلاؤں کہ آج رات آپ ان سے ملاقات کرنے تشریف لا رہے ہیں؟''

مہرتاب ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ بے شک اس نے بیدخت کی محبت جیت لی اور اسی کا ہو کے رہنا چاہتا تھا مگر اب شمورہ کے لئے بھی اپنے دل میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بے چینی کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا۔ ''آج رات نہیں اکتانا! شہزادی سے کہنا، میں آؤں گا مگر آج رات میرا انتظار نہ کرے۔''

''پھر کب تشریف لائیں گے حضور والا؟''

مہرتاب نے سوچ کر جواب دیا۔ ''پرسوں رات میں ایوانِ مالکوب میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

اکتانا کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ ''دیوتا حضور کو سلامت رکھیں اور اپنی رحمتوں سے نوازیں۔ آپ نے شہزادی صاحبہ کو زندگی بخش دی۔ وہ آپ کا پیغام سن کر جی اُٹھیں گی۔ تو پرسوں رات کو تشریف لا رہے ہیں آپ۔۔۔۔ مگر سرکارِ عالی! ذرا وقت کا خیال رکھئے گا۔ پہلی بار آپ دیر سے پہنچے تو شہزادی صاحبہ غلام کو ''کشتی کے عذاب'' میں مبتلا کر دینے پر آمادہ ہو گئی تھیں اور اس بار تو ان کی اپنی زندگی اور موت کا سوال ہے۔''

''فکر نہ کر اِکتانا! چراغ جلتے ہی تُو مجھے اساگیلہ کے حصار میں پائے گا۔''

''پھر خادم اساگیلہ کے دروازے پر حضور کا انتظار کرے گا۔'' اچانک کوئی خیال آیا اور درخواست کرنے لگا۔ ''اگر آپ گستاخی نہ سمجھیں تو اپنی کوئی نشانی مرحمت فرما دیں تاکہ غلام شہزادی صاحبہ کو آپ کے ملنے اور ان کا پیغام حضور تک پہنچانے کا ثبوت پیش کر سکے۔''

مہرتاب سوچنے لگا۔ اپنی کون سی نشانی دے جو شمورہ کے لئے وجۂ اطمینان ہو، جسے وہ پہچان سکے۔ پھر اپنے بازو بند کا خیال آیا اور اُسے اتار کر اکتانا کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ پہلی ملاقات میں شہزادی یہ بازو بند دیکھ چکی تھی اور یقیناً پہچان بھی لے گی۔ غلام نے اُس کی نشانی جیب میں رکھ لی، جھک کر سلام کیا اور بگولے کی طرح رخصت ہو گیا۔ کیونکہ سورج غروب ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی۔

عجمی غلام کی واپسی کے بعد بھی وہ چند لمحے وہیں کھڑا سوچتا رہا کہ اس نے بابل کے خلاف ایک ایسی جنگ کا آغاز کر دیا ہے جہاں کہیں نہ کہیں شہزادی کی حمایت درکار ہوگی۔ کبھی نہ کبھی وہ اسے اپنے اختیار کے سائے میں پناہ دے سکتی ہے۔ لہٰذا تھوڑی سی محبت اور اپنی ذات کا سہارا دے کر اس کے وجود کو قائم رکھنا ضروری ہے۔

شمورہ ایک کلید شاہی تھی۔ یہ کلید اس کی مٹھی میں، اس کی جیب میں رہنی چاہئے۔

یہ اطلاع بڑی خیال انگیز تھی کہ کنواری دُخترِ بابل اس کے لئے بے چین ہے، تڑپ رہی ہے، رو رہی ہے۔ غالباً سوچ رہی ہوگی کہ اپنا قول، اپنی شرطِ محبت ہار بیٹھی اور پایۂ اعتبار سے گر گئی ہے۔ مگر حالات کا تقاضا تھا کہ مہرتاب اُسے گرنے نہ دے، مرنے نہ دے بلکہ اس کے دل میں، اس کے وجود میں اپنی محبت کے چراغ روشن رکھے۔ یوں بھی شمورہ کے دھڑکتے، تڑپتے پیغامِ ملاقات نے دل میں ہمدردی کی ایک نئی جوت جلائی تھی۔ وہ اسے اپنی عنایتوں سے بالکل ہی محروم نہیں کر دینا چاہتا تھا۔ یہ فیصلہ کر کے کہ بیدخت زہرہ جمال میری محبت اور صاحبِ اختیار شمورہ میری ضرورت ہے وہ ندوہ کی اوٹ سے نکلا اور ایک بار پھر بازار میں آ گیا۔

خیال آیا کہ ذرا چاہِ بابل کے لعنتی حصار کی جانب سے نکلتا اور فدیہ کی سُولی کا منظر دیکھتا چلے لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا اور بھرے پُرے بازار میں سیدھا چلتا اور سوچتا رہا کہ حالات کی رفتار کتنی تیز ہو گئی ہے۔ پھر اس کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔ مگر اب ارادہ کدھر کا تھا؟ منزل کون سی تھی؟

یہ بازار شارعِ اساگیلہ کی طرف جاتا تھا اور شارعِ اساگیلہ اُمراء اور اشراف کے طبقے سے گزرتا تھا جسے ''مارنبوئی''[1] کہتے تھے۔ اسی طبقے، اسی محلے کی جانب عین سڑک پر کاشانۂ زہرہ کی عمارت تھی تو مہرتاب نے یہی عمارت اپنی منزل ٹھہرائی اور کاشانۂ زہرہ میں جانے کی ٹھان لی تھی۔ بازار بہت لمبا، راستہ بہت طویل تھا۔ کم وبیش دو میل کا فاصلہ طے کر کے اس نے جونہی شارعِ اساگیلہ پر قدم رکھا، شام کے جھٹ پٹے میں بیدخت کے ہندوستانی رتھ بان شنکر کی صورت نظر آئی جو اسے دیکھتے ہی بھاگ کر قریب آ گیا جیسے اسی کے انتظار میں تھا۔

''ارے شنکر! تم کہاں؟''

کاشانۂ زہرہ یہاں سے نصف میل دور تھا۔ شنکر مضطرب لہجے میں بولا۔ ''پربھو! بہت اچھا

[1] بابل کا طبقۂ اشراف ''مارنبوئی'' کہلاتا تھا۔ (مصنف)

ہوا میں نے آپ کو دیکھ لیا۔ اس سے کاشانۂ زہرہ کی طرف جانا خطرے سے خالی نہیں اور میں سڑک پر اسی لئے گھوم رہا تھا کہ آپ کو دیکھوں تو ادھر جانے سے روک دوں۔''

یہ سنتے ہی مہرتاب کا کلیجہ اُچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ حیرت و بے تابی سے پوچھا۔

''وہاں کیا ہوا؟''

''بہت گڑبڑ معلوم ہوتی ہے پربھو!''

''کیسی گڑبڑ؟''

مہرتاب کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا سمجھا شاید سرکاری گماشتوں کو عبرانی مہمانوں کا کوئی کھوج مل گیا ہے۔ تڑپ کے بولا۔ ''مہمان تو محفوظ ہیں؟''

''ہاں محفوظ ہیں۔''

مہرتاب نے اطمینان کا سانس لیا اور شنکر ایک نئے خطرے کا اظہار کرنے لگا۔ ''تھوڑی دیر پہلے سردار ریموت آیا اور مالکن سے آپ کا پتہ پوچھ رہا تھا۔ مالکن اس سے کمرۂ ملاقات میں ملیں اور آپ کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔''

''میرا پتہ کیوں پوچھ رہا تھا؟''

''اُس نے مقصد نہیں بتایا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''تھوڑی دیر تک بیٹھا مالکن سے باتیں کرتا رہا۔ کہتا تھا نئے نئے واقعات، نئے نئے حادثات ظہور میں آ رہے ہیں۔ پھر چلا گیا اور دو سرکاری گماشتے کاشانۂ زہرہ کی نگرانی پر چھوڑ گیا کہ اگر آپ آئیں تو اسے فوراً اطلاع کر دی جائے۔''

مہرتاب سوچنے لگا۔ اس پوچھ گچھ اور نگرانی کا مطلب تو یہ ہے کہ ریموت خود اس سے تصادم چاہتا ہے۔ اچانک آموسی کا خیال آیا اور دریافت کیا۔ ''نورِ ناہید کیسی ہے؟''

''بہت پریشان، بہت خوف زدہ ہے۔ اپنی سہیلی کی سُولی کا سن کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ مگر مالکن نے سنبھال لیا۔ کوئی ہار کا چکر ہے۔''

مہرتاب نے ہندوستانی رتھ بان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔ ''شنکر! میں نے نورِ ناہید تمہاری مالکن کو سونپی ہے اور مہمان تمہارے سپرد کئے ہیں کہ اُن کی دیکھ بھال کر سکو۔ کسی پر آنچ نہیں آنی چاہئے۔''

''اپنی جان دے کر بھی مہمانوں کی حفاظت کروں گا۔ نورِ ناہید بھی مالکن کے پاس صحیح سلامت ہے لیکن دونوں آپ کے لئے بے حد پریشان ہیں۔ جب سے ریموت پوچھ گچھ کر کے گیا ہے انہیں کسی کل چین نہیں۔''

شنکر ایک پل کے لئے رُک گیا مگر بے حد فکرمند نظر آتا تھا۔ ٹھہر کے بولا۔ ''پربھو! مالکن نے کہا ہے اگر آپ ملیں تو میں ان کا یہ پیغام پہنچا دوں کہ ان کی زندگی صرف آپ کے لئے ہے۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو ان کے جیون کی ڈور بھی ٹوٹ جائے گی۔ اور نورِ ناہید نے درخواست کی ہے کہ اپنی حفاظت کیجئے۔''

''دونوں سے کہنا حوصلہ رکھیں اور گھبرائیں نہیں۔ ابھی بابل کے آہن گروں نے وہ تلوار نہیں ڈھالی جو مجھ پر چل سکے۔''

''دھن ہو پربھو! مگر خطرے آپ کی تلاش میں ہیں۔ ''موت کا سایہ'' آپ کو ڈھونڈ رہا ہے۔ ریموت سے ہوشیار رہئے۔''

''میری اس کی ملاقات ضرور ہو گی شنکر! مگر ابھی نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے شنکر کے کندھے پر دباؤ ذرا اور بڑھا دیا۔ ''مہمانوں کا خیال رکھنا۔ ان کی حفاظت ضروری ہے۔ وہ صرف تمہاری مالکن کی امید نہیں، میری جیت کے مہرے بھی ہیں۔''

یہ کہہ کر تیزی سے پلٹا اور ہندوستانی رتھ بان کو وہیں چھوڑ کر ایک طرف نکلتا چلا گیا۔ شام کے ڈوبتے وقت جب آسمان اور زمین گلے مل رہے تھے وہ اپنی نئی منزل کی طرف اُڑا جا رہا تھا کیونکہ حالات کی رفتار صرف تیز نہیں ہوئی بلکہ خطرناک صورت بھی اختیار کرنے لگی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب ریموت پر ضرب لگانے کا وقت آ گیا ہے۔

تقدیر کی طرح جو اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑتی وہ رات کے پہلے پہر بے آواز ملاحوں کی بستی میں نمودار ہوا اور سردار سیسرا کے دروازے پر دستک دی۔ پہلی ہی دستک پر دروازہ کھل گیا مگر سیسرا تنہا نہ تھا، ایک ایسا بہادر بھی جس نے گزشتہ شب چاہِ بابل کی مہم میں حصہ لیا وہاں موجود تھا۔ دونوں نے مہرتاب کا استقبال کیا اور سردار سیسرا بتانے لگا کہ آج دن بھر محلہ کبر کی ناکہ بندی رہی اور گھر گھر تلاشی ہوئی۔ بہت سے یہودی چاہِ بابل پر دھاوا کرنے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ دانیالؑ پیغمبر کو باغاتِ معلقہ میں طلب کیا گیا۔ اس کی سفارش پر یہودی چھوڑ دیئے گئے مگر ان کے چھ سات سرغنوں سے ابھی تک قلعہ اساگیلہ میں تفتیش ہو رہی ہے۔

اس خبر میں دلچسپی کا کوئی نیا پہلو نہیں تھا۔ محلہ کبر کے یہودیوں پر ایسی آفات اکثر ٹوٹتی رہتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ خود بھی اپنی رہائی اور بابل کی ذلت و رسوائی کے متعلق حضرت یسعیاہؑ اور حضرت یرمیاؑ کی پیشین گوئیاں دہرا کر اپنے لئے مصیبت کھڑی کر لیتے تھے۔ مہرتاب اس اطلاع کو نظر انداز کر کے انہیں اپنی نئی مہم کا خاکہ سمجھانے لگا اور ساری باتیں سمجھانے کے بعد فوراً ہی رخصت ہو گیا۔ اس رات انہیں پھر اسی کھنڈر میں ملنا تھا جہاں ایک رات پہلے ملے تھے۔

بابل میں دوسرے دن کا سورج ایک نئی اور انتہائی خوف انگیز خبر کے ساتھ طلوع ہوا جس نے پورے شہر میں سنسنی پھیلا دی اور خبر یہ تھی کہ رات کسی نے فدیمہ کو زندہ یا مُردہ کاٹھ سے اُتار لیا اور سُولی کی نگرانی کرنے والے چھ کے چھ پہرے دار قتل کر دیئے گئے۔

چاہِ بابل کے حصار میں بنوسلان کے تیغ زنوں کی ہلاکت کے بعد یہ ایک اور لرزہ خیز واقعہ تھا جس نے بابل میں صرف سراسیمگی کی نئی لہر نہیں دوڑائی بلکہ ریموت اور بیلشازار کے حواس پر بھی بجلی گرا دی۔ کیونکہ یہ اقدام براہِ راست ان کے خلاف تھا۔ ریموت نے فدیمہ کسبی کو گرفتار کیا تھا۔ بیلشازار نے اُسے سُولی پر چڑھانے کا حکم سنایا تھا۔

معلوم نہیں فدیمہ کاٹھ پر مر گئی یا اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی مگر اسے ریموت کے پنجوں سے چھین لیا گیا تھا۔ اب بازار کی کسبیاں، طوائفیں، ناچنے گانے والیاں، مندروں کی پجارنیں، معبدوں کی دیوداسیاں حتیٰ کہ وہ معزز خواتین بھی جو ضرورتاً یا تفریحاً ہیکلوں اور معبدوں کے حجروں میں حاضری دیا کرتی تھیں، فدیمہ کسبی سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگیں اور یہ بات ہر طرف پھیلتی چلی گئی کہ فدیمہ بہارِ حُسن پر ظلم ہوا تھا اور دیوتاؤں نے اس کا بدلہ لیا ہے کیونکہ اپنے حُسن اور جسم کو فروخت کرنے والی کوئی عورت دیوتاؤں کے شہر سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔

ریموت کے خلاف پہلی بار ایک آواز اُٹھی اور تلملا کے رہ گیا۔ اب اس شخص کی تلاش میں تھا جس نے اس پر ضرب لگائی۔

اسی دن مہرتاب کاہنِ اعظم زریہ سے فوری ملاقات کے بعد معبدِ اکور کی ڈیوڑھی میں کھڑا تھا جس کے سنگی چبوترے پر پیتل کا عظیم بیل بحالتِ غضب زمین کے پیٹ میں سینگ مار رہا تھا اور ڈیوڑھی میں معبد کی جوان اور خوب صورت دیوداسی پارکا اُسے بتا رہی تھی۔

"مقدس زریہ تھوڑی دیر پہلے چلے گئے ہیں۔ کیونکہ انہیں میرودتج بیلشازار نے طلب کیا

تھا۔"

مہرتاب جواب سن کر مایوس ہو گیا مگر پارکا اپنے کانوں کے طلائی چھلّے لہراتی اور مہرتاب کے سامنے ان کی نمائش کرتی مسکرانے لگی۔ یہ دونوں طلائی چھلّے پہلی ملاقات میں مہرتاب ہی نے بطورِ انعام دیئے تھے جنہیں اس نے اپنا زیور بنا لیا تھا۔ ہاتھ پکڑ کے بولی۔

"دیکھو میں نے تمہارے دونوں سکّے کانوں میں پہن لئے ہیں اور تم سے دوسری بار مل کر بہت خوش ہوں۔ اندر آ جاؤ۔ اگر مقدس زریہ نہیں تو کیا ہوا، تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھو۔ شاید زریہ جلد لوٹ آئیں۔"

مہرتاب کو جلدی تھی۔ "تمہارے پاس بیٹھنے کو پھر کبھی آؤں گا۔"

"وعدہ کرتے ہو؟"

"وعدہ ہی سمجھو۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔ تم جب اور جس وقت بھی چاہو یہاں آ کر مجھ سے مل سکتے ہو۔" پھر کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ "اگر مقدس زریہ سے کچھ کہنا ہے تو مجھے بتاتے جاؤ، میں تمہارا پیغام پہنچا دوں گی۔ مجھے قابلِ اعتماد سمجھو۔"

"سنا ہے زریہ کے پاس زخموں کو اچھا کرنے والا کوئی آزمودہ مرہم ہے۔ کسی زخمی کے لئے درکار تھا۔" مہرتاب نے سرگوشی کی۔

"وہ مرہم تو میں بھی دے سکتی ہوں تمہیں۔" پارکا، کا لہجہ بھی سرگوشیانہ تھا۔

مہرتاب نے مسکرا کر دیکھا۔ "پھر تو مجھے تمہاری پیش کش قبول کرنا ہو گی۔"

مگر اسی لمحے حسین دیوداسی کسی کو اس کے عقب میں دیکھ کر چونک گئی۔ مہرتاب نے پلٹ کر دیکھا تو وہیں پتھر سا ہو گیا۔ مقدس بیل کے مجسمہ سے چند قدم آگے امورِ خفیہ کا سربراہ ریموت اس کا منتظر تھا......!

(34)

سودا

◎

ریموت کو دیکھتے ہی مہرتاب کو خیال گزرا شاید یہ آدمی اُسے بیدخت زہرہ جمال کی تیسری شرط پوری کرنے کی مُہلت نہیں دے گا۔ معبد اکور میں "گھیر" لینے کا مطلب یہی تھا کہ تصادم پر آمادہ ہے۔ جب کہ وہ تصادم سے بچنا چاہتا اور فی الحال اس گھڑی کو ٹال دینے کی فکر میں تھا جو شاید مقدر ہو چکی تھی۔

ریموت معبد اکور کے سنگی چبوترے پر بعل کے عظیم مجسمے کی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔ گویا دیوتا کی طاقت اس کے پسِ پشت تھی۔ دائیں بائیں "سایۂ اجل" کے دو نائب تھے۔

اُدھر مہرتاب کا ایک قدم معبد کی ڈیوڑھی کے اندر، دوسرا دہلیز کے باہر تھا اور عقب میں معبد اکور کی حسین دیوداسی پارکا اس صورتِ حال کو بڑی حیرت و دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جو اسے بھی بڑی عجیب لگی۔ ریموت کے انداز سے ظاہر تھا کہ اسے کوئی اہم کام درپیش ہے جس کے لئے اس کی واپسی کا بے چینی سے منتظر ہے۔

مہرتاب نے سوچا، شاید پیچھے ہٹنے کا وقت گزر چکا ہے۔ ویسے بھی پیچھے ہٹنا اور مُڑ کر دیکھنا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ وہ ایک جھٹکے میں دہلیز سے باہر آ گیا۔ اُدھر ریموت نے بھی حرکت کی۔ دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ جتنے قدم ایک نے اٹھائے، اتنے ہی دوسرے نے۔ دونوں بالکل ایک دوسرے کے مقابل رُک گئے جیسے بجلیوں سے بھرے دو بادل ٹکرانے والے ہوں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور عجیب تھیں وہ نظریں۔

اچانک منظر میں ایک حیرت انگیز تبدیلی ہوئی۔ ریموت نے اپنا ہاتھ مہرتاب کے کندھے

پر رکھ دیا اور بڑے سفاکانہ انداز میں مسکرا کے گویا ہوا۔ "اب تم زیادہ پریشان نہیں کر سکو گے۔ دو روز کی تلاش کے بعد میں نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا۔"

جواب بھی ویسا ہی سفاکانہ تھا۔ "مجھے ڈھونڈنے والے خود گم ہو جایا کرتے ہیں سردار ریموت......!"

"میں ان لوگوں میں سے نہیں مہرتاب! دیکھ بھال کر چلتا ہوں اور جب چلتا ہوں تو کئی آدمیوں کی تقدیر میرے ساتھ چلتی ہے۔"

"شاید انہی میں ایک فدیمہ کسبی بھی تھی جسے تم نے سُولی پر چڑھا کر بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔"

ریموت بری طرح چونکا۔ مرد کا ایک کمزور عورت پر وار کرنا کسی زمانے میں بھی بہادری اور مردانگی کی علامت نہیں سمجھا گیا۔ مہرتاب نے اسے یہی بات یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔ وہ کٹ کے رہ گیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے سے ہٹا لیا۔ "شاید فدیمہ کسبی کے بارے میں کچھ اور بھی جانتے ہو۔"

"صرف یہی کہ وہ تمہارے ظلم کا شکار ہوئی۔"

"جسے تم ظلم کہتے ہو، وہ ایک ضابطے کی کارروائی تھی۔"

"کچھ بھی ہو۔ عورت پر اٹھنے والے ہاتھ کمزور ہوتے ہیں۔"

"کسی روز تمہیں یہ ہاتھ آزمانے کا موقع دوں گا۔"

مہرتاب "کسی روز" کے الفاظ پر ذرا حیران ہوا اور سوچنے لگا اگر معاملہ کسی دوسرے روز پر اٹھا رہا ہے تو پھر آج کیا لینے آیا ہے؟

حسین پارکا ڈیوڑھی میں کھڑی حیرت سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ آج تک کسی نے ریموت کے ساتھ اس لہجے میں بات نہ کی ہوگی۔ وہ مہرتاب کی جرأت پر خوش بھی تھی اور صورتِ حال پر حیران بھی کہ اب کیا ہوا چاہتا ہے۔

ریموت نے بات آگے بڑھائی۔ "اچھا ہوا مہرتاب! یہ ذکر تم نے خود چھیڑ دیا۔ مقدس گوما نے کہا تھا نئے نئے واقعات، نئے نئے حادثات تمہارے لئے ظہور میں آئیں گے۔ دو روز میں بہت سے عجیب واقعات ہو گزرے اور اب مجھے یہ معلوم کرنے میں دلچسپی ہے کہ ان دنوں تم کہاں رہے؟"

ریموت اپنے مطلب پر آ گیا۔ مہرتاب نے جواب کا بوجھ اسی پر ڈال دیا۔ ''تمہارے خیال میں مجھے کہاں ہونا چاہئے تھا؟''

''کاشانۂ زہرہ میں تو نہیں تھے۔''

''وہاں بھی تلاش کرتے رہے ہو؟'' انجان سا بن کر بولا۔ ''میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ کاشانۂ زہرہ میں نہیں، زہرہ جمال بیدخت کے دل میں رہتا ہوں۔''

ریموت کا لہجہ بھی کچھ بدل گیا۔ ''اگر تم شاہی وقائع نویسوں کے سردار تیرگل کے دفتر میں اپنا پتہ لکھوا دیتے تو نہ میں شہر میں بھٹکتا، نہ کاشانۂ زہرہ میں جاتا۔''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو، دو روز میں جو واقعات ہوئے ان کا میری ذات سے کوئی تعلق ہے؟''

ریموت نے اپنا ہاتھ تلوار کی طرح بلند کیا۔ ''مہرتاب! میں نہیں جانتا مقدس گوما نے آسمان کی کتابِ اسرار پر تمہارے متعلق کیا پڑھا، کیا نہیں پڑھا۔ کیونکہ غیب دانوں کے الفاظ بڑے پیچیدہ اور ان کے معانی بھی بڑے مبہم ہوتے ہیں۔ مگر جس روز مجھے شبہ گزرا کہ ان واقعات سے تمہارا کوئی تعلق ہے، تم دو دن تو کیا دو پل بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکو گے۔''

یہ بات مہرتاب کی توقع کے بالکل برعکس ہوئی تھی کہ ابھی تک ریموت کو اس پر شبہ نہیں ہوا۔ ''پھر مجھے کس لئے ڈھونڈ رہے ہو بندۂ مردوک؟''

''بادشاہ کے حکم پر۔''

مہرتاب پھر چونکا۔ ''کیوں؟''

ریموت نے معاملے کی بالکل ہی نئی صورت بیان کی۔ ''امسال جشنِ زہرہ قبل از وقت منایا جا رہا ہے۔ کل بادشاہ نے اچانک مجھے طلب کر کے حکم سنایا کہ ہماری طرف سے مہرتاب کو جشنِ زہرہ میں شرکت کی خصوصی دعوت دو اور جلد مطلع کرو کہ ہمارا پیغام اسے مل گیا یا نہیں۔''

مہرتاب نے اطمینان کا سانس لیا۔ ریموت سے تصادم کی گھڑی واقعی ٹل گئی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ''شاہی پیغام پہنچانے کے لئے کل سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں اور مردوک کا شکر ہے کہ آج تم مل گئے۔ اب بادشاہ کا پیغام سنو۔ جشنِ زہرہ کی رات تمہیں باغاتِ معلقہ کے چھٹے حصے میں پہنچنا ہے جہاں شہزادوں، خاندانِ بخت نصر کے عزیزوں، خاص اُمراء اور گنتی کے چند فوجی افسروں کے سوا کسی کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی۔'' اس کے ساتھ ہی ریموت نے ایک گول تمغہ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ''یہ نشان صرف ان خاص مہمانوں کو دیا جاتا ہے جنہیں

بادشاہ مدعو کرتا ہے۔''

مہرتاب نے تمغے پر نظر ڈالی جس پر زہرہ دیوی کی صورت کندہ تھی اور ریموت اُسے بتانے لگا۔ ''جشن کی رات دیوی کی مورت تم اپنے سینے پر ٹانک لو گے اور کوئی پہرے دار تمہیں چھٹے حلقے میں داخل ہونے سے روکنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ دروازے پر وقائع نویسوں کے سردار تیرگل کو موجود پاؤ گے۔ وہ تمہیں فوراً ایوانِ خاص میں پہنچا دے گا جہاں عالی جہاں خلوت میں تمہارے منتظر ہوں گے۔''

مہرتاب سے ملاقات کے لئے شاہ بنونید کا یہ اہتمام بے حد سنسنی خیز تھا۔ ریموت نے اس کی حیرت میں مزید اضافہ کر دیا۔ ''اب میں بادشاہ کے آخری الفاظ تمہارے گوش گزار کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں اور یہ ہیں وہ الفاظ کہ مہرتاب سے کہنا ہم تمہاری غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں سنیں گے۔۔۔۔۔ میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اب تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔''

''بادشاہ کا خاص دعوت نامہ میرے لئے باعثِ عزت ہے۔ میں اسے شکریے کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔'' پھر اچانک پوچھا۔ ''مگر جشنِ زہرہ کے لئے تاریخ کون سی مقرر ہوئی ہے؟''

''آج سے ٹھیک چھٹی رات۔''

''تو ٹھیک ہے۔ چھٹی رات میں باغاتِ معلقہ میں پہنچ جاؤں گا۔''

''بڑے خوش نصیب ہو مہرتاب! چھٹے حلقے میں داخلہ صرف اقبال مندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ بابل کے معزز گھرانوں کی حسین کنواریاں اسی حلقے میں مدعو کی جاتی ہیں جو دیوی کی خوشنودی کے لئے آتی ہیں۔''

مہرتاب کلدانیوں کے اصنامی عقائد سے اچھی طرح آگاہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ان کے نزدیک ربۂ زہرہ کنواریوں کی دوشیزگی لٹتے دیکھ کر خوش ہوتی اور ان پر مہربانی کی نظر ڈالتی ہے۔ پھر بھی اس خیال سے بدن میں سنسنی دوڑ گئی کہ عنقریب باغاتِ معلقہ میں عیش و مستی کا ایسا نیرنگِ زمانہ جشن ہونے والا ہے جو بابل کے علاوہ روئے زمین پر کہیں نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ذہن میں اُبھرنے والے خیال کا اظہار کرنے لگا۔

''سردار ریموت! تم امورِ خفیہ کے سربراہ اور ان خطروں سے اچھی طرح واقف ہو جو اس وقت بابل کو درپیش ہیں۔ ایرانی لشکر کالدیا کی سرحدوں کے اندر چھاؤنی ڈالے بیٹھے ہیں۔ سنا ہے کل رات کورش کے دستوں نے فرات کی دو ساحلی بستیوں پر بھی قبضہ کر لیا جو [illegible]ل کی جانب

صرف پانچ سات میل دور ہیں۔ ایرانیوں نے کچھ لوگ گرفتار کر لئے باقی سب مردوں عورتوں کو شہر کی طرف دھکیل دیا۔ میں نے آج ہی فرات کی بندرگاہ پر ان کا جمگھٹا دیکھا ہے۔ ان حالات میں جب ایرانی بابل سے کچھ اور قریب آ گئے ہیں اور اہلِ بابل کو ان کے مقابلے کی فکر ہونی چاہئے، کیا جشنِ زہرہ کی تیاریاں حیران کن نہیں؟"

ریموت توجہ سے اس کی بات سنتا رہا، پھر قہقہہ مار کے ہنسا۔ "بابل گار جیت نہیں مہرتاب! جسے ایرانی آسانی سے ہڑپ کر لیں گے۔ کورش ایمکو ربل کے مضبوط حصار میں کبھی داخل نہیں ہو سکتا۔ بابل دیوی دیوتاؤں کا شہر ہے اور وہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ عالی جاہ جشن منا کر ایرانیوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم ان سے خوفزدہ نہیں۔"

"مگر بہت سے لوگ جنگ کے خطروں سے ہراساں ہیں۔"

"جشنِ زہرہ کے بعد ان کا خوف بھی دُور ہو جائے گا اور وہ زندگی کے معمولات میں زیادہ دلچسپی لے سکیں گے۔ لوگوں کو صرف یہ اطمینان ہونا چاہئے کہ دیوی دیوتا ان سے خوش ہیں اور جشنِ زہرہ اسی لئے منایا جا رہا ہے کہ دیوی کی خوشنودی حاصل ہو۔"

مہرتاب یہ سن کر دل ہی دل میں خوش ہو گیا کہ امورِ خفیہ کا سربراہ بھی ایرانی لشکروں کو خطرہ نہیں سمجھتا۔ وہ اطمینان کی اسی "مصنوعی فضا" میں اپنے خفیہ منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔ اب اس نے بابل کے اندر ہونے والے ہولناک واقعات کا ذکر بھی مناسب نہ سمجھا۔ مگر ریموت نے رخصت ہونے سے پہلے ایک بار پھر اسے چونکا دیا۔

"ہم کورش کے حملے سے نہیں مگر ان واقعات سے ضرور پریشان ہیں جو دو روز میں ہو گزرے۔ اس لئے تمہیں مشورہ دوں گا کہ فدیمہ کبی کے معاملے سے بھی دور رہو۔"

"بندۂ مردوک! مجھے کسی کبی سے کیا واسطہ؟"

"صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ فدیمہ کے معاملے میں ایک سنگین جرم ہوا ہے۔"

"کیا کسی مجرم تک پہنچ گئے ہو؟"

"مجرم بعض اوقات آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور قانون ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ لیکن ایک دن زنجیر خود بخود انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔" یہ کہہ کر ریموت پلٹا اور اس پر شک وشبہ کا سایہ ڈالتا اپنے دونوں نائبوں کے ہمراہ رخصت ہو گیا۔ الفاظ اگرچہ مبہم تھے مگر ان کا ایک مفہوم ضرور تھا۔ ریموت نے اشارے کی انگلی شاید اسی کی طرف اٹھائی تھی۔ مہرتاب نے سوچا،

شک تو اُسے ہو چکا ہے مگر ثبوت چاہتا اور ہاتھ ڈالنے کے لئے کسی مناسب موقع کا منتظر ہے۔ پھر زیرِ لب بڑبڑایا۔

"ریموت! تمہیں وہ موقع کبھی نہیں مل سکے گا۔ کیونکہ میں اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑتا۔"

آواز اتنی مدھم تھی کہ خود بھی بمشکل سن سکا۔ ٹھیک اسی لمحے ایک نازک سا، کومل سا ہاتھ کندھے پر آیا۔ گردن موڑ کے دیکھا تو معبد اکور کی حسین دیوداسی عقب میں کھڑی تھی۔ آہستہ سے بولی۔

"عورت کا ہاتھ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، مرد کی پشت پر رہے تو اسے قوت عطا کرتا ہے۔"

مہرتاب اس کے الفاظ میں الجھ گیا۔ حیرت سے دیکھنے لگا۔ اس نے پھر سرگوشی کی۔ "میرا خیال ہے تمہیں ریموت کے خلاف مدد کی ضرورت ہے اور میں وہ مدد مہیا کر سکتی ہوں۔ مگر یہاں گفتگو مناسب نہیں ہو گی۔ اندر آ جاؤ۔"

یہ پیشکش اتنی غیر متوقع لیکن پُرکشش تھی کہ وہ مسترد نہ کر سکا اور چپ چاپ پیچھے ہو لیا۔ پارکا ڈیوڑھی عبور کر کے مختلف راہداریوں سے گزرتی معبد کے عقبی حصے میں پہنچی اور ایک طویل سنگی زینے پر چلتی اُسے اوپر کے ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں لے آئی جہاں ایک پُرتکلف بستر بھی تھا اور بیٹھنے کے لئے ریشمی مسند بھی۔ فرش پر قالین بچھا تھا۔ دروازوں اور دریچوں پر خوب صورت پردے آویزاں تھے۔ وہ اس سج دھج پر حیران ہوا۔ دیوداسیوں کے کمرے ایسے پُرتکلف نہیں ہوتے۔ اُسے پارکا کی حیثیت ازسرِ نو متعین کرنا پڑی جو آراستہ کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر آنے لگی۔ حالانکہ مہرتاب نے پہلے کبھی اس کے جمالیاتی پہلو پر توجہ نہیں دی تھی مگر اب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سانولی سلونی صورت اور تیکھے، دلفریب نقوش کے ساتھ اصل سرمایۂ جمال اس کا سڈول بدن ہے۔

اس نے مہرتاب کو مسند پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خود بھی پاس ہی بیٹھ گئی اور بتانے لگی۔

"معبد اکور کے سب کاہن، پجاری، نے نواز، مغنی اور خادم میرے حکم کے پابند ہیں کیونکہ مجھ پر مقدس زریہ کی نظرِ عنایت ہے۔"

"مگر تم ریموت کے خلاف میری مدد کیوں کرنا چاہتی ہو؟"

پارکا شاید اسی سوال کی منتظر تھی، مسکرا کے بتانے لگی۔

"جب عورت کسی مرد کو پسند کر لیتی ہے تو آپ سے آپ اس کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے۔ میں تو اسی دن سے تمہاری مشتاق ہوں جب تم پہلی بار معبد اکور میں آئے اور سونے کے دو چھلّے مجھے انعام میں دے گئے تھے کہ کانوں میں پہن لوں۔ میں لوگوں سے انعام لینے والی دیوداسی نہیں مگر اُسی دن سے تمہارے دونوں چھلّے میرے عارض چومتے رہتے ہیں۔"

مہرتاب نے ان طلائی چھلّوں سے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ اس سے لگاؤ رکھتی ہے مگر ان ساری جذبات آفرین باتوں کو نظر انداز کر کے جو ایسے موقع پر عموماً کی جاتی ہیں پوچھنے لگا۔ "ریموت کے خلاف میری مدد کس طرح کر سکتی ہو؟"

پارکا نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر جواب دیا۔ "ایک بڑے فوجی افسر کے ساتھ خاص تعلقات رکھتی ہوں جو میرے اشارے پر سب کچھ کر سکتا ہے۔"

"مگر معلوم بھی ہو وہ کون ہے۔ کوئی چھوٹا موٹا فوجی افسر ریموت کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا۔"

جواب میں پارکا نے ایک ایسا نام لیا جسے سن کر مہرتاب مارے حیرت کے مسند سے اٹھ کر فرش پر آ گیا۔ کیونکہ وہ نام کلدانی فوج کے سربراہ جنگجو بیلشازار کے بعد سب سے اہم فوجی سردار نرقال کا تھا۔ جس کی چھوٹی بہن بیلشازار کے حرم میں تھی اور نرقال[1] کلدانیوں کے ایک دیوتا کا نام بھی تھا جسے "لشکروں کے خدا" مردوک کے جنگی روپ کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

اگر سردار نرقال سے پارکا کے خاص تعلقات تھے جیسا اس نے کہا تو اس کی حیثیت بڑی اہم ہو گئی تھی۔ کیونکہ سردار نرقال ایمگور بل کے شمالی برجوں، دروازوں اور دریائی پشتوں کی حفاظت کرنے والی فوج کا سپہ سالار تھا اور فرات کے شمالی برج مہرتاب کے خفیہ منصوبے کے سب سے اہم جزو تھے۔

اس نے سوچا، شاید پارکا کا ہاتھ قدرت کا ہاتھ ہے جو خود بخود اس کی حمایت پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اب وہ سردار نرقال سے اس کے تعلقات کی نوعیت جاننا چاہتا تھا۔

"کیسے تعلقات ہیں تمہارے نرقال سے۔ میرا مطلب ہے ان تعلقات پر بھروسہ کیا جا

[1] بحوالہ ہیرلڈلیم۔ نرقال "مردوک جنگ" تھا۔ بابل میں دیوتاؤں کے نام بطور لقب اختیار کئے جاتے تھے چنانچہ بخت نصر نے اپنے عہد میں عبرانی پیغامبروں اور دانشوروں کو دیوتاؤں کے القاب دیئے تھے۔ (ملاحظہ ہو کتاب دانیال۔ عہد نامۂ قدیم)

سکتا ہے؟"

پارکا کے ہونٹوں پر پھر دل نگاری مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے چند لفظوں میں بڑی اہم بات کہہ دی۔ "میں داشتہ ہوں نرقال کی۔"

مہرتاب پر پارکا کے کمرے کی آرائش اور سج دھج کا معاملہ بھی کھل گیا۔ وہ اس کی معلومات میں مزید اضافہ کرنے لگی۔ "چار سال پہلے میں سولہ برس کی کنواری تھی۔ جشنِ زہرہ کی رات سردار نرقال نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں نے اس کے ساتھ پورا تعاون کیا تھا۔ جشن کی رات بعض عاشق اپنی ساتھی لڑکیوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ کر لیتے ہیں مگر نرقال نے میرا کسی سے تبادلہ نہ کیا اور مجھے اپنی داشتہ بنانے کی عزت بخشی۔"

حسین پارکا کی تیکھی اور بانکی شخصیت کچھ اور اہم ہو گئی۔ "جب اسے میرا کام کرنے کے لئے کہو گی، وہ یہ نہیں پوچھے گا کہ میرا تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"ابھی تو میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوا مگر ہو جائے گا۔ اور نرقال خود چاہتا ہے کہ میں کسی سے تعلق کر لوں۔"

"وہ کیوں چاہتا ہے؟"

"ایک سال سے جنگی امور میں بے حد مصروف ہے۔ آج کل شمالی برجوں کی نگرانی سے اسے فرصت نہیں ملتی۔ پھر بعض سرکاری اور گھریلو معاملات بھی ایسے ہیں کہ مجھے پہلے کی طرح وقت نہیں دے سکتا۔ اس کی خواہش ہے کہ میں اپنے لئے کوئی قابل اعتماد آدمی ڈھونڈ لوں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم سے جی بھر گیا اور اب دامن چھڑانا چاہتا ہو؟"

"نہیں مہرتاب! وہ آج بھی مجھ پر جان چھڑکتا ہے۔" پارکا پُراعتماد لہجے میں کہنے لگی۔ "آزمانا چاہو تو آزما سکتے ہو۔"

"پھر نرقال سے میری دوستی کرا دو۔"

"مگر اس سے پہلے تمہیں میرے ساتھ دوستی کرنا ہو گی۔"

پارکا اس کے ساتھ سودا کر رہی تھی اور مہرتاب کے نقطۂ نظر سے یہ سودا برا نہیں تھا۔ وہ شمالی برجوں تک پہنچنے کے لئے ہر داؤ کھیلنے پر تیار تھا۔ پارکا کا کومل سا ہاتھ پکڑ کے بولا۔ "لو، آج سے تم میری اور میں تمہارا دوست ہوں۔"

حسین دیوداسی نے فرطِ جذبات میں اس کا مضبوط ہاتھ کئی بار چوما، کئی بار اپنے عارضوں

پر لگایا۔ ''مہرتاب! جیسا میں نے کہا ہے تم نرقال کو ویسا ہی پاؤ گے۔ اب کوئی کام بتاؤ جو میں اسے تمہاری خاطر کرنے کے لئے کہوں۔''

وہ ریموت کو بالکل بھول گیا اور پوچھنے لگا۔ ''کیا نرقال تمہارے کہنے پر مجھے فرات کے شمالی بُرج دکھا سکتا ہے؟''

پارکا حیران ہوئی۔ ''اُن بُرجوں کو دیکھ کر کیا کرو گے؟''

''اگر اس نے تمہاری یہ خواہش پوری کر دی تو سمجھوں گا واقعی تمہارا کہا مانتا ہے۔''

''میرے اور نرقال کے تعلقات کا امتحان لینا چاہتے ہو؟''

''یہی سمجھ لو۔''

''بولو، بُرج کب دیکھو گے؟''

مہرتاب نے ایک پل سوچا۔ ''پرسوں دن کو۔''

''پرسوں سویرے دیوتا کی عبادت کے وقت معبد میں آ جاؤ۔ میں نرقال کو پیغام بھیج کر بلا لوں گی اور اسی کمرے میں تم دونوں کا تعارف بھی ہو جائے گا۔''

یہ ایک اہم معاملہ تھا کہ پارکا نے پرسوں ہی اُسے شمالی برج دیکھنے اور سردار نرقال سے متعارف کرانے کی ٹھان لی تھی۔ اپنی کامیابی کے تصور سے مہرتاب کے بدن میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ پارکا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کب تک کھڑے رہو گے؟ میرے پاس بیٹھو نا۔''

مہرتاب اس کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ لگ کر مسند پر بیٹھ گیا۔ اب پارکا اُس کی بساط کا حسین مہرہ تھی، کہنے لگی۔ ''مہرتاب! تم سے اپنی دوستی کا صلہ تمہاری شرط پوری ہونے سے پہلے طلب نہیں کروں گی۔''

وہ سمجھتا تھا کہ پارکا کیا چاہتی ہے، پھر بھی اس کی دلچسپی میں اضافہ کرنے کی خاطر پوچھ لیا۔ ''تمہاری دوستی کا صلہ کیا ہو گا؟''

''اگر نرقال نے میری فرمائش پر تمہیں شمالی بُرج دکھا دیئے تو پرسوں رات میں اسی کمرے میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' یہ کہہ کر اپنا کومل سا، نازک سا ہاتھ بڑھایا۔ گویا پرسوں رات کا وعدہ چاہتی تھی۔ مہرتاب نے کسی تامل کے بغیر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور یہ ان دونوں کے مابین ایک پیمان تھا یا ایک سودا۔ پارکا نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

''سن چکی ہوں تم دنیا کی حسین عورت کے دل میں رہتے ہو۔ بیدخت زہرہ جمال سے محبت کرتے ہو۔ میں تمہیں روکوں گی نہیں، مگر اس محبت سے تھوڑا سا حصہ ضرور طلب کروں گی۔ اور تمہیں بھی تمہارے حصے کی پوری راحت دوں گی۔''

حسین پارکا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ایک پل ٹھہر کے کہنے لگی۔ ''شاید یہ بات تمہارے لئے اچنبھا ہو کہ میں اور بیدخت ہم عمر ہیں اور چار برس پہلے دونوں اکٹھی جشنِ زہرہ میں مدعو کی گئی تھیں۔ باغاتِ معلقہ میں جشن کی رات نرقال نے مجھے اور بیلشازار نے جو ان دنوں ''شاہِ حاضر'' تھا بیدخت زہرہ جمال کو پسند کر لیا......''

یہ سنتے ہی مہرتاب کا دماغ سنسنا اٹھا۔ تڑپ کے بولا۔ ''تو کیا بیدخت بھی......'' مگر الفاظ حلق میں اٹک کے رہ گئے۔ جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ نہ سکا، جو کچھ پوچھنا چاہتا تھا پوچھ نہ سکا۔ پھر بھی بانکی اور تیکھی دیوداسی اس کا مطلب سمجھ گئی۔

''ارے اس بات پر حیران کیوں ہوتے ہو؟ وہ ربۂ زہرہ کی خاص عقیدت گزار ہے اور زہرہ کی کوئی پجارن سولہ برس کے بعد کنواری نہیں رہ سکتی۔ میں یہ تو نہیں جانتی کہ باغاتِ معلقہ کے حجلۂ عیش میں بیلشازار اور بیدخت کے درمیان ''حسین واردات'' کس طرح ہوئی ہو گی مگر بیلشازار ان دنوں تختِ اژدر پر بیٹھتا اور سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ تم خود سمجھ سکتے ہو، ایک بہادر اور جنگ جو حکمران کی خواہش سے انکار بہت مشکل کام ہے۔ پھر جشنِ زہرہ کی رات تو بڑی خوشیوں کی رات ہوتی ہے۔ اسی جشن کے بعد بیدخت کو ''زہرہ جمال'' کا خطاب اور شاہی رقاصہ کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔''

پارکا کے الفاظ برقِ آسمانی بن کر دل پر ٹوٹے۔ اندر ایک تڑاقا سا ہوا اور وہ تڑپ کر ایک بار پھر مسند سے فرش پر آ گیا۔

یہ ایک لرزہ خیز انکشاف تھا کہ بیدخت اور بیلشازار کے درمیان کوئی ''حسین واردات'' ہو چکی تھی اور کائنات کی سب سے حسین عورت جس کی تین کڑی خواہشوں میں سے دو خواہشیں پوری کر چکا تھا اور جس کی خاطر بابل کی صاحبِ جمال، صاحبِ اختیار شہزادی ''کنواری دُخترِ بابل'' کو بھی ہیچ سمجھتا رہا، اپنی ذات کا سب سے قیمتی جوہر لٹا بیٹھی تھی۔ مہرتاب کی بے چینی ناقابلِ بیان تھی۔ پلٹ کے پوچھا۔ ''کچھ اور بھی ہے؟''

''اور تو کچھ نہیں۔'' پارکا نے جواب دیا۔ ''ہاں، یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ بہادر

اور جنگجو بیلشازار زہرہ جمال کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا مگر اس نے چار سال کی مہلت مانگ لی۔ مجھے سردار نرقال نے بتایا تھا کہ بیدخت مہلت پر ہے اور یہ مہلت اسی سال تشرین کے مہینے میں ختم ہو جائے گی۔"

یہ ایک اور سنسنی خیز انکشاف تھا جس نے دل پر ایک اور چوٹ لگائی۔ اب اسے یاد آیا، ساحلِ فرات پر جب بیدخت اپنی پہلی خواہش بیان کرنے کے بعد اسے ایوانِ ماکلوب کے تہ خانے سے شاہ یوسیفر کی پرانی قبا اُڑا لانے کی ترغیب دے رہی تھی اس نے کہا تھا۔ "اگر میں چاہوں تو شاہ بنونید کے تمام خزانے اور سارے نوادرات صرف ایک رات کے اندر کاشانۂ زہرہ میں منتقل کر دیئے جائیں۔ اس کے لئے مجھے صرف بیلشازار کی محبت کا اقرار کرنا پڑے گا جو میں نہیں چاہتی۔"

گویا بیلشازار کے ساتھ اس کا کوئی معاملہ ہو گزرا تھا اور کسی خاص وجہ سے اس کی محبت کا اقرار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ البتہ چار سال قبل جشنِ زہرہ کی رات اس کے حجلۂ عیش میں گزار آئی تھی اور عیش و مستی کی اسی رات کے عوض اس نے "زہرہ جمال" کا خطاب اور شاہی رقاصہ کا اعزاز پایا یعنی اپنی شبِ عیش کی قیمت وصول کی۔ ان انکشافات کے بعد مہرتاب محسوس کرنے لگا جیسے سب کچھ ختم ہو چکا اور کائنات ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی ہے۔

چند ساعتیں اسی حالت کرب میں گزر گئیں۔ تصور بیلشازار کے حجلۂ عیش سے نکلتا ہی نہیں تھا اور چار سال پہلے کی گزری ہوئی رات ناگن کی طرح مہرتاب کے دل کو ڈسے جا رہی تھی۔ یہ احساس بڑا تکلیف دہ تھا کہ وہ ایک ہاری ہوئی عورت کو جیتنا چاہتا اور اب تک ایک سراب کے پیچھے بھاگتا رہا ہے۔ اندر کوئی شے ٹوٹ پھوٹ رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا کہ کسی بلندی سے نیچے آ گرا ہے۔ اچانک ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی۔

"عورت مرد کے زوال کے لئے پیدا کی گئی ہے۔"

یہ آواز اس کے اپنے ذہن کی نہیں کسی اور کی تھی مگر انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ وہ بیدخت زہرہ جمال کو دنیا کی تمام عورتوں حتیٰ کہ دیویوں سے بھی بالاتر، مقدس اور معصوم عن الخطا سمجھتا اور نہ جانے کیوں اسے اچھوتی اور کنواری اور عفت و عصمت کی دیوی قرار دینے پر مُصر تھا۔ حالانکہ وہ ربۂ زہرہ کی پرستار تھی اور ازالۂ عصمت دیوی کا پہلا نذرانہ تھا۔ مگر بیدخت کے بے مثال حُسن اور بے نظیر دل کشی کے باعث مہرتاب نے اس کے اردگرد تقدیس و تحریم کا ایک

ایسا خیالی ہالہ سا بُن دیا تھا جس میں دنیا کا کوئی انسان نہ تو داخل ہو سکتا ہے نہ اُسے ہاتھ لگانے اور چھونے کی جرأت کر سکتا ہے۔ گویا وہ انسانوں کے دستِ نارسا سے دُور ایک ماورا ہستی تھی۔ مگر دیوانے عاشق بھول جاتے ہیں کہ ہر حسین جسم کے اندر خون ہوتا ہے اور ہر پردۂ جمال میں ایک "عورت" بہر حال پوشیدہ رہتی ہے جس کی کچھ خواہشیں، کچھ ضرورتیں، کچھ کمزوریاں، کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں جو بشریت کا تقاضا ہیں اور وہ ان کے حلقے سے نکل نہیں سکتی۔

عورت کی اصل تقدیس اس کی محبت سے شروع ہوتی ہے۔ جب وہ کسی مرد کو مرکزِ نگاہ بنا کر خود بھی اس کے دائرۂ خیال میں آ جاتی اور روح کے ساتھ اپنے جسم کو بھی اس کے لئے محفوظ کر لیتی ہے مگر اپنے گزرے دنوں اور بیتی راتوں کو درمیان میں نہیں لاتی۔ یہی عورت کی عظمت ہے یہی اس کی تقدیسِ محبت ہے۔ کیونکہ بہت سے حلقوں میں رہتی پھر بھی کسی ایک کی ہو جاتی ہے۔

پارکا کی باتوں نے بیدخت کے اس آئینۂ تقدیس میں کچھ دراڑیں ڈال دیں جو مہرتاب نے اپنے خیالوں میں سجا رکھا تھا۔ لیکن اس حقیقت کو بھول گیا کہ وہ کوئی ماورا ہستی نہیں بلکہ گوشت پوست کی ایک حسین ترین عورت ہے جس کی شریانوں میں جوانی کا خون دوڑتا ہے اور جو طاقت کی اس دنیا میں کہیں نہ کہیں مجبور بھی ہو سکتی ہے۔ بیدخت نے اگر طاقتور اور جنگجو بیلشازار کے ساتھ کوئی رات گزاری تو شاید یہ کوئی مجبوری بھی نہیں تھی۔ بابل کے رسم و رواج اور دینِ اکد کا تقاضا تھا جو اس نے پورا کیا ہو گا۔ وہ تہذیبِ بابل کے گہوارے میں پل کر جوان ہوئی اور اپنی اصنامی روایات کے مطابق دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے کی پابند تھی۔ مہرتاب نے اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا مگر اچانک خیال آیا، جشنِ زہرہ پر دوشیزگی کا نذرانہ پیش کرنا تو ایک اصنامی عقیدہ ہے اور وہ بیدخت کے مذہبی رجحانات اور تہذیبی رواج کو نظر انداز کر کے اسے موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔

وہ تکلیف دہ احساس سے فرار چاہتا یا خیال سے حقیقت کی طرف لوٹ رہا تھا۔ بہر حال اس سوچ میں تسکین کا رنگ تھا کہ بیدخت کلدانی شہریت، دینِ اکد کی پرستار اور اصنامی روایات کی پابند ہے اور ان روایات کے مطابق جو کچھ اس نے سنا، وہ اتنا بھیانک نہیں جتنا اس نے سمجھ لیا ہے۔ پھر اسے ماضی سے کیا غرض۔ بیدخت کا ماضی اس کی ذات میں دفن ہے۔ وہ اپنے گزرے دنوں کو بھول کر اپنا مستقبل اس کے سپرد کر چکی۔ صرف اسی پر اعتماد کرتی اور اسی کو

اپنی ساری راحتیں سونپ دینا چاہتی ہے۔

پھر اپنے آپ کو سنبھالنے اور سمجھانے لگا کہ آخر اتنا بے کل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ بیدخت زہرہ مال سے عشق کرنے کے لئے تو بابل میں نہیں بھیجا گیا اور حُسنِ اتفاق یا خوبیٔ تقدیر سے اگر اس کا مرکزِ نگاہ بن گیا اور پیمانِ محبت کر بیٹھا ہے تو اس کی کسی سماجی ضرورت یا تہذیبی مجبوری پر حرف گیری شاید مناسب نہ ہو۔ خود بھی تو اپنے فرض کی مجبوری کے تحت معبدِ اکور کی سانولی سلونی دیوداسی کے ساتھ ایک وعدہ کر چکا تھا۔ اسی طرح دنیا میں ہر مرد اور ہر عورت کی کوئی نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے جسے وہ ایک دوسرے سے چھپاتے ہیں۔ وہ سوچ کے اسی دھارے میں بہتا چلا گیا مگر ذہن کے کسی گوشے میں چھپ کر، دب کر بیٹھی ہوئی آواز ابھی تک پیچھا کر رہی تھی کہ ”عورت مرد کے زوال کے لئے پیدا کی گئی ہے۔“

مہرتاب نے غور کیا تو معاملے کی صورت اس آواز کے برعکس نظر آئی۔ کیونکہ بابل میں جس عورت سے بھی ملا تھا وہ کسی نہ کسی طرح اس کی کامیابی کا ذریعہ بنی تھی۔

آموی نورناہید نے اُسے واقعات کے غبار میں لپٹا ہوا ایک راستہ دکھایا تھا۔ چاہِ بابل کی مہم میں اس کے ساتھ شریک ہوئی تھی اور اب اس کی خاطر موت سے بھی لڑ سکتی تھی۔

عرفان پسند شہزادی شمورہ نے اس کے لئے اپنے دل کا دروازہ کھول دیا اور وہ بیدخت زہرہ جمال کی پہلی خواہش اسی کے ذریعے پوری کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

آفریدۂ حُسن بیدخت کے طفیل وہ عبرانی اسیروں تک پہنچا اور انہیں زندانِ اجل سے نکال لایا تھا۔ اسی نے چاہِ بابل کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی تھیں اور ہاروت ماروت کو پناہ بھی دی کیونکہ ان سے شاہ یوسیفر کی خفیہ تحریر پڑھانا چاہتی تھی۔

مہرتاب کی کتنی ہی کامیابیاں عورت کی ذات سے وابستہ ہوئیں اور اب پارکا اُسے ایک نئی اور اہم کامیابی سے ہم کنار کرنے والی تھی۔ حالات کا یہ تجزیہ بول رہا تھا کہ عورت مرد کے زوال کے لئے نہیں بلکہ اس کی قوت و کامرانی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

سوچ کا یہ سلسلہ کسی خواب کی طرح اس کے ذہن سے گزرا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ عورت مرد کے لئے دلیلِ کامیابی ہے۔ اس عرفان کے ساتھ وہ عورت کی ذات میں ایک نئی دلکشی، ایک نئی کشش محسوس کرنے لگا اور اب بیدخت زہرہ جمال سے لے کر پارکا دیوی تک اُسے عورت کا ہر روپ اچھا لگا۔ دل میں بیدخت کے لئے ایک نئی خلش پیدا ہوئی بلکہ بیلشازار

کی رقابت نے اُسے جیتنے اور حاصل کرنے کی خواہش میں کچھ اضافہ کر دیا تھا۔

انہی خیالات میں گم تھا کہ ایک بار پھر پارکا کا کومل سا ہاتھ اس کے کندھے پر آیا۔ وہ مسند چھوڑ کر عقب میں آ کر کھڑی ہوگئی اور اس کی خاموشی کا مطلب سمجھ رہی تھی۔ اپنی دل کش آواز کا جادو جگا کر بولی۔ ”پریشان کیوں ہو؟ عورت صرف محبت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور جو اس سے محبت کرتا ہے وہ اس کے لئے کامیابی کی راہیں کھول دیتی ہے۔“

مہرتاب کو یوں لگا جیسے پارکا کا کمزور ہاتھ اُسے نئی قوت عطا کر رہا ہے۔ اس کی شکستہ ذات کو سہارا دے رہا ہے۔ پریشان خیالات کو ایک راستہ دکھا رہا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

”دینِ اکد عورت کو تقدس کے غلاف میں لپیٹ کر نہیں رکھتا بلکہ اسے مرد کی ضرورت قرار دیتا ہے۔ یہی فطرت ہے اور میں نے تم سے کوئی ایسی بات نہیں کہی جو خلافِ فطرت ہو۔ بہادر اور جنگ جو بیلشازار کے ساتھ شبِ جشن گزارنے کے بعد بھی اگر بیدخت تم سے محبت کرتی ہے تو اس کی محبت کو اپنا سرمایۂ حیات سمجھو۔ مگر عورت کے لئے مردوں میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہی ہے، جو اسے جیت لیتا ہے وہ اسی کی ہو جاتی ہے۔ شاید بیدخت کے لئے بھی جنگ ہو۔ کیونکہ تشرین کا مہینہ قریب آ رہا ہے اور وہ مہلت ختم ہونے والی ہے جو اس نے بیلشازار سے مانگ لی تھی۔ بیدخت زہرہ جمال ان عورتوں میں سے ہے جو تخت و سپاہ کے بغیر بھی حکومت کر سکتی ہیں۔ اگر بیلشازار کے خلاف اس کا ہاتھ تمہاری پشت پر رہا تو جیت تمہاری ہوگی۔ کیونکہ دنیا میں جیت اسی مرد کی ہوتی ہے جس کی پشت پر کوئی عورت ہو۔“

پارکا نے پہلے تو جشنِ زہرہ کا ذکر کر کے بیدخت کے معاملے کی ایک ایسی صورت بیان کی تھی جسے سنتے ہی مہرتاب کے اندر شکست و ریخت کا عمل شروع ہو گیا اور محبت کے منصب سے گرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مگر اب بالکل ہی ایک نیا پہلو پیش کر رہی تھی جس نے اس کے دل میں بیلشازار کے خلاف رقابت کا شدید جذبہ پیدا کر دیا اور وہ ایک بار پھر پورے عزم و یقین کے ساتھ اس ”ہاری ہوئی“ عورت کو جیتنے پر تیار ہو گیا۔

دیوداسی کا ہاتھ ابھی تک اس کے کندھے پر تھا۔ مہرتاب نے وہ کومل سا ہاتھ بڑے پیار سے تھام لیا اور مُڑ کر بولا۔

”پارکا! تمہارے پاس آ کر مجھے عورت کے متعلق ایک نیا عرفان ہوا ہے جس کے لئے تمہارا شکرگزار ہوں۔“

"مہرتاب! عورت ـــــ صرف ایک عورت مرد کو کسی مقابلے میں گرنے نہیں دیتی اگر مردیگانۂ عصر ہو جیسے تم ہو اور اس کی پشت پر ایک سے زیادہ عورتیں ہوں تو کوئی طاقت اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔"

مہرتاب نے سوچا۔ شاید وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ کیونکہ اپنے حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد خود بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ عورت وسیلۂ ظفر ہے مگر ہخامنشی اور گورگانی دانشوروں نے اُسے بابل کی طرف روانہ ہونے سے قبل نصیحت کی تھی کہ عورت کی دنیا سے دور رہے۔ کیونکہ عورت مرد کی کمزوری ہے۔ جب وہ بابل میں داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی بابِ ایلہ کی ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوئے دانائے فرات کی گویائی لوٹ آئی تب بوڑھے غیب دان نے بھی یہی انتباہ کیا تھا۔

"تُو بابل کی کنواریوں اور "پیاریوں" کا محبوب کہلائے گا۔ ہر دوشیزہ تیرے قرب کے لئے تڑپے گی لیکن تجھے حُسن و شباب کی لذت آفرینیاں ترک کرنا ہوں گی۔ اور جب تک تُو اپنے مقصد کو نہیں پالیتا تجھے عورت سے دُور رہنا ہوگا۔"

مگر بابل میں حالات، ان نصیحتوں کے بالکل برعکس پیش آئے تھے اور تجربے نے ثابت کر دیا تھا کہ عورت مرد کی کمزوری نہیں، اس کی قوت اور کامرانی کی علامت ہے۔ اس نے بزرگوں کی نصیحتوں اور مقدس گوما کے انتباہ کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور اب عورتوں کو بھی اپنے قرب و وصال کی لذتوں سے محروم نہیں رکھنا چاہتا تھا جو اس کی کامیابی کی راہیں ہموار کر رہی تھیں۔

اس نے سوچا شاہ بنونید اور ولی عہد بیلشازار کے بعد سلطنت کالدیا کا انتظام چلانے والے دو[1] ہی آدمی سب سے اہم ہیں۔ ایک امورِ خفیہ کا سربراہ ریموت "سایۂ اجل" دوسرا ہیکلوں اور معبدوں کا دانشور مقدس زریہ۔

زریہ "سروش" کے خفیہ حلقے کا آدمی اور مہرتاب کے نقشے میں کہیں نہ کہیں کام آنے والا تھا۔ اس کا اصل ہدف ریموت، بیلشازار اور شاہ بنونید تھے جنہیں وہ کمزور اور بے کار کر دینا چاہتا تھا۔ اب پارکا کی معرفت اُسے ایک نیا دوست میسر آنے والا تھا اور سردار نرقال کے ذریعے وہ جنگجو بیلشازار کے دفاعی حصار میں ایک بہت بڑا شگاف پیدا کر سکتا تھا۔ اس لئے پارکا کی دل جوئی ضروری تھی۔ وہ دیوداسی کے ہاتھ کو "دستِ قدرت" سمجھ رہا تھا۔ فرطِ جذبات

---

[1] ہیرلڈلیم کے بقول ریموت اور زریہ کلدانی سلطنت کے ستون تھے۔ (مصنف)

سے مغلوب ہو کر اس نے وہ کومل سا ہاتھ چوم لیا اور بانکی، تیکھی، سانولی سلونی دیوداسی کے بدن میں شوقِ وصال کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔ پھر دوستی کے لہجے میں کہا۔ "تم میری دوست، میری طاقت ہو۔ تم نے مجھے ایک نیا راستہ دکھایا ہے۔"

پارکا کے نقش ہی تیکھے اور خوبصورت نہیں تھے، آواز بھی بلبل کی طرح بے حد سریلی اور دلکش تھی۔ سمجھ گئی کہ یہ اس کا رخصتی بوسہ ہے۔ چہک کر بولی۔ "تمہیں ایک اور راستہ دکھاتی ہوں۔"

پھر اس کا ہاتھ تھام کر چھوٹے سے حجرے میں لے گئی جو شاید غسل خانے کا کام دیتا تھا۔ حجرے کی پچھلی دیوار میں بھی ایک دروازہ تھا۔ پارکا نے دروازہ کھول کر ایک زینہ دکھایا جو معبد اکور کے چھوٹے سے عقبی صحن میں اترتا تھا۔ اسے ساتھ لے کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ صحن عبور کر کے معبد کی بلند و بالا دیوار کے برنجی دروازے پر پہنچی اور اس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگی۔

"یہ صحن میری رہائش گاہ کا حصہ ہے اور میری اجازت کے بغیر معبد کا کوئی خادم بھی ادھر نہیں آ سکتا۔ نہ دن کو، نہ رات کو۔ پرسوں رات تم اسی راستے میرے کمرے میں آؤ گے اور تمہیں ہر دروازہ کھلا ملے گا۔ جب اس برنجی دروازے میں داخل ہو جاؤ، اسے بند کر کے بے کھٹکے میرے پاس چلے آنا کیونکہ نرقال سے جو کچھ کہہ دوں گی وہ اُسے پورا کرے گا۔"

"اگر نرقال نے مجھے مایوس نہ کیا تو میں بھی تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر اس نے دل میں اپنے لگاؤ کی آنچ تیز کرنے کے لئے ایک جھٹکے سے تیکھی پارکا کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا تاکہ وہ نرقال سے بھرپور سفارش کر سکے۔ محبت کا پہلا تحفہ وصول کر کے وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

"مہرتاب! یہ تم نے مجھ پر ایک عنایت کی ہے اور عورت مرد کی پہلی عنایت کو ہمیشہ یاد رکھتی ہے۔"

وہ سانولے سلونے رنگ کی ایک خوش جمال عورت تھی جیسے دُور اُفق پر سیاہی اور سفیدی کے رنگ مل کر ایک تیسرا رنگ پیدا کرتے ہیں۔ اظہارِ عنایت کے بعد اس کے ہاتھ کو بوسہ دینے لگی تو پورے جسم میں ایک خفیف سا ارتعاش تھا۔ مہرتاب نے محسوس کیا کہ "پہلی عنایت" نے اس کے اندر ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی ہے اور اب بہتر طریق سے اس کی سفارش کر سکے گی۔

پارکا کو اسی کیفیت میں چھوڑ کر، مرہم لے کر جو پارکا نے فراہم کر دیا تھا اور پرسوں کا وعدہ

کر کے وہ برنجی دروازے سے نکلا اور معبد اکور کے پیچھے ایک تنگ اور غیر آباد کوچے میں چلنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑی سڑک پر آ گیا جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور اس ہجوم میں شاہی نقارچی ''جشنِ زہرہ'' کی تقریب کا اعلان کر رہا تھا۔ اس اعلان کے مطابق کالدیا کے روحانی پیشوا اور غیب دان گومانیز معبدوں اور ہیکلوں کے سربراہ زریہ نے ''جشنِ زہرہ'' کے اعلان پر خوشنودی کا اظہار کیا تھا۔ مہرتاب ہجوم سے کترا کر نکلتا چلا گیا۔

حمیدی

(35)

ملاقات

◎

ایک روز قبل مہرتاب شہزادی شمورہ کے عجمی غلام اکتانا سے وعدہ کر چکا تھا کہ تیسری رات دُخترِ بابل سے ملاقات کرنے ایوانِ ماکلوب میں پہنچ جائے گا۔ ایک روز بعد اس نے پارکا دیوداسی کے ذریعے سردار نرقال کی ملاقات کے لئے بھی پرسوں ہی کا دن مقرر کیا کیونکہ نرقال کی جان پہچان سے پہلے شمورہ سے ملنا ضروری سمجھتا تھا۔

بابل کی بااختیار شہزادی خود اس کی ملاقات کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔ اُسے مہرتاب کا پیغام مل گیا تھا اور اس خدمت کے عوض جو عجمی غلام نے سرانجام دی، شہزادی نے اُسے ملکہ سمی رامیس کا دوسرا کنگن بخش دیا اور اپنا ہاتھ چومنے کی اجازت دے دی تھی۔ شمورہ کا وہ خوبصورت ہاتھ جسے چومنے کا اعزاز کسی بادشاہ، کسی بڑے بڑے بڑے رئیسِ قبیلہ اور کسی بڑے بڑے بڑے فوجی سردار کو بھی حاصل نہ ہو سکا، عجمی غلام نے بار بار چوما تھا۔ وہ صرف مہرتاب کا پیغام لے کر نہیں لوٹا بلکہ نشانی کے طور پر اس کا بازوبند بھی ساتھ لایا تھا اور یہی اس نے ایک ایسی عقلمندی کی تھی جس سے بے چین شمورہ کی ڈھارس بندھی اور یقین آ گیا تھا کہ وفادار اکتانا نے واقعی پیغام رانی کا حق ادا کر دیا تھا۔ وہ مہرتاب کے بازوبند کو پہچانتی تھی۔ اسے آنکھوں سے لگاتی اور ہونٹوں سے چومتی رہی۔

مہرتاب کا بازوبند بھیج دینا ظاہر کرتا تھا کہ اس نے شمورہ کو مایوس نہیں کیا اور شرط کے بغیر بھی جسے وہ ہار گئی تھی، اس کا دوسرا پیغامِ ملاقات قبول کر لیا ہے۔ حالانکہ عبرانی اسیروں کے پراسرار فرار کے بعد وہ مایوس و دل شکستہ ہو گئی اور سمجھ رہی تھی کہ مہرتاب اس کے ہاتھ سے نکل گیا

ہے لیکن مہرتاب کا وعدۂ ملاقات اگر مژدۂ حیات تھا تو بازو بند ایک ایسا نادر تحفہ جس کے سامنے بابل کے زیرِ زمین خزانوں کو بھی ہیچ سمجھنے لگی۔ کیونکہ یہ اُس مرد کی نشانی تھی جس کو اس نے اپنے لئے پسند کر لیا تھا۔

وہ فرطِ جذبات میں مہرتاب کے بازو بند کو کبھی اپنے سڈول اور گورے بازو پر سجاتی اور کبھی اپنی پنڈلیوں پر باندھنے کی کوشش کرتی مگر اس کی موٹی پنڈلیوں کی گولائی بھی کم تھی اور بازو بند کا گھیر کھلا تھا۔ وہ تو کوئی قوی ہیکل مردوں کے بازوؤں سے بھی بڑا اور کھلا تھا۔ جس سے شمورہ کے دل میں فخر کا ایک نیا احساس اُبھرا کہ اس کے محبوب کے بازو سب مردوں سے زیادہ قوی، زیادہ توانا اور زیادہ مضبوط ہیں اور جس طرح مردوک سارے دیوتاؤں سے زیادہ بہادر اور شہ زور ہے اسی طرح مہرتاب بھی تمام مردوں سے یگانہ اور مردانگی کا مکمل مظہر ہے۔

جب سے زمین پر آدمی کی پیدائش و افزائش کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس وقت سے ہر زمانے میں خوب صورت چہرہ اور سڈول بدن عورت کے حُسن کا معیار سمجھا گیا اور قوت و توانائی مردانہ کشش کی علامت رہی ہے۔ مرد اگر عورت کے حُسن و جمال اور خطوطِ بدن کا دیوانہ ہے تو عورت مرد کے چوڑے سینے اور طاقت ور بازوؤں میں پناہ ڈھونڈتی ہے۔ حسین شمورہ بازو بند کے گھیر سے جہاں مہرتاب کے بازوؤں کی مضبوطی کے بارے میں سوچتی رہی وہاں اس کی جسمانی طاقت کا بھی اندازہ لگاتی رہی۔

اس نے مہرتاب کے انتظار میں پوری دو راتیں، پورے دو دن اس طرح گزار دیئے جیسے بیمار اپنے مسیحا کے انتظار میں ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ گنتا رہتا ہے۔ تیسرے دن وہ باغاتِ معلقہ سے نکل کر ایوانِ ماکلوب کے کمرۂ تنہائی میں منتقل ہو گئی مگر کنیزوں کا جمگھٹا ساتھ نہیں تھا۔ گویا تنہائی کا عرفان حاصل کرنے آئی تھی۔ ''عرفانِ تنہائی'' کے دوران صرف کلدانی کنیز نومی اور عجمی غلام اکتانا ہی اس کے آرام اور طعام کا خیال رکھتے تھے مگر اس بار شمورہ نے نومی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی، صرف اکتانا پر بھروسہ کیا۔ اس کے سوا کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ ایوانِ ماکلوب میں اعتکاف بیٹھنے نہیں اپنے محبوب سے ملنے آئی ہے۔

کمرۂ تنہائی میں آ کر وہ شام سے پہلے ہی بن سنور کے تیار ہو گئی۔ اس نے ایشتار کا وہ پسندیدہ لباس زیبِ تن کیا جس میں دیوی نیم برہنہ نظر آتی اور بحالتِ ''بیلت'' مردوک کا انتظار کرتی تھی۔ اس حالت میں دیوی زرّیں تاروں کا ایک نقاب چلمن کی طرح اپنے چہرے پر گرا

لیتی اور اپنے حُسن کی کشش میں اضافہ کر لیتی تھی تا کہ مردوک پوری وارفتگی سے اُس کے ساتھ محبت کرے۔

شمورہ نے بھی آرائشِ جمال کے بعد سونے کے تاروں کا جھلمل جھلمل کرتا نقاب چہرے پر سجا لیا۔ گویا اپنے حُسن پر ایک زرّیں چلمن ڈال دی جس نے اس کی دل کشی میں تابناک اضافہ کر دیا۔ چند لمحے آئینے میں اپنا ہی جلوہ دیکھ کر خوش ہوتی رہی پھر تالی بجا کر اکتانا کو طلب کیا۔ عجمی غلام پلک جھپکتے ہی حاضر ہو گیا اور شہزادی کو اس روپ میں دیکھ کر جس میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، نقشِ حیرت بن گیا۔ شمورہ نے اس کی حیرت بھانپ لی اور زریں نقاب کے نیچے اپنے نیم برہنہ لباس کی طرف اشارہ کر کے بولی

''اکتانا! تُو مرد بھی ہے اور ہمارا محرمِ راز بھی، ذرا ہماری طرف دھیان سے دیکھ اور بتا کہ اس لباس میں ہم کیسے لگتے ہیں؟''

غلام نے سر سے پاؤں تک شہزادی کا جائزہ لیا اور کہا۔ ''حضور! اس وقت آپ چاند اور زہرہ سے زیادہ خوب صورت ہیں۔ آدمی تو کیا اگر کوئی دیوتا بھی آپ کو اس حالت میں دیکھ لے تو خود پر قابو نہ رکھ سکے۔''

شمورہ کے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''کیا ہم اتنے خوبصورت ہو گئے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر دیوتا بھی بے قابو ہو جائیں۔''

''غلام کی زبان حضور کے حُسن و جمال کی تعریف کرنے سے قاصر ہے۔''

یک لخت شمورہ نے ایک نئی بات چلائی۔ ''اکتانا! تُو جانتا ہے نا، ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا ہے۔ تجھے اپنا راز دار بنایا ہے؟''

''یہ غلام کی خوش نصیبی ہے۔''

''ہم تیری راز داری کی پوری قیمت ادا کریں گے اور تُو ہماری کنیزوں میں سے جس خوب صورت کنیز کو اپنے لئے پسند کرے گا اس پر تجھے اختیار دیا جائے گا۔ وہ تیری ہو جائے گی۔''

عجمی غلام احسان مندی سے رکوع میں چلا گیا اور شمورہ اُسے بتانے لگی۔

''تُو نے کہا تھا کہ مہرتاب چراغ جلتے ہی اساگیلہ کے دروازے پر پہنچ جائے گا اور تُو اسے ہمارے پاس لے آئے گا۔ مگر آج ہم مہرتاب کے ساتھ مکمل تنہائی میں ملنے والے ہیں اور نہیں چاہتے کہ بابِ اساگیلہ کے پہرے دار اور ایوانِ ماکلوب کے زرہ پوش محافظ ہمارے

مہمان کو آتے جاتے دیکھیں۔"

"پھر غلام کو کیا کرنا چاہیے؟"

"تُو ایوانِ ماکلوب کا وہ خفیہ راستہ جانتا ہے جس راستہ بادشاہ نوادرات کے کمرے میں جایا کرتے ہیں۔ مہمان کو بھی اسی راستے ہمارے پاس لے آ تاکہ آج رات تیرے سوا کوئی اسے یہاں آتے اور یہاں سے جاتے نہ دیکھ سکے۔"

عجمی غلام مجسم ایثار بن گیا۔ "اگر حضور فرمائیں تو مہمان کو چاند ستاروں کی نظروں سے بھی چھپا کر لے آؤں۔"

"پھر ایسا ہی کر۔ آج رات ہم مہرتاب سے خاص ملاقات کریں گے اور اگر ستارے بھی اسے ہمارے کمرۂ تنہائی میں داخل ہوتے نہ دیکھیں تو اچھا ہے۔ اب شام ہوا چاہتی ہے، فوراً اساگیلہ کے حصار سے نکل جا، مہمان کو قلعہ کے دروازے تک نہ پہنچنے دے۔ اُسے کہیں پرے ہی روک لے اور زمین و آسمان کی آنکھوں سے چھپا کر ہمارے کمرے میں پہنچا دے۔"

اکتانا فوراً پلٹا اور کمرے سے نکل گیا جہاں شام سے پہلے ہی قندیلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ اُن کی روشنی میں شمورہ نے ایک بار پھر اپنے لباس کو دیکھا۔ زری کی قبا پر نظر ڈالی۔ کبھی زریں نقاب کی چلمن گرا کر، کبھی جھلملاتے تاروں کی چلمن اٹھا کر آئینے میں اپنے عکسِ جمال کا جائزہ لیتی رہی۔ سر سے پاؤں تک وہ دیوی اِشتار کی طرح آراستہ پیراستہ اور اس سے زیادہ خوب صورت نظر آ رہی تھی۔ اُس کے حُسن اور جسم میں دل کشی تھی اور لباس نے دیوی کا سا رُعب و جلال بخش دیا تھا۔ سوچنے لگی اُسے اس رُوپ میں دیکھ کر اگر دیوتا بھی اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتے تو مہرتاب کی حالت کیا ہوگی؟

نجانے کب تک انہی خیالوں میں گم رہی۔ اچانک احساس ہوا کہ باہر اندھیرا پھیل چکا ہے اور ساتھ ہی انتظار کی بے چینی شروع ہو گئی۔

شمورہ کا کمرۂ تنہائی ایوانِ ماکلوب کی عقبی غلام گردشوں سے ملحق اور زرہ پوش محافظوں کی ڈیوڑھی سے کوئی ایک فرلانگ دور تھا۔ کسی کو بھی ادھر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ یہ شہزادی کے اعتکاف کا حلقہ تھا۔

شام رات کے گلے مل رہی تھی۔ اساگیلہ کے اونچے حصار میں گھرا ہوا ایوانِ ماکلوب مکمل سناٹے میں ڈوب گیا۔ بابل میں رات کو جوان ہونے والے لذت آفریں اور شور انگیز ہنگاموں

کی دنیا ایوانِ ماکلوب سے بہت دُور تھی اور کوئی بیرونی آواز اس کے سکوتِ تنہائی میں مخل نہ ہو سکتی تھی۔ باہر چاند روشن تھا اور کمرۂ تنہائی کے اندر حسین شمورہ دیوی اِشتار کے زرّیں لباس میں اپنے حُسن و شباب کی پوری تجلیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی مگر اب اس کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔ اکتانا کو گئے بہت دیر ہو چکی اور وقت کا ہر لمحہ طویل ہو رہا تھا۔

ایوانِ ماکلوب کے پُر ہول سناٹے میں جس پر گزرے نمرودوں کی دہشت سایہ فگن تھی، وقت کے تھکے ماندے پاؤں جیسے کسی خوف سے اٹھتے ہی نہیں تھے اور اس کی رفتار چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مدھم اور آہستہ ہو گئی تھی۔

چند ہی روز کے اندر یہ مہرتاب کے انتظار کا دوسرا موقع تھا۔ اس انتظار میں ایک نا معلوم سی خلش یا اذیت بھی تھی اور ایک انوکھی لذت بھی۔ شمورہ ان دونوں کیفیتوں میں بٹی کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتی جس کے فرش پر قیمتی قالین بچھے تھے، کبھی آئینے کے سامنے رک کر اپنے آپ کو دیکھتی کہ کہیں بناؤ سنگھار میں کوئی خامی تو نہیں رہ گئی اور کبھی دل کی دھڑکنوں کا شمار کرتی ریشمی مسند پر بیٹھ جاتی۔ ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا ـــــ "اِکتانا ابھی تک کیوں نہیں آیا؟"

اچانک دُور کہیں قدموں کی چاپ اُبھری اور دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ چاپ ہولے ہولے قریب آنے لگی اور اس کے ساتھ ساتھ شمورہ کا دل جیسے چھاتی میں اچھلنے لگا۔ چند ساعتوں بعد دروازہ کھلا اور اِکتانا مہمان کو لے کر آ گیا لیکن خود دروازے ہی میں رُکا اور جھک کر بولا۔

"سرکار کے حکم کی پوری تعمیل کی گئی ہے۔ چشمِ فلک نے بھی مہمان کو ایوانِ ماکلوب میں داخل ہوتے نہیں دیکھا۔"

پھر شہزادی کا اشارہ پاتے ہی کمرے سے نکل گیا اور مہرتاب کے عقب میں دونوں کواڑ بند کر دیئے تھے جس کی متحیر نگاہیں ایک سحر انگیز نظارے سے دوچار تھیں۔

دُخترِ بابل شمورہ اپنے حسین چہرے کو زرّیں نقاب سے سجائے مسند کے پاس کھڑی تھی جس پر قیمتی غالیچہ آراستہ تھا۔ قندیلوں کی زرد روشنیوں میں جھلمل جھلمل کرتی چلمن کے اندر خوبصورت آنکھیں [illegible] مانند روشن تھیں۔ سونے کے تاروں کے پیچھے گلابی عارض، شگفتہ ہونٹ، سیدھی ناک اور کانوں کے پاس کاکلوں کا نشار ایک ایسا نظارہ پیش کر رہا تھا جس [illegible] ہوشربا کا گمان ہوتا تھا۔ بدن پر زری کا سایہ بالسادہ اگرچہ پاؤں تک جھول رہا تھا لیکن

کمر بند کے نیچے دو حصوں میں اس طرح چاک ہو گیا تھا کہ چلنے میں مزاحم نہ ہو۔ کمر بند سے اوپر کا منظر تمام نازنینوں سے یکتا اور عقل و ہوش گم کیئے دے رہا تھا۔ حُسن و جمال کی مکمل آرائش اور زرّیں لباس نے اُسے ایک پیکرِ خواب میں ڈھال دیا تھا اور بیس برس کی کنواری شمورہ پُروقار شہزادی یا پُر جلال دیوی کے رُوپ میں سامنے کھڑی تھی۔

مہرتاب نظارۂ جمال میں محو تھا کہ اچانک یاد آیا بابل کی اصنامی روایات کے مطابق یہ زری کا سایہ اور زرّیں چلمن کا نقاب تو دیوی ایشتار کا وہ پہناوا ہے جس میں وہ اپنے دوسرے شوہر مردک کا انتظار کرتی ہے۔ وہ چند ساعتیں مبہوت سا کھڑا اُسے حیرت و دلچسپی سے دیکھتا رہا پھر قدم آگے بڑھایا تو شمورہ نے بھی حرکت کی اور زرّیں کرنوں کے ہالے میں جھلملاتی رنگ بکھیرتی سیدھی اس کے کشادہ سینے پر آ گری۔ مہرتاب نے اُس ''شعاعِ نور'' کو اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام لیا کہ کہیں بے خودی میں گر نہ جائے۔ پھر زرّیں چلمن ہٹا کر خوبصورت چہرہ دیکھا۔ حسین آنکھوں میں دل کی بے قراریوں کی تحریر پڑھی۔ سیدھی ستواں ناک کے نتھنوں کو شدتِ جذبات میں گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح لرزتے دیکھا۔ انار کے غنچوں ایسے شگفتہ ہونٹوں کی پیش کش پر غور کیا۔ خود سپردگی کا یہ انداز اتنا سحر آفرین تھا کہ خود بے چین ہو گیا مگر فوراً سنبھل کے بولا۔

''شمورہ جانِ عزیز! یہ وارفتگی کیسی؟''

مہرتاب نے حُسن کی پیش کش کو اگرچہ ٹال دیا لیکن ''جانِ عزیز'' کہہ کر دُخترِ بونید کے جذبات میں ہلچل سی ڈال دی کیونکہ یہ خطاب ایک قسم کا اظہارِ محبت تھا یا نہیں مگر اس سے ایک خاص رویے کا اظہار ضرور ہوتا تھا جس کی شمورہ طلب گار تھی۔ وہ وفورِ مسرت میں لہر سی لے کر کہنے لگی ــــــ ''مہرتاب! تم نے ''جانِ عزیز'' کہہ کر مجھے زندگی بخش دی۔''

وہ شمورہ کی دل جوئی کے لئے آیا تھا کیونکہ با اختیار شہزادی کی حیثیت میں وہ کبھی نہ کبھی اس کے کام آ سکتی تھی۔ مگر دُخترِ بابل نے خود کو ایشتار کے روپ میں پیش کر کے جہاں اپنی دل کشی اور وارفتگی کا اظہار کیا وہاں مہرتاب کے ذہن میں ایک انوکھا خیال بھی روشن کر دیا اور اس کے پیکر جمال میں ''جانِ عزیز'' کا شعلہ بھڑکا کر اپنے نئے خیال کے بارے میں سوچتا ہوا مسند کی طرف بڑھا۔

شمورہ جان گئی تھی کہ ملاقات کا آغاز حوصلہ افزا ہے اُس کے پیغام پر آ بھی گیا ہے اور

''جانِ عزیز'' بھی کہہ رہا ہے۔ اسی خوشی میں پہلو بہ پہلو مسند کی طرف چلی۔ مسند پر بیٹھتے ہی ایک اور دلچسپ بات ہوئی۔ مہرتاب نے زریں نقاب کو سہرے کی طرح اس کے سر پر اُلٹ دیا اور کہا۔

''آج تمہارا حُسن مہتاب کی طرح روشن اور آفتاب کی مانند پُر جلال ہے۔ اس لباس میں ایک خوبصورت دیوی نظر آ رہی ہو۔''

یہ پہلا نذرانۂ جمال تھا جو مہرتاب نے الفاظ کی صورت میں ادا کیا۔ ان راحت بخش لفظوں نے شمورہ پر ایک نئی کیفیت طاری کر دی اور فوراً ہی دل میں مچلتی ہوئی خواہش زبان پر آ گئی۔ ''ہاں مہرتاب! اس لئے کہ کہیں تم مجھ سے ناراض نہ ہو جاؤ، میں نے تمہاری خاطر ایشتار کا لباس پہنا اور دیوی یہ لباس اس وقت پہنتی ہے جب مردوک سے ملاپ چاہتی ہے۔ اسی لئے تمہیں تنہائی میں بلایا ہے۔''

مہرتاب چونک گیا۔ شمورہ نے اپنی خواہش صاف صاف بیان کر دی تھی۔ وہ اس خواہش کو بات چیت میں الجھانے اور سوچنے لگا کہ دیوی کے روپ میں اس سے ایک بہت بڑا کام لے سکتا ہے۔ اپنی دلچسپی کا احساس دلاتے ہوئے بولا۔ ''میں تم سے ناراض کیوں ہوتا؟''

''تمہاری شرطِ محبت جو پوری نہیں کر سکی۔ مگر صرف ایک بار میرا عذر سُن لو۔ اگر عذر قبول نہ ہو تو مجھے سزا دے سکتے ہو۔''

''شمورہ! کچھ معاملے ایسے ہوتے ہیں جن میں جزا ہوتی ہے، سزا نہیں ہوتی۔''

مہرتاب نے شمورہ کے سامنے دلچسپی کا ایک نیا پہلو رکھا مگر وہ ابھی تک بے چین تھی۔

''تمہاری شرط ہار کر میں بے حد پریشان ہو گئی تھی اور تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ ہاروت ماروت ــــــ''

مہرتاب نے بات وہیں کاٹ دی۔ اپنی شرط پر گفتگو نہیں چاہتا تھا اور سیدھا مطلب پر آ گیا جو اُسے دیوی کے لباس میں دیکھ کر ذہن پر ستارے کی مانند جھلملایا تھا۔

''جو بات پوری نہیں ہو سکی اُسے بھول جاؤ شمورہ! آج میں تمہارا کھویا ہوا اعزاز تمہیں لوٹانا چاہتا ہوں۔''

وہ حیران رہ گئی ــــــ ''میرا کھویا ہوا اعزاز؟''

''ہاں ــــ میں نے تمہیں شہزادی سے شمورہ بنا دیا اور یہ بھول گیا تھا کہ تم ایک دیوی بھی

ہو اور دیویوں کے لہجے میں گفتگو کرتی ہو۔"

وہ اس کا مطلب سمجھے بغیر بولی۔ "میں تمہاری ممنون ہوں مہرتاب! کہ تم نے مجھے دیوی سے عورت بنا دیا۔"

"مگر آج چاہتا ہوں کہ عورت سے پھر دیوی بن جاؤ اور میرے ساتھ بھی اسی لہجے میں بات کرو جس لہجے میں دوسروں کے ساتھ کرتی ہو۔ تمہاری زبان سے "میں" کی بجائے "ہم" کا صیغہ اچھا لگتا ہے۔ اس میں ایک دیوی کا سا وقار اور جلال ہے۔"

"عقلِ کل" شمورہ الفاظ تو سمجھ گئی مگر ان کا مطلب نہ سمجھ سکی کیونکہ جذبات سے دوچار تھی اور جذبات فہم و ادراک کی روشنی گل یا مدھم کر دیتے ہیں۔ مہرتاب کی فرمائش بھی حیرت انگیز تھی۔ اپنے کسی نئے نقشے کے مطابق اس میں پھر ایک تبدیلی چاہتا تھا۔ حیرت زدہ سی پوچھنے لگی۔

"مجھے شمورہ سے پھر دیوی کیوں بنا دینا چاہتے ہو؟"

"تم دیوی کے روپ میں زیادہ اچھی لگتی ہو۔"

شمورہ نے سوچا۔ کہیں دیوی بنا کر میرے اور اپنے درمیان کچھ فاصلے تو حائل نہیں کر لینا چاہتا ____ "نہیں مہرتاب! دیوی بن کر میں تم سے دور ہو جاؤں گی۔"

"حالانکہ اس وقت دیوی کے لباس میں ہو۔"

"یہ لباس صرف تمہاری خوشنودی کے لئے پہنا تھا کہ تمہیں اچھی لگوں۔" پھر فوراً ہی ایک نیا خیال پیش کیا ____ "میں تمہارے لئے صرف شمورہ رہنا چاہتی اور ابھی اپنا لباس تبدیل کر لیتی ہوں۔ تمہارے سوا یہاں کوئی اور تو ہے نہیں جو مجھے لباس بدلتے ہوئے دیکھ سکے۔"

"نہیں شمورہ!" مہرتاب نے اس کا خیال مسترد کر دیا۔ "میں نے تمہیں دیوی کے لباس میں پسند کیا ہے اور اب اپنے لئے بھی دیوی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

پسندیدگی کا یہ اظہار فرحت بخش بھی تھا اور حیران کن بھی کہ اسے شمورہ سے دیوی بنانے پر اصرار کیوں کر رہا ہے حالانکہ کچھ دن پہلے شمورہ کے رُوپ میں دیکھنا پسند کرتا تھا۔ بے چین سی ہو کر بولی۔ "مہرتاب! تمہاری باتیں [illegible] ہوتی ہیں مگر میں اس بات کی حکمت کو سمجھ نہیں سکتی کہ مجھے دیوی کے رُوپ میں کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟"

مہرتاب نے اُسے مزید حیران کر دیا ____ "کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو وقت سے پہلے

نہیں سمجھائی جا سکتیں۔"

شمورہ سمجھ گئی کہ جس تبدیلی پر اصرار کر رہا ہے اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہے جسے فی الحال ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ تاہم دل میں جو خدشہ تھا اُسے زبان پر لے آئی۔ "میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کر سکتی لیکن یہ اطمینان ضرور چاہتی ہوں کہ مجھے دیوی بنا کر اپنی قربت اور محبت سے دُور نہیں کر دو گے۔"

مہرتاب نے محسوس کیا کہ اپنے منصوبے میں رنگِ عمل بھرنے کے لئے اُسے اعتماد میں لینا ضروری ہو گیا ہے۔ اس کے اطمینان کی خاطر کہنے لگا۔ "لوگوں کے سامنے میرے اور تمہارے درمیان کچھ فاصلے حائل رہیں گے مگر تنہائی میں ہمارے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہوگا۔ تمہیں اپنی قربت بخش دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ بس آج سے میرے ساتھ بھی دیوی کے لہجے میں کلام کیا کرو۔ جلوت میں بھی، خلوت میں بھی۔"

شمورہ قربت کے وعدہ پر خوش ہو گئی۔ یک لخت مسند سے اٹھی اور اس کی طرف ہاتھ ابرا کر بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔ "لو مہرتاب! آج سے ہم تمہارے لئے بھی دیوی بن گئے اور آئندہ تم سے اپنے خاص لہجے میں بات کیا کریں گے۔ ہمیں تمہارا ہر حکم عزیز ہے۔"

مہرتاب کو اُس کا [illegible] اچھا لگا۔ یہی وہ موقع تھا کہ تھوڑی سی دلچسپی کا اظہار کر کے اسے اپنے مکمل اعتماد میں لے سکتا تھا۔ اچانک شمورہ کا بڑھا ہوا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے کھینچا اور کنواری دُخترِ بابل کو اپنے مضبوط بازوؤں میں بھر لیا۔

شمورہ ایک لذت آفرین حیرت سے دوچار ہوئی۔ مہرتاب نے اپنے اور اس کے درمیان سارے فاصلے مٹا دیئے تھے۔ پیار کی یہ حسین ساعت اگرچہ بہت مختصر تھی اور پلک جھپکتے ہی منظر بدل گیا تھا مگر اسی ایک ساعت میں اُسے محسوس ہوا کہ کئی برسوں کے عرفانِ تنہائی سے صرف ایک ساعت کا عرفانِ محبت کہیں زیادہ راحت افزا تھا جس میں اُس کے شیریں ہونٹوں کو قبولیت عطا ہوئی وہ اس کی زندگی کی سب سے کیف آور گھڑی تھی جب اُسے محبت کا پہلا عرفان حاصل ہوا۔ وارفتگی کے انداز میں زرّیں نقاب کو جو چہرے پر آ گرا تھا، اُلٹتی ہوئی کہنے لگی۔

"ہم تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا کریں مہرتاب! تم نے واقعی اپنا قرب ہمیں بخش دیا۔ ہم نے ایشتار سے دعا کی تھی کہ وہ تمہارے دل میں ہماری محبت ڈال دے۔ دیوی نے دعا قبول

کی۔ کیونکہ تم نے ہمارے ہونٹوں پر قبولیت کی مُہر لگائی ہے۔ ہم تمہیں اپنا مردودِ محبت مانتے ہیں۔"

مہرتاب اس کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ پیار میں وارفتہ ہو رہی تھی۔ اچانک اس نے بتایا ــــــ "پدرِمحترم نے کسی نوجوان کو ہمارے لئے پسند کیا ہے۔ چاہتے ہیں ہم اُسے قبول کرلیں مگر ہم نے انکار کر دیا اور بادشاہ کو بتایا کہ اپنے محبوب کے سوا، تمہارے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے۔"

اس انکشاف نے مہرتاب کو حیران و ششدر کر دیا۔ "تو کیا میری بات بادشاہ تک پہنچ گئی؟"

"ویسے نہیں پہنچی جیسے تم سمجھے ہو۔"

"پھر کیسے پہنچی؟"

مہرتاب شمورہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے مسند پر کھینچ لایا اور پریشانی کے لہجے میں پوچھنے لگا ــــــ

"کیا بادشاہ کو معلوم ہو چکا کہ تم مجھے چاہتی ہو؟"

"بادشاہ کو صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ ہم کسی کو چاہتے ہیں مگر اُن کے اصرار پر بھی ابھی اپنے محبوب کا نام نہیں بتایا۔"

شمورہ اس کے پہلو میں سمٹ آئی اور پیار کے انداز میں بتانے لگی ــــــ "تمہیں ہاروت ماروت کے بارے میں قول دینے کے بعد ہم نے پدرِمحترم سے رہائی کی سفارش کی تھی۔ مگر بادشاہ نے پہلی بار ہم سے جھوٹ بولا کہ عبرانی اسیروں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ تیسرے دن چاہِ بابل کے ہولناک واقعہ اور اسیروں کے فرار کی خبر پہنچی تو فوراً ہمیں طلب کر لیا گیا۔ ان کا خیال تھا شاید حادثے میں اس شخص کا ہاتھ ہے جس نے ہم سے اسیروں کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا۔"

پھر اُس نے وہ ساری گفتگو جو باپ سے ہوئی تھی تفصیل کے ساتھ سنائی کہ بادشاہ کس طرح اُس کے محبوب کا نام پوچھنے پر اصرار کرتا رہا اور وہ کس طرح اُس کا نام بتانے سے انکار کرتی رہی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کی ضد پر بادشاہ نے وعدہ کر لیا ہے کہ اسیروں کو ڈھونڈ کر اس کے حوالے کر دے گا۔ ساری تفصیلات بتانے کے بعد بولی۔

"ہمارا خیال ہے پدرِمحترم اور بھائی بیلشازار مل کر بھی مفرور اسیروں کو تلاش نہیں کر سکتے۔

اُن پر ایرانیوں سے ساز باز کرنے کا الزام تھا۔ شاید وہی انہیں نکال کر لے گئے ہیں اور ہم اُن کے بارے میں کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کر سکیں گے۔ تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ ہمارا عذر سن لو۔ ہم سے کوئی اور خدمت لے لو مگر تعلق نہ توڑو۔ ہم سے رُوٹھ نہ جاؤ کیونکہ تم رُوٹھ گئے تو زندگی ہم سے رُوٹھ جائے گی ــــــ"

یہ کہتے کہتے شمورہ کی آواز بھرا گئی۔ پلکیں بھیگ گئیں۔ آنکھیں چھلک گئیں اور تڑپ کر اپنا سر مہرتاب کے کشادہ سینے پر رکھ دیا جیسے اس کی پناہ ڈھونڈ رہی ہو۔ پھر آنسوؤں میں ڈوبی اور فرطِ جذبات سے کپکپاتی آواز میں کہنے لگی۔

"مہرتاب! تم فراخ دل ہو کہ رُوٹھے نہیں۔ ہم نے بلایا اور آ گئے۔ آج تم نے ہمیں پیار کیا اور ہم اتنے خوش ہیں کہ مارے خوشی کے اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکے۔ پدرِمحترم! ہمیں "عقلِ کُل" کہتے اور لوگ عرفان شناس سمجھتے ہیں مگر تمہارے سامنے ہماری سب دانائی رخصت ہو جاتی ہے اور ہم دماغ کی بجائے دل سے سوچنے لگتے ہیں۔ ہم تمہیں اپنا سمجھتے ہیں مہرتاب! اور تم سے اس طرح محبت کریں گے کہ تاریخ میں ہمارا ذکر باقی رہ جائے گا۔"

شمورہ کی اس طویل گفتگو نے جو کچھ لفظوں سے اور کچھ آنسوؤں کی زبان میں ہوئی، مہرتاب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ ہر لفظ احساس پر ضرب لگاتا اور ہر آنسو دل کو گداز کرتا چلا گیا۔ شمورہ کی آواز میں تڑپ تھی۔ الفاظ میں پیار تھا۔ پیار میں وارفتگی تھی۔ مہرتاب کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ اس کی محبت کو قبول کرے یا معاملہ اپنی ضرورت و دلچسپی تک رہنے دے۔

ایک بااختیار شہزادی کی حیثیت سے وہ بہر حال کہیں نہ کہیں اس کے کام آ سکتی تھی کیونکہ بابل میں حالات کی رفتار تیز ہو چکی اور بہت سے نئے واقعات رونما ہونے والے تھے۔ دیوی کے روپ میں اس سے کوئی اہم کام لینے کا بھی ارادہ کر چکا تھا۔ مگر شمورہ کے پیار نے اُسے نئے جذبوں سے دوچار کر دیا۔ اب اس کی دل جوئی محض ضرورتاً نہیں بلکہ کسی اور خیال سے کرنا چاہتا تھا کیونکہ محسوس کرنے لگا تھا کہ شمورہ صرف اس کی ضرورت نہیں، زندگی کی ایک حسین دھنک ہے اور اُسے پیار سے محروم کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ قوسِ قزح کے رنگوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔

اچانک ذہن سے ایک نئے خیال کی روگزرنے لگی کہ بابل میں اُس کی آمد پر مقدس گوما

نے کہا تھا۔ ''کنواری دُخترِ بابل کا دُلہا آ گیا ہے۔'' اب ''کنواری'' کا لفظ نوکِ احساس پر یوں لرزنے، کانپنے لگا جیسے شبنم کا کوئی قطرہ نوکِ خار پر لرزتا ہے۔ وہ صرف آفریدۂ جمال بیدخت کی خاطر شمورہ سے کنارہ کش ہو گیا تھا جس نے اُسے ''گلستانِ یوسیفر'' میں بلایا اور اپنی محبت کا اظہار کیا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا کہ سلطنت کالدیا کی با اختیار شہزادی اُسے اپنے دل اور جسم پر اختیار دے رہی تھی۔ مقدس گوما کے ملہمانہ الفاظ کی روشنی میں سوچنے لگا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اس میں شمورہ ہی کا دُلہا ہو جو دُخترِ بابل بھی ہے اور کنواری بھی۔ جب کہ بیدخت زہرہ جمال اپنا جوہر دوشیزگی بیلشازار کے ہاتھوں لٹوا چکی اور چار سال کی مہلت پر تھی۔

اس خیال سے دماغ جھنجھنا اٹھا۔ اگر شمورہ ہی اس کی دُلہن بننے والی تھی تو پھر کالدیا کے غیب دان نے ساحلِ فرات پر بیدخت کو اُس کے ساتھ دیکھ کر یہ کیوں کہا تھا کہ تم دونوں کی سرشت ایک، خاک ایک حتیٰ کہ موت بھی ایک ہے۔

اس اشارۂ غیب کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیدخت سے کبھی نہ بچھڑنے کے لئے ملنے والا تھا مگر گوما ہی نے بابل میں اُس کی آمد کو کنواری دُخترِ بابل کے دُلہا کی آمد قرار دیا تھا۔

مہرتاب خیال کی بھول بھلیوں سے گزر رہا تھا۔ غیب دان گوما کے الفاظ کو معنی پہنا رہا تھا۔ بیدخت اور شمورہ کا موازنہ کر رہا تھا۔ بعض عورتیں صرف اس لئے پیدا کی جاتی ہیں کہ ان سے محبت کی جائے۔ وہ کائنات کی خوبصورتی ہوتی ہیں۔ مرد اُن کی ہر شرط پوری کرتا اور جان کی بازی لگا کر بھی انہیں جیت لینے کی کوشش کرتا ہے۔ بیدخت انہی عورتوں میں سے ایک بلکہ کائنات کی سب سے حسین عورت تھی اور مہرتاب اُس ''ہاری ہوئی عورت'' کو جیتنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ مرد اُن کے ساتھ زندگی کی ہر رات گزارنا پسند کرتا ہے کیونکہ وہ مرد کی حفاظت کرتی ہیں۔ مرد کے لئے جیتی ہیں۔ مرد کے لئے مرتی ہیں۔ شمورہ اُسی مزاج کی عورت تھی جو مہرتاب کی ضرورت بھی تھی اور حفاظت کی چھت بھی۔

اچانک خیال آیا کہ دونوں عورتوں کا اس کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور وہ کسی ایک کو دوسری کی خاطر نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اُس نے مقدس گوما کے لفظوں اور غیبی اشاروں کی یہی تعبیر نکالی کہ بیدخت اس کی سرشت اور اس کی خاک سے ملی ہوئی خاک ہے۔ جو جدا نہیں ہو سکتی اور شمورہ اس کی ضرورت اور اس کی دُلہن ہے جو اسے اپنا مردِ محبت مانتی ہے۔

اس تعبیر نے اُسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ دل و دماغ کی دو اکائیوں میں بٹ گیا اور اب شمورہ کے لئے ایک نیا جذبہ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ دُخترِ بابل کی محبت کو قبول کرنا ہے اور یہ بھی آسمانوں پر لکھی ہوئی تقدیر کا فیصلہ ہے۔ ساتھ ہی اپنی وارفتگی کا اظہار کرنے لگا۔

شمورہ نے جو دیوی ایشتار کے لباسِ زرّیں میں نئی کیفیتوں سے دوچار تھی، محسوس کیا کہ مہرتاب کے مضبوط و توانا بازوؤں کا حلقہ اُس کے گرد تنگ ہونے لگا ہے تو جسم میں نئی سنسنی دوڑ گئی۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اُس کے بازوؤں پر رکھ دیئے جن پر بازو بند کی بجائے صرف ان کے نشان رہ گئے تھے اور سوچا کہ وہ اپنا ایک بازو بند اُسے نشانی کے طور پر پیش کر چکا اور دوسرا شاید اتار آیا ہے۔ بہرحال ملاقات کا منظر ایک بار پھر شمورہ کی خواہش کے مطابق تبدیل ہو رہا تھا اور جن طاقت ور بازوؤں کے تصور میں کھوئی رہی تھی وہ اس کے گرد حمائل تھے۔ شمورہ نے اسے مہرتاب کی ایک اور عنایت قرار دیا اور اپنا چہرہ اس کے چہرے اور ہونٹ اس کے ہونٹوں کے سامنے لے آئی۔ مہرتاب نے اُس کی دعوت قبول کر لی اور کہا۔

''شمورہ! جانِ عزیز! میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اور ہم اپنی ذات کی تکمیل چاہتے ہیں۔''

''تمہاری ذات مکمل کی جائے گی۔''

''مرد کی مکمل محبت عورت کی ذات کو مکمل کرتی ہے۔''

''تم نے ثابت کر دیا ہے کہ محبت کئے جانے کے قابل ہو۔''

''پھر آج ہم اقرارِ محبت چاہتے ہیں۔''

مہرتاب نے بڑے صاف، واضح اور فیصلہ کن الفاظ میں کہا۔ ''تم سے محبت کرتا ہوں شمورہ! تم میری نصف زندگی ہو۔ کیونکہ عورت مرد کی نصف زندگی ہوتی ہے۔''

مگر اس نے دل میں اپنی نصف زندگی بیدخت زہرہ جمال کو ٹھہرایا اور نصف زندگی شمورہ کو کہا۔ مہرتاب کے اقرارِ محبت نے اس کے دل میں، بدن میں، خون میں ایک نئی حرارت پیدا کر دی۔ چہرے پر رنگ بکھیر دیئے۔ وفورِ مسرت میں اپنی دونوں کلائیاں اس کے گلے میں پرو دیں اور شگفتہ ہونٹوں پر تبسم کا جادو جگا کر بولی۔

''پھر ہم پدرِ محترم سے کہہ دیں کہ ہمارے لئے حجلۂ عروسی تیار کرائیں کیونکہ ہم نے اپنا دُلہا

پسند کرلیا ہے۔''

''جانِ مہرتاب! ابھی حجلۂ عروسی کے لئے کچھ انتظار کرنا ہوگا۔''

''انتظار کیوں؟''

''کیونکہ ابھی ہمارے وصل کی رات نہیں آئی۔''

شمورہ پھر بے چین ہوگئی۔ ''وصل کی رات کب آئے گی؟''

مہرتاب نے چھت کی طرف دیکھ جیسے آسمان کو دیکھ رہا ہو اور جواب دیا۔ ''جب آسمان پر عطارد اور زُحل کا قران ہوگا اور زمین پر موت کی دستک سنائی دے گی۔''

شمورہ کی کلائیوں کا ہار ٹوٹ کر گرا ___ ''موت کی بات کیوں کرتے ہو؟ محبت تو عورت کو نئی زندگی عطا کرتی ہے۔''

''تم اس زندگی سے محروم نہیں رہو گی۔'' مہرتاب سوچ رہا تھا، شمورہ کے ساتھ اُسی رات وصل کرے گا جس رات ایرانی فوج بابل میں داخل ہو جائے گی۔ اسی خیال کو ذہن میں رکھ کر اس کی کلائی پکڑ لی اور پنجے میں پنجہ پیوست کر کے بولا۔

''مجھے اپنی حیات کی قسم! اُس رات میں تمہیں موت سے چھین لاؤں گا۔ اپنی بناؤں گا۔''

یہ گویا پیمانِ وفا تھا۔ مگر شمورہ اس کے الفاظ سن کر چونک گئی۔ کیونکہ مہرتاب نے پہلی ملاقات میں بھی ''خطروں کی رات'' اور ''موت کی دستک'' کا ذکر کیا تھا اور آج وہی بات دہرائی تھی۔ اس تکرار پر شہزادی کے ذہن میں کسی خطرے نے انگڑائی لی۔

''تم نے پہلے بھی کسی ایسی ہی رات کے بارے میں کچھ کہا تھا۔''

''ہر دن کی ایک رات ہوتی ہے شمورہ! مگر بعض راتیں سالوں اور صدیوں کے بعد آتی اور سب کچھ بدل دیتی ہیں۔ ایسی ہی ایک رات بابل پر بھی آنے والی ہے۔''

''مگر ہم اس رات کی دستک اپنے دل پر محسوس کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم دُخترِ بابل ہیں۔''

''اسی لئے تمہیں ایک پُرجلال دیوی کے رُوپ میں دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ اس رات کے آنے سے پہلے تمہیں کچھ اہم فیصلے کرنا ہیں اور وہ فیصلے صرف تم کرو گی۔''

شمورہ کی حیرت کچھ اور بڑھ گئی۔ ''کون سے فیصلے؟''

مہرتاب نے بدلے ہوئے لہجے میں جس نے شمورہ کو مرعوب کر دیا تھا، جواب دیا۔ ''کچھ فیصلے انسان کرتا ہے جنہیں وقت مٹا دیتا ہے مگر کچھ فیصلے وقت کے ہوتے ہیں جنہیں انسان مٹانا

چاہتا ہے مگر مٹا نہیں سکتا۔ تم دیوی کے رُوپ میں وقت کے وہی فیصلے صادر کرو گی اور وہ فیصلے انصاف پر مبنی ہوں گے۔''

اب شمورہ سمجھ گئی کہ اُسے پُرجلال دیوی کے روپ میں اسی لئے دیکھنا چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس کے فیصلوں سے انکار نہ کر سکے۔ حیران تھی، نہ جانے وہ کس کا انصاف چاہتا ہے اور وقت کے فیصلے کیا ہوں گے۔ اچانک مہرتاب نے پوچھا۔

''تم اس وقت اِیشتار کے روپ میں ہو۔ کیا دیوی کسی مظلوم کو انصاف سے محروم کر سکتی ہے؟''

''نہیں۔'' شمورہ نے فوراً جواب دیا۔ ''ظالم خواہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، دیوی مظلوم کا انصاف ضرور کرے گی۔ اگر وہ انصاف نہ کرے تو دیوی نہیں رہتی۔''

''پھر تمہیں بھی دیوی کے رُوپ میں عنقریب ایک ایسے مقدمہ میں شریک ہونا اور انصاف کرنا ہوگا جس میں ایک فریق بہت طاقتور اور دوسرا بہت کمزور ہے۔ کمزور کو خطرہ ہے کہ حصولِ انصاف سے قبل اُسے سرِ عدالت قتل کر دیا جائے گا۔''

''عدالت کے فیصلے سے قبل کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حمورابی کا قانون ہے۔''

''مقدمہ کسی ایسی ہستی کے خلاف بھی ہو سکتا ہے جو قانون بدل دینے اور فریادی کو قتل کر دینے کی طاقت رکھتی ہو۔''

''ایسی ہستی صرف بادشاہ کی ہو سکتی ہے مگر فریادی کے پاس الزام کا ثبوت ہو تو بادشاہ بھی اُسے قتل نہیں کر سکتا۔''

''ہو سکتا ہے مقدمہ بادشاہ ہی کے خلاف ہو لیکن تمہیں فریادی کی زندگی بچانا ہوگی۔ دیوی کے رُوپ میں انصاف کرنا ہوگا۔''

شمورہ کو معاملہ بڑا پُراسرار اور سنسنی خیز معلوم ہوا کیونکہ مہرتاب نے مقدمہ کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر دیا اور صرف دیوی کے نام پر انصاف چاہا تھا۔ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

''مہرتاب! ہم نہیں جانتے۔ اگر مقدمہ بادشاہ ہی کے خلاف ہے تو الزام کی نوعیت کیا ہو گی لیکن وعدہ کرتے ہیں کہ فیصلہ سے قبل فریادی پر آنچ نہیں آنے دیں گے اور اگر کسی نے انصاف کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو دیوی کے رُوپ میں خود انصاف کریں گے۔''

مہرتاب نے ایک بار پھر شمورہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اس کے دل میں پیار کی

شمع روشن کرنے لگا۔ وہ کئی دن سے اسی پیار کے لئے تڑپ رہی تھی اور اب ایوانِ ماکلوب کے کمرۂ تنہائی میں عرفانِ محبت سے دوچار تھی۔

دونوں نے وہ رات محبت کے پہلے اعتکاف میں گزار دی کیونکہ مہرتاب کے بقول ابھی ان کے وصل کی رات نہیں آئی تھی۔ پھر بھی شمورہ کے ہونٹوں پر محبت کی اَن گنت مہریں ثبت ہوئیں۔ گجردم جب ہیکلوں، معبدوں، مندروں میں پھونکے جا رہے تھے، پیتل کی گھنٹیاں بج رہی تھیں مہرتاب نے اُسے الوداعی پیار کیا اور عجمی غلام اِکتانا کی رہنمائی میں ایوانِ ماکلوب سے رخصت ہو گیا۔

یہ ملاقات اس اعتبار سے بے حد مفید ثابت ہوئی کہ اُس نے اساگیلہ کے حصار میں داخل ہونے کا خفیہ راستہ دیکھ لیا تھا۔

(36)

فرض کے راستے

معبد اکور میں جہاں بیل کی پوجا ہوتی تھی پجاریوں کا ہجوم بکھرنے لگا تھا اور معبد کی سانولی سلونی دیوداسی پارکا بڑی بے قراری سے کبھی صحن میں پھرتی، کبھی ڈیوڑھی میں آتی اور پریشان ہو کر لوٹ جاتی تھی۔

وعدے کے مطابق مہرتاب کو اس وقت تک پہنچ جانا چاہئے تھا۔ وہ تیسرے ہی دن آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوا تھا۔ پارکا پانچویں بار ڈیوڑھی میں آئی اور باہر نظر دوڑا کر پلٹنے ہی والی تھی کہ مہرتاب سیڑھیاں چڑھ کر پیتل کے عظیم بیل کے چبوترے پر نمودار ہوا جہاں کچھ پروہت لوگوں سے بیل دیوتا کے نذرانے وصول کر رہے تھے۔ وہ اُسے دیکھ کر انہی قدموں رک گئی۔

مہرتاب نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا، لپک کر ڈیوڑھی میں پہنچا اور آتے ہی بولا۔

''شاید مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ دراصل میں ____''

کچھ کہنے والا تھا کہ پارکا نے ٹوک دیا۔ ''کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔ بس تم آ گئے۔''

''اور سردار نرقال؟''

''وہ میرے کمرے میں موجود ہے۔''

دونوں صحن سے گزر کر معبد میں داخل ہوئے اور کئی راہداریاں عبور کر کے عقبی حصے میں پہنچے جہاں زینہ تھا۔ پہلی سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہی پارکا نے انکشاف کیا۔

''میں نے اُسے رات ہی بلا لیا تھا۔''

مہرتاب نے ذرا چونک کر دیکھا تو مسکرا دی۔ معنی خیز مسکراہٹ سے پتہ چلتا تھا کہ سردار کو

اس کی فرمائش پوری کرنے پر آمادہ کر چکی ہے۔ زینے کے وسط میں پہنچ کر اس نے خود ہی اس خیال کی تصدیق کر دی اور مسکرا کے بولی۔

"میرے کمرے تک پہنچنے کے لئے یہ سیڑھیاں دوسری بار چڑھ رہے ہو مگر رات کو تمہیں عقبی زینہ استعمال کرنا ہوگا۔"

مہرتاب کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ فرات کے شمالی برجوں اور درّوں کا مشاہدہ اس کے منصوبے کا سب سے اہم حصہ تھا جس پر تسخیر بابل کا انحصار تھا۔ ان برجوں اور درّوں کی خاطر وہ پارکا پر کئی راتیں قربان کر سکتا تھا۔ اس نے جوابی مسکراہٹ سے دیوداسی کی حوصلہ افزائی کی اور ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ کمرے میں پہنچا تو 50، 52 برس کے فوجی سردار نے بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا جو خشخشی داڑھی، بھاری مونچھوں، رعب دار چہرے اور صحت مند جسم کا آدمی تھا۔ ہاتھ ملانے کے انداز میں بھی گرم جوشی تھی۔

پارکا کو رسمی تعارف کرانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ غالباً ساری بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی اور نرقال تعارف کے بغیر ہی اُسے پہچانتا تھا۔ دیوداسی نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، حرف بہ حرف درست ثابت ہوا۔ واقعی اس کا والہ و شیفتہ اور ہر بات مانتا تھا۔ مسند پر بیٹھتے ہی گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"میں تمہیں جانتا ہوں مہرتاب! ملاقات بے شک پہلی مرتبہ ہوئی ہے لیکن مصری سفیر کی آمد پر تمہیں دربار میں دیکھا تھا، تمہاری باتیں سنی تھیں۔ بڑے خوش قسمت ہو کہ بادشاہ تم پر اعتماد کرتا اور تمہاری رائے مانتا ہے۔"

مہرتاب کے نقطہ نظر سے ملاقات کا آغاز اچھا ہوا اور ابتداء ہی سے اعتماد کی فضا قائم ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی تھوڑی سی اہمیت اور واضح کر دی۔ "بادشاہ نے مشیر بنا کر مجھے پابند کر لیا ہے۔ ہر محفل میں حاضری ضروری ہو گئی ہے۔"

"تم واحد آدمی ہو جسے یہ اعزاز حاصل ہوا۔" پھر نرقال مطلب پر آ گیا۔ "مجھے خوشی ہے کہ پارکا تم جیسے آدمی کی دوستی چاہتی ہے اور تم نے دوستی کی ایک شرط بھی رکھی ہے۔"

"شرط تو محض ایک بہانہ ہے سردار! اسی بہانے تم سے ملاقات مقدر تھی۔"

"مگر میں تمہاری شرط پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے بھی تم سے مشورہ کرنے کا موقع ملے گا اور مشورے کے بغیر آدمی اپنے مقصد اور ارادے میں کامیاب نہیں ہوتا۔"

مہرتاب حیران ہوا۔ "کیسا مشورہ؟"

"فرات کے شمالی برج ہماری حفاظت کے حلقے ہیں۔ میں نہیں جانتا تم نے کسی ارادے سے یا غیر ارادی طور پر انہیں دیکھنے کی خواہش کی ہے مگر یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تمہاری رفاقت نصیب ہوئی۔ اب شمالی برجوں کی دفاعی حیثیت کے بارے میں تمہاری رائے معلوم کر سکوں گا۔ کیونکہ بابل کی حفاظت کا فرض مجھے سونپ دیا گیا ہے۔"

پھر ایک پل ٹھہر کے نرقال نے وضاحت کی۔ "کسی غیر فوجی کو اُدھر پاؤں رکھنے کی بھی اجازت نہیں مگر میں اپنے فرائض کو سمجھتا ہوں اور ان میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا خواہ وہ بیلشازار ہی کیوں نہ ہو۔"

مہرتاب نے سوچا یہ آدمی تو بے حد مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر آدمی کے دو چہرے ہوتے ہیں۔ ایک چہرہ سب کو دکھاتا ہے، دوسرا سب سے چھپا کے رکھتا ہے۔ نرقال نے اپنے دوسرے چہرے کی تھوڑی سی جھلک دکھائی تھی۔ مہرتاب نے اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔

"جب میں نے شرط رکھی، ذہن میں کوئی بات نہیں تھی۔ صرف تمہارے اور پارکا کے تعلقات کی نوعیت جاننا چاہتا تھا۔ مگر تم نے شمالی برجوں کی دفاعی حیثیت کا ذکر کیا ہے تو انہیں دیکھنے کا اشتیاق بڑھ گیا ہے۔ شاید میں تمہارے کسی کام آ سکوں، تمہیں کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔"

"مجھے بے حد خوشی ہوگی مہرتاب! میں دانشوروں کی رائے کو اہمیت دیتا ہوں۔"

پارکا چپ چاپ بیٹھی اُن کی گفتگو سن رہی تھی۔ اچانک کہنے لگی۔ "نرقال! مہرتاب نے ریموت کو بھی مشورہ دیا تھا کہ بابل کی فکر کرنی چاہئے کیونکہ ایرانی شہر کے کچھ اور قریب آ گئے ہیں۔ مگر ریموت نے یہ کہہ کر اس کا مشورہ مسترد کر دیا کہ بابل کی حفاظت دیوتا کرتے ہیں۔"

"بے شک ایمگور بل دیوتاؤں کی دیوار ہے اور دشمن اسے پار نہیں کر سکتا مگر دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے ہمیں بھی اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ کیونکہ دیوتا انسانوں کے ذریعے اپنی مرضی پوری کرتے ہیں۔" پھر نرقال نے ریموت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا۔ "ریموت صرف خفیہ امور کا سربراہ ہے، اُسے جنگ کا تجربہ نہیں۔ حالانکہ ایرانیوں نے فرات کی شمالی بستیوں پر قبضہ کر کے ہمارے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔"

"میں ریموت کو اسی خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔" مہرتاب نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ "مگر اس نے توجہ نہیں دی۔ سردار نرقال! کہیں زیادہ خطرہ تو نہیں؟"

''خطرہ تو ہے۔لیکن ہم پوری طرح چوکس ہیں اور ہمارے حفاظتی انتظامات مکمل ہیں۔تم خود دیکھ لو گے۔اور مجھے اُمید ہے کہ کوئی کارآمد مشورہ بھی دے سکو گے۔''

''تو کب چلنے کا ارادہ ہے؟''

''میرا رتھ بان آجائے تو روانہ ہو جائیں گے۔'' نرقال نے بتایا۔''میں نے اُسے ہدایت کی تھی کہ عبادت ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد آجائے۔بس آنے ہی والا ہوگا۔اس عرصے میں ہم کچھ دوستانہ باتیں کرلیں گے۔''

''سردار نرقال!تم مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔''

''مگر میری دوستی کے لئے پارکا سے تمہاری دوستی ضروری ہے۔''

پارکا سے دوستی کی بات نرقال نے خود چھیڑی اور اب مہرتاب اس کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

''مجھے دوستی سے انکار نہیں۔مگر تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟''

''کیا پارکا نے تمہیں نہیں بتایا؟''

''جو کچھ بتایا وہ کافی نہیں۔اصل وجہ جاننا چاہتا ہوں۔''

سردار نرقال شش و پنج میں پڑ گیا۔''کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں۔''

''اگر پارکا سے میری دوستی چاہتے ہو تو ہمارے درمیان کوئی بات پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے۔''

نرقال نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔''کوئی اور ہوتا تو اصل وجہ بیان نہ کرتا مگر تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ایک خطرناک مہم مجھے درپیش ہے جس سے شاید زندہ لوٹ کر نہ آسکوں۔خطرے کے وقت عورتیں اپنے گہنے مٹی میں دبا دیتی ہیں لیکن مرد اپنی عزیز چیزیں محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر جاتا ہے۔مجھے پارکا بے حد عزیز ہے اس لئے روانگی سے پہلے اس کے مستقبل کی فکر ہے اور اس نے تمہارا انتخاب کر کے میرے تمام اندیشے دُور کر دیئے ہیں۔''

یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی کہ سردار نرقال کسی خطرناک مہم پر روانہ ہونے والا ہے۔مہرتاب کا تجسس بڑھا۔''اس وقت جب ایرانی بابل کو گھیرے پڑے ہیں،بابل کی حفاظت سے اہم مہم اور کون سی ہو سکتی ہے؟''

نرقال نے ایک لرزہ خیز انکشاف کیا۔''بیلشازار چاہتا ہے کہ ایران پر جوابی حملہ کیا جائے۔اس حملے کی سپہ سالاری مجھے سونپی گئی ہے۔کورش بابل میں داخل نہیں ہو سکتا مگر میں

کلدانی سواروں کو لے کر ہمدان اور پارساگرد پر یلغار کروں گا۔تم خود سمجھ سکتے ہو یہ مہم کس قدر خطرناک ہے۔اس وقت بڑے بڑے ہخامنشی اور گورگانی سردار کورش کے ہمراہ کالدیا میں موجود ہیں مگر ہمدان اور پارساگرد ایرانی بہادروں سے خالی نہیں ہوں گے۔وہ مجھے زندہ سلامت لوٹ کر نہیں آنے دیں گے۔''

ایران پر ''جوابی حملے'' کی بات انتہائی اہم اور خطرناک تھی جو محض پارکا کے حوالے سے معلوم ہوئی لیکن ابھی وہ اس سلسلے میں کچھ اور معلومات حاصل کرنے کی سوچ رہا تھا کہ حسین پارکا نے بڑے پیار سے اپنا ہاتھ نرقال کے کندھے پر رکھ دیا۔

''اگر یہ مہم اتنی خطرناک ہے تو بیلشازار سے کہو اس کی سپہ سالاری کسی اور کو سونپ دے۔تمہاری بہن اس کے حرم میں ہے۔وہ بھی اسے روک سکتی ہے۔''

جواب میں سردار نرقال نے جو کچھ کہا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل تھا۔''جو شخص دشمن پر حملہ کرتا ہے اُسے زخم کھانے اور مرنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔لیکن موت صرف میدانِ جنگ میں نہیں آتی۔لوگ اپنے گھروں میں بستر پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے بھی مرجاتے ہیں۔دشمن کے خلاف سپہ سالاری ایک اعزاز ہے۔جو سردار اس سے انکار کردے،اس کا نام رہتی دنیا تک حقارت سے لیا جائے گا۔''

پارکا خاموش ہوگئی مگر اس کی بات مہرتاب نے آگے بڑھائی۔''سردار نرقال!لڑنا مرنا بہادروں کا شیوہ ہے کیونکہ وہ لاشوں کے بستر پر آرام کرتے ہیں۔لیکن کوئی بھی عقل مند سپہ سالار دشمن کے ملک پر کمزور فوج کے ساتھ چڑھائی نہیں کرتا۔مضبوط فوج لے کر جاؤ گے تو فتح یاب ہو کر بھی لوٹ سکتے ہو۔''

''میرے ساتھ دس ہزار جنگجو سوار اور بیس ہزار پیادہ دستے ہوں گے مگر ایران جیسے ملک کے لئے جس نے کئی مملکتوں کو زیر کرلیا ہے،یہ فوج کافی نہیں۔میرا کام صرف چھاپے مارنا اور ایرانی سلطنت میں خوف و ہراس پھیلانا ہے تاکہ کورش بابل کا محاصرہ چھوڑ کر واپس چلا جائے۔''

''کیا وہ واپس چلا جائے گا؟''

''بابل میں اس کی موجودگی بیلشازار کے لئے اور ایران کی طرف واپسی میرے لئے خطرناک ہوگی کیونکہ وہ میرے تمام راستے روک لے گا۔اُس کا رسالہ ''قشونِ جاودانی'' موت کی طرح حرکت کرتا ہے۔اگر مقابلہ ہوا تو پیچھے نہیں ہٹوں گا۔انجام خواہ کچھ ہو۔''

''ایران کی طرف روانگی کب ہوگی؟''

''عید بیلس کے بعد، تشرین کے مہینے میں۔''

تشرین فصل کی کٹائی کا مہینہ تھا اور عید بیلس بھی اسی مہینے میں منائی جاتی تھی۔ مہرتاب نے بڑی اہم معلومات حاصل کر لی تھیں۔ نرقال کی تسلی کے لئے بولا۔

''مجھے اُمید ہے تم کامیاب لوٹو گے۔''

''دیوتا تمہاری زبان مبارک کریں۔ مگر مجھے ہمدان سے پارسا گرد تک طویل سفر طے کرنا ہے۔ ایک سال کا عرصہ ضرور لگ جائے گا۔ ہوسکتا ہے لوٹ آؤں، ہوسکتا ہے میری قبر ماد یا فارس کے کسی میدان میں تیار ہو۔''

''ایسا نہ کہو نرقال!'' پارکا چلائی۔ ''میں دیوتاؤں سے تمہاری واپسی کی دُعا کروں گی۔''

اسی لمحے عقبی زینے پر قدموں کی چاپ اُبھری۔ وہ مسند سے اُٹھ کر چھوٹے حجرے میں گئی مگر فوراً لوٹ آئی اور نرقال کو رتھ بان کے آنے کی اطلاع دی جس نے رتھ معبد کے عقبی کوچے میں کھڑا کیا اور اپنے آنے کی اطلاع دے کر لوٹ گیا تھا۔ نرقال واپسی کے لئے تیار ہو گیا اور مہرتاب کا ہاتھ پکڑ کر پارکا سے مخاطب ہوا۔

''میں تمہارے دوست کو لئے جارہا ہوں تاکہ تمہاری فرمائش پوری کر سکوں۔''

پارکا نے سفارش کی۔ ''میرے دوست کے ساتھ اچھا سلوک کرنا نرقال!''

''مہرتاب واپسی پر تمہیں خود بتائے گا کہ میں نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ آؤ مہرتاب! چلیں۔''

دونوں کمرے سے نکل کر عقبی زینے کی طرف چلے تو پارکا بھی پیچھے پیچھے تھی۔ زینہ اترتے ہوئے اس نے مہرتاب کا ہاتھ تھام لیا اور ہاتھ دبا کر سرگوشی کی۔

''میں رات کو انتظار کروں گی۔ دیر سے نہ آنا۔''

زینہ اُتر کر وہ عقبی دیوار کے برنجی دروازے پر پہنچے۔ پارکا نے ہاتھ ہلا کر انہیں رخصت کیا اور برنجی دروازہ بند ہو گیا۔ دو عراقی گھوڑوں کا فوجی رتھ دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا۔ دونوں آگے پیچھے سوار ہوئے۔ رتھ بان نے لگامیں سنبھالیں اور سردار نرقال نے فرات کے شمالی برجوں کی طرف چلنے کی ہدایت کی۔

رتھ کے پہیے حرکت میں آئے اور وہ سفر شروع ہوا جو مہرتاب کے لئے بڑا اہم تھا۔ دل ہی

دل میں پارکا کا شکر گزار ہو رہا تھا جس کے ذریعے ایک انتہائی مشکل بلکہ ناممکن کام بے حد آسان ہو گیا تھا۔ جس منصوبے کے تحت یہاں آیا تھا اس میں شمالی بُرجوں اور درّوں کا مشاہدہ سرفہرست تھا۔ پچھلے چاند کی تیسری رات ہاروت ماروت کو انہی برجوں کی طرف جاتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا اور ساتھ ہی یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ کوئی شخص فرات کے شمالی برجوں کا رُخ نہ کرے۔ کورش کے لشکر شمال ہی کی طرف چھاؤنی ڈالے پڑے تھے اور ایمگو ربل کے شمالی حصار کی فوجی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ دفاعِ بابل کا انحصار ایمگو ربل اور فرات کے شمالی برجوں پر تھا جو دریا کے دونوں کناروں پر واقع تھے اور یہیں سے فرات حصارِ بابل کے اندر داخل ہوتا تھا۔

❁

رتھ شاہراہِ پراتو پر شمال کی طرف بڑھتا رہا اور پانچ چھ میل کا فاصلہ عبور کر کے بابل کی پہلی فصیل نیمیتی بل سے گزرا۔ نیمیتی بل تک آمدورفت کی پابندی نہیں تھی مگر آگے کوئی غیرفوجی اڑھائی میل کی اس پٹی میں داخل نہ ہو سکتا تھا جو ایمگو ربل تک پھیلی تھی۔ یہ پابندی بھی صرف شمال کی طرف تھی۔ کیونکہ اس علاقے کو فوجوں کی آمدورفت یا دیگر دفاعی امور کے لئے وقف کر دیا گیا تھا۔

رتھ نیمیتی بل سے گزر کر ایمگو ربل کی جانب بڑھنے لگا تو مہرتاب کے دل میں جذبات کا ایک عجیب سا مدوجزر شروع ہوا۔ کیونکہ پارکا کی دوستی نے وہ راستہ کھول دیا جس سے گزر کر اپنے مقصد سے قریب ہو رہا تھا۔ معبدِ اکور کی دیوداسی سے ملاقات اتفاقیہ تھی مگر ایک اتفاق سے دوسرا اتفاق اور ایک واقعے سے دوسرا واقعہ پیدا ہوا تھا۔ منزل خود اس کے قدموں میں آرہی تھی۔

رتھ نیمیتی بل سے ایک میل آگے بڑھ آیا تو دونوں فصیلوں کی درمیانی پٹی پر پہلا فوجی حلقہ نظر آیا جو اینٹوں کے ایک بھٹے کے دامن میں خیمہ زن تھا۔ بھٹے پر کام کرنے والے غلاموں اور کھیتوں، نخلستانوں کی حفاظت کرنے والے مزدوروں کو اس قطعے سے رخصت کر دیا گیا تھا۔

مہرتاب نے ایمگو ربل تک جگہ جگہ فوجی دستوں کو خیمہ زن دیکھا۔ اڑھائی میل کی یہ پٹی ایک فوجی چھاؤنی کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ اس کے پیچھے نیمیتی بل اور آگے ایمگو ربل کے ناقابل شکست اور فلک بوس حصار کھڑے تھے۔ فرات کے دونوں کناروں پر (جہاں بلند و بالا اور نیرنگِ زمانہ فصیل ایمگو ربل کے درمیان پانی کی ایک میل چوڑی شاخ حائل تھی) وہ عظیم بُرج نظر آرہے تھے جن کی بلندیوں پر پراتو دیوتا کے کوہ پیکر بُت نصب تھے تاکہ وہ دشتِ فرات اور شمالی صحراؤں کی نگرانی کرتے رہیں۔

یہ دیوتاؤں کے شہر بابل کا دفاعی حلقہ تھا جسے مہرتاب چشمِ تجسس سے دیکھتا چلا گیا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ کلدانی فوج کسی بھی امکانی حملے کو روکنے کے لئے کافی سرگرم ہے۔ اب رتھ ایمگور بل کی عظیم الرفعت فصیل کے ساتھ فرات کے مشرقی برج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جونہی وہ برج کے قریب رکا ایک فوجی افسر نے اپنے دو نائبوں کے ہمراہ سردار نرقال کا استقبال کیا۔ مہرتاب بھی اس کے ساتھ ہی رتھ سے اُترا۔ اپنے افسروں سے کچھ گفتگو کرنے کے بعد وہ مہرتاب کی طرف مُڑا اور بولا۔ ''پہلے ہم فصیل دیکھیں گے۔''

بابل کے چوفیر ساٹھ میل کے رقبے میں پھیلی اس عجوبہ فصیل[1] کا ہر ضلع پندرہ میل تھا کیونکہ بابل چوکور شہر تھا۔ پوری فصیل میں ایک سو برنجی دروازے اور دو سو پچاس برج تھے مگر شمال کی طرف جہاں دریا شہر میں داخل ہوتا اور جنوب کی سمت جہاں وہ شہر سے نکلتا، دو دو برج علیحدہ تھے جو ''فرات کے برج'' کہلاتے تھے۔

سردار نرقال اور اس کے فوجی افسروں کے ساتھ مہرتاب ایک عظیم الہیبت برنجی دروازے میں داخل ہوا جس کی 87 فٹ چوڑی ڈیوڑھی سے (کیونکہ ایمگور بل کا عرض 87 فٹ تھا) ایک چکردار زینہ فصیل کی 350 فٹ بلندی کو پانچ درجوں میں تقسیم کرتا اوپر پہنچتا تھا۔

مہرتاب اپنے مضبوط جسم سے ایک فوجی ہی معلوم ہوتا تھا۔ صرف لباس مختلف تھا۔ پانچوں درجے عبور کر کے ایمگور بل کی بلندی پر پہنچنے میں اس نے سب سے زیادہ پھرتی دکھائی اور جب حصار کی بلندی سے نیچے نظر دوڑائی تو زمین پر چلنے پھرنے والے کلدانی سپاہی کیڑے مکوڑوں کی طرح بالکل حقیر دکھائی دیئے۔ فصیل پر پہنچ کر وہ اپنے آپ کو فرازِ آسمان پر محسوس کرنے لگا۔

شمال کی طرف فرات اپنے دونوں ساحلوں کی ترائی اور گھنے بیلوں کے درمیان ایک آبی لکیر کی صورت حدِ نظر تک چلا گیا تھا۔ پانچ چھ میل پرے دریا کنارے ان دونوں بستیوں کے دُھندلے دُھندلے خاکے نظر آ رہے تھے جن پر ایرانیوں نے حال ہی میں قبضہ کیا تھا۔

350 فٹ کی بلندی سے مہرتاب نے جھیل سمی رامیس اور اس کے کناروں سے ساحلِ فرات تک طویل رقبے میں خیمہ زن ایرانی لشکروں کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن سولہ سترہ میل کی

[1] بعض مؤرخوں نے بیرونی فصیل کی بلندی دو سو فٹ تحریر کی تھی۔ کورش کے داماد دارا گشتاسپ کے عہد عہد میں اہلِ بابل کی بغاوت کے ایام میں فصیل کی ڈیڑھ سو فٹ بلندی کم کر دی گئی تھی۔ جب سکندرِ اعظم آخری دارا کو شکست دے کر بابل میں داخل ہوا اس وقت بھی فصیل دو سو فٹ بلند تھی۔ (تاریخ بابل)

دُوری کے باعث ایک دُھندلی لکیر کے سوا کچھ نظر نہ آ سکا۔ تاہم شمالی میدانوں اور دشتِ فرات کا نظارہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ہخامنشی ماہرینِ حرب نے بابل کو شمال کی جانب سے اپنی پوری زد میں لے رکھا ہے اور اس وقت عظیم بابل صرف اپنی گزری عظمتوں کا سایہ بن کے رہ گیا ہے۔

350 فٹ اونچے اور 87 فٹ چوڑے حصار کے برجوں میں موجود کلدانی سپاہی سردار نرقال کی آمد پر چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ فصیل پر گشت حسبِ معمول تھا۔ مہرتاب نے کنگوروں کے ساتھ پتھروں کے انبار دیکھے جو حملہ آوروں پر برسانے کے لئے جمع کئے گئے تھے۔ جگہ جگہ لوہے کے کڑاہے دیکھے جن میں تیل بھرا تھا تاکہ اوپر سے دشمن پر کھولتا ہوا تیل انڈیل کر اسے زندہ جلا دیا جائے۔ برجوں میں آلاتِ حرب کے ذخیرے دیکھے جن میں پھینکنے والے نیزے اور تیر زیادہ تھے۔ فوجی رتھ دیکھے جو چوڑی فصیل پر حرکت کرتے اور رسد پہنچاتے تھے۔

دفاعِ بابل کے انتظامات اتنے سخت اور ہلاکت آفریں تھے کہ طاقت ور سے طاقت ور فوج بھی ایمگور بل کے ناقابلِ شکست، ناقابلِ عبور حصار سے آگے نہ بڑھ سکتی تھی۔ انہی انتظامات کے باعث ایک سال قبل ایرانی شہنشاہ محاصرہ اُٹھا کر جھیل سمیرامیس پر چلا گیا مگر اُس نے تسخیرِ بابل کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ اب مہرتاب تسخیر کے نقشے میں رنگِ عمل بھرنے آیا تھا۔ اُس نے یہ سب کچھ بغور دیکھا اور سردار نرقال سے کہنے لگا۔

''اس فصیل کی تسخیر انسانوں کے بس کی بات نہیں۔''

نرقال کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ ''یہ دیوتاؤں کی دیوار ہے مہرتاب! بے دین[1] ایرانی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکیں گے۔''

''سردار نرقال! کل کیا ہو گا؟ یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ مگر ایمگور بل جس طرح آج غنیم کا راستہ

[1] بُت پرست کلدانی کورش اور ایرانیوں کو ''بے دین'' کہتے تھے کچھ ہی عرصہ قبل حضرت زرتشت کی آواز قدیم مجوسی مذہب کے خلاف بلند ہو چکی تھی جنہوں نے خدائے واحد ''آہورموزدہ'' کا وہی تصور پیش کیا جو عبرانیوں کے رب الافواج یہواہ سے مماثل تھا۔ کورش حضرت زرتشت کا پیروکار اور خدائے واحد کا پرستار تھا۔ متعدد علمائے اسلام اسے قرآنِ حکیم کا ''ذوالقرنین'' قرار دیتے ہیں مگر ہیرلڈلیم نے لکھا ہے کہ وہ دیوی دیوتاؤں کو مانتا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بے محلِ نظر ہے۔ مغربی مصنفین کورش کے مذہب کی صحیح تحقیق نہیں کر سکے۔ (مصنف)

رو کے کھڑی ہے اسی طرح کل بھی کھڑی ہوگی اور کوئی شخص اسے عبور نہیں کر سکے گا۔"

مہرتاب نے سب کچھ نرقال کی تسلی کے لئے کہا۔ حالانکہ جانتا تھا فاصلے کتنے ہی بعید اور حصار کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں وہ کورش کا راستہ نہیں روک سکتے۔

فصیل کا معائنہ کرنے اور مہرتاب کی رائے سننے کے بعد نرقال واپس ہولیا۔ اب اُس کا رخ پھر فرات کے مشرقی بُرج کی طرف تھا جو دریا کے مشرقی ساحل پر ایمگو ربل سے ملحق تھا۔ اس کی بلندی فصیل سے کم تھی۔ ویسا ہی ایک برج مغربی کنارے پر بلند و بالا فصیل سے ملا ہوا تھا اور دونوں برجوں کے درمیان وہ حفاظتی دیوار تھی جو ایک میل چوڑے دریا میں پاتال تک نصب مضبوط پیل پایوں اور محرابی درّوں پر اُٹھائی گئی تھی۔ دیوار زیادہ بلند نہ تھی پھر بھی اُسے عبور کرنا یا توڑنا ممکن نہ تھا۔ برج سے گزر کر وہ اس دیوار پر آئے تو اب مہرتاب نے دریا کے حفاظتی نظام کو چشمِ حیرت سے دیکھا۔

بڑے بڑے محرابی درّے جن سے پانی گزرتا، پچیس چھبیس فٹ چوڑے اور ان کے اندر مضبوط آہنی جنگلے پیوست تھے جن کی لمبی لمبی آہنی سلاخیں گہرے پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ آہنی جنگلے اور سلاخوں کو رال اور تارکول سے سیاہ کر دیا گیا تھا تاکہ پانی میں زنگ آلود نہ ہو سکیں۔ اس طرح سلاخوں نے درّوں کے نیچے گہرے پانی میں بھی ایک آہنی دیوار حائل کر دی تھی جسے توڑ کر دریا کے راستے شہر میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔

مہرتاب سے یہ حقیقت اوجھل نہ تھی کہ فرات میں کشتی رانی ہوتی ہے اور غذا کے علاوہ دیگر سامان کے ذخیرے بڑی بڑی کشتیوں کے ذریعے شہر میں منتقل کئے جاتے ہیں۔ مگر دریا کے درّے آہنی جنگلوں اور سلاخوں سے اس طرح بند کر دیئے گئے تھے کہ کشتی تو کیا پانی کے سوا لکڑی کا کوئی تختہ بھی آر پار نہیں ہو سکتا تھا۔ فرات کے یہی برج اور درّے اس کی دلچسپی کا مرکز تھے۔ وہ دریا کے حفاظتی نظام کے بارے میں تمام ضروری معلومات حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ سردار نرقال سے پوچھا۔ "مال بردار کشتیاں ان درّوں سے کیسے گزرتی ہیں؟"

"ہر درّے میں لوہے کی چرخی ہے۔ چرخی گھمانے سے سلاخوں سمیت آہنی جنگلا اوپر اٹھ جاتا ہے اور بڑی سے بڑی کشتی بھی گزر جاتی ہے۔"

یہ کہہ کر نرقال نے دریائی محافظوں میں سے ایک کو طلب کیا اور حکم دیا۔ "درّے کی سلاخیں اُوپر اُٹھاؤ۔"

محافظ فوراً درّے کی طرف لپکا اور مہرتاب نے حیرت و دلچسپی سے دیکھا کہ دیوار کی بلندی سے چالیس، پینتالیس فٹ نیچے درّوں کی محرابوں کے ساتھ ساتھ ایک پگڈنڈی سی تعمیر کی گئی ہے اور ہر محراب پر آہنی چرخی نصب ہے۔ محافظ اسی پگڈنڈی پر چلتا محراب کی چرخی تک پہنچا۔ پھر چرخی گھمائی تو سلاخوں سمیت آہنی جنگلا اوپر اٹھنے لگا اور آہستہ آہستہ درّے میں اتنا خلا پیدا ہو گیا کہ ایک جہاز بھی با آسانی گزر سکتا تھا۔ سردار کے حکم پر محافظ نے لوہے کا جنگلا پھر نیچے گرا دیا۔ یہ ایک دلچسپ مشاہدہ تھا۔ مہرتاب نے محسوس کیا جیسے اس نے سقوطِ بابل کا راستہ دریافت کر لیا ہو۔

دریا کی حفاظتی دیوار کے اندر بے شمار درّے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تعمیر کئے گئے تھے اور درّوں کے اوپر ایک پُل نما دیوار بلاشبہ کالدیا کے معماروں اور انجینئروں کے فنِ تعمیر کا کمال تھا۔ نرقال کے ساتھ اس دیوار پر چلتا وہ دریا کے مغربی ساحل پر پہنچا۔ دوسرے کنارے کا برج بھی دیکھا۔ دونوں برجوں میں بال برابر فرق نہ تھا۔ پراتو دیوتا کے بت بھی ایک جیسے تھے جو اپنی پتھریلی آنکھوں سے شمالی صحراؤں کو گھور رہے تھے۔

فرات کے اس حیرت انگیز حفاظتی نظام کو دیکھ کر وہ مشرقی برج میں لوٹ آئے جہاں اُن کے لئے دوپہر کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد نرقال نے اپنے نائبوں اور خدمات گزار غلاموں کو رخصت کر دیا اور مہرتاب سے مخاطب ہوا۔ "اب میں دریا کے حفاظتی نظام کے بارے میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ نظام فی الواقع اتنا مکمل تھا کہ خود مہرتاب کلدانی انجینئروں اور کاریگروں کی اعلیٰ مہارت پر عش عش کر اٹھا۔ کسی بھی شہر کے اتنے زبردست حفاظتی انتظامات نہ ہو سکتے تھے جس کے درمیان سے دریا گزرتا ہو۔ مگر بابل کے کاریگروں نے محیر العقل تعمیرات سے شہر کی تسخیر کو ناممکن بنا دیا تھا۔

مہرتاب کہنے لگا۔ "سردار نرقال! کورش کے مقابلے میں کلدانیوں نے ہر جنگ ہاری ہے مگر وہ بابل کی جنگ نہیں ہار سکتے کیونکہ حفاظتی انتظامات اتنے مکمل ہیں کہ مجھے ان میں کوئی خامی نظر نہیں آئی۔ اگر میں ان انتظامات کو بچشمِ خود نہ دیکھ لیتا تو یقیناً پریشان رہتا۔ لیکن اب مطمئن ہوں۔ میرا خیال ہے دشمن کا اس امید پر بابل کے سر پر بیٹھے رہنا کہ وہ کسی وقت اس شہر کو فتح کر لے گا، ایک خوابِ پریشان کے سوا اور کچھ نہیں۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے

مجھے ان حفاظتی انتظامات کو دیکھنے کا موقع دیا۔"

نرقال کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔ "یہ تو تمہاری شرطِ دوستی تھی جسے پورا کرنا میرا فرض تھا۔" پھر یک لخت اس کا لہجہ تبدیل ہو گیا۔ "بیلشازار سمجھتا ہے اس نے بابل کی جنگ لڑے بغیر جیت لی ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں نرقال!" اچانک مہرتاب نے بھی بات کا رخ بدل دیا۔ "میں تو بابل کی بجائے اب ہمدان اور پارساگرد کی مہم میں دلچسپی رکھتا ہوں۔"

یہ ذکر اس لئے چھیڑ بیٹھا تھا کہ شاید مہم کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہو سکیں۔

نرقال نے اس کی بات پکڑ لی۔

"کورش ہخامنشی زمین کا دل ہلا دینے والا حکمران ہے۔ اس نے اناطولیہ سے ہندوستان تک یلغار کی اور بے شمار ملکوں کو فتح کر لیا۔ وہ عظیم بخت نصر کی طرح بڑا شہنشاہ بن گیا ہے مگر بیلشازار اُسے کمزور کر دینا چاہتا ہے اور بخت نصر ثانی بننے کا خواہش مند ہے۔"

"اس مقصد کے لئے تو اُسے ایرانی کسریٰ سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس وقت وہی ایشیا کا بڑا حکمران سمجھا جاتا ہے۔"

نرقال پُر خیال انداز میں بولا۔ "وہ یہی سوچ رہا ہے کہ جب میں ایرانیوں میں گھس کر موت کی راہیں کھول دوں گا، کورش بابل کا محاصرہ چھوڑ کر میرا تعاقب کرے گا۔ اس وقت بیلشازار لوٹتے ہوئے ایرانی لشکر پر عقب سے حملہ کر کے اپنی شکستوں کا حساب برابر کر دے گا۔"

"ممکن ہے کورش بابل کا محاصرہ نہ چھوڑے اور اپنے کسی سردار کو تمہارے تعاقب میں بھیج دے۔"

"اس صورت میں بھی اس کی قوت تقسیم ہو گی اور بہادر بیلشازار کو موقع مل جائے گا کہ ایمگور بل سے نکل کر اس پر حملہ کرے۔"

سردار نرقال نے ایک اور حیرت انگیز انکشاف کیا۔ "بابل میں باپ بیٹے کے درمیان بھی کچھ مفاہمت ہو رہی ہے۔ شاہ بنونید نے کہا ہے اگر بیلشازار کورش کے لشکروں کو مار بھگائے تو تختِ اژدر اس کے لئے خالی کر کے خود گوشۂ تنہائی میں لوٹ جائے گا۔ اس کے بعد بیلشازار کو صرف وارثت کا جھگڑا نمٹانا ہو گا۔"

مہرتاب حیران ہوا۔ "تو کیا بیلشازار سلطنت کا تنہا وارث نہیں؟"

"ایک اور ہستی بھی وراثت میں شریک ہے۔ شہزادی شمورہ۔ اور بادشاہ نے اُسے نصف سلطنت کا وارث قرار دے رکھا ہے۔ تقسیم سلطنت کی صورت میں وہ یقیناً کسی مضبوط اور طاقت ور مرد سے شادی کر لے گی۔"

مہرتاب کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ "تمہارا مطلب ہے نصف سلطنت پر شمورہ اور اس کے شوہر کی حکومت ہو گی؟"

"کیوں نہیں۔ اگر شہزادی نے ابھی تک شادی نہیں کی تو یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سدا کنواری رہے گی۔ اس کی شادی پر تقسیم وراثت کا جھگڑا ضرور کھڑا ہو گا۔"

اب مہرتاب کو خیال آیا کہ وہ اس کے مضبوط بازوؤں کی ضرورت کیوں محسوس کر رہی تھی۔ مگر سردار نرقال کہہ رہا تھا۔

"بہت سے لوگ بیلشازار کی بجائے شمورہ کو پسند کرتے اور اسے دیوتاؤں کی زبان سمجھتے ہیں۔ ملکہ سمیرامیس کی طرح اس میں بھی ایک با اختیار ملکہ بننے کی صلاحیت ہے۔ بیلشازار اس کی اسی صلاحیت سے خوفزدہ ہے اور چاہتا ہے کہ سلطنت تقسیم نہ ہو۔"

"کیا ایسا ممکن ہے؟"

"اس کا خیال ہے کہ شمورہ کو اپنی زوجہ و ملکہ بنا لے اور دونوں اکٹھے تختِ اژدر پر بیٹھیں۔"

یہ سنتے ہی مہرتاب ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ "کیا شمورہ اس کی زوجہ بننا قبول کر لے گی؟"

"یہی تو جھگڑا ہے۔ وہ بیلشازار کی بہن ہے۔ بھائی کو خاوند کے طور پر قبول نہیں کرے گی۔" پھر نرقال بتانے لگا۔ "ویسے بھی مصر کی طرح ہمارے یہاں بہن بھائی کی شادی[1] کا رواج نہیں مگر بیلشازار سمجھتا ہے کہ شمورہ کو اپنی ملکہ بنا کر وہ سلطنت کو متحد رکھ سکتا اور اس کی حکمت و دانائی سے فائدہ اٹھا کر ایک بڑا شہنشاہ بن سکتا ہے۔"

---

[1] قدیم زمانے میں بہن بھائی کی شادی زیادہ معیوب نہیں تھی۔ سلطنت اور خاندان کے مفاد کی خاطر بعض فراعنہ اور شہزادوں نے اپنی بہنوں سے شادیاں کی تھیں۔ اس زمانے کے بعد بھی جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں، بہن بھائی کی شادیاں ہوئیں۔ قیصرِ روم جولیس سیزر نے مصر میں تخت و تاج کا جھگڑا ختم کرنے کے لئے قلوپطرہ اور اس کے بھائی بطلیموس کی شادی کرائی تھی کیونکہ اُن کا حکمران باپ بطلیموس اولی طیس مرنے سے قبل بہن بھائی کی شادی کے بارے میں وصیت کر گیا تھا۔

"اگر شمورہ نے انکار کر دیا؟"

"بیلشازار انکار سننے کا عادی نہیں۔ خود کو ہر قانون سے بالا سمجھتا اور اپنی مرضی کے خلاف ہر شخص کی رائے کو حقیر قرار دیتا ہے۔ بادشاہ پر دباؤ ڈالے گا کہ شمورہ کو اس کے لئے راضی کرے۔"

یہ سب کچھ حیرت انگیز تھا۔ اب مہرتاب شمورہ کے بارے میں کسی اور زاویے سے سوچنے لگا۔ "میرا خیال ہے ابھی بیلشازار نے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا ہوگا۔"

"شاید آج کل میں کرے۔ کیونکہ عید بیلس کے موقع پر شمورہ کو اپنی حرم بنالینا چاہتا ہے۔ وہ یقیناً اس کے لئے ایک پُرقوت ملکہ ثابت ہوگی۔"

مہرتاب کے ذہن میں چلنے والی آندھی کی رفتار کچھ اور تیز ہوگئی۔ مگر نرقال نے یکلخت گفتگو کا موضوع تبدیل کر دیا۔ "مہرتاب! یہ خاندان بخت نصر کا جھگڑا اور سلطنت کی وراثت کا معاملہ ہے۔ شاید طے ہو جائے، شاید نہ ہو۔ لیکن میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔"

مہرتاب نے چونک کر دیکھا اور وہ کہنے لگا۔ "عید بیلس پر شمورہ بیلشازار کے حرم میں داخل ہوتی ہے یا نہیں مگر اس تہوار کے بعد میں بابل سے روانہ ہو جاؤں گا اور جو شخص جنگ کے لئے گھر سے نکلتا ہے ضروری نہیں کہ لوٹ کر بھی آئے۔ میں پارکا کی خاطر تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

معبد اکور کی دیوداسی کے ناتے سردار نرقال کا وجود بے حد اہم ثابت ہوا تھا۔ اسی کے ذریعے فرات کے شمالی برجوں اور دروں کا حفاظتی نظام دیکھا، ہمدان اور پارساگرد پر کلدانی حملے کے خفیہ منصوبے سے آگاہ ہوا اور شاہی خاندان کے داخلی معاملات کی سنسنی خیز اطلاع ملی۔ نرقال عید بیلس تک یہیں تھا اور اس سے دوستی کر کے مزید معلومات حاصل کر سکتا تھا۔ اس نے سردار کا بڑھا ہوا ہاتھ بڑی گرم جوشی سے تھام لیا اور کہا۔ "نرقال! مجھے اپنا دوست سمجھو۔"

پارکا ہی سردار سے تعلق کا واسطہ بنی تھی اور اسی کے ذریعے معلومات کے دروازے کھلے تھے۔ اب اس سے دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ دونوں نے اپنی اپنی بات کہہ دی اور پارکا کے بارے میں کہنے کے لئے کچھ باقی نہ رہ گیا کیونکہ آخری بات تو ہوگئی تھی۔

اچانک نرقال نے توجہ دلائی۔ "ہمدان اور پارساگرد کی مہم بے حد خفیہ ہے۔ پارکا کے متعلق اپنی مجبوری واضح کرنے کے لئے میں نے تم پر اعتماد کیا ہے۔ اسے راز ہی سمجھو، راز ہی رکھو۔"

"میرا سینہ بہت گہرا ہے نرقال!"

"گہرے سینے دوستی کے لائق ہوتے ہیں۔"

اب مہرتاب کو بھی احتیاط کی سوجھی۔ "کیا بیلشازار سے میری ملاقات کا ذکر کرو گے؟"

"اس کا ہماری ملاقات سے کیا واسطہ؟"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اسے ہمارے معاملے کا علم نہ ہو۔"

"اپنی ذمے داری کو سمجھتا ہوں۔"

نرقال مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ مہرتاب بھی ساتھ ہی اٹھا۔ باہر دن ڈھلتا جا رہا تھا اور سائے طویل ہوگئے تھے۔ دونوں برج سے نکل آئے۔ سردار کا نائب اُسے دیکھتے ہی بھاگا آیا۔ اس نے نائب کو کچھ ہدایات دیں اور واپسی کے لئے رتھ کی طرف بڑھا۔

ایمگوربل سے نیمیتی بل کی طرف لوٹتے ہوئے مہرتاب کے تصور میں صرف شہزادی شمورہ کی تصویر تھی۔ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا کیونکہ معاملے کی ایک نئی صورت سامنے آئی اور بے حد سنسنی خیز تھی جس نے اس کے پورے وجود میں تھرتھری سی ڈال دی۔ اب اپنے اور شمورہ کے تعلقات کی اہمیت کا احساس ہوا اور ان تعلقات کے نتائج پر غور کیا تو انتہائی دلچسپ اور انتہائی سنگین معلوم ہوئے جو اس کے منصوبے میں نئے رنگ بھر سکتے تھے کیونکہ عظیم مملکت بابل کا زوال آسمان پر مقدر ہو چکا تھا اور وہ اسی شیرازے کو بکھیرنے بابل آیا تھا جسے بیلشازار ایک نئی صورت سے مرتب کرنے اور بخت نصر ثانی بننے کی سوچ رہا تھا۔

اچانک خیال آیا عشق و محبت کی ہر کہانی دل کے محور پر گھومتی ہے اور فرض کے تقاضے ذہن کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس نے دل کی باتیں بھی سنی تھیں۔ دماغ کے مشورے بھی قبول کئے تھے۔ ادھر بابل میں حالات کی رفتار تیز ہو رہی تھی۔ ادھر شاہی خاندان میں تقسیم وراثت کا ایک نیا گوشہ سامنے آیا تھا۔ سوچنے لگا اگر شہزادی شمورہ کی مرضی کے مطابق شادی کر لے تو نصف سلطنت پر لکیر کھینچ سکتا ہے لیکن ہخامنشی اور گورگانی سرداروں کی رائے کے بغیر کوئی ایسا اقدام شاید مناسب نہ تھا۔ معلوم نہیں بادشاہ کا رویہ کیا ہوگا۔ جنگجو بیلشازار کس طرح پیش آئے گا۔

کورش نے مشرق اور شمال کی طرف کلدانی سلطنت کے بہت سے حلقے توڑ دیئے۔ بہت سے اپنے ساتھ ملا لئے تھے۔ پھر بھی یہ ایک وسیع و عریض مملکت تھی جو جنوب میں شط العرب اور حیرہ و تیما تک اور مغرب میں شام، فلسطین، قبرص اور اُردن تک بازو پھیلائے کھڑی تھی

شہزادی شمورہ کے ساتھ عقد کر کے وہ اس وسیع سلطنت کو دو حصوں میں کاٹ سکتا اور جنگ جو بیلشازار کو کمزور کر سکتا تھا جس طرح وہ کورش کو کمزور کر دینے کے لئے ہمدان اور پارساگرد پر حملے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

یہ تصور بڑا پُرکشش تھا۔ کیونکہ تسخیرِ بابل کی راہیں ہموار کرنے نکلا تھا۔ نئے انکشافات کے ساتھ شمورہ ایک بار پھر خیالوں کا مرکز بن گئی جو اس کے فرض کے نقشے میں رنگِ عمل بھر سکتی تھی۔ مگر یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آگے چل کر حالات کی صورت کیا ہوگی۔

شاہ بنونید کتنا ضعیف الرائے اور کمزور سہی لیکن نئی ایرانی سلطنت کے مقابلے میں یقیناً دولت کالدیہ کا تحفظ چاہتا اور اسے مضبوط و مستحکم دیکھنا پسند کرتا تھا۔ ایرانی خطروں کے پیشِ نظر اپنے حریف بیٹے کی جنگی کامیابیوں کا خواہش مند اور اقتدار سے علیحدگی پر بھی رضامند تھا۔ ان حالات میں یقیناً وراثت کی تقسیم پسند نہیں کرے گا جو سلطنت کو مزید کمزور کر دے گی۔ وہ بیٹی پر زور دے گا کہ اپنے بھائی کی زوجہ و ملکہ بن جائے اور اسے ایک مضبوط حکمران بنانے میں مدد دے۔

ہو سکتا ہے دُخترِ بابل شمورہ محبت کی وارفتگی کو بھول کر بیلشازار کی زوجیت قبول کر لے یا حقِ سلطنت سے دستبردار ہو کر زوجیت سے انکار کر دے۔ لیکن مہرتاب کے نقشے کے مطابق اس کا ایک بااختیار شہزادی اور پُرجلال دیوی ہونا ضروری تھا۔

جس طرح اشتار اہلِ بابل کی پسندیدہ اور محبوب دیوی تھی اسی طرح شمورہ بھی عرفان و حکمت کی بدولت لوگوں میں مقبول اور دیوی دیوتاؤں کی ترجمان سمجھی جاتی تھی۔ بیلشازار بھی غالباً اسی لئے شمورہ کو اپنی زوجہ بنانا چاہتا تھا کہ لوگ اُسے بھی پسند کریں۔

یہ خیال پریشان کن تھا اور ایسے کتنے ہی خیال مہرتاب کے ذہن میں بگولوں کی مانند اُڑتے پھر رہے تھے مگر رتھ میں کھڑے کھڑے یہ سوچ کر اطمینان سا محسوس کرنے لگا کہ حکومت بنونید کی ہو یا بیلشازار کی، وہ ایک ایسے کھیل کا آغاز کر چکا ہے جو اس کی طنابیں کاٹ دے گا۔ ہاروت ماروت کے ساتھ حران کے معبدِ قمر کے تمام اسرار اس کی مٹھی میں آ گئے تھے۔ بس اُسے یہ مٹھی کھولنا تھی جس کے لئے کاہنِ اعظم اشمیدی کو تیار کر چکا تھا اور پھر بابل میں سب کچھ بدل سکتا تھا۔ مگر شہزادی شمورہ کی اعلیٰ حیثیت کو ایک دیوی کے رُوپ میں قائم رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

حالات دلچسپ اور سنسنی خیز مرحلوں میں داخل ہو رہے تھے اور وہ خود بھی انہی حالات کی

ایک لہر بن کر گھوم رہا تھا۔ نیمیتی بل تک دونوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ مہرتاب اپنے خیالوں میں، سردار نرقال اپنی سوچوں میں گم تھا۔ مگر نیمیتی بل کے حصار سے گزرتے ہی شام کا جھٹپٹا شروع ہو گیا اور بابل کے مضافات کا شور و غل سنائی دینے لگا۔ اچانک نرقال نے پوچھا۔

''سیدھے پارکا کے پاس جاؤ گے یا کہیں اُترو گے؟''

مہرتاب چونک سا گیا۔ شام کے ملگجی سایوں میں معبد اکور کے علاوہ کاشانۂ زہرہ کا خیال بھی آیا مگر حالات کی نئی صورت کے پیشِ نظر سب سے پہلے سردار سیسرا سے ملاقات ضروری تھی۔ اپنے چہرے پر اعتماد کی مسکراہٹ بکھیر کے جواب دیا۔

''سردار نرقال! آج رات معبدِ اکور ہی میری منزل ہے۔ لیکن ابھی رات نے اپنی زلفیں نہیں کھولیں اور اس سے پہلے تھوڑا سا سکون چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو مجھے پراتو مندر کے قریب اتار دو۔''

''کیا پراتو کے مندر میں جاؤ گے؟''

''نہیں، شام کے ڈوبتے سے فرات کا نظارہ مجھے سکون دیتا ہے۔''

رتھ بان نے گھوڑوں کا رُخ دریا کی جانب موڑ دیا۔ بابل کی شام کچھ اور گہری ہو گئی۔ نرقال نے اُسے فرات کے بند پر اتارا اور دوسرے دن ملاقات کا وعدہ کر کے مار نبوئی کے طبقۂ شرفاء کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اپنی ایک بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ جب کہ بابلی سرداروں کے حرم حسین عورتوں کے جمگھٹوں سے پُررونق تھے۔

دریا کنارے ابھی چہل پہل موجود تھی اور بہت سے ملاح اپنی کشتیاں گھاٹ سے لگا رہے تھے۔ ان میں سردار سیسرا نہیں تھا۔ گھاٹ کے ایک دو چکر لگانے اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ دُور و نزدیک ریموت کا کوئی خفیہ آدمی موجود نہیں، وہ گھاٹ سے اُترا اور شام کے اندھیرے میں ملاحوں کی بستی کی طرف ہو لیا۔

سردار سیسرا اپنے جھونپڑے میں تنہا ملا۔ مہرتاب نے اُسے شمالی بُرجوں اور فرات کے درّوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ کلدانی ہمدان اور پارساگرد پر جوابی حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ عید بیلس کے بعد سردار نرقال دس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادہ دستے لے کر روانہ ہو جائے گا۔

یہ معلومات حیرت انگیز تھیں مگر جب اس نے انکشاف کیا کہ شہزادی شمورہ اس سے عقد کی

طلب گار اور بیلشازار شہزادی کو اپنی زوجہ و ملکہ بنانے کا خواہش مند ہے، سردار سیسرا مارے حیرت کے اُچھل گیا۔

مہرتاب ان تمام حالات سے ایرانی شہنشاہ کو فوراً مطلع کرنا چاہتا تھا اور یہ اہم خدمت صرف سردار سیسرا کے سپرد کی جا سکتی تھی۔ اس نے تقسیمِ وراثت کی بناء پر شہزادی سے عقد کا مشورہ طلب کیا تھا۔ سیسرا نے خیال ظاہر کیا۔ ”یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے مہرتاب! شہنشاہ تمہیں عقد کی اجازت دے دیں گے۔“

”میں نے تمام حالات بیان کر دیئے ہیں۔ پرسوں تک تمہیں جواب لے کر آ جانا چاہئے۔“

”راستے بہت مخدوش ہو چکے ہیں مگر میں سویرے ہی نکلنے کی کوشش کروں گا۔“

جہیل سمی رامیس تک پہنچنا اور ایرانی شہنشاہ کے ”چشم و گوش“[1] (افسرانِ خفیہ) سے ملنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کچھ عرصہ سے کلدانیوں نے اپنی نگرانی کا حلقہ کچھ اور تنگ کر دیا تھا۔ جہیل سمیرامیس تک پہنچنے کے لئے سردار سیسرا کو شمال کی طرف جانے کی بجائے پہلے جنوب کا سفر کرنا اور ایک لمبا چکر کاٹ کر اپنا رخ بدلنا تھا۔

❁

مہرتاب اُسے آخری ہدایات دے کر نکلا تو باہر چاندنی رات اپنا جادو جگا رہی تھی۔ وہ خیالوں کے تانے بانے بُنتا اور گرد و پیش پر نظر ڈالتا ہوا ایک طرف چلتا رہا۔ سوچ رہا تھا اگر شہنشاہ نے شمورہ سے عقد کی اجازت دے دی تو بیدخت زہرہ جمال کو کیا جواب دے گا۔ ایک جواب تو اس کے پاس موجود تھا کہ وہ بھی جشنِ زہرہ کی ایک رات بیلشازار کے حجلۂ عیش میں گزار چکی ہے مگر اُسے یہ بات جتانا منظور نہ تھی۔ ذہن کوئی راستہ نہیں دے رہا تھا اور بیدخت کی محبت دل میں نئے بھنور ڈال رہی تھی جیسی وہ خود آفریدۂ جمال تھی ویسی ہی اس کی محبت کا درد بھی انوکھا تھا۔ اس کے باوجود تقدیر کے ہاتھ اُسے شمورہ کی طرف کھینچ رہے تھے۔

انہی خیالوں میں گم کبھی چاندنی میں کبھی بلند عمارتوں کی چھاؤں میں چلتا ٹھیک اس وقت جب رات اپنے پہلے پہر سے گزر رہی تھی، معبد اکور کے عقبی کوچے میں نمودار ہوا۔ یہاں

---

[1] ”چشم و گوش“ کورش کے افسرانِ خفیہ کو کہا جاتا تھا۔ ہخامنش میں بڑے بڑے پولیس افسر اور کوتوال شہر بھی اسی نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ (پروفیسر جارج ایرس)

اندھیرا تھا، خاموشی تھی کیونکہ چاند معبد کی اوٹ میں تھا۔ برنجی دروازے کے قدموں میں لیٹی پانچ لمبوتری سیڑھیاں چڑھ کر پیتل سے منڈھے ہوئے بھاری کواڑ پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو کواڑ کھلتا چلا گیا۔ بڑی آہستگی سے اندر داخل ہوا اور پارکا کی ہدایت کے مطابق دروازے کی زنجیر چڑھا کر دبے پاؤں عقبی زینے کی طرف ہو لیا۔

معبد کے اس چھوٹے سے صحن میں تاریکی تھی مگر زینے کے اوپر چند سیڑھیوں پر ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی زینے سے ملحق حجرے سے آ رہی تھی جس کا دروازہ غالباً اسی لئے کھلا رکھا گیا تھا کہ اس کے طاقچے میں جلنے والے چراغ کی روشنی زینے پر تھوڑا سا اُجالا کر سکے اور آنے والے کو ٹھوکر نہ لگے۔

وہ بے آواز سیڑھیاں چڑھ کر حجرے میں داخل ہوا اور اس کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ دوسری طرف کوئی آہٹ، کوئی سرسراہٹ نہیں تھی۔ سوچا شاید پارکا اس کا انتظار کرتی کرتی سو گئی ہو گی۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور جونہی حجرے سے نکل کر پارکا کے کمرۂ خواب میں داخل ہوا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سانولی سلونی اور تیکھی دیوداسی بڑے خوب صورت لیکن بڑے مختصر لباس میں ایک طرف کھڑی تھی اور اس کی آنکھوں میں پیار کے دیپ جل رہے تھے۔

مہرتاب نے غور سے دیکھا تو یہی سمجھا شاید دیوی زہرہ مختصر لباس میں اس کے سامنے آ گئی ہے۔ پہلے سے کہیں زیادہ حسین اور دُھلی دُھلائی لگ رہی تھی۔ اس نے بڑی دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ مہرتاب کا خیر مقدم کیا اور بولی۔ ”بہت دیر سے آئے ہو۔ کب سے انتظار کر رہی ہوں۔“

مہرتاب مسکرا کے رہ گیا۔ یہی مسکراتی ہوئی خاموشی اس کے سوال کا جواب تھی۔ پارکا نے اس کے فرض کی راہیں کھولنے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور اس سے اتنا خوش، اتنا متاثر تھا کہ اپنے جذبات کو اظہار کا جامہ پہنانے کے لئے موزوں الفاظ تلاش نہ کر سکا۔

حسین پارکا اس کی معنی خیز مسکراہٹ کا مطلب سمجھ گئی اور چپکے سے ساتھ آ لگی۔ مہرتاب نے پیار سے تھام لیا۔ وہ محبت سے بولی۔ ”پہلے یہ بتاؤ نرقال نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟“

”اس کا سلوک بے حد دوستانہ تھا۔ تمہاری خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے۔“

”تم بھی مجھے پسند کرو گے۔ میں دل کی کھری ہوں ــــــ آؤ۔“ پھر اُسے پکڑ کر بستر پر لے گئی اور اس کے لئے پیمانے میں شراب اُنڈیلنے لگی۔ مہرتاب بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے تیکھے خطوط کا جائزہ لے رہا تھا۔ اپنی تھکاوٹ دُور کرنے کے لئے پیمانہ ایک ہی گھونٹ میں خالی کر دیا۔

"بہت پیاسے معلوم ہوتے ہو۔" وہ دوسرا پیمانہ تیار کرتی ہوئی بولی۔ "آج کل بابل میں بڑی عجیب باتیں ہو رہی ہیں۔"

"اب کون سی عجیب بات ہوئی ہے؟"

"سنو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔" پارکا نے دوسرا پیمانہ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا معبد میں کوئی نیا واقعہ ہوا ہے؟"

"مقدس زریہ نے آج شام باغاتِ معلقہ میں بادشاہ سے ملاقات کی تھی۔"

"اس میں عجیب بات کون سی ہے؟"

"آج زریہ بیلشازار کی زبان بن کر گئے تھے۔ اس کے لئے بادشاہ نے شہزادی شمورہ کا رشتہ طلب کیا۔ وہ بہن کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں؟"

مہرتاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بے چینی بڑھ گئی۔ مضطرب سا بولا۔ "بادشاہ نے کیا جواب دیا؟"

پارکا نے اس کی بے چینی محسوس کی اور یہی سمجھی کہ بہن بھائی کے عقد کی بات سن کر بے چین ہو گیا ہے۔ پھر مقدس زریہ سے سنی ہوئی باتیں بیان کرنے لگی۔

"منظوری کے لئے بادشاہ نے شہزادی شمورہ کو مقدس زریہ کے سامنے طلب کیا مگر اس نے بیلشازار کی ملکہ بننے سے انکار کر دیا۔ صرف اپنے محبوب سے عقد چاہتی ہے لیکن اس کا نام نہیں بتاتی۔"

مہرتاب کے چہرے پر اطمینان اور اضطراب کی دونوں کیفیتیں دن کے اجالے اور شام کے اندھیرے کی طرح گھل مل سی گئیں اور پارکا بتانے لگی۔

"شہزادی شمورہ نے مقدس زریہ کو کل تنہائی میں طلب کیا ہے۔ لیکن زریہ اس بات پر حیران ہیں کہ اگر شہزادی نے اپنے لئے کوئی محبوب پسند کر لیا ہے تو اس کا نام کیوں نہیں بتاتی۔ میں بھی حیران ہوں مہرتاب!"

"تمہیں شہزادی کے محبوب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"ارے ــــ وہ دیوتاؤں کی پیاری ہے۔ اس کا محبوب بھی ربّ النوع کا بروز ہو گا تمہاری طرح ــــ"

مہرتاب مسکرا دیا۔ "میں تو تمہارا دوست ہوں۔"

یہ سن کر پارکا کے چہرے پر گلاب سے کھل اٹھے۔

بعض اتفاقات معمولی لیکن ان کے نتائج بڑے غیر معمولی ہوتے ہیں جو تقدیر بن کر آدمی کو ایک نئی راہ پر کھینچ لے جاتے ہیں اور تقدیر انہی واقعات یا اتفاقات کا نام ہے جو اس کی ذات کے اردگرد گھومتے اور چکر لگاتے ہیں۔

معبد اکور کی حسین اور تیکھی دیوداسی پارکا سے ملاقات بھی ایک اتفاق ہی تھا۔ مہرتاب دونوں بار ہیکلوں اور معبدوں کے سربراہ مقدس زریہ سے ملنے آیا اور دونوں بار اس کا پہلا سامنا پارکا سے ہوا تھا۔ دوسری ملاقات ان کی حسین دوستی پر منتج ہوئی اور وہ حالات کے پردے سے ایک غیر معمولی عورت بن کر نکلی جس کے ذریعے فرات کے شمالی برجوں تک پہنچنے کا منصوبہ پورا ہوا اور مہرتاب کو اس کی دوستی کا حسین صلہ چکانا پڑا۔

❁

اگلی صبح جب وہ رخصت ہوا چاہتا تھا، پارکا اس کے قدموں سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔

"مہرتاب! میں نہیں جانتی، تمہاری صحیح خدمت بھی کر سکی ہوں یا نہیں مگر اب میرا تمہارا تعلق ہوا ہے تو دیوتاؤں کی طرح تمہیں ہمیشہ اپنے حال پر مہربان دیکھنا چاہتی ہوں۔"

مہرتاب نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کے اوپر اٹھایا۔ "تم سے ملاقات تقدیر کا فیصلہ تھا۔"

یہ الفاظ اطمینان بخش تھے جو مسرت کی لہر بن کر اس کے جسم میں اتر گئے۔ "تم نے سردار نرقال سے وعدہ کیا ہے کہ جیسے وہ مجھے عزیز رکھتا ہے تم بھی رکھو گے۔"

"میں اپنے وعدے یاد رکھتا ہوں۔"

"رخصت کرنے سے پہلے تمہیں کچھ اور بھی بتانا چاہتی ہوں۔"

"اور کیا ہے؟"

تیکھی دیوداسی کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم بکھر گیا۔ "نرقال نے تمہاری دوستی کی شرط پوری کر کے میرے سارے حقوق تمہیں سونپ دیئے ہیں۔ اس کی بجائے اب تم میرے مالک ہو اور وہ ساری راتیں جو پہلے نرقال کے لئے تھیں، تمہارے لئے ہوں گی۔"

وہ حیران سا رہ گیا۔ "کیا اس سے قطع تعلق کر لو گی؟"

"نہیں۔" پارکا نے جواب دیا۔ "وہ میری ہر خوشی پوری کرتا ہے اور میری وجہ سے اب تم بھی اسے عزیز ہو گئے ہو۔ تمہارا جو کام اسے کہہ دوں گی، پورا کرے گا۔ مگر تم جانتے ہو وہ آج

کل ایمگوربل کی نگرانی اور اپنے سفر کی تیاری میں مصروف ہے۔"

پارکا سے دوستی کا مطلب نرقال سے دوستی تھی اور اس مقصد کے لئے اُسے خوش رکھنا چاہتا تھا۔ "میں تمہارا خیال رکھوں گا۔"

"اگر کبھی ریموت سے خطرہ محسوس کرو کیونکہ وہ "سایۂ اجل" ہے تو بے دھڑک میرے پاس چلے آنا۔ دن ہو یا رات معبد اکور کے دروازے تمہارے لئے کھلے ہوں گے اور ریموت کا اختیار ان دروازوں کے باہر ختم ہو جاتا ہے۔ میں آج ہی مقدس زریہ سے تمہارے لئے معبد میں داخلے کا خصوصی پروانہ حاصل کروں گی پھر کوئی پجاری اور محافظ تمہیں یہاں آنے جانے سے نہیں روک سکے گا۔"

مہرتاب جانتا تھا معبد اکور[1] میں بَبل کی پرستش ہوتی ہے اور صبح کی عبادت کے بعد وہاں کسی کو داخلے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ خصوصی پروانہ بڑی اہم بات تھی مگر زریہ کا نام سن کر سوچ میں پڑ گیا۔ وہ "سروش" کے خفیہ حلقے کا آدمی تھا۔ نہ جانے دیوداسی کے تعلق کو کیا معنی پہنائے۔

"کیا زریہ کو یہ سب کچھ بتانا ضروری ہے؟"

"ہاں ۔۔۔۔ انہیں میرے اور تمہارے تعلق کا علم ہونا چاہئے۔"

پارکا کی محبت، خدمت اور توجہ ضروری سمجھتا تھا۔ اس کی خوشنودی کے لئے بولا۔ "میں تمہارا دوست ہوں اور دوستی کے ناتے جو مناسب سمجھتی ہو کرو۔"

وہ اسے عقبی دروازے تک چھوڑنے آئی اور جب الوداعی پیار کر رہی تھی آہستہ سے بولی۔

"نرقال ہر تیسری یا چوتھی رات یہیں گزارتا تھا۔"

"کوشش کروں گا تمہیں شکایت کا موقع نہ دوں۔"

[1] معبد اکور مردوک کی پرستش کے لئے مخصوص تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈلیم)

(37)

کاشانۂ زُہرہ میں

معبد سے نکلا تو ذہن میں مختلف خیالات کا ہجوم تھا۔ اس نے پارکا کو "حالات کا تحفہ" سمجھ کر قبول کیا تھا جس کے ذریعے بہت سی حیرت انگیز معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ کچھ معلومات اس کے فرض کے بارے میں تھیں، کچھ اس کی ذات سے تعلق رکھتی تھیں اور بہت سے نئے پہلو سامنے آئے تھے۔

زہرہ جمال بیدخت اور دُخترِ بابل شمورہ دونوں اہم عورتیں تھیں۔ ایک حُسنِ تمام، دوسری عقلِ کُل مگر کس قدر حیرت اور اچنبھے کی بات تھی کہ جنگجو بیلشازار بھی بابل کی ان دونوں حسین عورتوں سے کوئی نہ کوئی تعلق رکھتا اور انہیں اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا۔

چار سال قبل بیدخت جشنِ زہرہ کی ایک رات اس کے حجلۂ عیش میں گزار چکی اور اب مہلت پر تھی جو تشرین کے مہینے میں عید بیلس پر ختم ہونے والی تھی۔

شہزادی شمورہ بابل میں دیوتاؤں کی زبان سمجھی جاتی اور اس کی بااختیار بہن تھی مگر اقتدار کی خاطر اور بڑا حکمران بننے کے لئے اُسے بھی اپنی زوجہ و ملکہ بنانے پر اصرار کر رہا تھا تاکہ وہ تختِ اژدر پر اس کے پہلو میں بیٹھے اور ملکی امور میں اس کی رہنمائی کر سکے۔ لوگ بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ جس آدمی کی پشت پر ہاتھ رکھ دے اُسے کامیابی عطا کر سکتی ہے۔ کیونکہ دیوی ایشتار اسی کی معرفت کلام کرتی ہے۔

چلتے چلتے مہرتاب کو خیال آیا، بیلشازار تو اس کے ہر راستے پر کھڑا ہے۔ فرض کے راستے پر بھی، محبت کے راستے پر بھی۔ وہ حریف اور رقیب بن کر اس کا ہر راستہ روک دینا چاہتا ہے۔ اور

پراسرار قدرت ان دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل لا رہی ہے۔

شہزادی شمورہ کا معاملہ غیر متوقع طور پر بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ بیلشازار اپنی بہن کو حاصل کئے بغیر نہ سلطنت کو متحد رکھ سکتا نہ بڑا حکمران بن سکتا تھا۔ مگر شمورہ نے بھائی کی زوجہ و ملکہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اب اس تصور نے مہرتاب کے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی پیدا کر دی کہ شمورہ کے ذریعے ایک حیرت انگیز واقعہ ظہور میں آنے والا ہے۔ اگر ہخامنشی شہنشاہ نے اُسے دُخترِ بابل سے شادی کی اجازت دے دی تو حالات کی صورت یک لخت تبدیل ہو جائے گی۔ بہرحال اس سلسلے میں آئندہ ہر اقدام کا انحصار اس بات پر تھا کہ سردار سیسرا جسے آج ہی منہ اندھیرے ایرانی پڑاؤ کی طرف روانہ ہونا تھا، کیا جواب لے کر لوٹتا ہے اور مہرتاب کو یقین تھا، کورش اُسے شہزادی کے ساتھ شادی کی اجازت دے دے گا۔ کیونکہ یہ خط سلطنت کالدیا کو تقسیم کرتا تھا۔

یہی سوچتا اور اپنے خیال کے دائروں میں نئے رنگ بھرتا وہ چلتا رہا۔ اب معاملہ صرف بیدخت زہرہ جمال کا تھا جو اس کے آسمانِ مقدر کا ستارہ بن کے چمکی تھی۔ قدم رکے تو شارع اساگیلہ پر کاشانۂ زہرہ کے سامنے کھڑا تھا۔ پھر اس نے ہندوستانی رتھ بان شنکر کو اپنے لئے دروازہ کھولتے دیکھا۔ کیونکہ جب سے ہاروت ماروت یہاں لائے گئے تھے، عجمی غلام بابک کو عمارت کے عقبی دروازے پر تبدیل کر دیا گیا تھا جو "پیاریوں" کی آمد و رفت کے لئے مخصوص تھا۔ جونہی مہرتاب پھاٹک میں داخل ہوا، شنکر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ کی بہت چنتا تھی پربھو!"

اسی لمحے مہرتاب نے راحتِ شب لیلیٰ کو جو ہندوستانی رتھ بان سے دلچسپی رکھتی تھی بارہ دری سے نکلتے اور قصرِ زہرہ کی طرف بھاگتے دیکھا جو شاید اپنی مالکن اور نورِ ناہید کو اس کی آمد کی اطلاع دینے چلی گئی تھی۔ مگر شنکر نے مہرتاب کی نظروں کو اس کا تعاقب کرتے دیکھا تو بتانے لگا۔

"لیلیٰ پائیں باغ میں غزالوں کو دیکھنے آتی ہے پربھو!"

مہرتاب نے مسکرا کر اس کی وضاحت قبول کر لی اور آگے بڑھا۔ اسی دوران کاشانۂ زہرہ میں ایک شور سا مچ گیا کہ مہرتاب آ گیا ہے جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ یہاں اس کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ کاشانۂ زہرہ میں کسی کا انتظار نہیں کیا جاتا تھا۔

پانچ دن کے بعد لوٹا تھا اور اس عرصے میں نہ جانے کتنے دل دھڑکتے رہے تھے۔

اس کی آمد کا سنتے ہی نورِ ناہید آموسی ہوا کے جھونکے کی طرح اُڑتی ہوئی آئی اور ابھی وہ پائیں باغ کی روش پر تھا کہ آتے ہی اس سے ٹکرا گئی۔ بڑی بے چین، بڑی مضطرب نظر آتی تھی۔ اس نے آموسی کو بازوؤں میں سنبھالا۔

"کیا ہوا نورِ ناہید! اتنی گھبراہٹ کیوں؟"

"اتنے دنوں بعد آئے ہو۔" آموسی کو شکایت کی سوجھی۔ "تمہیں کیا معلوم یہاں دن رات تمہارا انتظار ہوتا رہا۔ بیدخت بہت پریشان تھی تمہارے لئے۔"

"اور تم؟"

"میں بھی۔" پھر اچانک پوچھنے لگی۔ "فدیمہ کا کیا ہوا؟"

"خاموش رہو۔" مہرتاب نے بڑے درشت انداز میں جھڑک دیا۔ ساتھ ہی سرزنش کی۔

"آئندہ یہ نام تمہاری زبان پر نہیں آنا چاہئے۔"

لہجے میں وہی سفاکی اور سختی تھی جس سے چاہِ بابل کی مہم کے دوران واسطہ پڑ چکا تھا۔ نورِ ناہید سہم گئی۔ دم بخود سی رہ گئی اور مہرتاب نے اُسے مزید حیرت زدہ کر دیا۔ "بھول جاؤ کہ فدیمہ بہارِ حُسن کبھی تمہاری سہیلی تھی۔ اگر ریموت کے کانوں میں اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو دوسرے دن تم بھی "سایۂ اجل" کی گرفت میں ہو گی۔"

آموسی کے پورے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ ریموت کا نام ہی صاعقہ افگن ثابت ہوا۔ جو کچھ پوچھنا چاہتی تھی بھول گئی، جو کچھ کہنا چاہتی تھی کہہ نہ سکی، گنگ سی ہو گئی۔ جیسے مہرتاب کی سرزنش نے گویائی چھین لی ہو۔ وہی بولا۔ "کیا ماں سے ملنے گئی تھیں؟"

وہ اس قدر بدحواس تھی کہ فوری طور پر جواب نہ دے سکی۔ مہرتاب نے سوال دہرایا تو چونکی۔ "ہاں گئی تھی۔"

"وہ پریشان تو نہیں کہ تم نے دھندا کیوں چھوڑ دیا؟"

"نہیں۔ زہرہ جمال کے ساتھ دوبارہ تعلق ہو جانے پر بے حد خوش ہے۔ یہ تعلق تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اس لئے تمہارے بارے میں پوچھتی تھی۔"

"تم نے کیا بتایا؟"

"یہی کہ انسان کے رُوپ میں دیوتا ہو۔"

"ماں سے بنوسلان کی بات تو نہیں کی؟"

"کرتے کرتے رہ گئی۔ سوچا تم پسند نہیں کرو گے۔"

مہرتاب کا لہجہ پھر کرخت ہو گیا۔ "نورناہید! قدیمہ کی طرح ہوسلان کا نام لینا بھی موت سے کھیلنا ہے۔ اپنی ماں سے بھی ہار کا ذکر بھی نہ کرنا جو تمہاری سہیلی کو سولی تک لے گیا۔"

نورناہید پھر کانپ اٹھی مگر فوراً سنبھلی۔ "ماں تم سے ملنا چاہتی ہے۔"

"کسی دن چلوں گا تمہارے ساتھ۔"

یہ کہہ کر مہرتاب نے گفتگو کا رخ اچانک اس طرح پلٹ دیا جیسے تقدیر ناگہاں کوئی ورق اُلٹ دیتی ہے۔ "تم بیدخت کی "پیاری" رہی ہو۔ کیا یہ بھی جانتی ہو چار برس پہلے وہ جشنِ زہرہ کی رات باغاتِ معلقہ میں طلب کی گئی تھی؟"

آموسی نے چشمِ حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "جانتی ہوں۔"

"پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ مہلت پر ہے۔"

"ہاں۔" ساتھ ہی ساتھ تھوڑی سی صفائی بھی پیش کی۔ "مگر جو بات کل تھی وہ آج نہیں۔ اور جو آج ہے وہ کل نہیں ہوگی۔ کیونکہ زندگی اپنے راستے تبدیل کرتی رہتی ہے۔"

آموسی نورناہید سے بڑھ کر شاید کوئی اور بیدخت کے کسی معاملے کی تردید یا تائید نہیں کر سکتا تھا اور اس نے ان دونوں باتوں کی تائید کی تھی جو مہرتاب پارکا کی زبانی سن چکا تھا۔ اُسے خاموش دیکھ کر آموسی سوچنے لگی شاید زہرہ جمال کے بارے میں نئے سرے سے غور کر رہا ہے اور اس خیال نے اسے مضطرب سا کر دیا۔ کسی نامعلوم خطرے کے پیشِ نظر بولی۔

"مہرتاب! میں نہیں جانتی تمہاری ان باتوں کا مطلب کیا ہے لیکن بیدخت کا حُسن اگر ایک جادو ہے تو یہ جادو اُسے قدرت نے عطا کیا ہے اور اگر بیلشازار اس کا طلب گار ہے تو اس میں بیدخت کا کیا قصور۔ کیونکہ حُسن کا جادو سب پر چلتا ہے اور یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ اس سے زیادہ خوبصورت عورت بابل میں تو کیا پوری دنیا میں نہیں ہوگی۔"

نورناہید کی ان باتوں سے ایک جذبے کا اظہار ہو رہا تھا۔ مہرتاب خاموش کھڑا اُسے حیرت پاش نظروں سے دیکھتا رہا اور وہ اُسی سرگوشیانہ آواز میں جسے صرف وہی دونوں سن سکتے تھے کہنے لگی۔ "مہرتاب! زہرہ جمال سے بے وفائی نہ کرنا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو زندگی میں کوئی عورت کسی مرد کی وفا پر اعتبار نہیں کرے گی۔"

مہرتاب کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اس سے بے وفائی

کرنے والا ہوں۔"

اس نے صرف پارکا سے ملنے والی معلومات کی تصدیق یا تردید چاہی تھی ورنہ بیدخت جیسی بھی تھی اسے جیتنے کا فیصلہ تو پہلے ہی کر چکا تھا۔ یہی فیصلہ اس کی آنکھوں میں کوندے کی طرح چمکا تھا جس کی چمک نے یا کسی غیبی طاقت نے نورناہید سے جواب کی طاقت پھر سلب کر لی۔ کیونکہ مہرتاب اگرچہ اس کے بالا خانے پر صرف ایک رات کا مہمان ہوا تھا مگر اس ایک رات کی قیمت بھی آموسی کی نئی زندگی کی صورت میں ادا کی تھی۔ پھر اس عورت سے بے وفائی کیسے کر سکتا تھا جس کے ساتھ پیمانِ وفا باندھ چکا تھا۔

"شاید بے وفائی اس کی سرشت میں نہیں ہے۔" یہی سوچ کر نورناہید کو اپنی کہی ہوئی بات بہت ہلکی محسوس ہوئی اور فوراً معذرت کی۔ "مجھے معاف کر دو مہرتاب! نہ جانے پریشانی میں کیا کہہ گئی۔"

"نورناہید! محبت وہی آدمی کرتا ہے جس میں وفا کی روح ہو۔"

یہ کہہ کر آگے بڑھا تو بیدخت دروازے میں صورتِ تصویر کھڑی نظر آئی۔ نورناہید نے مناسب سمجھا کہ دونوں کو تنہائی کی ملاقات کا موقع دے اور ایک طرف نکل گئی۔ بیدخت نے بڑی بے تابی کے ساتھ محبوب کا ہاتھ پکڑ لیا اور کمرے میں لے گئی۔ "میں تمہارے لئے بہت پریشان تھی مہرتاب! ضرور کوئی اہم معاملہ ہوگا جس میں تم مصروف رہے۔"

"ہاں۔ بڑا اہم معاملہ درپیش تھا۔"

"اگر کسی ذریعے خیریت کی اطلاع بھیج دیتے تو میرا ہر دن تشویش میں نہ کٹتا۔ ہر رات بے چینی میں نہ گزرتی۔"

"میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی کو واسطہ بنانا نہیں چاہتا۔"

بیدخت حیران سی رہ گئی۔ کیونکہ اب کہنے سننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی بے چینی کا اظہار کر دیا تھا۔ "ریموت کیوں ڈھونڈ رہا تھا؟"

"بادشاہ کا ایک پیغام تھا میرے نام۔"

"میں کچھ اور سمجھی تھی۔" پھر کسی قدر مطمئن ہو گئی۔ "بادشاہ کا پیغام کیا تھا؟"

"ملاقات کا بلاوا۔"

اس نے جشنِ زہرہ کی دعوت کا ذکر جان بوجھ کر نہیں کیا کہ کہیں گزری ہوئی شبِ جشن کی

یاد اُس کے احساسِ جمال پر ضرب نہ لگائے۔ کچھ شرمسار نہ ہو جائے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھتی گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

''عبرانی مہمان کیسے ہیں؟''

زہرہ جمال حیرت کے انداز میں بتانے لگی۔ ''وہ ایرانی شہنشاہ کے گُن گاتے اور اپنے پیغمبروں[1] کی پیش گوئیوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اب ان کی غلامی کا جوا ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ ستر برس کی میعاد پوری ہو گئی۔''

''تم نے پوچھا نہیں اُن کی غلامی کا جوا کیسے ٹوٹے گا؟''

''کہتے ہیں بابل لے لیا جائے گا اور بیل رسوا ہو گا۔ بڑی خوفناک باتیں کرتے ہیں۔ شاہ بنونید، ولی عہد بیلشازار، ان کے سرداروں اور پوری کلدانی قوم کی تباہی پر یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں...... بابل جو خداوند کے ہاتھ میں سونے کا پیالہ تھا اور جس سے قوموں نے مے پی، چھین لیا جائے گا۔''

''تم نے اُن سے شاہ یوسیفر کی پرانی تحریر پڑھنے کے لئے کہا؟''

---

1 یسعیاہ اور یرمیاہ نے بابل کے بارے میں پیش گوئیاں کی تھیں۔ ''یکایک تباہی تجھ پر آئے گی جس کی تجھ کو کچھ خبر نہیں۔ اب اپنا جادو اور اپنا سارا سحر جس کی تو نے بچپن سے مشق کر رکھی ہے استعمال کر...... اب افلاک پیما اور منجم اور وہ جو ماہ بماہ آئندہ حالات دریافت کرتے ہیں اُٹھیں اور جو کچھ تجھ پر آنے والا ہے اس سے تجھ کو بچائیں۔'' (کتاب یسعیاہ باب 47 نشان 11 تا 15) ''بیل جھکتا ہے، بنوخم ہوتا ہے۔'' (یسعیاہ باب 46)

''دیکھ میں شمال کی سرزمین سے بڑی قوموں کے انبوہ برپا کروں گا اور بابل پر چڑھا لاؤں گا اور وہ اس کے مقابل صف آرا ہوں گے...... اے سب تیر اندازو! بابل کو گھیر کر اس کے خلاف صف آرائی کرو...... میں نے تیرے لئے پھندا لگایا اور اے بابل! تو پکڑا گیا...... خداوند فرماتا ہے کہ تلوار کسدیوں پر اور بابل کے باشندوں پر اور اس کے امراء اور حکماء پر ہے۔ لاف زنوں پر تلوار ہے۔ وہ بے وقوف ہو جائیں گے۔ اس کے بہادروں پر تلوار ہے وہ ڈر جائیں گے...... ہرچند بابل آسمان پر چڑھ جائے اور اپنے زور کی انتہا تک مستحکم ہو بیٹھے پھر بھی غارت گر میری طرف سے اس پر چڑھ آئیں گے۔ خداوند فرماتا ہے بابل سے رونے کی اور کسدیوں کی سرزمین سے بڑی ہلاکت کی آواز آتی ہے۔ (کتاب یرمیاہ باب 50-51)

''نہیں، ان کی باتیں سن کر ڈر گئی تھی۔ سوچا شاید ہولناک قید نے اُن کے ذہن پراگندہ کر دیئے ہیں۔ چند روز آرام کے بعد ذہنی آسودگی حاصل کر لیں تو بات کروں گی۔''

مہرتاب نے کچھ سوچ کر ایک نیا سوال کر دیا۔ ''کیا تمہاری تیسری خواہش اس تحریر پر منحصر ہے جسے ہاروت ماروت سے پڑھوانا چاہتی ہو؟''

''یہ کیوں پوچھتے ہو؟''

''تمہاری تیسری خواہش جاننا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہو کہ اس کے لئے مجھے کیا کرنا اور کن جوکھوں سے گزرنا ہو گا؟''

کائنات کی سب سے خوبصورت عورت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور محبت کے لہجے میں بولی۔

''مہرتاب! تم میری دو خواہشیں پوری کر چکے ہو اور ایسی تھیں وہ خواہشیں کہ بابل کا کوئی دوسرا آدمی انہیں پورا نہیں کر سکتا تھا۔ میں جانتی ہوں، تم میری تیسری اور آخری خواہش بھی ضرور پوری کرو گے اور اگر میں کہوں تو الہٰوں کی مدد سے جو تمہاری حفاظت کرتے ہیں، تم میری خاطر آسمان کے ستارے بھی توڑ لاؤ گے لیکن اپنی آخری خواہش بیان کرنے سے پہلے میں تمہارے بارے میں کچھ سوچ رہی ہوں۔''

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''ہو سکتا ہے تیسری خواہش پوری ہوتے وہ نقشہ ہی تبدیل ہو جائے جو تمہارے ذہن میں ہے۔''

''کون سا نقشہ ہے میرے ذہن میں؟'' وہ کچھ حیران سا ہوا۔

بیدخت ایک دو لمحے خاموش رہنے کے بعد کہنے لگی۔ ''مہرتاب! اگر تم پر یہ انکشاف ہو کہ تیسری خواہش پوری ہونے کے بعد میں تمہاری دسترس سے دور ہو جاؤں گی اور تم مجھے اپنے تصرف میں نہیں لا سکو گے تو تمہاری کیفیت کیا ہو گی؟''

اس نے بے دھڑک جواب دیا۔ ''مجھے تو صرف تمہاری خوشی منظور ہے۔''

بیدخت اُسے حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ''یعنی یہ جان لینے کے بعد بھی کہ شاید میں تمہارے تصرف میں نہ آ سکوں، میری تیسری خواہش پوری کرو گے؟''

''سنو بیدخت!'' مہرتاب فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں کہ تم میرے تصرف میں آتی ہو یا نہیں، میں تو تمہاری تیسری اور آخری خواہش اس لئے پوری کروں

گا کہ جس طرح قدرت نے تمہارے حُسن کی تکمیل کی ہے اسی طرح میں تمہاری خواہشوں اور خوشیوں کی تکمیل کروں۔''

''گویا تمہیں میری ذات سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔''

''نہیں۔صرف تمہاری ذات کی تکمیل چاہتا ہوں۔''

بیدخت ایک جھٹکے سے اٹھی اور اس کی طرف اپنا خوب صورت ہاتھ لہرا کر بولی۔

''بس مہرتاب آج ایک بار پھر یہ فیصلہ ہوگیا کہ روئے زمین پر تمہی وہ واحد آدمی ہو جسے مجھ سے سچی محبت ہے اور اس پوری کائنات میں صرف تمہارا ایک وجود ہے جس پر میں بھروسہ کر سکتی ہوں۔میری محبت کے اول و آخر حق دار صرف تم ہو۔لیکن جب تک میری اپنی تکمیل نہیں ہو جاتی، میں ہر زمانے میں، ہر روپ میں تمہارے لئے بے چین رہوں گی۔''

مہرتاب پر ایک حیرت سی گزر گئی۔''کیا تمہارے کئی زمانے اور کئی رُوپ ہیں؟''

''یوں لگتا ہے میرا تمہارا کوئی بہت ہی پرانا ناتا ہے۔'' زہرہ جمال کسی تصور میں کھو گئی اور اس کی آواز جیسے دُور سے آنے لگی۔''ہزاروں لاکھوں برس پہلے بھی شاید ہم دونوں کسی دوسری دنیا میں، شاید آسمان پر ساتھ ساتھ رہتے تھے۔تم وہاں بھی مجھ پر عاشق تھے اور میں وہاں بھی تمہارے لئے تڑپتی تھی۔اس وقت نہ تو میں بیدخت تھی، نہ تم مہرتاب تھے۔شاید ہمارے کچھ اور نام ہوں گے مگر میں جو کچھ بھی تھی، تمہاری چاہنے والی تھی اور تم جو کچھ بھی تھے میرے عاشق تھے۔بس ایک خواب کا سا منظر میرے ذہن میں آتا ہے کہ کسی خبیث دیوتا نے مجھے تم سے چھین لینے کی کوشش کی جو میرے حُسن پر شیفتہ ہوگیا اور مجھے گھسیٹ کر لے گیا تھا۔لیکن ٹھیک اس لمحے تم اچانک تلوار لے کر نمودار ہوئے اور اس پر جھپٹے۔وہ مجھے چھوڑ کر تم پر حملہ آور ہوا۔مجھے جیتنے کے لئے تم دونوں میں جنگ ہونے لگی۔اور بڑی ہولناک تھی وہ جنگ......''

اچانک وہ خاموش ہوگئی اور دریچے کے خلا سے باہر جھانکنے لگی۔مہرتاب نے اس عجیب و غریب کہانی یا خیال میں دلچسپی ظاہر کی۔''پھر جیت کس کی ہوئی، انجام کیا ہوا؟''

''انجام تو ابھی باقی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' مہرتاب کی دلچسپی کچھ اور بڑھی۔

''کیونکہ وہ جنگ ابھی جاری ہے۔'' پھر بتانے لگی۔''ہوا یہ تھا مہرتاب! کہ تم دونوں میرے لئے لڑ رہے تھے اور میں ایک طرف کھڑی تمہاری فتح کا انتظار کر رہی تھی کہ ناگہاں کسی

قوت نے اور شاید وہ ربۃ آسمان تھیامتہ تھی جس نے ہم تینوں کو اٹھا کر زمین پر پھینک دیا۔معلوم نہیں پھر کیا ہوا لیکن ہزاروں، لاکھوں برس بعد میں نے بیدخت کے روپ میں ایک نیا ظہور لیا اور تم مہرتاب کے نام سے ایک بار پھر میرے قریب آئے اور مجھ پر عاشق ہوگئے۔''

''اور وہ خبیث دیوتا جو تمہیں چھین لینا چاہتا تھا؟''

''بیلشازار کے روپ میں ہمارے درمیان موجود ہے۔'' پھر بیدخت زہرہ جمال نے کچھ اور بھی کہا جس کی مہرتاب کو توقع نہیں تھی۔''تم یہ بات نہیں جانتے کہ بیلشازار مجھے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا ہے اور میں مہلت پر ہوں جو تشرین کے مہینے میں ختم ہو جائے گی۔''

مہرتاب کی آنکھوں میں حیرت اُمڈ آئی۔اس نے بیدخت کے خیال یا خواب کو تو کوئی اہمیت نہ دی جو اس نے کسی پریشانی کی حالت میں دیکھا تھا لیکن اس کی زبان سے مہلت والی بات سن کر دنگ رہ گیا۔عورت کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اپنے راز دوسروں سے چھپانے کی کوشش کرتی اور اپنے عاشق کے سامنے اس کے رقیب کا نام نہیں لیتی مگر بیدخت نے بیلشازار کی بات چھپانے کی بجائے کھول دی بلکہ یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ ہر زمانے میں اس کا طلب گار رہا ہے اور خود ہر زمانے میں مہرتاب کو چاہتی اور تمنا کرتی رہی ہے کہ وہ اسے جیت لے مگر جنگ جاری ہے اور ابھی ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوا۔

بیدخت نے ایک بات کے سوا اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔شاید مہرتاب خود بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ جشنِ زہرہ کی اس رات کا ذکر کرے جو بیلشازار کے حجلۂ عیش میں گزار آئی تھی۔وہ رات تو بہر حال اُسے کسی نہ کسی کے ساتھ گزارنا تھی۔بیلشازار نہ ہوتا کوئی اور ہوتا۔کیونکہ جیسا پارکا نے بتایا اور خود بھی جانتا تھا، دینِ اکد کی رُو سے زہرہ دیوی کی کوئی پجارن سولہ برس کے بعد کنواری نہ رہ سکتی تھی اور اس اعتبار سے چار سال قبل جو کچھ ہوا وہ دیوی کی خوشنودی کے لئے اصنامی ضابطے کی ایک کارروائی تھی جس سے بیلشازار نے فائدہ اٹھایا تھا۔وہ انہی خیالوں میں گم اور دل ہی دل میں اس کی صاف گوئی پر حیران بھی ہو رہا تھا کہ بیدخت نے اُسے ایک بار پھر چونکا دیا اور کہا۔

''شاید تم سوچ رہے ہو گے میں بیلشازار کی ملکہ کیوں نہ بن گئی اور اس سے مہلت کیوں مانگ لی؟''

سوال بڑا دلچسپ تھا، خود ہی اس کا جواب دینے لگی۔''مہرتاب! مجھے بابل کے تخت و تاج

سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ جو کچھ میں چاہتی ہوں، اس کے سامنے ملکۂ بابل کا درجہ و مقام ہیچ ہے اور تیسری خواہش پوری ہوتے ہی میں اس مقام پر پہنچ جاؤں گی۔''

مہرتاب نہیں جانتا تھا کہ وہ کس مقام تک پہنچنا چاہتی ہے مگر اس کی بات توجہ سے سنتا رہا اور بولا۔ ''پھر اپنی تیسری خواہش بیان کرو تاکہ میں تمہاری ذات کی تکمیل کرسکوں۔''

''نہیں مہرتاب! مجھے کچھ سوچنے دو۔''

''کیا ابھی کچھ سوچنا باقی ہے؟''

''ہاں، تیسری خواہش کی تکمیل کے ساتھ بہت کچھ ختم ہو جائے گا۔ بہت کچھ بدل جائے گا۔'' وہ جیسے خواب کی سی حالت میں بولی۔ ''مقدس گوما نے کہا تھا، آسمان پر زہرہ و عطارد کا قران، زمین پر ہم دونوں کو ہمیشہ کے لئے ایک کر دے گا۔ مگر کچھ باتیں ایسی ہیں جو ہمارے درمیان حائل ہو رہی ہیں اور مجھے فیصلہ کرنا ہے کہ ہم دونوں اسی دنیا میں ایک ہوں گے یا وہ کوئی دوسری دنیا ہے۔ مہرتاب! میں تمہارے وصل کے لئے تڑپ رہی ہوں مگر یہ نہیں جانتی کہ میرا تمہارا وصل یہاں یا پھر کہاں ہوگا______''

''اپنا ذہن پراگندہ نہ کرو بیدخت! اگر یوسیفر کی پراسرار تحریر پڑھوائے بغیر اپنی تیسری اور آخری خواہش بیان کرسکتی ہو تو میں سننے کے لئے بے چین ہوں۔''

بیدخت کے چہرے پر پھر ایک تبدیلی آئی۔ ''میں بتا چکی ہوں کہ میری ہر خواہش دوسری خواہش سے وابستہ ہے۔ اس لئے جب تک شاہ یوسیفر کی صندوقچی پر کندہ تحریر کا راز معلوم نہ کر لوں اپنی تیسری خواہش کا اظہار نہیں کرسکتی۔''

مہرتاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''پھر صندوقچی اُٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ ہم اسی وقت ہاروت ماروت کے پاس جائیں گے۔ وہ تمہارے لئے شاہ یوسیفر کی پراسرار تحریر پڑھیں گے۔''

وہ چاہتا تھا جو کچھ ہونا ہے بہت جلد ہو جائے اور کسی بڑے حادثے یا تصادم سے پہلے ہی جس کا خطرہ ہر دن، ہر آن بڑھتا جا رہا تھا اس کی آخری خواہش پوری کر کے اپنے پیمانِ محبت سے سبک دوش ہو۔ کیونکہ اگر بیدخت کے بقول بہت کچھ بدل جانے والا تھا تو خود مہرتاب کے نزدیک بھی حالات کا دھارا اپنا رُخ تبدیل کر رہا تھا اور شہزادی شمورہ کے معاملے نے حیرت انگیز صورت اختیار کر لی تھی۔

زہرہ جمال کچھ سوچتی رہی پھر اس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئی۔ اس نے شنکر کو طلب کیا اور صندوقچی اس کے حوالے کر کے جس سے شاہ یوسیفر کی تاریخی قبا نکال لی گئی تھی، تہ خانے میں چلنے کی ہدایت کی۔ چند لمحوں بعد وہ تینوں پائیں باغ سے گزر کر اصطبل کی طرف ہو لئے، جہاں سے خفیہ راستہ نکلتا تھا۔ شنکر ان دونوں کو تہ خانے میں پہنچا کر لوٹ آیا تاکہ باہر رہ کر نگرانی اور دیکھ بھال کا فرض ادا کرسکے۔

عبرانی مہمان، بیدخت کے ہمراہ مہرتاب کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ چند روز میں ان کی حالت بہت بہتر ہوگئی تھی اور شنکر نے خدمت کا فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا تھا۔ مہرتاب نے رسمی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ صندوقچی اُٹھا کر آگے بڑھا اور کسی تمہید کے بغیر بولا۔

''یہ صندوقچی شاہِ یوسیفر کی ایک نادر یادگار ہے جس پر اس نے قدیم اکدی زبان میں کسی پراسرار معاملے میں بعض ہدایات کندہ کرائی تھیں۔ آپ کی میزبان بیدخت زہرہ جمال چاہتی ہے آپ اس کے لئے یہ تحریر پڑھیں اور اس کا آرامی زبان میں ترجمہ کر دیں۔ یہی آپ کی طرف سے رہنمائی کا صلہ ہوگا۔''

عبرانی پیغمبروں نے صندوقچی پکڑ لی، اس پر کندہ عبارت کا جائزہ لیا اور کچھ دیر اسے بغور دیکھنے کے بعد ہاروت نے جس کا اصل نام جی تھا جواب دیا۔

''مہرتاب! ہمیں خوشی ہے کہ ہماری محسنہ کوئی کام ہمارے سپرد کر رہی ہے۔ تم کہتے ہو یہی معمولی سا کام ہماری رہائی کا صلہ ہوگا۔ حالانکہ ہم اپنی رہائی کا صلہ تو چکا ہی نہیں سکتے۔ تم نے اور بیدخت زہرہ جمال نے جو کچھ ہمارے لئے کیا ہے، اس کا اجر اور انعام رب الافواج ہی دے گا لیکن ہم کوشش کریں گے کہ اپنی محسنہ کے کسی کام آسکیں۔ اس صندوقچی پر جو عبارت کندہ ہے وہ اکدی زبان ہی کی تحریر ہے جس میں زمانے کے ساتھ ساتھ بہت کچھ تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ شاہ یوسیفر کا دور اس زبان کا ابتدائی دور تھا۔ پھر اس عبارت میں غالباً سیاروں اور نجوم کی وہ مخصوص اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں جو شاہ یوسیفر نے رائج کی تھیں۔ انہیں سمجھنے اور پڑھنے میں کچھ وقت صرف ہوگا۔ اس وقت قدیم اکدی زبان کی کوئی کلید بھی ہمارے پاس نہیں جس کی مدد سے اس تحریر کی پیچیدہ اشکال کو حل کیا جاسکے۔ پھر بھی ہم اس کے اسرار کا ترجمہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے اور صحیح مفہوم ادا کریں گے تاکہ اپنی محسنہ کی کچھ خدمت کرسکیں۔''

شاہ یوسیفر کی یہ پراسرار صندوقچی بھی شاید اسرارِ افلاک سے تعلق رکھتی تھی اس لئے اس کی عبارت بھی پیچیدہ اور مشکل تھی۔ مہرتاب نے پوچھا۔ ''اس عبارت کو پڑھنے اور اس کا ترجمہ کرنے میں کتنا وقت لگ جائے گا؟''

''ممکن ہے یہ معمہ ایک دو روز میں حل ہو جائے ممکن ہے چار پانچ دن میں بھی حل نہ ہو۔ مگر ہم کوشش کریں گے کہ اپنی محسنہ کے لئے ان اسرار کو جلد از جلد آرامی زبان میں منتقل کرسکیں۔''

بیدخت نے عبرانی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی خاطر صندوقچی کی پیچیدہ عبارت پڑھنے پر تیار ہو گئے اور کہا۔

''مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ آپ بار بار میرے لئے ''محسنہ'' کا لفظ استعمال کریں۔ میں نے آپ کی رہائی کے لئے جو کچھ بھی کیا اس میں انسانی فرض کے علاوہ میری بھی ایک غرض شامل تھی کیونکہ میں یہ عبارت کسی اور سے نہیں صرف آپ لوگوں سے پڑھوانا چاہتی ہوں۔''

''ہم اس معمولی خدمت کو اپنی رہائی کا صلہ نہیں سمجھتے زہرہ جمال! مگر تمہاری خاطر اس عبارت کے اسرار کو ٹھیک ٹھیک پڑھیں گے۔''

بیدخت ان کا شکریہ ادا کرکے تہ خانے سے نکلی مگر مہرتاب چند لمحوں کے لئے وہیں رک گیا تاکہ عبرانی پیغمبروں کے ساتھ تنہائی میں کچھ باتیں کرسکے۔ اس نے بتایا کہ وہ نہ صرف فرات کے شمالی برجوں کو دیکھ آیا بلکہ معبد اشتر کے کاہنِ اعظم اشمیدی کو اس بات پر تیار کر چکا ہے کہ واقعۂ حران کے بارے میں شاہ بنونید سے کچھ سوال کرے اور اس پر الزام کی انگلی اٹھائے۔

عبرانی پیغمبروں نے مہرتاب کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کیا اور ہاروت نے اپنا ہاتھ بلند کرکے ملہمانہ لہجے میں کہا۔ ''آسمان پر بابل کے دن شمار ہو چکے ہیں اور سایوں کی طرح وہ دن نہ تو گھٹ سکتے ہیں نہ بڑھ سکتے ہیں۔ تم جس مقصد کے لئے بابل میں آئے ہو وہ پورا ہوگا۔''

مہرتاب کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے حجی نبی نے بابل کی قسمت پر لکیر پھیر دی ہو۔

(38)

چنگاری

بابل میں حالات کی صورت کچھ اور سنگین ہو گئی تھی۔ ''مملکتوں کی خاتون'' کا چہرہ کچھ اور دھندلا گیا تھا

ایک طرف کورش ہخامنشی جسے عبرانی ''خدا کا مسیح'' کہتے تھے شہر کو شمال کی طرف سے گھیرے بیٹھا تھا۔ دوسری جانب حکومت و سلطنت کے داخلی جھگڑے ایک سنسنی خیز مرحلے میں داخل ہو گئے اور کلدانی اُمراء بنونید ایسے کمزور بادشاہ کی جگہ کسی مضبوط حکمران کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے جو ایرانیوں کے خلاف فتح و کامرانی کے پرچم بلند کرسکے۔ مگر بابل کے اس دورِ زوال میں کوئی ایسی شخصیت تھی کہاں جو کالدیا کی گرتی ہوئی عظمت کو سہارا دیتی۔

بابل کے ساحروں نے، حکمت شناسوں نے، منجموں نے تقدیر کے نوشتے پڑھے مگر ان کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے۔ ماہ بہ ماہ حالات کی خبریں دینے والے افلاک بین خاموش بیٹھے تھے جیسے اب انہیں آسمان پر کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ایرانی محاصرہ جوں جوں طویل اور تنگ ہو رہا تھا، ادبار کے سائے بڑھتے اور پھیلتے جا رہے تھے۔

یوں تو ایمگور بل کی نیرنگِ زمانہ فصیل کے اندر ہر شے محفوظ تھی مگر بڑے بڑے سردار، شیوخ اور کاہن اس خطرے کی دھمک سن رہے تھے جس نے ایمگور بل کے باہر بہت سی کلدانی ریاستوں کو نگل لیا تھا۔ اب وہ باہم گفتگو کرتے کہ کوئی جلیل القدر شخصیت ہی کلدانی سلطنت کا تحفظ کرسکتی ہے۔ آؤ اُسے تلاش کریں۔

لوگ شاہ بنونید سے مایوس ہو گئے تھے۔ بیلشازار بھی جو بخت نصر ثانی بننے کے خواب دیکھتا

تھا، ابھی تک کوئی کارنامہ سرانجام نہ دے سکا اور جنگ پر جنگ ہارتا چلا آیا تھا۔ شہزادی شمورہ ''دیوتاؤں کی زبان'' اور مقدس ایشتار کی کاہنہ ہونے کے ناتے اہلِ بابل میں بہت مقبول تھی کیونکہ لوگ ایشتار کے دیوانے تھے مگر وہ اکیلی کچھ نہ کرسکتی تھی۔

ایرانی شہنشاہ کی سحر انگیز شخصیت کے مقابلے میں جس کے اخلاق نے مفتوح قوموں کو اپنا حلقہ بگوش بنالیا، بابل کو ایک ایسے حکمران کی ضرورت تھی جس کی شخصیت بیک وقت قوت وجلال اور حکمت ودانش کی مظہر ہوتی۔

بہادر بیلشازار جنگی قوت کی علامت سمجھا جاتا اور ''جنگجو'' کہلاتا تھا مگر قسمت نے کسی میدان میں اُس کا ساتھ نہ دیا۔ جس طرح بے موقع یا ضرورت سے زیادہ طاقت صرف کرنے والا کبھی کبھی اپنی ہی طاقت کے زور میں گر جاتا ہے، اسی طرح بیلشازار بھی جنگی فراست کی کمی اور ہنگامہ وجوش کی فراوانی میں بار بار گرتا اور شکست پر شکست اُٹھاتا رہا تھا۔ بوڑھے حکمت شناس سوچ رہے تھے، کیا خود پسند، ضدی اور جنگجو بیلشازار شاہ بنونید کے مقابلے میں طاقت ور حکمران بن سکے گا؟

نجانے پہلی بار یہ بات کس شخص کے ذہن میں آئی کہ جنگجو بیلشازار کی بہادری اور حکمت شناس شمورہ کی دانائی اگر اکٹھی ہو جائے تو ایک ایسی مشترکہ شخصیت وجود میں آجائے گی جس کی اہلِ بابل کو ضرورت ہے۔ کیونکہ شمورہ کی رہنمائی بیلشازار کی ذات کو مکمل کر دے گی۔ وہ اگرچہ اپنی حسین اور پُروقار بہن کو پسند کرتا لیکن اس لئے ناراض رہتا تھا کہ وہ اس کی حکمرانی کے منصوبوں کے خلاف بادشاہ کی رہنمائی کرتی اور کسی تدبیر کو کامیاب نہ ہونے دیتی تھی۔ مگر جونہی یہ تجویز سامنے آئی کہ بہن ولی عہد کی ادھوری شخصیت کا خلاء پُر کرسکتی اور اُسے ایک بڑا حکمران بنا سکتی ہے، تصور میں کئی رنگ بکھر گئے اور شمورہ کو اپنی زوجہ و ملکہ بنانے کے حسین خواب دیکھنے لگا۔

ہیکلوں اور معبدوں کی دینی مجلس کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ماضیٔ بعید میں بھی اس قسم کی شادیاں ہوتی رہی تھیں۔ بعض اکدی مسلمات کے مطابق دیوتاؤں کی مرضی سے زمین پر آدمی کی نسل ایک ہی جوڑے[1] سے وجود میں آئی تھی اور اس جوڑے سے جو لڑکے لڑکیاں

[1] بعض اقوام کا عقیدہ ہے کہ ابتداء میں صرف آدمؑ وحوا کا جوڑا تخلیق کیا گیا اور اسی ایک جوڑے سے نسل چلی۔ بعض مسلمان مفسرین نے بھی قصۂ آدمؑ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے (باقی آگے)

پیدا ہوئے ان کی باہم شادیاں کردی جاتی تھیں۔ گویا آدمی کی نسل کا سلسلہ بہن بھائی کے باہمی تعلق سے بڑھا اور پھیلا تھا۔ اب سلطنت کالدیا کی سیاسی ضرورت جنگجو بیلشازار اور حکمت شناس شمورہ کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کردینا چاہتی تھی۔

مہرتاب یہ خبر سن کر بڑا مضطرب ہوگیا تھا کہ مجلس دینی بھی بیلشازار کی حمایت کر رہی ہے۔

دوسرے روز ایک بار پھر زیگورات سے ملحق ندوۃ العلوم کے دروازے پر نظر آیا اور اچانک کاہن اعظم اشمیدی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اشمیدی ملاقات کے لئے خود بے چین معلوم ہوتا تھا۔ بڑے تپاک سے ملا اور معبد اشتر کا شاگرد پجاری جو اپنے اُستاد کی خدمت پر مامور تھا اُسے دیکھتے ہی باہر چلا گیا تاکہ دونوں اطمینان سے گفتگو کرسکیں۔

''بہت اچھا ہوا مہرتاب! کہ تم آگئے۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا۔''

مہرتاب نے سوچا شاید معبد قمر کے واقعہ پر مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین ہے مگر اشمیدی نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا۔

''میں نے سنا تھا بادشاہ عید بیلس پر بیلشازار کے حق میں تاج وتخت سے دستبردار ہوجائے گا اس لئے ولی عہد کو مبارک باد دینے قصرِ میرودتج میں حاضری دی مگر وہ مایوس تھا کہ بادشاہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا اور شمورہ باپ کی حکمرانی کے لئے کوئی نہ کوئی عذر نکال لے گی۔ بیلشازار کا اندیشہ غلط نہ تھا۔ بنونید پہلے بھی اس قسم کے وعدے کرتا رہا اور شہزادی اس کی گرتی ہوئی ذات

(بقیہ حاشیہ صفحہ 518) لکھا ہے کہ حوا کے ہر حمل سے توام بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا، دوسری لڑکی اور ایک حمل کے لڑکے کی شادی دوسرے حمل کی لڑکی سے کردی جاتی تھی۔ اس طرح بہن بھائی کی شادیوں سے آدمی کی نسل پھولی پھلی۔ بعض علماء کے نزدیک ہابیل اور قابیل کا جھگڑا بھی ایک خوب صورت بہن کی وجہ سے ہوا جو ہابیل کی بیوی تھی اور جسے قابیل حاصل کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے عورت کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کردیا۔ یہ زمین پر پہلا قتل تھا۔ ایک روایت کے مطابق بہن بھائی کی شادی کا رواج عرصہ دراز تک چلا مگر حضرت نوحؑ کے زمانے میں اسے ممنوع اور حرام قرار دے دیا گیا۔
(تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء جلد 1 صفحہ 167)

بہن بھائی کی شادی کا یہ تصور اس لئے پیدا ہوا کہ بعض مسلمات کے مطابق زمین پر آدمؑ اور حواؑ کا صرف ایک جوڑا تخلیق کیا گیا تھا۔ حالانکہ محققین کے نزدیک آدم کا یہ تصور درست نہیں اور سائنس بھی مختلف نظریہ پیش کرتی ہے۔ (قمر اجنالوی)

کو سہارا دیتی رہی ہے۔ ولی عہد کی پریشانی کو بھانپ کر میں نے تجویز پیش کی اگر شہزادی کو بادشاہ سے الگ کر دیا جائے تو اپنے اقتدار کا کوئی نیا بہانہ تلاش نہیں کر سکے گا۔ بیلشازار کو یہ بات پسند آئی، مگر حیران تھا کہ شمورہ کو بادشاہ سے کس طرح الگ کیا جا سکتا ہے؟ میں نے ترکیب بتائی، وہ بہن کو حکمرانی میں شریک کرے اور اُسے اپنی زوجہ و ملکہ بنا کر اپنے ساتھ تختِ اژدر پر بیٹھنے کی ترغیب دے۔ اس طرح بادشاہ اس کی حمایت سے محروم ہو جائے گا اور تاج و تخت کے ساتھ شمورہ بھی اس کی ہو جائے گی۔''

یہ کہہ کر اشمیدی نے ہاتھ کو اس طرح جنبش دی جیسے شاہ بنونید کی حفاظت کرنے والی ایک دیوار گرادی ہو۔ مہرتاب حیران رہ گیا کہ بادشاہ کو اقتدار سے محروم کرنے کی خاطر بیلشازار کے ذہن میں بہن کو زوجہ و ملکہ بنانے کی چنگاری اشمیدی نے سلگائی ہے۔ کچھ سوچ کر بولا۔

''کیا تمہیں معلوم نہیں، شمورہ نے بھائی کی زوجہ بننے سے انکار کر دیا ہے؟''

اشمیدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی ــــــ ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سلطنت کالدیا کو اس شادی کی ضرورت ہے اور وہ بیلشازار کو بطور شوہر قبول کر کے اُسے پُر جلال حکمران بنا سکتی ہے۔''

''اس کے دل میں بیلشازار کے لئے کوئی جگہ نہیں۔''

''پھر بھی ولی عہد شمورہ کے مطالبے سے دستبردار نہیں ہو گا۔ وہ ایک احمق اور کمزور بادشاہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ بھائی کے لئے دل کا دروازہ کیوں نہیں کھولتی۔ جنگ جو بیلشازار کے لئے اپنی حکمت کیوں استعمال نہیں کرتی؟''

''وہ ایسا نہیں کر سکے گی۔''

''پھر بادشاہ کی مشیر و راہنما بھی نہیں رہے گی۔ بنونید کو حکمرانی سے الگ کرنا ضروری ہے۔''

مہرتاب نے پُر خیال انداز میں اُس کی طرف دیکھا ــــــ ''کاہن اشمیدی! شاید تم بھول گئے اُسے حکمرانی سے الگ کرنے کے لئے حران کے معبد قمر کا پراسرار قتل ہی کافی ہے کیونکہ حمورابی کے قانون کی رُو سے کوئی قاتل تختِ اژدر پر نہیں بیٹھ سکتا۔''

معبد اشتر کے کاہنِ اعظم کا لہجہ تبدیل ہو گیا۔ ''میں اس واقعہ کو بھولا نہیں مگر بنونید کو تخت سے اُتارنے کے لئے دوہری چال کیا بری ہے۔ اگر میری تجویز پر بیلشازار شمورہ کو اپنی زوجہ و ملکہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے ان دونوں کا قرب حاصل رہے گا۔''

''اپنے ذہن کو پراگندہ نہ کرو اشمیدی!'' مہرتاب نے توجہ دلائی۔ ''دو کشتیوں کا سوار ڈوب جایا کرتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ مجلسِ قومی کا اجلاس بلانے کی درخواست کرو۔''

''وہ میں کر چکا۔ اور ہیکلوں، معبدوں کے سربراہ زریہ کو کہہ چکا ہوں کہ کاہنوں اور سرداروں اور قاضیوں کے علاوہ مقدس گوما کو بھی مدعو کرے کیونکہ میں بادشاہ سے جو سوال کرنا چاہتا ہوں اس کے لئے مجلس کے روحانی پیشوا کی موجودگی ضروری ہے۔''

''پھر زریہ نے کیا جواب دیا؟''

''میری بات سن کر حیران ہوا۔ اس کا خیال تھا، میں بادشاہ کی مذہبی حیثیت کے بارے میں کچھ باتیں پوچھوں گا۔ مگر میں نے بتایا، معاملہ مذہب کا نہیں قانون کا ہے۔ تب اس نے جواب دیا کہ بادشاہ سے مشورہ کر کے جشنِ زہرہ کے بعد صرف ایک ہفتے کے اندر قومی مجلس کا دربار منعقد کرے گا۔''

مہرتاب مطمئن نظر آنے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ اشمیدی اپنے انتقام کی خاطر سرگرمِ عمل ہے۔ اُسے تسلی دیتا ہوا بولا ــــــ ''پھر جشنِ زہرہ کے ایک ہفتے بعد شاہ بنونید کو معزول و گرفتار سمجھو۔''

اشمیدی نے اپنی بے چینی کا اظہار کیا۔ ''میں اسی لئے تم سے ملنا چاہتا تھا۔ تم قومی مجلس کے دربار میں شریک نہ ہو سکو گے اور مجھے حران کے واقعہ کی تفصیل معلوم نہیں کہ قتل کیسے ہوا۔ مقتول کون تھا؟ اگر میں کوئی ثبوت نہ دے سکا تو بادشاہ میرے قتل کا حکم صادر کر دے گا۔ کیونکہ بادشاہ کی ذات پر جھوٹا الزام عائد کرنے کی سزا بھی موت ہے۔''

مہرتاب نے ملہمانہ اور پُر یقین انداز میں جواب دیا۔ ''اگر بادشاہ نے تمہارے قتل کا حکم صادر کیا تو اس کی تعمیل نہیں ہو سکے گی اور قتل کا حکم روک دیا جائے گا۔ تم بنونید پر الزام لگاؤ گے کہ وہ قاتل ہے اور اصرار کرو گے کہ خود اپنے جرم کا اقبال کرے۔ وہ غلط بیانی سے کام لے گا اور تمہی کو موردِ الزام ٹھہرائے گا کہ اس پر تہمت لگا رہے ہو لیکن جب قومی مجلس میں بار بار جھوٹ بول چکے گا، اس کے جرم کا ثبوت پیش کر دیا جائے گا۔''

اشمیدی حیران و ششدر رہ گیا ــــــ ''جرم کا ثبوت کون پیش کرے گا؟''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایک 'مُردہ' زندہ انسانوں کی عدالت میں پیش ہو گا اور اب مزید بتاتا ہوں وہ ربۂ قمر کا کاہنِ اعظم راہول ہو گا جس کے متعلق بادشاہ یہی سمجھتا ہے کہ اصل

مقتول کے ساتھ وہ بھی مر چکا۔"

اشمیدی کے چہرے پر حیرت نے ایک اور کروٹ لی اور مہرتاب کو دیکھنے لگا۔ "کسی بے گناہ کا قتل بڑا خوفناک جرم ہے جو بنونید سے سرزد ہوا۔ مگر اس قتل سے بڑھ کر مقتول کی شخصیت کا انکشاف اہلِ دربار پر ایک زلزلہ طاری کردے گا۔ بادشاہ کے سر سے تاجِ شاہی اُسی وقت اتارلیا جائے گا اور اُسے بیڑی پہنادی جائے گی۔"

یہ کہہ کر اٹھا اور معبد اشتر کے معزول کاہنِ اعظم کو گردابِ حیرت میں چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔

❀

اُسی شام وہ "مارنبوئی" میں سردار نرقال سے ملا جس نے اُسے شمورہ اور بیلشازار کے معاملے میں ہونے والی مزید گفتگو سے آگاہ کیا۔ کاہن اشمیدی کا یہ خیال درست تھا کہ انکار کے باوجود ولی عہد شمورہ سے دست بردار نہیں ہوگا۔ اُس نے رشتہ کے لئے دوسری بار بادشاہ سے ایوانِ ماکلوب میں ملاقات کی کیونکہ باغاتِ معلقہ کو جشنِ زہرہ کی خاطر خالی کردیا گیا اور بادشاہ سمیت شاہی خاندان ایوانِ ماکلوب کی محل سراؤں میں منتقل ہو گیا تھا۔ مگر اس ملاقات میں مقدس زریہ کے علاوہ سردار نرقال بھی بیلشازار کے ساتھ تھا۔ گویا ہیکلوں اور معبدوں کی مذہبی حمایت کے علاوہ فوج کی طاقت بھی اس کی پشت پر تھی اور شہزادی شمورہ کا انکار بھی بے معنی تھا۔

اس ملاقات میں شاہ بنونید نے اُن سے کہا تھا ——— "وہ بھائی کی زوجیت بننے سے انکار کرتی ہے پھر اس کی زوجیت پر اصرار کیوں؟"

جواب نرقال نے دیا ——— "بہن مصیبت کے دن کے لئے پیدا ہوئی ہے تاکہ بھائی کی مدد کرسکے۔ سلطنت بابل کی حفاظت کے لئے یہ شادی ضروری ہے۔"

شہزادی شمورہ کو ایک بار پھر طلب کیا گیا اور اس نے ایک بار پھر وہی جواب دیا جو پہلے دے چکی تھی مگر اس میں نئی باتوں کا اضافہ بھی کردیا اور کہا ——— "بھائی بیلشازار کے حرم میں بہت سی عورتیں ہیں۔ اگر وہ کافی نہیں تو میری اطلاع کے مطابق "زرین" کے مہینے میں بیدخت زہرہ جمال کی مہلت ختم ہونے والی ہے جسے ملکہ بنانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔"

اس انکشاف پر بادشاہ مسکرادیا۔ زریہ اور نرقال مشتعل ہو گئے اور بیک زبان بولے ———

"تختِ اژدر پر صرف خاندانِ بخت نصر کی کوئی شہزادی حکمران کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے، کوئی دوسری عورت نہیں۔"

"پھر یہ حق صرف شمورہ کا ہے کہ وہ تختِ اژدر پر ہمارے ساتھ بیٹھے" بیلشازار کو حصولِ مطلب کا ایک اور بہانہ مل گیا۔ "ہم اپنی پیاری بہن کی خاطر زہرہ جمال سے دستبردار ہو جائیں گے۔"

بیلشازار نے شہزادی کے لئے اپنی دلچسپی کا برملا اظہار کیا کیونکہ وہ خوب صورت تھی، جوان تھی اور ابھی تک کنواری بھی۔ مگر شمورہ نے اس کی بات مسترد کردی ——— "ہماری قسمت کا فیصلہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں، دیوی کے اختیار میں ہے۔"

"پھر شمورہ اپنے رویا میں ہمارے لئے دیوی ایشتار سے فیصلہ طلب کرے اور مقدس زریہ بل مردوک سے جواب مانگے کہ وہ شمورہ کو ہماری زوجہ بنانے پر راضی ہیں یا نہیں؟"

بیلشازار کی اس بات پر گفتگو ختم ہوگئی۔ اگرچہ شمورہ سے دستبردار نہیں ہوا تھا مگر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اُسے دیوی دیوتاؤں کا اشارہ منظور ہوگا اور فیصلے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی۔ سردار نرقال نے ملاقات کی تفصیل سنانے کے بعد کہا۔ "یہ معاملہ سنگین صورت اختیار کرتا جارہا ہے اور بنونید خود بھی جھگڑے کو طول دینا چاہتا ہے۔"

مہرتاب حیران رہ گیا ——— "جھگڑے کو طول دے کر اسے کیا مل جائے گا؟"

"وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ شمورہ کی رہنمائی کے بغیر بیلشازار بھی کچھ نہیں اور جب شمورہ ہی سب کچھ ہے تو اس کی رہنمائی میں خود حکومت کرتا رہے گا۔"

اب اس نے ایک دلچسپ سوال کردیا ——— "سنا ہے شمورہ کا کوئی محبوب ہے۔ اگر اس نے اپنے محبوب سے شادی کرلی تب کیا ہوگا؟"

سردار نرقال نے بے چینی سے پہلو بدلا ——— "تم دانشور ہو مہرتاب! اور یہ بات تم سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ خوبصورت اور اہم عورتوں کے لئے اکثر جنگ ہوتی رہی ہے۔ شاید شمورہ کے لئے بھی ہو مگر بیلشازار کو فتح کئے بغیر کوئی مرد اُسے جیت نہیں سکتا اور بیلشازار کو فتح کرنا کسی بہادر کے بس کی بات نہیں۔"

"شمورہ نے بھی کسی معمولی آدمی کا انتخاب نہیں کیا ہوگا۔"

"ابھی تو بادشاہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا محبوب کون ہے۔" پھر سردار نرقال تشویش انگیز

لہجے میں کہنے لگا۔۔۔ ''اگر شمورہ کے لئے جنگ ہوئی تو مجھے خطرہ ہے کہ فوج دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ فوج میں بیلشازار کے جاں نثار بھی ہیں اور شمورہ کے پرستار بھی۔ کیونکہ وہ جنگ کی دیوی ایشتار کی کاہنہ ہے۔''

مہرتاب نے یہ بات بڑی دلچسپی کے ساتھ سنی پھر یک لخت ایک نیا پانسہ پھینکا۔ ''سردار نرقال! اس صورت میں جب بابل کے حالات مخدوش ہیں تمہیں ہمدان اور پارساگرد کے سفر کا مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ یہ سفر تم بیلشازار کے حکم پر کرو گے۔''

''بادشاہ بھی چاہتا ہے کہ ماد اور فارس پر ضرب لگائی جائے۔''

''کیا اس مہم کے لئے شہزادی شمورہ سے مشورہ کرلیا گیا ہے؟''

''بیلشازار فوجی امور میں کسی عورت کا مشورہ پسند نہیں کرتا۔''

مہرتاب نے ہاتھ کو اس طرح حرکت دی جیسے اس کی بات کاٹ کر پھینک دی ہو۔ ''سردار نرقال! جس عورت کی رہنمائی کے بغیر وہ خود کو نامکمل سمجھتا اور اسے حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو رہا ہے اس کی مرضی معلوم کئے بغیر تمہارا عجم کی طرف سفر کرنا ہلاکت اور تباہی کا موجب ہوگا۔''

نرقال نے اُس کی بات کا وزن محسوس کیا اور مضطرب دکھائی دینے لگا۔ ''ممکن ہے میری روانگی تک ان کے درمیان کوئی فیصلہ ہو جائے۔''

''شاید نہ ہو سکے اور ان حلات میں تمہارا بابل میں رہنا زیادہ ضروری ہوگا۔''

نرقال سوچنے لگا۔ غالباً وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ داخلی جھگڑا نمٹائے بغیر عجم کا سفر خطرناک ہوگا مگر وہ ایک فوجی افسر تھا اور جنگ یا مہم سے انکار اس کی سپاہیانہ سرشت کے خلاف تھا۔ پھر بھی مہرتاب کی بات سن کر متذبذب سا ہوگیا۔

''تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں مہرتاب! تم نے مجھے صحیح مشورہ دیا ہے۔ مگر میں کوشش کروں گا میری روانگی سے پہلے شاہی جھگڑا نمٹ جائے۔''

''کیا تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟''

''بابل میں ایک ہستی موجود ہے جو شہزادی شمورہ کو بیلشازار کی زوجہ و ملکہ بننے پر آمادہ کر سکتی ہے۔''

مہرتاب نے تڑپ ''کون ہے، وہ؟''

''غیب دان گوما۔ جس کے حکم سے انکار نہیں کرے گی۔''

مہرتاب کھڑا ہوگیا۔۔۔ ''سردار نرقال! میں غیب کا حال تو نہیں جانتا مگر تمہیں یہ اطلاع ضرور دے سکتا ہوں کہ مقدس گوما تو کیا اگر دیوی ایشتار نے بھی رویا میں شمورہ کو بیلشازار کی زوجیت کا مشورہ دیا تو انکار کردے گی۔''

یہ الفاظ سن کر سردار نرقال دنگ رہ گیا جیسے مہرتاب شہزادی کے متعلق کچھ زیادہ ہی معلومات رکھتا تھا۔۔۔ ''معلوم ہوتا ہے بہت کچھ جانتے ہو۔''

''تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ اس معاملے سے الگ رہو اور اگر عجم کا سفر ترک نہیں کر سکتے تو روانگی میں جلدی بھی نہ کرنا۔''

یہ کہہ کر واپسی کے لئے مڑا اور سردار نرقال اُسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ نرقال ایسے سپہ سالار کا ہمدان اور پارساگرد کی مہم پر روانہ ہونا کورش ہخامنشی اور ایرانی لشکروں کے لئے بہت سی مشکلات پیدا کرسکتا تھا مگر مہرتاب اس کے ذہن میں تذبذب کی چنگاری بھڑکا کر ''مار نبوئی'' کے حلقے سے نکلتا چلا گیا۔

(39)

کورش ہخامنشی

◎

بابل کے خلاف بہت سی باتیں آسمان پر طے ہو چکی تھیں، بہت سی شہادتیں زمین پر فراہم کی جا رہی تھیں اور اس کی قسمت کا فیصلہ سنایا جانے والا تھا۔

شاہ بنونید اور میرودتیج بیلشازار کے علاوہ کلدانی سرداروں، غیب دانوں، کاہنوں اور ساحروں سب کا یہی خیال تھا کہ بابل دیوتاؤں کا شہر ہے اور ایمگور بل دیوتاؤں کی فصیل ہے جسے سر کرنا انسانی قوت سے بعید ہے۔ اسی لئے وہ ایمگور بل اور نیمیتی بل کے نیرنگِ زمانہ حصاروں کے اندر خود کو محفوظ سمجھتے تھے لیکن کورش کے لشکروں نے باہر سے اور تنہا مہرتاب نے اندر سے بنونید کے جسم کی شریانیں کاٹنے کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور جیسا دانائے فرات گوما نے کہا تھا کہ نئے نئے واقعات، نئے نئے حادثات مہرتاب کے لئے ظہور میں آئیں گے، بالکل اسی طرح واقعات و حادثات اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے تھے۔ انہی واقعات نے بابل کو پراسرار پھندے کی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

گوما نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ بابل کی کنواریوں اور "پیاریوں" کا محبوب کہلائے گا اور ہر دوشیزہ اس کے قرب و وصال کے لئے تڑپے گی اور بالکل اُسی طرح ہوا تھا۔ لیکن صرف ایک بات مختلف ہوئی تھی کہ عورت سے دور رہنے کا مشورہ باطل ثابت ہوا۔ اس شہرِ جمال میں عورت ہی نے اُسے کامیابی کے راستوں پر ڈالا تھا۔

بابل عورتوں کی ایک منڈی تھی جہاں دیس دیس اور شہر شہر کی خوبصورتی نظر آتی تھی۔ کیونکہ کالدیا کے علاوہ اس شہر میں شام، فلسطین، لبنان، یونان، اناطولیہ، آرمینیا، عراقِ عجم،

عراقِ عرب، حیرہ، شط العرب، یمن اور اُردن کے علاوہ بعض افریقی ملکوں کی حسینائیں بھی موجود تھیں۔

عظیم بخت نصر کے زمانے میں کلدانی لشکروں نے جن ملکوں اور شہروں کو فتح کیا، وہاں سے غلاموں اور عورتوں کے انبوہ در انبوہ بابل میں ہانک لائے تھے۔ پھر بردہ فروشوں اور خوب صورت عورتوں کی تجارت کرنے والے سوداگروں نے بھی اس منڈی میں بڑا اضافہ کیا اور مشرقِ وسطیٰ میں بسنے والی تمام قوموں کا حُسن اس شہرِ جمال میں سمٹ آیا تھا۔ جہاں قریباً نصف لاکھ عورتیں جسم فروشی کا دھندا کرتی تھیں۔ پھر ہیکلوں، معبدوں اور مندروں کی دیوداسیاں تھیں جو مردوں کی تفریح کا سامان بہم پہنچاتیں اور معزز خواتین تھیں جو دینِ اکد کی سہولتوں سے فائدہ اٹھاتیں۔ انسان کا بھٹک جانا اور اپنے مقصد سے دور ہو جانا کوئی اچنبھا نہیں تھا۔ اسی لئے مہرتاب کو بھی مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ عورت اور حُسن و شباب کی لذت آفرینیوں سے دُور رہے۔

اس نے بابل میں بہت کچھ دیکھا کیونکہ کھلی آنکھوں سے چلتا تھا۔ بہت کچھ سنا کیونکہ کھلے کانوں سے گزرتا تھا اور فرض کے راستے پر چلتے چلتے محبت کے ان شبستانوں میں بھی جھانکتا چلا گیا تھا جہاں کیف و مستی کے علاوہ زندگی کا دوسرا کوئی مفہوم نہیں لیکن اس شہر میں دو عورتیں ایسی تھیں جن کی خوبی اور خوب صورتی کی مثال تاریخ انسانی آج تک پیش نہیں کر سکی۔ اُن میں ایک زہرہ دیوی کی پرستار بیدخت زہرہ جمال تھی جس سے زیادہ حسین و جمیل عورت کرۂ ارض پر تخلیق ہی نہیں کی گئی اور دوسری دیوی اشتار کی کاہنہ دخترِ بابل شمورہ جو ردیا میں ماورائی ہدایات حاصل کرتی اور "عقلِ کُل" کہلاتی تھی۔

ان حیرت انگیز واقعات میں جو اُسے بابل میں پیش آئے اور دنیا کی دو بے مثال عورتوں کی طرف کھینچ کر لے گئے سب سے تحیر زا اور عجوبہ اتفاق یہ پیش آیا تھا کہ اس کے فرض کے حریف جنگجو بیلشازار اس کی محبت کا رقیب بن کر سامنے آیا۔ کیونکہ بیلشازار کا ان دونوں عورتوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی تعلق تھا اور مہرتاب نے بھی ان دونوں عورتوں کو جیتنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

تقدیر، وقت یا حالات کی گردش نے شہزادی شمورہ کے معاملے کو کچھ زیادہ اہم بنا دیا اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ سب سے پہلے اس کی حفاظت کی جائے، اسی کا معاملہ نمٹایا جائے۔ اپنے مقصد کی بساط پر اُسے سب سے اہم مہرہ سمجھنے لگا تھا جس کو آگے بڑھا کر سب کو مات دے

سکتا تھا لیکن جو کچھ بھی اسے کرنا تھا اس کے لئے ایرانی شہنشاہ کی اجازت درکار تھی مگر سردار سیسرا کو گئے تیسرا دن گزرا جا رہا تھا اور وہ ابھی تک لوٹ کے نہیں آیا تھا۔ جب کہ شہر سے جھیل سیسرا میس کا فاصلہ پندرہ سولہ میل سے زیادہ نہ تھا جہاں ایرانی لشکر خیمہ زن تھے اور سیسرا وہاں پہنچنے کے لئے خواہ کتنا ہی پُر پیچ راستہ اختیار کرتا اُسے ایک دن اور ایک رات کے اندر شہنشاہ کا پیغام لے کر لوٹ آنا چاہئے تھا۔ کیونکہ شہزادی شمورہ کے بارے میں فوری ہدایات کا منتظر تھا۔

بابل میں حالات کسی وقت بھی سنگین صورت اختیار کر سکتے تھے۔ بیلشازار نہ صرف ایک جلیل القدر حکمران بننے کے لئے بلکہ شمورہ کو شاہ بونید سے الگ کر دینے کے لئے بھی اُسے اپنے حرم میں داخل کرنا ضروری سمجھتا تھا تا کہ بادشاہ اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر کہیں تخت سے دست برداری کا ارادہ ملتوی نہ کر دے۔

بیلشازار نے مقدس زریہ اور سردار نرقال کے علاوہ بھی بعض اُمراء کو بادشاہ کی طرف بھیجا تھا کہ وہ سلطنت کے مفاد کی خاطر شمورہ کو اس سے شادی کرنے پر مجبور کرے۔ اس خطرے کا اظہار بھی کیا تھا کہ اگر شہزادی نے کسی دوسرے مرد سے عقد کر لیا تو سلطنت کی تقسیم کا خطرہ پیدا ہو جائے گا اور ممکن ہے شوہر اسے بغاوت پر آمادہ کر لے جب کہ ایرانی حملے کے پیش نظر بہن بھائی میں مکمل رفاقت ہونی چاہئے۔ اس نے کچھ عورتوں کے ذریعے شہزادی کو محبت کا پیغام بھیجا جس میں اپنی بے قراری کا اظہار کیا اور یقین دلایا تھا کہ وہ اسے تمام عورتوں سے عزیز ہے اور اسی کے حکم و اختیار کو نافذ کرے گا۔

یہ ساری باتیں سن کر جو مہرتاب کو مختلف ذریعوں سے پہنچی تھیں، اُس کی بے قراری اور بے چینی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا کیونکہ بیلشازار کلدانی فوجوں کا سربراہ تھا اور اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کہیں وہ طاقت استعمال نہ کر بیٹھے۔

اس کا ہر لمحہ پریشانی میں کٹ رہا تھا اور جوں جوں سردار سیسرا کی واپسی میں دیر ہو رہی تھی یہ اندیشہ بھی دامن گیر ہونے لگا تھا کہ کہیں ریموت کے جاسوس اس کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔ کہیں وہ گرفتار نہ کر لیا گیا ہو۔ جیسے جیسے دن ڈھل رہا تھا خدشات بڑھتے جا رہے تھے اور یہ وہ دن تھا جس کی رات جشنِ زہرہ کا ہنگامۂ عیش لے کر آ رہی تھی۔

اسی جشن میں شرکت کے لئے شاہ بونید نے اُسے خاص طور پر مدعو کیا اور تنہائی کی ملاقات کا پیغام بھیجا تھا۔ نہ جانے مقصد کیا تھا۔ اس نے جشنِ زہرہ کی رات ہی خصوصی ملاقات کا

اہتمام کیوں ضروری سمجھا؟ اگر کسی مشورے کی ضرورت تھی تو کسی اور دن بھی طلب کر سکتا تھا۔ مگر پیغام بھی ریموت کے ذریعے بھیجا اور یہ تاکید بھی کی تھی کہ غیر حاضری کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

جشن میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا لیکن سردار سیسرا کی واپسی میں ہونے والی تاخیر لمحہ لمحہ اس کے ذہن کو پراگندہ کئے دیتی تھی اور وہ پریشان ذہن کے ساتھ نہ تو باغاتِ معلقہ کا رُخ کر سکتا تھا نہ بادشاہ کو شکایت کا موقع دینا چاہتا تھا۔ پھر کیا کرے؟

آدمی پریشان ہو تو عجیب و غریب وسوسے، اندیشے اور شبہے اُسے گھیر لیتے ہیں، فکر و دانش کی روشنی مدھم ہونے لگتی ہے۔ نہ وہ حالات کا ٹھیک تجزیہ کر سکتا ہے نہ ان کی صحیح صورت دیکھ سکتا ہے۔ یہی مشکل مہرتاب کو درپیش تھی۔ جانتا تھا جب سے ایرانی دستوں نے فرات کی دو قریبی بستیوں پر قبضہ کیا ہے بابل کی حفاظت و نگرانی سخت کر دی گئی ہے۔ سردار سیسرا کو اسی کڑی نگرانی کے حلقے سے گزرنا اور کوئی طویل راستہ اختیار کر کے ایرانی لشکر گاہ تک پہنچنا تھا۔ طویل مسافت کے باعث واپسی میں تاخیر لازمی تھی۔ اس لئے پریشانی کا کوئی خاص جواز نہ تھا۔ لیکن پریشان اس لئے تھا کہ شہزادی شمورہ کے بارے میں کورش کا فیصلہ جاننے کے لئے بے چین تھا۔ ٹھیک اسی لمحے انکشاف ہوا کہ وہ سیسرا کے لئے نہیں دراصل شہزادی کے لئے پریشان ہے۔ دو تین روز سے اُسی کے متعلق سوچتا رہا ہے۔

پریشانی کا اصل سبب کھل جانے کے بعد فکر و اندیشے کا دباؤ کچھ کم ہو گیا جو اُس کے اعصاب کو مضمحل کئے دیتا تھا۔ سوچنے لگا سیسرا آج رات ضرور لوٹ آئے گا اور چونکہ تھکا ماندہ ہوگا اس لئے شاید سویرے ملاقات ہو سکے۔ اب وہ اس کا خیال ذہن سے جھٹک کر شاہ بونید کے پیغام اور جشنِ زہرہ کے تصور میں کھو گیا۔

عیدِ بیلس کی طرح جشنِ زہرہ بھی دینِ اکد اور بابل کی انوکھی تہذیب و ثقافت کا تہوار بلکہ عیش و مستی کا شرم ناک ہنگامہ تھا۔ جس میں بادشاہ اپنے دوستوں، خاص مصاحبوں، فوجی سرداروں اور اُمراء کو مدعو کرتا تا کہ وہ اُن حسین دوشیزاؤں اور کنواریوں کے ساتھ عیش و عشرت کے لمحے گزار سکیں جو دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے آتی تھیں۔ مہرتاب کو اس تہذیبی عیاشی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ البتہ اس موقع پر چونکہ باغاتِ معلقہ کو دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کر دیا جاتا اور اُن کا نظارہ دیدنی ہوتا لہٰذا وہ بابل کے نیرنگِ زمانہ باغات کا جلوہ ضرور دیکھ سکتا تھا۔

شاہ بنونید کا خاص بلاوہ جسم میں سنسنی پیدا کرنے لگا۔ ممکن ہے وہ اس موقع پر کوئی مشورہ ہی کرنا چاہتا ہو۔ بہرحال ذہنی طور پر جشنِ زہرہ کی سیر اور بادشاہ کی ملاقات کے لئے تیار ہو چکا تھا کہ ناگہاں دستک کی آواز نے چونکا دیا۔ لاکھوں انسانوں کے شہرِ عظیم میں صرف ایک آدمی اس کے ٹھکانے سے واقف تھا۔ اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہی سامنے کھڑ دکھائی دیا۔ سردار سیسرا۔

مہرتاب نے اُسے اندر بلایا۔ دروازہ بند کیا اور نشست گاہ کی طرف بڑھا۔ سیسرا کو دیکھتے ہی رہی سہی پریشانی جاتی رہی اور کہنے لگا۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔"

سردار سیسرا اس کے انتظار کا مفہوم سمجھتا تھا۔ جب وہ دونوں بیٹھ چکے تو بولا۔ "میں کل شام ہی لوٹ آتا لیکن تمہاری اطلاعات ملتے ہی شاہِ جہاں نے بڑے سرداروں کا اجلاس طلب کر لیا اور قبائلِ سہ گانہ کے امیروں کو خصوصی دعوت دی اس لئے مجھے ایک رات مزید رُکنا پڑا۔"

مہرتاب کو علم تھا، کورش فارس کے دس قبیلوں میں سے قبائل سہ گانہ (ہخا منشی، ماپسی اور مراسفی) کو بڑی اہمیت دیتا اور اہم معاملات میں اُن کی رائے ضروری سمجھتا تھا۔ اس وقت اگرچہ وہ فارس و ماد کے علاوہ کئی ملکوں، کئی قوموں کا حکمران اور شاہِ جہاں اور کسریٰ کہلاتا تھا مگر قبائلِ سہ گانہ نے اُس کے باپ کمبوجیا کی وفات کے بعد اُس وقت اُسے شاہِ جہاں تسلیم کیا اور اپنے سرخم کر کے وفاداری کا حلف اٹھایا تھا جب اُس کی حیثیت بہت معمولی تھی۔ البتہ ان کے بعد گورگانی سردار سب سے اہم درجہ رکھتے تھے۔ قبائلِ سہ گانہ سے مشورے کا مطلب یہ تھا کہ بابل کے بارے میں آخری فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ سردار سیسرا نے اس کے خیال کی تصدیق کر دی۔

"بابل کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا مہرتاب! میں تمہیں سفر کا حال اور شاہِ جہاں سے اپنی ملاقات کی رُوداد سناتا ہوں اور ساتھ ہی تمہارا شکر گزار بھی ہوں کہ تم نے مجھے پیغام رسانی کی خدمت سونپ کر شاہوں کے شاہ سے ملاقات کی عزت بخشی۔"

"پھر اپنی رُوداد سناؤ۔" مہرتاب نے کہا۔ "تاکہ میں معلوم کر سکوں کہ شہنشاہ اور اس کے لشکروں کے متعلق تمہارے تاثرات کیا ہیں۔"

سردار سیسرا سنبھل کر بیٹھ گیا اور رُودادِ سفر بیان کرنے لگا۔

"پرسوں منہ اندھیرے ہی میں ایمگو رجل کے بابِ نیناں سے نکل کر جنوب کی طرف ہو لیا۔ بابِ نیناں کا محافظ افسر میرا آشنا اور جانتا ہے کہ سامانِ رسد کی نقل و حمل کے سلسلے میں جو جنوبی علاقوں سے شہر میں لایا جاتا ہے، مجھے کبھی کبھی فرات کی بستیوں میں جانا پڑتا ہے۔ اس

لئے آنے جانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ کوئی ڈیڑھ دو میل جنوب کی طرف سفر کرنے کے بعد میں درختوں اور کھیتوں کے درمیان مشرق کی جانب چلتا رہا۔ پھر شمال کی سمت ہو لیا۔ میں نے کلدانی جاسوسوں اور خفیہ گماشتوں کا خیال رکھا تھا کہ کہیں مجھ پر اُن کی نظر نہ پڑ جائے مگر کسی کی پرچھائیں تک دکھائی نہ دی۔ معلوم ہوتا ہے آج کل وہ سب کے سب شہر کے اندر ہی گھومتے اور ہاروت ماروت کا کھوج لگاتے پھر رہے ہیں۔

میرا سفر بے شک طویل ہو گیا تھا پھر بھی سہ پہر کے وقت جھیل سمیرامیس پر پہنچ گیا اور ابھی دُور ہی تھا کہ ایرانی محافظوں نے نہ جانے کدھر سے نکل کر مجھے اچانک گرفتار کر لیا۔ مگر جب میں نے "سروش" کا خفیہ لفظ استعمال کیا، انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور اپنی گستاخی کی معافی مانگی۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں انہوں نے اپنا فرض ادا کیا تھا۔ میری درخواست پر انہوں نے فوراً ہی مجھے "چشم و گوش" (افسرانِ خفیہ) کے حلقے میں پہنچا دیا جہاں میں نے بتایا کہ بابل سے کچھ ضروری معلومات لے کر آیا اور شہنشاہ سے شرفِ ملاقات چاہتا ہوں۔

"چشم و گوش" کے افسرِ اعلیٰ نے بتایا کہ پہلے مجھے بابل کی مہم کے نگران اور سپہ سالار گوبارو شاہِ عیلام سے ملنا چاہئے۔ اگر اس نے مناسب سمجھا تو تمہیں شاہِ جہاں کی خدمت میں پہنچا دیا جائے گا۔ ورنہ گوبارو ہی تمہیں ضروری ہدایات دے دے گا۔ کیونکہ تمام انتظامات کا نگران وہی ہے۔

شاہ گوبارو کا نام سن کر میری دلچسپی بڑھ گئی۔ کیونکہ بخت نصر کے زمانے میں وہ اسی کی طرف سے عیلام کا صوبہ[1] دار تھا۔ بخت نصر کی وفات کے بعد بھی وہ بابل میں آتا رہا اور میں نے شاہی بجرے میں اُسے فرات کی سیر کرائی تھی

مہرتاب! گوبارو بے شک بوڑھا ہو چکا لیکن اس کا حافظہ ابھی جوان ہے۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور خوش ہو کر بولا۔ "سیسرا! یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ میں تم سے کئی سال کے بعد ملا

[1] گوبارو، گاؤبروا یا گوب ریاس عیلام کا حکمران تھا جس کا دارالحکومت شوشان تھا۔ شاہِ بابل کی طرف سے صوبہ دار یا گورنر کے فرائض ادا کرتا تھا مگر ہیروڈوٹس کے بقول بابل میں اس کے لڑکے کو موت کی سزا دی گئی جس پر سلطنت کالدیا کا باغی ہو کر کورش سے مل گیا۔ اُس نے اپنی بیٹی شہزادی امیتیس کی شادی کورش سے کر دی تھی۔ ایرانی شہنشاہ نے اُسی کے مشورے پر بنونید کے خلاف چڑھائی کی اور اُسی کو بابل پر حملے کا نگران اور سپہ سالار بنایا تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا۔ ہیرلڈ لیم)

ہوں مگر تمہارا نام نہیں بولا۔"

میں نے شاہِ عیلام کا شکریہ ادا کیا اور اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ اُس نے حکم دیا کہ جو اطلاعات میں بابل سے لے کر آیا ہوں اُسی کے رُوبرو بیان کروں۔"

"یہ اُس نے غلط نہیں کہا۔ بابل کے بارے میں سب سے پہلے ہر اطلاع اُسی کو سننے کا اختیار ہے۔" مہرتاب نے وضاحت کی۔ "میں تمہیں یہ بتانا بھول گیا تھا ـــــ خیر آگے بیان کرو۔"

سردار سیمرا کہنے لگا۔ "میں نے ہاروت ماروت کی گرفتاری سے لے کر چاہِ بابل کی مہم، بنو سلان کے قتل، اسیروں کی رہائی، فرات کے شمالی برجوں تک تمہاری رسائی، سردار نرقال سے دوستی، ہمدان اور پارساگرد کی طرف بھیجی جانے والی مہم، شاہ بنونید اور بیلشازار کے درمیان اقتدار کی کش مکش، شہزادی شمورہ کی شادی کا معاملہ اور تمہارے متعلق اس کی دلچسپی کے تمام واقعات بیان کئے تو گوبارو حیران اور ششدر رہ گیا اور بولا۔

"شاہِ جہاں نے جو کچھ سوچا تھا، مہرتاب نے وہی کر دکھایا ہے۔ یہ ساری اطلاعات بڑی اہم ہیں اور تم ہی شہنشاہ کے گوش گزار کرو گے۔ میں ابھی تمہاری ملاقات کا انتظام کرتا ہوں۔"

یہ سن کر مجھے اپنی اہمیت کا احساس ہوا مگر شہنشاہ سے ملاقات کے تصور سے بدن میں ایک سنسنی بھی دوڑ گئی۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا تھا کہ شہنشاہ کے لشکر جن میں کئی ملکوں اور کئی قوموں کے سپاہی خدمات سرانجام دیتے ہیں جھیل سیمرامیس سے دریائے فرات تک اس طرح چھاؤنی ڈال کر بیٹھے ہیں کہ کئی میل تک خیموں کی ایک فصیل سی قائم ہوگئی ہے۔ جس پر جگہ جگہ اُن کے امتیازی جھنڈے لہرا رہے تھے مگر خود شاہِ جہاں جھیل سیمرامیس سے دو میل شمال کی جانب اپنے خاص رسالے "قشونِ جاودانی" کے ساتھ فروکش ہے۔

گوبارو نے اسی وقت ایک عیلامی سوار شاہی لشکرگاہ کی طرف دوڑا دیا تا کہ وہ "چشمِ شاہ" (شہنشاہ کے افسرِ خاص) کے ذریعے عالی جاہ کو میری آمد کی اطلاع دے اور حاضری کی اجازت طلب کرے۔

میرے پاؤں، جوتوں اور لباس پر سفر کی گرد جمی تھی۔ شہنشاہ کی حاضری سے قبل گوبارو نے مجھے نہانے اور لباس تبدیل کرنے کا مشورہ دیا اور ایک لباس بھی مہیا کر دیا کیونکہ میرے پاس تو یہی کپڑے تھے جو پہن کے گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں عیلامی سوار شہنشاہ کی حاضری کا مژدہ لے کر

لوٹ آیا اور ہم نسائی[1] گھوڑوں پر سوار ہو کر شاہی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

دُور ہی سے خاص ایرانی پرچم "درفشِ کاویانی" لہراتا نظر آیا جو شاہی بارگاہ کے سامنے نصب اور کسریٰ کے خیموں پر اقبال کا سایہ ڈال رہا تھا۔ ہم خیمہ گاہ سے اِدھر ہی گھوڑوں سے اُترے اور "چشمِ شاہ" نے ہمارا استقبال کیا۔ شاہِ جہاں سراچہ میں مقیم تھا۔ اس کا بوڑھا خادم خاص امبا جو ایک گورگانی سردار اور کورش کی شہزادگی کے زمانے ہی سے اس کی خدمت سرانجام دے رہا ہے ہمیں ساتھ لے کر بڑے خیمے میں داخل ہوا جہاں شہنشاہ ہمارا منتظر تھا میں نے پہلی بار ایرانی کسریٰ کورش ہخامنشی کو دیکھا اور اس کے رُعب و جلال سے میری گردن خود بخود جھک گئی۔

آریائی خدوخال نے اُس کے چہرے کو پُر رعب بنا دیا تھا۔ سر اور گھنی داڑھی کے بال کھچڑی ہو رہے تھے۔ سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں، ہونٹ پتلے لیکن پیشانی فراخ، شجاعت و مردانگی چہرے سے عیاں تھی۔ بدن پر ارغوانی رنگ کا چغہ[2] جس کی آستینیں کھلی تھیں اور جس پر زردوزی کا عمدہ کام کیا گیا تھا۔ یہ چغہ ٹخنوں تک پہنچتا تھا مگر اس کے نیچے کا پیراہن صرف گھٹنوں تک تھا۔ سرخ ریشمی شلوار نما پاجامہ، پاؤں میں ارغوانی جوتے جو تسموں سے بندھے تھے۔ کانوں میں گوشوارے، بازوؤں میں چاندی کے بازوبند جن میں قیمتی نگینے جڑے تھے اور سر پر کلاہِ شاہی "کشترم" جو بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھی۔

میں نے ایسا پُر جلال اور پُر شوکت انسان پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے سامنے پانچ فٹ لمبا عصائے شاہی رکھا تھا۔ جس کی سطح ہیروں سے آراستہ تھی۔ عقب میں ایک افسر مورچھل ہلا رہا تھا اور دوسرا جو اسلحہ[3] بردار تھا ایک ہاتھ میں تیر اور دوسرے میں کمان لئے کھڑا تھا۔

شاہِ جہاں نے مرعوب کر دینے والی آواز میں گوبارو کو ایک طرف اور مجھے دوسری سمت بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر شہنشاہ کی اجازت پر میں نے وہ واقعات دہرائے جو پہلے گوبارو کو سنا چکا تھا۔

1۔ مادیا عراق عجم کو نسائی کہتے تھے۔ اس علاقے کے بھورے اور سفید رنگ کے گھوڑے مضبوطی اور تیز رفتاری کے لئے مشہور تھے۔ سفید گھوڑا افضل اور مقدس سمجھا جاتا تھا۔

2۔ پروفیسر رالنس نے ہخامنشی شہنشاہوں کا یہی لباس تحریر کیا ہے جو بود و باش کے اعتبار سے شاہان ماد کے مقلد تھے۔

3۔ بحوالہ "آرٹ آف پرشیا"

سب کچھ سن لینے کے بعد ابروؤں کے نیچے شاہِ جہاں کی آنکھوں نے اس طرح حرکت کی جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے اور کہا۔

"اہورموزدہ کی قسم! اب بنونید اور بیلشازار لومڑیوں کی طرح ایکور بل کے پیچھے چھپے نہیں رہ سکتے۔ موت کے دروازے اُن کی آنکھوں کے سامنے کھلیں گے اور زمین پر بنیل کی خدائی ختم ہو جائے گی۔"

مہرتاب! شہنشاہ تم پر بے حد خوش ہیں۔ تمہاری خواہش کے مطابق میں نے شہزادی شمورہ کے متعلق ان کا فیصلہ سننے کی درخواست کی تو مجھے حکم ملا۔

"کل تک ٹھہر جاؤ۔ ہم یہ معاملات اپنے سرداروں کی مجلس میں پیش کریں گے اور وہی تمہارے سوال کا جواب دیں گے۔"

رات کو شاہِ جہاں نے مجھے اپنے "مصاحبینِ مائدہ" (وہ چند منتخب لوگ جو شاہی دسترخوان میں شریک ہوتے تھے) کے ساتھ کھانے میں شریک کیا اور مہرتاب! یہ وہ اعزاز ہے جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

دوسرے روز ایک بہت بڑے خیمے میں جو دربارِ شاہی کا نقشہ پیش کرتا تھا، قبائلِ سہ گانہ کے علاوہ دیگر بڑے بڑے سرداروں[1] کا اجلاس ہوا اور شہنشاہ چترِ شاہی کے نیچے مسند پر بیٹھا۔ اُن میں گوبارو کو تو اس لئے اہم مقام حاصل تھا کہ شاہِ جہاں کا سسر اور مہمِ بابل کا سپہ سالار ہے۔ اس کے بعد دوسری اہمیت فرزندِ شاہ ولی عہد کمبوجیا کی تھی جو اپنے چہرے سے بڑا کرخت اور پُر جلال نظر آتا تھا۔ سردار اُنتو (اتانا) ولی عہد کمبوجیا کا سسر اور ہخامنشی سرداروں میں بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں ماپسی سردار متردات جو شہنشاہ کا خزانچی ہے، سردار دیدارنا (ہیدرانس) جو سات مشہور سرداروں میں شمار ہوتا ہے۔ ہخامنشی سردار فرنا اسپا جو کورش کی ملکہ کاسندانہ کا باپ ہے، سردار اردومنش، سردار دوہیا اور اس کا بہادر بیٹا بگاباز، سردار فرش اسپا (پرکزاسپ) بہادر آریاسپ اور دوسرے نامور سردار شامل تھے مگر سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ لیڈیا کا معزول بادشاہ کرزوس بھی اہلِ مشورہ میں شریک تھا جسے عظیم کورش نے شکست

1۔ کورش کے بڑے بڑے سرداروں کے نام مرزا عباس علی شوستری کے "ایران نامہ" جلد اوّل، ہیرالڈلیم کی "سائرس دی گریٹ" اور "انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا" سے لئے گئے ہیں مگر ناموں کے تلفظ میں کوئی اختلاف ہے۔ (مصنف)

دے کر اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا تھا۔

یہ شاہوں کے شاہ کورش ہخامنشی کا دربار تھا جس میں کئی بادشاہ اور بڑے بڑے سردار موجود تھے اور اس میں، میں بھی ایک طرف بیٹھا تھا جو فرات کے ملاحوں کا ایک معمولی سردار ہوں۔ مجھے اتنے شاہوں اور سرداروں کے درمیان بیٹھنے کا اعزاز محض تمہاری پیغام رسانی کے طفیل حاصل ہوا۔

اس دربار میں معزز گوبارو نے سردارانِ حاضر باش کو میری فراہم کردہ اطلاعات سے آگاہ کیا۔ سب سے پہلے فرات کے بُرجوں اور دریائی نظام کے معاملہ پر گفتگو ہوئی اور گوبارو نے بتایا کہ ہم جو نہر کھود رہے ہیں وہ پندرہ بیس روز میں مکمل ہو جائے گی جس پر بہادر آریاسپ نے شاہِ شاہاں سے درخواست کی۔

"اب بابل میں داخلے کی تاریخ مقرر کر دی جائے۔"

عظیم کورش نے عصائے شاہی بلند کیا اور کہا۔

"ہم چاہتے ہیں، بابل سے خیالی دیوتاؤں اور بنیل کی خدائی ختم کر دی جائے اور مردوک کا طلسم توڑ کر خدائے واحد اہورموزدہ کا نام بلند کیا جائے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور لوگوں کے ساتھ انصاف ہو اور ان اسیروں کو آزادی ملے جو ستر برس سے غلامی کی مشقت برداشت کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم اعلان کرتے ہیں کہ عیدِ بیلس کی رات ہمارے جانباز شہر میں داخل ہوں گے اور جو کچھ بھی ہوگا ایکور بل کے اندر ہوگا۔"

سرداروں نے شہنشاہ کے اس فیصلے کی تائید کی اور عیدِ بیلس کی رات بابل میں داخلے کی تاریخ مقرر ہوئی۔ کیونکہ اسی رات شہر میں عیش و عشرت کے ہنگامے ہوتے ہیں اور مرد و زن بنیل دیوتا کی اس مسرت میں شریک ہو جاتے ہیں جو اُسے گائے کی جفتی سے حاصل ہوتی ہے۔

شہنشاہ نے یہ بھی کہا تھا۔

"جو جنگ ہم ایکور بل کے اندر لڑیں گے ساری دنیا اس کے نتیجے کی منتظر ہے اور خود اہلِ بابل بھی دیکھ لیں گے کہ ان کا راکب الغمام بل اور "لشکروں کا خدا" مردوک اور رزم کی دیوی اشتار اور دوسرے دیوتا اُن کی کیا مدد کرتے ہیں۔"

بابل کی قسمت پر مہر لگانے کے بعد شہزادی شمورہ کا معاملہ زیرِ بحث آیا۔ صرف ہخامنشی سردار انتو نے سفارش کی کہ مہرتاب کو دُخترِ بابل سے شادی کی اجازت دے دی جائے کیونکہ

اس طرح سلطنت تقسیم ہو گی اور ہماری جنگ کا جلد خاتمہ ہو جائے گا۔ مگر گورگانی اور ماپسی سرداروں نے کہا۔ ''شہزادی کی حیثیت میں شمورہ کے ساتھ شادی کا خیال باطل ہے کیونکہ ہم بنونید اور اُس کی اولاد کو قانونی حکمران تسلیم نہیں کرتے اور ایک غاصب اور قاتل کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ جس کا ثبوت مہرتاب کو مہیا کر دیا گیا ہے۔''

سردار فرش اسپا نے مطالبہ کیا۔ ''بابل اور پوری سلطنت کالدیا سے بنونید اور اس کی اولاد کا حق منسوخ کر دیا جائے۔''

شہنشاہ نے دوسرا فیصلہ صادر کیا اور یہ تھے اس کے الفاظ۔

''سب لوگ سن لیں اور جان لیں کہ بابل کی تسخیر کے ساتھ ہی پوری سلطنتِ کالدیا سے بنونید اور اس کی اولاد کا حق منسوخ ہو جائے گا اور ہم مہرتاب کو شہزادی شمورہ سے عقد کی اجازت اس لئے نہیں دے سکتے کہ وہ بابل میں تنہا ہے اور اس کا حریف و رقیب بیلشازار کلدانی فوجوں کا سربراہ ہے جو شادی سے مشتعل ہو کر اُسے قتل یا گرفتار کر لے گا۔ اس صورت میں مہرتاب عید بیلس کی رات فرات کے شمالی برجوں کے درمیان اپنا فرض ادا نہیں کر سکے گا اور ہمارے لشکر شہر میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ ایرانی مفاد اور مہرتاب کی زندگی کے لئے شمورہ سے شادی خطرناک ہو گی...... اور سب لوگ یہ بھی سن لیں اور جان لیں کہ ہم بہن بھائی کے عقد کی لعنتی رسم تسلیم نہیں کرتے اور اسے انسانی معاشرے کے لئے فسادِ عظیم سمجھتے ہیں۔ کورش ہخامنشی کے دور میں اس رسم کو جرم قرار دیا جائے گا۔ اس لئے مہرتاب کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ شمورہ کی ذاتی طور پر حفاظت کرے اور اُسے بیلشازار کے حرم میں داخل ہونے سے بچائے۔ تسخیرِ بابل کے بعد ہم شمورہ کو اپنی بیٹی بنا لیں گے اور خود اس کا عقد مہرتاب کے ساتھ کریں گے۔''

اس فیصلے پر شہنشاہ نے اپنی تقریر ختم کی اور اس کے ساتھ ہی دربار ختم ہو گیا۔ دوسرے دن شاہِ عیلام گوبارو نے مجھے اس ہدایت کے ساتھ رخصت کیا کہ حران کے معبدِ قمر کا واقعہ جلد از جلد کالدیا کی قومی مجلس میں اٹھایا جائے تاکہ بابل کے لوگ بنونید کا اصل چہرہ دیکھ لیں۔

رخصت ہونے سے پہلے میں نے درخواست کی کہ شہنشاہ سے ملنا اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ میری یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ میں سراچہ میں دوسری بار شہنشاہ سے ملا اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا تو شاہِ جہاں نے مسکرا کے کہا۔

''سیسرا! تم فرات کے ملاحوں کے سردار ہو اور بہتا پانی ہمارے لئے مبارک ہے۔''

مہرتاب! یہ ہے میرے سفر کی روداد جو میں نے سنائی اور یہ ہیں کورش ہخامنشی کے فیصلے جو میں نے تمہارے گوش گزار کر دیئے ہیں۔ میں نے ایرانی لشکروں کو دیکھا، سرداروں کی گفتگو سنی اور شہنشاہ کے فیصلوں پر غور کیا ہے۔ زمین کی طاقتیں اس کے ساتھ ہیں اور آسمان کے نوشتے اس کی تائید کرتے ہیں۔ ایمگور بل کی بلندی بے شک افلاک تک پہنچ جائے مگر کورش کو بابل میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتی کیونکہ وہ زمین کا دل دہلا دینے والا حکمران ہے۔ جب بولتا ہے تو الفاظ کی بارش ہوتی ہے اور جب کوئی فیصلہ کرتا ہے تو تقدیر کی طرح اٹل ہوتا ہے۔''

مہرتاب نے ایرانی شہنشاہ کے فیصلے سن لئے۔ بابل پر آنے والی ساعت مقرر کر دی گئی تھی۔ اس کے دنوں کا شمار ہو گیا تھا جیسے ہاروت ماروت نے پہلے ہی اطلاع دے دی تھی اور بیل کی خدائی ختم کرنے کے لئے ''عیدِ بیلس'' ہی کا انتخاب کیا گیا تھا جو بیل کی عید کا دن تھا۔ اس دن کی رات بنونید اور بیلشازار کے اقتدار کی آخری رات قرار پائی تھی۔ مگر پریشان تھا کہ شمورہ کا کیا ہو گا؟

ایرانی سرداروں نے شادی کی تجویز مسترد کر دی اور کورش نے اُسے ذاتی طور پر شمورہ کی حفاظت و نگرانی کی ہدایت کی تھی۔ مگر وہ اس کی حفاظت کیسے کر سکے گا؟

ہر کام کرنے سے پہلے عقلی طور پر اس کی دلیل یا جواز مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بیلشازار کی ہوسِ حکمرانی اور شہزادی سے عقد کی خواہش نے ''فوری شادی'' کا جواز تو پیدا کر دیا تھا تاکہ اُسے بیلشازار کی دست اندازی سے بچا لیا جائے۔ مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ بیلشازار کے عزائم کے خلاف اس کوشش کا نتیجہ کیا ہو گا۔ یہ بات کورش نے سوچی اور اسے خطرات سے آگاہ کر دیا تھا مگر اس کے ساتھ ایک نئی بے چینی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ بیلشازار نے شمورہ کے لئے بادشاہ پر دباؤ بڑھا دیا تھا۔ اگر وہ ڈگمگا گیا تو شمورہ کے سامنے ایک ہی راستہ ہو گا ــــــ موت کا راستہ۔

وہ اسی پریشانی سے دوچار تھا کہ سردار سیسرا نے ایک اور پیغام سنایا۔

''گوبارو نے نرقال کے ساتھ تمہاری دوستی کو تمام باتوں سے اہم قرار دیا اور ہدایت کی ہے کہ دوستی کے اس تعلق کو اور زیادہ مضبوط کیا جائے۔ کیونکہ یہ دوستی تسخیرِ بابل کی کلید ہے۔''

مہرتاب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اُس نے یہ بات سیسرا کو بھی نہیں بتائی تھی کہ سردار نرقال کی دوستی کس قیمت پر حاصل ہوئی ہے۔ مگر اس دوستی کی اہمیت خود بھی جانتا تھا۔ گوبارو کی ہدایت سنتے ہی معبد اکور کی تیکھی دیوداسی یکایک اس کے تصور میں آ گئی۔

باہر شام نے اپنی زلفیں کھول دی تھیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور بولا۔

"آج رات میں شاہ بنونید سے پھر ملاقات کروں گا۔"

سردار سیسرا حیران رہ گیا۔ "آج تو جشنِ زہرہ کی رات ہے اور بنونید کو باغاتِ معلقہ میں کار دیگر ہی سے فرصت نہیں ہوگی۔"

"اُس نے مجھے باغاتِ معلقہ ہی میں مدعو کیا ہے۔"

سیسرا کی حیرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ "مہر تاب! شاید تم نہیں جانتے کہ جشنِ زہرہ کی رات باغاتِ معلقہ میں کیا ہوتا ہے۔"

مہر تاب نے اُس کی بے چینی کو بھانپ لیا اور کہا۔

"سردار سیسرا! میں زہرہ دیوی کا پرستار نہیں۔"

(40)

جشنِ زہرہ

دینِ اکد کے بزرگوں نے اس شہرِ طلسمات و عجائب کو "باب ایل" یعنی الہٰ یا دیوتا کا دروازہ قرار دیا اور یہی اس کا نام رکھا تھا جو رفتہ رفتہ بابل مشہور ہوگیا۔ اس شہر کی سب سے اونچی عمارت منارۂ بابل تھی جو ایمگو ربل کی 350 فٹ بلندی سے بھی 30 فٹ اونچی تھی اور جسے "زیگورات" یعنی مقدس منارہ کہتے تھے مگر انہوں نے جو تمثیلی مذہب ایجاد کیا اس میں جنسی ضروریات کو اہمیت دی۔ دیوی دیوتاؤں کے فرضی اختلاط کی روایات نے اکدی تہذیب کو شہوت انگیز بنا دیا جسے وہ "فطری ضرورت" قرار دیتے اور اسی نسبت سے اپنے دین کو "دینِ فطرت" کہتے تھے۔

شاہ یوسیفر کے عہد میں ستاروں کی خدائی کا تصور رائج ہوا اور سیارگانِ الوہیت کی خصوصیات بیان کی گئیں۔

1۔ ربِ شمس۔ تخلیقی قوتوں کا مظہر قرار پایا۔

2۔ ربۂ قمر۔ سب سے مقدس اور سرچشمۂ نور و ضیا سمجھی جاتی تھی

3۔ ربِ عطارد۔ اہلِ علم و فن اور کسانوں اور کاشت کاروں کا خدا اور ترقیٔ علوم کا ذریعہ تھا۔

4۔ ربِ مریخ۔ اہلِ سیف کا خدا تھا۔ میدانِ جنگ میں دشمنوں پر فتح پانے کے لئے اس سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

5۔ ربِ مشتری۔ سعدِ اکبر تھا۔ اس کی عبادت بلندیٔ اقبال کے لئے کی جاتی تھی۔

6۔ ربِ زُحل۔ مشکلات و مصائب سے نجات دینے کا وسیلہ تھا۔ خاص طور سے بیماروں کی

شفا اور صحت یابی کے لئے اس سے دعائیں کی جاتی تھیں۔

7۔ ربۂ زہرہ۔ حسین و جمیل تھی اور اہلِ رقص و سرود کی معبود تھی۔ ہر جمعہ کو اس کی عبادت ہوتی مگر ربۂ زہرہ کی کچھ اور خصوصیات بھی تھیں جن کے باعث وہ ''سیارگانِ الوہیت'' میں سب سے زیادہ پسندیدہ سمجھی جاتی۔ اس پر کئی دیوتا عاشق تھے اور وہ سب کو خوش رکھتی تھی۔ اُس کے نزدیک دوشیزگی کا جلد از جلد ازالہ ضروری تھا تاکہ فطری عمل شروع ہو۔

اہلِ بابل ستاروں کے تصرفاتِ روحانی اور اختیارات پر یقین رکھتے اور اُن کے اثرات کے قائل تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ ستاروں کی روحانیت پوری کائنات میں ہر قسم کے تصرفات پر قادر و خودمختار ہے اور جو چاہے کر سکتی ہے۔ وہ تالیفِ قلوب کا ذریعہ ہوتی ہے اسی لئے ''سیارگانِ الوہیت'' کی روحانی طاقتوں سے امداد حاصل کرنے کے لئے ہزاروں منتر ایجاد کر لئے گئے تھے جنہیں ساحر مردوں کے علاوہ جادوگر عورتیں بھی حفظ کرتی اور لوگوں کی ''مشکل کشائی'' کا ذریعہ بنتی تھیں۔

جادو کے لئے ایک خاص قسم کا ناقابلِ فہم رسم الخط[1] بھی ایجاد کر لیا گیا تھا جسے ستاروں کے ساتھ پیغام رسانی کا ذریعہ سمجھا جاتا اور اسی کے ذریعے ارواح کو بلانے کا دعویٰ کیا جاتا تھا۔ اسی رسم الخط کو عرفِ عام میں ''کالا علم'' کہتے تھے۔ بابل کے ساحر ستاروں سے رابطہ و تعلق پیدا کرنے کے مدعی نیز تصفیۂ خیال اور تخلیۂ روح کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

اہلِ بابل کی بُت پرستی اور ضعیف الاعتقادی کی مثال دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی۔ مردوں کی بہ نسبت عورتیں زیادہ توہمات کا شکار تھیں۔ وہ بتوں کے نام کی منتیں مانتی، چڑھاوے چڑھاتی، اُن کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں اپنے بچوں کے گلوں میں بطورِ تعویذ ڈال دیتی حتیٰ کہ ان کے نام پر گوہرِ عصمت تک لٹا دیتی تھیں۔

شراب بھی دیوتاؤں کو بھینٹ کی جاتی جو کاہنوں، پروہتوں اور پجاریوں کے کام آتی بلکہ دیوتاؤں کو بھینٹ کی جانے والی شراب کو ''مقدس'' سمجھ کر اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ بابل میں انسانی لہو اور مادۂ تولید کی بھی پرستش ہوتی۔ ان کے نزدیک انہی سے دنیا کی برکتیں

---

[1] ایک مؤرخ کے بقول حضرت دانیال کے مجموعۂ نصائح و ہدایات میں بھی اس علم کا کوئی حصہ شامل تھا جو اُن کے معتقدینِ بابل میں پھیل گیا۔ بابل میں ہزاروں کلدانی حضرت دانیال کے معتقد تھے۔ (تاریخ بابل و نینوا)

اور لذتیں حاصل ہوتی تھیں۔ ربۂ زہرہ کا جشن اس غلیظ عبادت کے لئے مخصوص تھا۔

دیوی دیوتاؤں میں بل اور مردوک کی مشترکہ زوجہ ایشتار کا ستارہ بھی زہرہ تھا۔ اگرچہ دیوی بہ یک وقت مسرت و شادمانی اور ہلاکت و بربادی کی خصوصیات رکھتی لیکن شہوانی جذبہ اور وصل و اختلاط کا جوہر اُسے زہرہ سے عطا ہوا تھا۔ باغاتِ معلقہ پر ربۂ زہرہ کے علاوہ دیوی ایشتار کا بھی سایہ تھا۔ اسی لئے جشنِ زہرہ کے لئے یہی نیرنگِ زمانہ باغات مخصوص تھے۔ مگر اس موقع پر ایک میلہ ہیکلِ زہرہ میں بھی منعقد ہوتا تھا۔

باغاتِ معلقہ جن کی تعمیر بخت نصر کے عہدِ اقبال کی یاد دلاتی ہے، ''زیگورات'' (منارۂ مقدس) اور دریائے فرات کے درمیان ایک وسیع رقبے پر حلقہ در حلقہ بلند ہوتے چلے گئے تھے۔ شاہی خاندان کے افراد موسمِ گرما انہی باغات میں گزارتے کیونکہ بلندی کی وجہ سے گرمیوں میں یہاں راحت ملتی تھی۔ لیکن جشنِ زہرہ سے قبل یہ قصر و ایوان خالی کر دیئے جاتے اور شاہی خاندان دوسرے محلات میں منتقل ہو جاتا تھا۔ ان ایام میں باغاتِ معلقہ عام لوگوں کے لئے کھول دیئے جاتے اور زوالِ آفتاب کے بعد انسانوں کا ایک سیلاب سیر و تفریح کے لئے اُمڈ آتا جس میں ہر طبقے کی حسین عورتوں کی کثرت ہوتی کیونکہ ان باغات کو عورتوں سے ایک خاص نسبت تھی۔

زہرہ کا جشن چاند راتوں میں منایا جاتا جب چاندنی ہر طرف کھیت کرتی تھی مگر مشعلوں، چراغوں اور قندیلوں کی روشنیوں سے تاریک گوشے بھی منور کر دیئے جاتے تھے۔ باغاتِ معلقہ کے ہر طبقے میں سینکڑوں چبوترے درجہ بہ درجہ تعمیر کئے گئے تھے جنہیں عمارات کی بڑی بڑی کمان دار محرابوں نے سلسلہ وار گھیر رکھا تھا۔ محرابوں میں گھرے ہوئے یہی چبوترے جشن کی راتوں میں لذت و عیش کے لئے استعمال ہوتے تھے مگر پانچویں اور چھٹے طبقے میں انہی چبوتروں کو حجروں کی شکل دے دی گئی تھی جہاں اُمراء اور مقربانِ شاہ شبِ عیش گزارتے تھے۔

ہر طبقے کے باغ میں ربۂ زہرہ کا عریاں مجسمہ نصب تھا۔ جشن میں شریک ہونے والی دوشیزائیں پہلے اُسی مجسمے کو سلام کرنے آتی اور اس کے قدموں میں پھول اور دیگر نذرانے پیش کر کے طواف کرتی تھیں۔

جشن کے ایام میں اگر کسی مرد اور عورت کا انتقال ہو جاتا تو اس انتقال پر ماتم کرنے کی بجائے مسرت کا اظہار کیا جاتا اور مرنے والے مردوں، عورتوں کو خوش نصیب سمجھا جاتا جن کی

ارواح زہرہ کی خدمت کے لئے طلب کر لی گئی تھیں۔ ان کی وفات پر رنج وغم کا اظہار ممنوع تھا۔ اس کے برعکس لواحقین خوش ہوتے اور لوگ اُنہیں مبارک باد پیش کرتے تھے۔ جشنِ زہرہ لذت ومستی کا تہوار تھا۔ مسرت وراحت کی تقریب تھی۔ قبولیتِ زہرہ کی عید تھی لہٰذا اس جشنِ لذت وعیش پر بے رونقی، غمگینی اور اُداسی کا تصور خلافِ دین تھا۔

جس طرح باغات کے مختلف طبقے اور درجے تھے اُسی طرح جشن میں شریک ہونے والے مردوں اور عورتوں کی درجہ بندی ہوتی تھی۔ چھوٹے درجے کے لوگ نچلے طبقوں میں اور بڑے درجے کے لوگ علی الترتیب اوپر والے طبقوں میں جشن مناتے تھے۔ چھٹا طبقہ صرف بادشاہ کے مقربینِ خاص کے لئے وقف تھا جنہیں وہ خود مدعو کرتا۔

ساتویں طبقے پر وہ جھیل تھی جہاں فرات کی ایک نہر سے پانی جرِثقیل کے ذریعے اوپر پہنچایا جاتا اور ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ یہ پانی نہر یا چشمے کی صورت میں نچلے طبقوں کے باغات کو فراہم کیا جاتا۔ باغاتِ معلقہ کے ہر طبقہ میں روشوں کے ساتھ ساتھ پانی کا چشمہ جاری رہتا تھا اور ہر چشمے میں رنگ رنگ کی مچھلیاں تیرتی تھیں۔

اوپر کے طبقوں کی آرائش وزیبائش کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ چشموں کے اندر پانی میں سنگِ موسیٰ پر جواہرات کی پچی کاری کی گئی تھی۔ علاوہ ازیں پانی میں سونے اور چاندی کے حباب بنائے گئے تھے۔ روشوں پر زرّیں اور سیمیں ''بجری'' بچھا دی جاتی جو سونے چاندی سے تیار کی جاتی تھی۔ باغات کے درختوں پر سونے چاندی کی ہزارہا گیندیں آویزاں کر دی جاتی جو ایک طرف چاند کی کرنوں اور دوسری جانب ہزاروں قندیلوں کی روشنیوں میں ستاروں کی مانند جھلملاتی اور کہکشاں کا نظارہ پیش کرتی تھیں۔

جشنِ زہرہ کی راتوں میں باغاتِ معلقہ کی آراستگی، خوش نمائی اور سج دھج کے یہ ہوش ربا منظر بجائے خود سحر وطلسم کے حلقے معلوم ہوتے جن کی نظیر چشمِ انسانی نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انہی خواب آگیں اور سحر آفریں مناظر کی رنگینی میں گم ہو کر دوشیزائیں اپنا سرمایۂ جمال لٹا دیتی اور زہرہ کی خوشنودی حاصل کرتی تھیں۔ چھٹے طبقہ میں جس طرح بادشاہ[1] اپنے خاص

[1] ہم نے جشنِ زہرہ کے سلسلے میں یہ تفاصیل ''تاریخ بابل'' اور ''صنمیاتِ بابل'' کے حوالے سے نقل کی ہیں لیکن مشہور انگریز سیاح مسٹر رچ نے اپنے سفرنامے میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اس تمام تر بے حیائی اور عیاشی کا محرک بادشاہ ہوتا اور وہی اس مذہبی اور ثقافتی تقریب کا اہتمام کرتا تھا۔ (مصنف)

دوستوں، مقربوں اور سرداروں کو خود مدعو کرتا اُسی طرح اعلیٰ گھرانوں کی دوشیزاؤں کو بھی دعوتِ جشن دیتا تھا۔

بابل میں ''عید بیلس'' کے بعد گناہ وعیش کا یہ دوسرا تہوار تھا جو حکومت کی سرپرستی میں منعقد ہوتا اور جسے بزرگانِ دین کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ بلکہ زہرہ کے کاہن، پروہت اور پجاری باغاتِ معلقہ کے ہر طبقے میں دیوی کے مجسمے پر پیش کئے جانے والے نذرانے ''توشۂ عاقبت'' سمجھ کر قبول کرتے اور اُن نذرانوں کے عوض کنواریوں کو زہرہ کی خوشنودگی کے بعض اسرار سے بھی آگاہ کرتے تھے۔

جشنِ زہرہ کے حیا باختہ ہنگامے آغازِ شب سے شروع ہوتے اور ساری رات جاری رہتے۔ لیکن بعض بے صبرے سرِ شام ہی باغات میں پہنچ جاتے اور دوشیزاؤں کی آمد کا انتظار کرتے تھے۔ جب مہرتاب دروازے میں داخل ہوا رات کے گیسو بکھر گئے تھے اور ہنگامۂ عیش کا آغاز ہو چکا تھا۔

باغاتِ معلقہ کے ہر طبق میں چشموں کے کنارے، دیوی کے مجسموں اور کمان دار محرابوں میں گھرے چبوتروں کے آس پاس مردوں، عورتوں کی ٹولیاں منڈلا رہی تھیں۔ وہ باغات کی سج دھج، لوگوں کی بھیڑ اور بھٹکتے ہوئے شرابیوں کی ہاؤ ہو سن کر سوچنے لگا۔ بابل میں یہ آخری جشنِ زہرہ ہے پھر ان عجوبۂ عالم باغات میں عیش ومستی کا ایسا گناہ آفرین ہنگامہ کبھی بپا نہیں ہوگا کیونکہ اس شہر کے دن گنے جا چکے اور اس کے ہنگاموں پر ٹوٹنے والی ساعت متعین ہو چکی ہے۔

دروازے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے سینے پر زہرہ کا وہ تمغہ ٹانک لیا جو ریموت اُسے دے گیا تھا۔ اس تمغے کو دیکھتے ہی دروازے کے محافظوں نے جھک کر سلام کیا اور ایک کلدانی نیزہ بردار اُسے بتانے لگا۔

''اگر آپ اوپر جانے کا پیچ دار ڈھلان راستہ عبور نہیں کرنا چاہتے جو بہت طویل ہے تو زینہ استعمال کیجئے جو آپ کو جلد اوپر پہنچا دے گا۔''

لیکن مہرتاب ڈھلان راستے ہی سے جانا چاہتا تھا جو باغاتِ معلقہ کے ہر طبقے کے چوفیر چکر لگاتا اور گھومتا ہوا آخری طبقے پر پہنچتا تھا۔ اس راستے پر لوگوں کی بھیڑ تھی لیکن سپاہی کسی کو راستہ روکنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ خم دار راستے کی ایک روش پانچویں اور چھٹے طبقے پر جانے والے اُمراء اور شاہی مقربوں کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی اور اس روش پر تمغہ بردار

مہمان ہی سفر کر سکتے تھے۔

مہرتاب نے یہ طویل سفر بڑی دلچسپی سے طے کیا اور ہر طبقہ پر مردوں، عورتوں کے ہجوم، درختوں پر آویزاں قندیلوں، چشموں اور روشوں کی دلآویزی کا نظارہ کرتا چلا گیا۔ یہ نظارے ایسے تھے جن پر چشم فلک بھی شرمارہی ہوگی مگر کلدانی مرد وزن اُن کی مستی و رنگینی میں غرق ہو کر اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہو گئے تھے۔ وہ بابل کے انجام پر غور کرتا اور یہ سوچتا کہ بس تھوڑے ہی دن باقی رہ گئے ہیں۔ ایک یہ جشنِ زہرہ، دوسری عیدِ بیلس اور پھر سب کچھ ختم۔ ''مملکتوں کی خاتون'' اپنے انجام پر نوحہ کناں ہوگی مگر کوئی بھی اس کی فریاد پر کان نہیں دھرے گا۔

جونہی وہ چھٹے طبقے کے دروازے پر پہنچا نہ جانے کدھر سے نکل کر شاہی وقائع نویسوں کا سردار نیر گل جادو کے پتلے کی طرح اچانک اس کے سامنے نمودار ہوا اور جھک کر بولا۔ ''جنابِ عالی! سلامِ زہرہ قبول ہو۔'' پھر بتانے لگا۔ ''بادشاہ ایوانِ خاص میں تشریف لا چکے اور آپ سے ملاقات کے منتظر ہیں۔''

مہرتاب اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ باغاتِ معلقہ کا یہ حلقہ اپنی آرائش و زیبائش کے اعتبار سے جنت نگاہ معلوم ہو رہا تھا اور یہاں سب سے اُونچے طبقے کے مردوں اور دوشیزاؤں کے جمگھٹے سے لگ رہے تھے۔ نیر گل اُسے اُن جمگھٹوں سے بچا کر ایک روش پر چلنے لگا اور چند ہی لمحوں میں کمان دار محرابوں کے حجروں کے قریب سے گزرتا ایوانِ خاص کی غلام گردش پر پہنچ گیا جہاں مخنث داروغۂ خاص کے سوا نہ کوئی کنیز تھی نہ کوئی غلام۔ نیر گل نے داروغہ کے ذریعے بادشاہ کو مہرتاب کے آنے کی اطلاع بھجوائی اور اِذنِ باریابی ملتے ہی اُسے ایوان میں پہنچا کر انہی قدموں لوٹ گیا۔ شاہ بنونید ایک مسند پر یکا و تنہا بیٹھا تھا۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے مہرتاب کا خیر مقدم کیا۔

''آگے آجاؤ مہرتاب! اور ہمارے ساتھ والی مسند پر بیٹھ جاؤ۔''

اُس نے دیکھا شاہ بنونید کی مسند کے ساتھ ویسی ہی ایک اور مسند خالی تھی اور یہ وہ مسند تھی جس پر شہزادی شمورہ اُس وقت باپ کے پہلو بہ پہلو بیٹھتی اور اُسے مشورے دیتی تھی جب کچھ اہم لوگ ایوانِ خاص میں بادشاہ سے ملاقات کرنے آتے تھے۔

وہ آگے بڑھ کر بے جھجک خالی مسند پر بیٹھ گیا۔ بنونید کچھ پریشان کچھ ملول کچھ شکستہ خاطر سا

نظر آرہا تھا۔ ایوان سے باہر پُر لطف ہنگامہ تھا، مسرتیں تھیں، قہقہے تھے مگر ایوان کے اندر ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ احساسِ تنہائی تھا اور سلطنت کالدیا کے بوڑھے حکمران کی اُداسی تھی۔

مہرتاب نے غور سے دیکھا اور پہلی بار اُسے بابل کے مجہول انسان پر ترس آ گیا جو نہ جانے اپنے سینے میں کتنے درد، کتنے زخم چھپائے بیٹھا اور اُس سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ مہرتاب نے پوچھا۔

''عالی جاہ! آج جشنِ زہرہ کی رات ہے۔ آپ اس جشن کے میز بان ہیں۔ مگر میں آپ کو پریشان سا دیکھ رہا ہوں۔''

''مہرتاب! ہم نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے کہ ہماری پریشانی دور کر سکو۔'' بوڑھے بادشاہ نے نگاہِ اُمید سے اُسے دیکھا۔

''اگر سلطنت کا کوئی پیچیدہ معاملہ ہے تو بیان کیجئے۔ شاید میں اُسے حل کر سکوں۔ اگر کسی بات کا خطرہ ہے تو ظاہر کیجئے، شاید اُسے دور کرنے کے لئے کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔''

بنونید گمبھیر آواز میں بولا۔

''آج ہمیں تمہارے مشورے کی نہیں، تمہاری ضرورت ہے۔ کیا ہمارے کام آ سکو گے؟''

مہرتاب حیران رہ گیا کہ نہ معلوم کیا چاہتا ہے مگر تسلی کے لہجے میں جواب دیا۔ ''اگر میں آپ کے کسی کام آ سکا تو دریغ نہیں کروں گا۔''

بادشاہ نے ان الفاظ کو وعدہ سمجھا اور مطلب پر آ گیا۔

''مہرتاب! ہم اپنی بیٹی شمورہ کے لئے پریشان ہیں۔ اُس نے کسی نوجوان کو پسند کر لیا اور اس سے عقد چاہتی ہے مگر اس کا نام نہیں بتاتی۔ وہ حکمت شناس ہے، ہماری راہبر و راہنما ہے اور دیوی اِشتار رویا میں اُس سے کلام کرتی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے، مرد کے انتخاب میں غلطی کر بیٹھے۔ ہمیں دوسری پریشانی اس کے بھائی کی طرف سے لاحق ہے۔ وہ اُسے اپنی ملکہ و زوجہ بنانا چاہتا ہے مگر شمورہ کو یہ بات پسند نہیں۔ ہمیں بیٹی کا مستقبل عزیز ہے اور اس کے لئے ایک بہادر شوہر چاہتے ہیں۔ سوچ بچار کے بعد ہماری نظر تم پر اُٹھی ہے۔ اگر شمورہ تمہیں پسند کر لے تو ہماری ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔''

شاہ بنونید کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مہرتاب حیران و ششدر رہ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی اہم بات کرے گا۔ بادشاہ نے اُس کی پریشانی کو بھانپ لیا اور بات آگے بڑھائی۔

"ہماری فرمائش پر شمورہ آج پہلی بار جشنِ زہرہ میں شرکت کر رہی ہے۔ ہم نے تمہیں بھی اسی مقصد کے لئے مدعو کیا ہے تاکہ تمہارا آمنا سامنا ہو جائے۔ مہر تاب! یہ ہمارا ایک تہذیبی اور مذہبی تہوار ہے اگر اس موقع پر کوئی مرد کسی کنواری لڑکی کا ہاتھ پکڑ لے تو اُسے زہرہ کی خوشنودی بھی سمجھا جاتا ہے اور رشتہ و تعلق کا پیغام بھی۔ ہم چاہتے ہیں جب شمورہ جشن میں پہنچ جائے تو آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لو۔ یہ تمہاری طرف سے شادی کا پیغام ہوگا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ کسی حجرے میں چلی گئی تو ہم سمجھ لیں گے کہ اُس نے تمہیں پسند کرلیا ہے اور ہم اس کے ساتھ تمہاری شادی کردیں گے۔"

مہر تاب پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ بادشاہ کی فرمائش ایسی عجیب و غریب تھی جسے جشنِ زہرہ کی رات کسی قیمت پر پوری نہیں کرسکتا تھا۔ ابھی کوئی جواب سوچ ہی رہا تھا کہ بنونید اچانک مسند سے اُٹھ کر فرش پر آ گیا پھر مہر تاب کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھی کھینچ لیا اور سمجھانے لگا۔

"وہ آنے والی ہوگی۔ مگر اس سے پہلے کہ کوئی سردار یا فوجی افسر اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کرے اور بدمزگی پیدا ہو کیونکہ وہ کسی کے ساتھ نہیں جائے گی، ہمارے ساتھ چلو اور سب سے پہلے اس کا ہاتھ تھام لو۔ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں وہ تم سے اپنا ہاتھ چھڑاتی ہے یا نہیں؟"

مہر تاب بوکھلا کے رہ گیا۔ "مگر عالی جاہ! میں اس قسم کی حرکت......"

بنونید نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "بس، ہم تمہارا کوئی عذر نہیں سنیں گے۔"

وہ حیران و پریشان مہر تاب کو ہاتھ سے پکڑ کر ایوان سے باہر لے گیا اور کمان دار محرابوں کے حلقے سے نکل کر باغ کی طرف بڑھا جہاں زہرہ کے عریاں مجسمے کے اِردگرد بہت سے مرد، بہت سی لڑکیوں کے ساتھ کھڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ ابھی وہ باغ کی روش پر تھے کہ دُخترِ بابل شمورہ پورے بناؤ سنگھار کے ساتھ اسی بھیڑ کی طرف آتی دکھائی دی۔

مہر تاب اُس کا جلوۂ حُسن دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ شمورہ اُسے بادشاہ کے پہلو بہ پہلو دیکھ کر حیرت زدہ سی ہوگئی۔ جشنِ زہرہ کی رات باغاتِ معلقہ میں مہر تاب کی موجودگی کسی اچنبھے سے کم نہ تھی۔

بنونید مہر تاب کو لے کر اس کی طرف بڑھا۔ شمورہ بھی بھیڑ سے دامن کترا کر انہی کی طرف آئی۔ بادشاہ نے اپنے ساتھی کی پشت پر تھپکی دی۔

"مہر تاب! قسمت آزماؤ۔"

مگر وہ انہی قدموں گم صم سا کھڑا ہوگیا۔ شمورہ بڑی تیزی کے ساتھ قریب آئی اور باپ کی موجودگی کو نظر انداز کر کے بڑی عجلت، بڑی لگن سے مہر تاب کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔

"مہر تاب! آج جشنِ زہرہ کی رات ہے اور تم ہمارے ساتھ چلنے سے انکار نہیں کرسکتے۔"

شاہ بنونید بھونچکا سا رہ گیا۔ وہ مہر تاب کو کھینچتی بلکہ گھسیٹتی ہوئی ایوانِ خاص کے عقبی کمرے کی طرف لے گئی اور دونوں اُس کمرے میں داخل ہوگئے۔ بادشاہ نے باغ کی روش پر کھڑے کھڑے کمرے کا دروازہ بند ہوتے دیکھا اور اس کے لبوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ تیر گئی جیسے اُس کی ساری پریشانیاں ختم ہوگئی ہوں۔

❁

جو کچھ بھی ہوا شاہ بنونید کی توقع کے بالکل برعکس لیکن حیرت انگیز اور دلچسپ تھا۔ مہر تاب نے اُس کی ترغیب کے باوجود کنواری دُخترِ بابل کا ہاتھ نہیں پکڑا بلکہ خود شمورہ ہی اُسے کھینچتی ہوئی ایوانِ خاص کے ایک عقبی کمرے میں لے گئی تھی۔

یہ ہوش رُبا واقعہ صرف بنونید نے نہیں، اُس کے دوستوں اور اعلیٰ طبقے کی اُن حسین دوشیزاؤں نے بھی دیکھا جو کنواریوں اور ان کے عاشقوں سے نذرانے وصول کرنے کے لئے زہرہ کے سر سے پاؤں تک عریاں مجسمے کے آس پاس بیٹھے تھے۔

خود مہر تاب کے دل و دماغ پر جو کیفیت گزر گئی وہ کچھ ایسی تھی جیسے کمرۂ عیش کی بجائے کسی نے اُسے چاہِ بابل کے زندانِ اجل میں بند کردیا ہو۔ شاہ بنونید اُسے دُخترِ بابل سے شادی کے لئے آمادہ کر رہا تھا مگر ایرانی شہنشاہ نے فی الحال شادی کی اجازت نہیں دی تھی کیونکہ مہر تاب بابل میں تنہا تھا اور شادی کے نتائج خطرناک ہوسکتے تھے۔ شمورہ نے جذبات کی رو میں جس حسین غلطی کا ارتکاب کیا اس پر دماغ سنسنا کے رہ گیا۔ دروازہ بند ہونے کے بعد ذرا ہوش سنبھلے تو پریشان سے لہجے میں بولا

"تم نے بادشاہ پر واضح کردیا کہ میں ہی وہ آدمی ہوں جس سے تمہیں دلچسپی ہے۔"

شمورہ کے ہونٹوں پر ایک دلنواز سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"مہر تاب! جو بات آج کل میں ظاہر ہونے والی ہے اُسے چھپانے سے کیا فائدہ؟ اگر آج نہیں تو کل سب لوگ جان لیں گے کہ تم ہمارے کیا ہو؟"

''مگر میرا اور تمہارا تعلق ابھی کسی پر ظاہر نہیں ہونا چاہئے۔ میں نے تمہیں کچھ دن انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔''

وہ پھر مسکرائی۔ ''ہم ضرور انتظار کرتے ــــ مگر تمہیں باغاتِ معلقہ میں دیکھ کر ہمارے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ جشنِ زہرہ کی رات یہاں کسی مرد کی موجودگی کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے۔''

''اور جشنِ زہرہ میں کسی کنواری کی موجودگی کا کیا مطلب ہوتا ہے خواہ وہ دُخترِ بابل ہی کیوں نہ ہو؟''

اس سوال نے شمورہ کو پریشان کر دیا، اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

''پدرِ محترم نے پہلی بار ہم سے جشن میں شمولیت کا وعدہ لیا مگر ہم نے وضاحت کر دی تھی کہ اگر کسی نے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا تو اس کے ساتھ حجلۂ عیش میں نہیں جائیں گے جس پر بادشاہ نے بتایا کہ قانونِ بابل صرف لڑکی کی مرضی کو اہمیت دیتا ہے اور کوئی شخص اُسے مجبور نہیں کر سکتا اس لئے ہم بے خوف چلے آئے۔''

''پھر مجھے بھی بادشاہ نے مدعو کیا اور پیغام بھیجا تھا کہ غیر حاضری کا کوئی عذر قبول نہیں ہو گا۔''

''کیوں؟'' شمورہ کی دلچسپی بڑھی۔

''بادشاہ نے مجھے ایک خاص مقصد کے لئے طلب کیا تھا۔''

''کس مقصد کے لئے؟''

مہرتاب مقصد کی وضاحت کرنے لگا۔ ''وہ چاہتا تھا میں تمہارا ہاتھ پکڑوں اور تمہیں کسی حجلۂ عیش میں لے جاؤں۔''

شمورہ پر ایک دلچسپ حیرت گزر گئی اور مہرتاب نے مزید انکشاف کیا۔ ''بادشاہ نے کہا تھا اگر میں جشنِ زہرہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ لوں گا تو یہ میری طرف سے شادی کا پیغام ہو گا۔ اور وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم مجھ سے ہاتھ چھڑا لیتی ہو یا مجھے قبول کرتی ہو۔''

شمورہ فرطِ تحیر سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ یہ حسین انکشاف اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔ ''کیا پدرِ محترم ہمارا عقد تمہارے ساتھ کرنا چاہتے ہیں؟''

''مجھے جشنِ زہرہ میں مدعو کرنے کا مطلب یہی تھا۔ مگر تم نے خود میرا ہاتھ پکڑ کے بادشاہ کو

حیرت میں ڈال دیا۔''

بات دلچسپ بھی تھی اور سنسنی خیز بھی جس نے شہزادی کے کنوارے جسم پر ہلکی سی لرزشِ کیف طاری کر دی۔ نبضوں میں ایک سرور انگیز لہر دوڑتی چلی گئی۔ اُسے کچھ باتیں یاد آنے لگیں جن پر پہلے توجہ نہیں دی تھی مگر اب غور کرنے کا موقع ملا کہ جب چاہِ بابل کے حادثے پر بادشاہ نے اُسے طلب کیا اور اُس آدمی کی بات چھڑی جس نے ہاروت ماروت کی رہائی کو اپنی محبت کی شرط قرار دیا تھا اور وہ اس لئے غمگین و پریشان تھی کہ شرطِ محبت ہار چکی۔ تب بادشاہ نے کہا تھا۔

''ہم نے بھی تمہارے لئے ایک نوجوان پسند کیا ہے اگر اُسے ایک نظر دیکھ لو تو ہمارے انتخاب کی داد دو گی۔'' اور اس نے یہ کہہ کر بادشاہ کی پسند کو مسترد کر دیا تھا کہ ''ہم اپنے محبوب کے سوا کسی دوسرے مرد کو قبول نہیں کریں گے۔''

مگر بادشاہ کو اس بات پر اعتماد تھا کہ اس کے پسندیدہ نوجوان کو دیکھ لینے کے بعد مسترد نہیں کر سکے گی۔ اسی لئے اُسے جشنِ زہرہ میں شمولیت پر آمادہ کر لیا اور یہ بھی کہا تھا۔ ''ہو سکتا ہے جشنِ زہرہ تمہاری کامیابی کی رات ہو۔'' گویا بادشاہ نے مہرتاب اور شمورہ کو باہم ملانے کی ترکیب سوچ لی اور ان دونوں کو خاص طور پر جشن میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی تاکہ باغِ معلقہ کے کسی حجلۂ عیش میں وہ حسین واقعہ رونما ہو جو بہ زہرہ رونما ہوتا دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ سب کچھ سوچ کر جو انتہائی پُرکشش اور مسرت خیز تھا، شمورہ ایک لذت آفرین خیال میں کھو گئی اور حیرت یا مسرت سے کپکپاتی آواز میں کہنے لگی۔

''مہرتاب! یہ تو کوئی شعبدہ ہوا ہے کہ پدرِ محترم بھی ہم دونوں کو ایک کر دینا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے اس خوب صورت رات کا انتخاب کیا ہے۔''

''مگر تمہاری بے احتیاطی سے اب بادشاہ کو مجھ پر شک کرنے کا موقع ملے گا کہ مجھے ہاروت ماروت سے کیوں دلچسپی تھی اور کہیں میں ہی......''

''نہیں مہرتاب!'' شمورہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''پدرِ محترم ایسا نہیں سوچیں گے۔''

''جب یہ بات کھل گئی کہ میں ہی وہ آدمی ہوں جس سے تمہیں دلچسپی ہے تو بادشاہ کی سوچ کو کیسے بدل سکو گی؟''

''شاید تم بھول گئے کہ وہ ہمارے دماغ سے سوچتے ہیں۔ ہم اپنی غلطی کی ایک خوب صورت تلافی کر دیں گے۔'' اور اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

مہرتاب نہیں جانتا تھا کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی کیسے کر سکے گی جس نے بادشاہ کے ذہن میں شبہے کا دریچہ کھول دیا ہوگا مگر اب اس نے ایک دوسرے خطرے کا اظہار کیا۔ ''اگر بیلشازار کو معلوم ہوگیا کہ تم مجھے کمرۂ تنہائی میں لے گئی ہو تو میری جان کا دشمن بن جائے گا کیونکہ تمہارا طلب گار ہے۔''

شمورہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''بھائی بیلشازار ہمیں اپنی زوجہ و ملکہ بنانے پر ضد کر رہا ہے لیکن جب سنے گا کہ جشنِ زہرہ کی رات ہم تمہیں کمرۂ تنہائی میں لے گئے اور جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تو شاید اپنا ارادہ ہی بدل دے۔''

مہرتاب بری طرح چونک گیا۔ شمورہ کے الفاظ میں ایک نیا خطرہ سرسرا رہا تھا۔ بے چینی کے لہجے میں بولا۔ ''جو کچھ ہونا ہے وہ آج رات نہیں ہوگا۔''

''کیوں نہیں ہوگا۔ آج رات ہم دیوی کی پناہ میں ہیں۔ اس کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ زہرہ محبت کرنے والوں کی خود حفاظت کرتی ہے۔'' پھر ترغیب کا ایک دلچسپ پہلو پیش کیا۔ ''مہرتاب! پدرِ محترم بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم اس حسین موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ جب چاند کی کرنیں باغاتِ معلقہ کو منور کرتی ہیں، محبت کے ہر خواب کو ایک تعبیر مل جاتی ہے۔''

وہ یک لخت کھڑا ہوگیا اور حالتِ اضطراب میں ہاتھ اٹھا کر ملہمانہ انداز میں اُسے تقدیر کے فیصلے سے آگاہ کرنے لگا۔

''نہیں شمورہ! یہ رات جو بڑے پُراسرار طور پر ہمارے گرد چکر لگا رہی ہے ہماری نہیں۔ آج رات کا آسمان اور اس کا چاند ہمارا نہیں۔ آج ہمارے کسی خواب کو تعبیر نہیں مل سکتی۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس رات کی صبح کیسے نمودار ہوگی۔''

حکمت پسند شمورہ کی مسرت اچانک ایک حیرت میں بدل گئی۔ ''آج تو وصل و نشاط کی رات ہے اور اس رات کی صبح اپنے دامن میں خوشیاں لے کر آتی ہے۔''

''مگر ہمارے وصل کی رات ابھی نہیں آئی۔ اور جب وہ رات آئے گی میں خود تمہیں حاصل کروں گا۔ اگر مجھ سے محبت کرتی ہو تو کسی ایسی بات پر اصرار نہ کرو جو میں نہیں چاہتا۔''

وہ سمجھ گئی کہ جو بات ایوانِ ماکلوب کی تنہائی میں طے کر چکا ہے اُسی پر قائم ہے۔ پھر اس نے بھی دیوی کی خوشنودی کا لذت آفریں خیال ترک کر دیا اور بولی۔

''تمہارے حکم کی تعمیل ہماری عبادت ہے۔ جو کچھ کہو گے وہی ہوگا۔ مگر ہم یہ معلوم کرنا

چاہتے ہیں کہ تمہارے نزدیک محبت کیا ہے؟''

''محبت ایک ارادہ ہے جو ہمارے وجود کو قائم رکھتا ہے۔'' مہرتاب اُسے بتانے لگا۔ ''دنیا میں اَن گنت مردوں نے اَن گنت عورتوں سے محبت کی مگر ہر شخص کامیاب نہیں ہوا۔ جو لوگ عورت کی نشہ آور آغوش میں وقت کی رفتار کا اندازہ نہیں کر سکتے وقت انہیں محبت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں بھی کسی عذاب میں مبتلا ہوں۔''

شمورہ کو محبت کا ایک نیا عرفان حاصل ہوا۔ ''پدرِ محترم سچ کہتے ہیں کہ تمہارے اندر الہوں کی رُوح بولتی ہے۔''

''میں ایک انسان ہوں اور وقت کی رفتار کے ساتھ چلتا ہوں۔'' اس نے پھر بے چینی کا اظہار کیا۔ ''بہت دیر ہوگئی شمورہ! کمرے کا دروازہ کھول دو اور باہر چلو۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے ____ آج رات اپنے وصل سے محروم کر رہے ہو، پیار سے تو محروم نہ کرو۔''

وہ اس تنہائی سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتی تھی مگر مہرتاب کے اندر ایک شدید کش مکش جاری تھی۔ کہنے لگا۔

''تمہارا ہر انداز مجھے پیار کی دعوت دے رہا ہے لیکن دل کی بے قراری ایک راستہ دکھا رہی ہے کہ ہمیں اس وقت کمرے سے باہر ہونا چاہئے۔ یہی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ میں پھر وعدہ کرتا ہوں کہ پیار سے محروم نہ رہو گی۔''

''مہرتاب! ہم تمہارے وعدے پر پوری زندگی گزار سکتے ہیں۔''

یہ کہہ کر شمورہ دروازے کی طرف بڑھی۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلے، رات اپنے دوسرے پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ باغاتِ معلقہ کے چھٹے طبقے پر دیوی کے عریاں مجسمے کے اردگرد کاہنوں اور مہنتوں کے علاوہ کوئی مرد تھا نہ کوئی کنواری۔ باغ کی رونق ختم ہو چکی مگر حجلہ ہائے عیش کی رونق جوان ہوگئی تھی۔ آسمان پر چاند روشن تھا اور درختوں پر قندیلیں فروزاں تھیں جن کی شعاعوں میں شاخوں کے ساتھ آویزاں چاندی اور سونے کی گیندیں ستاروں کی مانند جھلمل جھلمل کر رہی تھیں۔ اور بہتے چشمے کے اندر سنگِ موسیٰ اور سنگِ مرمر میں سونے چاندی کے تاروں اور جواہرات سے کی جانے والی پچی کاری سے ایسی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جیسے پانی میں شعاعیں جھلملا رہی ہوں، شعلے تیر رہے ہوں، قوسِ قزح بہہ رہی ہو۔ ایسا رنگین اور دلآویز

تھا وہ نظارہ کہ دونوں بے اختیار چشمے کی طرف بڑھے۔

باغاتِ معلقہ میں ''شبِ زہرہ'' انگڑائیاں لے رہی تھی۔ نچلے طبقوں سے کچھ لوگوں کی تکرار اور بعض شرابیوں کی بہکتی آوازوں کا ہلکا ہلکا شور اٹھ رہا تھا مگر چھٹے طبقے پر ایک عجیب اور پراسرار سناٹا طاری تھا اور اس دم بخود سناٹے میں کبھی کبھار کسی ہلکی سی آہٹ یا ہنسی کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ یہ مسرت و عیش کی رات تھی اور باغ کے وسط میں ربۂ زہرہ کا عریاں مجسمہ اپنے ہی حُسن و شباب کی مستی میں چور اہلِ بابل کو ترغیبِ گناہ دے رہا تھا۔

مہرتاب اور شمورہ ہاتھ مں ہاتھ ڈالے جونہی باغ کی روش پر پہنچے، ناگہاں درختوں کے سائے میں ایک بجلی سی چمکی اور کوندے کی طرح لپکتا ہوا کوئی شخص بڑی تیزی سے اُن کی طرف بڑھا۔ دونوں ٹھٹک کے رہ گئے۔ [illegible] نے والا سلطنت کالدیا کا فوجی سربراہ جنگجو بیلشازار تھا۔ تیغِ برہنہ اُس کے ہاتھ میں اور نیام [illegible] بند ایک تلوار دوسرے ہاتھ میں تھی۔ یہ ایک لرزا دینے والا نظارہ تھا۔ شہزادی چیخ مار کر ایک قدم پیچھے ہٹی کیونکہ مہرتاب اور موت کے درمیان صرف ایک قدم کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ بیلشازار کی تلوار سیدھی اس کے سینے کی طرف اٹھی اور ساتھ ہی پُر رُعب اور درشت آواز سنائی دی۔

''مہرتاب! ہم نہیں جانتے تمہیں خوش قسمت سمجھیں یا بدنصیب۔ سنا ہے ہماری خوب صورت بہن نے بادشاہ کے سامنے تمہارا ہاتھ تھام لیا اور تمہیں کمرۂ تنہائی میں لے گئی۔ مگر دنیا کا کوئی مرد مقابلہ کئے بغیر شمورہ کو ہم سے جیت نہیں سکتا۔ بعض حسین عورتیں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ ان کے لئے جنگ ہو اور انہیں تلوار کی قوت سے حاصل کیا جائے۔ غالباً شمورہ بھی یہی چاہتی ہے۔''

پھر اس نے کوئی مہلت دیئے بغیر دوسری تلوار اپنے رقیب کی طرف اچھال دی اور کہا۔

''ہم کسی نہتے پر وار کرنا بہادری کی توہین سمجھتے ہیں۔ تلوار سنبھالو۔ جو کچھ تمہاری قسمت میں لکھا ہے وہ پیش آئے گا اور موت ہی پیش آئے گی تمہیں۔ اب موت کے سوا تمہارے لئے اور کچھ نہیں رہا۔''

مہرتاب نے ایک جھٹکے سے تلوار سنبھالی اور نیام سے کھینچ بھی لی۔ وہ جس بات سے بچنا چاہتا تھا بیلشازار اُسی پر تُلا ہوا تھا۔ کورش ہخامنشی نے جس خطرے کی پیش گوئی کی تھی وہ پیش آ گیا تھا۔ اب پیچھے ہٹنا بزدلی تھی اور وہ پیچھے ہٹنے کا عادی بھی نہیں تھا۔ تلوار اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔

پھر بھی تھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھی۔

''فیصلہ کرنے میں بڑی عجلت سے کام لے رہے ہو بیلشازار! میں تمہیں یہ تو بتا سکتا ہوں کہ شہزادی دیوی کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکی۔ مگر بہن کو تلوار سے جیتنا چاہتے ہو تو تمہیں روک نہیں سکتا۔''

بیلشازار قہر آلود آواز میں گرجا۔ ''ہمارے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر بڑے بڑے بہادر عذر تلاش کرتے ہیں۔ مگر تم نے شمورہ کے ساتھ کمرۂ تنہائی میں کچھ وقت گزارا ہے اور تمہیں سزا دینے کے لئے یہی غلطی کافی ہے۔''

پھر وہ پیچھے ہٹ کر تلوار تولنے لگا اور شمورہ چلّائی۔ ''بھائی بیلشازار! تم بابل کا قانون توڑ رہے ہو۔''

''ہماری ضرورت کسی قانون کی پابند نہیں۔''

اچانک شہزادی نے اپنا ہاتھ بلند کر دیا۔ ''بھائی! ہم بادشاہ کی راہبر و رہنما کی حیثیت میں تم سے درخواست کرتے ہیں کہ مہمان پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔''

بیلشازار طعن آمیز لہجے میں بولا۔ ''اپنے عاشق کی جان بخشی چاہتی ہو جو ہم سے مقابلہ منظور کر چکا ہے۔ لیکن ہمیں تمہاری درخواست منظور نہیں۔''

''ہم دیوی کے نام پر حکم دیتے ہیں کہ تلوار پھینک دو۔''

''تمہارا حکم بھی اُسی وقت مانیں گے جب زوجہ و ملکہ بن کر ہمارے پہلو میں بیٹھو گی اور ہمیں اپنے ساتھ تنہائی کا موقع دو گی۔''

شمورہ تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی اور بیلشازار نے اسے ''انکار'' سمجھ کر تلوار کا بھرپور وار کیا جسے مہرتاب نے پوری مہارت سے تلوار پر روکا اور چھٹے حلقے کے پُرکیف سناٹے میں آبدار لوہے کی لرزا دینے والی جھنکار دُور تک گونجتی چلی گئی۔ یہ ایک انہونا واقعہ تھا۔ کیونکہ جشنِ زہرہ کی تقریب پر ان نیرنگِ زمانہ باغات میں دوشیزگانِ بابل کے دلفریب قہقہے کھنکتے تھے، سریلی آوازیں جھنکتی تھیں، حسین مسکراہٹیں بکھرتی تھیں، سنسنی خیز آہٹیں اور لذت آفرین سسکیاں سنائی دیتی تھیں۔ عیش اور مستی اور سرور کے خمار سے چور اس رات کے حسین لمحوں میں تلوار کے ٹکراؤ اور ان کی مہیب جھنکار کا تصور بھی محال اور ناقابلِ یقین تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دیوی کے عریاں مجسمے کے آس پاس بیٹھے کاہن، مہنت، پروہت حیرت زدہ سے اٹھے اور اس روش کی طرف بھاگے جہاں ایک

عورت کے لئے دو مردوں کے درمیان مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔ حالانکہ جشنِ زہرہ پر اس قسم کے مقابلوں کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تو ساری دوشیزائیں، سارے مرد صرف ربۂ زہرہ کی خوشنودی حاصل کرنے آتے تھے اور کسی کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ لڑکی کے لئے کسی رقیب کے لئے جھگڑا مول لے۔ لیکن جنگجو بیلشازار نے یہ اصول توڑا اور مہرتاب پر تلوار اٹھائی تھی۔

یہ ٹکراؤ ایسا لرزہ خیز اور ہنگامہ ایسا بھیانک تھا کہ زہرہ کے پجاری دم بخود رہ گئے۔ لڑنے اور ٹکرانے والے معمولی نہیں تھے اور جنگ بھی کسی معمولی دوشیزہ کے لئے نہیں، دُخترِ بابل شمورہ کے لئے تھی۔ تلواروں کی جھنکار میں جس نے پُر کیف سناٹے کو زخمی کر دیا تھا، حجلہ ہائے عیش کے دروازے یکے بعد دیگرے کھلتے چلے گئے اور دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے والے جوڑے حیران و پریشان سے باہر نکل آئے۔

بیلشازار اور مہرتاب کو آمنے سامنے دیکھ کر کچھ لوگ معاملے کی نوعیت کو سمجھ گئے اور کچھ لوگ سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ ایک طرف سلطنت کالدیا کا سب سے بڑا جنگی مرد اور کلدانی فوجوں کا سربراہ تھا، دوسری جانب گارجیت کا یگانۂ عصر نوجوان جو اپنی بے مثال مردانہ کشش کے باعث بابل کی کنواریوں اور ''پیاریوں'' اور دیوداسیوں کی کمزوری بن گیا تھا۔ ان سے ایک طرف ہٹ کر شہزادی شمورہ حالتِ اضطراب میں کھڑی اس خوفناک لڑائی کے منظر میں گم تھی جو اُسی کو جیتنے کی خاطر لڑی جا رہی تھی۔

چودھویں کے چاند کی روشنی اور درختوں سے آویزاں سینکڑوں قندیلوں کی روشنی میں دونوں کی تلواریں کوندوں کی طرح لپک جھپک رہی تھیں۔ ان کی بھیانک آواز دیکھنے والوں کے دلوں پر خوف کی ضرب لگاتی اور حیرت کی لکیر کھینچتی گزر جاتی تھی۔ خوف کا سبب تو غالباً یہ تھا کہ بہادر اور جنگجو بیلشازار حریف پر ضرب لگانے اور اُسے گھائل کرنے میں یکتا سمجھا جاتا تھا اس لئے عورتیں اور مرد مہرتاب کے انجام سے خوف زدہ تھے لیکن حیرت کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ابھی تک بیلشازار کی تلوار کا ایک بھی زخم نہیں کھایا بلکہ ہر مہلک وار بڑی مستعدی اور مہارت سے روک لیا تھا۔

بیلشازار نے کتنے ہی داؤ کھیلے، کتنے ہی وار کئے مگر سب بے کار کر دیئے گئے۔ مہرتاب کو دہشت زدہ کر دینے کے لئے وہ اندھا دُھند حملے کرتا رہا۔ تلوار بجلی کی طرح کوندتی رہی، لوہا لوہے سے بجتا رہا۔ دل دھڑکتے، تڑپتے رہے کہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ لیکن کالدیا کے جنگی مرد کو

بہت جلد معلوم ہو گیا کہ مقابلہ کسی معمولی حریف سے نہیں۔ اور مہرتاب کوئی معمولی حریف تھا بھی نہیں۔ جب اس پر وار کیا جاتا اس کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں جاگ اُٹھتی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میدان میں جو شخص موت سے ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھتا ہے، موت اس سے پیچھے ہٹ جاتی ہے۔

اس نے بیلشازار پر وار نہیں کیا صرف اس کے وار بچاتا اور داؤ کاٹتا رہا۔ کالدیا کا ولی عہد ''لشکروں کے خدا'' مردوک کا فرزند کہلاتا اور شجاعت و تیغ زنی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا اس کا حریف زیادہ دیر تک مدافعت نہیں کر سکے گا مگر وہ اس بات پر حیران رہ گئے کہ اس مقابلے میں بیلشازار کی بہادری اور تیغ زنی کا سارا بھرم ٹوٹتا جا رہا تھا۔ وہ پے در پے حملے کر کے تھک گیا اور اپنی ناکامی پر سیخ پا بھی دکھائی دیتا تھا۔ جب کہ مہرتاب ابھی تک تازہ دم اور بڑی مستعدی سے اُس کے سارے داؤ پیچ، تمام حربے کاٹے دے رہا تھا۔

دوشیزائیں اور اُن کے ساتھی مرد جو شاہ بنونید کے دوست، مقرب اور سلطنت کے اہم افراد تھے، سن چکے تھے کہ اس کشمکش کی وجہ دُخترِ بابل شمورہ ہے جو خود مہرتاب کو کمرۂ تنہائی میں لے گئی۔ مگر جنگجو بیلشازار بہن کا طلب گار اور اُسے بزورِ تیغ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایک خوبصورت شہزادی کو جیتنے کا یہ مقابلہ اگر کسی اور موقع پر پیش آتا تو اس کی نوعیت یقیناً مختلف ہوتی۔ اور لوگ اس تماشے سے لطف اندوز ہوتے کیونکہ ایسے مقابلوں میں حسین عورت جیتنے والے کا انعام ہوتی ہے۔ لیکن جشنِ زہرہ ازالۂ دوشیزگی کی تقریب تھی اور اس تقریب پر ایسے ہنگاموں اور مقابلوں کی اجازت نہیں تھی۔ لوگوں کی ہمدردیاں شمورہ اور مہرتاب کے ساتھ تھیں جنہیں بابل کی اصنامی تہذیب، کمرۂ تنہائی میں جانے کی اجازت دیتی تھی۔ شاید اس ہمدردی کی وجہ کچھ اور بھی ہو کیونکہ اگر دُخترِ بابل شمورہ میں مردوں کے لئے بڑی کشش تھی تو حسین دوشیزائیں جو اپنا سرمایۂ جمال لٹانے آئی تھیں، مہرتاب کی خاطر بے چین ہو رہی تھیں کہ اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ معاملے کی صورت بہرحال خوف انگیز تھی۔ کیونکہ جب عورت کو جیتنے کے لئے دو مردوں کے درمیان تلوار اٹھتی ہے، کسی ایک کا سر گرتا ہے۔

مقابلہ ابھی تک برابر تھا۔ دوشیزائیں اور مرد اِدھر اُدھر کھڑے یہ خوفناک لڑائی دیکھ رہے تھے جس کا انجام کسی ایک کی موت پر ہونے والا تھا اور موت ایک فاحشہ عورت کی طرح ان دونوں کے اردگرد چکر لگا رہی تھی۔

بیلشازار اگرچہ تھک گیا لیکن ابھی تک پُرجوش اور اپنی تیغ زنی کی دھاک بٹھانے کے لئے وار پر وار کئے جا رہا تھا۔ مہرتاب بے شک مدافعت میں ہوشیار اور تیز تھا مگر اس کے پورے جسم میں بجلیاں سی دوڑتی پھر رہی تھیں۔ دو بہادروں کے ٹکراؤ اور دو تلواروں کی خوفناک جھنکار نے فضا کو لرزا دیا تھا اور سب دیکھنے والے اس نتیجے کے منتظر تھے کہ یہ لڑائی کسے نیست و نابود کرتی ہے۔ دل دھڑک رہے تھے کیونکہ کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا۔ اور یک لخت کچھ ہوا جس کے ساتھ ہی شہزادی شمورہ کے ہونٹوں پر ایک سسکی سی تڑپ گئی۔ مہرتاب اگر اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو بیلشازار کی تلوار کا لوہا اس کا شانہ کاٹ گیا ہوتا۔ مگر اچانک صورتِ حال بدل گئی۔ اپنے حریف کو تھکا دینے کے بعد وہ مدافعت کے دائرے سے باہر آ گیا اور اس نے پہلا حملہ کر کے بچاؤ کا فریضہ بیلشازار کو سونپ دیا جو اس تبدیلی پر خوش نہیں تھا۔

اب مہرتاب پینترے بدل بدل کر حملے کرنے لگا۔ بیلشازار مسلسل پیچھے ہٹتا چلا گیا مگر تیسرے وار کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تلوار کی نوک شاہی عبا کو چاک کرتی کندھے پر زخم کی لکیر کھینچ گئی۔ اس مقابلے میں یہ پہلا زخم تھا جو کسی کے جسم پر لگا۔ بیلشازار مچھلی کی طرح تڑپ کر پیچھے ہٹا۔ لوگ مہرتاب کی چابک دستی پر دم بخود رہ گئے جس نے حریف پر کچھ اور دباؤ ڈال دیا اور اُسے دھکیلتا ہوا پیچھے لے گیا۔

پہلا ہی زخم کھا کر بیلشازار کی روحِ مدافعت ضعیف ہو گئی اور اس حقیقت نے اُسے لرزہ بر اندام کر دیا کہ مہرتاب کی طاقت کا اندازہ نہیں کر سکا اور یہ بھی نہیں سمجھ پایا کہ تلوار کے دستے پر اس کی گرفت کتنی مضبوط ہے۔ اب خود کو سنبھالنے اور حریف کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن مہرتاب تو سمجھ میں نہ آنے والا راز تھا۔ جتنی اس کی باتیں پُرحکمت تھیں اتنا ہی اس کا ہر وار پُرقوت تھا۔ بیلشازار نے اُسے جانچے اور تولے بغیر نبرد آزما ہونے کی جو غلطی کی، اب اس کا خمیازہ سامنے تھا۔ مہرتاب نے ایک اور بھرپور وار کیا۔ ساتھ ہی اس کی آواز گونجی۔

''زندگی چاہتے ہو تو تلوار پھینک دو۔''

بیلشازار نے وار بچا لیا مگر مہرتاب کی مہارت پر بدحواس ہو گیا اور اپنی ٹوٹتی ہوئی قوت کو سہارا دینے کے بعد بولا۔ ''تمہیں بہت جلد اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔''

''لڑائی کا آغاز ہوا ہے تو انجام بھی ہوگا۔ کیونکہ ہر آغاز کا ایک انجام ہوتا ہے۔'' مہرتاب کا جواب اس کی تلوار کی طرح تیز تھا جس نے بیلشازار کے دل میں خطرے کا بھنور ڈال دیا۔ وہ

پیچھے ہٹا۔ مہرتاب آگے بڑھا اور آخر اس کی تلوار کو اپنی تلوار پر چڑھانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ اس کا مخصوص حربہ تھا۔ پھر ایک ہی جھٹکے میں تلوار بیلشازار کے ہاتھ سے نکل کر دُور جا گری۔ ایک چھنکا سا ہوا اور جنگجو بیلشازار کا دل ڈوبنے لگا۔ کیونکہ اب وہ اپنے حریف کے سامنے نہتا کھڑا تھا۔ جیسے بادلوں کے حاشیے پر کوندا لپکتا ہے اسی طرح مہرتاب کی تلوار بڑی تیزی سے گردن کی طرف اُٹھی۔ دیکھنے والے سمجھ گئے یہ آخری وار ہوگا اور شمورہ چلّا اٹھی۔

''مہرتاب! ہم بھائی کی زندگی چاہتے ہیں۔''

تلوار بیلشازار کے حلق پر آ کر رک گئی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور بدحواسی میں لڑکھڑا کر گر بھی گیا مگر تلوار کی نوک بدستور اس کے حلق پر نظر آئی۔

فرزند مردوک کی شکست و پسپائی اور بے بسی ایک بھیانک سانحہ بھی تھا اور برا شگون تھی، لوگ یہی سمجھے بیلشازار نہیں گرا، خاندانِ بخت نصر پایۂ اقتدار سے گر گیا ہے۔ ٹھیک اُسی لمحے شاہِ بنونید کی آمد کا غُل ہوا۔ بادشاہ، سردار ریموت اور وقائع نویسوں کے افسرِ اعلیٰ نیرگل اور چند محافظوں کے جلو میں تیز تیز چلتا موقع پر پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا کہ اس کا بہادر و جنگجو اور سورما بیٹا زمین پر چت پڑا ہے اور مہرتاب تلوار اُس کے حلق پر عین شہ رگ کے اوپر ٹکائے کھڑا ہے۔ یہ ہولناک منظر کالدیا کے انجام کی خبر دے رہا تھا مگر بادشاہ نے دل ہی دل میں اس منظر سے ایک مسرت بھی محسوس کی کہ اس کا خودسر ولی عہد کم از کم اس شخص کے مقابلے میں مات کھا گیا جسے وہ شہزادی کے لئے منتخب کر چکا ہے۔ گویا اس کا انتخاب غلط نہیں۔ پھر بادشاہ کو فوراً اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا اور وہ بلند آواز میں بولنے لگا۔

''یہ کیا تماشا ہے۔ یہ کیسا اندھیرا ہے۔ جشنِ زہرہ کی رات تلوار کا کھیل دیوی کو پسند نہیں۔ اس وقت وہ صرف ازالۂ دوشیزگی چاہتی ہے مگر تلوار کس نے چلائی؟ مہرتاب! تم نے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بیلشازار زمین پر پڑا ہے۔ شاید ہمارے بہادر اور جنگ جو بیٹے کو دھوکے سے گرا لیا گیا ہے مگر کچھ بھی ہو ہم اس واقعے کی تحقیق کریں گے مہرتاب! تلوار پھینک دو اور ہمارے حضور ادب سے کھڑے ہو جاؤ اور بیلشازار! تم بھی اٹھو۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارا جری بیٹا چالاکی سے بے بس کر دیا جائے۔''

(حالانکہ بنونید نے اُس کی بے بسی پر تھوڑی سی ذہنی آسودگی محسوس کی تھی۔)

مہرتاب نے تلوار حلق سے ہٹا لی مگر پھینکی نہیں۔ اس اثناء میں بادشاہ، شہزادی شمورہ کی

طرف متوجہ ہو گیا۔ "جانِ پدر شمورہ! تمہاری موجودگی میں ہمیں کسی سے کچھ پوچھنے، کچھ سننے کی ضرورت نہیں۔ آج رات تم مہرتاب کی رفیقِ تنہائی تھیں۔ تمہیں بہتر معلوم ہوگا کہ یہ ناخوشگوار واقعہ کیوں اور کیسے رونما ہوا۔ لڑائی کا آغاز کس نے کیا۔ تلوار کس نے اٹھائی؟"

نیرگل واقعے کی روداد لکھتا جا رہا تھا تا کہ اسے دفترِ شاہی میں محفوظ کیا جا سکے۔ شہزادی شمورہ نے پہلا بیان دیا۔

"پدرِ محترم! ہمیں اس حادثے کا گمان بھی نہیں تھا۔ جب ہم مہرتاب کے ساتھ کمرۂ تنہائی سے نکلے، بھائی بیلشازار ہمیں دیکھ کر مشتعل ہو گئے اور مہرتاب کو مقابلے کی دعوت دی۔ ان کے بقول ہم بھی یہی چاہتے تھے کہ ہمارے لئے جنگ ہو اور جو مرد ہمیں جیت لے گا اسی کا ہم پر اختیار ہوگا۔ آپ کی رہبر و رہنما کی حیثیت میں ہم نے بیلشازار کو جھگڑے سے باز رہنے اور تلوار پھینک دینے کے لئے کہا مگر بھائی نے ہمارا کہا نہیں مانا اور ہمیں جیتنے کے لئے تلوار اٹھائی۔ کیوں ربّۂ زہرہ کے کاہنو اور مہنتو! تم بھی ہماری آواز سن رہے تھے۔ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اگر ہم نے کچھ غلط کہا ہے تو ہمارے بیان کی تردید کرو۔"

بادشاہ کے حکم پر زہرہ کے کاہن، مہنت اور پروہت آگے آئے اور سب نے سر جھکا کر شہزادی کے بیان کی تصدیق کی۔ بڑا کاہن عرض گزار ہوا۔

"خداوند! آج جو کچھ ہوا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ جشنِ زہرہ کی رات کوئی بھی مرد کسی کنواری کا ہاتھ پکڑ سکتا اور اسے حجلۂ عیش میں لے جا سکتا ہے خواہ وہ شہزادی ہی کیوں نہ ہو۔ دیوی نے یہ حق صرف لڑکی کو دیا ہے کہ وہ کسی ایسے مرد کے ساتھ جانے سے انکار کر دے جسے پسند نہ کرتی ہو۔ لیکن مرد کو خواہ ولی عہد یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی لڑکی کو اپنے پسندیدہ مرد کے ساتھ جانے سے روک دے۔ مگر آج دیوی کے فرمان کی توہین ہوئی ہے۔ میرو دتج بیلشازار کلدانی لشکروں کے سربراہ اور "فرزندِ مردوک" اور جنگجو ہیں مگر ربّۂ زہرہ کی برہمی نے اُن کی طاقت سلب کر لی اور انہیں اپنے حریف کے سامنے پسپا ہونا پڑا کیونکہ دیوی اپنی خوشنودی میں مداخلت گوارا نہیں کرتی۔"

بڑے کاہن نے بیلشازار کی شکست و پسپائی کا مذہبی جواز مہیا کر کے ایک سنسنی پیدا کر دی۔ لوگ اس استدلال پر چونک گئے۔ خود بیلشازار بھی دیوی کی ناراضگی کے خیال سے گھبرا گیا کیونکہ کاہنوں میں "دینِ اکد کا حامی" مشہور تھا۔ پھر بھی یہ استدلال کسی قدر تسکین کا

باعث ہوا کہ اس کی شکست و ناکامی میں مہرتاب کی قوتِ بازو کا نہیں بلکہ زہرہ کی ناراضگی کا دخل ہے اور اگر مقابلہ جشنِ زہرہ پر نہ ہوتا تو جیت اسی کی ہوتی۔

شاہ بنونید نے بھی کاہن کی بات توجہ سے سنی اور سوچا۔ بیٹے کی دلجوئی کرنے کا اچھا موقع ہے۔ اس نے کاہن کی طرف انگلی اٹھائی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمارے بہادر اور جری بیٹے کو کسی انسانی طاقت نے نہیں، دیوی کی مخفی قوت نے پسپا کیا ہے جو اس سے ناراض ہو گئی۔ بیلشازار! ہم تمہیں مشورہ دیں گے کہ کل ہیکلِ زہرہ میں جا کر دیوی کے حضور نذر پیش کرو تا کہ وہ خوش ہو۔"

بیلشازار نے زبان کی بجائے سر کے اشارے سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اُسے ہیکلِ زہرہ میں جا کر نذر دینے کا مشورہ پسند آیا۔ شاہ بنونید اس مقابلے سے فائدہ اٹھا کر جو مہرتاب کے حق میں ختم ہوا تھا، دل کی بات زبان پر لے آیا اور شمورہ سے مخاطب ہوا۔

"کیا مقابلہ تمہیں جیتنے کے لئے ہوا تھا؟"

"بھائی بیلشازار نے یہی کہا تھا کہ وہ ہمیں تلوار کی طاقت سے جیتنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں بیلشازار؟"

ولی عہد کو موقع مل گیا کہ اپنی شکست کی تمام ذمے داری دیوی پر ڈال دے۔ اُس نے جواب دیا۔ "خوب صورت عورت کی خاطر مردوں میں ہمیشہ جنگ ہوئی ہے۔ ہم بھی شمورہ کو جیتنا چاہتے تھے مگر مقابلے کے لئے غلطی سے جشن کی رات کا انتخاب کر لیا اور دیوی کی قوت ہمارے خلاف صرف ہوئی۔"

"تو ہار جیت کا فیصلہ ہو گیا۔ اب تمہیں اپنی بہن کا خیال ترک کر دینا چاہئے۔"

"نہیں ____ " بیلشازار چلّایا۔ ہم شمورہ کے لئے ایک بار پھر مقابلہ کریں گے۔"

"لیکن وہ مقابلہ ربّۂ زہرہ[1] کی مرضی کے خلاف ہوگا۔ ہم دیوی کے کاہنوں اور مہنتوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟"

---

[1] ربّۂ زہرہ کا شمار ان سات ستاروں میں ہوتا تھا جنہیں شاہ یوسیفر کے عہد میں شریکِ الوہیت کیا گیا مگر ہم نے اس کے لئے "دیوی" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے کیونکہ اُردو میں "Goddess" یا "Godhead" دونوں کے لئے دیوی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حالانکہ معنوی اعتبار سے دیوی اور ربّہ میں فرق ہے۔ (مصنف)

بڑے کاہن نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کھسر پھسر کی پھر کہنے لگا۔

''عالی جاہ! زہرہ کے کاہن اور مہنت یہ کہتے ہیں کہ جب شہزادی شمورہ نے مہرتاب اپنا رفیقِ تنہائی منتخب کرلیا، دونوں دیوی کی پناہ میں آگئے۔ پھر مہرتاب نے ولی عہد سے مقابلہ بھی جیت لیا اور یہ جیت زہرہ کی مہربانی سے ہوئی۔ گویا دیوی یہی چاہتی ہے کہ اب ''دخترِ بابل'' مہرتاب کی زوجہ بنے۔''

یہ سنتے ہی شاہ بنونید نے بیٹے کی طرف دیکھا۔''بیلشازار! ہم چاہتے ہیں تم بھی دیوی کے فیصلے کو تسلیم کرو اور مہرتاب سے دوستی کا ہاتھ ملاؤ۔''

شمورہ کا اشارہ پاتے ہی مہرتاب نے تلوار پھینک دی اور آگے بڑھ کر اپنے حریف کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ دیکھنے والوں کو مہرتاب کا یہ رویہ اچھا لگا کہ وہ جیت کر بھی دوستی کا طلب گار ہے۔ مگر بیلشازار نے اس کی دوستی کا ہاتھ مسترد کر دیا اور بڑے تمرد سے بولا۔''ابھی ہم تمہاری موت اور اپنی بہن کی لگن سے دستبردار نہیں ہوئے۔ صرف دیوی نے تمہاری زندگی میں چند دنوں کا اضافہ کر دیا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ غصے سے پلٹا اور ایک طرف نکلتا چلا گیا۔ شاید باغاتِ معلقہ سے رخصت ہو رہا تھا۔ اُس نے بادشاہ کی مرضی، کاہنوں، مہنتوں کی رائے اور دیوی کے فیصلے کو ٹھکرا دیا اور شمورہ پر اپنا حق باقی رکھا تھا۔ بادشاہ کے لئے یہ بہترین موقع تھا کہ اپنے خودسر اور سرکش بیٹے کے خلاف زہرہ کے پجاریوں اور اُن عمائدینِ سلطنت کی حمایت کرے جو جشنِ زہرہ پر مدعو تھے۔ وہ بلند آواز میں وقائع نویسوں کے سردار سے مخاطب ہوا۔

''نیرگل! یہ بات لکھی جائے اور دفترِ شاہی میں محفوظ رہے کہ بیلشازار نے زہرۃ السماء کے فیصلے سے انکار کر دیا اور ہمارے دوستوں اور دیوی کے کاہنوں کے روبرو ہماری توہین کی۔''

نیرگل کا ہاتھ جلد جلد حرکت کرنے لگا کیونکہ وہ تنہا تھا۔ پھر بادشاہ اعلیٰ طبقے کی دوشیزاؤں اور اپنے دوستوں سے معذرت کے لہجے میں بولا۔''ہمیں افسوس ہے تمہارے وصل و نشاط کی ساعتیں کچھ کم ہو گئیں مگر اس بات کی خوشی ہے کہ آج ایک مرد نے ہماری تنہائی پسند بیٹی کو جیت لیا۔ اب ہم تمہاری خوشیوں کے لمحے مزید کم نہیں کریں گے۔''

یہ کہہ کر وہ شہزادی شمورہ، مہرتاب، ریموت، نیرگل اور محافظوں کی معیت میں ایوانِ خاص کی طرف ہولیا۔ حسین دوشیزائیں اور ان کے ساتھی مرد دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے کے

لئے اپنے اپنے حجلوں میں لوٹنے لگے اور کاہن، مہنت، پروہت پھر زہرہ کے مجسمے کے اردگرد جا بیٹھے۔ انہیں ساری رات دیوی کے قدموں میں بیٹھنا اور وہ چڑھاوے وصول کرنا تھے جو دوشیزائیں پہلی اور دوسری مسرت کے بعد دیوی کے حضور پیش کرتی تھیں۔

شاہ بنونید بیٹی کے ہمراہ ایوانِ خاص میں چلا گیا لیکن ریموت نے مہرتاب کو چند لمحوں کے لئے دروازے پر روک لیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔''عشقِ زہرہ جمال سے کرتے ہو، جیت شہزادی شمورہ کو رہے ہو۔ قسمت تم پر مہربان معلوم ہوتی ہے۔''

مہرتاب نے الفاظ پر غور کیا مگر سمجھ نہ سکا کہ ریموت نے طنز کی ہے یا اس کی نیرنگیٔ قسمت پر حیران ہے۔ کچھ سوچ کر جواب دیا۔''حُسن جہاں بھی ہو، مجھے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔''

''مہرتاب! میں نہیں جانتا یہ سچ ہے یا جھوٹ مگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت جس مرد کو برباد کرنا چاہتی ہے اس سے محبت کرتی ہے۔''

غالباً ریموت کوئی اشارہ دے رہا تھا لیکن مہرتاب کا ذہن کسی اور سوچ میں گم تھا۔ بولا۔

''عورت دفترِ خفیہ کا حل کرنے والا عقدہ نہیں۔ عورت کو سمجھنا پوری کائنات کے اسرار کو سمجھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔''

ریموت نے بحث میں اُلجھنے کی بجائے بات کھولنے کی کوشش کی۔''شاید تم نہیں جانتے کہ آج کیا کر بیٹھے ہو اور جو کچھ کر بیٹھے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟''

''میں نتیجے کی پرواہ نہیں کرتا سردار ریموت!'' مہرتاب نے بھی کھل کر جواب دیا۔''جو کچھ ہو چکا تم نے دیکھ لیا۔ جو کچھ ہوگا وہ بھی دیکھ لو گے۔''

''تمہیں ایک مشورہ دوں؟'' پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر پراسرار لہجے میں گویا ہوا۔''خود کو محفوظ کرنے کی کوشش کرو۔''

مہرتاب سمجھا شاید اُسے بیلشازار کی طاقت سے خوفزدہ کر رہا ہے مگر دوسرے ہی لمحے ریموت نے اُس کے بازو پر عین اس جگہ ہاتھ رکھ دیا جہاں بازوبند کا نشان تھا۔''تمہارا بازوبند کہاں ہے؟''

''کیا میرے بازوبند کے متعلق معلومات حاصل کرنا بھی تمہارے فرائض میں شامل ہے؟''

اس سوال کے جواب میں پراسرار ریموت نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا۔

''جس رات فدیمہ کسی کو زندہ یا مُردہ سُولی سے غائب کر دیا گیا تھا، اس رات سُولی کے

پاس ایک بازوبند پڑا ملا تھا اور دفترِ خفیہ کو اس کے مالک کی تلاش ہے۔''

یہ کہہ کر ریموت نے اُس کے دوسرے بازو پر نظر ڈالی، وہ بھی خالی تھا اور چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔ لیکن مہرتاب کے دل و دماغ پر ایک زلزلہ سا چھوڑ گیا۔ اس نے اپنا ایک بازوبند عجمی غلام اِکتانا کے ہاتھ شہزادی شمورہ کو بطورِ نشانی بھیج دیا اور دوسرا کہیں بازو سے ٹوٹ کے گر گیا تھا جس پر اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ مگر ریموت کے لرزہ خیز انکشاف نے ایک سکتے کی سی کیفیت طاری کر دی۔ کیونکہ رات کے اندھیرے میں اپنے پیچھے ایک نشان چھوڑ آیا تھا جو اُسے برباد کر سکتا تھا۔

❁

اس وقت جب دروازے پر مہرتاب اور ریموت کے مابین یہ گفتگو ہو رہی تھی، ایوانِ خاص کے اندر شاہ بنونید اور شہزادی شمورہ کے درمیان بھی ایک مکالمہ جاری تھا اور باپ بیٹی سے کہہ رہا تھا۔

''ہم نے دیکھتے ہی مہرتاب کو تمہارے لئے پسند کر لیا تھا اور آج صرف تمہاری خاطر اُسے جشنِ زہرہ میں مدعو کیا تاکہ تم بھی ہمارے انتخاب کو دیکھ لو۔ اب اس کے بارے میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

حسین شمورہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تبسمِ گُل کی طرح بکھر گئی۔ ''ہم نے بھی اسے اپنے لئے پسند کر لیا ہے پدرِ محترم!''

''ہم جانتے تھے تم اس خوش جمال کو پسند کرو گی کیونکہ اس کے الفاظ میں حکمت، جسم میں کشش اور بازوؤں میں طاقت ہے۔''

''مگر ہم بھائی بیلشازار سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ ابھی تک ہمارے حُسن پر فریفتہ اور ہمیں اپنی زوجہ و ملکہ بنانے پر تُلا ہوا ہے۔''

''اگر مہرتاب نے بھی تمہیں پسند کر لیا ہے تو پھر کوئی خطرہ تمہارے قریب نہیں پہنچ سکتا۔''

''وہ تو ہمیں دل و جان سے چاہتا ہے۔''

اور شمورہ کے یہ الفاظ سنتے ہی بادشاہ نے بات کا رخ بدل دیا۔ ''اگر ہمارا خیال غلط نہیں تو مہرتاب ہی وہ آدمی تھا جس کا نام ہم سے چھپاتی رہی ہو۔''

حکمت شناس شمورہ نے بھی فوراً پینترا بدلا اور پُرحکمت انداز میں بولی۔ ''پدرِ محترم! اس

آدمی کے بارے میں ہم آج بھی آپ کو کچھ نہیں بتائیں گے جس نے اپنی محبت کی ایک شرط ٹھہرائی تھی اور ہم وہ شرط پوری نہ کر سکے۔''

بنونید کے چہرے پر ایک حیرت سی گزر گئی۔ ''تو کیا وہ مہرتاب نہیں تھا؟''

''جو بھی تھا ہم نے آپ کی خاطر اس کا خیال ترک کر دیا اور اس بہادر مرد کو اپنا محبوب بنا لیا ہے جسے آپ نے آج رات صرف ہمارے لئے مدعو کیا تھا۔ جس نے اپنے بازوؤں کی بے پناہ طاقت سے ہمیں جیت لیا ہے۔'' پھر ایک لمحہ ٹھہر کے بولی۔ ''پدرِ محترم! ہم چاہتے ہیں کہ آپ پہلے آدمی کے بارے میں کچھ نہ پوچھیں کیونکہ اب ہم مہرتاب کی جیتی ہوئی بازی ہیں۔''

''اگر تم اس آدمی کا نام بتانا نہیں چاہتیں تو ہم بھی اصرار نہیں کریں گے۔''

لیکن بادشاہ اس بات پر حیران تھا کہ کل تک ''اس آدمی'' کے علاوہ کسی دوسرے مرد کا نام بھی سننا گوارا نہ کرتی اور چاہتی تھی کہ ہر قیمت پر اس کی شرطِ محبت پوری کی جائے مگر اب اس کی تمناؤں کا مرکز بدل گیا تھا حالانکہ جب شمورہ نے اس کے سامنے خود مہرتاب کا ہاتھ تھام لیا اور اپنی آشنائی کا اظہار بھی کیا جیسے پہلے سے اُسے جانتی ہو، بنونید یہی سمجھا تھا کہ شاید مہرتاب ہی ''وہ آدمی'' ہے جس کے لئے بڑی بے قرار تھی۔ لیکن عقلِ کُل شمورہ نے اپنی حکمت سے ایک ہی محبوب کو دو شخصیتوں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ بادشاہ کا اپنا ذہن دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ شاید اُسے یہ بھی علم نہ تھا کہ عورت حکمت شناس ہو یا بے عقل، اگر مرد کی سمجھ میں نہ آنا چاہے تو زندگی بھر اُس کے لئے معمہ بنی رہتی ہے۔ بہرحال یہ بات اطمینان بخش تھی کہ شمورہ نے اس کے پسندیدہ مرد کو قبول کر لیا تھا اور اب اس کی دیوانی نظر آتی تھی۔

اس اثناء میں مہرتاب بھی اندر آتا دکھائی دیا اور ''اس آدمی'' کے بارے میں باپ بیٹی کی گفتگو ختم ہو گئی جس پر دُخترِ بابل نے ذومعنی الفاظ کا پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ قریب آیا تو دونوں نے تعجب سے دیکھا۔ کیونکہ کچھ بجھا بجھا سا نظر آ رہا تھا جیسے ابھی ابھی کچھ کھو بیٹھا ہو۔ شمورہ سمجھی بیلشازار کے ساتھ معاملے کی صورت بہت سنگین ہو گئی ہے۔ شاید اسی خیال نے اُسے پریشان کر دیا ہے۔

صورتِ حال واقعی بڑی سنگین تھی لیکن مہرتاب کی پریشانی کا باعث بیلشازار نہیں، سردار ریموت تھا جو بازوبند کا حوالہ دے کر اور اس کا ذہنی سکون چھین کر چلتا بنا تھا۔ حسین شمورہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا اور دلداری کے انداز میں بولی۔

''معلوم ہوتا ہے ریموت نے تمہیں بھائی بیلشازار کے بارے میں کچھ کہا ہے۔ مگر اب وہ ایک شکست خوردہ آدمی ہے۔''

شاہ بنونید نے بات آگے بڑھائی۔ ''مہرتاب! تم نے مقابلہ جیت کر ثابت کر دیا ہے کہ واقعی شمورہ کے حق دار ہو اور ہم نے تمہاری ذات پر جو اعتماد کیا وہ غلط نہیں تھا۔ اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

بادشاہ سمجھتا تھا کہ مہرتاب اس کے لئے ایک ڈھال ثابت ہوگا۔ بیلشازار سے مقابلہ جیت لینے کے بعد قصرِ شاہی میں اس کے داخلے کی راہ ہموار ہو گئی تھی لیکن یہ مقابلہ دراصل اُن حالات کا ایک دیباچہ تھا جو آگے چل کر پیش آنے والے تھے۔ اچانک بنونید فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ''مہرتاب! تم نے ہمارے دوستوں اور سرداروں کے سامنے ہماری بیٹی کو جیتا ہے۔ ہم بہت جلد ان کے سامنے تم دونوں کا عقد کر دیں گے۔''

شمورہ نے محبت آمیز نگاہوں سے مہرتاب کی طرف دیکھا گویا کہہ رہی تھی۔ ''اب انکار نہ کرنا۔'' مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر بادشاہ کے خیال کو مسترد کر دیا اور بولا۔ ''عید بیلس سے پہلے ہمارا عقد نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں؟'' شاہ بنونید حیران ہوا۔

''اس لئے کہ ابھی آسمان پر ہمارے وصال کا ستارہ طلوع نہیں ہوا۔''

حسین شمورہ ایک سسکی لے کر مہرتاب سے لپٹ گئی جو اُسے جیتنے کے بعد بھی اپنی بات پر قائم تھا اور بنونید حیرت کے بھنور میں ڈوبتا چلا گیا۔

(41)

بنونید کا رویا

◎

دوسرے روز ہیکلوں، معبدوں، مندروں، محلوں اور بازاروں میں اُس مقابلے کی خبر گردش کر رہی تھی جو دُخترِ بابل شمورہ کے لئے جشنِ زہرہ کی رات ہوا اور جس میں وحید العصر مہرتاب نے جنگجو بیلشازار کو شکست دے دی تھی۔

ابھی تک یہ بات صرف شاہی خاندان، کاہن اعظم زریہ اور مار نبوئی کے چند امیروں اور سرداروں تک محدود تھی کہ بہادر بیلشازار اپنی خوبصورت اور حکمت شناس بہن کو زوجہ و ملکہ بنانا چاہتا ہے مگر اس مقابلے کے بعد بات خواص سے نکل کر عوام میں پہنچی اور پَر لگا کر اُڑتی چلی گئی۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کچھ لوگ تصدیق کے لئے زہرہ کے کاہنوں، مہنتوں، پروہتوں کی طرف بھاگے۔ کچھ عورتیں اُن دوشیزاؤں سے پوچھ گچھ کرنے نکلیں جو دیوی کی خوشنودی کے لئے باغاتِ معلقہ میں مدعو تھیں اور جن کی آنکھوں کے سامنے یہ حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا تھا۔

اہلِ بابل کے لئے یہ خبر دلچسپ بھی تھی اور سنسنی خیز بھی کہ حسین شمورہ جس نے اِردگرد کے کئی شہزادوں اور بڑے بڑے سرداروں کے پیغام مسترد کر دیئے، مصر کے ولی عہد شہزادہ سامطیق کی زوجہ بننے سے انکار کر دیا اور عرفانِ تنہائی میں چلی گئی تھی، اچانک اپنے عرفان کی خلوتوں سے نکلی اور پہلی بار جشنِ زہرہ میں شریک ہوئی جہاں اس نے اپنا سرمایۂ جمال لٹا دینے کے لئے ایک نوجوان کا انتخاب بھی کر لیا۔ مگر جنگجو بیلشازار نے اُسی نوجوان کے خلاف تلوار اٹھائی کیونکہ وہ خود شمورہ کا طلب گار تھا

مغربی ایشیا کے اس علاقے پر جہاں بہت سی سامی اور غیر سامی اقوام نے اپنی تہذیب و ثقافت اور معاشرت کے نقوش چھوڑے، مصر کی تہذیبی روایات کا بھی اثر تھا کیونکہ ماضی میں بہت سے فراعنہ نے جن میں عظیم تحوتمس ثالث اور عمسیس ثانی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، مغربی ایشیا پر یلغار کی اور شام و فلسطین کو فتح کرتے دریائے فرات تک پہنچ گئے تھے۔ تاریخ اس علاقے میں مصری استعمار کی کئی داستانیں بیان کرتی ہے جو وادیٔ نیل کی معاشرت سے عبارت تھیں کیونکہ ہر فاتح، مفتوح اقوام پر تلوار کے علاوہ اپنی تہذیب کے اثرات بھی چھوڑتا ہے۔

فراعنۂ مصر کے مختلف خاندانوں میں تخت و تاج اور خالص شاہی خون کے تحفظ کی خاطر بہن بھائی کا عقد کوئی عیب نہ تھا۔ بعض حکمران بہنوں، پھوپیوں، خالاؤں اور بھتیجیوں سے بیک وقت شادیاں کر لیتے تھے۔ اس طرح شاہی خون ایک ہی خاندان میں گردش کرتا تھا۔ یہ طریق مفتوحہ علاقوں میں بھی رائج ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مغربی ایشیا کے میتانی حکمران توشرتہ نے، جس کی سلطنت عراق عجم (ماد) سے بحیرۂ روم کے ساحلوں تک وسیع تھی، نہ صرف اپنی بہن کی شادی فرعونِ مصر امن حوتب ثالث سے کر دی بلکہ اپنی بیٹی بھی اس کے عقد میں دے دی تھی۔ اس طرح پھوپھی، بھتیجی بیک وقت امن حوتب کی بیویاں تھیں۔ یہی فرعون اخناتن یا اخناتون کے نام سے بھی مشہور ہے۔

مصر میں اگرچہ سگی بہن کے ساتھ بھی شادی کر لینے کا رواج تھا مگر مغربی ایشیا میں سوتیلی[1] بہن اور سوتیلی ماں سے تو رشتۂ ازدواج قائم کر لیا جاتا تاہم سگی بہنوں سے شادی کا دستور نہ تھا اور بابل میں اسی خبر نے سنسنی پھیلا دی تھی کہ بیلشازار سگی بہن کو جیتنا اور اپنی زوجہ بنانا چاہتا ہے۔ لوگوں نے رسم و رواج کے ماہروں اور حکمت شناسوں سے پوچھا۔

''حمورابی کا قانون کیا کہتا ہے؟''

مگر حمورابی کا قانون اس بارے میں خاموش تھا۔ پھر دینِ اکد کے بزرگوں اور کاہنوں سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اپنی اصنامی تاریخ اور مذہبی معتقدات کے ورق الٹ کر جواب

1۔ اکدی زبان کی کچھ تختیاں برآمد ہوئی ہیں جن سے اس علاقے میں سوتیلی بہن اور سوتیلی ماں سے رشتۂ ازدواج کا پتہ چلتا ہے۔ ان تختیوں کے مطابق اگر کوئی عورت بانجھ ہوتی اور بچہ پیدا نہ کر سکتی تو اپنے شوہر کے لئے داشتاؤں کا انتظام کرنا اس کے فرائض میں شامل تھا۔ (بحوالہ فلپ کے حتی)

دیا۔ ''دیوی ایشتار بیک وقت راکب الغمام بل کی بہن بھی ہے اور زوجہ و محبوبہ بھی۔ جس طرح اشوریوں کے سب سے بڑے دیوتا بعل کی بہن عنات جو ''عذرا'' کے لقب سے یاد کی جاتی ہے اور ''سیدۂ فلک'' کہلاتی ہے، بعل کی زوجہ[1] بھی ہے۔

بزرگانِ اکد کا فیصلہ بیلشازار کے حق میں صادر ہوا جو ایک جمع ایک مساوی دو کی طرح بالکل صاف اور سیدھا تھا۔ جب اصنامی عقائد کے مطابق بل اور ایشتار بھائی بہن ہونے کے ساتھ میاں بیوی بھی تھے تو بیلشازار کا شمورہ سے رشتۂ ازدواج قائم کرنا خلافِ عقیدہ نہ تھا جب کہ دُخترِ بابل شمورہ دیوی ایشتار کی کاہنہ بھی سمجھی جاتی اور رویا میں اس سے ہدایات حاصل کرتی تھی۔ کاہنوں کے نزدیک بیلشازار سے صرف اتنی غلطی سرزد ہو گئی تھی کہ اس نے شہزادی کو الہتہ الجمال زہرہ کی خوشنودی حاصل کرنے سے روکا اور ''لڑکی کی مرضی'' میں مداخلت کا مرتکب ہوا۔ اگر وہ اس غلطی کی تلافی کر دے تو دیوی اس پر کرم کا سایہ ڈال دے گی۔

مصر و یونان، عراق و شام اور ہندوستان کی اصنامی روایات میں بہت سے دیوی دیوتا بہن بھائی بھی تھے اور باہم زوجہ و شوہر کا تعلق بھی رکھتے تھے۔ یہ روایات دراصل ان ملکوں کی اپنی قدیم داخلی زندگی کا عکس تھیں۔ بُت پرست قوموں نے مرد و عورت کے تعلق کو جس رشتے اور جس حوالے سے پسند کیا اُسے دیوی دیوتاؤں کی طرف منسوب کر کے دیومالائی تہذیب کا حصہ بنا دیا۔ بعل اور عنات کی طرح بل اور ایشتار کا رشتہ بھی دوہرا تھا۔ اگرچہ یہ دوہرا رشتہ زمانۂ قدیم سے بابلی تہذیب کا جزو تھا مگر بیلشازار اور شمورہ کے حوالے سے ایک بار پھر سامنے آیا اور لوگوں پر اصنامی عقیدے کا یہ پہلو ایک دلچسپ تحیر کے ساتھ کھلا جس کے ساتھ ہی شمورہ کے لئے دو رقیبوں کا مقابلہ بھی ایک دلچسپ مرحلے میں داخل ہو گیا۔

شاہ بنونید اعلان کر چکا تھا کہ مہرتاب شمورہ کو جیت چکا اور اب کسی مزید مقابلے کی ضرورت نہیں مگر جو لوگ باغاتِ معلقہ میں جا سکے نہ مقابلہ دیکھ پائے، چاہتے تھے کہ دونوں حریفوں، دونوں رقیبوں کے درمیان ایک مقابلہ پھر ہو۔ تاکہ وہ بھی دیکھ لیں کہ حسین شمورہ کو کون حاصل کرتا ہے۔ دنیا کے آغاز ہی سے خوبصورت عورتوں کے لئے مقابلے ہوتے رہے ہیں۔ بیلشازار بھی حسین شہزادی کو قوتِ بازو سے جیتنا چاہتا تھا۔

شمورہ کے طلب گار تو بہت تھے۔ اگر مقابلہ عام ہوتا تو نہ جانے کتنے دیوانے جان کی

1۔ ''ہسٹری آف سیریا'' از فلپ کے حتی

بازی لگا دیتے۔ مگر یہ جان لینے کے بعد کہ اصل مقابلہ جنگجو بیلشازار سے ہے، سب امیدواروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اُن میں کوئی بھی تو رُتبے میں ولی عہد کا ہم پایہ تھا نہ قوت وشہ زوری میں اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔ لیکن یہ بات ان کے لئے ضرور وجہِ تسکین تھی کہ مہرتاب نے بہادر اور پُر جلال بیلشازار کو شکست دے دی ہے۔ اُن کی آرزو تھی کہ شکست کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ساتھ ہی اس بات کا فیصلہ بھی ہو جائے کہ بیلشازار کی شکست ربّہٗ زہرہ کی ناراضگی کا نتیجہ تھی یا اُس کے حریف نے اپنی قوت سے برتری حاصل کی، جیسے کاہنوں اور مہنتوں نے یہ بات اُڑا دی تھی کہ دیوی نے ولی عہد کی قوت کو ضعیف کر دیا تھا۔

چاند کی پندرھویں کو اور یہ جشنِ زہرہ کی دوسری رات تھی، لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ جشنِ زہرہ باغاتِ معلقہ کے علاوہ ہیکلِ زہرہ میں بھی منایا جاتا بلکہ عوامی میلہ ہیکل ہی میں لگتا جو مسلسل دو راتیں جاری رہتا تھا۔ باغاتِ معلقہ میں مختلف حلقوں یا پھر طبقاتی تقسیم کے مطابق مردوں اور دوشیزاؤں کو مدعو کیا جاتا مگر ہیکلِ زہرہ میں اس قسم کی کوئی طبقاتی پابندی نہیں تھی۔ یہاں ہر طبقے کی کنواریاں اور بیاہتا ناریاں بھی دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے آتی تھیں۔

ہیکلِ بل مردوک (زیگورات) اور معبدِ اکور کے بعد ہیکلِ زہرہ اپنی رفعت اور وسعت کے اعتبار سے ایک بڑی عمارت تھی جہاں ہیکل کے سینکڑوں کاہنوں، مہنتوں، پروہتوں، پجاریوں کے رہائشی کمروں کو چھوڑ کر بیسیوں کمرے اور حجرے عبادت گاہ کے اِردگرد پھیلے تھے۔ جشن کی راتوں میں یہ حجرے اور کمرے ہیکل کی غلام گردشیں تک ''مقدس بدکاری'' کے لئے وقف ہو جاتی تھیں حتیٰ کہ رہائشی کمرے کرائے پر چڑھ جاتے۔ پھر بھی لوگ ہیکل کے آس پاس طوائفوں اور کسبیوں کے مکانوں میں راتیں بسر کرتے تھے۔

زہرہ نغمہ و موسیقی، رقص و سرود، حُسن و جمال اور فنونِ لطیفہ کی دیوی تھی۔ نہ صرف ان فنون سے وابستہ لوگ اس کی پرستش کرتے بلکہ اپنے غیر معمولی حُسن و شباب اور جنسی روایات کے ساتھ وہ ہر طبقے میں مقبول تھی۔ اس لئے جشن پر ہیکل اُس کے پرستاروں سے کھچا کھچ بھر جاتی۔ یوں تو ہر جمعہ[1] اور چاند کی ہر تیسری رات کو بازارِ عیش کی جسم فروش عورتوں، معبدوں کی دیوداسیوں اور عقیدت گزار خواتین کا ہجوم رہتا تھا لیکن بازار کی نائکائیں نئی لڑکیوں اور اچھوتی

[1] زہرہ کی عبادت کے لئے یومِ جمعہ مخصوص تھا۔ (تاریخ بابل و نینوا)

لونڈیوں کو اُن کے ''آغازِ کار'' سے پہلے جشنِ زہرہ کا انتظار کرتیں تاکہ دیوی کی برکت اُن کے شاملِ حال رہے۔ اس موقع پر ہزاروں لڑکیاں دیوی کی خوشنودی کے لئے ہیکل میں حاضری دیتیں اور کسی حجرۂ عیش میں رات گزارتی تھیں۔

جشن کی دوسری رات بھی ہیکلِ زہرہ کے اندر اور باہر عقیدت گزار عورتوں اور اُن کے عاشقوں کا ہجوم بے حد وحساب تھا۔ تازہ پھول، خوشبوئیں، سوت کے سرخ و سفید دھاگے، ریشمی اور سُوتی پارچات، سونے چاندی کے زیورات، قسم قسم کے جواہرات، دیگر چڑھاوے اور نذرانے بیچنے والوں کے اردگرد لوگوں کی بھیڑ تھی۔ کیونکہ دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے سے پہلے اُسے کوئی چڑھاوا دینا ضروری تھا۔ بے شمار جوڑے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق نذرانے خریدنے میں مصروف تھے۔

ہیکل کے باہر ایک طرف چڑھاووں کا بازار سجا تھا اور اس بازار میں ایک شور اور ہنگامہ بپا تھا۔ دوسری جانب دیو ہیکل دروازے پر زہرہ کی ''پیاریاں'' دف پر اس کی حمد گا رہی تھیں کہ اچانک میرو دیج بیلشازار کی آمد کا غل اٹھا۔

فوراً ہی زہرہ کے پروہت اور پجاری دروازے سے نکلے اور لوگوں کو پرے ہٹانے لگے تاکہ ولی عہد کی سواری میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہیکل کا کاہنِ اعظم بھی اپنے سرخ افود کے ساتھ نمودار ہوا۔ اُسی لمحے بیلشازار کا رتھ دو رویہ کھڑے مردوں، عورتوں کے درمیان سے گزرتا دروازے پر رُکا اور جونہی وہ اپنے دو مصاحبوں کے ساتھ نیچے اُترا کاہنِ اعظم اس کے سامنے دوزانو ہو گیا اور پروہت سجدے میں گر پڑے۔ پھر کاہنِ اعظم اُسے اپنی معیت میں لے کر اندر داخل ہوا۔ پروہت ایک قوس نما دائرے کی شکل میں پیچھے ہو لئے اور باہر مردوں عورتوں کا ہجوم سرگوشیاں کرنے لگا کہ بیلشازار باغاتِ معلقہ میں سرزد ہونے والی غلطی کا ازالہ کرنے آیا ہے۔

اور یہ غلط نہ تھا، ولی عہد کاہنِ اعظم کی پیشوائی میں جس کے آگے آگے کچھ پجاری لوگوں کو راستے سے ہٹاتے جا رہے تھے کیونکہ ہیکل کے اندر بھی بہت بھیڑ تھی، غلام گردشوں اور راہداریوں سے گزرتا ہال نما کمرۂ عبادت میں پہنچا جہاں سینکڑوں دوشیزائیں اور ان کے طلب گار زہرہ سے برکت حاصل کرنے کی خاطر جمع تھے اور الٰہتہ الجمال زہرہ اپنے حشر خیز جسم کی تمام تر دلکشی کے ساتھ ہیکل کے اسٹیج پر ایستادہ اپنے پرستاروں کو ''مقدس بدکاری'' کی ترغیب دے

رہی تھی۔ اس کا پیتل کا بے لباس بدن جسے عرقِ گلاب سے غسل دے کر اور کتان سے رگڑ رگڑ کر خوب چمکا دیا گیا تھا، دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ پروہتوں نے پہلے ہی لوگوں کو پرے دھکیل کر اسٹیج کے سامنے ایک خالی حلقہ بنالیا تھا اور خود ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اور بانہوں کی زنجیر بنائے نیم دائرے میں کھڑے تھے۔ بیلشازار، کاہنِ اعظم کے ساتھ اُسی خالی حلقے میں نمودار ہوا اور بڑی عقیدت سے دیوی کے سامنے جھک گیا۔ ٹھیک اسی لمحے کاہنِ اعظم کی آواز بلند ہوئی۔

''اے الٰہتہ الجمال! اے زہرۃ الافلاک! سلطنت کالدیا کا محافظ ولی عہد تیرے حضور حاضر ہے۔ اپنے بلند اقبال خادم پر عنایت کی نظر ڈال اور اس کی نذر قبول فرما۔''

بیلشازار نے شاہی چغے کی جیب سے تین لڑیوں کا ایک قیمتی ہار نکالا۔ ہر لڑی میں تین تین ہیروں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ہار دیوی کے قدموں میں رکھ دیا اور دوزانو ہو کر بولا۔

''اے جمالِ آسمان! کل رات تیرے غضب کی وجہ سے ہم اپنے حریف پر فتح حاصل نہ کر سکے مگر شمورہ کے لئے ایک بار پھر اس سے مقابلہ کریں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے میان سے تلوار نکال کر الف کی۔ ''اے ربۂ افلاک! ہماری غلطی سے درگزر کر اور اس تلوار کو جوہرِ شجاعت سے آبدار کر دے تاکہ ہم شمورہ کو جیت سکیں اور اس کے ساتھ جشنِ وصال منائیں۔''

ہیکلِ زہرہ میں موجود مردوں، عورتوں کے ہجوم نے یہ الفاظ حیرت و دلچسپی سے سنے۔ اسی کمرۂ عبادت میں عورتیں اپنے محبوب مردوں کے لئے، مرد اپنی محبوب عورتوں کے لئے التجائیں کرتے تھے کہ دیوی ایک دوسرے کے دل میں جذبۂ عشق پیدا کر دے تاکہ وہ وصل کی لذتوں سے شادکام ہوں۔ مگر بیلشازار نے دیوی سے شمورہ کی محبت نہیں مانگی، صرف اپنی قوت اور شجاعت سے اُسے جیتنے کی خواہش کی تھی۔ اپنے رقیب پر فتح چاہی تھی۔ حالانکہ اس قسم کی دُعائیں ربِ مریخ یا پھر ایشتار سے کی جاتی تھیں جو رزم و بزم کی دیوی تھی۔

دعا مانگنے کے بعد وہ چند ساعتیں کسی اشارۂ غیبی کا منتظر رہا جس سے شگون لیا جاتا تھا کہ نذر منظور اور دعا قبول ہوئی یا نہیں۔ مگر ایسی کوئی بات ظہور میں نہ آسکی تو اضطراب انگیز خاموشی کے بعد یک لخت کاہنِ اعظم نے اپنی کھلی آستین والا ہاتھ بلند کیا اور اُسے دُعا کے نتیجے سے آگاہ کرنے لگا۔

''بہادر بیلشازار! دیوی نے تیری دعا قبول کی اور میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ

جس مقابلے کے لئے تُو نے کامیابی چاہی ہے، وہ مقابلہ بڑا سخت اور خوفناک ہوگا۔ لیکن کامیابی کے لئے نیک ساعت کا انتظار کر اور وہ نیک ساعت عید بیلس پر نصف شب کے بعد شروع ہوگی جب الٰہتہ الجمال تیسرے آسمان سے زمین پر اپنی روشنی ڈال رہی ہوگی۔''

معلوم نہیں زہرۃ الخلا نے کاہنِ اعظم کے دل میں کوئی بات القا کی تھی یا وہ اس سنی سنائی خبر سے کوئی نتیجہ اخذ کر رہا تھا کہ بیلشازار عید بیلس پر شمورہ کو اپنی دُلہن بنانا چاہتا ہے۔ پھر بھی اس کے الفاظ حوصلہ افزا تھے، جن میں نیک ساعت کے حوالے سے کامیابی کی نوید دی گئی تھی۔

بیلشازار نے تلوار جھکالی اور کہا۔

''ہم اس نیک ساعت کا انتظار کریں گے جب زہرہ کی نظر کرم ہوگی۔''

یہ کہہ کر وہ پلٹا اور پروہتوں، پجاریوں کے حلقے میں جس طرح اندر آیا تھا، اسی طرح باہر چلا گیا مگر اپنے پیچھے سنسنی کی ایک لہر چھوڑ گیا۔ ہیکلِ زہرہ میں ہر جگہ، ہر طرف ایک ہی بات کا چرچا تھا کہ جنگجو بیلشازار اپنے رقیب سے ایک اور مقابلہ چاہتا اور بہن کو بزورِ تیغ جیتنے کا خواہش مند ہے۔ اس خبر نے دیوی کی خوشنودی کے لئے آنے والی اچھوتی لڑکیوں، لونڈیوں، دیوداسیوں، جوان عورتوں اور ان کے طالبوں میں ایک حیرت انگیز سنسناہٹ پیدا کر دی کہ عید بیلس کی رات شمورہ کے لئے ایک اور معرکہ ہوگا۔

اگرچہ ہیکلِ زہرہ کے کاہنِ اعظم نے ولی عہد کو کامیابی کی مبہم سی بشارت بھی دے دی تھی لیکن اکثر دلوں میں یہی آرزو دھڑکنے لگی کہ جیت اُس مرد کی ہو جسے دُخترِ بابل اپنے لئے پسند کرتی ہے۔

امسال جشنِ زہرہ کی پہلی رات اگر باغاتِ معلقہ میں بابل کی حسین شہزادی کو جیتنے کا چرچا رہا تو ہیکل زہرہ میں ''مقدس بدکاری'' کی دوسری رات بھی شمورہ ہی موضوعِ گفتگو تھی۔ بعض دانشور کہتے ہیں کہ ہر خوب صورت عورت ایک کہانی ہے کیونکہ جب وہ پیدا ہوتی ہے، ایک کہانی جنم لیتی ہے یا پھر بات یوں ہے کہ جب کسی واقعے میں عورت داخل ہوتی ہے اس میں کئی پیچ و خم پیدا ہو جاتے ہیں۔ واقعے پر کسی افسانے کا گمان ہونے لگتا ہے اور لوگوں کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

دُخترِ بابل شمورہ خود ایک ''اچھوتی کہانی'' تھی۔

یگانۂ عصر مہرتاب نازنینوں کے دلوں کو گرمانے والا ''افسانۂ عشق'' تھا۔

اور جنگ جو بیلشازار قوت اور غرور کا نشان تھا۔

یہ اُس کہانی کے کردار تھے جس نے جشنِ زہرہ پر انتہائی تحیر خیز اور خطرناک رُخ اختیار کر لیا۔ یقین کے ساتھ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ مقابلے میں کون جیتے گا، کون ہارے گا مگر یہ ہار جیت ایشتار کی کاہنہ شمورہ کے لئے تھی اور اکثر لوگ جانتے تھے کہ جو شمورہ کو جیت لے گا وہ بابل کو جیت لے گا۔

اگلے روز پورے بابل میں پھر شمورہ کی بات چل رہی تھی۔ ہیکلِ زہرہ میں بیلشازار کی حاضری اور دیوی کے حضور اس دعا کا چرچا تھا جو اس نے اپنی کامیابی کے لئے مانگی تھی۔ شاہ بنونید نے سنا تو پریشان ہو گیا۔ اُسی نے بیٹے کو ہیکل میں جانے اور دیوی سے معافی مانگنے کا مشورہ دیا تھا مگر بیلشازار شمورہ کو جیتنے پر بضد تھا جب کہ بادشاہ چاہتا تھا کہ وہ اُس سے دستبردار ہو جائے۔

''مار نبوئی'' کے اُمراء و رؤساء میں بھی اس خبر سے تشویش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی کہ بیلشازار شمورہ سے دستبردار نہیں ہوا۔ اس وقت جب ایرانی لشکر شہر کا محاصرہ ڈالے بیٹھا تھا، شہر کے اندر یہ نیا جھگڑا کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ دراصل باپ بیٹے کے درمیان یہ اقتدار کی ایک نئی کشمکش تھی۔ بیلشازار پہلے صرف تخت و تاج اور مکمل اختیاراتِ حکومت کا طلب گار تھا مگر اب حکومت و سلطنت کے ساتھ شہزادی شمورہ کو بھی اپنی ملکہ بنانے پر اصرار کر رہا تھا تاکہ بادشاہ کو اس کی راہنمائی سے محروم کر دے۔ ادھر بنونید اس فکر میں غلطاں تھا کہ کسی نئی طاقت سے جو اُسے مہرتاب کے رُوپ میں نظر آئی تھی، اپنے کمزور وجود کو سہارا دے سکے۔ مگر وہ اس بات پر بے حد حیران تھا کہ اگر مہرتاب عید بیلس کے بعد شمورہ سے شادی چاہتا تھا تو بیلشازار نے بھی اسی تہوار کو مقابلے کا دن ٹھہرایا تھا۔

❁

اسی رات بادشاہ نے جب وہ قلعہ اساگیلہ میں محو خواب تھا کیونکہ ان ایام میں شاہی خاندان باغاتِ معلقہ سے اساگیلہ کے محلات میں منتقل ہو چکا تھا، ایک بھیانک خواب دیکھا۔

اس نے راکب الغمام بل کو بادلوں پر سوار اور برقِ آسمانی کی قہرمانی تلوار ہاتھ میں لئے ''لشکروں کے خدا'' مردوک سے جنگ آزما دیکھا اور دونوں کو اپنے اپنے لہو میں غلطاں پایا مگر مردوک کے مقابلے میں بل کو لڑکھڑاتے اور ضعیف ہوتے دیکھا۔ اس نے دونوں کی مشترکہ

زوجہ و محبوبہ ایشتار کو زمین پر تڑپتے دیکھا کیونکہ وہ زخمی تھی اور اس کے ہاتھوں سے خون رس رہا تھا۔ وہ زخمی حالت میں بھی اپنی بانہیں مردوک کی طرف لہرا رہی تھی جیسے اس کی مدد اور پناہ چاہتی ہو اور یہ منظر دیکھ کر وہ آزردہ خاطر ہو گیا۔ پھر شاہ بنونید نے اپنے آپ کو بھی تیغ زنوں اور تیر اندازوں کے نرغے میں گھرا دیکھا جو اجنبی اور نہ جانے کس طرح دیوتاؤں کی فصیل ایمگور بل کے اندر گھس آئے تھے۔

اس نے دیکھا کہ وہ ان اجنبی تیغ زنوں اور تیر اندازوں کے گھیرے سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ جونہی بھاگتا ہے، ناگہاں ایک تلوار بلند ہوتی اور اس کا سر تن سے جدا کر دیتی ہے۔ وہ اپنے خون آلود سر اور لہو میں بھیگے دھڑ کو الگ الگ پڑا دیکھتا اور شدتِ خوف سے ایک لرزہ خیز چیخ مار کر بیدار ہو جاتا ہے مگر آنکھ کھلتی ہے تو اپنے اردگرد کنیزوں اور غلاموں کو حیران و پریشان سا دیکھ کر خود بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ابھی وہ زندہ اور اپنے بستر پر ہے۔

یہ خواب اتنا دہشت انگیز تھا جس نے اُسے موت کی طرح سرد اور بے جان کر دیا۔ اُسے اپنے وجود پر اختیار نہیں آ رہا تھا۔ وہ چند لمحے بستر پر گم صم بیٹھا خواب اور حقیقت کو الگ الگ کرنے کی کوشش کرتا رہا اور جب اپنی ذات کے حصار میں لوٹ آیا تب اس کے ہونٹوں پر مدھم سی آواز تھرتھرائی۔

''دخترِ بابل کو بلاؤ۔''

اپنا عجیب و غریب خواب سب سے پہلے اپنی راہبر اور راہنما بیٹی کو سنانا چاہتا تھا مگر فوراً ارادہ تبدیل کر دیا اور اب کے ذرا بلند آواز میں بولا۔

''دخترِ بابل کو نہیں، مقدس زریہ کو طلب کرو۔'' پھر دوسرا حکم صادر کیا۔ ''زریہ کے ساتھ پروہت حوری کو بھی حاضری کی اطلاع دو۔''

پروہت حوری زیگورات (منارۂ مقدس) کے آٹھویں گنبد پر روشن ہونے والی ہزاروں قندیلوں کا نگران و مہتمم بھی تھا اور ایک مشہور تعبیر گو بھی۔ اُس کی طلبی سے سب سمجھ گئے کہ بادشاہ نے کوئی خواب دیکھا اور سب سے پہلے تعبیر جاننا چاہتا ہے۔ چنانچہ غلام فوراً حکم کی تعمیل کے لئے روانہ ہو گئے۔

مقدس زریہ اور پروہت حوری ایوانِ خاص میں حاضر ہوئے جہاں شاہ بنونید بالکل تنہا

تھا۔اُس نے اپنا خواب بیان کیا اور تعبیر پوچھی۔حوری نے جواب دیا۔

''راکب الغمام بل اور لشکروں کے خدا مردوک میں جنگ نہیں ہو سکتی۔کیونکہ وہ ایک دوسرے میں ضم ہو چکے ہیں۔پھر اِیشتار دونوں کی مشترکہ زوجہ و محبوبہ اور دونوں کو خوش رکھتی ہے۔اُس کا فطری میلان بے شک مردوک کی طرف زیادہ ہے جو قوت و مردانگی کا مظہر ہے تاہم وہ بل کو بھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیتی۔''

شاہ بنونید حیران ہوا۔''کیا ہم نے کوئی جھوٹا خواب دیکھا ہے؟''

''نہیں خداوند!'' زیگورات کا تعبیر گو بتانے لگا۔''بعض خواب تمثیلی اور اشاراتی ہوتے ہیں۔حضور نے رویا میں ربِ بل اور خدائے مردوک کو جنگ آزما دیکھا اور مقدس ایشتار کو تڑپتے پایا ہے تو یہ ایک تمثیل ہے اس مقابلے کی جو دُخترِ بابل شمورہ کے لئے ہونے والا ہے۔عالی جاہ نے بل اور مردوک کے رُوپ میں درحقیقت ولی عہد بیلشازار اور مہر تاب کو ایک دوسرے سے لڑتے دیکھا ہے اور شاہِ معظم نے ایشتار کو نہیں دراصل شمورہ کو زخمی پایا ہے جو دیوی ایشتار کی کاہنہ اور رویا میں اس سے ہم کلام ہوتی ہے۔

اپنے خواب کی یہ تمثیل اور تعبیر سن کر شاہ بنونید کچھ اور پریشان ہو گیا۔کیونکہ اگر اس نے شمورہ کو دیوی ایشتار کی شکل میں دیکھا تو بیلشازار اور مہر تاب اس کی خاطر بل اور مردوک کے رُوپ میں جنگ آزما ہوئے تھے۔لیکن بادشاہ نے کچھ اور بھی دیکھا تھا جس نے اُسے دہلا دیا۔وہ اسی دہشت ناک منظر کی تعبیر جاننے کے لئے بڑے مضطرب لہجے میں بولا۔

''ہم نے رویا میں اپنا سر تن سے جدا ہوتے بھی دیکھا۔کہیں ہماری ذات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تو نہیں؟''

''حضور کی ذاتِ والا اس رویا میں نشانِ سلطنت کے طور پر دکھائی گئی ہے۔'' پروہت حوری خواب کے سب سے بھیانک منظر کی تعبیر بتانے لگا۔''خداوند کے سر کا تن سے جدا ہونا دراصل اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر دُخترِ بابل کے لئے ہونے والا مقابلہ طول پکڑ گیا اور جھگڑے کو عقل مندی سے نہ نمٹایا گیا تو سلطنت دولخت ہو جائے گی۔''

زیگورات کے پروہت کی زبان سے یہ نکتہ سن کر شاہ بنونید کو کسی قدر حوصلہ ہوا کہ کم از کم اس کی ذات کو کسی خطرے کا احتمال نہیں لیکن یہ خیال بڑا رُوح فرسا تھا کہ شمورہ کو جیتنے کا جھگڑا اس حد تک بڑھ سکتا ہے کہ سلطنت کالدیا دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے۔اُس نے پریشانی میں

مقدس زریہ کی طرف دیکھا۔

''کیا جھگڑے کو ختم کرنے کی کوئی ترکیب ہو سکتی ہے؟''

''عالیجاہ حکم جاری کریں کہ شہزادی شمورہ کے لئے دوسرا مقابلہ نہیں ہوگا۔''

زریہ کی تجویز بادشاہ کو پسند آئی مگر کچھ سوچ کر افسردہ ہو گیا اور فکرمند آواز میں بولا۔

''بیلشازار حکم عدولی کرے گا۔کیونکہ وہ ہیکلِ زہرہ میں دوسرے مقابلے کا اعلان کر چکا اور دیوی سے اپنی کامیابی کے لئے دعا مانگ چکا ہے۔''

''حضور ہی اس مقابلے کو روکنے کی کوئی تدبیر نکال سکتے ہیں۔'' کاہنِ اعظم زریہ نے اشارہ بھی کر دیا۔''شاید شہزادی شمورہ کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔''

''ہماری راہبر و راہنما بیٹی مہر تاب کو پسند کرتی اور اُسی کے ساتھ عقد چاہتی ہے۔''

''پھر شادی کا اعلان کر دیا جائے۔''

اچانک پروہت حوری نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔''شادی کی صورت میں جھگڑا بڑھ جائے گا۔''

''پھر ہم کیا کریں؟'' بنونید زیگورات کے تعبیر گو سے مخاطب ہوا۔''تم نے ہمارے خواب کی پُرحکمت تعبیر نکالی ہے۔خرابی کو روکنے اور سلطنت کو دولخت ہونے سے بچانے کی کوئی پُرحکمت تعبیر بھی تمہی نکالو۔''

پروہت حوری چند ساعتوں کے لئے مراقبے میں چلا گیا پھر کہنے لگا۔

''دیوتاؤں نے حضور کو ایک تمثیلی رویا دکھایا اور جھگڑے کو نمٹانے کی ایک تدبیر بھی پیش کی ہے اور یہ ہے وہ تدبیر کہ جس طرح دیوی ایشتار بیک وقت بل مردوک کی زوجہ و محبوبہ ہے اسی طرح شہزادی شمورہ بھی بیک وقت بیلشازار اور مہر تاب کی زوجہ و محبوبہ بننا قبول کر لے۔یہی آپ کے خواب کی تعبیر ہے اور یہی وہ صورت ہے جو سلطنت کالدیا کو متحد رکھ سکتی ہے۔''

پروہت حوری کا جواب اس قدر غیر متوقع اور سنسنی خیز تھا کہ شاہ بنونید اور مقدس زریہ دونوں فرطِ تحیر سے ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔کیونکہ زیگورات کے تعبیر گو نے جو تدبیر بتائی اس پر عمل ناممکن تھا۔

(42)

دو عورتیں

◎

مہرتاب جب سے بابل آیا تھا، کتنے ہی ہوش رُبا واقعات ہو گزرے تھے جو اُس کی ذات سے وابستہ ہوئے مگر کچھ پردۂ اخفا میں رہے، کچھ کھل گئے۔ پہلا ہی واقعہ جب اُسے دیکھ کر دانائے فرات گوما کی گویائی لوٹ آئی اور وہ پھر سے کلام کرنے لگا، اس قدر حیرت انگیز تھا کہ جس نے سنا دنگ رہ گیا۔ مگر جنگجو بیلشازار سے ہونے والا مقابلہ اتنا سنسنی خیز تھا کہ لاکھوں انسانوں کے شہر میں اس کی دھوم مچ گئی۔ کیا عورتیں، کیا مرد اُس یگانۂ عصر کو دیکھنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے جس نے دیوتاؤں کی پیاری شمورہ کو جیتا تھا۔ لیکن مہرتاب چودھویں رات کو باغاتِ معلقہ سے رخصت ہوا تو پھر کسی کو نظر نہ آیا۔

بیلشازار کے ساتھ مقابلہ کرنے اور حسین شمورہ کو جیتنے کی خبر معبد اکور کی تیکھی دیوداسی پارکا نے بھی سنی اور ورطۂ حیرت میں ڈوب گئی۔ شہزادی کے پراسرار محبوب کی خبر سن چکی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اس کا نام ظاہر نہیں کرتی مگر پارکا اب یقین کے ساتھ کہہ سکتی تھی کہ مہرتاب ہی اس کا محبوب تھا اور بڑی بے چینی سے اس کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ ان راتوں کے مطابق جو سردار نرقال کی بجائے اب مہرتاب کی ہو گئی تھیں، اُسے ہر تیسری یا چوتھی رات پارکا ہی کے کمرے میں گزارنا تھی۔ لیکن تیسری کے بعد چوتھی رات بھی گزر گئی اور وہ نہ آیا جس پر دیوداسی کی بے قراری میں اضافہ ہونے لگا۔

مہرتاب اور شمورہ کے تعلق کی خبر کاشانۂ زہرہ کے غلاموں اور بیدخت کی ''پیاریوں'' کے علاوہ آموسی نورِ ناہید اور آفریدۂ جمال بیدخت نے بھی سنی اور سب پر ایک حیرت گزر گئی۔ نورِ

ناہید اس بات پر پریشان تھی کہ اُس نے زہرہ جمال سے بے وفائی کی ہے۔ حالانکہ اُسے مہرتاب کی ذات سے یہ توقع نہیں تھی۔

خود بیدخت کچھ ڈوبی ڈوبی، کچھ کھوئی کھوئی، کچھ حیران حیران سی تھی جیسے کوئی انمول شے اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہو یا زمین جس پر وہ کھڑی تھی، اُسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی یا پیچھے ہٹ گئی۔ اور اب وہ خلا میں لٹک رہی تھی۔ بیلشازار جیسے مرد کو شکست دینا اور کسی خوبصورت عورت کو اس سے جیت لینا بڑا ولولہ انگیز واقعہ تھا مگر جیتی جانے والی عورت وہ خود نہیں کوئی اور تھی۔ شہزادی شمورہ تھی وہ۔ اور اب دل میں غم کے بھنور پڑ رہے تھے کہ اس جیت میں اس کی اپنی ہار ہے۔ شاید مہرتاب اُس کے حلقۂ تعلق سے نکل گیا۔ شاید اب وہ تیسری اور آخری خواہش پوری نہ ہو سکے جس کی تکمیل پر اُس کی تکمیل ذات کا انحصار تھا۔

یہ دکھ اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا کہ مہرتاب کا مرکزِ نگاہ تبدیل ہو گیا ہے۔ وہ جشنِ زہرہ سے کچھ دیر پہلے مل کر گیا تھا پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ ایک طرف تو یہ صدمہ روح میں شگاف ڈال رہا تھا کہ آسمان بدل گیا ہے، زمین ہل گئی ہے۔ دوسری جانب اس کے نہ آنے کا غم۔ اس دوہرے صدمے نے کائنات کی سب سے حسین عورت کو نڈھال کر دیا اور وہ غمِ محبت کی ایک ایسی کیفیت سے دوچار ہوئی جو پہلے اُس پر کبھی نہ گزری تھی۔ زندگی میں پہلی بار کسی مرد سے محبت کر بیٹھی تھی جو اس کی تمناؤں کا محور بن گیا اور دل پر چوٹ کھانے کا تجربہ بھی پہلا تھا۔ ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ محبت کی بازی ہار گئی اور مہرتاب نے کسی دوسری عورت کو جیت لیا ہے۔ مگر پورے بابل میں ایک ہی بات کا چرچا تھا اور وہ اُسے جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

اگر مہرتاب شمورہ کو جیت کر بھی اس کے پاس آ گیا ہوتا تو شاید اس معاملے کو کوئی اور معنی پہنانے کی کوشش کرتی مگر اسے گئے کتنے دن گزر گئے، کتنی راتیں بیت گئیں۔ اب یہ سوال بھی بار بار ذہن کو کچوکے دے رہا تھا کہ کیوں نہیں آیا ــــــ آئے گا بھی یا نہیں؟

وہ دن جو گزر گئے، فکر میں گھلتے اور گیلی لکڑی کی مانند سلگتے گزرے تھے۔

وہ راتیں جو بیت گئیں، شمع کی طرح جلتی اور پگھلتی بیتی تھیں۔

بیدخت کو کسی پہلو قرار نہیں تھا اور سوچ سوچ کر اندر سے ٹوٹ رہی تھی کہ جس مرد کو اُس نے چاہا، وہ بدل گیا، اُسے چھوڑ کر چلا گیا اور اب اساگیلہ میں شہزادی شمورہ کا مہمان ہو گا۔ شاہی کنیزیں اس کی خدمت پر مامور ہوں گی۔ حسین اور پُرشوکت مستقبل اس کے اردگرد گھوم

رہا ہوگا۔ شمورہ خوب صورت تھی، عالی مرتبت تھی اور بیدخت کو یقین تھا اگر بیلشازار سے دوسرا مقابلہ ہوا تو مہرتاب شمورہ کو پھر جیت لے گا۔ چاہِ بابل کے خوف ناک ترین واقعے کے بعد وہ اس کی بے مثال جرأت وشجاعت اور قوتِ بازو کے سامنے بیلشازار کو حقیر سمجھنے لگی اور اس فکر میں غلطاں تھی کہ جس مردِ یگانہ کو اس نے اپنے لئے منتخب کیا تھا، وہ کسی اور کا ہوگیا۔ مگر ''جشنِ زہرہ'' کے واقعے کو پانچواں دن بیت رہا تھا، جب یہ عجیب وغریب خبر ملی کہ مہرتاب جشن کی رات ہی شہزادی شمورہ سے رخصت ہوگیا تھا اور پھر اُس سے نہیں ملا۔

اس خبر نے زہرہ جمال کو چونکا دیا۔ بات اگرچہ کچھ عجیب سی تھی کہ اُس نے شہزادی کو جیتا اور اُسے چھوڑ کر چلا آیا لیکن اس میں تھوڑی سی تسکین کا پہلو تھا کہ اگر میرے ہاں نہیں آیا تو شہزادی شمورہ کے پاس بھی نہیں گیا جو اس کی ملاقات کے لئے بے چین ہورہی تھی۔ بیدخت سوچنے لگی شاید معاملے کی صورت کچھ اور ہو۔

سہ پہر تک کچھ اور پہلو کھلے اور پتہ چلا وہ بادشاہ کی خصوصی دعوت پر ''جشنِ زہرہ'' میں شریک ہوا تھا اور شہزادی شمورہ اُسے پکڑ کر کمرۂ تنہائی میں لے گئی تھی جیسے چار برس پہلے جب وہ خود ''جشنِ زہرہ'' میں مدعو تھی اور بیلشازار جو ان دنوں ''شاہِ حاضر'' تھا اُسے ہاتھ سے پکڑ کر حجلۂ عیش میں لے گیا تھا۔ لیکن جس طرح کوئی تیسرا فرد یہ نہیں جانتا کہ بیلشازار کے ساتھ اس کی شبِ تنہائی کس طرح گزری تھی، اسی طرح کسی کو یہ بھی علم نہ ہوگا کہ کمرۂ تنہائی میں مہرتاب اور شہزادی شمورہ کی ملاقات کیسے ہوئی۔ البتہ ''مارنبوئی'' کے طبقۂ شرفاء میں یہ خبر گشت کررہی تھی کہ جشن کی رات شہزادی ''دیوی کی خوشنودی'' حاصل نہیں کرسکی۔ یعنی کمرۂ تنہائی میں جو حسین واردات ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہوئی۔

یہ ساری باتیں ''مارنبوئی'' کے طبقے سے نکل کر کاشانۂ زہرہ تک پہنچیں اور بیدخت کے گھائل دل کو تھوڑا سا سکون ملا۔ مسلسل چار دن سے وہ باغاتِ معلقہ میں پیش آنے والے واقعے کے جن حسین ورنگین زاویوں کے متعلق سوچتی، گھلتی اور پگھلتی رہی تھی اب وہ کسی دُھندلے خواب کی طرح معلوم ہونے لگے اور جیسے ابر پاروں کے چھٹ جانے سے چاند کا چہرہ روشن ہوجاتا ہے اسی طرح مہرتاب بھی حالات کے ابر پاروں سے نکل رہا تھا۔ بیدخت کو خیال آیا اگر وہ چاہتا تو کمرۂ تنہائی میں سب کچھ ہوسکتا تھا لیکن کوئی پراسرار طاقت درمیان میں حائل ہوگئی اور وہ پراسرار طاقت یقیناً زہرہ جمال کی محبت تھی جس کے طفیل شمورہ ''دیوی کی خوشنودی'' حاصل نہ

کرسکی۔

یہ خیال آتے ہی بیدخت بستر سے یوں اٹھی جیسے کسی نے اسے کھینچ لیا ہو۔ اب مہرتاب کے بارے میں اس کی سوچ کا رنگ بدل گیا اور وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے آپ سے ایک انوکھا سوال کرنے لگی۔

''کیا دنیا کا کوئی مرد ایسا بھی ہوگا جسے میں چاہوں اور وہ مجھ سے کنارا کرلے، کیا اس کائنات میں کوئی عورت ایسی بھی ہوگی جو مجھ سے زیادہ خوب صورت اور پُرکشش ہو؟''

اس سوال کا ایک ہی جواب تھا جو اس نے دیا۔

''نہیں ...... پوری دنیا میں، پوری کائنات میں کوئی عورت خوبی اور خوبصورتی میں میری مثال نہیں کیونکہ میں آفریدۂ جمال ہوں۔ جس طرح شاخِ گلاب تمام جھاڑیوں اور پودوں کی ملکہ ہے اسی طرح میں عورتوں کے جھرمٹ میں سب سے الگ ہوں۔''

یہ اطمینان ضرور تھا کہ اس سے زیادہ حسین وجمیل اور پُرکشش عورت ابھی کرۂ ارض پر تخلیق ہی نہیں کی گئی اور کوئی مرد اقرارِ محبت کے بعد اس سے انکارِ محبت نہیں کرسکتا۔ پھر بھی یہ سوچ کر خود ہی پریشان ہونے لگی کہ وہ ایک ایسے مردِ یگانہ کی وفا پر شبہ کررہی ہے جو صرف اس کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ایوانِ مالکوب کے تہہ خانے سے شاہ یوسیفر کی نادر صندوقچی اُڑا لایا جس نے محض اس کی فرمائش پر ایک خوف ناک معرکے کے بعد عبرانی اسیروں کو چاہِ بابل کے زندانِ اجل سے رہائی دلائی۔ لیکن ان بے مثال کارناموں کے باوجود جو صرف اس کے لئے انجام دیئے گئے وہ اُسے اپنے جسم کی کوئی راحت نہ دے سکی۔ حتیٰ کہ وہ آج تک اس کے ہونٹوں کی حلاوت سے بھی محروم رہا۔

اچانک یاد آیا وہ تو مہرتاب کو یہ بھی بتا چکی ہے کہ تیسری اور آخری خواہش پوری ہوجانے کے بعد ہر مرد کی دسترس سے دُور ہوجائے گی اور اس کے تصرف میں بھی نہیں آسکے گی جس پر اپنے حسین ترین جسم کی تمام راحتیں نچھاور کردینے کا اقرار کرچکی ہے اور اس خیال سے تڑپ اٹھی کہیں محرومی کا یہ احساس ہی مہرتاب کو شہزادی شمورہ کی طرف نہ لے گیا ہو۔ کیونکہ مرد راحت وتسکین چاہتا ہے اور حسین شمورہ اس کے لئے اپنا سرمایۂ جمال لٹانے پر تیار ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور سوال ذہن میں آکر کھڑا ہوگیا۔

''اگر وہ راحت وتسکین چاہتا تھا تو جشن کی رات شمورہ ''دیوی کی خوشنودی'' سے کیوں

محروم رہی؟"

شہزادی شمورہ اور مہرتاب کے معاملے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو بیدخت کی ذات کو تقویت دے رہی تھی اور اب وہ اس لئے پریشان تھی کہ اگر اساگیلہ میں نہیں گیا تو کاشانہ زہرہ میں کیوں نہیں آیا جو اس کی محبت گاہ ہے؟ ٹھیک اسی لمحے راحتِ شب لیلیٰ کمرے میں داخل ہوئی اور بڑے روکھے پھیکے لہجے میں بولی۔

"مہرتاب آیا ہے۔"

اطلاع دینے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے مہرتاب کا جو شہزادی شمورہ سے تعلق قائم کر بیٹھا ہے، اب اس گھر سے واسطہ نہیں رہا اور زہرہ جمال اس کی آمد پر کسی خاص جذبے کا اظہار نہیں کرے گی۔ مہرتاب کا نام سن کر بیدخت حیران سی رہ گئی کہ کیا وہ سچ مچ آ گیا ہے۔ تسکینِ دل کی خاطر پلٹ کے بولی۔

"کون آیا ہے؟"

"مہرتاب......" راحتِ شب لیلیٰ کی آواز میں کوئی تڑپ، کوئی کشش نہیں تھی۔ گویا مہرتاب کا نام اس کی مالکن کے ذہن سے خارج ہو چکا تھا مگر یہ نام سنتے ہی زہرہ جمال کی آنکھوں میں کئی صبحیں طلوع ہو گئیں۔ وہ "مہرتاب، مہرتاب" پکارتی دیوانہ وار دروازے کی طرف لپکی اور بڑے بڑے ریشمی پردوں کے درمیان سے ہوا کے تیز جھونکے کی مانند اڑتی چلی گئی۔

یہ بے خودی اور بے قراری دیکھ کر راحتِ شب لیلیٰ تصویرِ حیرت بن گئی۔ شہزادی شمورہ اور مہرتاب کا واقعہ سن لینے کے بعد وہ سمجھ بیٹھی تھی کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے اور شاید مہمان کو کسی بہانے ٹال دیا جائے گا لیکن معاملے کی اس پیچیدہ صورتِ حال سے آگاہ نہ تھی جو اس کی مالکن کو درپیش تھا۔ بیدخت کے نزدیک صرف مہرتاب نہیں آیا تھا بلکہ اس کی زندگی اور محبت اور خوشی لوٹ آئی تھی۔ پہلے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی ہو کر اس کا انتظار کیا کرتی تھی، آج دہلیز بھی پار کر گئی اور پائیں باغ کی اس بارہ دری کی طرف بھاگی جہاں وہ کچھ دیر کے لئے رک جایا کرتا تھا۔ لیلیٰ چشمِ حیرت سے سب کچھ دیکھتی رہی، پھر خود بھی کمرے سے نکلی۔

مہرتاب بارہ دری کے پاس کھڑا ہندوستانی رتھ بان شنکر سے باتیں کر رہا تھا کہ بیدخت لپکتی، جھجکتی پہنچی اور جاتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر شکایت کے لہجے میں گویا ہوئی۔

"مہرتاب! زندگی کتنی مختصر ہے اور تم کتنی دیر سے آتے ہو۔"

جب اس نے اپنی بے چین محبت کا اظہار کیا، دنیا کی ساری رعنائی اس کے چہرے پر اتر آئی تھی اور سیاہ لمبے بال برسات کے آخری بادلوں کی طرح پشت پر جھوم رہے تھے۔ مہرتاب اس کی دیوانگی اور وارفتگی پر حیران ہوا۔ وہ اسے پہلے سے کچھ زیادہ حسین اور بے مثال نظر آئی اور بادل کی طرح جھومتی زلفوں اور کاکلوں کے فشار کے ساتھ اس کا اپنا دل بھی اڑنے لگا۔ جی چاہا اس کے حسنِ بے پایاں کی تعریف کرے۔ یقیناً وہ ستائش کے لائق تھی۔ مگر چپ چاپ ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ وہ اسے ہاتھ سے پکڑے کمرۂ راحت میں لے آئی اور ریشمی مسند پر بالکل اپنے پاس بٹھالیا۔

آج بیدخت کے ہر انداز سے ایک نئی تڑپ، ایک نئے جذبے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے لئے بچھی جا رہی تھی جیسے کسی فروگزاشت کی تلافی کرنا چاہتی ہو۔ اس کا یہ غیر معمولی سلوک مہرتاب کے دل کو گداز کرتا چلا گیا۔ وہ بھی اس کی دل جوئی کے لئے کیونکہ جانتا تھا، شمورہ کا قصہ سن چکی ہوگی، اس ملاقات کو پیار کا نیا رنگ دینا چاہتا تھا لیکن ابھی اس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک خلاف توقع بات ہوئی، دنیا کی سب سے خوبصورت عورت نے پہلی بار اپنی حسین ترین کلائیاں اس کے گلے میں پرو دیں اور آواز میں پیار کی مٹھاس بھر کے بولی۔

"مہرتاب! دنیا میں صرف تم ہو جس سے میں نے محبت کی ہے۔ جس کا مجھے انتظار رہتا ہے۔ جس کے لئے میں مرتی ہوں۔"

اس ایک فقرے نے مہرتاب کو خود رفتہ سا کر دیا۔ پیار سے اس کی سحر انگیز آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر آہستہ سے جیسے پھولوں پر شبنم گرتی ہے، کہنے لگا۔ "سب کنواریوں سے، سب نازنینوں سے تمہارا انداز مختلف ہے۔"

اگرچہ وہ پہلے بھی اس کے مکمل حسن کا اعتراف کرتا رہا تھا مگر یہ الفاظ نئے اور پرکشش تھے جو بیدخت کو اچھے لگے۔ بولی۔ "تم بھی تو سارے مردوں میں یکتا ہو۔"

ان دونوں نے ایک دوسرے کے لئے اپنے عاشقانہ جذبوں کا اظہار شاید اس لئے ضروری سمجھا تھا کہ مہرتاب ایک دوسری عورت کو جیت کر آیا مگر بتانا چاہتا تھا کہ اس کے دل کی دھڑکن اور حیات کا محور وہی ہے جس کے ساتھ محبت کا پیمان کر چکا ہے اور بیدخت جو کئی دن اور کئی راتیں اس کے فراق میں تڑپتی رہی تھی، غالباً اسے یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ جس طرح وہ

ایک عورت کو جیت کر چھوڑ آیا ہے اسی طرح خود بھی دنیا کے سب مردوں کو بھول کر صرف اُسی کے لئے بے چین ہے۔

اُن کے درمیان کوئی ایسا تعلق، کوئی ایسا ناتا ضرور تھا جس نے انہیں ایک ہی رسّی میں باندھ لیا تھا اور وہ رسّی انہیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے دیتی تھی۔ اب اگر چاہتے بھی تو اپنے راستے تبدیل نہ کر سکتے کیونکہ پراسرار اور لازوال قدرت انہیں ایک دوسرے سے قریب لے آئی تھی۔

مہرتاب ایک فرض کی تکمیل کے لئے اس عزم کے ساتھ بابل میں داخل ہوا تھا کہ کوئی عورت اس کی کتابِ زندگی کا عنوان نہیں بن سکتی۔ اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ حُسن و جمال کی دلچسپیوں سے دُور رہے۔ مبادا عورت کا سحرِ جمال اُس کے عزائم کا راستہ روک لے۔ مگر اس شہرِ جمال میں بیدخت اس کی زندگی کے افسانے کا عنوان بن گئی بلکہ اس افسانے میں کچھ اور بھی حسین اضافے ہوئے تھے۔ خود بیدخت کی حالت یہ تھی کہ اس کی ساری دلچسپیاں اور ساری دل کشیاں مہرتاب کی ذات میں سمٹ آئی تھیں کیونکہ اُس کے ذریعے پوری نہ ہونے والی خواہشیں پوری ہو رہی تھیں۔

مہرتاب اُس کی حسین قربت اور جسم کی راحت افزا خوشبو محسوس کر رہا تھا کہ یک لخت پیچھے ہٹا جیسے خوابِ سے بیداری یا حقیقت کی طرف لوٹ آیا ہو اور اُس کی کلائیوں کے حسین حلقے سے نکل کر بولا۔

''تم نے ابھی تک ''جشنِ زہرہ'' اور شہزادی شمورہ اور بیلشازار کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔''

زہرہ جمال نے جواب دیا۔ ''جب تک دنیا میں لوہا دستیاب ہے، مرد عورت کے لئے مرد پر وار کرتا رہے گا۔''

''تمہیں پوچھنا چاہئے کہ وار کیسے ہوا؟''

''اگر میرا قیاس غلط نہیں تو جو کچھ ہوا وہ ایک حادثہ تھا۔''

''بعض حادثے بھی دلچسپ ہوتے ہیں۔''

''جس حادثے کی بنیاد کوئی عورت ہوئی وہ ضرور دلچسپ ہوگا۔''

''مگر وہ عورت آدمی۔ [illegible] میں بھی شریک ہو [illegible] ہے۔''

ان الفاظ نے زہرہ جمال کو بری طرح چونکا دیا۔ شاید مہرتاب نے یہ الفاظ اُسے چونکا دینے کے لئے استعمال کئے تھے۔ شہزادی شمورہ کا ذکر بھی اسی لئے چھیڑا تھا تاکہ ان حالات سے آگاہ کر سکے جو تقدیر کی طرح اس کے اردگرد چکر لگاتے رہے تھے۔ کم از کم بیدخت کو کسی دھوکے اور غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ شمورہ کے معاملے میں صرف صفائی کا خواہش مند نہیں بلکہ اس کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار بھی ضروری سمجھتا تھا۔ وہ بتانے لگا۔

''میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ''جشنِ زہرہ'' کی رات شہزادی شمورہ باغِ معلقہ میں ہوگی اور مجھے پکڑ کے کمرۂ تنہائی میں لے جائے گی۔''

بیدخت نے ایک دلچسپ سوال کیا۔ ''کیا تمہیں پہلے سے جانتی تھی؟''

مہرتاب نے اس پر ایک اور بجلی گرا دی۔ ''میں جشن سے پہلے ایوانِ ماکلوب میں اس سے دو بار مل چکا تھا۔ دونوں بار اُسی نے بلایا تھا۔''

''کیوں بلایا تھا؟'' بیدخت کی آواز جیسے ڈوب رہی تھی۔

''مجھ سے محبت کا پیوند رکھتی ہے۔''

''اور تم؟''

''میں بھی ایک شرط پر اُسے محبت بخش دینے پر تیار ہو گیا تھا۔''

شاید بات بیدخت کی توقع اور برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی، تڑپ کے بولی۔

''تو اب جلانے آئے ہو مجھے؟''

''نہیں، حقیقت سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔''

''مگر یہ حقیقت تلوار کی طرح میرے دل کو گھائل کئے دیتی ہے۔''

مہرتاب نے اپنے ہاتھ کو تیزی سے جنبش دی جیسے اس کی بات مسترد کر دی ہو۔ ''جو کچھ میں کہتا ہوں اسے توجہ سے سنو، شاید یہی قسمت کا نوشتہ ہو۔ کیونکہ تم میری محبت ہو، شمورہ میرا فرض ہے۔''

بیدخت پر ایک اور حیرت گزر گئی اور وہ کہنے لگا۔

''تمہیں اختیار ہے، میری بات پر یقین کر دیا نہ کرو لیکن جو کچھ میں بتا رہا ہوں سب کچھ اسی طرح ہوا۔ تم آج تک یہی سمجھتی رہی ہو کہ میں ایوانِ ماکلوب کے تہ خانے سے شاہ یوسیفر کی صندوقچی چرا کر لایا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ میری فرمائش پر شہزادی شمورہ خود مجھے تہ خانے میں

لے گئی اور میں نے وہ فلکیاتی عجائب گھر دیکھا جہاں سیارگانِ الوہیت کے درمیان آسمان کے کاتبِ اسرار عطارد کا زرد مجسمہ میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ کیونکہ تمہاری مطلوبہ صندوقچی اُسی کے پیٹ میں تھی۔ پھر میں نے تمہاری بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق دیوتا کے پیٹ کا ڈھکنا الگ کر کے اندر سے ساگوان کی پرانی صندوقچی نکالی اور شہزادی کو ششدر کر دیا اور جب بتایا کہ صندوقچی میری ضرورت ہے تو اس نے جواب دیا۔ ''یہ تمہاری ہو چکی۔''

ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے کا ایک حصہ شاہی خزانے پر مشتمل ہے جس میں شاہانِ سلف کی انتہائی قیمتی یادگاریں محفوظ ہیں اور شہزادی شمورہ نے مجھے اختیار دیا تھا کہ میں جس یادگار اور عجوبۂ روزگار چیز پر بھی ہاتھ رکھ دوں گا، وہ میری ہو جائے گی خواہ وہ کتنی گراں بہا اور بیش قیمت کیوں نہ ہو۔ لیکن میں نے شاہی خزانے کی بجائے فلکیاتی عجائب گھر میں دلچسپی ظاہر کی اور کسی بیش قیمت یادگار کو حاصل کرنے کی بجائے تمہاری مطلوبہ صندوقچی پر ہاتھ رکھا تا کہ تمہاری پہلی خواہش پوری کر سکوں اور یہ خواہش شہزادی شمورہ کے وسیلے سے پوری ہوئی۔ وہ اس کی طرف سے ایک تحفہ تھا جو میں نے تمہیں پیش کر دیا۔''

پراسرار صندوقچی کے حصول کی یہ عجیب و غریب کہانی سن کر بیدخت زہرہ جمال یوں حیرت زدہ سی رہ گئی جیسے کسی پر سحر کر دیا جاتا ہے مگر نہ اس نے کچھ پوچھا نہ مہرتاب نے کچھ پوچھنے کا موقع دیا اور بتاتا رہا۔

''بیدخت! میں نہیں جانتا تھا تمہاری دوسری خواہش کیا ہو گی اور اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہو گا۔ لیکن تم یہ سن کر حیران رہ جاؤ گی کہ عبرانی اسیروں کی تلاش اور رہائی میرے فرض کا حصہ تھی اور میں ہر قیمت پر ان کی رہائی چاہتا تھا۔ اس رات جب میں صندوقچی لے کر ایوانِ ماکلوب سے رخصت ہونے والا تھا میں نے شہزادی کے سامنے عبرانی پیغمبروں کی جان بخشی کا معاملہ رکھا اور رہائی کا مطالبہ کیا۔ وہ ان کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ میں نے شرط رکھی کہ اگر وہ ہاروت ماروت کو میرے حوالے کر دے گی تو اس خدمت کے صلے میں اس کا ہو جاؤں گا۔ بے شک میں تم سے ''بے وفائی'' کر رہا تھا مگر تمہیں نہیں معلوم کہ عبرانی اسیروں کی رہائی کیوں ضروری تھی۔ ان کے لئے میں اپنی جان پر بھی کھیل سکتا تھا۔ شمورہ نے میری شرط منظور کر لی اور میں خود کو ہار آیا۔ مگر دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ ہاروت ماروت کی رہائی کے عوض شہزادی شمورہ کا ہو کر بھی تمہاری تینوں خواہشیں بہرحال پوری کروں گا۔ کیونکہ تمہاری خواہشوں کی تکمیل ہی

میرے جرمِ بے وفائی کو ڈھانپ سکتی تھی۔

دوسرے روز جب میں صندوقچی لے کر تمہارے پاس آیا تو ایک ہارا ہوا انسان تھا مگر تمہاری دوسری خواہش نے مجھے محبت کی بازی ہارنے سے بچا لیا۔ کیونکہ تم ہاروت ماروت کی رہائی چاہتی تھیں جو چاہِ بابل کے زندانِ اجل میں قید تھے اور اس سے پہلے کہ شہزادی شمورہ کے ہاتھ اسیروں تک پہنچتے اور وہ ان کی زنجیر کھولتی، میں نے انہیں اپنے زورِ بازو سے نکال لیا۔ شہزادی شمورہ اپنی شرط ہار گئی اور میں نے ایک بار پھر تمہاری محبت جیت لی۔

چاہِ بابل کے ہولناک واقعے نے پوری حکومت کو لرزا دیا اور اسیروں کی تلاش شروع ہو گئی۔ پورے بابل میں صرف ایک عورت جانتی تھی کہ میں اُن کی رہائی چاہتا تھا اور شہزادی شمورہ تھی وہ عورت جس نے میری شرط کے مطابق بادشاہ سے اسیروں کے لئے سفارش کی تھی۔ لیکن جب اس سے بازپرس کی گئی کہ وہ آدمی کون تھا جو اس کی محبت کے عوض ہاروت ماروت کی رہائی چاہتا تھا تو اس نے باپ کے سامنے بھی میرا نام نہیں لیا کہ مبادا میں اسیروں کو رہا کرانے کے الزام میں گرفتار کر لیا جاؤں۔ وہ مجھ سے محبت کی شرط ہار گئی تھی پھر بھی اس نے وفا کا رشتہ نہیں توڑا۔ یہی اس کے کردار کی عظمت تھی کہ میں دوسرے پیغامِ ملاقات پر ایک رات پھر ایوانِ ماکلوب میں پہنچ گیا۔ مجھے شمورہ کی زندگی عزیز تھی۔ اب میں اس کے شاہی اختیارات کے سائے کی ضرورت محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ ریموت سایۂ اجل کی طرح میرے پیچھے لگ گیا تھا۔

وہ اپنی شرطِ محبت پوری نہ کر سکنے پر بے حد مایوس تھی۔ میں نے شہزادی کی دلجوئی کی اور اسے اپنی محبت سے تھوڑا سا حصہ دینے پر تیار ہو گیا۔ لیکن ایک تاریخ مقرر کی۔ عطارد اور زحل کے قِران کی شرط لگائی اور وہ مان گئی۔ مت بھولو شمورہ ایک با اختیار شہزادی ہے اور اس وقت وہ نہ صرف میری بلکہ تمہاری بھی ضرورت ہے کیونکہ اسیر ابھی ''کاشانۂ زہرہ'' میں ہیں۔

تمہیں اس بات پر بھی حیرت ہو گی کہ شاہ بنونید مجھے شمورہ کے لئے پسند کر چکا اور اُسے بیلشازار کے ہاتھ سے بچانا چاہتا ہے جو بہن کا طلب گار ہے۔ ''جشنِ زہرہ'' کی رات میری اور شمورہ کی اچانک ملاقات بادشاہ کی سوچی سمجھی ہوئی ترکیب تھی۔ وہ رات شمورہ کی تمناؤں کی رات تھی جب وہ مجھے باپ کے سامنے کمرۂ تنہائی میں لے گئی۔ لیکن مجھ پر یقین رکھو کہ میں اس رات بھی ''آلودۂ الزام'' نہیں ہوا تاہم تقدیر جنگجو بیلشازار کو میرے سامنے گھیر کر لے آئی اور

باغِ معلقہ میں وہ حادثہ رونما ہوا جس سے میں بچنا چاہتا تھا۔

میں نے سنا ہے بیلشازار نے ہیکلِ زہرہ میں مجھ سے دوسرا مقابلہ کرنے کا اعلان کیا اور دیوی سے اپنی کامیابی کی دعا کی ہے۔ تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں شمورہ کے لئے ایک بار پھر اس سے مقابلہ کروں گا کیونکہ یہ بات مجھے پسند نہیں کہ ایک بھائی اپنے بہن کو بستر کے لئے جیتنے کی آرزو کرے۔ تم جانتی ہو، میں بزدل نہیں، نہ کسی مقابلے سے ڈرتا ہوں۔ لیکن جس طرح جنگ میں ایک فریق کی جیت اور دوسرے کی ہار ہوتی ہے اسی طرح دو مردوں کے درمیان ہونے والا مقابلہ بھی ایک دوسرے کی موت پر ختم ہوگا اور کوئی نہیں جانتا ہم دونوں میں سے موت کس کو گھسیٹ کر لے جائے۔ مگر اس سے پہلے کہ بابل میں ایسا کوئی واقعہ پیش آئے، میں چاہتا ہوں کہ تمہاری تیسری اور آخری خواہش پوری کر دوں۔ پھر میرے ساتھ جو کچھ بھی ہونا ہے ہو جائے۔ میں تو اپنے دنوں کو صرف اتنا طول دینا چاہتا ہوں، جس میں تمہاری تیسری خواہش پوری کر سکوں۔ اور آج یہی معلوم کرنے آیا ہوں۔ کیا عبرانی پیغمبروں نے صندوقچی کی پراسرار عبارت پڑھ لی ہے؟ کیا تم اپنی تیسری خواہش بیان کر سکتی ہو؟ بس جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ چکا۔ اب اگر مجھ پر کوئی الزام بھی لگاؤ گی تو سنوں گا۔ مجھے قصوروار ٹھہراؤ گی تو شکایت نہیں کروں گا۔ میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا اور فیصلے کی میزان بھی تمہارے ہاتھ میں دے دی ہے۔"

بیدخت تصویرِ حیرت بنی اس کی باتیں سنتی رہی۔ اس انکشاف نے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑا دی تھی کہ اس کی پہلی خواہش شہزادی شمورہ کے ذریعے پوری ہو سکی اور دوسری خواہش کے حصول میں بھی اس نے کچھ حصہ لیا۔ اگر وہ بادشاہ کو "اس آدمی" کا نام بتا دیتی جو اپنی محبت کے عوض ہاروت ماروت کی رہائی چاہتا تھا تو شاید حالات کی رفتار بدل جاتی اور کاشانۂ زہرہ میں بھی بھونچال آ جاتا جہاں عبرانی اسیر ٹھہرائے گئے تھے۔ اُس نے جو کچھ سنا حیرت انگیز تھا۔ وہ شمورہ کی محبت تھی جو غیر شعوری طور پر اس کی دو خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ بنی۔ یہ سارا معاملہ دو عورتوں کے اردگرد گھوم رہا تھا اور ان کے درمیان وہ یگانۂ عصر مرد تھا جو دونوں کو عزیز تھا۔ ایک اس کے ذریعے اپنی عجیب و غریب خواہشوں کی تکمیل چاہتی تھی، دوسری اس کی محبت کو اپنی ذات کے عرفان کا ذریعہ سمجھتی تھی۔

حالات کی اس صورت نے آفریدۂ جمال بیدخت کے ذہن میں ہونے والی کشمکش کا خاتمہ کر دیا اور شہزادی شمورہ کے متعلق خیالات کو یکسر بدل ڈالا جسے اپنی رقیب سمجھ بیٹھی تھی۔ مہرتاب

کے بارے میں بھی وہ سارے اندیشے اور وسوسے دور ہو گئے جو سانپ بن بن کے ڈستے رہے تھے۔ اس کے دوسرے روپ کا ذکر سن کر جو فرض کا روپ تھا، وہ اس کی شخصیت کے ایک نئے پہلو سے آگاہ ہوئی تھی۔ اگر اس نے اپنے فرض کا کوئی تقاضا پورا کیا تو محبت کی خاطر بھی اپنی جان جوکھوں میں ڈالی تھی ——— یہ سب کچھ جان لینے کے بعد وہ یک لخت اٹھی اور ایک نئے جذبے کے ساتھ کہنے لگی۔

"مہرتاب! جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا اور اگر فیصلے کی میزان میرے ہاتھ میں دیتے ہو تو یہ ہے میرا فیصلہ کہ تمہاری ذات کے سامنے مجھے دیوتاؤں کی ذات بھی چھوٹی معلوم ہونے لگی ہے۔ کیونکہ دیوتا بھی کبھی کبھی اپنے پجاریوں کی آرزوؤں کو پورا نہیں کرتے اور اپنے پتھر کے مہیب وجودوں میں گم رہتے ہیں۔ مگر تم ایک ایسے انسان ہو جو ہر حال میں میری عزیز ترین خواہشات کی تکمیل کرتے رہے ہو اور اس سے پہلے کہ دشمن کی تلوار تم پر اٹھے یا کوئی اور واقعہ یا حادثہ پیش آئے یا تم پر کوئی افتاد آ پڑے، میری تیسری اور آخری خواہش کی تکمیل سے بھی سبک دوش ہو جانا چاہتے ہو۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ تمہاری محبت میرے حصے میں آئی۔ تم نے دو خواہشیں پوری کر کے مجھے تکمیلِ ذات کے قریب تر کر دیا ہے اور جانتی ہوں کہ میری تیسری اور آخری خواہش بھی پوری کرو گے۔ لیکن میں شرمندہ ہوں کہ ان عظیم قربانیوں کے صلے میں تمہیں کچھ نہ دے سکی۔

سچ تو یہ ہے "جشنِ زہرہ" کا واقعہ سن کر میں اُداس اور نڈھال ہو گئی اور کئی راتیں اس خیال سے جلتی اور سلگتی رہی کہ تم نے شہزادی شمورہ کو جیت لیا ہے۔ میں نے اس جیت کو اپنی ہار سمجھا۔ تھوڑی دیر پہلے تک جب مجھ پر شمورہ کی حقیقت واضح نہیں ہوئی تھی، میں اُسے اپنی حریف اور رقیب سمجھتی رہی۔ لیکن اب مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم فرض اور محبت کے راستوں پر ساتھ ساتھ گامزن رہے ہو۔ نہ فرض کو تم سے کوئی شکایت ہے نہ محبت کو کوئی گلہ۔ اب تو مجھے بھی شمورہ سے کوئی آزردگی نہیں۔ اس نے میری خواہشات کی تکمیل میں حصہ لیا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ تم بھی اسے اپنی محبت سے حصہ دو اور اپنی یا میری خاطر اسے جیت لو۔"

اگر مہرتاب نے کسی حیرت انگیز حقیقت کا اظہار کر کے بیدخت کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا تو جو کچھ زہرہ جمال نے کہا وہ اس سے کہیں بڑھ کے سنسنی خیز تھا۔ اس کی بات سن کر مہرتاب بھونچکا سا رہ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی دوسری عورت کو اس کی محبت میں حصے دار

بنانے پر تیار ہو جائے گی۔

بیدخت نے جو کچھ کہا، مہرتاب نے جو کچھ سنا وہ عورت کی فطرت اور محبت کے دستور سے بالکل مختلف تھا جس نے اسے حیران کر دیا مگر خود بھی شمورہ کے لئے اپنے دل میں ایک لطیف سا گوشہ رکھتا تھا اس لئے کسی قدر نرم لہجے میں بولا۔

''بیدخت! میں بتا چکا ہوں میری محبت کی انتہا تم ہو۔ شمورہ میری ضرورت ہے اور اس کے ساتھ تعلق صرف اس لئے قائم کیا تھا کہ تمہاری آخری خواہش پوری ہونے تک میں ان خطروں سے محفوظ رہوں جو میرے تعاقب میں ہیں مگر تم تو مجھے اس طرح شمورہ کے سپرد کر رہی ہو جیسے میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہا۔''

بیدخت تڑپ اُٹھی۔ ''مہرتاب! میرا تمہارا تعلق ازل سے ہے اور مجھے تم سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ میں ابتدائے آفرینش سے تمہارے لئے بے چین ہوں۔ تم آغازِ عالم سے میرے لئے جنگ آزما ہو لیکن جس طرح آج تم نے پہلی بار مجھے کچھ حقیقتوں سے آگاہ کیا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں ایک پراسرار حقیقت سے مطلع کرنا چاہتی ہوں۔''

مہرتاب حیران رہ گیا۔ ''کون سی ہے وہ پراسرار حقیقت؟''

''میں نے کہا تھا جب میری تینوں خواہشیں پوری کر چکو گے میں سر سے پاؤں تک تمہاری ہو جاؤں گی اور میرے جسم کی سب راحتیں صرف تمہارے لئے ہوں گی۔''

''ہاں، تم نے یہی کہا تھا۔''

''غلط کہا تھا میں نے۔'' وہ کچھ وضاحت کرنے لگی۔ ''چند روز پہلے میں نے تمہیں اشارے اور کنایے کی زبان سے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ تیسری اور آخری خواہش پوری ہو جانے پر میں لوگوں کی دسترس سے دور ہو جاؤں گی اور تمہارے تصرف میں بھی نہیں آسکوں گی۔''

''اور میں نے کہا تھا مجھے تمہارے جسم کی راحتوں سے مطلب نہیں صرف تمہاری خواہشوں کی تکمیل چاہتا ہوں۔''

''یہ تمہاری عالی ظرفی اور انتہائے محبت ہے مہرتاب! کہ کسی صلے کے بغیر میری ذات کی تکمیل چاہتے ہو۔'' یہ کہہ کر بڑی شانِ دلربائی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی اور اُسے ''پراسرار حقیقت'' سے آگاہ کرنے لگی ___ ''تم زمین پر میری خواہش پوری کرنے کے پابند ہو مگر تمہارا وصال زمین پر ممکن نہیں۔ تم پر اپنے جسم کی راحتیں نچھاور کرنے کے لئے میں کسی

دوسری دنیا میں تمہارا انتظار کروں گی ___ شاید تیسرے آسمان پر جہاں سے ربۂ افلاک تھیامتہ نے ہزاروں برس پہلے ہمیں زمین پر پھینک دیا تھا۔''

مہرتاب پہلے بھی آسمان سے زمین پر پھینکے جانے کی بات سن چکا تھا آج وہ پھر زمین اور آسمان کا قصہ سنانے لگی۔ شاید کسی دیومالائی داستان کو دہرانا چاہتی تھی۔ لیکن مہرتاب کے نزدیک ان داستانوں کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ انہیں انسانی ذہنوں نے تخلیق کیا تھا بالکل اسی طرح جیسے انسانی ہاتھوں نے دیوی دیوتاؤں کے بھاری بھرکم بت تراش لئے تھے۔ پھر بھی وہ دنیا کی سب سے خوب صورت عورت کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا رہا اور وہ کہتی رہی۔

''مہرتاب! تیسری اور آخری خواہش میری ذات کی تکمیل کرے گی اور میں منقلب ہو جاؤں گی۔ پھر آسمان پر تمہارا انتظار کروں گی۔ کیونکہ تمہاری محبت اور مہربانیوں کا صلہ بھی آسمان پر چکاؤں گی۔ شاید تم کہو کہ میری تینوں خواہشیں تو زمین پر پوری کی گئی ہیں ان کا صلہ بھی زمین پر ملنا چاہئے۔ سو اس مقصد کے لئے میں تمہیں شمورہ پر اختیار دیتی ہوں جس نے میری خواہشوں کی تکمیل میں حصہ ڈالا ہے۔ وہ تمہاری محبت سے بھی حصہ لے گی اور میری طرف سے تمہیں اپنے حُسن اور جسم کی راحت عطا کرے گی۔ میں آسمان کی رفعتوں سے اس پر مہربانی کی نظر ڈالوں گی اور وہ تمہیں اپنی راحتوں سے شادکام کرے گی۔ لیکن یہ وقفہ طویل نہیں ہوگا۔ تم جلد میرے پاس آجاؤ گے اور جب ہم آسمانوں پر ملیں گے، نہ تم مہرتاب ہو گے نہ میں بیدخت کہلاؤں گی۔ ہمارے کچھ اور ہی نام ہوں گے۔ تم دوسرے آسمان پر اور میں تیسرے آسمان پر ساتھ ساتھ رہیں گے اور ہماری محبت اور قربت دائمی ہوگی۔''

ایک لمحے کے لئے مہرتاب کو خیال گزرا کہیں وہ دیوانی تو نہیں ہو گئی جو ایسی باتیں سوچتی ہے۔ یا پھر کہیں اُس کا اپنا دماغ ہی تو پراگندہ نہیں ہو گیا جو ایسی باتیں سن رہا ہے لیکن وہ وہی مہرتاب تھا جس نے بابل میں داخل ہوتے ہی چاند کی تیسری رات کو اسے اپنی پیاریوں کی جھرمٹ میں ہیکلِ زہرہ کے پاس دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی وہی بیدخت تھی جو ''رقصِ عبادت'' کی رات معبد اکور میں پہلی بار اس پر مہربان ہوئی اور معبد سے نکل کر ''دیوتاؤں کی دیوار'' تک اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔

بات صرف اتنی تھی کہ وہ دیوی دیوتاؤں کے وجود کو مانتا نہیں تھا اور بیدخت جو بابل کی اصنامی تہذیب کے گہوارے میں پل کر جوان ہوئی اور آسمان و زمین کے الٰہوں اور دیوتاؤں پر

یقین رکھتی تھی کسی دیو مالائی داستان کی ہیروئن بن جانے کے خواب دیکھ رہی تھی مگر اس کے منقلب ہو جانے کا انحصار جسے وہ اپنی ''ذات کی تکمیل'' قرار دیتی تھی تیسری اور آخری خواہش کی تکمیل پر تھا جس کے بارے میں مہرتاب ابھی یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خواہش کیا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے اسے کن مشکلات سے گزرنا ہوگا۔

بیدخت جو کچھ چاہتی تھی، وہ ہوتا تھا یا نہیں تاہم وہ اس کی تیسری خواہش پوری کر کے اپنے پیمان سے سبکدوش ہو جانا چاہتا تھا۔ اب یہی آخری خواہش اس کی دلچسپی کا مرکز تھی۔ تمام باتوں کو چھوڑ کر اسی کے متعلق کہنے لگا۔

''بیدخت! مجھے تمہارے جسم کی راحتوں سے غرض نہیں، تمہاری خواہشوں کی تکمیل سے مطلب ہے۔ کیونکہ محبت صلے کی طلب گار نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے عبرانی پیغمبروں نے شاہ یوسیفر کی پیچیدہ تحریر پڑھ لی ہوگی اور تم مجھے اپنی تیسری خواہش سے آگاہ کر سکتی ہو۔''

''شاید پڑھ لی ہو لیکن مجھے ابھی تک ان کا پیغام نہیں ملا۔''

''کیوں نہ ہم خود پوچھ لیں جا کر؟''

وہ عبرانی مہمانوں سے ملنا اور کچھ ضروری گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بیدخت بھی صندوقچی کی پراسرار تحریر جاننے کے لئے بے قرار تھی۔ کیونکہ تیسری اور آخری خواہش اسی تحریر سے وابستہ تھی۔ اُس نے فوراً شنکر کو طلب کیا اور بتایا۔

''میں اسی وقت عبرانی پیغمبروں سے ملنا چاہتی ہوں۔''

شنکر نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ان کے آگے آگے کمرے سے نکلا۔

(43)

تیسری شرط

◎

جب وہ سیڑھیاں اُتر کر تہ خانے میں داخل ہوئے، عبرانی مہمان اپنے کام میں مصروف تھے۔ ان کے سامنے کچھ الواح رکھی تھیں جن پر عبرانی اور آرامی زبان کی عبارتیں درج تھیں۔ وہ پُراسرار صندوقچی بھی ایک طرف موجود تھی جس کی قدیم اور پیچیدہ اکدی تحریر کو انہیں آرامی زبان میں منتقل کرنا تھا۔

بیدخت زہرہ جمال اور مہرتاب کو دیکھا تو خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور ان کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی۔ شنکر کو رخصت کر دیا تھا تاکہ باہر نگرانی کا فرض ادا کر سکے۔ مہرتاب یہ دیکھ کر خوش ہوا کہ مہمانوں کی حالت پہلے سے کچھ اور بہتر ہو گئی ہے۔ اب ان کے چہروں پر چاہِ بابل کی اجل گرفتہ اسیری کا کوئی اثر نہیں تھا۔ کاشانۂ زہرہ کا یہ تہ خانہ ان کے لئے بڑا آرام دہ ثابت ہوا تھا۔

ہاروت (حجی نبی) نے اپنی محسنہ کی میزبانی کا شکریہ ادا کیا اور بتایا۔

''ہم نے صندوقچی کی پراسرار تحریر پڑھ لی اور آرامی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔''

بیدخت کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ''میں آپ کی طرف سے اس اطلاع کی منتظر تھی۔''

''اکدی تحریر کا ترجمہ آج ہی مکمل ہوا ہے۔'' جواب ماروت (ذکریا بن برکیا) نے دیا۔ ''شنکر رات کا کھانا لے کر آتا تو ہم اس کے ہاتھ تمہیں پیغام بھیج دیتے۔''

مہرتاب نے عبرانی پیغمبروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ''بابل میں حالات کی صورت تبدیل ہو رہی ہے اور میں اپنے کام جلد نمٹانا چاہتا ہوں اس لئے مجھے اس تحریر کی فکر تھی۔''

ہاروت نے ایک لوح اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ ''مہرتاب! ہم نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ یہ ہے شاہِ یوسیفر کی تحریر کا آرامی ترجمہ۔''

''اگر آپ ہی اسے پڑھ کر سنا دیں تو بہتر ہوگا۔''

پھر فوراً بیدخت کی طرف دیکھا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اُس نے اپنا ہاتھ اٹھا دیا۔

''مقدس ہاروت! آپ میرے اور مہرتاب کی خاطر یہ تحریر پڑھیں۔''

ہاروت نے لوح سنبھالی اور پراسرار اکدی تحریر کا آرامی ترجمہ پڑھنے لگا۔ یہ تھی اس کی عبارت:۔

''اے خوش نصیب ہستی! جس نے اس صندوقچی کو حاصل کر لیا اور اس کے رازِ سربستہ سے آگاہ ہو رہی ہے، تجھے معلوم ہو کہ وہ تحریر جو صندوقچی پر کندہ ہے اُن اسرارِ افلاک میں سے ایک اہم راز ہے جنہیں میرے عہدِ سلطنت میں دینِ اکد کے بزرگوں ہفت افلاک کے ماہروں اور بابل کے چند بڑے ساحروں نے دریافت کیا اور ان پر اپنی تصدیق کی مہریں لگائی تھیں۔

میرے ہی عہدِ حکومت میں سیارگانِ الوہیت کے خاکے اور نقشے تیار کیے گئے اور ان کی الوہی خصوصیات متعین ہوئیں۔ معدل النہار اور منطقہ البروج کے دائرے دریافت ہوئے اور زمین پرستاروں کے تصرفات، اختیارات اور روحانیت کا علم رائج ہوا اور ہزار ہا منتر ان کی روحانیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے وضع کئے گئے تا کہ انسان روحانی ترقی کر کے الٰہوں اور دیوتاؤں کا قرب حاصل کرے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکے اور دیوتاؤں کی مانند ابدی ہو جائے۔

اس صندوقچی میں ایک ایسی قبا بند ہے جسے بابل کے ماہرینِ افلاک اور ساحروں نے سیارگانِ الوہیت کے دائروں اور کواکب کی گردش و رفتار کی روحانیت کے مطابق تیار کیا ہے اور اس میں کسی ہستی کو منقلب کرنے کی تاثیر بھی رکھ دی گئی ہے۔ مگر اس کا روحانی عمل صرف عورت کے لئے مخصوص ہے تا کہ وہ افلاک کی کسی دیوی کے ساتھ اپنا روحانی تعلق قائم کر کے ابدی زندگی حاصل کر سکے۔ بابل کی کوئی مثالی عورت اس قبا کو زیب تن کر کے جس خواہش کا اظہار کرے گی، وہ پوری ہوگی۔ لیکن قبا زیب تن کرنے سے پہلے لازم ہے کہ وہ جس

دیوی سے روحانی تعلق چاہتی ہے اس کی سچی عقیدت گزار اور عہدِ طفولیت سے اُسی کی عبادت کرتی رہی ہو۔ اس کا جسم مقدس و مطہر ہو۔ وہ زندگی میں کسی مرد سے آلودہ نہ ہوئی ہو اور اسی طرح کنواری ہو جیسی ماں کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔ اگر کسی عورت نے جو یہ شرط پوری نہ کر سکے اس قبا کو پہن کر ابدی زندگی حاصل کرنے کی خواہش کی تو نہ صرف یہ خواہش رائیگاں جائے گی بلکہ آسمانوں کی دیویوں کا مشترکہ قہر بھی نازل ہوگا۔

اے نازنین! جس نے یہ قبائے طلسم حاصل کر لی ہے غور سے سن! اگر تُو کنوارپن کی پاک شرط پوری نہیں کرتی تو اسے اپنے آلودہ جسم پر پہننے کی غلطی نہ کر بلکہ قبا کو دوبارہ صندوقچی میں بند کر دے اور جہاں سے صندوقچی حاصل کی تھی پھر وہیں لوٹا دے۔ اگر تُو کنواری ہے اور آسمانی دیوی سے روحانی تعلق قائم کر کے ابدی زندگی چاہتی ہے تو یہ قبا تجھے مبارک ہو۔ اسے اپنے کنوارے اور اچھوتے جسم پر پہن لے۔ اگر تُو کسی دوسرے جسم میں منقلب ہونے کی آرزو بھی پوری کرے گی تو پوری ہوگی مگر قبا زیب تن کرنے سے پہلے تجھے دو چیزوں کا اہتمام کرنا ہوگا۔

1۔ تیری کلائیوں میں زہرہ کے وہ کنگن ہونے چاہئیں جو ہیکلِ زہرہ میں نسل در نسل محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

2۔ تجھے الٰہوں کا وہ مبارک نام معلوم کرنا ہوگا جو ''اسمِ اعظم'' کہلاتا اور دینِ اکد کے بزرگ کاہنوں کے سینے میں رازِ سربستہ کی طرح محفوظ ہے۔ اسی نام کی برکت سے تیری خواہش تکمیل کو پہنچے گی اور تُو ابدی مراد پائے گی۔

(شاہِ یوسیفر)

یہ حیرت انگیز عبارت سن کر بیدخت زہرہ جمال کے چہرے پر کئی رنگ گزر گئے اور مہرتاب کے دل میں مایوسی کا درد جاگ اٹھا۔ کیونکہ کائنات کی سب سے خوب صورت عورت اس پراسرار تحریر کی کم از کم ایک شرط پوری نہ کر سکتی تھی اور اب تیسری اور آخری خواہش کی تکمیل بے کار تھی اور جیسا بیدخت نے سوچا تھا، اس کی ذات مکمل نہ ہو سکتی تھی۔

اس نے کسی جذبے کے بغیر وہ لوح جس سے آرامی ترجمہ پڑھا گیا تھا، ہاروت کے ہاتھ

سے لے لی اور مدھم آواز میں عبرانی مہمانوں کا شکریہ ادا کرنے لگی۔

''میں آپ بزرگوں کی بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے میری خاطر شاہِ یوسیفر کی ایک پیچیدہ اور مشکل تحریر پڑھی اور اسے آرامی زبان میں منتقل کر دیا۔ اگر میں نے آپ کے ساتھ کوئی بھلائی کی تو یہی اس کا صلہ تھا جو آپ لوگوں نے چکا دیا۔''

بوڑھے ماروت نے ساگوان کی وہ صندوقچی بھی اس کی طرف بڑھا دی جس پر کندہ تحریر پڑھی گئی تھی گویا جس مقصد کے لئے بیدخت نے عبرانی پیغمبروں کو چاہِ بابل کے زندانِ اجل سے نجات دلائی وہ پورا ہو گیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ صندوقچی کی تحریر سن کر وہ کچھ پریشان ہو گئی۔

بیدخت کے شکریے کے بعد تہ خانے میں ایک پراسرار اور المناک سی خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اب کاشانۂ زہرہ میں ہاروت ماروت کے قیام کی مدت پوری ہو گئی تھی۔ زہرہ جمال ان کی جتنی حفاظت اور دیکھ بھال کر سکتی تھی کر چکی۔ اب انہیں اپنا ٹھکانہ بدلنا تھا۔ بیدخت نے تحریر کی نوشت وخواند ہی کو ان کی رہائی کا صلہ ٹھہرایا تھا۔ انہوں نے پراسرار تحریر کے بارے میں اپنی کسی رائے کا اظہار بھی ضروری نہ سمجھا کہ کہیں ان کی میزبان کا دل میلا نہ ہو جائے۔ عبرانی بزرگوں نے تو ایک کام پورا کیا جو انہیں سونپا گیا تھا۔ اچانک بیدخت نے اس خاموشی کو توڑا جو ناگوار سی ہو گئی تھی اور مہمانوں سے بولی۔

''اب میری طرف سے آپ لوگوں پر کوئی پابندی نہیں۔ یہاں مزید قیام کرنا چاہیں تو میں خدمت کے لئے حاضر ہوں اگر کسی دوسری جگہ......''

مہرتاب نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں خود چاہتا ہوں کہ مہمانوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے جو زیادہ محفوظ ہو۔ مگر فی الحال یہیں رہیں۔ کل پرسوں تک نئی جگہ کا انتظام ہو جائے گا۔''

پھر ہاروت ماروت سے مخاطب ہوا۔ ''زریہ نے کاہنوں اور اکابرینِ سلطنت کی قومی مجلس کا اجلاس طلب کر لیا اور شاہِ بنونید نے اس کی منظوری دے دی ہے۔ کاہنِ اعظم اشمیدی بادشاہ پر الزام کی انگلی اٹھانے پر تیار ہے۔ میں نے اشمیدی کی حفاظت کا وعدہ کر لیا ہے۔ الزام سن کر اگر بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا تو شہزادی شمورہ دیوی ایشتار کی کاہنہ اور دیوتاؤں کی زبان ہونے کے ناتے اس حکم کو مسترد کر دے گی۔''

بزرگ ہاروت کچھ پریشان ہو گیا۔ ''کیا شمورہ الزام سن لینے کے بعد ایسا کر سکے گی؟''

''میں شمورہ سے وعدہ لے چکا ہوں۔ مگر معبد قمر کے کاہن اعظم راہول کی موقع پر موجودگی ضروری ہے۔''

''وہ ایک سال سے بابل ہی میں روپوش ہے۔ جس دن مجلسِ قومی کا اجلاس ہو گا اُسے پیش کر دیا جائے گا۔''

مہرتاب نے بیدخت کی موجودگی میں جو گفتگو چھیڑ دی وہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ صرف اس بات پر حیران تھی کہ اشمیدی بادشاہ پر کوئی الزام لگائے گا جس پر اس کے قتل کا حکم صادر ہو سکتا ہے۔ وہ یہ معمہ بھی سمجھنے سے قاصر تھی کہ مہرتاب اشمیدی کی حفاظت کیوں چاہتا ہے جب کہ وہ اس بوڑھے سوسمار سے نفرت کرتی ہے تاہم یہ ضرور جان گئی کہ الزام خطرناک ہی ہو گا۔ اگر اُسے معلوم ہوتا کہ ہاروت ماروت اسی الزام کی حقیقت جاننے کی پاداش میں چاہِ بابل کے زندانِ اجل میں اتار دیئے گئے تھے تو شاید اُس کی نبضیں رُک جاتیں۔ وہ اپنے افسردہ ذہن کے ساتھ چپ چاپ ان کی گفتگو سنتی رہی۔ مہرتاب نے عبرانی پیغمبروں کو بتایا۔

''آپ کو صرف عیدِ بیلس تک روپوش رہنا ہے۔''

یہ سن کر ہاروت نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔ ''تو مردوک کی خدائی کے خاتمے کا دن مقرر ہو گیا؟''

مہرتاب نے زبان سے کچھ نہیں کہا صرف اس کی آنکھیں بول رہی تھیں کہ ہاں وہ دن مقرر ہو گیا۔ لیکن بیدخت ہاروت کے الفاظ سن کر خوفزدہ ہو گئی۔ اس بات پر حیران تھی کہ بھلا مردوک کی خدائی کیسے ختم ہو سکتی ہے۔

مہرتاب نے ہاتھ بڑھا کر نادر صندوقچی اٹھالی اور بیدخت کے ہاتھ سے لوح بھی خود پکڑ لی، جو لوحِ تقدیر ثابت ہوئی تھی تاکہ اس کے نازک ہاتھوں کو اپنی تقدیر کا بوجھ نہ اٹھانا پڑے۔ یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم ہوئی۔ پھر دونوں اٹھے اور مہمانوں سے رخصت ہو کر تہ خانے سے نکلے۔ باہر شنکر اُن کا منتظر تھا۔ اُس نے لپک کر مہرتاب کے ہاتھوں سے دونوں چیزیں پکڑ لیں اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

وہ چپ چاپ چل رہے تھے۔ بیدخت کسی اور خیال میں گم تھی۔ شاید اس لئے خاموش اور افسردہ تھی کہ مردوک کی خدائی ختم ہونے والی تھی اور مہرتاب کچھ اور سوچ رہا تھا۔ غالباً اس لئے چپ چاپ اور پریشان تھا کہ اس نے بیدخت کی خواہشیں پوری کرنے کے لئے جو تنگ وتاز کی

تھی وہ سب بے نتیجہ رہی۔

صرف وہی دونوں خاموش نہیں تھے بلکہ کاشانۂ زہرہ کے در و دیوار پر بھی ایک اُداس خاموشی رینگ رہی تھی۔ اچانک مہرتاب کو خیال آیا کہ آج کہیں آموسی نورِ ناہید کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی، وہ کیوں سامنے نہیں آئی۔ کاشانۂ زہرہ میں ہے بھی یا نہیں؟ چلتے چلتے بیدخت سے پوچھا۔ ''آج نورِ ناہید دکھائی نہیں دی؟''

''ماں سے ملنے گئی ہے۔ رات کو آجائے گی۔''

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ معلوم ہوتا تھا ان کے پاس گفتگو کے لئے کوئی موضوع ہی نہیں رہ گیا۔ بس ایک خاموشی تھی جو ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

کمرۂ راحت میں داخل ہوئے تو شنگر صندوقچی اور لوح رکھ کر لوٹ گیا اور وہ دونوں آئینے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو یوں دیکھنے لگے جیسے اپنے آپ کو یا ایک دوسرے کو ڈھونڈ رہے ہوں۔ اچانک مہرتاب کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''اب مجھے کیا کرنا ہے؟''

بیدخت اس کی آواز پر چونک سی گئی جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے پھر دھیرے سے بولی۔ ''تم میری تیسری اور آخری خواہش معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کیا وہ پوری نہیں کرو گے؟''

''کیا ہے وہ خواہش؟''

اب بیدخت کھنکتی آواز میں کہنے لگی۔

''مہرتاب! الہوں کے ''اسمِ اعظم'' کا راز تو میں کسی کاہن سے معلوم کرلوں گی لیکن ہیکل زہرہ سے زہرہ کے کنگن تم نکال کر لاؤ گے۔''

وہ تیسری خواہش سن کر دنگ رہ گیا۔ ''کیا کروگی زہرہ کے کنگن؟''

''تم نے سنا نہیں تھا، شاہ یوسیفر کی قبا زیب تن کرنے سے پہلے زہرہ کے کنگن میری کلائیوں میں ہونے چاہئیں۔''

مہرتاب پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ ''مگر وہ قبا زیب تن کرنے کے لئے تمہارا کنواری ہونا ضروری ہے۔''

''میں ہوں۔''

اور یہ دو لفظ بجلی کی طرح کڑکتے اُس کی سماعت سے ٹکرائے۔ تحیر کے لہجے میں بولا۔ ''مگر

چار برس پہلے تم نے جشنِ زہرہ کی رات......؟''

بیدخت نے اس کی بات کاٹ کر ایک اور سنسنی خیز انکشاف کیا۔

''اُس رات شمورہ کی طرح میں بھی ''دیوی کی خوشنودی'' حاصل نہیں کرسکی تھی۔''

مہرتاب پر ایک دلفریب سکتہ طاری ہوگیا اور وہ بتانے لگی۔

''میں تیرہ چودہ برس کی تھی جب ایک کاہن سے مجھے یوسیفر کی پراسرار قبا کا حال معلوم ہوا اور میں نے ایک منقلب اور ابدی زندگی کا خواب دیکھا۔ چار برس پہلے جب میں جشنِ زہرہ میں مدعو تھی اور بیلشازار ہاتھ پکڑ کر مجھے حجلۂ عیش میں لے گیا میں نے اس سے زہرہ کے نام پر چار سال کی مہلت مانگ لی۔ وہ حیران تھا کہ میں اتنی طویل مہلت کیوں چاہتی ہوں مگر میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ صرف یہ کہا کہ اگر وہ مہلت دے دے تو چار برس کے بعد اُسے مجھ پر پورا اختیار ہوگا۔ تم یہ سن کر حیران ہوگے کہ بیلشازار نے مجھ سے ہاتھ کھینچ لیا اور چار سال کی مہلت دے دی۔ میں نے سوچ لیا تھا اگر اس عرصے میں میرا خواب پورا نہ ہوسکا تو میرے ساتھ بھی وہی کچھ ہوگا جو دوسری عورتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے لیکن میں خوش نصیب ہوں کہ عین مہلت کے آخری مہینوں میں تم میری زندگی میں ایک دیوتا کی طرح داخل ہوئے اور میں نے جو کچھ چاہا تم نے وہی کیا۔ اب صرف آخری خواہش باقی ہے۔ زہرہ کے کنگن لادو گے تو میں قبائے طلسم پہننے کے لائق ہو جاؤں گی اور میری ابدی زندگی کا خواب پورا ہوگا۔ مجھے افسوس اور غم صرف اس بات کا ہے کہ تم سے دور چلی جاؤں گی۔ لیکن یہ جدائی عارضی ہے مہرتاب! جس طرح تم میرے ہو، اسی طرح میں تمہاری ہوں۔ ہم دونوں آسمانوں پر پھر ملیں گے۔ مقدس گوما نے کہا تھا کہ ہماری سرشت ایک اور خاک بھی ایک ہے۔''

مہرتاب نے یہ سب کچھ یوں سنا جیسے کوئی رویا دیکھ رہا ہو لیکن اس رویا کی تعبیر کس قدر حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھی کہ آفریدۂ جمال بیدخت ابھی تک کنواری ہے۔ مقدس و مطہر جیسے وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔

یک لخت مہرتاب کو یوں محسوس ہوا، وہ کائنات کی تمام عورتوں سے زیادہ خوبصورت ہی نہیں بلکہ بابل کی تمام دیویوں سے بڑی دیوی بھی ہے۔

❀❀❀

(44)

دُخترِ زہرہ

◎

یہ انکشاف بڑا دلچسپ اور حیرت انگیز تھا کہ آفریدۂ حُسن بیدخت جو الہٰتہ الجمال زہرہ کی خاص پجارن اور جس کے نام کی صفت بھی ''زہرہ جمال'' تھی۔ جس کا قصر ''کاشانۂ زہرہ'' سے موسوم تھا جو چاند کی ہر تیسری رات کو کیونکہ چاند کی تیسری رات ''زہرہ کی رات'' کہلاتی تھی، بڑی باقاعدگی سے ہیکلِ زہرہ میں حاضری دیتی اور جس پر سولہ برس کی عمر تک ازالۂ دوشیزگی واجب تھا ابھی تک کنواری اور اچھوتی تھی۔

کوئی مرد اسے چھو نہیں سکا تھا اور چار سال پیشتر ''جشنِ زہرہ'' کی اس رات بھی جو اُس نے بیلشازار کے ساتھ حجلۂ عیش میں گزاری وہ حسین واردات نہیں ہوئی تھی جس کا ایک خاص حلقے میں چرچا تھا۔ بیدخت کے بقول اس نے بیلشازار سے چار سال کی مہلت مانگ لی اور خود کو اس کے سپرد نہیں کیا تھا کیونکہ وہ آغازِ شباب ہی میں ابدی زندگی کے بارے میں کوئی خواب دیکھ چکی اور اس کی تعبیر چاہتی تھی، جس کے لئے کنواری ہونا لازمی تھا۔

یہ ساری باتیں مہرتاب کے لئے بڑی خیال افروز اور تسکین دہ تھیں، یہ انکشاف کہ وہ آج تک کسی مرد سے ''ناآشنا'' اور معصوم عن الخطا ہے، محبت کے ساتھ ساتھ مہرتاب کی ذات کو بھی نئی تقویت دے رہا تھا۔ اب تیسری خواہش کے مطابق اُسے بیدخت کی خاطر ''زہرہ کے کنگن'' حاصل کرنے تھے مگر نہیں جانتا تھا وہ ہیکل زہرہ میں کہاں ہیں اور کس طرح حاصل کئے جا سکیں گے۔ اس کا خیال تھا، یہ کام ایوانِ ماکلوب کے فلکیاتی عجائب گھر سے شاہ یوسیفر کی انتہائی نادر قبا اُڑ[illegible] اور پ[illegible] سے زندانِ اجل سے [illegible] اسیروں کو نکال لانے سے زیادہ مشکل نہیں ہو

گا اور کسی نہ کسی ذریعے اُن تک پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن یہ تصور کسی طلسم ہوش ربا سے کم نہ تھا کہ وہ اپنی حسین کلائیوں میں ''زہرہ کے کنگن'' پہن کر ''اپنے کنوارے'' جسم پر فلکیاتی طلسم کی قبا اوڑھ کر اور آسمانی الٰہوں کے پراسرار اسمِ اعظم کا ورد کر کے کسی ابدی اور غیر فانی وجود میں منقلب ہو جائے گی۔

یہ تو ایک انہونا خواب تھا جو آج تک دنیا کی کسی عورت نے نہیں دیکھا ہوگا مگر جس طرح بیدخت خود کائنات کی تمام عورتوں سے مختلف اور حسین ترین تھی اسی طرح اس کا خواب بھی انوکھا اور عجیب ترین تھا۔

ممکن ہے دیوتاؤں کی دنیا میں ایسا ہوتا ہو۔ بت پرست اقوام میں جو عجیب و غریب اور محیر العقول داستانیں مشہور اور اُن کی مذہبی تہذیب کا جزو بن گئی تھیں، ایسے ہی مافوق الفطرت واقعات کا مجموعہ تھیں۔ ان داستانوں کے مطابق بعض بڑی بڑی دیویاں اپنے آپ سے معرضِ وجود میں آ گئی تھیں، ور اُن کے بطن سے بغیر باپ ایک بیٹا بھی ہوتا تھا جو فرزندِ آسمانی کہلاتا اور حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیتا تھا۔ بعض اوقات یہ دیویاں ایک دوسری میں منقلب ہو جاتی یا ایک دوسری کا ظہور بھی لیتی تھیں۔ چنانچہ مصر کی مہاماتا ہاتھر[1] جس کا جسم تو عورتوں جیسا پُرکشش مگر سر گائے کا تھا اور جس کے سینگوں کے درمیان سورج کا گولہ نظر آتا تھا، بڑی عجیب طاقتوں کی مالک سمجھی جاتی تھی۔ کبھی یہ رع دیوتا کی آنکھ بن کر اس کے دشمنوں کو فنا کرتی کبھی مینڈک کی شکل والی سکت دیوی میں منقلب ہو جاتی اور کبھی مقدس آسن کی مظہر بن جاتی تھی۔

جہاں تک کرۂ ارض کی کسی عورت کے منقلب ہونے یا ابدی زندگی حاصل کرنے کا تعلق تھا، اس ضمن میں یونان کی دیومالا سائیکی کی دلچسپ کہانی بیان کرتی تھی۔

اصنامی روایات کے مطابق سائیکی شاہِ یونان کی سب سے چھوٹی اور حسین ترین لڑکی تھی جس کے غیر معمولی حُسن کا شہرہ سن کر آسمانوں کی سب سے خوب صورت دیوی وینس نے اپنے فرزندِ آسمانی کیوپڈ کو سائیکی کا شکار کرنے کی خاطر زمین پر بھیجا۔ (کیوپڈ جیوپیٹر دیوتا کے نطفے سے تھا کیونکہ وینس کا پہلا شوہر جیوپیٹر ہی تھا) کیوپڈ جس کے ہاتھ میں کمان اور کمر پر ترکش تھا جس زمین پر پہنچا تو سائیکی کا حُسن دیکھ کر تیر چلانا بھول گیا بلکہ خود اس کے تیرِ نظر سے گھائل ہو کر لوٹا۔ وینس نے غصے میں آ کر سائیکی کو کوہ اولمپس پر چلوا دیا جہاں محبت کا مارا کیوپڈ اس کی

---

[1] بحوالہ ڈونلڈ میکنزی

حفاظت کرتا رہا۔ آخر کار سائیکی نے وینس کی ایک کڑی شرط پوری کر کے کیوپڈ کو جیت لیا اور جیوپیٹر نے اسے شرابِ الوہیت پلا کر آسمان کی غیر فانی اور ابدی[1] مخلوق میں شامل کر لیا جس کے بعد سائیکی بھی آسمانوں پر کیوپڈ کے ساتھ رہنے لگی۔

مہرتاب دیوی دیوتاؤں کے وجود سے منکر اور کورش ہخامنشی کی طرح پیغمبرِ زرتشت کا پیروکار تھا جس کے نزدیک خدائے واحد ''آہورموزدہ'' ہی تمام طاقتوں کا سرچشمہ تھا مگر اس کا ذہن یونان کی دیو مالائی داستان میں اُلجھ کے رہ گیا کیونکہ یونانی جس محبوبۂ افلاک کو ''وینس دیوی'' کے نام سے یاد کرتے، اہلِ بابل اسی کو الٰہتہ الجمال زہرہ قرار دیتے تھے مگر ان کے یہاں زہرہ کا کوئی بیٹا نہ تھا جس کے عشق میں مبتلا ہو کر بابل کی بلکہ کائنات کی سب سے خوب صورت عورت کسی دوسری ہستی میں منقلب ہو جانے اور ابدی زندگی پانے کی خواہش کرتی۔ اس کے برعکس وہ مہرتاب ہی کو اپنی محبت قرار دیتی اور آسمان پر بھی اس سے ملنے کی طلب گار تھی۔

معاملہ بے حد پیچیدہ اور پراسرار ہو گیا تھا اور زہرہ جمال اپنے خواب کی تعبیر میں اتنی سنجیدہ اور مگن تھی جیسے تیسری اور آخری خواہش پوری ہوتے ہی اس کی ذات مکمل ہو کر ابدی زندگی حاصل کر لے گی۔ اس کا یہی گہرا یقین مہرتاب کو مضمحل کئے دے رہا تھا۔ بیدخت کی تکمیلِ ذات کا مطلب کسی دوسرے وجود میں منقلب ہو جانا تھا چنانچہ اب ضروری ہو گیا تھا کہ اس کی نئی زندگی کے متعلق جسے وہ اختیار کرنا چاہتی تھی کچھ جاننے کی کوشش کرے۔ مگر حیران تھا کہ نہ جانے مستقبل نے اس کے لئے اپنے پردوں میں کیا چھپا رکھا ہے اور وہ کون سے خواب کا جام نوش کرنا چاہتی ہے۔

دنیا میں بعض مردوں، بعض عورتوں کے لئے کچھ عجیب سی باتیں مقدر ہوتی ہیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ بیدخت کے لئے کیا مقدر ہے مگر اپنے دل میں ایک ہلچل سی محسوس کرنے لگا تھا۔ خود بیدخت بھی بڑی بے چین، بڑی بے خود سی ہو رہی تھی جیسے صندوقچی کی پراسرار تحریر نے اس کے خواب کی تعبیر فراہم کر دی ہو اور جو کچھ وہ چاہتی تھی وہی ظہور میں آ رہا تھا۔ مہرتاب کو خاموش دیکھ کر کیونکہ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا، بیدخت نے اپنا ہاتھ آہستہ سے اس کے کندھے پر رکھ دیا اور بولی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

---

[1] صنمیاتِ یونان۔ معلومات از پروفیسر ہیلڈ ے نیز نیاز فتح پوری کا ''نگارستان''، مضمون ''کیوپڈ اور سائیکی''

وہ چونکا نہیں کیونکہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کچھ بولا بھی نہیں صرف اسے دیکھ کر رہ گیا۔ بعض اوقات خاموشی بھی کسی سوال کا جواب ہوتی ہے۔ بیدخت جانتی تھی اس کا ذہن کہاں الجھ کے رہ گیا ہے اور اُسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ ''مہرتاب! تم جاننا چاہتے تھے میری تیسری خواہش کیا ہے۔ سو جیسا تم چاہتے تھے میں نے اپنی تیسری خواہش بیان کر دی اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ اور ہوگا یہ کہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے......''

یہ کہہ کر ایک ساعت کے لئے رک گئی کہ شاید وہ کچھ کہے لیکن اسے گم صم سا دیکھ کر خواب آلود لہجے میں بولی۔ ''اب میں تمہارے جواب کی منتظر ہوں کہ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد کیا تم میرے لئے ''زہرہ کے کنگن'' حاصل کر سکو گے؟''

پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب بھی دینے لگی۔ ''مگر میں یہ کیوں پوچھ رہی ہوں۔ حالانکہ تم وہی کرو گے جو میں نے کہہ دیا ہے۔''

''بے شک میں وہی کروں گا جو تم چاہتی ہو۔'' مہرتاب کا جواب اس کی توقع کے مطابق تھا۔ ''تمہاری تین خواہشیں پوری کرنے کا قول دے چکا ہوں اور مرد جان ہارتے ہیں اپنا قول نہیں ہارتے۔ تین خواہشوں کے علاوہ اگر تمہاری کوئی اور تمنا ہو گی تو اسے بھی پورا کروں گا کیونکہ تمہاری آرزوؤں کی تکمیل میری زندگی ہے۔''

''بس مہرتاب! تم نے مجھے بے مول خرید لیا۔ دنیا کا کوئی مرد میرے لئے وہ کام نہیں کر سکتا تھا جو تم نے کئے۔''

مہرتاب آئینے کے سامنے سے ہٹ کر جس میں ان دونوں کے عکس نظر آ رہے تھے دریچے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور اس کی طرف پلٹے یا دیکھے بغیر کہنے لگا۔

''بیدخت! کچھ باتیں کہنے کی ہوتی ہیں، کچھ نہیں ہوتیں۔ مگر میں نے تم سے اپنے متعلق کوئی بات نہیں چھپائی۔ جو کچھ مجھ پر گزری، بیان کر دی۔ تم میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟ کیا سوچتی ہو، یہ میں نے کبھی نہیں پوچھا۔ مگر تمہارے متعلق جو کچھ میں سوچتا ہوں وہ مختصر لفظوں میں یوں ہے کہ تم میری محبت ہو تمہیں مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ لیکن جس طرح آج بتا رہی ہو کہ مجھ سے جدا ہو جاؤ گی اسی طرح ایک دن میں بھی تمہیں یا تمہاری محبت کو ہاروت ماروت کے عوض ہار آیا اور سمجھ بیٹھا تھا کہ شاید تقدیر مجھے تم سے جدا کر دینا چاہتی ہے۔ مگر تم نے ہاروت

ماروت کا پتہ بتا کر میری ہار کو پھر جیت میں بدل دیا۔ تب میں نے سمجھ لیا کہ ہمارے درمیان کوئی ایسا ناتا ہے جو ہمیں جدا نہیں ہونے دیتا اور جیسے مقدس گوما نے کہا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے انجام میں شریک ہوں گے تو شاید ایسا ہی ہو لیکن اب تم یہ کہتی ہو کہ تیسری خواہش پوری ہو جانے کے بعد کسی دوسرے وجود میں منقلب ہو جاؤ گی اور مجھ سے دُور چلی جاؤ گی۔ شاید آسمان پر مگر ——" اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے مُڑا اور بیدخت کی طرف انگلی اٹھا دی۔ "میں تمہارے اسی وجود اور اسی سراپا سے محبت کرتا ہوں جو اس وقت میرے سامنے ہے اور بہاروں سے زیادہ رنگین اور ستاروں سے بڑھ کر حسین ہے۔ مگر اس وجود کے بارے میں کچھ نہیں جانتا جسے تم اپنی ذات کی تکمیل قرار دیتی ہو۔ اس لئے تیسری خواہش پوری کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم کیا بننا اور کہاں جانا چاہتی ہو؟"

"مہرتاب —— مہرتاب!" بیدخت کے دل میں جیسے محبت کا کوئی نیا غرفہ کھل گیا اور بے تابانہ اس کی طرف بڑھی۔ "اگر تم یہ بات نہ پوچھتے میں پھر بھی تمہیں بتاتی کہ کہاں جانا اور کیا بننا چاہتی ہوں۔" یہ کہتی ہوئی اس سے صرف ایک دو قدم کے فاصلے پر رک گئی اور جیسے کوئی نیند کی کیفیت میں ہم کلام ہوتا ہے، آہستہ سے بولی۔

"میرا خیال ہے تم میری منزل سے واقف اور میرے خواب کی تعبیر جانتے ہو۔"

مہرتاب نے چشمِ حیرت سے دیکھا۔ "میں تمہارے خواب سے آگاہ نہیں اس کی تعبیر کیا جانوں گا؟"

"کچھ بھول رہے ہو مہرتاب!" اور اونگھتے لہجے میں اُسے یاد دلانے لگی "میرے خواب کی تعبیر تم پہلی ملاقات ہی پر جان گئے تھے۔ وہ دیوتاؤں کی عبادتِ عام کی رات تھی جب تم مجھے معبد اکور میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے اور میں حیران رہ گئی تھی کہ کچھ کہے، کچھ سنے بغیر چلے گئے ہو۔ اسی عالمِ حیرت میں رتھ میں بیٹھ کر تمہارے پیچھے نکلی۔ تمہاری تلاش تھی مجھے اور تم بھی شاید اس بات کے منتظر تھے کہ تمہارے پیچھے آتی ہوں یا نہیں اور جو کچھ تم چاہتے تھے وہی ہوا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار کسی مرد کا پیچھا کیا اور تم مجھے "دیوتاؤں کی دیوار" کے پاس مل گئے۔ عجیب تھی وہ ملاقات۔ تم میرا قرب بھی چاہتے تھے اور کترا بھی رہے تھے۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتی تھی اور ہچکچا رہی تھی۔ مجھے تمہاری یا پھر تمہاری مدد کی ضرورت تھی مگر تم مجھے اپنا پابند کر لینا چاہتے تھے جس پر میں تیار نہ تھی اور تم یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے کہ "شرط منظور ہے تو پیچھے پیچھے چلی آؤ اور اگر آسمان کی زہرہ بننے کے خواب بھی دیکھ رہی ہو تو میں تمہارے خوابوں کی تعبیر مہیا کروں گا۔"

تمہارے ان الفاظ نے میرے ہوش اُڑا دیئے۔ میں تمہارے پیچھے بھاگی اور اس شرط پر تمہاری پابند ہو گئی کہ تم میرے خوابوں کی تعبیر مہیا کرو گے۔ شاید تمہیں یہ سب کچھ یاد نہیں رہا۔"

مہرتاب اُسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے ابھی ابھی کسی خوابِ طلسم سے بیدار ہوا ہو اور حیرت زدہ سا بولا۔ "کیا آسمان کی زہرہ بننا چاہتی ہو؟"

بیدخت نے بدلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "میں زہرہ جمال ہوں۔ میرا ستارہ زہرہ ہے جو زمین پر میری پیدائش کے دن سے مجھ پر اپنا اثر ڈالتا اور مجھے اپنی طرف کھینچتا ہے۔" وہ ایک ساعت کے لئے خاموش ہو گئی، کچھ سوچتی رہی پھر یک لخت بولی۔ "ربۂ زہرہ مجھے اپنے آسمان پر بلا رہی ہے اور بے چین ہے میرے لئے کیونکہ میں اس کی بیٹی ہوں۔ دُخترِ زہرہ ہوں میں۔"

مہرتاب فرطِ تحیر میں اچھل کر پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹکرا گیا۔ "کیا کہا تم نے؟"

"حیران کیوں ہو گئے۔ جو کچھ تم نے سنا ہے وہی میں نے کہا ہے اور یہ کہا ہے میں نے کہ دُخترِ زہرہ ہوں۔"

مہرتاب کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی آواز زمین کی بجائے آسمان سے آ رہی ہو۔ حیران اس لئے تھا کہ زہرہ جمال جو کچھ کہہ رہی تھی پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہہ رہی تھی اور اب اس بات پر مصر تھی کہ وہ بھی اُسے "دُخترِ زہرہ" سمجھے۔ اُسے حیرت زدہ دیکھ کر کہنے لگی۔

"کیا میں دنیا کی ساری عورتوں سے الگ تھلگ نہیں؟"

"بے شک ہو۔"

"کیا کائنات کی کوئی عورت حُسن و خوب صورتی میں میری مثال ہے؟"

"نہیں، تمہارا حُسن بے مثال ہے۔"

"اور بے مثال حُسن بعض لڑکیوں کو صرف ماں کی طرف سے ورثے میں ملتا ہے۔ میں اس لئے بے مثال ہوں کہ ربۂ جمال کی بیٹی ہوں اور حُسن مجھے آسمان سے عطا ہوا ہے۔"

مہرتاب اس عجیب و غریب استدلال پر دنگ رہ گیا۔ بیدخت کا حُسن فی الواقع ایسا ہی تھا جسے "عطیۂ آسمانی" کہنا مناسب ہو گا۔ کم از کم چشمِ انسانی نے ایسے بے مثال اور سحر آفریں حُسن کا نظارہ پہلے نہیں کیا تھا۔ پھر بھی یہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا کہ وہ کسی آسمانی دیوی کی اولاد ہو سکتی ہے۔ اس کی دلیل کو رد کرتے ہوئے کہنے لگا

"تم نے اسی زمین پر ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔"

"مگر میری روح آسمان سے آئی تھی۔"

مہرتاب چونک سا گیا۔ بے شک دیوتاؤں کے وجود کا قائل نہ تھا پھر بھی یقین رکھتا تھا کہ روحیں آسمان سے آتی اور آسمان ہی کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ اس حد تک بیدخت کی بات سے انکار نہ کرسکتا تھا لیکن فوراً ہی کچھ سوچ کر بولا۔ "سب لوگوں کی روحیں آسمان سے آتی ہیں۔ کیا یہ سب لوگ دیوی دیوتاؤں کی اولاد ہیں؟"

اب بیدخت نے وہ خیال پیش کیا جس پر کاہنوں، ساحروں اور انجم شناسوں سے لے کر دینِ اکد کے تمام پرستار یقین رکھتے تھے ____ "سب لوگ دیوی دیوتاؤں کی اولاد نہیں ہو سکتے۔ صرف ان کی پیدائش دیوتاؤں کے زیر اثر ہوتی ہے اور ہر شخص اپنے دیوتا یا ستارے کے روحانی اثرات کا پابند ہو جاتا ہے۔"

کلدانیوں کا عقیدہ تھا زمین پر سات[1] ستارے اثر انداز ہوتے ہیں جنہیں بزرگانِ اکد نے "سیارگانِ الوہیت" قرار دے کر خدائی میں شریک کر لیا تھا۔ ان کے عقیدے کے بموجب زمین پر ہونے والا ہر واقعہ انہی کی گردش و رفتار کا نتیجہ تھا۔ اس دور میں دنیا کی تمام قومیں ستاروں کے اثرات کی قائل اور ان کی تاثیر کو مانتی تھیں بالخصوص پیدائش اور موت کو ستاروں کی تاثیر کا ثمرہ قرار دیا جاتا اور اہلِ نجوم سے زائچے نکلوائے جاتے تھے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی شخص ستاروں کے اثر سے باہر نہیں۔ یہ بات مہرتاب بھی مانتا تھا۔ اس لئے خاموشی سے بیدخت کی گفتگو سنتا رہا۔

"مہرتاب! کائنات میں کچھ خاص ہستیاں بھی ہیں جن پر دیوتاؤں کا خاص کرم ہوتا ہے۔ ان کی روحیں بھی عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہیں۔"

"ان خاص ہستیوں کا تعلق ستاروں سے ہوتا ہے جنہیں تم دیوتا اور میں مقدرات سمجھتا ہوں۔"

بیدخت کے ہونٹوں پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "تم نے اندر سے میری بات

1۔ ستاروں کی گردش و رفتار اور بروجِ سماوی سے متعلق اہلِ بابل کی تحقیق کو دیگر اقوام نے بھی تسلیم کیا البتہ ماہرینِ فلکیات نے مزید دو ستارے دریافت کئے جس کے بعد ہمارے قبیلۂ شمسی کے ستاروں کی تعداد سات سے نو ہوگئی۔ دنیا کا سارا علمِ نجوم انہی ستاروں کے گرد گھومتا ہے۔ (مصنف)

مان لی ہے مگر باہر سے انکار کئے جاتے ہو۔"

"کیا مان لیا ہے میں نے؟"

"یہ مانتے ہو کہ روحیں آسمانوں سے یا ستاروں سے آتی ہیں اور بعض ہستیوں کا اپنے ستاروں سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ تمہیں یہ بھی اعتراف ہے کہ میں کائنات کی ایک خاص عورت ہوں۔ تو کیا میری رُوح کا معاملہ عام عورتوں جیسا ہوگا؟"

وہ یک لخت خاموش ہوگئی اور چند لمحوں بعد بولی۔

"نہیں مہرتاب! جس طرح میں خود بے مثال ہوں، اسی طرح میری روح بھی مادرِ جمیل زہرہ کی ودیعت ہے کیونکہ جس رات میری ولادت ہوئی ربۂ زہرہ "برجِ حمل"[1] میں اور زمین سے بہت قریب تھی۔"

"اُس رات اور بھی بہت سی لڑکیاں پیدا ہوئی ہوں گی۔"

"مگر اُن میں دُخترِ زہرہ صرف میں ہوں۔ تم یہ سن کر حیران ہو گے کہ میں سنِ بلوغت کو پہنچنے سے پہلے کم سنی ہی میں زہرہ کو اپنے خوابوں میں دیکھتی رہی ہوں اور مجھے کئی بار بتایا گیا کہ میں "دُخترِ زہرہ" ہوں۔"

مہرتاب اس کی باتوں پر حیران ہوتا رہا کیونکہ ان کے بعض پہلو ایسے تھے جن کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر اب اُسے ذرا دل لگی سوجھی۔ "دینِ اکد کے مطابق زہرہ سولہ برس تک ہر کنواری کا ازالۂ دوشیزگی چاہتی ہے اور تم......"

بیدخت کے روئے حسین پر ایک عجیب سی کیفیت گزر گئی اور لرزتی آواز میں بتانے لگی۔

"بے شک مادرِ جمیل دوشیزگی کو پسند نہیں کرتی۔ اس کے نزدیک یہی وہ سرمایۂ جمال ہے جسے بار بار لٹا کر عورت خوش ہوتی ہے لیکن میں اگر بیس برس تک اچھوتی رہی ہوں تو صرف اس لئے کہ مجھے خواب میں ازالۂ دوشیزگی سے روک دیا گیا تھا۔"

"حالانکہ "دُخترِ زہرہ" ہونے کے ناتے دیوی کی خوشنودی حاصل کرنا تم پر واجب تھا۔"

مہرتاب نے بڑی چبھتی ہوئی بات کہہ دی تھی مگر وہ بھی اپنی بے چینی چھپا نہ سکی اور اس کے ساتھ لگ کر بولی۔ "تمہیں کیا معلوم کہ میں ان حسین لمحوں کا کب سے انتظار کر رہی ہوں، جب مادرِ مہربان کی خوشنودی حاصل کروں۔ تم جیسے یگانۂ عصر مرد کو دیکھ کر تو کوئی عورت اپنے آپ پر

1۔ آسمان کے بارہ برجوں میں سے پہلا برج۔ (مصنف)

قابو نہیں رکھ سکتی مگر میں اپنے دل پر جبر کرتی رہی ہوں کیونکہ بڑے مقصد کی خاطر چھوٹے مقصد قربان کرنا پڑتے ہیں۔''

''کیا ہے وہ بڑا مقصد؟''

بیدخت کی آواز پر پھر غنودگی غالب آ گئی اور اسی حالت میں اس نے ایک عجیب انکشاف کیا۔ ''کئی برس پہلے مجھے خواب میں ہدایت کی گئی تھی کہ آسمانوں سے ہبوط کے بعد میرے صعود کی بھی ایک شرط ہے کہ کنواری رہوں اور آج ہاروت ماروت نے شاہ یوسیفر کی صدیوں پرانی جو تحریر پڑھی ہے اس نے ثابت کر دیا کہ میرا خواب غلط نہ تھا کیونکہ یہاں بھی ابدی زندگی کے حصول اور آسمان کی طرف واپسی کی شرط میری بکارت اور دوشیزگی ہے۔''

مہر تاب بری طرح چونک اٹھا۔ اگر بیدخت نے واقعی کوئی خواب دیکھا تھا جس میں اُسے کنواری رہنے کی ہدایت کی گئی اور اسی ہدایت کے مطابق اُس نے چار برس قبل بیلشازار سے مہلت مانگ لی تھی تو یہ انکشاف یقیناً حیرت انگیز بلکہ بے حد سنسنی خیز تھا کہ شاہِ یوسیفر کی پراسرار تحریر میں بھی دیوتاؤں کی مانند ابدی ہو جانے کے لئے کنوار پن لازمی قرار دیا گیا تھا اور اکدی زبان کی وہ قدیم اور پیچیدہ تحریر جس کا ہاروت ماروت نے آرامی زبان میں ترجمہ کیا ان دونوں نے آج ہی سنی تھی۔ اس سے پہلے خود بیدخت بھی اس کے مضمون سے آگاہ نہ تھی۔

''تو کیا مطلب ہے اس کا؟'' مہر تاب نے اپنے ذہن سے سوال کیا۔ ''بیدخت کے خواب اور پراسرار تحریر میں کنوار پن کی یکسانی محض اتفاق ہے یا کوئی طلسم؟''

وہ سوچنے لگا۔ اگر یہ اتفاق ہے تو بھی اس کے پیچھے کوئی ایسی پراسرار بات ضرور ہے جو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی مگر کائنات کی سب سے خوب صورت نازنین کا بیس برس کی عمر تک اچھوتی رہنا جب کہ اس کے ہزاروں نہیں لاکھوں طلب گار تھے، محض اتفاق نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی تین عجیب و غریب خواہشیں بھی جن کا آپس میں گہرا تعلق تھا اتفاقات میں شمار نہ ہوتی تھیں۔ صندوقچی کی پراسرار تحریر تو بالکل سحرِ بابل کی طرح کھلی تھی۔ حالانکہ وہ خود ایوانِ ماکلوب کے فلکیاتی عجائب گھر میں داخل ہوا جہاں کسی کا داخلہ ممکن نہ تھا اور عطارد دیوتا کے پیٹ سے نادر صندوقچی نکال لایا تھا جس میں صدیوں پرانی قبائے طلسم محفوظ تھی اور یہ کوئی اتفاق نہ تھا کیونکہ صندوقچی بیدخت کی خواہش اور فرمائش پر حاصل کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُسے جیسے

الہام یا عرفان ہوا کہ زہرہ جمال سے اس کی ملاقات بھی اتفاقیہ نہ تھی جیسے وہ آج تک سمجھتا رہا بلکہ آسمان کے نیلے پردوں میں مستور تقدیر کا طے شدہ فیصلہ تھا کہ وہ باہم ملیں اور ایک دوسرے پر فدا ہو جائیں اور ہوا بھی یہی تھا۔ وہ بیدخت کو دیکھ کر دل ہار بیٹھا تھا۔ بیدخت اُسے دیکھ کر دیوانی ہو گئی تھی۔

سب سے انوکھا اور دلچسپ معاملہ یہ تھا کہ مہر تاب کا ستارہ عطارد تھا اور وہ صندوقچی جس پر ایک عجیب تحریر کندہ تھی اور جس میں بیدخت کی ذات کو مکمل کرنے والی قبائے طلسم بند تھی، عطارد دیوتا کے پیٹ میں محفوظ کی گئی اور اُسے عطارد مرد مہر تاب ہی نکال کر لایا تھا۔ یہ سب کچھ بھی اتفاقی نہ تھا بلکہ ان واقعات میں ایک حیرت انگیز ربط، ایک معنی خیز تعلق موجود تھا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ معاملے کی صورت انتہائی پیچیدہ ہے۔

انہی خیالات میں گم تھا کہ بیدخت کا نرم و نازک ہاتھ اس کے کندھے پر آیا اور کہنے لگی۔

''مہر تاب! اب تو تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ میری خواہشوں کا مقصد کیا تھا۔ کیونکہ تیسری خواہش پوری ہو جانے کے بعد میں زمین سے آسمان کی طرف پرواز کروں گی اور اپنی مادرِ جمیل زہرہ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔ تشرین کے مہینے میں میری مہلت ختم ہونے والی ہے اور آنے والے برے دنوں سے صرف وہی رات مجھے بچا سکتی ہے جو آسمان پر آئے گی۔ بے شک میں تم سے جدا ہو جاؤں گی لیکن وہ جدائی عارضی ہوگی۔ کیونکہ بچھڑنا اس دنیا میں اور ملنا اُس دنیا میں ہوگا جہاں ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔''

بیدخت کی ہر بات گنجینۂ اسرار تھی جس میں مہر تاب ڈوبتا چلا گیا اور بالکل غیر شعوری طور پر پوچھنے لگا۔ ''تم نے یہ نہیں بتایا کہ میں آسمان پر کیسے پہنچوں گا؟''

''یہ تو میں نہیں جانتی مگر میرے بعد تمہارا بھی آسمان کی طرف صعود ہوگا اور یہ بات میں قیاس سے نہیں بلکہ اپنی آسمانی بصیرت سے کہتی ہوں کہ جس طرح میں دخترِ زہرہ ہوں اسی طرح تم ربّ النوع عطارد کے فرزند ہو۔''

مہر تاب پر ایک لرزہ خیز حیرت گزر گئی۔ وہ اپنے ساتھ اُسے بھی کسی دیو مالائی طلسم میں لپیٹ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو، میں دیوتاؤں کو نہیں مانتا۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' بیدخت کہنے لگی۔ ''یہودی بھی نہیں مانتے اور ان دیکھے خدا

"یہواہ" کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے مذہبی صحیفے تو برباد ہو گئے۔ اب وہ صرف قصے کہانیاں[1] بیان کرتے ہیں۔ صابئی[2] بھی ستاروں، فرشتوں اور جنوں کو مانتے مگر دیوتاؤں کے وجود سے منکر ہیں اور یہ فارس و ماد کے عجمی جو بابل کو گھیرے بیٹھے ہیں "آہور موزدہ" کو خالقِ کائنات بتاتے ہیں۔ دنیا میں ہر قوم کا اپنا معبود ہے مگر دیوتاؤں کی وہ ان دیکھی طاقتیں جو زمین سے آسمانوں تک حرکت کرتی ہیں ناقابلِ انکار ہیں کیونکہ پوری دنیا ان کے قبضۂ اختیار میں ہے۔"

مہرتاب مسکرادیا۔ "دیوتا تو اپنے جسم پر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ بیچارے سنگ تراشوں کے محتاج ہیں۔"

"پتھر کے جسم تو صرف دیوتاؤں کی صفات کے مظہر ہیں، ان کے روحانی جسم اور ہوتے ہیں۔"

"مگر دنیا پر جس طاقت کا اختیار ہے اُسے قدرت کہتے ہیں۔"

"قدرت کیا ہے؟ صرف دیوتاؤں کی مرضی۔"

مہرتاب نے حیرت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور وہ خواب آلود سے لہجے میں بولی۔ "دیوتاؤں کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا مہرتاب! تم نے چاہِ بابل کے حصار میں بنو سلان جیسے خونخوار آدمی کو قتل کیا اور اسیروں کو نکال لائے۔ باغاتِ معلقہ میں بیلشازار جیسے جنگی مرد کو شکست دی اور شمورہ کو جیت لیا۔ بے شک تم بہادر اور طاقت ور ہو اور کوئی آدمی تمہیں شکست نہیں دے سکتا لیکن جب تلوار اٹھاتے اور وار کرتے ہو تو تلوار تم نہیں اٹھاتے اور وار تم نہیں کرتے بلکہ تمہاری طرف سے یہ سارے کام کوئی اور کرتا ہے۔"

مہرتاب حیران رہ گیا۔ "اور کون کرتا ہے؟"

---

1. ہیکلِ سلیمانی کی تباہی اور آسمانی صحائف کی بربادی کے بعد یہود کے پاس کتابِ شریعت رہی تھی، نہ کوئی دوسرا صحیفہ۔ اس دورِ غلامی میں قصص و روایات کا عام رواج ہوا۔ انہی قصے کہانیوں نے بعد ازاں "تالمود" کے علاوہ "ملکاہ" اور "مگدہ" ایسی کتابوں کی شکل اختیار کر لی جو روایات و حکایات پر مشتمل ہیں۔ (بحوالہ عمانوئیل ڈائچ)

2. صابئی خدا کو مانتے، فرشتوں، جنوں، ستاروں اور منجمین پر اعتقاد رکھتے نیز علم انساب، علم الانوار (علم نجوم) اور تعبیر الرویا میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ (تاریخ ابوالفدا اور سیل صاحب کی تصنیف "انجیل اور قرآن" صفحہ 16 تا 18)

"دیوتا۔ جو تمہاری حفاظت پر مامور ہیں۔ کیونکہ تم ان کے قبیلے سے تعلق رکھتے اور فرزندِ عطارد ہو۔"

کس قدر عجیب تھا یہ معاملہ۔ ایک بار اس نے آموسی نورناہید کو جب پہلی بار اس کا مہمان ہوا ہنسی ہنسی میں بتایا تھا کہ وہ دیوتاؤں کا فرزند اور آسمان سے اُتر کے آیا ہے مگر آج دنیا کی سب سے خوب صورت عورت سچ مچ اُسے "فرزندِ عطارد" کہہ کر حیرتوں کے طلسم بکھیر رہی تھی اور وہ اس طلسم میں اُلجھتا جا رہا تھا۔ پریشان سے لہجے میں بولا۔ "بس بیدخت! بات یہیں تک رہنے دو کہ تمہارا استارہ زہرہ اور میرا استارہ عطارد ہے۔ مگر نہ تم دخترِ زہرہ ہو نہ میں فرزندِ عطارد ہوں۔ یہ دنیا دیوتاؤں کی نہیں، انسانوں کی ہے۔"

جبھی دنیا سے ہمارا تعلق صرف اتنا ہے کہ لاکھوں برس پہلے ہمیں آسمانوں سے زمین پر پھینک دیا گیا تھا اور ہم ہر جنم میں واپس جانے کی کوشش کرتے رہے مگر نجانے کتنی ناکامیوں کے بعد اب ہمارے صعود کا وقت آیا ہے۔ پہلے میں آسمان پر جاؤں گی پھر تم۔"

مہرتاب کچھ اور پریشان ہو گیا۔ اُس کے نزدیک یہ بات بڑی عجوبہ اور ناقابلِ یقین تھی کہ وہ دونوں کسی زمانے میں آسمانوں پر رہتے تھے اور ایک دن ربۂ تھیامتہ نے انہیں اٹھا کر زمین پر پھینک دیا تھا۔ بالکل دیو مالائی کہانی تھی۔ اُسے خیال آیا جیسے بیدخت نے زہرہ کے خواب دیکھے ہیں ممکن ہے یہ بھی اس کا کوئی خواب ہو۔ "معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔"

"ہاں خواب ہی دیکھا ہے میں نے۔ بڑا دُھندلا دُھندلا، بڑا مدھم مدھم سا۔ بعض باتیں دکھائی نہیں گئیں کیونکہ واقعہ ہزاروں یا شاید لاکھوں برس پہلے کا ہے۔"

"خواب تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ شاید تمہارے خواب کی تعبیر بھی کچھ اور ہو۔"

"نہیں مہرتاب!" وہ یقین سے کہنے لگی۔ "میں جو خواب دیکھتی ہوں دیوتا خواب ہی میں مجھے اس کی تعبیر بھی بتا دیتے ہیں۔ میں تیرہ چودہ برس کی تھی جب مجھے رویا میں کنواری رہنے کی ہدایت کی گئی اور آج تم نے سن لیا یوسیفر کی تحریر بھی یہی کہتی ہے کہ آسمان کی طرف واپسی کے لئے میرا باکرہ ہونا ضروری ہے۔"

بیدخت کا رویا اور یوسیفر کی تحریر بھی حیران کن تھی مگر آسمان سے ہبوط (نیچے اُترنا یا گرنا) اور آسمان کی طرف صعود (اُوپر چڑھنا یا پرواز کرنا) سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی۔ بیدخت کو مایوس یا پریشان بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ محبت تقاضا کر رہی تھی کہ اس کی خوشی کو مقدم رکھے۔ دو

خواہشوں کی تکمیل کے بعد تیسری اور آخری خواہش بھی پوری کرنا چاہتا تھا مگر ہبوط اور صعود والا معاملہ اُلجھائے دے رہا تھا۔ اب اُسے یا پھر اپنے آپ کو سمجھانے لگا۔

"یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ کسی زمانے میں ہمیں آسمانوں سے زمین پر پھینک دیا گیا۔ صرف ایک خواب ہے تمہارا۔"

"بہت سی باتیں ہماری عقل میں نہیں آتیں اور بہت سے خواب سچے ہوتے ہیں۔"

"ممکن ہے تعبیر کچھ اور ہو کیونکہ جس طرح آج تک کسی کو آسمان سے زمین پر نہیں پھینکا گیا اسی طرح کسی کو آسمان پر جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا گیا۔"

بیدخت اُسے تعجب کی نظروں سے یوں دیکھنے لگی جیسے وہ حکمت و دانش سے محروم ہو گیا ہو۔ "یہ تم کہتے ہو مہرتاب! جو بہت سی حکمتوں کو جانتے اور الٰہوں کی زبان میں گفتگو کرتے ہو؟"

"کیا تمہیں حیرت ہوئی میری بات پر؟"

"ہاں ـــــ اور حیرت اس لئے ہوئی کہ تم اس بات سے انکار کرتے ہو جسے ہمارے زمانے کے لوگ اور پہلے وقتوں کے لوگ بھی مانتے آئے ہیں۔"

"کس بات کو مانتے ہیں لوگ؟"

بیدخت دریچے سے ہٹ کر پھر آئینے کے پاس آ گئی اور پُرخیال انداز میں بتانے لگی۔

"شاید تم بھول گئے ہو مگر اس بات کو ایک دنیا مانتی ہے۔ یہودی غلاموں سے لے کر عرب کے صحرانشینوں تک سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ کسی گناہ کی پاداش میں آدم اور حوا کو آسمانوں کی جنت سے نکال کر زمین پر پھینک دیا گیا تھا۔"

یہ سنتے ہی مہرتاب چونک کر پیچھے ہٹا اور اس آدمی کی طرح جس پر سحر کر دیا گیا ہو، اُسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگا کیونکہ بیدخت نے آدم اور حوا کے ہبوط کا ذکر چھیڑ کر اُسے لاجواب کر دیا تھا۔

سامی اور بہت سی غیر سامی اقوام میں بھی یہی کہانی مشہور تھی کہ آدم اور حوا آسمانوں کی جنت میں رہتے تھے اور وہاں انہیں ایک درخت یا شجر کے پاس جانے سے روک دیا گیا تھا جس میں حیاتِ ابدی یا نیک و بد کی پہچان کا جوہر تھا۔ مگر ابلیس یا سانپ نے جنت میں داخل ہو کر حوا کو بہکایا جس پر اس نے خود بھی درخت کا پھل کھایا اور آدم کو بھی کھلایا۔ پھل کھاتے ہی دونوں کو

پہلی بار اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔ اس حکم کی خلاف ورزی پر انہیں ابلیس سمیت جنت سے نکال کر کرۂ ارض پر پھینکا یا اُتارا گیا[1]۔ چنانچہ زمین پر اُن کی نسل چلی اور دنیا میں پھیل گئی۔

ایشیا بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کی سب قومیں اس کہانی پر جو کسی دیومالائی داستان سے کم حیرت انگیز نہ تھی اعتقاد رکھتی تھیں۔ صحرائے عرب کے بادیہ نشینوں نیز یہودیہ و سامریہ کے اسرائیلی قبائل اور بابل میں اسیری کی زندگی گزارنے والے یہودی غلاموں سے لے کر اس علاقے میں بسنے والے بُت پرستوں تک بھی کسی نہ کسی رنگ میں قصۂ آدم بیان کرتے اور آسمان سے زمین پر پھینکے جانے کے خلافِ عقل واقعہ کو مانتے تھے۔

اب مہرتاب کے لئے ایک ہی راستہ تھا، وہ آدمؑ وحوا اور ابلیس کے ہبوط سے انکار کر دے یا بیدخت کے اس خواب کو مان لے کہ وہ دونوں بھی اپنے دشمن سمیت لاکھوں برس پہلے آسمانوں سے زمین پر پھینک دیئے گئے تھے۔ سب سے زیادہ اس بات پر متعجب بلکہ دم بخود سا تھا کہ آدم کی داستان اور بیدخت کے رویا میں افراد کی مماثلت حیرت انگیز تھی۔ وہاں بھی تین ہستیاں تھیں جنہیں زمین پر اتارا گیا یعنی آدم، حوا اور ابلیس اور یہاں بھی تین وجود تھے جو آسمانوں سے پھینکے گئے وہ خود، بیدخت اور اس کا رقیب جس کے متعلق زہرہ جمال نے اشارہ

---

[1] ہبوطِ آدم پر بہت سی قوموں کا اتفاق ہے۔ "خداوند خدا نے اس آدم کو باغِ عدن سے باہر کر دیا تا کہ وہ اس زمین کی جس سے وہ لیا گیا تھا، کھیتی کرے۔ چنانچہ اُس نے آدم کو نکال دیا۔" (عہد نامۂ قدیم، کتاب پیدائش باب 3) یہود کی کتاب روایات میں جنت سے آدم کے اخراج کا واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ ملاحظہ ہو (تالمود از مدرش ربی باب 4 صفحہ 126) قرآنِ پاک میں ہے وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ O اور ہم نے کہا اُتر جاؤ (یا نکل جاؤ) تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں۔ تمہارے لئے ایک وقت تک زمین ہی میں رہنا اور سامانِ معیشت مقرر ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت 37) تفاسیر میں مفسرین نے ہبوطِ آدم یا اخراجِ جنت پر بڑی خیال آرائیاں کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں آدم کو جنت سے نکال کر ہندوستان میں اتارا گیا۔ بعض کے نزدیک مکہ اور طائف کے درمیان دحنا کے مقام پر ہبوط ہوا۔ ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ آدم کو ہندوستان میں، حوا کو جدہ میں اور شیطان کو بصرہ سے چند میل دور دستمیسان کے مقام پر اتارا یا پھینکا گیا۔ (تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، فتح البیان نیز حافظ ابن قیم کی کتاب حادی الارواح)

کیا تھا کہ وہ بیلشازار ہے۔

تحیر و تعجب کے کئی بھنور تھے جن میں اس کا ذہن ڈوبتا چلا گیا۔ عقل و فکر کی پہنچ سے دور کچھ مسلمات تھے جو یقین کو متزلزل کیے دے رہے تھے۔ لوگوں کا دستور ہے وہ دوسروں کے عقائد پر انگلی اٹھاتے ہیں مگر اپنے مسلمات کی کمزوری یا خامی کو نہیں دیکھتے۔ مہرتاب نے غور کیا تو بیدخت کا وہ ناقابل یقین خواب جو اس کے دیو مالائی تصورات کا عکس معلوم ہوا تھا اب ایک شکل اختیار کرنے لگا۔ آدم و حوا کا قصہ ہزاروں برس پرانا ہے نہ جانے تب کیا ہوا کیا نہیں ہوا۔ لیکن جو کچھ سنا جاتا ہے وہ طلسمات و عجائبات کی مانند پراسرار اور ناقابلِ فہم ہے۔ اس تحیر و تعجب کی حالت میں وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ کائنات کی بہت سی باتیں انسان کے فہم و ادراک سے پوشیدہ ہیں۔ لوگ انہیں معجزات اور خوارق مان لیتے یا پھر ماورائی طاقتوں اور دیوی دیوتاؤں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کی مرضی سے ہو رہا ہے تاہم وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی پراسرار طاقت انسان کے ساتھ ساتھ چلتی اور اس کی رہنمائی یا حفاظت کرتی ہے۔

دیوتاؤں اور آدم و حوا کے بارے میں ہونے والی گفتگو نے ایک عجیب سی فضا پیدا کر دی۔ دونوں خاموش تھے۔ نہ کوئی بول رہا تھا، نہ کوئی سن رہا تھا۔ بیدخت اس کی نئی حالت پر حیران سی تھی۔ وہ اس کے عجیب و غریب رویا پر دنگ سا اور محسوس کر رہا تھا جیسے بیدخت کا حسین ترین پیکر تو یہیں ہے لیکن روح کہیں اور بھٹک رہی ہے۔ شاید تیسرے آسمان پر۔ اُسے زہرہ سے کوئی نہ کوئی نسبت ضرور تھی اور وہ سوچ رہا تھا اب کچھ پوچھنا بے کار اور کسی بحث میں اُلجھنا لاحاصل تھا۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہوتا رہے۔ وہ اس کی تیسری خواہش بہرحال پوری کرے گا۔

بیدخت بھی کچھ سوچ رہی تھی اور بڑی عجیب تھی اس کی سوچ۔ اچانک طویل خاموشی کو توڑتی ہوئی کہنے لگی۔ ''مہرتاب! شاید تم مانو یا نہ مانو مگر کبھی کبھی میں سوچتی ہوں وہ آدم و حوا ہم ہی تھے، جنہیں جنت سے نکال کر زمین پر پھینک دیا گیا تھا اور اب عنقریب آسمانوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔''

مہرتاب اس خیال پر تڑپ اٹھا کہ شاید وہی آدم و حوا ہوں۔ یہ اور انوکھی بات تھی، مگر فیصلہ کر چکا تھا کسی بحث میں الجھے گا نہیں۔ ''سنو بیدخت! ماضی میں جو کچھ ہو گزرا مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ وقت اور زمانے نے ماضی کے حالات پر بہت سے پردے گرا دیئے ہیں اور سب کچھ ایک کہانی کی طرح لگتا ہے۔ میں، تم اور ہماری طرح اور لوگ بھی گزرے واقعات کے

بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سوچتے ہیں۔ ممکن ہے سب کی کہانی ایک ہو۔ ممکن ہے الگ الگ ہو۔ جو کچھ ہو چکا اس کے متعلق کچھ کہنا بیکار ہے مگر جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ہم ذمے دار ہیں۔''

وہ ایک دم بدل گئی اور عجیب سی کیفیت میں جیسے کوئی نیند میں خواب دیکھتا یا کلام کرتا ہے، بولنے لگی۔ ''مہرتاب! میں نہیں جانتی تم نے میرے خواب کو مان لیا ہے یا اب بھی اس کی تعبیر چاہتے ہو۔ لیکن میری تیسری خواہش پوری ہو گئی تو دنیا ایک ایسا عجیب واقعہ دیکھے گی جو شاید اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔ لوگ مجھے آسمان کی طرف پرواز کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ بس اب زہرہ کے کنگن لا دو۔''

''وہ کنگن ہیکلِ زہرہ میں کہاں اور کس جگہ ہیں؟''

''یہ تو میں نہیں جانتی لیکن ہیکل میں دیوی کے نذرانوں کا ایک الگ کمرہ ہے۔ جس میں کاہنِ اعظم کے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔ غالباً کنگن اُسی کمرے میں کہیں محفوظ ہوں گے۔''

''اور دیوی کے نذرانوں کا کمرہ کہاں ہے؟''

''کمرۂ عبادت کے پیچھے ویسا ہی ایک بڑا کمرہ اور ہے جہاں دیوی کے انتہائی قیمتی نذرانے رکھے جاتے ہیں۔'' بیدخت بتانے لگی۔ ''اس کمرے میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کا دروازہ ایک ہی ہے جس کے سامنے محافظ، پروہت دن رات جاپ کرتے اور پہرہ دیتے ہیں۔ صرف کاہنِ اعظم اس کمرے میں داخل ہو سکتا اور وہی بتا سکتا ہے کہ دیوی کے صدیوں پرانے کنگن کس جگہ رکھے ہیں۔ یہ سب کچھ تم ہی معلوم کرو گے اور کنگن نکال لاؤ گے۔''

مہرتاب نے کچھ سوچ کر ایک اور سوال کیا۔ ''کیا وہ کمرہ اکثر کھولا جاتا ہے؟''

''اکثر نہیں، صرف کبھی کبھار، جب کوئی قیمتی یا شاہی نذرانہ محفوظ کرنا مقصود ہو۔'' اب بیدخت نے ایک اور مشکل بیان کی۔ ''دروازے پر تین بھاری قفل ڈالے جاتے ہیں اور ان کی کنجیاں الگ الگ مہنتوں کے پاس رہتی ہیں۔ وہی مہنت قفل کھولتے اور اس وقت تک دروازے ہی میں کھڑے رہتے ہیں جب تک کاہنِ اعظم نذرانے رکھ کر لوٹ نہیں آتا۔ اس کی واپسی پر وہی تینوں باری باری پھر قفل لگاتے ہیں۔''

مہرتاب سوچنے لگا۔ اس صورت میں تو وہاں داخل ہونا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ کاہنِ اعظم کے علاوہ کسی مہنت اور پروہت کو بھی کمرے میں جانے کی اجازت نہیں۔ اچانک زہرہ جمال کو کچھ یاد آیا۔

''میں نے سنا ہے بیلشازار نے ''جشنِ زہرہ'' پر دیوی کو ایک قیمتی ہار بھینٹ کیا ہے اور اتنے بیش قیمت ہیں اس کے ہیرے کہ ہار خاص نذرانہ سمجھ کر محفوظ کرلیا جائے گا لہٰذا اسی چاند کی انتیسویں رات کو نذرانوں کا کمرہ ضرور کھولا جائے گا۔''

''مگر میں اس کمرے میں داخل کیسے ہوسکتا ہوں؟''

''یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے میں تو صرف تمہیں خطروں سے آگاہ کرسکتی ہوں۔'' اور بتانے لگی۔ ''مہرتاب! ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانوں میں گھس کر شاید کوئی چیز اُڑالانا ممکن ہو مگر ہیکلِ زہرہ میں نذرانوں کے کمرے تک پہنچنا اس سے بھی کٹھن کام ہے کیونکہ تیس چالیس پروہت محافظوں کی طرح دن رات اس کے دروازے پر بیٹھے اشلوک پڑھتے اور نگرانی کرتے ہیں۔ آدمی ایوانِ ماکلوب کے زرہ پوش پہریداروں کے نیزوں اور برچھوں سے تو شاید بچ سکے مگر پروہتوں کی نظروں سے نہیں بچ سکتا۔ نہ وہ سوتے ہیں نہ اونگھتے ہیں۔ اور اگر اونگھ بھی جائیں تو جس طرح فرات کے ساحلوں پر لم ڈھینگ ایک ٹانگ پر کھڑے ہوکر مچھلیوں کی تاک میں رہتے ہیں اسی طرح ہیکلِ زہرہ کے پروہت سوتے یا اونگھتے وقت بھی اپنی ایک آنکھ کھلی رکھتے ہیں۔ تم ان پروہتوں کی نظروں سے بچ کر دروازے تک کیسے پہنچو گے اور کمرے میں کس طرح داخل ہوگے؟ یہ میں نہیں جانتی ـــــ مجھے تو زہرہ کے کنگن چاہئیں۔''

یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوکر مہرتاب کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی پھر بولی۔ ''تمہیں یہ بات بھی بتادوں کہ دیوی کے مقدس نذرانے چرانے والے کسی شخص کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اگر وہ پکڑا جائے اور ظاہر ہے پکڑا ہی جائے گا تو اُسے سُولی پر لٹکا کر ہلاک کیا جاتا ہے اور جب سُولی پر اس کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں تو بادشاہ کا وہاں موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دیوی کے نذرانوں کا روحانی پاسبان ہے۔''

ان الفاظ نے مہرتاب پر خوف کی ایک لرزشِ خفی طاری کردی۔ ایک بار پہلے بھی بیدخت نے اُسے ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے میں گھسنے اور شاہِ یوسیفر کی صندوقچی اُڑالانے کی ترغیب دی تھی اور ان بھیانک خطرات سے بھی آگاہ کردیا تھا جو اُسے پیش آسکتے تھے۔ آج اُسے ''ہیکلِ زہرہ'' سے ''زہرہ کے کنگن'' چرالانے پر آگاہ کررہی تھی اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتارہی تھی کہ دیوی کے مقدس نذرانے چرانے والے کو کاٹھ پر لٹکایا اور ہڈیاں توڑ کر ہلاک کیا جاتا ہے۔ گویا کنگن چرانا زندگی سے ہاتھ دھونا تھا مگر مہرتاب یہ جوا کھیلنے پر بھی تیار تھا۔

''بیدخت! تمہاری خاطر میں ''زہرہ کے کنگن'' حاصل کروں گا اور میرے ساتھ جو کچھ ہونا ہے ہوجائے مگر اس وقت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں جب تک کنگن تمہارے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائیں اور تم بھی پکڑی نہ جاؤ۔ کیا کوئی ایسی ترکیب ہے کہ میری موت اور زندگی کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ حائل ہوجائے؟''

''تم پوچھتے ہو زندگی کہاں ختم ہوتی ہے اور موت کہاں سے شروع ہوگی۔ مگر مہرتاب! موت ہر وقت زندگی کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ جب چاہو آواز دے کر اُسے گلے سے لگا سکتے ہو اور ہمت کرو تو دھوکا دے کر اس کے چنگل سے نکل بھی جاؤ گے۔''

مہرتاب حیران تھا کہ ''زہرہ کے کنگن'' چرا کر وہ موت کو کس طرح دھوکا دے سکے گا۔ بیدخت اُسے بتانے لگی۔

''جب میں نے تمہیں ایوانِ ماکلوب کے تہہ خانے میں گھسنے یا چاہِ بابل میں اترنے کا مشورہ دیا اس وقت ڈرتی تھی کہیں تم پکڑے نہ جاؤ، کہیں تمہیں کچھ ہو نہ جائے مگر اب مجھے یقین ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں زیر نہیں کرسکتی۔ میری تیسری خواہش پوری کروگے اور تم پر آنچ بھی نہیں آئے گی۔ یہ میں اس لئے کہتی ہوں کہ تم ''فرزندِ عطارد'' ہو۔ ''زہرہ کے کنگن'' حاصل کرنا تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے اور میری خاطر تم موت کو شکست دوگے۔''

اچانک اُسے یاد آیا، بابل میں داخل ہوتے ہی اس نے مقدس گوما کے سامنے صرف عشق یا موت کی خواہش کی تھی اور اب یہ دیکھنا تھا کہ موت کو کس طرح شکست دے سکتا ہے۔ وہ پُرعزم لہجے میں بولا۔ ''زہرہ کے کنگن تمہارے ہوگئے۔''

یہ کہہ کر جانے کے لئے مُڑا لیکن بیدخت بھاگ کر سامنے آگئی اور ہاتھ پھیلا کر کہنے لگی۔

''ابھی نہ جاؤ۔ میں تم سے کچھ اور باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''وہ باتیں اس وقت ہوں گی جب میں کنگن لے آؤں گا۔''

پھر زہرہ جمال کی حسین ترین بانہوں کا حلقہ توڑ کر نکل گیا اور وہ کسی مورتی کی طرح وہیں ساکت ہوکے رہ گئی۔

(45)

محبت کی رات

جس طرح اُفق تا اُفق پھیلے آسمانوں اوران کی بیکراں وسعتوں میں گردش کرنے والے ستاروں کی منزلیں متعین اورسفر کے راستے مقرر ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اسی طرح بابل میں مہرتاب کے ایام طے شدہ اوران کے اوقات گویا پیمانوں میں ناپ تول کر تقسیم ہو چکے تھے۔ وہ جانتا تھا اسے کب کتنا فاصلہ طے کرنا اور کس وقت کہاں ہونا چاہئے۔

رات اپنے پہلے پہر سے دوسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی اور چاندنی میں بابل کی بلند و بالا، فلک پیما عمارتیں کسی شہرِ طلسم کا نقشہ پیش کر رہی تھیں، جب وہ ان کے سایوں میں چلتا اور بازارِ عیش سے گزرتا اچانک ہیکلِ زہرہ کے سامنے نمودار ہوا۔ مگر ہیکلِ زہرہ اس کے فرض کی نہیں، عشق کی منزل تھی اور یہاں اس کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ فرض کے ساتھ ساتھ وہ اپنے عشق کا سفر بھی طے کر رہا ہے۔

اس نے زرد عبا کے اوپر ایک پٹکا سر اور کندھوں پر اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ کوئی اس کا چہرہ دیکھ سکتا نہ اُسے شناخت کر سکتا تھا۔ اس ہیئت میں وہ ایک بار یہودی غلاموں کے محلہ کبر میں اس وقت دیکھا گیا جب ہاروت ماروت کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا تھا اور یہودی اُسے ریموت کا کوئی جاسوس سمجھ کر نفرت وحقارت سے دیکھتے تھے۔ تب وہ اپنا فرض ادا کر رہا تھا اور اب جس کوچہ و بازار میں نمودار ہوا وہ اس کے عشق کا راستہ تھا۔ بابل میں داخل ہونے کے بعد اُس نے دنیا کی سب سے خوب صورت عورت کو پہلی بار ہیکلِ زہرہ ہی کے پاس دیکھا اور دل ہار بیٹھا۔ آج بھی اسی دل کی رہنمائی میں آیا مگر کیوں آیا تھا یہاں؟

کیا وہ سمجھتا تھا رات کے وقت ہیکل میں گھس کر اور نذرانوں کے کمرے میں داخل ہو کر

''زہرہ کے کنگن'' اُڑا لے جائے گا؟ مگر بدبخت نے اس کمرے کے متعلق جو معلومات فراہم کیں اور جن خطرات کا ذکر کیا تھا ان کے پیشِ نظر تو ایسی کوئی بھی کوشش سراسر دیوانگی بلکہ خودکشی کے مترادف تھی اور وہ ایسا کوئی خطرہ مول نہ لے سکتا تھا جو اس کی گرفتاری یا بے وقت موت کا دروازہ کھول دیتا۔ کیونکہ ابھی اس کے فرض کی اہم ترین جدوجہد باقی تھی جس کی خاطر وہ بابل میں بھیجا گیا تھا۔ جب تک وہ جدوجہد اپنے آخری نتیجے کو نہیں پہنچ جاتی، وہ اپنی زندگی کسی داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔

شاید وہ ہیکلِ زہرہ کا نقشہ سمجھنے، اس کے گردوپیش کا جائزہ لینے اور یہ دیکھنے آیا تھا کہ اندر داخل ہونے یا باہر نکلنے کا کوئی محفوظ راستہ بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ بہرحال اُسے ایک سنگین واردات کا ارتکاب کرنا تھا اور اگر اس کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ وقوعہ کے بعد فرار کی کوئی جہت تلاش کر سکے تو یقیناً اُسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ہیکل کی عقبی فصیل اتنی اُونچی اور دُشوار گزار تھی کہ اسے پھاندنا یا عبور کرنا انسانی طاقت سے بعید تھا۔ وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ رات کو بھی یہاں دیوی کی عقیدت گزار عورتوں اور ان کے عاشقوں کا ہجوم رہتا ہے۔ اس ہجوم میں بلند و بالا دروازے سے اندر داخل ہونا تو یقیناً آسان تھا لیکن واردات کے بعد جب پروہتوں کا غول اس کے تعاقب میں ہوگا، بھیڑ سے باہر نکلنا مشکل بلکہ ناممکن تھا کیونکہ زہرہ کے پرستار اسے دروازے ہی میں دبوچ سکتے تھے اور اس کے بعد سُولی تک پہنچنے کا راستہ زیادہ طویل نہ تھا۔

اس نے سوچا شاید ہیکل کا دروازہ رات بھر کھلا رہتا ہے اور یہاں آمدورفت کسی لمحے بند نہیں ہوتی ہیکلِ زہرہ بازارِ عیش میں تھی جہاں راتیں جاگتی تھیں اور ان جاگتی راتوں میں یہاں کسی واردات کا ارتکاب انتہائی خطرناک تھا۔ دروازے کے باہر گداگروں اور بھکاریوں کا بھی ایک انبوہ نظر آیا جو شاید رات کو ہیکل کی دیواروں اور دروازوں کے آس پاس ہی پڑے رہتے تھے۔

کیا وہ اسی لئے آیا تھا کہ ہیکل میں کسی واردات کے امکان کا جائزہ لے سکے یا کوئی اور مقصد بھی تھا؟ ہیکل کے اردگرد ایک چکر لگا کر اور حالات کا جائزہ لے کر وہ صدر دروازے کے پاس گیا۔ شاید اندر جانا چاہتا تھا لیکن رات کو اس نے کسی تنہا مرد کو اندر جاتے نہیں دیکھا البتہ کچھ عورتیں مردوں کے بغیر اندر چلی گئی تھیں۔ خیال آیا شاید اکیلا مرد دیوی کی عبادت نہیں کر سکتا۔ گداگروں سے ہٹ کر چند لمحے ایک دیوار کے سائے میں کھڑا رہا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو پھر اچانک کچھ سوچ کر آگے بڑھا اور کچھ عورتوں، مردوں کے ساتھ دروازے میں داخل ہو

گیا۔ مرد اور عورتیں کمرۂ عبادت کی طرف جا رہے تھے۔ غلام گردشوں اور راہداریوں میں ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا مگر جب وہ لوگ ایک سیدھی راہداری میں چلتے کمرۂ عبادت تک پہنچ گئے، مہرتاب کمرے میں داخل ہونے کی بجائے ان پجاریوں اور پروہتوں کے پاس رُک گیا جو دیوی کے عقیدت مندوں سے خیرات یا انعام لینے کے لئے دروازے کے آس پاس کھڑے تھے۔ ان میں ایک ایسا پروہت بھی نظر آیا جسے اُس نے "جشنِ زہرہ" کی رات باغاتِ معلقہ کے چھٹے حلقے میں دیکھا تھا۔ چپکے سے اس کی طرف بڑھا اور پروہت کے ہاتھ پر طلائی ستاترا کا ایک سکہ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"میں کاہنِ اعظم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"بزرگ اوماتا اس وقت اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔"

مہرتاب نے دوسرا ستاترا اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور ساتھ ہی اپنے چہرے کی ایک جھلک بھی دکھائی۔ "مجھے اوماتا کے کمرے تک پہنچا دو۔"

پروہت اُسے دیکھ کر ششدر رہ گیا اور چپ چاپ ایک طرف ہو لیا۔ مہرتاب اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پروہت نے چلتے چلتے بتایا۔ "بزرگ اوماتا رات کو کسی سے ملاقات نہیں کرتے مگر آپ کو شاید کوئی اہم کام ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھے۔"

پروہت بے حد مرعوب نظر آ رہا تھا۔ کچھ راہداریاں اور غلام گردشیں عبور کر کے وہ ہیکل کے رہائشی حصے میں پہنچے۔ پروہت ایک الگ تھلگ قصر نما عمارت کے سامنے رُک گیا۔ مہرتاب نے تیسرا سکہ اس کی ہتھیلی پر رکھا اور بولا۔ "اب اوماتا کو میرے آنے کی خبر دو۔"

پروہت نے عمارت کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ خود اوماتا نے کھولا اور ایک اجنبی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پروہت نے اجنبی کا نام بتایا تو کاہنِ اعظم نے مہرتاب پر حیرت کی نظر ڈالی اور آمد کا مقصد پوچھا۔

"تنہائی۔" مہرتاب نے اشارہ کیا۔

"اندر آ جاؤ۔" اوماتا نے دروازہ کھول دیا۔

دونوں آگے پیچھے ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں مکمل تنہائی تھی۔ بوڑھا کاہن اُسے حیرت و دلچسپی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مہرتاب نے اپنی عبا کی جیب سے ایک قیمتی ہیرا نکالا

اور اوماتا کے سامنے رکھ دیا۔ اس کی حیرت اور بڑھ گئی۔ مہرتاب نے کہا۔

"بزرگ اوماتا! یہ قیمتی ہیرا آپ کی نذر ہے۔ اسے جیب میں رکھ لیں اور میری کامیابی کے لئے دعا کریں۔"

کاہنِ اعظم پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ "تمہیں یہ نذرانہ دیوی کو پیش کرنا چاہئے تھا۔"

"دیوی مجھ سے نہیں، بیلشازار سے ناراض ہوئی۔ وہ نذرانے کے بغیر ہی مجھ پر مہربان ہے۔ مجھے صرف آپ کی خوشنودی چاہئے۔"

"کیا مطلب؟" ہیرا اوماتا کی جیب میں چلا گیا۔

"آپ جانتے ہیں بیلشازار ابھی تک میرے مقابلے سے دستبردار نہیں ہوا۔"

ہیکل زہرہ کا کاہنِ اعظم پُرخیال انداز میں بولا۔ "مردوں کو بہت سی تکلیفیں حسین عورتوں کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔"

اسی لمحے مہرتاب نے محسوس کیا، بند کواڑوں کے پیچھے کوئی اور بھی موجود ہے جو ان کی گفتگو سن رہا اور کواڑ کی درز سے اندر جھانک رہا ہے۔ وہ اچانک اٹھا اور دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ مگر یہ دیکھ کر وہیں ٹھٹک گیا کہ دروازے پر ایک جوان اور حسین دیوداسی موجود تھی۔

بزرگ اوماتا اس صورتِ حال پر کچھ جھینپ گیا پھر وضاحت کرنے لگا۔ "یہ مطرو ہے۔ میری "چشمِ غیب" جس کے ذریعے میں کائنات کے سینے میں جھانکتا اور مستقبل کے حالات معلوم کرتا ہوں۔ مطرو! اندر آ جاؤ۔"

مہرتاب جانتا تھا بابل کے بعض کاہن، ساحر اور مستقبل کا حال بتانے والے عامل حسین لڑکیوں سے معمول کا کام لیتے اور انہیں "چشمِ غیب" کہتے تھے۔ دیوداسی کمرے میں آ گئی تو اوماتا نے بتایا۔ "یہی ہے مہرتاب جس نے جنگ جو بیلشازار کو مقابلے میں شکست دی اور شہزادی شمورہ کو جیت لیا مگر تُو سن چکی ہے ابھی ان کے درمیان ایک مقابلہ اور ہوگا۔"

پھر وہ مہرتاب سے مخاطب ہوا۔ "تم نے شہزادی شمورہ کو جیت کر ایک عجیب سنسنی پیدا کر دی ہے اور بابل کی عورتیں تمہیں دیکھنے کی مشتاق ہیں۔ شاید مطرو سے بھی اسی لئے بے احتیاطی سرزد ہوئی۔ لیکن میرا خیال ہے تم نے برا نہیں منایا ہوگا۔"

دیوداسی ابھی تک اُسے پُرشوق نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ اچانک وہ بولا۔

"بزرگ اوماتا! آپ نے بیلشازار کو دعوت دی ہے کہ دیوی "عید بیلس" کی رات اس پر کرم

کی نظر کرے گی۔ میں جانتا ہوں یہ بشارت مبہم اور مشکوک ہے مگر چاہتا ہوں، آپ اپنی ''چشمِ غیب'' سے آسمانوں میں جھانک کر بتائیں کہ عید بیلس پر فتح کس کی ہوگی۔ میری یا بیلشازار کی؟''

اس فرمائش نے کاہنِ اعظم کو پریشان کر دیا۔ جانتا تھا جو کچھ بتائے گا اس کی خبر بیلشازار تک پہنچ جائے گی۔ اس کے ساتھ اب مہرتاب سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی جس نے انتہائی قیمتی ہیرا نذر کیا تھا۔ حیلے سے کہنے لگا۔

''شاید تم نہیں جانتے، مستقبل میں جھانکنے کے کچھ اوقات اور اصول ہوتے ہیں۔ ویسے بھی آج مطرو کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ شاید وہ ''چشمِ غیب'' کا فرض ٹھیک طرح ادا نہ کر سکے۔ پھر کسی دن آؤ گے تو تمہاری فرمائش پوری کر دی جائے گی۔''

مہرتاب جس مقصد کے لئے آیا غالباً حاصل کر چکا تھا۔ مطرو کی ناسازئ طبع کا بہانہ بڑا دلچسپ ثابت ہوا۔ طبیعت کی ناسازی کے باوجود وہ رات کو اوماتا کے پاس موجود تھی اور اس کی موجودگی کا مطلب سمجھتا تھا۔ ملاقات کو مختصر کرتا ہوا خود ہی کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ''مجھے امید ہے دوبارہ آؤں گا تو آپ مایوس نہیں کریں گے۔''

اوماتا کا جواب حوصلہ افزا تھا۔ ''میں اپنی ''چشمِ غیب'' کے ساتھ تمہارا انتظار کروں گا۔ لیکن اپنی آمد سے ایک دن پہلے مطلع کرنا ہوگا۔''

''آپ کو میرے آنے کی اطلاع مل جائے گی۔'' یہ کہہ کر کمرے سے نکلا اور عمارت سے بھی نکلتا چلا گیا۔ بڑا دلچسپ انکشاف ہوا تھا کہ اوماتا کی ''چشمِ غیب'' رات کو بھی اس کی خدمت میں رہتی ہے۔ ایک ہیرے اور تین طلائی ستاتروں کے عوض یہ انکشاف کچھ زیادہ مہنگا نہ تھا۔ مگر عمارت سے نکلا تو پروہت کو اپنا منتظر پایا جو اسے یہاں تک لے کر آیا تھا۔ اسی کی رہنمائی میں ہیکلِ زہرہ سے نکلا اور دروازے پر اس سے رخصت ہونے لگا تو پروہت نے کہا۔

''جناب! میرا نام ہدو ہے اگر پھر کبھی کسی خدمت کی ضرورت ہو تو مجھے یاد رکھئے۔''

مہرتاب نے پروہت ہدو کو تین ستاتروں میں خرید لیا یا اپنا دوست بنا لیا اور اب وہ ہیکلِ زہرہ کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ ہیکل سے نکل کر بازارِ عیش سے بھی نکلا اور نسبتاً ایک سونے خاموش راستے پر ہولیا۔ آج کی رات اس کے عشق کی رات تھی۔ اس نے زہرہ جمال بیدخت کی تیسری خواہش پوری کرنے کے لئے بنیاد کا پہلا پتھر رکھ دیا تھا اور پہلا پتھر وہ ہیرا تھا جو دیوی کی بجائے اس کی ہیکل کے کاہنِ اعظم کو پیش کیا گیا۔

چاندنی بلند عمارتوں پر کھیت کر رہی تھی۔ وہ ان کے سایوں میں چلتا ایک طرف اپنی محبت اور دوسری جانب اپنے فرض کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ بابل کے دنوں کا شمار ہو چکا ہے اور کورش ہخامنشی کے شمار کئے ہوئے دن نہ گھٹ سکتے ہیں، نہ بڑھ سکتے ہیں۔ اپنی محبت کو دوام بخشنے اور بیدخت سے کیا ہوا عہد ایفا کرنے کے لئے اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا انہی گنے چنے دنوں میں کرنا تھا۔ اور کرنا یہ تھا کہ ہیکلِ زہرہ سے ''زہرہ کے کنگن'' اُڑانا تھے، جنہیں اپنی کلائیوں میں پہن کر بیدخت اس سے اور اس کی دنیا سے جدا ہونے والی تھی۔ آج کی رات اس کی ساری سوچوں کا محور فرض کی بجائے عشق تھا جسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک بار پھر سرگرمِ عمل ہو گیا اور نئی نئی ترکیبوں پر غور کر رہا تھا۔ نجانے اس نے ہیکلِ زہرہ اور کاہن اوماتا کے بارے میں عمل کے کتنے خاکے بُنے اور ذہن کو کتنے راستوں پر دوڑایا پھر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مطلوبہ کنگن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا کہ نہیں؟

اس وقت تک کتنا ہی فاصلہ طے کر آیا اور ذہن میں کتنے ہی خاکے بنتے بگڑتے رہے تھے کہ چلتے چلتے قدم آپ سے آپ رک گئے۔ نہ جانے کیا ہوا تھا، آگے بڑھنے کی بجائے پاؤں ایک ہی جگہ جم سے کیوں گئے تھے۔ سر اٹھا کر دیکھا تو معبد اکور کی عقبی گلی میں کھڑا تھا اور سامنے معبد کا وہ مہیب برنجی دروازہ تھا جس سے گزر کر ایک بار پارکا کے کمرے میں جا چکا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی کہ غیر شعوری، غیر ارادی طور پر ادھر آ گیا۔ حالانکہ آج رات وہ صرف بیدخت کے بارے میں سوچتا رہا تھا اور معبد اکور کی دیوداسی ایک ساعت کے لئے بھی اس کے تصور میں نہیں آئی تھی۔ پھر وہ یہاں کیوں آ گیا ہے؟

رات اپنے دوسرے پہر سے گزر رہی تھی اور ظاہر ہے اتنی رات گئے نہ معبد کا دروازہ کھل سکتا تھا نہ پارکا سے ملاقات ہو سکتی تھی۔ یقیناً وہ اپنے بستر پر گہری نیند سو رہی ہوگی اور رات کو اسے اپنی آمد کی اطلاع دینے کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اپنے لاشعور کے پاگل پن پر مسکراتا انہی پاؤں مڑا اور ابھی دو یا تین قدم چلا تھا کہ پھر رُک گیا۔ رُکنے کا مطلب یہ تھا کہ اس کے اندر کا آدمی پارکا سے ملاقات کی ضرورت محسوس کرتا اور وہی اسے یہاں لایا ہے مگر سوال یہ تھا اس سے ملاقات ہوگی کیسے؟

پھر جیسے غیر ارادی طور پر یہاں تک آ گیا تھا اسی طرح دفعتہً برنجی دروازے کی طرف بڑھا اور بھاری کواڑ پر ہاتھ رکھا تو آپ سے آپ کھلتا چلا گیا۔ اس اتفاق پر ششدر رہا کہ دروازہ بند

نہیں تھا اور اس وقت بالکل بابِ تقدیر ثابت ہوا جسے کسی پراسرار ہاتھ نے کھول دیا۔

دروازے میں جھری پیدا کر کے پہلو کے بل اندر داخل ہوا پھر کواڑ کو بڑی آہستگی سے بند کر کے کہ آواز پیدا نہ ہو، زنجیر چڑھا دی اور دبے پاؤں زینے کی طرف بڑھا۔ زینے پر اندھیرا تھا لیکن یہ دیکھ کر حیرت کی حد نہ رہی کہ اوپر کی تین چار سیڑھیوں پر روشنی کا مدھم سا ہالا قائم تھا۔ یہ اس چراغ کی روشنی تھی جو زینے سے ملحق حجرے میں اس لئے روشن کر دیا جاتا تھا تاکہ اس کے کھلے دروازے سے زینے پر تھوڑا سا اُجالا ہو سکے اور آنے والے کو اندھیرے میں ٹھوکر نہ لگے۔

وہ کسی آواز کے بغیر زینہ عبور کر کے حجرے میں داخل ہوا اور ابھی اس کا دروازہ بند کر کے پارکا کے کمرے کی طرف بڑھنے ہی والا تھا کہ اچانک خیال آیا کہیں آج رات نرقال پارکا کا مہمان نہ ہو۔ اس خیال کے آتے ہی بدن میں سنسنی دوڑ گئی اور دل ہی دل میں پشیمان ہوا کہ سوچے سمجھے بغیر کیوں آ گیا ہے۔ پھر پلٹنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور معبد اکور کی تیکھی دیوداسی دروازے میں نمودار ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور حیران رہ گئے۔

مہرتاب اس بات پر حیران تھا کہ وہ اپنے کمرے میں تنہا تھی اور پارکا غالباً اس لئے مبہوت کھڑی تھی کہ وہ آ گیا ہے۔ بالکل بعل دیوتا کی طرح جو صیدانیوں کی دیوی عستارات کی خواب گاہ میں چپکے سے آ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا وہ کسی پیغام اور کسی اطلاع کے بغیر ہی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اپنے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کر کے بولی۔ ''شکر ہے مہرتاب تم آ گئے۔''

پھر آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے کمرے میں لے آئی۔ مہرتاب نے حیران حیران سی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور کہا۔ ''میں خود نہیں جانتا کہ کس طرح آ گیا ہوں کیونکہ معبد کا عقبی دروازہ کھلا تھا۔''

''وہ دروازہ تو کئی راتوں سے کھلا رہتا ہے۔ میں ہر رات تمہارا انتظار کرتی ہوں مگر کتنی راتیں مجھے ڈستے ہوئے گزر گئیں اور تم آج آئے ہو۔''

اس انکشاف پر مہرتاب کچھ پریشان سا ہو گیا اور سوچنے لگا اس نے کچھ راتوں کی تفصیل بتائی تھی اور اسے یہاں آنا تھا لیکن کئی دن بعض اہم کاموں میں مصروف رہا، جن کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتا سکا تھا کہنے لگا۔ ''کوئی وجہ تھی جو نہیں آ سکا۔ کیا ناراض ہو؟''

پارکا کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ ''ناراض نہیں، خوش ہوں اور خوش اس لئے ہوں کہ

آپ سے آپ میرے پاس آ گئے۔ گویا تم نے مجھے یاد رکھا اور بھولے نہیں۔''

''میں دوستی کے رشتے کبھی نہیں بھولتا۔''

''تمہاری دوستی مجھے جان سے عزیز ہے۔'' پارکا بے حد خوش تھی۔ اسے لے کر بستر پر بیٹھ گئی۔ ''مہرتاب! کئی راتوں کے بعد آئے ہو۔ تمہاری کیا خاطر کروں؟ لبنان کی شراب ہے میرے پاس اور تم وہ پسند کرتے ہو۔''

یہ کہہ کر اٹھنے لگی مگر مہرتاب نے ہاتھ سے پکڑ کے پھر بٹھا لیا۔ ''لبنان کی شراب تم سے زیادہ نشہ آور نہیں ہوگی۔''

پارکا کی آنکھوں میں مے خانے کھل گئے۔ ''کیا نشہ ہے مجھ میں؟''

''جو ہر جوان اور حسین عورت میں ہوتا ہے۔'' پھر اچانک پوچھا۔ ''یہ بتاؤ ہیکلِ زہرہ کے کاہنِ اعظم اوماتا کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟''

اچانک ہی خیال آیا تھا، پارکا اس کے فرض کی بہترین رفیق ثابت ہوئی ہے۔ جس کے ذریعے فرات کے شمالی برجوں تک رسائی ہوئی۔ شاید اس کی محبت کے سلسلے میں بھی کارآمد ثابت ہو۔ وہ مہرتاب کے غیر متوقع سوال پر دنگ رہ گئی۔ ''اوماتا کے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہو؟''

''اُسے آسمانوں میں جھانکنے کا دعویٰ ہے۔''

''بعض لوگ اپنی عبادت و ریاضت سے بہت جلد آسمان پر پہنچ جاتے ہیں مگر زمین پر واپس آنے میں دیر نہیں لگاتے۔'' پارکا کا جواب بڑا معنی خیز تھا۔ ''اوماتا بھی انہی لوگوں میں سے ہے۔''

''جانتا ہے تمہیں؟''

''ہاں، دو سال ہیکلِ زہرہ میں گزار آئی ہوں۔''

''پھر تو معاملہ اور بھی آسان ہے۔''

پارکا اس کی گفتگو پر حیران ہو رہی تھی۔ ''چاہتے کیا ہو، ذرا کھل کر بات کرو۔''

مہرتاب نے ایک پل سوچا پھر سوال کیا۔ ''کیا اوماتا کی 'چشمِ غیب' بننا پسند کرو گی؟''

حسین پارکا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ''شاید تم نہیں جانتے عاملوں اور ساحروں کی 'چشمِ غیب' بننے کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

’’جانتا کیوں نہیں۔ مطرو کو دیکھ چکا ہوں۔‘‘

تیکھی دیوداسی کی آنکھیں اپنے آخری کناروں تک وا ہوگئیں۔ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

’’مطرو کو کہاں دیکھا تم نے؟‘‘

’’اوماتا کے گھر میں۔‘‘

اب مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، سمجھ گئی کہ مہرتاب کسی خاص مقصد کے لئے اُسے کاہنِ اعظم کی ’’چشمِ غیب‘‘ بنانا چاہتا ہے مگر اس نے وضاحت کی۔ ’’میں کسی بوڑھے عامل کی ’’چشمِ غیب‘‘ بننا پسند نہیں کرتی۔ ہاں تمہاری ’’چشمِ غیب‘‘ ضرور ہوں اور تمہارے مستقبل میں جھانک کر وہ باتیں بتا سکتی ہوں جو ابھی تم سے پوشیدہ ہیں۔‘‘

اب چونکنے کی باری مہرتاب کی تھی۔ ’’کیا بتا سکتی ہو میرے مستقبل کے بارے میں؟‘‘

’’یہی کہ تم نے شہزادی شمورہ کے لئے بیلشازار سے جھگڑا مول لے کر غلطی کی ہے۔‘‘ پھر اُسے بتانے لگی۔ ’’مہرتاب! میں کئی راتوں سے یہی بتانے کے لئے تمہارا انتظار کر رہی ہوں کہ تمہاری زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ سردار نرقال تمہیں ریموت سے تو بچا سکتا ہے، بیلشازار سے شاید نہ بچا سکے۔ شہزادی شمورہ کو جیتنے کا تصور بڑا خوش کن ہے۔ کیونکہ جس نے شمورہ کو جیت لیا اس نے پورے بابل کو جیت لیا۔ مگر تم نہیں جانتے، بابل میں حکومت بے شک شاہ بنونید کی ہے لیکن اصل طاقت بیلشازار کے ہاتھ میں ہے جس سے بادشاہ بھی خوفزدہ ہے۔ آخری بات وہی ہوگی جو جنگجو بیلشازار چاہے گا۔ جشنِ زہرہ کے بعد سردار نرقال تمہیں ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا اور یہ پیغام دے گیا تھا کہ تم فوراً اُس سے ملو۔ میں کئی راتوں سے تمہاری منتظر اور ہر رات معبد کا عقبی دروازہ کھلا رکھتی تھی تو صرف اس لئے کہ تم رات کو کسی وقت بھی آؤ تو دروازہ بند پا کر لوٹ نہ جاؤ بلکہ کھلے دروازے سے میرے پاس چلے آؤ اور میں تمہیں بتا سکوں کہ تمہاری وجہ سے یہاں کیا کچھ بدل گیا ہے کیا کچھ بدل جائے گا۔‘‘

وہ چپ چاپ اس کی خوف ناک باتیں سنتا رہا جنہیں بیان کرتے ہوئے وہ خود بھی خوفزدہ ہو رہی تھی کیونکہ خطرے کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے جب پارکا نے اپنا خوبصورت ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا وہ کانپ رہا تھا۔ مہرتاب نے وہی ہاتھ پکڑ کے بڑے آرام سے اُسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ’’نرقال کیا چاہتا ہے؟‘‘

’’وہ تمہیں خطرے سے آگاہ کرنے آیا تھا اور چاہتا ہے تم بیلشازار کے مقابلے سے

دستبردار ہو جاؤ۔‘‘

’’میرا جواب یہ ہے کہ میں اپنے دشمن سے اس وقت تک دستبردار نہیں ہوا کرتا جب تک اس کا رشتۂ حیات منقطع نہ کر دوں۔‘‘

حسین دیوداسی یہ خوفناک الفاظ سن کر سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی۔ مہرتاب کا لہجہ ایسا ہی تھا جس میں موت کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

’’تم بیلشازار کو قتل کر دینا چاہتے ہو؟‘‘ پارکا کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

مہرتاب نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ ’’بعض لوگوں کے لئے کچھ باتیں مقدر کر دی جاتی ہیں۔ بیلشازار کا خون میرے ہاتھ پر لکھ دیا گیا ہے۔‘‘ وہ کچھ دیر کے لئے رُکا اور اس کے چہرے کا اُڑتا ہوا رنگ دیکھتا رہا۔ ’’تم اس لئے پریشان تھیں کہ شاید میں ان خطروں سے بے خبر ہوں جو میرے تعاقب میں چل پڑے ہیں۔ مگر میں خطروں سے غافل نہیں بلکہ انہیں قریب سے گزرتے ہوئے محسوس کر رہا ہوں اور اپنے دشمن کے اُبھرتے ڈوبتے سانسوں کی آوازیں سن رہا ہوں جو میری تاک میں ہیں۔ میں نے ہیکلِ زہرہ کے کاہنِ اعظم اوماتا کی زبانی بیلشازار کا یہ پیغام سن لیا ہے کہ وہ مجھ سے دوسری بار مقابلہ کرے گا اور اوماتا نے اُسے کامیابی کی بشارت بھی دی ہے۔ لیکن میں اس کی طرف موت کا ایسا قاصد روانہ کروں گا جو اس کی زبان ہمیشہ کے لئے ساکت کر دے گا۔‘‘

خوب صورت دیوداسی کی آنکھوں میں خوف کے کوندے لپکنے لگے۔ مہرتاب کی باتیں اُسے لرزہ براندام کئے دے رہی تھیں۔ اس بات پر بھی حیران تھی کہ چند روز پیشتر وہ ’’سایۂ اجل‘‘ ریموت کے ڈر سے اس کی مدد حاصل کرنے پر تیار ہو گیا اور اسی مقصد کی خاطر اس سے دوستی کا ناتا بھی قائم کر چکا تھا۔ مگر آج ریموت سے کہیں بڑے دشمن کے خلاف خود موت کا فیصلہ دے رہا تھا۔ لرزتی آواز میں بولی۔

’’تم بیلشازار سے زیادہ خوفناک باتیں کرتے ہو۔‘‘

شاید وہ بیلشازار کے اس اعلان سے ڈر گئی تھی جو اس نے ہیکلِ زہرہ میں دیوی کے سامنے کیا تھا۔ شاید سردار نرقال نے کسی غیر معمولی خطرے کا ذکر کر کے اُسے خوفزدہ کر دیا ہو اور خطرہ تو بہرحال تھا جس کی دھمک مہرتاب کو بھی سنائی دے رہی تھی مگر پارکا کی واضح حمایت حاصل کرنے کے لئے اس نے بعض ایسی باتوں کا اظہار ضروری سمجھا جو عام طور پر عورتوں کے

ساتھ نہیں کی جاتیں۔ وہ ساری باتیں پارکا کی توقع کے بالکل برعکس تھیں۔ غالباً سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کسی خطرے کی اطلاع دینے کا جواب اتنے بھیانک الفاظ میں ملے گا۔

وہ خطرناک ارادہ جس کا اظہار مہرتاب نے کیا بغیر کسی غیر معمولی طاقت کے پورا نہ ہوسکتا تھا۔ معاً خیال آیا کہیں وہ غیر معمولی طاقت شہزادی شمورہ تو نہیں؟"

وہ بادشاہ کی راہبر و راہنما تھی جو بیٹے کی سرکشی سے تنگ آچکا اور اپنے تحفظ کے سہارے ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ شمورہ بیلشازار کی زوجہ و ملکہ بننے سے انکار کرچکی تھی اور بادشاہ بھی اس کے لئے مہرتاب جیسے بہادر اور یگانۂ عصر نوجوان کو پسند کر چکا تھا۔ جب کہ دینِ اکد کے بزرگوں نے بہن بھائی کی شادی کو جائز قرار دے دیا تھا اور اس بات نے لوگوں میں ایک سنسنی پیدا کردی تھی۔

بعض پروہت اور پجاری تو یہ بھی کہتے تھے کہ جو کچھ ایشتار کے ساتھ ہوا وہی اس کی کاہنہ شمورہ کے ساتھ ہوگا اور دیوی ایشتار بیک وقت دو شوہروں کی زوجہ بنے گی مگر شہزادی صرف ایک شوہر چاہتی تھی۔ شاید اُسی نے مہرتاب کو اس بات پر آمادہ کیا ہو کہ وہ اس کے دوسرے طلب گار کو قتل کردے۔ سوچ کی یہ لہر تیز شراب کی طرح پارکا کے ذہن میں سرسراتی چلی گئی۔

اب ایک نئی تشویش نے اُسے فکرمند کردیا کیونکہ اگر اس کا اندیشہ درست تھا تو بابل میں اور بھی بہت کچھ ہونے والا تھا۔ اضطراب کے لہجے میں بولی۔

"مہرتاب! اگر میں غلطی نہیں کرتی تو تم شمورہ کے وہی محبوب ہو جس کا نام وہ چھپاتی رہی لیکن مشک اور عشق چھپا نہیں رہ سکتا۔ وہ تم سے محبت کرتی ہے اور غالباً اُسی کے اشارے پر بیلشازار کو قتل کردینا چاہتے ہو۔"

مہرتاب کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی ہنسی تھرتھرائی۔ "شاید تمہیں معلوم نہیں "جشنِ زہرہ" کی رات جب میری تلوار بیلشازار کے حلق تک پہنچ گئی تھی شمورہ نے اپنے بھائی کی زندگی چاہی تھی۔"

یہ بات پارکا کو پہلی بار معلوم ہوئی۔ مہرتاب نے اُسے مزید حیران کردیا۔ "جشن کی رات شہزادی کو باغِ معلقہ ہی میں چھوڑ کے آگیا تھا اور دوبارہ اس سے نہیں مل سکا۔"

یہ سن کر وہ دنگ سی رہ گئی۔ حالانکہ کئی دن، کئی راتیں یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی تھی کہ وہ شہزادی کا مہمان ہوگا اور حُسن کے تابناک جلوؤں نے اُسے پارکا کی یاد بھلادی ہوگی لیکن جس طرح یہ خیال غلط ثابت ہوا تھا کہ شمورہ کے حُسن کی تابانیوں نے اُسے مسحور کرلیا ہوگا، اسی طرح مہرتاب کو بیلشازار کے قتل پر آمادہ کرنے کا گمان بھی درست نہ تھا۔ گویا اس نے جس

خوفناک عزم کا اظہار کیا اس میں کسی اشارے کا دخل نہ تھا بلکہ صرف اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کررہا تھا۔ اب پارکا نے بات کا پہلو بدلا۔

"میں جانتی ہوں تم طاقت اور شمشیر زنی میں بیلشازار پر بھاری ہو مگر یہ کیوں بھولتے ہو اس کے پیچھے کلدانی لشکر کھڑے ہیں اور ان لشکروں کا سپہ سالار نرقال ہے ——"

معبدِ اکور کی دیوداسی نے پہلی مرتبہ اپنی اصل پریشانی کا اظہار کیا اور مہرتاب اُس کا مطلب بھی سمجھ گیا۔ بات واقعی تشویش انگیز تھی۔ اگر بیلشازار نے اپنی فوجی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر نرقال ہی کو کوئی غلط فرض سونپ دیا تو معاملے کی صورت بے حد خطرناک ہوجائے گی۔ مگر مہرتاب نے بھی نیا نکتہ تلاش کیا۔ "اس بات کی فکر نہ کرو کہ میرے اور بیلشازار کے معاملے میں سردار نرقال کو کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ شمورہ کے جھگڑے میں کوئی تیسرا آدمی نہیں ہوگا۔ کاہنِ اعظم اوماتا نے اس جھگڑے کا فیصلہ عید بیلس پر اٹھا دیا ہے۔ جو کچھ ہوگا عید بیلس پر ہوگا اور ہوگا وہ جو کبھی چشمِ فلک نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔"

پارکا اُس کے لہجے کی سنگینی سے ایک بار پھر لرز گئی۔ "مہرتاب! میں اُس تیر سے ڈرتی ہوں جو اندھیرے میں سر ہوتا ہے۔"

"ہاں، اندھیرے میں چلنے والے تیر کی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ مگر تقدیر کبھی کبھی اُس تیر کا رُخ بدل دیتی ہے اور میں جب اندھیرے میں چلتا ہوں، کچھ کام اپنی تقدیر کو سونپ دیتا ہوں۔"

"بے شک تقدیر ہر آدمی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اندھیرے میں بھی، اُجالے میں بھی۔ مگر نرقال سے ضرور مل لو۔ شاید وہ تمہیں کچھ اور بھی بتائے۔"

"کل یا پرسوں اُس سے ملوں گا۔"

"کل ہی ملو۔" پارکا نے اصرار کیا۔ "شاید وہ پرسوں فارغ نہ ہو۔"

"کیوں، پرسوں کیا ہے؟"

"مقدس زریہ نے قومی مجلس کا اجلاس بلایا ہے جس میں بادشاہ سے کچھ سوال کئے جائیں گے۔"

یہ ایک دلچسپ اطلاع تھی، مہرتاب اچھل سا گیا۔ "کون سوال کرے گا؟" حالانکہ سب کچھ جانتا تھا اور قومی مجلس کی چنگاری اُسی نے سُلگائی تھی۔ پارکا نے بتایا۔

معبدِ اشتر کے کاہنِ اعظم اشمیدی کو کچھ پوچھنا ہے بادشاہ سے۔ شاید وہ کوئی مذہبی جھگڑا

اُٹھائے گا کیونکہ کہانت سے معزول کر دیا گیا ہے۔ مگر میرا خیال ہے اصل بات شہزادی شمورہ اور بیلشازار کے بارے میں ہوگی۔"

قومی مجلس میں جو "اصل بات" ہونے والی تھی اس سے تو شاہ بونید خود بھی واقف نہ تھا۔ اگر اس کے کانوں میں "اصل بات" کی بھنک بھی پڑ گئی ہوتی تو زریہ کو قومی مجلس کا اجلاس بلانے کی کبھی اجازت نہ دیتا۔ مگر پارکا نے شمورہ اور بیلشازار کے معاملے کا ذکر چھیڑ کر ایک نئی دلچسپی پیدا کر دی۔ "تو تمہارا خیال ہے مجلس میں شمورہ کا جھگڑا پیش ہوگا؟"

"یہ بات مجھے مقدس زریہ نے بتائی ہے۔"

مہرتاب کی دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی۔ "کیا بتایا ہے زریہ نے؟"

"صرف یہی کہ بادشاہ شمورہ کی شادی کے بارے میں کاہنوں، سرداروں اور اُمرائے سلطنت سے رائے طلب کرے گا مگر آخری فیصلہ مقدس گوما کا ہوگا اسی لئے دانائے فرات کو خاص طور سے مجلس میں بلایا گیا ہے۔ روحانی پیشوا کی حیثیت میں اس کا فیصلہ جنگجو بیلشازار کو، شہزادی شمورہ کو، شاہ بونید کو تسلیم کرنا ہوگا اور کوئی نہیں جانتا مقدس گوما کا فیصلہ کیا ہوگا۔"

مہرتاب کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ جانتا تھا کہ گوما کا فیصلہ کیا ہوگا۔ وہ تو اس کی تقدیر بیدخت زہرہ جمال کے ساتھ وابستہ کر چکا اور مستقبل میں جھانک کر بتا چکا تھا کہ دونوں کی سرشت بھی ایک اور خاک بھی ایک ہے۔ پھر شمورہ کا کیا ہوگا؟ لیکن یہ سوچ کر کہ جس طرح وہ بعض فیصلے تقدیر یا قدرت کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے شمورہ کا معاملہ بھی قدرت پر چھوڑتا ہے۔ اس نے اپنے ذہن میں اُبھرنے والے ہر خدشے کو جھٹک دیا اور سوچنے لگا۔ آج فرض کی نہیں، محبت کی رات ہے اور وہ بیدخت زہرہ جمال کی تیسری اور آخری خواہش کے لئے سرگرمِ عمل رہا ہے۔ کیوں نہ پارکا کو بھی اس محبت میں شریک کرے۔ یہی سوچ کر اس کا کومل سا ہاتھ بڑے پیار سے تھام لیا اور بولا۔

"اگر تم وہ سب کچھ کہہ چکی ہو جس کے لئے تمہیں میرا انتظار تھا تو اب میں کچھ کہوں۔"

تیکھی دیوداسی نے اس کے الفاظ میں، لہجے میں، انداز میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی جیسے وہ جنگ اور مقابلے کے میدان سے (جہاں موت اور خون اور خوف کے سوا کچھ نہیں ہوتا) محبت کے نخلستان کی طرف لوٹ آیا تھا۔ پھر خود بھی بدل گئی اور اس کے سلونے چہرے پر ایک دلفریب تبسم بکھر گیا۔ "میں اپنی کہہ چکی مہرتاب! اب تمہاری سنوں گی۔ کہو کیا کہتے ہو؟"

"میں نے کچھ پوچھا تھا تم سے؟"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "کیا پوچھا تھا؟"

مہرتاب مسکرایا پھر اپنا مفہوم اور مقصد بھی اسی مسکراہٹ میں لپیٹ دیا۔ "میں اپنے الفاظ دُہرانے کا عادی نہیں پارکا! مگر تم میری دوست ہو، بے حد عزیز ہو اس لئے ایک بار پھر بتاتا ہوں کہ کاہنِ اعظم اوماتا کے لئے مجھے ایک خوب صورت "چشمِ غیب" کی ضرورت ہے جو مطرد سے زیادہ دل کش، زیادہ پُرکشش، زیادہ تیکھی ہو۔"

پارکا کے چہرے پر دھواں سا بکھر گیا اور خوب صورت آنکھوں کے گوشوں سے پریشانی جھانکنے لگی۔ کیونکہ وہ اوماتا کے لئے اُسے مانگ رہا تھا۔ اسی پریشانی میں اُس نے مہرتاب کا ہلکا سا قہقہہ سنا۔ "جس بات کا تمہیں خدشہ ہے، وہ نہیں ہوگی۔"

پارکا کچھ چونکی، کچھ سنبھلی، کچھ ٹھہری۔ "مگر میں ایک بار اس کی "چشمِ غیب" بننے سے انکار کر چکی ہوں۔"

"انکار تم نے اپنے لئے کیا تھا، اقرار میرے لئے کرو۔"

ان الفاظ کے بعد پارکا کے لئے کچھ باقی نہ رہ گیا کیونکہ مہرتاب کے لئے تو اپنی جان بھی دینے پر تیار تھی۔ رضامندی کے لہجے میں کہنے لگی۔

"اگر میں تمہاری خاطر اوماتا کی "چشمِ غیب" بن بھی جاؤں تو کیا ہوگا؟"

"میں اُسے ایک خواب دکھانا چاہتا ہوں اور وہ خواب تم دکھاؤ گی۔"

وہ حیرت زدہ سی ہو گئی۔ "کیسا خواب؟"

"زہرہ دیوی کا خواب۔" مہرتاب نے ملہموں اور غیب دانوں کی طرح جواب دیا۔ "زہرہ اوماتا کے خواب میں آئے گی اور اُسے کچھ ہدایت کرے گی۔ مگر زہرہ کی ہدایت کیا ہوگی؟ یہ میں تمہیں پھر بتاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے پارکا کو ایک حسین حیرت سے دوچار کر دیا۔ اب کچھ کہنے اور سننے کا موقع ہی کہاں تھا۔ مہرتاب کے علاوہ وہ پوری دنیا کو بھول گئی اور اس پر ایک سحر آلود سا خواب طاری ہو گیا۔ لیکن سویرے جب آنکھ کھلی وہ جا چکا تھا۔

❀❀❀

(46)

قتل کا مقدمہ

◎

کالدیا کے سب سے بڑے معبودوں بل، مردوک کے موروثی جانشینوں، خاندانِ بخت نصر کے معزز افراد، عظیم کاہنوں، امرائے سلطنت اور بڑے بڑے سرداروں کی قومی مجلس کا اجلاس بڑا ہنگامہ خیز تھا اور اس اجلاس کے لئے مہرتاب کو کڑی دوڑ دھوپ کرنا پڑی تھی۔

اسے جن مقاصد کی خاطر بابل میں بھیجا گیا اُن میں ایک خاص مقصد قومی مجلس میں شاہ بنونید پر قتل کا الزام عائد کرنا بھی تھا جس کا ثبوت ہاروت ماروت فراہم کر سکتے تھے۔ اس لئے بابل میں آتے ہی عبرانی پیغمبروں کی تلاش میں سرگرمِ عمل ہو گیا اور آخر انہیں چاہِ بابل کے اجل گرفتہ اندھیروں سے نکال لایا تھا۔ حالانکہ صدیوں سے یہی روایت سننے میں آ رہی تھی کہ جو بدنصیب ایک بار موت کی اس ناند میں اتار دیا گیا وہ دوبارہ باہر نہ آ سکا۔ شاہ بنونید نے ہاروت ماروت کو محض اس لئے زندانِ اجل میں اتار دیا تھا کہ وہ ایرانیوں سے خفیہ ساز باز رکھتے اور حران کے معبد قمر (سین[1]) میں ہونے والے قتل کے بارے میں کچھ جانتے تھے۔

کورش ہخامنشی کو اس واقعۂ قتل سے بڑی دلچسپی تھی اور چند روز قبل سردار سیسرا ایرانی لشکر گاہ سے مہم بابل کے سپہ سالار شاہ گوبارو کا جو پیغام لے کر آیا، اس میں بھی شاہ بنونید پر الزام لگانے کی خاص ہدایت کی گئی تھی۔ اب مہرتاب کی پیہم کوششوں کے بعد مجلسِ قومی کا اجلاس طلب کر لیا گیا اور معبد اشتر کا معزول کاہنِ اعظم بادشاہ سے کچھ اہم باتیں پوچھنے والا تھا۔

1 حران کا معبد سین کی عبادت کے لئے مشہور تھا جو چاند کا مظہر تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈلیم)

اجلاس کی خبر حسین پارکا سے ملی تھی اس لئے وہ سویرے ہی معبدِ اکور سے بھاگ لیا اور اپنے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔ شاہ بنونید کے خلاف پیش کئے جانے والے مقدمے کو فیصلہ کن بنانا چاہتا تھا جس کے ثبوت مہیا کرنے کے لئے خود موت سے کھیل گیا۔ حمورابی کے قانون کی رُو سے کوئی قاتل تختِ اژدر پر نہ بیٹھ سکتا تھا اور اب یہ دیکھنا تھا کالدیا کی قومی مجلس اس مقدمے کا کیا فیصلہ کرتی ہے۔

خبر سنتے ہی سب سے پہلے کاشانہ زہرہ کی طرف بھاگا اور تہہ خانے میں ہاروت ماروت سے گواہ کے بارے میں گفتگو کی۔ انہوں نے حران کے کاہنِ اعظم راہول کا نام اور پتہ بتایا جو بابل میں پہنچ چکا اور کہیں روپوش تھا۔ عبرانی پیغمبروں نے اپنی خاص نشانی کے ساتھ مہرتاب کو اس کے خفیہ ٹھکانے کی طرف بھیجا تھا۔

راہول کو اسی روز اپنی تحویل میں لینے کے بعد وہ ہیکلِ مردوک (زیگورات) کے ندوۃ العلوم میں کاہنِ اعظم اشمیدی سے ملا تھا تا کہ وہ ثابت قدم رہے۔ وہی اس مقدمے کا مستغیث اور قومی مجلس میں پیش ہونے والا تھا۔ اس سے وعدہ کیا گیا جب وہ بادشاہ پر قتل کا الزام لگائے گا گواہ کو مجلس میں پیش کر دیا جائے گا۔ معاملہ انتہائی سنگین اور خطرناک تھا لیکن تسلی کا ایک پہلو یہ بھی نکلا کہ مجلسِ قومی کا اجلاس بل مردوک کی ہیکلِ مقدس میں بلایا گیا جہاں قتل یا گرفتاری کا کوئی خدشہ اور امکان نہ تھا۔ ہیکلِ مقدس شاہی حکم و اختیار سے بالا تھی۔ اس کے اندر خون بہانا یا دینِ اکد کے اصولوں کے خلاف کسی کو گرفتار کرنا ممنوع تھا۔ اجلاس خواہ کہیں ہوتا اشمیدی نے بادشاہ کے خلاف قدم اٹھانے اور اُسے تخت و تاج سے محروم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

قومی مجلس کا انعقاد ہیکل کے اس کمرے میں ہوا جہاں بل، مردوک اور ایشتار کے عظیم الہیت گونگے بہرے مجسمے مجلس کی کارروائی ''سننے'' کے لئے موجود تھے۔ اہلِ بابل کا یقین تھا کہ دیوتا اپنے روحانی جسموں کے ساتھ کائنات کے نادیدہ گوشوں میں بیٹھ کر یا روحانی طور پر پتھر کے جسموں میں حلول کر کے سب کچھ دیکھتے، سب کچھ سنتے ہیں۔

قومی مجلس کی حیثیت ایک اعلیٰ عدالت کی سی تھی جہاں اگر بادشاہ پر بھی کوئی الزام لگایا جائے تو [illegible] اپنی صفائی پیش کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اس کی ذات پر جھوٹا الزام لگانے کی سزا موت تھی۔ بعض لوگ اس بات پر حیران تھے کہ نہ جانے اش[illegible] بادشاہ سے کیا سوال کرنے یا

اس پر کون سا الزام لگانے والا ہے۔ بعض شہزادی شمورہ کے معاملے سے دلچسپی رکھتے تھے کیونکہ بادشاہ اس کے متعلق بھی مجلس کی رائے معلوم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ایک طرف ہیکلوں، معبدوں، مندروں کے بزرگ کاہنوں کا حلقہ تھا۔ دوسری جانب امرائے سلطنت، اعلیٰ فوجی حکام اور بڑے بڑے سردار بیٹھے تھے اور ان کے درمیان خاندانِ بخت نصر کے شہزادوں اور معزز افراد کی نشستیں تھیں جن میں کالدیا کا فوجی حکمران میر دو تیغ بیلشازار سب نمایاں تھا۔ شاہ بونید ہیکلوں اور معبدوں کے دینی سربراہ زریہ کے ساتھ اسٹیج پر متمکن تھا لیکن ان دونوں کے مابین صدرِ مجلس کی نشست خالی تھی۔ جس شخص کو یہاں آخری فیصلہ کرنا تھا وہ ابھی تک نہ آیا تھا اور کالدیا کا روحانی پیشوا غیب دان گوما تھا وہ۔

کاہن، سردار، ساحر، فوجی حکام سب مقدس گوما کے منتظر تھے۔ قومی مجلس کے دوسرے ارکان آ چکے تھے لیکن ابھی ایک اور ہستی بھی مجلس میں موجود نہ تھی جسے دیکھنے کو نگاہیں ترس رہی تھیں۔ وہ دخترِ بابل شمورہ تھی۔ بادشاہ اور جنگجو بیلشازار آ چکے تھے اس لئے مجلس پر ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی اور وہاں موجود لوگوں پر ایسی روحوں کا گمان ہو رہا تھا جو شاید اپنے جسموں سے نکل کر وہاں آ بیٹھی تھیں۔ سب لوگ خاموش اور سوچ رہے تھے نہ جانے آج کیا ہوگا اور دل ہی دل میں محسوس کر رہے تھے کہ کچھ نہ کچھ ہوگا ضرور۔ کیونکہ شاہ بونید بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور بیلشازار کی خاموشی نے بھی اپنے اندر کئی طوفان چھپا رکھے تھے۔

وقائع نویسوں کا سردار نیرگل اپنے معاونوں کے ساتھ اجلاس کی کارروائی رقم کرنے کے لئے ایک طرف تیار بیٹھا تھا۔ وقائع نویسوں کے عقب میں خاص محافظ بھی ہتھیار سجائے مستعد کھڑے تھے تاکہ اگر کوئی شخص برے ارادے سے بادشاہ کی طرف بڑھنے کی کوشش کرے تو اُسے روک دیں۔

مہرتاب جس نے قومی مجلس کا یہ سنسنی خیز ناٹک رچایا اجلاس میں شریک نہ ہو سکا کیونکہ اجلاس صرف ارکانِ مجلس پر مشتمل تھا لیکن زیگورات کے آٹھویں حلقے میں جہاں ہر شب ہزاروں قندیلیں روشن کی جاتی تھیں پروہت حوری کے پاس موجود تھا اور زیگورات ہی میں کسی جگہ معبد حران کا ''مرا ہوا'' کاہن راہول پوشیدہ تھا۔ مہرتاب اس کی حفاظت کے پیشِ نظر آیا تھا تاکہ جب مجلس میں گواہی کی ضرورت ہو اُسے بروقت پیش کیا جا سکے مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا وہ پروہت حوری سے کسی خواب کی تعبیر کے بارے میں کچھ پوچھنے آیا ہے۔

وقت لمحہ لمحہ گزر رہا تھا اور ہر لمحے کے ساتھ لوگوں کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ ایک بے یقینی کی فضا پائی جاتی ہے۔ اسی بے یقینی میں بعض لوگ ہولے ہولے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ان کی نظریں کبھی شاہ بونید پر، کبھی جنگجو بیلشازار پر، کبھی خفیہ امور کے سربراہ ریموت پر اٹھ جاتی تھیں کیونکہ کچھ عرصہ پہلے چاہِ بابل کے حصار میں محافظوں کے لرزہ خیز قتل کا جو سانحہ ہوا ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ سرکاری جاسوس اور خفیہ گماشتے عبرانی اسیروں ہاروت ماروت کا بھی کھوج نہ لگا سکے تھے جنہیں چاہِ بابل سے نکال کر کہیں غائب کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ ریموت کے آدمی ان لوگوں کا بھی کوئی نشان نہ ڈھونڈ پائے تھے جو فدیمہ کبی کو زندہ یا مُردہ کاٹھ سے اتار کر لے گئے تھے۔

یہ ساری باتیں حکومت کی نااہلی پر دلالت کرتی تھیں جن سے مایوسی اور بے یقینی پیدا ہوئی۔ دریں اثناء شہزادی اور بیلشازار کے رشتۂ ازدواج کا جھگڑا کھڑا ہو گیا تھا جس نے بے حد پیچیدہ صورت اختیار کر لی۔ کیونکہ باغِ معلقہ میں رونما ہونے والے واقعے کے بعد بیلشازار شمورہ سے دستبردار نہیں ہوا تھا اور لوگ اس بات پر حیران تھے کہ اب معبد اشتر کا معزول کاہن اشمیدی بادشاہ سے کچھ پوچھنے والا تھا اور نہ جانے کیا پوچھنے والا تھا جس کے لئے قومی مجلس کا انعقاد ضروری سمجھا گیا۔

اچانک شاہ بونید نے زریہ کو کارروائی شروع کرنے کا اشارہ کیا اور وہ حاضرینِ مجلس کو ان امور کے بارے میں بتانے لگا جن کے لئے اجلاس بلایا گیا تھا۔ دو ہی معاملے تھے، اشمیدی کا استغاثہ اور شہزادی شمورہ کا جھگڑا۔ جب وہ قومی مجلس کے انعقاد کا مقصد بیان کر چکا، یکلخت بونید نے اشمیدی کی طرف ہاتھ لہرایا (جو کاہنوں کے حلقے سے الگ تھلگ بیٹھا تھا) اور اس کی پھٹی ہوئی آواز گونجی۔ ''کیا چاہتا ہے معبد اشتر کا کاہن، غالباً ہم سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہے تو ہم اجازت دیتے ہیں کہ وہ سوال کرے۔''

ایوان میں ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں اشمیدی کھڑا ہوا اور بادشاہ کی بجائے زریہ سے مخاطب ہو کر بولا ''بزرگ زریہ! میں بادشاہ سے جو سوال کرنے والا ہوں وہ ایک سنگین جرم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ سوال میں مقدس گوما کی موجودگی میں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا بہتر نہ ہوگا کہ دانائے فرات کا انتظار کر لیا جائے؟''

اشمیدی کے جواب نے ایوان میں ایک نئی سنسنی پھیلا دی کہ وہ کسی جرم کے بارے میں

سوال کرے گا۔ اس بات نے شاہ بونید کو بھی حیران کر دیا۔ زریہ نے بتایا۔

''کارروائی میں مزید تاخیر مناسب نہیں۔ اگر مجلس کسی معاملے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکی تو مقدس گوما کے آنے پر اُن سے فیصلہ لیا جائے گا۔ اس لئے اشمیدی شاہِ معظم سے جس جرم کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہے سوال کرے۔''

''پھر بہتر ہوگا پہلے شہزادی شمورہ کے معاملے پر گفتگو ہو جائے۔'' اشمیدی نے حاضرین کی طرف دیکھا۔ غالباً معلوم کرنا چاہتا تھا لوگوں کی مرضی کیا ہے۔

اچانک ایک طرف سے آواز آئی۔ ''ہم شہزادی شمورہ کے بارے میں شاہِ معظم کا بیان سننا چاہتے ہیں۔''

اشمیدی اسی آواز کا منتظر تھا جس نے ایوان میں ایک گرم جوشی پیدا کر دی اور کئی لوگوں نے مطالبہ کیا وہ شہزادی کے لئے ہونے والے مقابلے پر اظہارِ خیال کرے۔ کیونکہ بیلشازار نے ہیکلِ زہرہ میں نئے مقابلے کا اعلان کیا ہے۔ شاہ بونید کے لئے بہترین موقع تھا کہ اراکینِ مجلس کو بیٹے کی سرکشی سے آگاہ کرے، وہ کہنے لگا۔

''ہم نے سنا ہے بیلشازار نے ہیکلِ زہرہ میں حاضری دی اور دُخترِ بابل کے لئے نئے مقابلے میں دیوی کی مدد مانگی ہے مگر وہ کون ہے جس نے جشنِ زہرہ کی رات الہتہ الجمال کے قانون کی خلاف ورزی کی اور وہ کون ہے جو دیوی سے مدد طلب کرتا اور ربۂ جمال کو آسمان سے زمین پر بلا رہا ہے جیسے ربۂ زہرہ اس کی مرضی کی پابند ہے۔''

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے بیلشازار کی طرف ہاتھ اٹھایا۔

''وہ ہمارا جنگجو فرزند بیلشازار ہے جسے ہم نے باغِ معلقہ میں دوسرے روز مقابلے سے باز رہنے کا حکم دیا تھا مگر ہمارے حکم کی ''اطاعت'' اس طرح ہوئی کہ آج قومی مجلس کے اراکین بھی ہم سے دوسرے مقابلے کے بارے میں سوال کرتے ہیں جو دُخترِ بابل کے لئے ہوگا۔ مگر ہم اعلان کرتے ہیں شمورہ کے لئے دوسرا مقابلہ نہیں ہوگا اور اس لئے نہیں ہوگا کہ دیوتاؤں نے ہمیں رویا میں اس مقابلے کے خطرناک انجام کی اطلاع دی ہے اگر مقابلہ ہوا تو تباہی و بربادی ہوگی اور سلطنت دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ یہ ہے ہمارے رویا کی تعبیر۔''

شاہ بونید کی تقریر کا ہر لفظ زہر میں بجھے ہوئے خنجر کی طرح بیلشازار کے سینے میں پیوست ہوتا رہا اور ہر لفظ کی اذیت ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ اپنی عبا کو جھٹکا دیتا ہوا اٹھا اور بڑے تخت

لہجے میں گویا ہوا۔

''سب جانتے ہیں کہ ہم نے پدرِ محترم کے حکم کی نافرمانی کیوں کی کہ ہم دُخترِ بابل کو صرف اپنی زوجہ و ملکہ بنانا چاہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم بہادر اور جنگجو ہیں تو ہماری بہن حکمت و دانائی میں بے مثل ہے اور کسی سلطنت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔ مگر پدرِ محترم شمورہ کو صرف اپنی راہبر اور راہنما بنائے رکھنا چاہتے ہیں اور بادشاہ نے جو رویا دیکھا ہے وہ دیوتاؤں کی طرف سے نہیں بلکہ ان کے اپنے ہی خیالوں کا عکس ہے۔ پدرِ محترم نے جو کچھ دن میں سوچا ہوگا وہی رات کو خواب میں دیکھ لیا۔''

شاہ بونید تڑپ کر کھڑا ہو گیا اور چلایا۔

''یہ غلط ہے کہ ہمارا رویا ہمارے خیالوں کا عکس ہے۔ ہم نے وہ باتیں کبھی نہیں سوچیں جو رویا میں دکھائی گئیں۔ ہم نے رویا میں بل اور مردوک کو باہم لڑتے اور ایشتار کو زمین پر زخمی حالت میں تڑپتے دیکھا اور دیکھا کہ ہمارا سر تن سے جدا ہو کے گر گیا ہے۔ زیگورات کے پروہت حوری نے جو تعبیرِ رویا میں یکتا ہے ہمارے خواب کی یہ تعبیر نکالی کہ ہمیں دیوتاؤں کی طرف سے آگاہ کیا گیا ہے اگر شمورہ کے لئے جنگ ہوئی تو سلطنت دو حصوں میں بٹ جائے گی یہی مطلب ہے ہمارے سر اور دھڑ کے جدا ہونے کا۔''

اس بیان نے مجلس میں ایک عجیب سی سراسیمگی پھیلا دی کیونکہ بادشاہ نے جو رویا بیان کیا وہ فی الواقع بے حد خوف انگیز تھا۔ زریہ نے بادشاہ کی تائید کی اور بتایا۔ ''میں نے شاہِ معظم کا رویا اور پروہت حوری کی تعبیر سنی تھی۔ بادشاہ نے جو کچھ کہا ہے وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔''

''مقدس زریہ! اگر یہ رویا دیوتاؤں کی طرف سے دکھایا گیا ہے تو پروہت حوری نے جھگڑے کا کوئی حل بھی بتایا گیا ہوگا۔'' یہ کہہ کر بیلشازار ایک ساعت کے لئے خاموش ہو گیا پھر بولا۔ ''اور ہم نے سنا ہے حوری نے ایک حل بتایا تھا۔''

بادشاہ کچھ پریشان ہو گیا مگر زریہ چونکہ رویا اور اس کی تعبیر سن چکا تھا اس لئے اسے بتانا پڑا کہ پروہت حوری نے جھگڑے کا کیا حل بتایا تھا۔ ''حوری نے کہا تھا رویا میں بیلشازار اور مہرتاب کو بل مردوک کے رُوپ میں لڑتے دکھایا گیا ہے اور اس جھگڑے کا فیصلہ یوں ہوگا کہ جس طرح ایشتار بل مردوک کی مشترکہ زوجہ ہے اسی طرح شہزادی شمورہ بیلشازار اور مہرتاب کی مشترکہ زوجہ بن جائے کیونکہ وہ ایشتار کی کاہنہ ہے۔''

اس اطلاع پر کہ دُخترِ بابل کے دو شوہر ہوں گے، امرائے سلطنت اور سرداروں میں زبردست سنسنی دوڑ گئی مگر کاہنوں کے حلقے میں کسی اضطراب کا اظہار نہیں کیا گیا۔ ان کے نزدیک دیوی ایشتار بیک وقت دو شوہروں کی زوجیت کا حق ادا کر رہی تھی اور دیوی تیامتہ کے بھی بیک وقت دو شوہر تھے آپسو اور کنگو۔ تاہم بادشاہ کے چہرے پر ناگواری سی جھلک نظر آ رہی تھی۔

''نہیں.....'' بیلشازار نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ''ہم شمورہ کے تنہا شوہر ہوں گے اور دوسرے مقابلے میں اسے جیت لیں گے۔''

ابھی اس کے الفاظ کی گونج بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ شہزادی شمورہ دیوی ایشتار کا لباس زردوزی پہنے اور چہرے پر زرتار نقاب ڈالے کسی پُروقار دیوی کی طرح ایوان میں داخل ہوئی۔ سب لوگوں کی نگاہیں اس پر مرتکز ہو کے رہ گئیں۔ ایک طلسمِ حیرت تھا جس نے سب کو مبہوت کر دیا۔ ایک سحرِ جمال تھا جس نے لوگوں کے ہوش اُڑا دیئے جیسے شمورہ کے رُوپ میں سچ مچ دیوی ایشتار نے ظہور لیا ہو۔

وہ اسٹیج کے قریب ایک الگ تھلگ نشست پر بیٹھ گئی۔ کیونکہ آج اُسے بادشاہ کو کوئی مشورہ نہیں دینا تھا۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی اس کے بارے میں ہونے والی گفتگو ختم ہو گئی اور مجلس میں ایک عجیب سی خاموشی اور ہیبت چھا گئی۔

لوگوں نے بل، مردوک اور ایشتار کے عظیم الجثہ مجسموں کو دیکھا۔ یہ دیوی دیوتا انسانوں کے قد سے کئی گنا بڑے نظر آ رہے تھے مگر شہزادی شمورہ جو اُن کی ''زبان'' کہلاتی، ان سے کئی گنا چھوٹی ہونے کے باوجود انہی کی طرح پُرجلال اور پُروقار لگ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی سب پر ایک جادو سا پھونک دیا۔ کچھ لوگ محسوس کر رہے تھے، جس طرح روح دیواروں کے آر پار دیکھ لیتی اور ان کہی باتیں سن لیتی ہے اسی طرح زرتار نقاب سے جھانکتی نظریں ان کے دلوں میں جھانک رہی ہیں۔ گویا ایشتار خود تو اپنے دونوں شوہروں کے درمیان بلند و بالا دیوار کے ساتھ ایستادہ تھی اور اُس کی رُوح شمورہ کی صورت میں اسٹیج کے قریب آ بیٹھی تھی۔

مقدس گوما ابھی تک نہیں آیا تھا لیکن جسے آنا تھا وہ دیوتاؤں کی ''زبان'' بن کر آ گئی تھی اور اب لوگ اشمیدی کے وہ سوال سننے کے لئے بے قرار تھے جن کی خاطر مجلس منعقد ہوئی تھی۔ بزرگ زربیہ نے جو مقدس گوما کی عدم موجودگی میں میرِ مجلس کے فرائض ادا کر رہا تھا، اشمیدی کی طرف دیکھا اور اسے بادشاہ سے سوال کرنے کی دعوت دی۔ معبدِ اشتر کا معزول کاہنِ اعظم

اپنی نشست سے اٹھا اور قومی مجلس کے کاہنوں اور سرداروں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

''میں بتا چکا ہوں مجھے ایک سنگین جرم کے بارے میں بادشاہ سے کچھ پوچھنا ہے لیکن پہلے یہ وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ اس معاملے کا میری کہانت کی معزولی سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے ساتھ جو کچھ ہوا سو ہوا مگر ایک جرم ایسا ہے جس کا آج تک انصاف نہیں ہو سکا اور میں توقع رکھتا ہوں مجلس اس کا انصاف کرے گی۔''

اُس سنگین جرم کی نوعیت معلوم کرنے کے لئے لوگوں کا اشتیاق بڑھ گیا جس کا انصاف چاہتا تھا۔ شاہ بونید حیران سا تھا کہ آخر کس جرم کے بارے میں انصاف کا طلب گار ہے؟ دل میں ایک کانٹا سا ضرور کھٹک رہا تھا جس کی چبھن کا احساس تھا لیکن بظاہر مطمئن تھا کہ اشمیدی کا ہاتھ اس کانٹے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی اثناء میں اشمیدی بادشاہ کی طرف مُڑا اور کہنے لگا۔

''شاہِ معظم! جرم بہت پرانا ہے۔ اس وقت آپ لڑکے ہی تھے مگر نوجوانی کی یادیں ذہن سے کبھی محو نہیں ہوتیں۔ اس لئے میں خدائے بل مردوک اور ان کی زوجہ ایشتار کے نام پر سوال کرتا ہوں کہ آج سے چالیس برس پہلے حران کے معبد میں کیا واقعہ پیش آیا اور کون سا جرم سرزد ہوا تھا؟ سوال اس لئے کیا ہے کہ وقوعہ کے وقت آپ معبدِ سین (قمر) میں موجود تھے۔''

شاہ بونید پر بجلی سی گری اور یوں لگا وہ کانٹا جو دل میں کھٹک رہا تھا، اشمیدی کا ہاتھ لگتے ہی بھالا بن کے سینے میں اُتر گیا ہے۔ رنگ زرد پڑ گیا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔ جس بات سے ڈرتا تھا وہی پیش آئی۔ مگر کوئی جواب نہ دے سکا، معبدِ قمر کا نام سنتے ہی گم صم سا ہو گیا۔

اراکینِ مجلس پہلے ہی سوال پر دنگ رہ گئے۔ بیلشازار نے چونک کر اپنی نشست پر کروٹ بدلی۔ حران کے معبد میں ہونے والے اس جرم سے گہری دلچسپی رکھتا تھا جس کا تعلق بادشاہ کی ذات سے تھا۔ اسی جرم کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کے لئے اس نے ہاروت ماروت کو گرفتار کیا مگر ان سے کچھ دریافت نہ کر سکا اور اب اشمیدی نے اسی واقعے کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

بادشاہ کو خاموش اور حیران سا دیکھ کر اشمیدی نے اپنے الزام کی انگلی سیدھی کی اور بولا۔

''اگر آپ خاموش رہنا چاہتے ہیں تو میں بتاتا ہوں۔ اس معبد میں قتل کا جرم سرزد ہوا تھا اور وہ قتل آپ نے کیا تھا۔ اب میرا دوسرا سوال یہ ہے آپ نے کس کو قتل کیا تھا؟''

مجلس میں مزید سنسنی پھیل گئی۔ بیلشازار اپنی نشست پر اچھل گیا کیونکہ اگر بادشاہ فی الواقع قاتل تھا تو قانونِ حمورابی کے مطابق اس کا حکومت سے دستبردار ہونا لازمی تھا۔ گویا بیلشازار کی تخت نشینی کا ایک زرّیں موقع نکل آیا تھا۔ اب صرف اس بات کا منتظر تھا کہ بادشاہ اس الزام کا کیا جواب دیتا ہے اور کوئی جواب دیتا بھی ہے یا نہیں؟

شاہ بنونید پر گویا ایک سکتہ سا طاری تھا مگر اچانک سکتہ ٹوٹا اور وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"یہ درست ہے کہ نوجوانی میں ہم سے ایک جرم سرزد ہو گیا اور ہم نے معبد سین کے کاہنِ اعظم راہول کو قتل کر دیا لیکن راہول کا جرم ہمارے جرم سے بڑا تھا۔ اس نے خاندانِ بخت نصر کے بارے میں نازیبا باتیں کہی تھیں جن کی سزا بہر حال موت تھی۔ ہم عظیم بخت نصر کی بیٹی کے فرزند اور تخت و تاج کے وارث تھے اس لئے غصے میں اس پر وار کیا لیکن اُسے قتل کرنے کی بجائے صرف ڈرانا اور خوف زدہ کرنا چاہتے تھے تاکہ آئندہ وہ اس قسم کی گستاخی نہ کرے۔ ہم نے اُسے زخمی کر کے چھوڑ دیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکا اور مر گیا۔ اس قتل میں ہمارے ارادے کا دخل نہیں تھا۔ قانون میں اتفاقیہ قتل کی تلافی ہو سکتی ہے۔ پھر بھی یہ واقعہ ربۂ قمر کے معبد میں ہوا جس کا ہمیں افسوس تھا اس لئے جب ہم نے تخت و تاج کی ذمہ داریاں سنبھالیں اسی ہیکل میں، اسی کمرے میں اپنی بھول کا کفارہ ادا کیا اور دیوتاؤں کو قول دیا کہ اس خون کی تلافی کریں گے۔ چنانچہ ہم نے حران کے معبد کی نئی تعمیر کرائی۔ ربۂ قمر کی خدمت میں نذرانے پیش کئے اور کاہنِ اعظم راہول کے قتل کی معافی مانگی جو کسی ارادے کے بغیر محض اتفاقیہ ہم سے سرزد ہو گیا تھا۔ حمورابی کے قانون کی رُو سے اس قتل کی ذمے داری ہم پر نہیں، کاہن راہول پر عائد ہوتی ہے جس نے خاندانِ بخت نصر کے خلاف بے ہودہ زبان استعمال کی اور ہماری والدہ ماجدہ دُخترِ بخت نصر کی توہین کر کے ہمیں مشتعل کر دیا تھا۔"

قتل کی یہ عجیب و غریب روداد سننے کے بعد بیلشازار مایوس ہو گیا کیونکہ اس بیان کی رُو سے اس کا جرم قابلِ معافی تھا۔ مقتول راہول نے بادشاہ کو اشتعال دلایا اور خاندانِ بخت نصر کے خلاف بد زبانی کی تھی جو بجائے خود ایک جرم تھا۔ حاضرینِ مجلس نے بھی بادشاہ کا بیان پوری توجہ سے سنا۔ ان کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ جرم اتنا سنگین نہیں جب کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی بھی کر چکا ہے۔ ان تاثرات سے بنونید کا ٹوٹا ہوا حوصلہ پھر قائم ہو گیا مگر اس کا یہ اطمینان بالکل عارضی ثابت ہوا کیونکہ اشمیدی نے نہ صرف اس کا بیان مسترد کر دیا بلکہ معاملے

کی انتہائی خوف ناک صورت پیش کی۔

"میں اراکینِ مجلس کی اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ بادشاہ نے عدالتِ انصاف میں غلط بیانی سے کام لیا اور مجلسِ قومی کے سامنے جھوٹ بولا ہے۔ کیونکہ قتل کاہنِ اعظم راہول کا نہیں کسی اور کا ہوا تھا اور مقتول ایک لڑکا تھا۔ اب میں بادشاہ سے تیسرا سوال کرتا ہوں کہ وہ لڑکا کون اور اس کا خاندانِ بخت نصر سے کیا تعلق تھا؟"

بادشاہ پر دوسری بجلی گری اور ایسی تھی وہ بجلی کہ اس کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ قومی مجلس کے اجلاس میں جہاں دیوتا بھی موجود اور اپنے پتھر کے کانوں سے سب کچھ "سُن" رہے تھے اور پتھر کی آنکھوں سے سب کچھ "دیکھ" رہے تھے، جھوٹ بولنا گناہ تھا اور جھوٹ بادشاہوں کو زیب نہیں دیتا۔ بنونید کی بدحواسی، آنکھوں کی بجھتی روشنی، چہرے کی زردی بتا رہی تھی وہ دیوتاؤں کے حضور یا قومی مجلس کے سامنے جھوٹ بولنے کا مرتکب ہوا ہے۔ چند لمحے اس کی زبان گنگ رہی پھر اس نے ہولے ہولے خود کو سنبھالا اور مری ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"مرنے والا راہول ہی تھا۔ کیونکہ ہم نے اس کی لاش دیکھی تھی۔ اگر وہ کوئی لڑکا تھا تو اشمیدی ہی بتائے وہ کون تھا۔ ہم تو کسی لڑکے کو نہیں جانتے۔ صرف راہول کے اتفاقیہ قتل کا اقبال کرتے ہیں۔"

بنونید کا ٹوٹا ہوا حوصلہ اور مرا ہوا لہجہ بتا رہا تھا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر خود بھی یقین نہیں رکھتا مگر اس نے بڑی عیاری اور چالاکی سے بارِ ثبوت اشمیدی پر ڈال دیا، شاید دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اس واقعے کے بارے میں کہاں تک جانتا ہے۔ یہی نکتہ اشمیدی کی کمزوری ثابت ہوا، کیونکہ اس کی معلومات کی حد یہیں ختم ہو جاتی تھی کہ بنونید کے ہاتھ سے قتل ہونے والا کاہنِ اعظم راہول نہیں ایک لڑکا تھا مگر یہ نہیں جانتا تھا لڑکا کون اور اس کا نام کیا تھا۔ لڑکے کے متعلق اُسے بادشاہ ہی سے سوال کرنا تھا چنانچہ اس نے پہلے سوال کا سہارا لیا۔

"شاہِ معظم اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں اس لئے میں اپنا سوال دہراتا اور بادشاہ سے پھر پوچھتا ہوں کہ قتل ہونے والا لڑکا کون تھا اور اس کا خاندانِ بخت نصر سے کیا رشتہ تھا؟"

بنونید تذبذب میں پڑ گیا کہ شاید اشمیدی لڑکے کے متعلق خود بھی نہیں جانتا۔ اب کسی قدر حوصلے سے بولا۔ "جو کچھ ہم جانتے تھے بتا چکے۔ جو کچھ تم جانتے ہو بیان کرو۔"

حاضرین کی نظریں ایک بار پھر اشمیدی پر مرتکز ہو گئیں جو کسی قدر پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ زریہ نے لوگوں کی نظروں کا مفہوم سمجھ لیا اور کہا۔ ''اشمیدی! اگر مقتول راہول نہیں کوئی لڑکا تھا تو کاہن اور سردار اس کا نام تمہاری زبان سے سننا چاہتے ہیں۔ بادشاہ کے انکار کے بعد بارِ ثبوت تم پر ہے۔''

زریہ نے اشمیدی کو بڑا ہی مشکل کام سونپ دیا کیونکہ واقعی لڑکے کے متعلق کچھ نہ جانتا تھا مگر اس نے الفاظ کے جادو سے کام لیا۔

''بادشاہ کے انکار کر دینے سے حقیقت بدل نہیں سکتی اور دن کو رات کہہ دینے سے رات نہیں ہو جاتی۔ بزرگ زریہ! تم نے اور قومی مجلس کے اراکین نے مجھ سے ثبوت طلب کیا ہے۔ میں اپنا ثبوت روحوں کی دنیا سے اور زمین کے پیٹ سے نکال کر لاؤں گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مُردے زندہ نہیں ہوتے مگر آج ایک مُردہ زندوں کی مجلس میں آئے گا اور بادشاہ کے خلاف اس عدالتِ انصاف میں اپنی گواہی دے گا۔ میں جو گواہ ثبوت کے طور پر پیش کروں گا وہ اپنی قبر سے نمودار ہو گا اور تم اس گواہ کو گوشت اور ہڈیوں کے جسم اور روح کے ساتھ دیکھو گے اور اپنے کانوں سے اس کی آواز سنو گے۔۔۔۔''

اچانک اشمیدی کہتے کہتے رک گیا اور اس کی نگاہیں دروازے کی طرف دوڑ گئیں۔ لوگوں نے بھی اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا پھر ایک بوڑھے کو دروازے سے گزر کر کمرے میں داخل ہوتے اور اسٹیج کی طرف بڑھتے دیکھا جس نے اپنے چہرے پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ آنے والا جو کسی روح کی طرح اچانک نمودار ہوا، اسٹیج کے سامنے آ کر رک گیا اور زریہ سے مخاطب ہوا۔

''کاہنِ اعظم زریہ! میں بتاتا ہوں کہ حران کے معبد میں قتل ہونے والا لڑکا کون تھا؟''

سب لوگوں نے حیرت و تعجب سے اس کی آواز سنی اور ہیکلوں، مندروں، معبدوں کے سربراہ نے پوچھا۔ ''کون ہو تم؟''

اس سوال پر آنے والے نے اپنے چہرے سے پردہ نوچ لیا اور بتایا۔ ''میں ہوں حران کے معبد سین کا کاہنِ اعظم راہول۔ اور زریہ! تم یقیناً مجھے پہچانتے ہو کیونکہ نوجوانی کے ایام میں ہم دونوں نے فرات کے اس پار ہیراپولس کا سفر کیا تھا اور بادشاہ بھی مجھے ضرور پہچان لے گا کیونکہ اس نے اپنی تلوار کا جو زخم میری کمر میں لگایا تھا اس کا نشان ابھی تک موجود ہے۔''

بوڑھے راہول کے اس لرزہ خیز تعارف نے مجلس میں ایک زلزلہ سا ڈال دیا۔ سب لوگ

مارے حیرت کے دم بخود رہ گئے اور سر اُٹھا اُٹھا کے اُسے دیکھنے لگے جس کے قتل کا اعتراف شاہ بنونید کر بیٹھا اور بتا چکا تھا کہ راہول کی لاش اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی مگر اب خود اُسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ مُردوں کی دنیا سے اپنے گوشت پوست کے جسم اور رُوح کے ساتھ نکل آیا ہو۔ ایک مُردہ سچ مچ زندہ ہو گیا اور یہ ایسا عجیب و غریب طلسم ہوا تھا کہ بادشاہ کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی اور ساحرانِ بابل دم بخود رہ گئے۔ بادشاہ سُن تو رہا تھا لیکن کچھ بول نہیں رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا اس نے راہول کو نہیں اپنی موت کو دیکھ لیا ہے اور غش کھا کر گر پڑے گا۔ ایوانِ مجلس پر بھی حیرت و استعجاب کی ایک ناقابلِ بیان کیفیت طاری تھی۔ کاہن، ساحر، سردار اور خود خاندانِ بخت نصر کے افراد اس افسانے کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے۔ مقدس زریہ نے اس پراسرار خاموشی کو توڑا۔

''راہول! اگرچہ وقت ہر آدمی کی صورت پر اپنے تاثرات چھوڑ کر گزر جاتا ہے اور اس نے تمہارے چہرے پر بھی کچھ تبدیلیوں کے نشان چھوڑے ہیں پھر بھی میں نے پہچان لیا ہے۔ تم معبد سین کے کاہن راہول ہو مگر یہ کیا اچنبھا ہے کہ زندہ ہو۔ جب کہ شاہِ معظم کہتے ہیں تم ان کے ہاتھ سے اتفاقیہ قتل ہو گئے تھے اور انہوں نے تمہاری لاش دیکھی تھی؟''

بوڑھے راہول نے شاہ بنونید کی طرف نگاہِ حقارت سے دیکھا اور کہنے لگا۔

''میرے دوست زریہ! اس شخص نے جسے تم شاہِ معظم کہتے ہو، معبد سین میں فی الواقع میرے قتل میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی کیونکہ میں اس کے بھیانک جرم کا عینی گواہ تھا اور یہ مجھے ہلاک کر کے ہی زندہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تلوار سے مجھے گھائل کیا اور یہ سمجھ کر کہ میں مر گیا ہوں فرار ہو گیا۔ مگر اتفاق سے میرا ایک شاگرد معبد میں آ گیا جس نے مجھے وہاں سے نکال کر ایک پوشیدہ مقام پر پہنچایا اور دو عبرانی حکیموں نے میرا علاج کیا جس سے میں جانبر ہو سکا مگر اس کے بعد مجھے اپنی جان بچانے کے لئے روپوش ہونا پڑا اور اب چالیس برس بعد دیوتاؤں کے حکم سے اس سنگین جرم کا ثبوت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں جو ربۃ قمر کے معبد میں ہوا تھا۔''

اس بیان نے مجلس میں تحیر و تعجب کی نئی لہر دوڑا دی۔ بادشاہ پر ایک سکتہ طاری تھا جیسے کاہن راہول کے بیان کی تردید یا تائید کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا ہو۔ قومی مجلس کے اراکین بھی دم بخود تھے۔ معاً راہول نے بادشاہ کی طرف ہاتھ اٹھایا اور بلند آواز میں، تاکہ سب

لوگ اچھی طرح سن لیں، بتانے لگا۔

''اس شخص کا جو اس وقت شاہ بنونید کہلاتا ہے خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ معبد سین کی ایک پجارن[1] کا بیٹا ہے جس نے دُخترِ بخت نصر کے فرزند بنونید کو اس وقت قتل کر دیا جب وہ معبد میں دیوی قمر کو نذر دینے آیا تھا چونکہ میں نے خاندانِ بخت نصر کے شہزادے بنونید کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھ لیا تھا لہٰذا اس شخص نے مجھے بھی ہلاک کر دینے کی کوشش کی تاکہ اس کے خوفناک جرم کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے۔ معبد سین کی پجارن بھی اس کے جرم میں شریک تھی جس نے شہزادہ بنونید کی لاش ٹھکانے لگا کر اپنے بیٹے کو بنونید کے طور پر پیش کیا۔ کیونکہ اس کی شکل شہزادہ بنونید سے ملتی جلتی تھی مگر یہ اصل بنونید نہیں بلکہ اس کا قاتل اور ایک پجارن کا بیٹا ہے۔''

یہ ایک لرزہ خیز اور حیرت انگیز انکشاف تھا جس نے ارکانِ مجلس کو مبہوت کر دیا اور وہ اس بات پر حیران و ششدر رہ گئے کہ اُن پر ایک ایسا شخص حکومت کر رہا ہے جو خود بنونید نہیں بلکہ اس کا قاتل ہے اور جس کا خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر حیرت کا یہ عالم تھا کہ کوئی بول نہ سکا، کوئی حرکت نہ کر سکا۔ اچانک ایک سردار کھڑا ہوا اور بادشاہ کی طرف انگلی اٹھا کر چلایا۔

''شاہِ معظم! کاہن اعظم راہول اور کاہنِ اعظم اشمیدی نے جو کچھ بیان کیا وہ انتہائی سنگین ہے۔ اب کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ ہی عظیم بخت نصر کے نواسے اور اصل بنونید ہیں؟''

''ہاں، کیا ثبوت ہے؟'' دوسری آواز بلند ہوئی۔

لیکن اس سے پہلے کہ تیسری آواز بلند ہوتی، شاہ بنونید کو خطرناک صورتِ حال کا احساس ہوا اور چونک کر کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے سمجھا وہ کوئی ثبوت پیش کرنے والا ہے۔ لیکن بنونید نے راہول اور اشمیدی کی طرف ہاتھ اٹھا کر اپنے محافظوں کو حکم دیا۔

''یہ دونوں جھوٹے اور ہمارے ذاتی دشمن ہیں اور بادشاہ پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا موت ہے۔ اس لئے ہم بل مردوک کے موروثی جانشین کی حیثیت میں حکم دیتے ہیں کہ دونوں کے سر قلم کر دیئے جائیں۔''

---

[1] ہیرلڈلیم نے انکشاف کیا ہے کہ بنونید دُخترِ بخت نصر کا بیٹا نہ تھا بلکہ معبد سین کی پجارن کا لڑکا تھا جو ایک کلدانی عورت تھی۔ اصل بنونید کو قتل کر کے وہ تاج و تخت حاصل کرنے کے لئے خود بنونید بن گیا اور شاہ بنونید کہلایا۔ (ملاحظہ ہو ''سائرس دی گریٹ'' از ہیرلڈلیم باب 5)

بادشاہ کے حکم پر محافظ تیزے اور تلواریں لے کر دوڑے مگر اُسی لمحے شہزادی شمورہ اُن کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور پُر وقار لہجے میں بولی۔ ''ہم مقدس ایشتار کی کاہنہ اور دیوتاؤں کی زبان ہونے کے ناتے بادشاہ کے حکم کو مسترد کرتے ہیں۔ زیگورات میں کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر راہول اور اشمیدی جھوٹے ہیں تو ان کا جھوٹ ثابت کیا جائے۔''

مسلح محافظ پیچھے ہٹ گئے۔ بنونید پتھر سا ہو گیا اور ایوان پر سنسنی خیز سناٹا چھا گیا۔ اُس سناٹے میں شہزادی کی آواز بلند ہوئی۔ ''بادشاہ پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ وہ اصل بنونید نہیں اور بڑا بھیانک ہے یہ الزام، اس لئے ہم بادشاہ کو موقع دیتے ہیں وہ اپنی صفائی پیش کریں اور اگر صفائی پیش نہیں کر سکتے تو انہیں تاجِ شاہی پہننے اور تختِ اژدر پر بیٹھنے کا کوئی اختیار نہیں۔''

مجلس کا کوئی فرد حتیٰ کہ خود بادشاہ بھی ''دیوتاؤں کی زبان'' شمورہ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا۔ جو کچھ وہ کر رہی تھی، جو کچھ وہ کہہ رہی تھی، وہی دیوتاؤں کی مرضی تھی اور خود ایشتار کے لباسِ زردوزی میں دیوی کی اوتار بن کے کھڑی تھی۔ بادشاہ نے حیرت پاش نظروں سے اُس کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہا مگر کچھ کہا نہیں اور حکمت شناس شمورہ نے سمجھ لیا کہ اُس کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں۔ اچانک وہ معبد سین کے بوڑھے کاہن کی طرف مُڑی۔

''اب ہم راہول سے دریافت کرتے ہیں اس کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ پدرِ محترم کا خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق نہیں اور یہ اصل بنونید کے قاتل ہیں؟''

راہول نے بادشاہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اگر یہ شخص عظیم بخت نصر کا نواسا ہے تو اسے اپنے تعلق کا ثبوت پیش کرنا چاہئے اور ثبوت وہ خاص طلائی زنجیر ہے جو علامتِ شہزادگی کے طور پر شہزادہ بنونید کو پہنائی گئی تھی۔ کہاں ہے وہ زنجیر ـــــ؟''

اس مطالبے نے بادشاہ کو اَدھ موا کر دیا۔ شمورہ نے اُس کی طرف دیکھا اور وہ مری ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ زنجیر ہم سے کہیں گم ہو گئی تھی۔''

راہول نے اپنے لبادے کی جیب سے ایک انتہائی قیمتی طلائی زنجیر نکال کر اراکینِ مجلس کو دکھائی ـــــ ''یہ ہے وہ علامتِ شہزادگی جو میں نے شہزادہ بنونید کے گلے سے اس وقت اُتار لی تھی جب اُسے قتل کر دیا گیا۔ قاتل اس زنجیر کی اہمیت سے بے خبر تھا۔ ورنہ جب اس نے مجھے گھائل کر کے پھینک دیا، وہ میری جیب سے یہ زنجیر بھی اُڑا کر لے جاتا۔''

وہ طلائی زنجیر جس کے وسط میں تین نادر ہیرے پروئے گئے تھے، پہلے بزرگ زریہ نے

دیکھی، پھر چند عمر رسیدہ کاہنوں اور سرداروں کو دکھائی گئی اور سب نے تصدیق کی کہ وہی شاہی زنجیر اور شہزادگی کی علامت ہے۔ اس سے راہول کے بیان کی اہمیت واضح ہوگئی اور یہ ثبوت مل گیا کہ اصل بنونید قتل ہو چکا ہے۔

مجلس میں شور مچ گیا کہ بادشاہ کو معزول کیا جائے۔ اس شور میں بیلشازار کھڑا ہوا اور غضب ناک آواز میں کہنے لگا۔ ''اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ زنجیر نقلی نہیں اور مقتول کے گلے سے اُتاری گئی تھی؟''

لوگوں نے بیلشازار کی بات ایک نئی حیرت کے ساتھ سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''حران کے معبدِ سین میں قتل کی یہ کہانی ناقابل یقین ہے۔ اگر فی الواقع کوئی ایسی بات ہوئی تھی تو راہول چالیس برس تک خاموش کیوں رہا جب کہ اس کے پاس قتل کا ثبوت موجود تھا؟ ضرور اس نے اشمیدی کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف ایک سازش کی اور پدرِ محترم پر غلط الزام لگایا ہے۔ ہم کسی کو الزام تراشی اور شمع خراشی کی اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ بادشاہ پر الزام تراشی کی سزا موت ہے۔''

ظاہر ہے بادشاہ کے ''نقلی بنونید'' اور قاتل ثابت ہونے کے بعد بیلشازار بھی حقِ سلطنت سے محروم ہوتا تھا اس لئے راہول کی کہانی کو ''ناقابلِ یقین'' قرار دے کر انتہائی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا پھر اس سے پہلے کہ لوگ کچھ سمجھ سکتے اُس کی تلوار بجلی کی طرح میان سے باہر آئی اور راہول کے ساتھ اشمیدی کا جسم بھی فرش پر تڑپنے لگا۔ دونوں وار اتنے کاری اور مہلک تھے کہ بوڑھے راہول کی گردن کٹ کے گری اور اشمیدی کی شہ رگ سے خون کسی سوتے کی طرح بہنے لگا۔ فرش پر تڑپتے ہوئے اُس نے آخری بار اپنی اُنگلی بیلشازار کی طرف اٹھائی اور ڈوبتی آواز میں کہا____

''بیلشازار! جس طرح تم نے مجھ پر تلوار چلائی ہے اسی طرح تم پر بھی چلائی جائے گی اور دیوتا میرے خون کا انتقام لیں گے۔''

یہ تھی معبدِ اشتر کے معزول کاہن کی آخری آواز جس کے ساتھ اس کی گردن ڈھلک گئی اور لوگ خوفزدہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور حیرت پاش نظروں سے دونوں لاشوں کو دیکھنے لگے جو خون میں لت پت ہو رہی تھیں۔

ٹھیک اُسی لمحے جب ہیکلِ مقدس کے ''ایوانِ الوہیت'' میں، کیونکہ وہ بل، مردوک اور

ایشتار کا ایوان تھا موت کے شہپروں کی سنسناہٹ سنائی دے رہی تھی، کالدیا کا روحانی پیشوا گوما ہال میں داخل ہوا اور خون میں لتھڑی لاشیں دیکھ کر وہیں ٹھٹک گیا۔ موت کے اس منظر نے غیب دان پر رعشہ ساطاری کر دیا اور وہ کھلی آستین والے ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔

''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ یہاں دو لاشیں خون میں لت پت پڑی ہیں۔ ایک اشمیدی کی لاش ہے اور دوسری لاش بھی کسی کاہن کی ہے۔ یہ دونوں خون ہیکلِ مقدس میں دیوتاؤں کے سامنے کئے گئے ہیں جہاں خون بہانا اور کسی کو گرفتار کرنا بھی ممنوع ہے۔ یہ دیوتاؤں کی اور مقدس ہیکل اور دینِ اکد کی توہین ہے۔ میں بابل میں ہر طرف خون ریزی دیکھ رہا ہوں اور رونے کی آوازیں سن رہا ہوں۔ قاتل اور غاصب قتل کئے جائیں گے اور بڑی تباہی آئے گی۔ ہر طرف خون ہی خون ہے____ ہر طرف موت ہی موت ہے____''

ان الفاظ کے ساتھ بابل کا غیب دان پلٹا اور تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ لوگ یوں ساکت وصامت کھڑے تھے جیسے اُن کے جسموں سے رُوحیں پرواز کر چکی ہوں۔

❁

(47)

کاہن اور سردار

◎

غیب دان گوما خود چلا گیا لیکن اپنی رُوح دیوتاؤں کے ایوان میں چھوڑ گیا۔ اس کی پیشین گوئی کے الفاظ دلوں پر ہیبت طاری کر رہے تھے اور مجلسِ قومی کے ارکان کیا ساحر، کاہن، پروہت اور کیا سردار، شیوخ اور اُمرائے سلطنت سب ان الفاظ کی دہشت سے لرزہ براندام تھے۔

بابل میں خون، موت اور تباہی و بربادی کی پیشین گوئی اُس شخص نے کی تھی جس کی آنکھ آسمانوں میں، خلاؤں میں، اندھیروں میں، اُجالوں میں، آنکھوں میں، دلوں میں جھانک لیتی تھی کہ عنقریب کیا ہونے والا ہے اور کچھ نہ کچھ ہونے والا تھا کیونکہ راہول اور اشمیدی کی خون میں لت پت لاشیں جن سے ہیکل کا فرش آلودہ ہو گیا تھا ابھی تک ایوان میں پڑی تھیں جب کہ اس کی چار دیواری کے اندر خونریزی ممنوع تھی مگر بادشاہ نے اپنا جرم چھپانے کی خاطر کاہنوں کے قتل کا حکم جاری کر دیا اور جنگ جو بیلشازار نے یہ سوچ کر اس کی تعمیل ضروری سمجھی کہ اگر بادشاہ معبدِ سین (قمر) کی پجارن کا بیٹا اور اصل بنونید کا قاتل تسلیم کر لیا گیا جیسا الزام لگایا اور ثبوت پیش کیا گیا تھا تو باپ کے ساتھ وہ خود بھی حکومت سے محروم ہو جائے گا۔ قومی مجلس کسی ایسے شخص کو اس موروثی سلطنت پر فرمانروائی کی اجازت نہ دے سکتی تھی جس کا خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اسی لئے بیٹے نے باپ پر الزام لگانے والے اشمیدی اور ثبوتِ جرم پیش کرنے والے چشم دید گواہ راہول کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ بادشاہ کے اس عذر کو برقرار رکھا تھا کہ الزام جھوٹا ہے اور اس الزام تراشی کی سزا موت ہے۔

صورتِ حال بڑی عجیب و غریب تھی۔ خودسر اور سرکش ولی عہد کئی سال تک "شاہِ حاضر" کے فرائض ادا کرتا رہا۔ حصولِ اقتدار کے لئے باپ کے خلاف کئی سازشیں کر چکا اور کسی ایسے جرم سے گہری دلچسپی رکھتا تھا جو اُسے تخت و تاج سے محروم کر کے اُس کی فرمانروائی کی راہ کھول دے۔ لیکن جب بادشاہ کے لرزہ خیز جرم کی نوعیت کھلی، بیلشازار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ تختِ اژدر ہاتھ سے جاتا نظر آیا۔ اب اپنے حقِ وراثت کے لئے باپ کو حق بجانب ثابت کرنا ضروری تھا جس کی خاطر اس نے تلوار استعمال کی اور ارکانِ مجلس پر اثر ڈالا کہ الزام لگانے والے دونوں کاہن جھوٹے اور واجب القتل تھے۔ مگر باپ بیٹا بھول گئے کہ ہیکلِ مقدس میں قتل کا حکم دینا اور قتل کرنا بجائے خود ایک سنگین جرم تھا۔

دوہرے قتل کے اس سانحہ نے لوگوں کو دم بخود کر دیا۔ کاہنوں اور ساحروں کے علاوہ فوجی سردار اور امراء و شیوخ بھی خوفزدہ تھے۔ ہیکلوں، معبدوں اور مندروں کا ناظمِ اعلیٰ زریہ، دفاعِ بابل کا سپہ سالار رزقال، امورِ خفیہ کا سربراہ ریموت، ہیکلِ زہرہ کا کاہنِ اعظم اوماتا، شاہی جلوداروں کا سردار حنانی اور دوسرے بزرگ کاہن، ساحر اور سردار جو اس اعلیٰ ترین عدالتِ قومی کے رُکن تھے سب کے سب چشمِ حیرت سے تیغ بکف بیلشازار کو دیکھ رہے تھے جو ابھی تک لاشوں کے پاس ہی کھڑا تھا۔

دیوتاؤں کے ایوان پر ایک خوف انگیز سناٹا طاری تھا۔ بابل کے مقبول خداؤں بل، مردوک اور ان کی مشترکہ زوجہ ایشتار کی "پتھریلی نگاہیں" لاشوں پر مرتکز تھیں۔ دونوں خون اُن کی موجودگی میں اور "کھلی آنکھوں" کے سامنے کئے گئے تھے۔ یہ اتنا ہولناک جرم تھا جس نے دیوتاؤں کو قہر آلود کر دیا کیونکہ وہ بے حد برہم نظر آتے اور شاید اپنی "خاموشی کی زبان" میں کچھ کہہ بھی رہے تھے مگر کیا کہہ رہے تھے؟ یہ کوئی نہ جانتا تھا۔

بابل میں دیوتاؤں کی پراسرار اور ناقابلِ فہم "زبان" شہزادی شمورہ سمجھتی تھی جس نے تھکا دینے والی تنہائی کے چلّے کاٹ کر یہ عرفان حاصل کیا تھا اور لوگوں نے دیکھا دیوی ایشتار کے لباسِ زریں میں وہ گھٹنوں کے بل دیوتاؤں کے حضور سرنگوں بیٹھی تھی۔ خاموش، چپ چاپ۔ مراقبہ کی یہ کیفیت ایسی تھی جیسے اس کے دل پر کچھ القا ہو رہا ہو اور دیوتا اس سے ہم کلام ہوں۔ ایسے دیکھ کر سب یہی سمجھے وہ حالتِ عرفان میں دیوتاؤں کا فیصلہ سن رہی اور اس پر الہام ہو رہا ہے۔

خوف وتحیر کے مارے ان کے اپنے وجود خوابی پیکر معلوم ہو رہے تھے جو گویائی سے محروم کر دیئے گئے ہوں۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ جیسی قبرستانوں میں یا روحوں کی دنیا میں ہوتی ہے۔ اس خاموشی میں وہ ایک عجیب سی سنسناہٹ یا کوئی خوف انگیز سرسراہٹ بھی سننے لگے۔ اور اس خیال سے مزید سراسیمہ ہو گئے کہ دیوتاؤں کے نظر نہ آنے والے آسمانی مشیر، محرر اور کوتوال ایوانِ خاص میں پہنچ گئے اور اس وقت شہزادی شمورہ کے اردگرد پرواز کرتے ہوئے اسے دیوتاؤں کی مرضی سے آگاہ کر رہے ہیں اور یہ سنسناہٹ انہی کے نادیدہ پروں کی ہے جس نے دلوں پر ایک نامعلوم سی ہیبت طاری کر دی ہے۔

بابل میں ایسا عجیب وحیرت انگیز سانحہ پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا۔ کسی نے وارثِ تخت کو قتل کر کے اس کا نام اور رُوپ اختیار نہ کیا تھا۔ ہیکلِ مقدس کے اندر دیوتاؤں کی موجودگی میں قتل و خون ریزی کا حکم نہ تھا۔ جہاں خون بہانا خلافِ قانون بلکہ صریحاً کفر تھا۔ شمورہ اگرچہ اُسی باپ کی بیٹی اور وارث تھی جس پر ایک بخت نصری شہزادے کے قتل کا جرم عائد کیا گیا لیکن لوگ جانتے تھے، وہ دُخترِ بنونید ہونے کے علاوہ عرفان شناس، دیوی اِشتار کی کاہنہ اور "دیوتاؤں کی زبان" ہے۔ اس حیثیت میں اُسے باپ کی حمایت نہیں کرنا تھی صرف دیوتاؤں کا فیصلہ سنانا تھا۔ لوگوں کو یقین تھا اس کے دل پر جو کچھ القا کیا جائے گا، اُسے من وعن بیان کر دے گی۔

ہیکلِ مقدس میں قتل کے سانحہ اور غیب دان گوما کی لرزا دینے والی پیشین گوئی کے بعد جس کے الفاظ کی گونج ابھی تک دلوں کے گنبد میں سنائی دے رہی تھی، شہزادی شمورہ کی عارفانہ خاموشی نے ایوان پر ایک نئی خوف انگیز کیفیت طاری کر دی۔ یوں لگ رہا تھا راہول اور اشمیدی کی روحیں قومی مجلس کی عدالت سے نکل کر جو اُن کے ساتھ انصاف نہ کر سکی تھی دیوتاؤں کی عدالت میں پہنچ گئی ہیں۔

خوف اور دہشت کے اس ماحول میں اچانک ایک تبدیلی ہوئی۔ شہزادی شمورہ نے ناگہاں اپنے اعتکاف سے سر اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔ لوگوں کے دل دھڑکنے لگے۔ وہ بے حد تھکی ماندی اور نڈھال دکھائی دے رہی تھی جیسے بہت دُور سے چل کر یا روحوں کی دنیا سے نکل کر آئی ہو جو کہیں آسمانوں پر تھی۔ پھر ارکانِ مجلس نے اُس کی ملہمانہ آواز سنی۔ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے وہ کسی دیوی کے سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"سنو اے کالدیا کے سردارو! اے شاہی مشیرو! اے سلطنت کے امیرو! اے بزرگ کاہنو!

ساحرو! دانش ورو! سب سنو، ہم نے آج کے ہولناک واقعات پر دیوتاؤں سے رجوع کیا اور ان کے روحانی وجود سے ہم کلام ہونے کی کوشش کی مگر دیوتا بڑے ناراض اور غضب ناک ہیں۔ وقائع نویس ہمارے الفاظ تحریر کریں اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اسے دفترِ شاہی میں محفوظ کیا جائے۔ وقائع نویس یہ بھی لکھیں کہ آج کا دن بابل کی تاریخ میں بڑا منحوس اور بھیانک ہے کیونکہ آج کے دن بادشاہ پر ایک سنگین جرم عائد ہوا اور اس کا ثبوت پیش کیا گیا۔ آج ہی کے دن مقدس ہیکل میں دو کاہنوں کا خون بہایا گیا حالانکہ ہم نے قتل کا حکم مسترد کر دیا اور بادشاہ سے صفائی کا بیان طلب کیا تھا مگر افسوس ہمارے حکم کی جو دراصل دیوتاؤں کا فرمان تھا کیونکہ دیوتا ہماری زبان سے کلام کرتے ہیں، خلاف ورزی کی گئی۔ اس لئے وہ ناراض ہیں اور دیوتا قومی مجلس کے ارکان سے بھی خفا ہو گئے ہیں کیونکہ وہ مقدس ہیکل میں خون ریزی کو نہ روک سکے اور اپنی قوتِ فیصلہ سے اس طرح عاری ہو گئے جیسے بے وقوف اپنی عقل کا ماتم کرتے ہیں۔ وہ تلوار سے ڈر گئے جس نے اُن کی دانش کو بھی قتل کر دیا اور دیوتاؤں کی ناراضی کا ثبوت یہ ہے کہ جس طرح مقدس گوما نے خون اور موت اور تباہی و بربادی کی خبر دی، اُسی طرح ہم بھی مراقبہ کی حالت میں ایک خوفناک آواز سنتے رہے، جو آسمانوں سے آ رہی تھی اور اس آواز نے بھی وہی کہا جو غیب دان نے کہا تھا کہ ہر طرف موت ہی موت ہے۔ ہر طرف خون ہی خون ہے۔ ہیکلِ مقدس سے لے کر بابل کے بازاروں، محلوں اور کوچوں تک۔ اُمراء اور سرداروں کے قصروں تک، ماربنوئی اور قلعہ اساگیلہ کے ایوانِ شاہی تک خون ہی خون ہے کیونکہ بابل کے سردار، کاہن اور دانش ور سب بے وقوف ہو گئے۔ دیوتاؤں کا قانون توڑا گیا اور ان کی ہیکل کا فرش خون سے آلودہ ہوا۔ اس لئے سب پر موت کا جوا ہے اور اس خون کا قرض جو ہیکل میں بہایا گیا۔"

شمورہ کے یہ الفاظ اس قدر تہلکہ انگیز تھے کہ لوگوں پر موت کا خوف طاری ہو گیا۔ وہ اس وقت اِشتار کے لباس زرروزی میں تھی۔ اُس کا لہجہ دیویوں کا سا تھا۔ جیسے وہ عالمِ رویا میں کلام کرتی ہیں اور الفاظ ملہمانہ تھے۔ اس سے پہلے لوگوں نے اُسے دیوتاؤں کے حضور مراقبہ یا حالتِ عرفان میں دیکھا اور یہی سمجھے تھے کہ اُس پر الہام ہو رہا ہے اس لئے جب شمورہ نے دیوتاؤں کی برہمی کا اظہار کیا، اس کے الفاظ تیر کی طرح دلوں میں اُتر گئے اور ہر طرف ایک مرگ آسا خاموشی چھا گئی۔ اچانک اس خاموشی کو چیرتی ہوئی ایک آواز بلند ہوئی۔

"دیوتاؤں نے بادشاہ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا۔ اگر وہ خاندانِ بخت نصر سے نہیں تو تختِ اژدر پر بیٹھنے کے جرم کی سزا کیا ہے؟"

ایوان میں یک لخت اضطراب کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ ہیکلِ مقدس میں بہائے جانے والے خون سے کہیں زیادہ لوگوں کو اس جرم سے دلچسپی تھی جو حران کے معبدِ سین میں ہوا۔ وہ اُسی سنگین جرم کے بارے میں دیوتاؤں کا فیصلہ سننا چاہتے تھے۔ لوگ یہ بھی جانتے تھے بادشاہ چاند دیوی کا خاص پجاری تھا۔ انہوں نے گردنیں موڑ کر اسٹیج کی طرف دیکھا تو دنگ رہ گئے کیونکہ بادشاہ کی مسند خالی پڑی تھی اور بیلشازار بھی ایوانِ خاص میں موجود نہ تھا۔ دونوں باپ بیٹا غالباً اُس وقت بے آواز باہر نکل گئے تھے، جب لوگ شہزادی شمورہ کی طرف متوجہ تھے۔

خاموشی کو چیرتی آواز بھی عقب سے بلند ہوئی تھی۔ لوگوں نے دیکھا وہ کالدیا کا معتبر سردار زریا[1] تھا جس نے بادشاہ کے جرم پر فیصلہ طلب کیا۔ سب لوگ یہ جاننے کے لئے بھی بے چین تھے کہ شمورہ اصل جرم کے بارے میں کیا کہتی ہے اور اس نے کہا۔

"سردار زریا! اگر بادشاہ عظیم بخت نصر کا نواسا نہیں بلکہ اصل بنونید کا قاتل ہے جیسا مقتول کاہنوں نے کہا تو یہ ایک ہولناک حادثہ ہے جس کا فیصلہ ضرور ہوگا مگر دیوتا پہلے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بابل کے کاہن، سردار، دانشور اور قانون دان اس مقدمے کا کیا فیصلہ کرتے ہیں ـــــ"

شمورہ کا جواب حیران کن تھا۔ زریا بولا۔ "بابل کے سردار، کاہن، دانشور اور قانون دان سب بے وقوف ہو گئے۔ جیسا تم نے کہا ہے۔ اُن کی دانش کو بیلشازار کی تلوار نے ہلاک کر دیا اور وہ سچ جھوٹ کا فیصلہ نہ کر سکے لیکن دیوتا جانتے ہیں، سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے۔ اس لئے ہم ان کا فیصلہ سننا چاہتے ہیں۔"

"بے شک دیوتا جانتے ہیں کہ بادشاہ اصل بنونید کا قاتل ہے یا خود اصل بنونید ہے۔ اُن سے کوئی بات پوشیدہ نہیں لیکن یہ استغاثہ قومی مجلس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کا فیصلہ بھی سرداروں اور کاہنوں کو کرنا ہے۔ اگر دیوتاؤں کا انصاف چاہتے ہو تو قومی مجلس کو توڑ دیا جائے۔"

مقدس زریہ نے شمورہ کی تائید کی کہ اگر مجلس کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تو اس کا وجود بیکار ہو جاتا ہے مگر کوئی شخص اُسے توڑ دینے پر تیار نہ تھا۔ زریا نے کہا۔

---

[1] زریا بابل کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ (بحوالہ ہیرلڈ لیم)

"مجلس کے سامنے بادشاہ کے خلاف جرم کا ثبوت پیش کیا گیا مگر اس نے نہ تو صفائی کا بیان دیا، نہ یہ ثابت کیا کہ وہی اصل بنونید ہے۔ اب وہ جا چکا ہے۔ پھر فیصلہ کیونکر ہوگا؟"

"وہ اسی لئے چلا گیا کہ اس کے پاس اپنی شہزادگی کا کوئی ثبوت نہیں۔" ایک کاہن نے خیال ظاہر کیا۔ "کیا مجلس اُسے بادشاہت سے معزول نہیں کر سکتی؟"

زریہ نے قانون کی وضاحت کی۔ "مجرم کوئی بھی ہو، قانون اُسے صفائی کا موقع دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے بادشاہ کے پاس اپنی شہزادگی کا کوئی ثبوت ہو، ہوسکتا ہے، نہ ہو۔ مجلس بیان سنے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔"

"اگر بادشاہ کے پاس کوئی ثبوت ہے تو اُس نے پیش کیوں نہیں کیا؟"

سردار اور کاہن آپس میں اُلجھ رہے تھے۔ یہ بات سب پر واضح تھی کہ کالدیا کی تمام شوکت اور کلدانی قوم کی ساری عظمت اس لئے تھی کہ ماضی میں عظیم بخت نصر نے مردوک جنگ بن کر ملکوں اور قوموں کو پامال کیا اور بابل کو "مملکتوں کی خاتون" کے معزز لقب سے سرفراز کیا تھا۔ وہ دیوتاؤں کے جلال کا مظہر اور فاتح شہنشاہ تھا جس کے کارنامے بہت سے ستونوں، کتبوں اور دیواروں پر کندہ ہوئے۔

بابل کی کئی رفیع الجلال عمارتوں کے علاوہ نیرنگِ زمانہ باغاتِ معلقہ کی تعمیر بھی اسی حکمران کا کارنامہ تھا۔ دینِ اکد کے عالموں اور کاہنوں نے اُسے بل مردوک کا ظہور اور فرزند قرار دیا۔ اسی نسبت سے مملکتِ کالدیا، خاندانِ بخت نصر کی موروثی سلطنت قرار پائی۔ بنونید اس خاندان کا آخری شہزادہ اور دخترِ بخت نصر کا بیٹا ہونے کے ناتے اس عظیم سلطنت کا تنہا وارث تھا۔ اگر وہ شہزادہ کاہن راہول کی شہادت کے مطابق حران کے معبدِ قمر (سین) میں دھوکے سے قتل کر دیا گیا اور موجودہ بادشاہ دراصل اس کا ہم شکل اور معبد کی پجارن کا بیٹا تھا، تو بابل کی تاریخ میں اس سے بڑا جرم اور کوئی نہ تھا اور اس کی سزا بھی اتنی ہی خوفناک اور بھیانک ہونی چاہئے تھی جسے تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکتی۔ مگر اتنے بڑے جرم کا انکشاف یوں اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا کہ مجلسِ قومی کے ارکان سچ مچ اپنے ہوش کھو بیٹھے اور ان کی عقلیں کند ہو گئیں۔ اب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اکثریت کی یہی رائے تھی کہ راہول کاہن کی شہادت درست تھی اور اس نے مقتول شہزادہ بنونید کی طلائی زنجیر پیش کر کے جو اس کی شہزادگی کی علامت تھی، بادشاہ کو قاتل اور مجرم ثابت کر دیا تھا۔

اچانک سردار نرقال کی آواز بلند ہوئی۔

''بادشاہ کے پاس اپنی شہزادگی کا کوئی نہ کوئی ثبوت ضرور موجود ہوگا۔ اگر نہیں ہے پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اگر وہ اصل بنونید نہ ہوتا تو دیوتا اس وقت تک اُسے ضرور سزا دے چکے ہوتے اور وہ طویل عرصہ تختِ اژدر پر بیٹھ کر حکمرانی نہ کر سکتا۔''

یہ ایک عجیب و غریب خیال تھا جس کی کوئی منطق، کوئی دلیل نہ تھی۔ بات صرف اعتقاد کی تھی اور سردار نرقال نے اس اندھے اعتقاد کا سہارا غالباً اس لئے لیا تھا کہ ایرانی لشکر شہر کا محاصرہ کئے بیٹھے تھے اور ایسے نازک وقت میں یہ جھگڑا بڑے خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ اس کی بات نے حیرت انگیز اثر دکھایا اور بہت سے لوگ اس کے ہم خیال نظر آنے لگے۔ کسی نے نرقال کی تائید کی۔

''بادشاہ ہی اصل بنونید ہے۔''

''مگر اُسے ثبوت دینا ہوگا کہ وہی دُخترِ بخت نصر کا بیٹا ہے۔''

''دیوتا جانتے ہیں کہ وہی ہے۔''

دیوتاؤں نے اس کے حق میں کوئی نشانی نہیں دی بلکہ غیب دان گوما اور ''دیوتاؤں کی زبان'' شمورہ نے خون، موت اور تباہی و بربادی کی خبریں دی ہیں اور یہ خبریں ظاہر کرتی ہیں کہ دیوتا بادشاہ کے خلاف ہیں۔''

''جب تک وہ اپنی شہزادگی کا ثبوت نہیں دیتا اُسے معزول کر دو۔''

''اگر اصل بنونید واقعی قتل ہو چکا ہے، جو خاندانِ بخت نصر کا آخری وارث تھا تو پھر بادشاہ کون ہوگا؟''

یہ ایک بڑا ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ کاہن اور سردار بحث میں اُلجھے ہوئے تھے۔ آدھے بادشاہ کے خلاف اور آدھے حق میں تھے۔ اس جھگڑے میں ہیکلوں کے ناظمِ اعلیٰ زریہ نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا۔

''کورش ہخامنشی بھی خود کو عظیم بخت نصر کی بیٹی ماندانہ کا ''روحانی بیٹا'' قرار دیتا ہے جو شاہ اژدہاک والئی ماد و فارس کی ملکہ تھی مگر کورش نے اژدہاک کو شکست دے کر اگبتانہ (ہمدان) پر قبضہ کر لیا اور ملکہ ماندانہ کو اپنی ''منہ بولی ماں'' بنا لیا۔ وہ اُسے اپنا ''نجات دہندہ بیٹا'' کہتی ہے کیونکہ ماندانہ عراقِ عجم کی ملکہ ہونے کے باوجود اپنے خاوند اژدہاک سے خوش نہ تھی۔ میں نے

سنا ہے وہ اپنے عظیم باپ بخت نصر کے باغاتِ معلقہ میں واپس آنا چاہتی ہے، جہاں پیدا ہوئی تھی اور اُس نے کورش کو بھیجا ہے کہ بابل کو فتح کرے جسے اپنا ''فرزندِ روحانی''[1] قرار دیتی ہے۔ کہیں راہول اور اشمیدی نے بادشاہ پر اس لئے تو الزام نہیں لگایا کہ اُسے بخت نصر کی فرزندی سے خارج کر کے کورش ہخامنشی کا حق ثابت کیا جائے؟''

زریہ کے اس انکشاف نے ایوان میں زبردست سنسنی پھیلا دی اور لوگ حیرت و تعجب کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے یعنی بابل اور دینِ بابل کا دشمن کورش ہخامنشی جو دیوتاؤں کا منکر اور اَن دیکھے خدا آہورموزدہ کو مانتا ہے ماندانہ کا ''روحانی فرزند'' بن کر کالدیا کی موروثی سلطنت پر قبضہ کرنے کا جواز پیدا کر رہا ہے۔

بابل کے سرداروں اور کاہنوں کے نزدیک یہ بات کسی اچنبھے سے کم نہ تھی۔ وہ کورش اور اس کے لشکروں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ مگر ہیکلوں کا ناظمِ اعلیٰ زریہ ''سروش'' کے حلقے کا خفیہ آدمی اور بابل کے موجودہ بنو خاندان کی حکومت پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے بڑے موزوں وقت پر ماندانہ اور کورش کے روحانی رشتے کا ذکر کر کے شاہ بنونید کے خلاف ایک نئے ''حقدار'' کی بات چلائی۔ بات کرنے کا انداز اگرچہ کورش کے خلاف اور بنونید کے حق میں تھا لیکن اس نے ذہنوں میں ایک پھلجھڑی سی چھوڑ دی تھی۔ لوگ جو عظیم بخت نصر کے نام سے مسحور تھے ملکہ ماندانہ کے ذریعے کورش کی ''روحانی فرزندی'' کے ذکر پر حیران رہ گئے۔

زریہ جانتا تھا کاہن، سردار اور قانون دان انصاف پسند کورش کے مقابلے میں قاتل اور غاصب بنونید ہی کی حمایت کریں گے کیونکہ اس نے یہ لاف زنی ایک لوح پر کندہ کرائی تھی کہ کورش کو شکست دے گا اور اگبتانہ اور پارساگرد تک اُس کا تعاقب کرے گا۔ بابل کے سردار اور کاہن جو خود بھی ڈینگیں مارنے میں مشہور اور بنونید کی اس خودستائی پر بڑے خوش ہوئے تھے۔ ہخامنشی فاتح کی شکست و پسپائی میں دلچسپی رکھتے تھے۔ پھر بھی عظیم بخت نصر کی بیٹی ملکہ ماندانہ کا

[1] کورش شہزادگی کے زمانے میں اپنے باپ کے ہمراہ دربارِ اگبتانہ میں شاہ اژدہاک کے حضور پیش ہوا کیونکہ اُن ایام میں فارس کی ریاست شاہِ ماد کی باجگزار تھی۔ اس وقت ملکہ ماندانہ نے کورش کو ''اپنا بیٹا'' قرار دیا اور اُسے شاہِ اژدہاک کے عتاب سے بچایا تھا۔ ماد (عراقِ عجم) کو فتح کر لینے کے بعد کورش ماندانہ کا ماں ہی کی طرح احترام کرتا تھا۔

(سائرس دی گریٹ از ہیرلڈ لیم)

نام پُر کشش تھا جس نے کورش کو اپنا ''فرزندِ روحانی'' قرار دیا اور وہ اس کا محافظ و نگران تھا۔ جب کہ یہ انکشاف بنونید کی ساری بزرگی اور خاندانی عظمت کو خاک میں ملا دینے کے لئے کافی تھا کہ وہ خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ اصل دعوے دار کا قاتل اور غاصب ہے۔

لوگ ابھی تک دو حصوں میں منقسم تھے۔ آدھے سمجھتے تھے، بادشاہ مجرم ہے۔ آدھے سوچ رہے تھے اگر وہ مجرم ہوتا تو دیوتا اُسے کبھی معاف نہ کرتے۔ مگر اس نے ہیکلِ مقدس کے اندر کاہنوں کے قتل کا حکم دے کر دیوتاؤں کی نافرمانی کی تھی اور یہ جرم یقیناً اُسے گناہگار ثابت کر رہا تھا۔ ناگاہ کچھ کاہن کھڑے ہوئے اور بیک زبان چلّائے۔

''اب کیا ہوگا؟ ہم 'دیوتاؤں کی زبان' سے پوچھتے ہیں؟''

لوگوں کی نظریں شمورہ پر دوڑ گئیں جو خاموش کھڑی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔

''پدرِ محترم اس وقت تک تختِ اژدر پر بیٹھنے کا حق نہیں رکھتے جب تک خود کو شہزادہ بنونید ثابت نہ کر دیں۔''

لوگوں پر ایک سکتہ سا گزر گیا۔ شمورہ نے قانون اور انصاف کی بات کہی تھی۔ اُسی لمحے وہ زریہ سے مخاطب ہوئی۔

''مقدس زریہ! ہم دیوی ایشتار کی کاہنہ ہونے کے ناتے حکم دیتے ہیں کہ بادشاہ کے خلاف جو ثبوتِ جرم پیش کیا گیا اس کی حفاظت کی جائے کیونکہ وہ طلائی زنجیر جو راہول کاہن کے بقول مقتول کے گلے سے اتاری گئی، اس کی شہزادگی کی علامت ہے۔ اس کی روشنی میں پدرِ محترم کو اپنی صفائی کا ایک موقع اور دیا جائے۔''

شمورہ کے ان الفاظ نے گویا بادشاہ کی تقدیر پر مُہر لگا دی۔ کاہن اور سردار دم بخود رہ گئے۔ وہ لوگ جو بنونید کے خلاف تھے سوچنے لگے کہ بادشاہ نہ تو اپنی صفائی پیش کر سکے گا نہ خود کو خاندانِ بخت نصر کا شہزادہ ثابت کر سکتا ہے۔ بادشاہ کے حامی بھی متزلزل نظر آنے لگے۔ اب سوال یہ تھا اگر بادشاہ مجرم ثابت ہوا تو حکومت کون کرے گا؟ وہ کاہن جو شمورہ کے عرفان اور انصاف سے متاثر تھے یک لخت کھڑے ہو گئے اور زیگورات کے ایک کاہن نے اُن کی ترجمانی کی۔

''ہمیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں کہ شمورہ کا تعلق خاندانِ بخت نصر کے ساتھ ہے یا

نہیں مگر وہ ایشتار کی کاہنہ اور ''دیوی کی زبان'' ہے۔ ہم اُسے بابل کی ملکہ تسلیم کرتے ہیں جس طرح سمی رامیس ملکۂ بابل تھی۔ وہ جسے چاہے کسی عہدے پر قائم رکھے جسے چاہے نہ رکھے۔''

اس تجویز کو سنتے ہی سب لوگ اپنی نشستیں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور شمورہ کو دیکھنے لگے جو دیویوں کے سے روحانی وقار اور جلال کے ساتھ ایستادہ تھی۔ سمی رامیس کی طرح اُسے ملکۂ بابل بنا دینے کا خیال بڑا نادر تھا۔ کاہن، سردار، امرائے سلطنت اور قانون دان منتظر تھے وہ کیا جواب دیتی ہے۔ اس نے اپنے بازو پھیلا دیئے اور بولی۔

''پہلے بادشاہ کو اپنی صفائی کا موقع دو۔ اگر پدرِ محترم نے شہزادگی کا ثبوت پیش کر دیا تو سلطنت کے اصل وارث وہی ہوں گے۔''

بابل کے سرداروں اور ''مار بنوئی'' کے اشراف کو ذاتی طور پر بادشاہ سے کوئی شکایت نہ تھی کیونکہ وہ ان کے معاملات میں دخل نہ دیتا بلکہ اُنہیں جشنوں میں مدعو کرتا اور ان کی تفریح و دلچسپی کا بھی خیال رکھتا تھا۔ لیکن اُس کی ذات پر جو بھیانک الزام عائد کیا گیا اس سے معاملے کی صورتِ حال بدل گئی اور بنونید کی شاہی حیثیت مشکوک ہو گئی تھی۔ اسی لئے سردار زریا نے بھی کاہنوں کی ہمنوائی کی اور کہنے لگا۔

''شمورہ کو ملکۂ بابل بنانے کی تجویز حالات کے مطابق ہے اور میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ لوگوں کے فیصلے تقدیر کرتی ہے، ہمارے فیصلے شمورہ کرے گی۔''

''نہیں سردار زریا! تقدیر کے فیصلے تقدیر کو کرنے دو۔''

اب سردار زریا نے براہِ راست شمورہ کو مخاطب کیا۔

''بابل کی تقدیر تم ہو شمورہ! بوڑھا اور کمزور بادشاہ تمہاری راہنمائی کا محتاج ہے۔ بیلشازار بھی سطوت پسند اور جنگ جو ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تمہارے بغیر مکمل نہیں سمجھتا اور تمہیں اپنی زوجہ و ملکہ بنانے پر اصرار کرتا ہے۔ جب سب کچھ تم ہی ہو پھر اصل حکمران کون ہے؟''

کاہنوں نے ایک ساتھ آواز اُٹھائی۔

''شمورہ ــــ شمورہ ــــ شمورہ ــــ''

''شمورہ نہیں، ملکۂ بابل شمورہ۔'' زریا نے وضاحت کی۔

حسین شمورہ نے دیوی ایشتار کا زرتار نقاب پھر اپنے چہرے پر ڈال لیا اور بولی۔

''سردار زریا! ہم دیوتاؤں کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔''

"دیوتاؤں کی مرضی یہ ہے کہ تم ملکۂ بابل بنو اور بادشاہ کی بجائے ہماری راہنمائی کرو۔"

"جب تک پدرِ محترم خود کو عظیم بخت نصر کا جائز وارث ثابت نہیں کر سکتے ہم اُن کی راہنمائی نہیں کریں گے۔"

یہ کہہ کر وہ پُروقار انداز میں چلتی دروازے سے نکل گئی۔ اُس کے جاتے ہی ایک بار پھر ایوان پر خاموشی چھا گئی۔ جس میں دیوتاؤں کے وجود اور اُن کی ناراضگی کا بھیانک احساس بھی شامل تھا۔ ایک عجیب سی اُلجھن اور المناک پریشانی نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ کاہن اور سردار گم صم کھڑے تھے۔ اس گہری خاموشی میں کوئی آواز نہ تھی۔ کوئی آہٹ نہ تھی۔ کبھی کبھی گہری خاموشی بھی اس امر کی علامت ہوتی ہے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور میں آنے والا ہے مگر دیوتاؤں کے ایوان میں، اُن کی پتھر کی آنکھوں کے سامنے جو کچھ رونما ہو چکا تھا اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ اور کیا پیش آ سکتا تھا۔ بادشاہ پر عائد کئے جانے والے جرم اور ہیکلِ مقدس میں کاہنوں کے قتل نے لوگوں کو مبہوت کر دیا تھا۔

اچانک بابل کے سب سے بڑے ساحر نے جس کی نظریں آخری لمحے تک حسین شمورہ کا تعاقب کرتی رہی تھیں، اپنی کھلی آستینوں والا ہاتھ اُس مسند کی طرف لہرایا جس پر کچھ دیر پہلے بادشاہ بیٹھا تھا اور بلند آواز میں بولا۔

"دیکھو۔ اِیشتار کی کاہنہ ملکۂ بابل شمورہ کو دیکھو۔"

کاہنوں اور سرداروں کی حیران نظریں کرسی کی جانب اُٹھیں اور انہوں نے ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔ بادشاہ کی مسند پر اِیشتار کے لباسِ زردوزی میں شہزادی شمورہ جلوہ افروز تھی۔ زرتار نقاب چہرے پر تھا جس کی زرّیں چلمن سے اُس کی حسین آنکھیں جھانک رہی تھیں اور کانوں کے پاس سیاہ کاکلوں کا فشار نمایاں تھا حالانکہ تھوڑی دیر پہلے شمورہ سب کے سامنے دیوتاؤں کے ایوان سے چلی گئی تھی مگر وہ سب کی نظروں کے سامنے شاہی مسند پر بھی موجود تھی۔

ساحرِ اعظم نے اپنے زورِ طلسم سے اُسے مسند پر لا بٹھایا اور قومی مجلس کے ارکان کو یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ اب بابل کے تخت پر بنونید بیٹھے گا نہ بیلشازار بلکہ شمورہ جلوس کرے گی۔

یہ حیرت انگیز طلسمی نظارہ جسے "دیوتاؤں کی مرضی" سے تعبیر کیا گیا صرف چند ساعتوں کے لئے دیکھا جا سکا۔ جونہی ساحرِ اعظم نے اپنا ہاتھ نیچے گرایا شاہی مسند سے شمورہ کی طلسمی شبیہہ غائب ہو گئی۔

لوگوں نے جو کچھ دیکھا، وہ حقیقت نہ تھی۔ بس ایک خواب تھا، جادو تھا۔ مگر وہ جانتے تھے بابل کے ساحر اس سے بھی بڑے شعبدے دکھا سکتے ہیں۔ شہزادی شمورہ کا ملکۂ بابل کے روپ میں ظہور کوئی قانونی فیصلہ نہیں، صرف نظر کا دھوکا تھا تاہم لوگ چاہتے تھے جادو کے اس شعبدے کو قانون یا دیوتاؤں کا فیصلہ سمجھا جائے۔ سردار زریا نے پوچھا۔

"مقدس زریہ! اب بابل کا حکمران کون ہے؟"

زریہ کا جواب صاف تھا۔ "ابھی قانونی طور پر بادشاہ کو معزول نہیں کیا گیا۔"

"مگر بادشاہ پر قتل کا الزام ہے اور کوئی قاتل بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ خاندانِ بخت نصر سے نہیں تو بیلشازار بھی اُس کا جانشین نہیں بن سکتا۔"

"پھر دیوتا ہی جانتے ہیں، بابل کا حکمران کون ہے؟"

"شمورہ ___ شمورہ ___ شمورہ ___" کاہن پکارے۔

سردار زریا نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔ "بادشاہ اصل بنونید ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ ہوتا رہے گا۔ مگر اُس نے ہیکلِ مقدس میں کاہنوں کے قتل کا حکم دیا اور بیلشازار نے اُنہیں قتل کر دیا۔ مقدس زریہ! تم عبادت گاہوں کے ناظرِ اعلیٰ اور جانتے ہو کہ اس جرم کی سزا کیا ہے؟"

"ہاں کیا سزا ہے ہیکلِ مقدس میں خون بہانے کی؟"

"قانون کہتا ہے ایسے مجرم کو کاٹھ پر لٹکایا جائے۔" مگر زریہ فیصلے کی ذمہ داری اپنے سر نہ لینا چاہتا تھا کیونکہ یہ فیصلہ بادشاہ اور جنگجو بیلشازار کے خلاف تھا جس کے نام کی ہیبت سب پر طاری تھی۔ اس نے عذر پیش کیا۔ "سزا کا فیصلہ صرف بزرگ گوما کرے گا۔"

اس جواب کے ساتھ ہی مجلسِ قومی کا اجلاس برخاست ہو گیا۔ سردار اور کاہن ایوان سے رخصت ہونے لگے اور زریہ نے ہیکل کے خادموں اور غلاموں کو بلا کر حکم دیا کہ راہول اور اشمیدی کی لاشیں ایوان سے ہٹالی جائیں۔

آج کے واقعات نے بڑے بڑے سرداروں اور بزرگ کاہنوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ سردار نرقال نے بظاہر تو بادشاہ کی حمایت کا پہلو نکالا تھا اور آدھے لوگ اُس کے ہم خیال بھی ہو گئے تھے کہ اگر بادشاہ قاتل اور مجرم ہوتا تو دیوتاؤں نے اُسے خود سزا دی ہوتی مگر اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ قاتل بھی ہے اور خاندانِ بخت نصر سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بہت سے لوگوں کی نظروں میں شاہ بنونید کی شخصیت کا طلسم ٹوٹ گیا اور اس کی مذہبی حیثیت

ختم ہوگئی تھی۔

سردار نرقال نے ایوان سے نکلتے وقت دیوتاؤں کے عظیم و مہیب بُتوں پر نگاہ ڈالی جو بلند و بالا دیوار کے ساتھ ساکت و جامد اور مہر بہ لب کھڑے تھے جن کی خاموشی پر صدیاں بیت گئی تھیں اور سوچا کیا پتھر کے یہ خدا جانتے ہیں کہ بادشاہ قاتل ہے؟ پھر اُسے آج تک سزا کیوں نہیں دی گئی اور کیا یہ دیوتا کسی کو سزا دے بھی سکتے ہیں یا نہیں؟

ایوان سے نکل کر وہ اس چوڑی اور لمبی راہداری میں چلنے لگا جس کے دو رویہ بل مردوک اور اِشتار کے قبیلہ کے بیسیوں دیوی دیوتاؤں کے خوفناک مجسّمے کھڑے اُسے خشونت کی نظروں سے گھور رہے تھے۔ ان میں بابل کا محافظ اور اس کا ہم نام دیوتا ''نرقال'' بھی تھا۔ اب اُس کے ذہن میں ایک نئی لہر گزرنے لگی کہ شیطان اُسے دیوتاؤں کے خلاف ورغلا رہا اور دل میں وسوسے پیدا کر رہا ہے۔ وہ ڈرتا تھا، کہیں یہ دیوتا اس کے ذہن میں اُبھرنے والے خیالات نہ پڑھ لیں، اس لئے اُن سے آنکھیں چراتا، نظریں بچاتا تیز تیز چلنے لگا اور چلتے چلتے اپنے ذہن کو کسی دوسرے خیال میں اُلجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اُسے یاد آیا، پراسرار مہرتاب نے جو سلونی اور تیکھی پارکا کے ذریعے اُس کا دوست بنا، کتنا صحیح مشورہ دیا تھا کہ وہ عیدِ بیلس کے بعد اکیتا نہ اور پارسا گرد کی طرف کوچ نہ کرے۔ واقعی حالات کتنے بدل گئے تھے۔ ان حالات میں اُس کا بابل سے چلے جانا ہرگز مناسب نہ تھا۔

یہی سوچتا راہداری سے گزرتا اور غلام گردش کی کماندار محرابوں سے نکلتا اُس چکر دار ڈھلان راستے پر آ گیا جو ایک میل کے رقبہ میں ہیکلِ بل مردوک کے چوفیر گھومتا اور حلقہ در حلقہ بلند ہوتا زیگورات (منارۂ مقدس) کی آٹھویں منزل پر جاتا تھا کہ ناگاہ ٹھٹک کے رہ گیا کیونکہ خم دار ڈھلان راستے پر مہرتاب تیز تیز قدموں کے ساتھ اوپر سے نیچے کی طرف بھاگا آ رہا تھا۔

مہرتاب نے بھی اُسے دیکھ لیا اور سیدھا اُسی کی طرف بڑھا۔ نرقال اس ملاقات کو حُسنِ اتفاق سمجھا حالانکہ مہرتاب کی یہاں موجودگی محض اتفاق نہ تھا۔ تعجب سے بولا۔

''مہرتاب! میں قومی مجلس سے نکلا تو تمہارے ہی متعلق سوچ رہا تھا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ تم اچانک مل گئے۔''

''میں زیگورات کے تعبیر گو حوری سے ملنے آیا تھا۔''

''تم نے بھی کوئی خواب دیکھا ہے کیا، جس کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے بھاگے پھرتے ہو؟''

''ہاں، خواب ہی دیکھا ہے۔''

اُس نے کوئی خواب دیکھا یا نہیں لیکن تعبیر گو پروہت حوری کو ایک خواب سنایا، تعبیر کا نذرانہ بھی پیش کیا اور اس طرح زیگورات اور ہیکل میں اپنی موجودگی کا جواز پیدا کر لیا تھا۔

سردار نرقال تشویش کے لہجے میں کہنے لگا۔

''میں نہیں جانتا تم نے کیسا خواب دیکھا۔ تمہاری طرح تمہارا خواب بھی عجیب ہوگا مگر اس بات پر حیران ہوں کہ بیلشازار کو اپنا دشمن بنا کر شہر میں اس طرح گھومتے پھرتے ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ کیا ان دنوں پارکا سے نہیں ملے؟ اُس نے تمہیں میرا کوئی پیغام نہیں دیا؟''

مہرتاب نے اثبات میں سر ہلایا اور نرقال حیران رہ گیا۔ ''مہرتاب! تمہیں اس وقت تک کوئی ایسا ٹھکانا ڈھونڈ لینا چاہئے، جہاں بیلشازار کے جاسوس تمہارا کھوج نہ لگا سکیں اور تیغ زنوں کی تلواریں جس کے دروازے پر دستک نہ دے سکیں۔''

پھر اُس کا ہاتھ کھینچتا ہوا ایک گوشۂ تنہائی میں لے گیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ ''شاید تمہیں علم نہیں، بیلشازار موت کے ایلچی تمہاری طرف روانہ کر چکا ہے اور اگر تم شمورہ سے دستبردار نہ ہوئے تو اس کے ایلچی تمہیں بہت جلد ڈھونڈ لیں گے۔''

مہرتاب نے یہ تشویش ناک اطلاع سنی اور بڑے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔ ''اس کے باوجود میں بیلشازار سے ملاقات کرنے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔''

نرقال نے اُسے حیرت سے دیکھا۔ ''اگر جینے سے تنگ آ گئے ہو تو میں تمہیں مرنے کا دوسرا راستہ بھی بتا سکتا ہوں۔''

''سردار نرقال! میں جانتا ہوں بیلشازار کیا چاہتا ہے اور تم بھی سن لو کہ زمین کا پیٹ ہم دونوں میں سے کسی ایک کا انتظار کر رہا ہے کیونکہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو مرنا ہے۔''

نرقال دم بخود رہ گیا۔ ''بیلشازار سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''اُسے صرف ایک پیغام دینا ہے کہ شمورہ سے دستبردار ہو جائے۔''

''اپنی موت کو آواز دے کر بلانا چاہتے ہو تو تمہیں جانے سے روک نہیں سکتا۔'' پھر ایک پل ٹھہر کے کہنے لگا ـــــ ''مگر یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ بیلشازار کو ملنے سے پہلے اپنے

دوسرے بازو بند کو دریا میں پھینک دیا یا کہیں مٹی میں چھپا جانا کیونکہ تمہارا ایک گمشدہ بازو بند بیلشازار کے پاس موجود ہے اور ریموت کے بقول وہ بازو بند فدیہ کسبی کی سُولی کے نیچے پڑا ملا تھا جس رات اُسے زندہ یا مُردہ سُولی سے اتار کر غائب کر دیا گیا____ ''

مہرتاب فرطِ تحیر میں اُچھل کر پیچھے ہٹا۔ یہ اطلاع ریموت بھی دے چکا تھا کہ اُس کا بازو بند ملا ہے اور اُسے اپنی حفاظت کا بندوبست کر لینا چاہئے مگر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اطلاع نرقال تک پہنچ جائے گی۔ اس کی نظروں میں اپنی حیثیت مشتبہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ نرقال کی دوستی ہر حال میں عزیز تھی۔ مسکرا کے بولا۔

''ایسی کوئی خبر مجھے ہراساں نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میرا ایک بازو بند شہزادی شمورہ کے پاس اور دوسرا میرے پاس محفوظ ہے۔''

دوسرے بازو بند کے بارے میں اُس نے جھوٹ کہا تھا۔ مگر سردار نرقال ایسے اہم آدمی کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ جھوٹ ضروری سمجھا، کہنے لگا۔

''ریموت اور بیلشازار میرے بازو بند کے پیچھے پڑ گئے ہیں لیکن مجھے اپنے بازوؤں پر اعتماد ہے اور دشمن کے بازو شل ہو جائیں گے کیونکہ بابل کے حالات بدلنے والے ہیں۔''

اچانک نرقال کو خیال آیا کہ حالات تو بدل چکے اور اُسے بتانے لگا۔

''مہرتاب! تمہاری باتیں اگرچہ سمجھ میں نہیں آتیں مگر پوری ہو جاتی ہیں۔ میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ آج کے واقعات نے بہت کچھ بدل دیا ہے اور اب شاہ بنونید اور بیلشازار کی وہ حیثیت نہیں رہی جو پہلے تھی۔''

مہرتاب کی دلچسپی بڑھی۔ ''کیوں، آج کیا ہوا؟''

''آج قومی مجلس میں بادشاہ پر الزام لگایا گیا کہ وہ خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ معبد سین کی پجارن کا بیٹا اور بنونید کا قاتل ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ بادشاہ کے جرم کا عینی شاہد ایک ''مُردہ'' تھا جو اپنی قبر سے نکل کر اُس کے خلاف گواہی دینے آیا____ ''

مہرتاب نے بھی حیرت کا اظہار کیا جیسے ایک مرے ہوئے آدمی کا زندوں کی مجلس میں پہنچ جانا اس کے لئے بھی ایک اچنبھا اور عجوبہ ہو۔ نرقال نے بتایا۔

''وہ حران کے معبد سین کا کاہنِ اعظم راہول تھا جس کے قتل کا اعتراف بادشاہ نے کیا۔ بیچارا چالیس برس تک چھپا رہا اور آج موت کی طرح ناگہاں قومی مجلس میں پہنچ گیا۔ جسے زندہ

دیکھ کر بادشاہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ راہول موت کے دیوتا نرگل سے بچتا رہا مگر بابل میں آتے ہی موت نے اُسے پکڑ لیا____ ''

یہ سن کر مہرتاب کا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ بمشکل بولا۔ ''کیا ہوا راہول کو؟''

بادشاہ ثبوتِ جرم دیکھ کر بوکھلا اٹھا۔ پھر اُس نے راہول اور اشمیدی کے قتل کا حکم صادر کیا اور بیلشازار نے دونوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔''

مہرتاب تڑپ اُٹھا۔ ''کیا شمورہ نے قتل کے حکم کو مسترد نہیں کیا؟''

نرقال نے حیرت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھا گویا وہ جانتا تھا کہ شمورہ ایسا کرے گی پھر اُسی عالمِ حیرت میں اُسے ساری باتیں بتا دیں، جو پیش آئی تھیں۔ وہ متحیر سا کھڑا سب کچھ سنتا رہا۔ شاید اس بات پر غم زدہ تھا کہ راہول اور اشمیدی کی حفاظت کا وعدہ پورا نہیں کر سکا، جس کے لئے اس نے شمورہ کو پہلے سے تیار کر لیا تھا لیکن نرقال نے واقعات کی جو تفصیل بیان کی وہ حیران کن تھی۔

قومی مجلس بادشاہ کے مقدمے کا فیصلہ نہ کر سکی۔ بیلشازار نے ہیکل کے اندر راہول اور اشمیدی کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور مقدس غیب دان بابل میں تباہی اور قتل اور خونریزی کی پیشین گوئی کر کے چلا گیا تھا۔ آدھے لوگ بادشاہ کے حق میں اور آدھے خلاف تھے اور شہزادی شمورہ دیوتاؤں کی مرضی معلوم کئے بغیر ملکۂ بابل بننے پر تیار نہ تھی۔ حمورابی کے قانون کے مطابق اگرچہ شاہ بنونید کو تخت و تاج سے محروم نہ کیا جا سکا پھر بھی اُس کی شخصیت مشکوک اور حیثیت مخدوش ہو گئی تھی مگر چشم دید گواہ کو ختم کر دیا گیا تھا اور مہرتاب سوچنے لگا نجانے اب کیا ہو گا۔ اُسے خاموش دیکھ کر نرقال نے کہا۔

''پہلے میرا خیال تھا آدمی آدمیوں کو دھوکا دے سکتا ہے دیوتاؤں کو نہیں۔ اسی لئے میں نے بادشاہ کی حمایت کی کہ اگر وہ اصل بنونید کا قاتل ہوتا تو دیوتا خود اُسے سزا دیتے۔ مگر اب سوچتا ہوں شاید وہ کسی کو سزا دینے پر قادر نہیں۔''

مہرتاب چونک گیا۔ ''کیوں؟''

''اس لئے کہ وہ بادشاہ کو سزا نہیں دے سکے جس کے چہرے کی بدحواسی بتا رہی تھی کہ وہ مجرم ہے۔ پھر بیلشازار نے دیوتاؤں کی ''کھلی آنکھوں'' کے سامنے اُن کی ہیکل میں دو کاہنوں

کو قتل کر دیا اور وہ اُسے روک نہ سکے۔''

''تو تمہارے خیال میں بادشاہ مجرم ہے؟''

''مجرم بھی ہے اور اُس کا خاندانِ بخت نصر سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک وہ حریص، لالچی اور مجہول النسب آدمی ہے جو نہ شاہی ظرف کا مالک ہے، نہ اشراف سے کوئی واسطہ رکھتا ہے۔''

''پھر مجلس نے اُس کے خلاف فیصلہ کیوں نہ دیا؟''

سردار نرقال نے بتایا۔ ''کاہن، سردار، دانشور بیلشازار سے ڈر گئے جو اچانک بادشاہ کا حمایتی بن گیا اور حمایتی اس لئے بن گیا کہ اگر باپ مجرم اور قاتل ثابت ہو جائے تو بیٹے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔''

مہرتاب نے اچانک ایک عجیب سوال کر دیا۔ ''کیا ان حالات میں بھی تم اکبتانہ اور پارساگرد کی طرف یلغار کرو گے؟''

''اب شاید اس یلغار کی نوبت ہی نہ آئے۔'' نرقال نے جواب دیا۔ ''میں پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ تم نے مجھے ماد و فارس کی طرف کوچ نہ کرنے کا صحیح مشورہ دیا تھا۔ جب تک بادشاہ اپنے نسب کا ثبوت پیش نہیں کرتا، میں کسی حکم کا پابند نہیں۔''

''وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے گا۔''

مہرتاب کا لہجہ کچھ ایسا ہی تھا کہ نرقال اُسے تولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ''معلوم ہوتا ہے بادشاہ کے بارے میں کچھ اور بھی جانتے ہو۔''

''صرف یہی کہ اگر اُس کے ماضی کی قبر کھودی جائے تو جرم اور گناہ کی سیاہیوں کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں ملے گا۔''

''اور مستقبل؟''

''اُس کے ماضی سے زیادہ تاریک ہوگا۔''

نرقال اُس کی گفتگو سے بے حد متاثر تھا۔ ''مہرتاب! میں نہیں جانتا تم علم کا پیمانہ کہاں سے نوش کرتے ہو، مگر تمہارے اندازے غیب دانوں سے زیادہ صحیح ہوتے ہیں۔''

وہ ایک دو ساعتیں کہیں کھو سا گیا پھر بولا۔

''سردار نرقال! آج تمہیں ایک اور خبر دے رہا ہوں۔ بابل خطرے میں ہے۔ شاہ بنونید

اور بیلشازار کے اقتدار کی گھڑیاں گنی جا چکی ہیں۔''

''اُن کی گھڑیاں تو شاید گنی جا چکی ہوں مگر ایک خطرہ تمہارے گرد بھی چکر لگا رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں، حالات کی نئی کروٹ تمہارے حق میں زیادہ سنگین ہوگی۔''

نرقال کا جواب سن کر مہرتاب کچھ سوچنے لگا۔ ''شاید تمہارا مطلب یہ ہے، اب میں شمورہ سے دست بردار ہو جاؤں؟''

''تمہاری سلامتی کا یہی ایک راستہ ہے۔''

''مگر یہ راستہ میری منزل کو نہیں جاتا۔''

''تم سمجھتے کیوں نہیں۔ شمورہ کی بجائے اب بیلشازار بادشاہ کا محافظ و رہنما ہے۔ وہ بھی بیٹے کی طرف داری کرے گا اور اگر شمورہ کے ساتھ تمہاری نسبت کا ارادہ رکھتا بھی تھا تو اب اس کا ارادہ تبدیل ہو جائے گا۔''

''سردار نرقال! وقت بدلتا ہے تو بہت کچھ بدل جاتا ہے لیکن ایک چیز کبھی نہیں بدلتی۔''

نرقال حیرت سے دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا وہ کون سی چیز ہے جو نہیں بدلتی۔ اس اثناء میں مہرتاب نے اپنا فقرہ پورا کر دیا___ ''محبت، جو دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے۔''

''مگر بیلشازار کی تلوار کے سامنے شمورہ کی محبت کب تک تمہارا ساتھ دے سکے گی؟''

''اس کا جواب تمہیں آنے والا وقت دے گا۔''

نرقال نے یوں دیکھا جیسے اس کے الفاظ کا وزن جانچ رہا ہو مگر مہرتاب نے اُسے ایک نئی حیرت سے دوچار کر دیا۔

''بیلشازار کی یہی کوشش ہوگی کہ سیاست اور طاقت سے شمورہ کو حاصل کر لے لیکن جب تک میں زندہ ہوں، وہ اُس کے کمرۂ خواب میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا کیونکہ روئے زمین پر اس سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں کہ ایک بھائی اپنی بہن کے بستر پر جائے۔ جس رات اُس نے یہ ارادہ کیا وہ اُس کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔''

نرقال کو یوں محسوس ہوا جیسے ہونٹ تو بے شک اُسی کے ہلے تھے لیکن اُس کی زبان سے کسی دوسری طاقت نے کلام کیا تھا۔ کوئی ایسی ان دیکھی طاقت جو روح کی طرح نظر نہیں آتی۔ وہ گم صم سا کھڑا رہا پھر بولا۔

''مہرتاب! تمہاری زبان سے کون بولتا ہے اور کون سی پراسرار طاقت تمہاری

راہنمائی کرتی ہے۔ پھر بھی میرا مشورہ یہی ہے، اپنی حفاظت کا خیال رکھو۔ اب تم پہلے سے کہیں زیادہ خطرے میں ہو۔''

یہ کہہ کر نرقال نے رخصت طلب کی کیونکہ پجاری اُسی گوشۂ تنہائی کی طرف آ رہے تھے جہاں وہ کھڑے تھے لیکن رخصت ہونے سے پہلے وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''پارکا تمہیں ریموت سے بچا سکتی ہے مگر بیلشازار سے نہیں۔ اگر کوئی ایسا خطرہ محسوس کرو تو میرے پاس چلے آنا۔ میں تمہیں فرات کے شمالی برجوں میں چھپا سکتا ہوں۔ جہاں موت کا کوئی قاصد بھی داخل نہیں ہو سکتا۔''

یہ ایک ایسی پیش کش تھی جس پر مہرتاب دل ہی دل میں قربان ہو گیا اور نرقال کا ہاتھ دبا کر کہنے لگا۔ ''اگر ایسی نوبت آئی تو ضرور تمہیں تکلیف دوں گا۔ میرا خیال ہے، شمالی برج دیوتاؤں کی ہیکلوں سے زیادہ محفوظ ہیں۔''

پھر وہ الگ الگ راستوں پر ہو لئے مگر جونہی نرقال ہیکل کی دیوار سے باہر نکلا مہرتاب تیزی سے مڑا اور آنے والے پجاریوں کو اشارہ کرتا ایک طرف چل دیا۔ پجاریوں کے لباس میں وہ سردار سیسرا کے چند جانباز تھے جنہوں نے چاہِ بابل کی مہم میں حصہ لیا تھا۔ مہرتاب کے پیچھے پیچھے وہ بھی ہیکل سے نکل گئے کیونکہ اب راہول اور اشمیدی کی لاشوں کو کسی حفاظت کی ضرورت نہ تھی۔

(48)

شاہی فرمان

راہول کاہن کی شہادت اور بادشاہ کی حواس باختگی سے بیلشازار نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اصل شہزادہ بنونید کا قاتل اور ہم شکل ہونے کا فائدہ اٹھا کر اقتدار کی مسند تک پہنچا ہے۔ جبھی اُس نے راہول کو قتل کرنے میں دیر نہیں کی۔ اشمیدی کو اس لئے قتل کر دیا گیا کہ اُسے جو کچھ معلوم ہو چکا ہے اس کے ساتھ ہی دفن ہو جائے۔

بیلشازار جانتا تھا ہیکل مقدس میں خونریزی ممنوع ہے لیکن جو خطرہ درپیش تھا، وہ اس خونریزی سے کہیں زیادہ سنگین اور زیادہ بھیانک تھا اسی لئے بادشاہ کو لے کر وہاں سے بہ عجلت نکل آیا اور اساگیلہ میں پہنچتے ہی قلعہ بند ہو گیا۔ اپنے معتمد فوجی سرداروں کو فوراً طلب کر لیا۔ بنو سلان کے بقیہ تیغ زنوں کو بھی جو ایرانی خطرہ کے پیشِ نظر باغاتِ معلقہ اور قصرِ میرودیخ کی عقبی پہاڑی پر متعین تھے، اساگیلہ میں بلا لیا۔

کچھ باتیں کہنے اور کچھ نہ کہنے کی ہوتی ہیں کیونکہ جب جرم چہرے پر آ جائے، کہنا سننا بیکار ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بیلشازار نے شاہی محل میں آتے ہی باپ سے پہلا سوال واقعہ حران کے بارے میں کیا۔

''پدرِ محترم! اس وقت ہم دونوں تنہا ہیں اور پتھر کی یہ دیواریں ہماری گفتگو نہیں سن سکتیں۔ راہول کاہن کا بیان غلط تھا یا درست؟ وہ مر چکا اور اب آپ کے خلاف دوسری بار گواہی دینے نہیں آئے گا۔ پھر بھی بیٹے کے سامنے آپ کو حقیقت کا اظہار کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ ہمیں مل کر حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔''

بونید کسی گہری سوچ میں کھو گیا۔ پھر مدھم سی آواز میں جسے وہ خود بھی بمشکل سن سکتا تھا کہنے لگا۔

''تم نے ایک ایسا سوال کیا ہے جس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔''

''ہر سوال کا ایک جواب ہوتا ہے پدرِ محترم! ہاں یا نہیں۔''

''اگر ہم انکار کردیں تو یقین نہیں کرو گے۔ اقرار کرلیں تو ہمارے ساتھ تم بھی حقِ سلطنت سے محروم ہوتے ہو۔''

بونید نے نہ تو جرم سے انکار کیا نہ اقرار مگر جو کچھ کہہ دیا وہ بیلشازار کے بدترین اندیشے کی تائید کر رہا تھا۔ کسی مزید سوال کی گنجائش نہ تھی۔ جو آگ اُس نے کئی سال اپنے اندر چھپائے رکھی، وہ اب دھواں دے رہی تھی اور بیلشازار کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ یہ حقیقت بڑی سنسنی خیز تھی کہ بادشاہ ایک پجارن کا بیٹا مگر اپنی ہمت سے وارثِ تخت بن گیا اور اسی وراثت سے ولی عہد کو اپنا حصہ لینا تھا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ باپ کو ہدایات دینے لگا۔

''پدرِ محترم! تھوڑی دیر میں کچھ فوجی افسر آپ سے ملاقات کرنے آئیں گے۔ اُن کے آنے سے پہلے لباس تبدیل کرلیں۔ قبائے شاہی سے لے کر جوتیوں تک وہ لباس ''شاہ ازین'' بخت نصر کا ہونا چاہئے جو کمرۂ نوادرات میں محفوظ ہوگا۔ آپ عظیم بخت نصر کے جانشین ہیں اور آئندہ فوجی افسروں، سرداروں اور کاہنوں سے اُسی لباس میں ملاقات کریں گے۔ وہ لباس آپ کی شخصیت کو ''شاہِ ارض'' سے قریب تر کردے گا۔''

بونید کو بیٹے کا مشورہ پسند آیا۔ اسی وقت داروغۂ محلات کو طلب کیا اور اُسے اپنے ہمراہ کمرۂ نوادرات میں چلنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب قصرِ شاہی میں واپس آیا، اس کے جسم پر بخت نصر کا تاریخی لباس تھا جسے وہ اہم مواقع پر زیبِ تن کرتا تھا۔ لباس کی تبدیلی کے ساتھ بونید نے محسوس کیا کہ اُس کے پیکر کے اندر روحِ معنوی بھی تبدیل ہوگئی ہے کیونکہ اب وہ اپنے آپ کو ''شاہِ ارض'' کا حقیقی وارث اور ''فرزند'' سمجھ رہا تھا۔

جیسا بیلشازار نے کہا تھا، چند اعلیٰ افسر ایوانِ خاص میں اُس کے منتظر تھے۔ وہ سب بادشاہ کو بخت نصر کے تاریخی لباس میں دیکھ کر کمر تک جھک گئے اور اُس کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ بونید نے بیل کے منہ والا عصائے شاہی لہرا کر اُنہیں اپنے حضور بیٹھنے کی اجازت دی۔ یہ ملاقات زیادہ طویل نہیں تھی۔ بادشاہ کو زیادہ گفتگو بھی نہیں کرنا پڑی۔ اُس کی طرف سے

بیلشازار ہی سب کچھ کہتا اور ضروری ہدایات دیتا رہا۔ بونید نے اُس کے ہر لفظ کی تائید کی اور یہ بھی بتایا وہ تمام اختیاراتِ حکومت اپنے بہادر اور جنگجو بیٹے کو منتقل کرنے والا ہے اور خود دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے اعتکافِ تنہائی میں چلا جائے گا۔

فوجی افسر جو بیلشازار کی حکمرانی کو پسند کرتے تھے، نہ صرف بادشاہ کے اس اعلان سے خوش ہوئے بلکہ پہلی بار باپ بیٹے کو ایک دوسرے کا خیر اندیش بھی محسوس کرتے رہے۔ ولی عہد نے انہیں اساگیلہ اور قصرِ شاہی کی خصوصی حفاظت کے بارے میں ضروری ہدایات دے کر رخصت کردیا۔

شاہی وقائع نویسوں کا اعلیٰ افسر نیرگل سردار حنانی کے ساتھ ہیکلِ مقدس سے سیدھا قصرِ شاہی میں حاضر ہوا اور اُس نے وہ تمام باتیں گوش گزار کیں جو بادشاہ اور ولی عہد کے چلے آنے کے بعد قومی مجلس میں ہوئیں۔ سردار حنانی نے نیرگل کے بیان کی تصدیق کی۔ ان اطلاعات کے مطابق:

* سردار نرقال نے راہول کاہن کی شہادت کو غلط قرار دیا تھا کیونکہ اگر بادشاہ اصل شہزادے کا قاتل ہوتا تو دیوتا خود اُسے سزا دیتے اور اسی بنا پر مجلس کے آدھے ارکان بادشاہ کے حامی نظر آتے تھے۔
* ہیکلوں، معبدوں اور مندروں کے ناظرِ اعلیٰ زریہ کے نزدیک غالباً کورش ہخامنشی کو ماندانہ کا ''فرزندِ روحانی'' ثابت کرنے کے لئے شاہ بونید کو خاندانِ بخت نصر سے خارج کرنے کا کوئی منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔
* اہلِ مجلس نے اگرچہ شہزادی شمورہ کو ملکۂ بابل بنانے کی تجویز پیش کی لیکن شمورہ نے دیوتاؤں کے الہام کے بغیر ملکۂ بابل بننے سے انکار کردیا اور بادشاہ کے لئے صفائی کا موقع قائم کر رکھا تھا۔

یہ سب باتیں حوصلہ افزا اور بادشاہ کی گرتی ہوئی ذات کو سہارا دے رہی تھیں۔ سردار حنانی اور نیرگل اُسے نئے لباس میں دیکھ کر اگرچہ پہلے ہی حیران رہ گئے تھے لیکن بونید نے یہ کہہ کر انہیں مزید حیران کردیا۔

''ہم عنقریب علامتِ شہزادگی کا ناقابلِ تردید ثبوت پیش کریں گے اور بیلشازار کے حق میں تخت و تاج سے دستبردار ہوجائیں گے۔''

بیلشازار جو ''بخت نصر ثانی'' کہلانے کا شوقین اور نئی صورتِ حال کو اقتدار کی تبدیلی سے اپنے حق میں کر لینا چاہتا تھا بادشاہ کی موجودگی میں ایک شاہی فرمان قلم بند کرانے لگا۔ فرمان کا مضمون اُس نے پہلے ہی ذہن میں تیار کر لیا تھا۔ نیرگل اُسے اپنی روایتی چابک دستی کے ساتھ لوح پر رقم کرنے لگا۔ یہ تھا اُس کا مضمون:

ملک دیوتاؤں کا،

حکم فرزندِ مردوک، فرستادۂ خاتونِ اورک ایشتار اور نبیرۂ بخت نصر شاہ بنونید وارثِ تختِ اژدر، وارثِ خاندانِ ''شاہ ارض'' کا۔

ہر گاہ اعلان کیا جاتا ہے کہ دو بداندیش کاہنوں نے عالی جاہ کے حسب و نسب اور خاندان پر شک کیا اور ذاتِ عالی پر بے ہودہ الزام لگائے ہے۔ اُن میں ایک معبد اشتر کا کاہن اشمیدی ہے جسے گزشتہ دنوں عالی جاہ نے دینِ اکد کا صحیح علم نہ رکھنے پر کہانت سے معزول کر دیا تھا اور دوسرا حران کے معبد سین کا کاہن راہول ہے جو چالیس برس روپوش رہنے کے بعد اچانک نمودار ہوا۔ حران پر ایرانی فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے وہ فارس و ماد کے بادشاہ کورش ہخامنشی کا (جو چند فتوحات حاصل کر کے ''کسریٰ'' کہلاتا ہے) آلۂ کار تھا۔ اس لئے دونوں فتنہ پرداز کاہن ''دیوتاؤں کے حکم'' سے قتل کر دیئے گئے۔ یہ سازش کورش ہخامنشی نے ''شاہِ ارض'' کی موروثی سلطنت کو ہتھیانے کے لئے تیار کی تھی جس نے معزز دخترِ بخت نصر ماندانہ سابق ملکۂ ماد کو اکبتانہ میں قید کر رکھا ہے۔ اس لئے ہر خاص و عام کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ بابل کو ایرانی سازش سے بچانے کی خاطر عالی جاہ کی ذات پر نکتہ چینی جرم قرار دی جاتی ہے۔ جس کی سزا سُولی سے کم نہیں ہوگی۔

اس کے ساتھ ہی اعلان کیا جاتا ہے کہ عالی جاہ کی ''علامتِ شہزادگی'' جو اُس وقت چوری ہوگئی تھی، جب وہ لڑکپن میں ربۂ قمر کو نذر دینے حران کے معبد میں گئے تھے، مقتول کاہن راہول سے برآمد ہوگئی اور ہیکلوں، معبدوں، مندروں کے ناظرِ اعلیٰ زریہ کے پاس محفوظ کر دی گئی ہے۔ بزرگ کاہنوں اور ساحروں نے شاہی علامت کی برآمدگی کو سلطنت بابل کے حق میں نیک

فال قرار دیا ہے۔

بہی خواہانِ سلطنت کو مطلع کیا جاتا ہے کہ عالی جاہ نے حکومت کے تمام اختیارات بہادر اور جنگجو بیلشازار کو سونپ دیئے ہیں جس کا لقب ''شاہِ دوراں'' ہوگا۔ عید بیلس کے قومی تہوار پر تاج پوشی اور تخت نشینی کی باقاعدہ رسم ادا کی جائے گی۔ جنگجو بیلشازار اپنے جدِ امجد عظیم بخت نصر کی طرح تمام حملہ آوروں کو کالدیا سے مار بھگائے گا اور ایرانی لشکروں کا اکبتانہ اور پارساگرد تک تعاقب کیا جائے گا کیونکہ دیوتاؤں نے ماد اور فارس کی تمام املاک مالِ غنیمت کے طور پر شاہِ بابل اور اہلِ بابل کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔

یہ فرمانِ شاہی بیک وقت خداوند شاہ بنونید اور میر و دبیج بیلشازار کی خاص مُہروں سے جاری ہوا جنہیں کلدانی فوجوں، معزز سرداروں اور بزرگ کاہنوں کی حمایت حاصل ہے۔

خبردار! کسی کو حکم عدولی کی جرأت نہ ہو۔

بیلشازار نے وقائع نویسوں کے سردار نیرگل کو حکم دیا کہ شاہی فرمان فوراً 35 لوحوں پر نقل کیا جائے اور تمام لوحیں شاہی ڈھنڈورچیوں کے حوالے کر دی جائیں جو مسلسل دو روز بابل کے گلی محلوں اور بازاروں میں اس فرمان کی منادی کریں گے۔

اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ نیرگل نے شاہی وقائع نویسوں کو اساگیلہ میں طلب کر لیا اور شاہی فرمان کی نقول تیار کرنے میں دیر نہ لگائی۔ ڈھنڈورچی فرمان کی نقلیں لے کر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئے اور جگہ جگہ اعلان ہونے لگا کہ بادشاہ کی ذات پر نکتہ چینی کی سزا موت ہے اور تمام اختیاراتِ حکومت میر و دبیج بیلشازار کو سونپ دیئے گئے ہیں جس کا نیا لقب ''شاہِ دوراں'' ہے۔

فرمانِ شاہی نے پورے بابل میں سنسنی پھیلا دی جس کے تحت بادشاہ کی ذات پر نکتہ چینی جرم قرار دے دی گئی تھی۔ پھر بھی لوگ اُسی کے متعلق گفتگو کرنے لگے اور سارا شہر جان گیا کہ قومی مجلس میں اس پر کیا الزام لگایا گیا۔ عام لوگوں کو امورِ سلطنت سے دلچسپی نہیں ہوتی لیکن بابل ایرانی حملہ آوروں کی زد میں تھا اور اہلِ شہر یہ جاننے کے لئے بے چین تھے کہ کیا ہوگا؟

بیلشازار کے تقرر اور نئے لقب ''شاہِ دوراں'' پر کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا گیا۔ اس کے مقابلے میں لوگ شہزادی شمورہ کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا قومی مجلس میں اُسے ملکۂ بابل بنانے کا مطالبہ کیا گیا اور سردار زیریا نے اس کی حمایت کی تھی، لوگوں میں نئی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ شاہ بنونید اور میرودیج بیلشازار موضوعِ گفتگو بن گئے جنہیں حالات نے ایک دوسرے کا مددگار بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ نجانے کس طرح یہ بات بھی چل نکلی کہ شہزادی شمورہ نے بادشاہ کی راہنمائی سے انکار کر دیا اور شرط لگائی ہے کہ جب تک وہ اپنی صفائی پیش نہیں کرتا، تختِ اژدر پر بیٹھنے کا حق نہیں رکھتا۔ لوگوں کے نزدیک اُس کا فیصلہ درست تھا مگر بادشاہ نے نیا روّیہ اختیار کیا اور بیلشازار کی حکمرانی کا اعلان کر کے اصل معاملے کو ٹالنے کی راہ نکالی تھی۔

بابل ایک تبدیلی سے دوچار تھا اور پورے شہر میں اس تبدیلی کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ شاہی فرمان امگور بل اور نیمیتی بل کی عظیم الرفعت فصیلوں کے ساتھ ساٹھ میل کے رقبہ پر پھیلے شہر میں چاروں طرف سنا گیا۔ عام لوگوں سے لے کر ''مار نبوئی'' کے طبقۂ اشراف تک اس پر تعجب کا اظہار کیا گیا کیونکہ اصل مسئلہ حکمران کی تبدیلی کا نہیں، خاندانِ بخت نصر سے شاہ بنونید کے تعلق کا تھا اور اگر یہ تعلق ثابت نہیں ہوتا تو بیلشازار بھی تختِ اژدر پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ لوگ محسوس کرنے لگے کہ جس طرح کورش ہخامنشی ''دیوتاؤں کے شہر'' کو فتح کرنے کے لئے شمال کی طرح چھاؤنی ڈالے پڑا ہے اسی طرح بابل کے اندر بھی اقتدار کی کشمکش جاری ہے۔ زندگی بہرحال ایک کشمکش کا نام ہے اور یہ کشمکش سدا جاری رہے گی۔

لوگ بیلشازار کے تقرر پر باتیں کرتے اور ڈرتے بھی تھے کیونکہ وہ فوجوں کا سربراہ اور جنگجو تھا ____ اور دنیا کے آغاز سے لوگوں کا یہی دستور رہا ہے کہ وہ طاقتور سے ڈرتے اور نہ چاہنے کے باوجود اس کے آگے جھکنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ البتہ لوگ شمورہ کے لئے پریشان تھے کہ نجانے بیلشازار اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرے کیونکہ وہ اُسے اپنی زوجہ و ملکہ بنانے پر بضد تھا۔

شاہی محل میں بادشاہ کو بھی شمورہ کا خیال پریشان کر رہا تھا۔ کس قدر عجیب بات تھی کہ وہ جس بیٹے کو اپنی جان کا دشمن سمجھتا رہا، آج وہی اس کی زندگی و سلامتی کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا تھا اور وہ بیٹی جو راہبر و راہنما بن کر اُسے ہر سازش سے بچاتی رہی، اس سے شہزادگی کا ثبوت

طلب کر رہی تھی اس نے بادشاہ کے لئے ایک مہلت بھی مقرر کی تھی جس کے اندر اُسے خاندانِ بخت نصر سے اپنا تعلق ثابت کرنا تھا حالانکہ اگر چاہتی تو اپنی مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر کیونکہ ''دیوتاؤں کی زبان'' ہونے کے ناتے لوگ اُسے پسند کرتے تھے وہ کوئی فرضی الہام بیان کر کے باپ کو ''بے گناہ'' ثابت کر سکتی تھی۔ آخر ''دیوتاؤں کی عبادتِ عام'' کے موقع پر بھی تو اُس نے بادشاہ کی زبان سے دیوی ایشتار کا ایک ایسا رویا کہلوایا تھا جو بادشاہ نے دیکھا نہ تھا کیونکہ دیوی ایشتار کبھی بادشاہ کے رویا میں آئی ہی نہ تھی۔ ایسے نازک وقت پر جب راہول کاہن کی شہادت بادشاہ کو مجرم ثابت کئے دیتی تھی، کیا اُس کا فرض نہ تھا وہ دیوتاؤں سے کوئی فرضی الہام منسوب کر کے باپ کو ''حق بجانب'' ثابت کرتی۔ لیکن وہ تو اب بادشاہ کی راہنمائی سے بھی دستبردار ہوگئی تھی۔

بنونید کے ذہن میں اچانک ایک نیا خیال سرسرانے لگا کہ شاید ''عقلِ کُل'' شمورہ بغاوت پر آمادہ اور خود ملکۂ بابل بننا چاہتی ہے۔ اگرچہ وہ دیوتاؤں کی مرضی کے بغیر یہ ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ تھی مگر بادشاہ سوچ رہا تھا دیوتا کسی وقت بھی اُسے اپنی مرضی سے آگاہ کر سکتے ہیں۔

عجیب اور افسوس ناک بات یہ ہوئی کہ ہیکلِ مقدس سے واپسی کے بعد وہ بادشاہ سے ملنے اور اس کا حال پوچھنے بھی نہ آسکی۔ حالانکہ ایسے موقع پر ملاقات ضروری تھی اور وہ اُس کے مشورے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ بنونید نے محسوس کیا شمورہ کا رویہ تکلیف دہ ہے۔ اُس نے قومی مجلس میں بھی بادشاہ کے بیانِ صفائی پر زور دیا تھا۔ اُس نے فوراً شاہی محلات کے مخنث داروغہ کو طلب کیا اور حکم دیا۔

''دُخترِ بابل کو ہماری ملاقات کا پیغام دو۔''

مگر تھوڑی دیر کے بعد داروغہ نے یہ اطلاع دے کر بادشاہ کو حیران کر دیا کہ شہزادی شمورہ ایماگیلہ سے باغِ معلقہ میں منتقل ہو چکی ہے۔

بنونید رات بھر سوچتا اور پریشان ہوتا رہا کہ نجانے وہ کیا چاہتی ہے۔ دوسرے روز دیر سے بیدار ہوا اور شہزادی کو طلب کرنے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ بیلشازار آندھی اور طوفان کی طرح داخل ہوا اور بولا۔

''پدرِ محترم! شمورہ سے آپ کسی بھی وقت مل سکتے ہیں مگر مقدس گوما سے ملاقات اس سے

کہیں زیادہ ضروری ہے۔''

''گوما سے ـــــ کیوں؟'' بادشاہ نے تعجب کا اظہار کیا۔

''شاید آپ بھول گئے، غیب دان ہیکل سے بڑا غضب ناک لوٹا تھا اور اس نے مقتول کاہنوں کو دیکھ کر بابل میں خونریزی کی پیشین گوئی بھی کی تھی۔''

''یہ تو ہم جانتے ہیں۔''

''مگر یہ نہیں جانتے، زریہ کی قیادت میں کاہنوں اور سرداروں کا ایک وفد آج ہی گوما سے ملاقات کرنے والا ہے۔ وہ ہیکل میں کاہنوں کے قتل کے بارے میں اس کا فیصلہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا گوما ہمارے خلاف فیصلہ دے گا؟''

''معلوم ہوتا ہے پریشانی نے آپ کا دماغ ماؤف کر دیا ہے ورنہ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ہیکل میں کسی کا خون کرنے کی سزا سُولی ہے۔''

خوف کے مارے بنونید کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ''سُولی.....؟'' اور یہ لفظ اس کی زبان پر یوں لڑکھڑایا جیسے واقعی اُسے سُولی پر ٹانک دیا گیا ہو۔ بیلشازار نے کہا۔

''آپ بخت نصر کا لباس زیب تن کریں۔ ہم کاہنوں اور سرداروں سے پہلے گوما کے پاس جائیں گے۔ آپ اسے بتائیں گے، اشمیدی اور راہول نے سراسر جھوٹا الزام لگایا تھا جس سے مشتعل ہو کر آپ نے ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا اور حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ ورنہ آپ کا ارادہ قانونِ ہیکل کی خلاف ورزی کرنا نہیں تھا۔ اس جرم یا بھول کا کفارہ ادا کر دیا جائے گا۔''

''گوما کفارے پر راضی ہو جائے گا؟''

''آپ کا کام درخواست کرنا اور گوما کا کام اُس پر فیصلہ دینا ہے۔''

''اگر اُس نے ہماری درخواست مسترد کر دی؟''

''پھر گوما کی زندگی کے لمحے کم ہو جائیں گے۔''

بیلشازار نے یہ بات کچھ اس طرح ادا کی جیسے دانائے فرات کی موت کا فیصلہ سنا دیا ہو۔ بنونید پر خوف کی لرزش طاری ہو گئی اور حیرت زدہ سا اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولا۔

''پدرِ محترم! جلدی کیجئے۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ ہمیں کاہنوں اور سرداروں سے پہلے غیب دان کے پاس پہنچنا ہے۔''

''شاید ہم غیب دان سے گفتگو نہ کر سکیں۔'' بنونید نے اپنی کمزوری کا اظہار کیا۔ ''اُس کی آنکھ مخاطب کے دل میں جھانک لیتی اور ذہن کو پڑھ لیتی ہے۔''

''ہم ساتھ ہوں گے تو اُس کی آنکھ آپ کے دل و دماغ کو پڑھنے سے انکار کر دے گی۔''

اب بیلشازار کی موجودگی اس کی ذات کو تقویت دے رہی تھی اور اس کے بغیر خود کو غیر محفوظ سمجھتا تھا۔ لباس کی تبدیلی میں زیادہ وقت نہ لگا۔ جب وہ بیلشازار کے ہمراہ شاہی محل سے باہر آیا، رتھ بان تیار کھڑے تھے اور ان کے عقب میں محافظ رسالہ کے علاوہ بنوسلان کے تیس تیغ زنوں نے شاہی رتھوں کو اپنے حلقہ میں لے رکھا تھا۔ بنونید ان انتظامات پر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اس نے سوچا بیلشازار اگرچہ ضدی، جلد باز اور تھوڑا سا کم عقل ہے لیکن حکمرانی کی صلاحیت رکھتا اور دوسروں کو مرعوب کرنے کا گُر جانتا ہے۔

محافظ سواروں اور تیغ زنوں کے پہرے میں جب شاہی رتھ اساگیلہ سے نکلے تو دیکھنے والوں پر دہشت سی طاری ہو گئی۔ بنونید کی سواری پر ''شاہِ ارض'' بخت نصر کا وہ خاص پرچم سایہ کناں تھا جس کی نمائش صرف خاص مواقع پر ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس پرچم اور اپنے لباس سے وہ بخت نصری جاہ و جلال کا وارث نظر آ رہا تھا۔

اساگیلہ سے نکلتے ہی شاہی سواریوں کا رُخ پراتو مندر کی طرف موڑ دیا گیا۔ دانائے فرات گوما اپنی اعلیٰ مذہبی حیثیت کے باوجود اسی مندر میں رہتا تھا۔ گویائی لوٹنے کے بعد وہ مہینے میں صرف ایک بار زیگورات (منارۂ مقدس) کی آٹھویں منزل پر ستاروں کی گردش و رفتار کا مشاہدہ کرتا اور آسمانوں میں جھانکتا تھا۔ ورنہ اس کے شب و روز پراتو مندر ہی میں گزرتے اور عقیدت مند یہیں اُس سے ملنے آتے تھے۔

کوڑا بردار سوار آگے آگے دوڑتے چلے گئے تاکہ شاہی رتھوں کے لئے راستہ صاف کیا جا سکے۔ رتھ بانوں نے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ رکھی تھیں اور وہ اپنی ایال دار گردنوں میں قوس نما خم پیدا کئے ہلکی رفتار سے چل رہے تھے کیونکہ تیس تیغ زن تلواریں الف کئے ان کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ محافظ سوار عقب میں تھے۔

بنونید اور بیلشازار اسی تزک و احتشام کے ساتھ دریائے فرات کے ساتھ ساتھ پراتو کے مندر کی طرف بڑھے جو ملاحوں کی بستی کے شمال میں واقع تھا۔ بے شمار لوگوں نے دُور ہی سے شاہی قافلے کا نظارہ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ باپ بیٹے کے رتھ آگے پیچھے دیکھے گئے ورنہ جلوس

کے موقعوں پر بھی ان کے درمیان مصلحتاً بڑے فاصلے رکھے جاتے اور وفادار سردار حائل رہتے تھے تاکہ کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہو جائے۔

دریا کا بند اُتر کر شاہی قافلہ پراتو کے مندر کی جانب مڑا تو لوگوں کا ہجوم دیکھ کر جو مندر کے آس پاس بکھرا تھا، بنونید اور بیلشازار کے ماتھے ٹھنکے۔ لوگوں کے درمیان بابل کے مقتدر کاہنوں، ساحروں اور سرداروں کی جھلک بھی نظر آئی جو ان سے پہلے ہی روحانی پیشوا کی چوکھٹ پر پہنچ گئے تھے۔ باپ بیٹا اس خیال سے پریشان ہو گئے کہ کہیں انہوں نے مقدس گوما کا فیصلہ حاصل نہ کر لیا ہو۔

شاہی قافلہ کے کوڑابردار سواروں کو آتے دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ سی مچ گئی جو قومی مجلس کے کاہنوں اور سرداروں کو دیکھ کر مقدس گوما کا فیصلہ سننے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ اب وہ ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ جب کہ بادشاہ کی سواری آتے دیکھ کر کاہن، ساحر، سردار بھی پریشان ہو گئے تھے۔ بھاگتے لوگوں کے درمیان بیلشازار نے ملاحوں کے سردار سیسرا کو بھی دیکھا جو ایک جگہ چپ چاپ کھڑا تھا۔ اُس نے جھک کر سلام کیا تو بیلشازار کا رتھ اُس کے قریب رُک گیا اور وہ اشارے پاتے ہی دوڑ کر آگے آیا۔ محافظوں نے اُسے نہیں روکا۔

''سردار سیسرا! کیا مقدس گوما نے کوئی فیصلہ دے دیا؟''

''نہیں خداوند!''

بیلشازار مطمئن نظر آنے لگا اور فرات کے ملاحوں کا سردار بولا۔ ''گوما کیا فیصلہ دے گا۔ فیصلے تو آسمانوں سے صادر ہوتے ہیں۔''

سیسرا کے الفاظ ذو معنی تھے مگر نئے حکمران نے انہیں اپنے لئے نیک فال سمجھا۔ سردار نے نیازمندی کا اظہار کیا۔ ''شاہِ دوراں کا اقبال بلند ہو۔ بہتا پانی بادشاہوں کے لئے مبارک ہوتا ہے اور میں بہتے پانی کا ملاح ہوں۔ اُمید ہے خداوند مجھے یاد رکھیں گے۔''

یہ پہلی مبارک باد تھی جو سردار سیسرا کی طرف سے ملی۔ خوشامد پسند بیلشازار نے اپنا ہاتھ بلند کیا______ ''سردار سیسرا! ہم تمہیں یاد رکھیں گے۔''

پھر اس کا رتھ آگے بڑھ گیا اور سیسرا ایک طرف ہٹ کر محافظ سواروں کو گزرتے دیکھنے لگا۔

مندر کے دروازے پر کاہن، سردار، شیوخ شاہ بنونید کا استقبال کر رہے تھے جو بلائے ناگہانی کی طرح اچانک پہنچ گیا تھا۔ بادشاہ نے مصلحتاً کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ اس اثناء میں

بیلشازار بھی رتھ سے اُتر کر اُن کے درمیان چلا گیا اور جاتے ہی ہیکلِ زہرہ کے کاہنِ اعظم سے مخاطب ہوا۔

''اوماتا! کیا گوما سے ملاقات ہوئی؟''

''نہیں۔'' اُس نے جواب دیا۔ ''بزرگ زریہ اور سردار زیریا غیب دان سے ملاقات کی اجازت لینے گئے ہیں۔''

''مگر گوما پہلے شاہِ معظم سے ملاقات کرے گا۔''

بیلشازار کے پُرجلال اور تحکم آمیز لہجے نے سب کو حیران کر دیا۔ صورتِ حال ابھی تک اس کے حق میں تھی اور وہ سمجھتا تھا مجلسِ قومی کے ارکان سے پہلے مذہبی پیشوا بادشاہ ہی سے ملنا پسند کرے گا۔ اُس نے شاہی رسالہ کے افسر اور تیغ زن غلاموں کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا اور بادشاہ کے ہمراہ مندر کے بلند و بالا دروازے میں داخل ہو گیا۔ ابھی وہ چند قدم آگے گئے تھے کہ مذہبی امور کا سربراہ زریہ اور سردار زیریا پراتو کے بوڑھے کاہن کے ہمراہ آتے دکھائی دیئے۔ تینوں بادشاہ اور بیلشازار کو تیغ زنوں کے جلو میں دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اُن کی پیشوائی کے لئے جھکے۔ بیلشازار زریہ اور زیریا کو نظرانداز کرتا پراتو کے کاہن سے مخاطب ہوا۔

''مقدس گوما کو اطلاع دو۔ شاہِ معظم ملاقات کے لئے آئے ہیں اور بتاؤ کہ ہم بھی ساتھ ہیں اور کاہنوں، سرداروں سے پہلے ملاقات چاہتے ہیں۔''

''مقدس گوما ن سے ملاقات نہیں کریں گے عالی جاہ!''

کاہن کے جواب نے بیلشازار کو حیران کر دیا۔ چہرے پر ناگواری کی لہر اُبھری۔ ''کیا شاہِ معظم اور ہم سے بھی نہیں؟''

''نہیں۔ مقدس گوما کی یہی ہدایت ہے۔'' کاہن نے بتایا۔ ''غیب دان نے کاہنوں اور سرداروں کی ملاقات سے بھی انکار کر دیا ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''وہ اعتکاف میں ہیں اور حالتِ اعتکاف میں کسی سے نہیں ملتے۔''

یہ اطلاع اطمینان بخش تھی کہ مذہبی پیشوا اعتکاف میں چلا گیا ہے اور کچھ دنوں کسی سے نہیں ملے گا۔ دوسرے لفظوں میں کاہن اور سردار ہیکلِ مقدس کی بے حرمتی کے متعلق اُس کا فیصلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ پھر بھی اس نے ملاقات پر اصرار کیا۔

''شاہِ معظم سلطنت کے بارے میں گوما سے بڑی اہم بات چیت کرنے آئے ہیں۔''

''مقدس گوما بھی سلطنت ہی کے بارے میں الٰہوں کی مرضی معلوم کرنے کے لئے اعتکاف میں بیٹھے ہیں اور انہوں نے چپ کا روزہ رکھا ہے۔ کسی سے کلام نہیں کریں گے۔''

''اعتکاف کتنے دن کا ہوگا؟''

''خادم کچھ نہیں جانتا مگر خیال ہے، زہرہ کے برجِ حمل میں آنے تک وہ اعتکاف میں رہیں گے۔''

یہ جواب بھی حوصلہ افزا تھا۔ ہیکلِ زہرہ کا کاہنِ اعظم اوماتا اُسے بتا چکا تھا کہ عید بیلس کی رات زہرہ برجِ حمل میں ہوگا۔ گویا عید بیلس تک ہر فیصلہ ٹل گیا تھا اور اس عرصے میں وہ شیخی خورے کاہنوں اور سرداروں کی رائے تبدیل کرسکتا تھا۔ اب اُسے زریہ کو کچھ سرزنش کرنے کی سوجھی۔

''بزرگ زریہ! تم مذہبی امور کے ناظرِ اعلیٰ ہو۔ کیا یہ بھی نہیں جانتے، اگر بادشاہ یا ہم سے ہیکل مقدس کی سہواً بے حرمتی ہوگئی تو اس کا کفارہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔''

زریہ نے کسی پریشانی کے بغیر جواب دیا۔ ''کفارہ صرف بادشاہ کے لئے ہے مگر شاہِ معظم نے ایک سنگین جرم کے معاملے میں اپنی صفائی پیش نہیں کی۔ اس لئے قومی مجلس میں اُن کی حیثیت مشکوک ہوگئی ہے۔''

بیلشازار یہ سن کر دنگ رہ گیا کہ زریہ بھی بادشاہ کی حیثیت کو مشکوک سمجھتا ہے مگر فوراً سنبھل کر بولا۔ ''پدرِ محترم بہت جلد اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کریں گے اور ایسا ہوگا وہ ثبوت جس کی دھار تلوار کی طرح تیز ہوگی۔''

گویا اُس نے زریہ کے ساتھ سردار زریا کو بھی تلوار کی طاقت سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔ پھر یک لخت بادشاہ سے مخاطب ہوا۔ ''پدرِ محترم! ہمارا خیال ہے آپ پراتو دیوتا کے نیاز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

بنونید بیٹے کا عندیہ سمجھ گیا۔ ''بے شک ہم کفارہ کے لئے دیوتا کی مرضی معلوم کریں گے۔''

پراتو کے کاہن نے زریہ اور زریہ کو رخصت کیا اور بادشاہ کے ساتھ ہولیا۔ محافظ افسر اور تمیں تیغ زن اُن کے پیچھے تھے جنہیں پراتو کے پروہت، پجاری خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

پراتو مندر کے باہر لوگوں کا ہجوم چھٹ چکا تھا، صرف مجلسِ قومی کے وہ ارکان رہ گئے جو مقدس گوما کا فیصلہ لینے آئے تھے۔ مگر زریہ نے یہ اطلاع دے کر اُن سب کو مایوس کر دیا کہ غیب دان نے چپ کا روزہ رکھا ہے اور عید بیلس تک کسی سے کلام نہیں کرے گا۔ معاملہ بڑا بے ڈھب تھا۔ بابل کے کاہن، ساحر، سردار، شیوخ، دانشور واقعی بے وقوف ہو گئے یا بیلشازار کی فوجی طاقت سے ڈر گئے تھے کیونکہ نہ تو بادشاہ کے مقدمے کا کوئی فیصلہ کر سکے، نہ ہیکل کی بے حرمتی پر کوئی تعزیری حکم لگا سکے۔ وہ ہر فیصلے کی ذمہ داری مذہبی پیشوا گوما پر ڈال دینا چاہتے تھے تاکہ اُن پر کوئی الزام نہ آسکے مگر گوما چپ کا روزہ رکھ چکا اور اعتکاف میں چلا گیا تھا۔ اب فیصلے کی کوئی صورت نہ تھی جب تک وہ کمرۂ اعتکاف سے باہر نہ آجائے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کی واپسی کا انتظار کیا جائے تاکہ معلوم کیا جا سکے، وہ اپنا بیانِ صفائی یا بے گناہی کا ثبوت کب پیش کرے گا۔

انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بنونید اور بیلشازار تیغ زن غلاموں کے پہرے میں جلد لوٹ آئے۔ پراتو کا بوڑھا کاہن اُن کے ساتھ تھا۔ بادشاہ نے آتے ہی اعلان کیا۔

''ہم نے پراتو دیوتا کی مرضی معلوم کر لی ہے۔ کفارہ ادا کر کے ہم اور بیلشازار ہیکل کی بے حرمتی کی پاداش سے بری ہو جائیں گے۔''

بیلشازار کے اشارے پر پراتو کے کاہن نے بتایا۔ ''بادشاہ کے تول کے برابر چاندی اور میرودیج کے تول کے برابر سونا دونوں کی بھول کا کفارہ ٹھہرا ہے۔''

یہ کہہ کر کاہن فوراً مندر میں لوٹ گیا۔ نجانے دیوتا کے کمرے میں کفارہ سے متعلق کیا صورتِ حال پیش آئی تھی اور فیصلہ کس طرح ہوا تھا مگر کاہن کے رویہ سے سردار زریا نے نتیجہ اخذ کیا کہ جو کچھ ہوا بہ نوکِ تلوار ہوا۔ کاہن، سردار، شیوخ، دانشور بے وقوفوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ بیلشازار نے انہیں مات دے دی اور ہیکل کی بے حرمتی کا جھگڑا چکا دیا تھا۔ اب صرف حران کے معبد سین کا مقدمہ فیصل ہونا باقی تھا۔ کفارے کی تفصیل سن کر چند لمحے کسی کو سوال کرنے کا ہوش نہ رہا۔ آخر زریہ نے ہمت کر کے بنونید سے پوچھا۔

''شاہِ معظم صفائی کا بیان کب دیں گے تاکہ قومی مجلس کا اجلاس طلب کر لیا جائے۔''

زریہ کے سوال کا جواب بنونید کی بجائے بیلشازار نے دیا اور بڑا عجیب تھا اُس کا جواب۔

''بزرگ زریہ! اب بادشاہ ہم ہیں۔ تم نے شاہی فرمان سن لیا ہوگا کہ پدرِ محترم نے

حکومت کے تمام اختیارات ہمیں سونپ دیئے ہیں۔ عید بیلس پر جب ہماری باقاعدہ تاج پوشی ہوگی ہم قومی مجلس کے ارکان کی منظوری دیں گے۔ اجلاس کی تاریخ مقرر کریں گے اور حران کا مقدمہ خود سنیں گے۔ عید بیلس تک انتظار کرو۔"

کاہن اور سردار یہ جواب سن کر حیران و ششدر رہ گئے اور باپ بیٹا رتھوں پر سوار ہو کر تیغ زنوں اور محافظ سواروں کے پہرے میں پراتو مندر سے رخصت ہوئے۔ لیکن ابھی تھوڑی دُور گئے تھے کہ سردار سیسرا کو دیکھ کر جو شاید اُسی جگہ اُن کی واپسی کا منتظر تھا، بیلشازار نے شاہی رتھ رکوا لئے اور ملاحوں کے سردار کو ایک بار پھر اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ سردار لپک کر آگے بڑھا اور سلام کے لئے جھک رہا تھا کہ بیلشازار بولا۔

"سیسرا! تم نے ٹھیک کہا تھا کہ گوما کوئی فیصلہ نہیں دے گا۔ واقعی دیوتاؤں نے کچھ عرصہ کے لئے اُس کی زبان بند کر دی اور اُس نے چپ کا روزہ رکھ لیا ہے۔"

سردار سیسرا نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی۔ "فیصلہ تو آسمان سے صادر ہوگا۔"

"اور وہ صادر ہو چکا سردار سیسرا! تم پہلے آدمی ہو جس نے ہمیں مبارک باد دی اور ہماری اقبال مندی کے لئے دُعا کی۔ کل تیسرے پہر قصرِ میرودیخ میں ہم سے ملاقات کرو۔"

یہ کہہ کر اُس نے محافظ دستہ کے افسر کو طلب کر کے حکم دیا۔ "کل سہ پہر کو ہم فرات کے ملاحوں کے سردار کا انتظار کریں گے۔ سیسرا کو کسی رکاوٹ کے بغیر ہمارے حضور آنے دیا جائے۔"

اس عنایت پر سردار سیسرا کمر تک جھک گیا اور بیلشازار نے شاہی رتھ بڑھانے کا اشارہ کیا۔ وہ بے حد خوش تھا کیونکہ پراتو مندر کی بازی باپ بیٹے کے حق میں اٹھی اور سردار سیسرا کی اطلاع بڑی نیک ثابت ہوئی تھی۔ جو کچھ اس نے چاہا تھا وہ آپ سے آپ ہو گیا۔ اُسے باپ کے کندھوں سے الزام کا جوا اُتارنے اور اپنے اختیارات کے قدم جمانے کے لئے تھوڑی سی مہلت درکار تھی اور حالات نے یہ مہلت فراہم کر دی۔ اُس نے بھیانک اُفتاد پر جو برقِ آسمانی کی طرح ناگہاں ٹوٹ پڑی تھی اگرچہ بڑی حد تک قابو پا لیا اور اپنے ساتھ باپ کو بھی طاقت کے حصار میں محفوظ کر لیا تھا لیکن اساگیلہ کی طرف لوٹتے وقت یہ خیال رہ رہ کر ذہن کو ڈستا رہا کہ آخر پرانے قتل کا واقعہ اس وقت کیوں اٹھایا گیا اور اشمیدی کا راہول کاہن سے کس طرح رابطہ قائم ہوا جو چالیس برس نہ جانے کہاں روپوش رہا تھا؟

اساگیلہ میں داخل ہوتے اور شاہی محل تک پہنچتے پہنچتے وہ ایک حیرت انگیز نتیجہ اخذ کر چکا

تھا۔ چنانچہ جب بادشاہ ستانے کے لئے مسند پر بیٹھ گیا، بیلشازار پوچھنے لگا۔

"پدرِ محترم! آپ نے اس بات پر بھی غور کیا، معبد حران کا بھولا ہوا واقعہ یاد دلانے اور آپ پر قتل کا مقدمہ چلانے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟"

"یقیناً وہ ہمارا کوئی نادیدہ دشمن ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ کون ہے۔"

"ہمارے نزدیک اس سارے ہنگامے کے پیچھے وہی دشمن کام کر رہا ہے جو عبرانی اسیروں کو چاہِ بابل کے زندان سے نکال کر لے گیا۔ جس نے بنوسلان اور اس کے تیغ زنوں کو قتل کر کے دہشت پھیلائی کیونکہ اسیروں کی رہائی کے بعد ہی جو واقعۂ حران کے متعلق معلومات رکھتے تھے قومی مجلس کا اجلاس بلانے کی درخواست کی گئی۔"

بنونید نے چونک کر بیٹے کی طرف دیکھا۔ "مگر یہ درخواست اشمیدی نے کی تھی۔"

"اشمیدی کو صرف آلۂ کار بنایا گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ معبد سین میں کون آدمی قتل کیا گیا——" بیلشازار پُر خیال انداز میں کہنے لگا۔ "قتل کی نوعیت اور مقتول کی شخصیت سے صرف ہاروت ماروت آگاہ تھے جنہوں نے زخمی راہول کا علاج کیا تھا۔ وہ یہودی غلاموں کے پیغمبر اور ایرانیوں سے خفیہ ساز باز رکھتے ہیں اور انہوں نے آپ کی ذات کو نشانہ بنا کر اپنی قومی غلامی کا بدلہ لیا ہے۔"

بادشاہ جانتا تھا ضرور کوئی ایسی ہی بات ہوئی ہے لیکن اظہارِ خیال سے ہچکچاتا تھا۔ "ہم بھی یہی سوچتے ہیں کہ ہمارے خلاف یہ فتنہ عبرانی اسیروں نے کھڑا کیا ہے کیونکہ وہی جانتے تھے راہول زندہ ہے اور کہاں روپوش ہے۔"

"پدرِ محترم! اب ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انہیں صرف آپ کی ذات پر الزام لگانے اور تاج و تخت سے محروم کر دینے کے لئے زندانِ اجل سے نکالا گیا اور یہ کام کورش کے کسی فرستادہ نے کیا ہے جو یہاں تنہا نہیں ہوگا۔ یقیناً وہ انتہائی خوفناک آدمی ہے اور اُسی نے مفرور اسیروں کو کہیں چھپا رکھا ہے۔"

بنونید کے جسم میں اس خیال سے سنسنی دوڑ گئی کہ وہ "خوفناک آدمی" جس نے بنوسلان اور اس کے وحشی غلاموں کو قتل کر کے اسیروں کو چھڑا لیا اگر ابھی تک بابل ہی میں موجود ہے تو شاید کسی رات تیغ بکف قصرِ شاہی میں بھی آ دھمکے اور اُسے قتل کر دے۔ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"بیلشازار! اُس نادیدہ دشمن کا کھوج لگاؤ۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے بھی خطرہ محسوس کر

رہے ہیں۔"

"اُس آدمی تک پہنچنے کے لئے ہاروت ماروت کی گرفتاری ضروری ہے۔"

"پھر انہی کو گرفتار کرو۔" بنونید نے یوں کہا جیسے بیلشازار جانتا ہو، وہ کہاں چھپے بیٹھے ہیں۔

"اگر وہ بابل سے باہر نہیں چلے گئے اور ہمارا خیال ہے کہ نہیں گئے، تو بہت جلد اُنہیں گرفتار کرلیں گے۔" بیلشازار نے بھی اپنی عادت کے مطابق شیخی بگھاری۔ "راہول اب آپ کے خلاف گواہی دینے کے لئے مُردوں کی دنیا سے واپس نہیں آسکتا۔ مگر ہاروت ماروت زندہ رہے تو حران کا واقعہ کسی نئے فتنے کا رُوپ دھار سکتا ہے۔ شاید اُن کے پاس قتل کا کوئی اور ثبوت بھی ہو۔"

بنونید کے چہرے پر موت کا سایہ سا گزر گیا کیونکہ ضمیر مجرم کو اکثر خوفزدہ کر دیتا ہے۔

اچانک بیلشازار کچھ سوچ کر بولا۔

"آپ کو ایک فرمان جاری کرنا ہوگا۔"

پھر یہ بتائے بغیر کہ اس فرمان کی نوعیت کیا ہوگی، اُس نے وقائع نویسوں کے سردار نیرگل کی فوری طلبی کا حکم جاری کر دیا۔ غلام دفترِ شاہی کی طرف بھاگے اور چند ہی لمحوں کے بعد نیرگل کمرۂ خاص میں حاضر تھا۔

بیلشازار نے اُسے ایک نئی لوح لکھنے کی ہدایت کی اور پہلے کی طرح خود ہی عبارت تحریر کرانے لگا۔ نیرگل لکھتا گیا اور بادشاہ سنتا رہا۔

یہ تھا نئے فرمان کا مضمون:۔

"شاہِ معظم بنونید فرزند مردوک، وارثِ بخت نصر اور شاہِ دوراں بیلشازار کی طرف سے دوسرا مشترکہ اعلان۔

ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ عبرانی غلاموں کے دو پیغمبر حجی اور زکریا بن برکیا جو ہاروت ماروت کے خفیہ ناموں سے فارس و ماد کے بادشاہ کورش ہخامنشی کے ساتھ سازباز رکھتے ہیں۔ نیز بابل اور بابل کے دیوتاؤں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، چاہِ بابل کے زندان سے فرار ہو چکے ہیں اور شہر میں کہیں چھپے بیٹھے ہیں۔ سلطنتِ کالدیا کے مفاد کے لئے اُن

کی گرفتاری بہت ضروری ہے۔ جو شخص اُن کے بارے میں کوئی اطلاع دے گا یا اُن کی تلاش و گرفتاری میں مدد کرے گا اُسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ جس کسی نے خطرناک مفروروں کو اپنے گھر میں پناہ دی یا اُن کی روپوشی میں مددگار ثابت ہوا وہ سُولی یا قتل کی سزا کا مستوجب ہوگا یا اُسے چاہِ بابل کے اجل گرفتہ گہراؤ میں پھینک دیا جائے گا ____ جو شخص شاہی فرمان کو سنے یا پڑھے اس کی تعمیل کرے۔"

وقائع نویسوں سے شاہی فرمان کی کئی نقلیں کرانے کے بعد اُن کی لوحیں شاہی ڈھنڈورچیوں میں تقسیم کر دی گئیں جنہوں نے شہر کے گوشے گوشے میں مفروروں کی گرفتاری کے لئے انعام کا اعلان کیا۔ بعد ازاں وہ لوحیں بابل کے مختلف بازاروں اور محلوں میں نصب کر دی گئیں تاکہ لوگ انہیں پڑھیں یا کسی سے پڑھوالیں اور اس کا مضمون یاد رکھیں۔

سرکاری جاسوس اور خفیہ گماشتے اگرچہ پہلے ہی ہاروت ماروت کا کھوج لگانے میں مصروف تھے لیکن نئے فرمان کے ساتھ بیلشازار نے ایک فوجی دستہ بھی ان کی تلاش میں متعین کر دیا۔ جسے اختیار دے دیا گیا کہ وہ ہر اُس مکان میں داخل ہو کر تلاشی لے سکتا ہے جہاں مفروروں کے چھپنے کا امکان ہو۔

اُسی دن سے بابل میں ایک نئے ہنگامے کا آغاز ہوا۔ فوجی دستہ چار حصوں میں منقسم ہو کر شہر میں پھیل گیا اور ہاروت ماروت کی جستجو ہونے لگی۔ لوگوں نے خوفزدہ ہو کر گھروں کے دروازے ایک بار پھر بند کر لئے اور عبرانی اسیروں کے فرار کے ساتھ چاہِ بابل کے خوفناک واقعہ پر دوبارہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ لوگ قومی مجلس میں بادشاہ پر لگائے جانے والے بھیانک الزام کو بھول کر عبرانی اسیروں کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

معلوم نہیں، بیلشازار نے ہاروت ماروت کی گرفتاری سے متعلق اشتہار دیتے وقت یہ بات سوچی تھی یا نہیں کہ اس سنسنی خیز اعلان کو سن کر لوگوں کی توجہ معبد حران کے واقعہ اور کاہنوں کے قتل سے ہٹ جائے گی۔ لیکن عملی طور پر ہوا یہی تھا اور اکثر لوگ اس بات سے پریشان تھے کہ کہیں سخت مزاج اکھڑ فوجی اُن کے گھر کی تلاشی لینے نہ آجائیں۔ کیونکہ فوجیوں نے کئی گھروں کے دروازے کھٹکھٹائے اور اُن سے پوچھ گچھ کی تھی۔ بعض آدمی تو شبے میں گرفتار بھی کر لئے گئے تھے۔

اس طرح مفروروں کی تلاش وجستجو کا ہنگامہ اصل واقعہ کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹا دینے کا ایک کامیاب نفسیاتی حربہ ثابت ہوا۔ بادشاہ پر اُنگلی اُٹھانے کی بجائے ہر شخص کو اپنی فکر دامن گیر ہو گئی تھی۔

بیلشازار نے محسوس کیا کہ حالات ساتھ دے رہے ہیں اور آسمان کا ہر فیصلہ اُس کے حق میں صادر ہو رہا ہے۔ لیکن آسمان کا فیصلہ ابھی صادر ہی کہاں ہوا تھا۔

(49)

بازوبند

◎

بابل کا معاملہ بتدریج اُس طبعی عمل سے گزر رہا تھا جس کا فیصلہ آسمانوں پر ہو چکا اور تقدیر کی کتابِ اسرار میں لکھ دیا گیا تھا۔ جیسا یسعیاہ نبی اور یرمیاہ نبی نے برسوں پہلے خدا کے الہام سے خبر دی تھی کہ بابل لے لیا جائے گا۔ بنوخم ہوگا۔ غارت گر شمال سے اس پر چڑھ آئیں گے اور بابل کے کاہن، سردار اور دانشور سب، بے وقوف ہو جائیں گے۔ سو ایسا ہی ہو رہا تھا۔

یہودی صراف اور تاجر جو خفیہ راستوں سے عراقِ عجم اور فارس تک رسائی رکھتے تھے اقبال مند کورش اور اُس کے ہخامنشی، ماپی اور گورگانی سرداروں کے ہاتھ قیمتی اشیاء بھی فروخت کرتے۔ اُن کے سامنے اپنے پیغمبروں کی پیشین گوئیاں بھی دُہراتے جو انہوں نے حفظ کر رکھی تھیں اور انہیں بابل پر حملہ کے لئے بھی اُکساتے رہے تھے۔ انہوں نے کلدانی سلطنت اور شاہ بنونید کے خزانوں کے بارے میں کچھ اہم خبریں بھی ایرانی شہنشاہ کے گوش گزار کی تھیں۔

کورش نے اگرچہ شاہِ عیلام گوبارو اور کالدیا کے باغی سردار کانداتاز کی انگیخت پر سلطنتِ بابل کے خلاف یلغار کی اور بہت سے علاقے فتح بھی کر لئے تھے مگر اُس کی یلغار میں یہودی صرافوں اور تاجروں کی ترغیب کا بھی بڑا عمل تھا۔ اُنہی کے ذریعے بابل کے یہودی غلاموں اور کورش کے درمیان خفیہ رابطے قائم ہوئے اور کچھ عہد و پیمان بھی ہوئے تھے۔

اسرائیلی نبیوں نے جو بابل میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، وہاں کی شہوت انگیز اصنامی تہذیب اور ظالمانہ استعماریت کے خلاف جو صرف لونڈی غلام پیدا کرتی تھی، ہزاروں

کلدانیوں کے ذہن بیدار کر دیئے تھے۔ اُن میں دانیال نبی کا نام سرِ فہرست تھا جن کے عقیدت مند خفیہ طور پر سرگرمِ عمل تھے۔ انہی سرگرمیوں نے کورش کے حملہ کی راہ ہموار کی تھی لیکن حجی اور زکریا نے ہاروت ماروت کے صفاتی ناموں سے ہخامنشی شہنشاہ کو بڑی اہم معلومات فراہم کی تھیں اور اب بابل کی داخلی زندگی میں ایک طوفان پیدا ہو گیا تھا۔

شاہوں کا شاہ کورش جسے ''دو سینگوں[1] والا'' حکمران بھی کہا جاتا ہے اور مہمِ بابل کا ناظم گوبارو، دونوں جانتے تھے کہ معبد حران کے حوالہ سے شاہ بنونید کے خلاف جو مقدمہ پیش کیا جائے گا، بیلشازار ایسے جاہ پسند، شیخی باز اور مغرور فوجی سربراہ کی موجودگی میں بابل کے کاہن، سردار اور قانون دان شاید اُس کا کوئی فیصلہ نہ کر سکیں۔ پھر بھی شاہ بنونید کے نسب اور بیلشازار کی حیثیت کے بارے میں شکوک و شبہات ضرور پیدا ہو جائیں گے جن سے ان کے خلاف بد اعتمادی کی فضا پیدا ہو گی اور تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حکمرانوں کے خلاف لوگوں کی یہی بداعتمادی حملہ آوروں کی فتح کے دروازے کھولتی رہی ہے۔

شاہ بنونید اور جنگجو بیلشازار کے خلاف یہ بد اعتمادی پیدا کر دی گئی تھی اور باپ بیٹا دونوں طاقت اور سیاست سے اپنا اعتماد بحال کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے بہت سے موقع پرست کاہنوں اور سرداروں کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا اور اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ تین دن کے اندر متعدد واقعات ہو گزرے تھے اور بیلشازار نے لوگوں پر اپنے جبر کی دھاک بٹھا دی تھی۔ اب وہ ایسے مصاحبوں اور سرداروں کی حاضری پسند کرتا تھا جو اس کی تعریف اور خوشامد کر سکیں۔ ملاحوں کے سردار سیسرا نے یہ کام بڑی عمدگی سے کیا اور اُس کی خوشنودی حاصل کر لی تھی۔

سردار سیسرا جانتا تھا یا اُسے سمجھا دیا گیا کہ جب سردار اور کاہن حکمرانوں سے بدگمان ہو جائیں اور ان کے خلاف مذہبی پیشواؤں سے فیصلے طلب کرتے پھریں اس وقت پریشان حال حکمرانوں سے تھوڑی سی ہمدردی اور اُن کی ہلکی سی چاپلوسی بھی بڑے اہم نتائج پیدا کرتی ہے۔ سیسرا نے پرانو مندر کے قریب بیلشازار سے جو معنی خیز گفتگو کی تھی اس کا نتیجہ بھی بڑا حوصلہ افزا نکلا۔ چنانچہ دوسرے روز سہ پہر کے وقت جب وہ قصرِ میرودیخ کے دروازے پر پہنچا اُسے بڑے تپاک سے کمرۂ ملاقات تک پہنچا دیا گیا۔ سردار کو علم نہ تھا کہ اُسے کیوں بلایا گیا ہے پھر

[1] ''ذوالقرنین'' ایک لقب ہے۔ بعض مؤرخوں اور علماء نے اس کا اطلاق کورش پر کیا ہے۔ (مصنف)

بھی قیاس یہی تھا شاید بیلشازار جو اپنے لئے ''شاہِ دوراں'' کا لقب سننا پسند کرتا تھا، اس سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے اور سردار سیسرا کو اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کسی بھی خدمت سے انکار نہیں تھا۔

اگر بیلشازار نے مہرتاب کی تلاش میں ''موت کے ایلچی'' روانہ کر دیئے تھے جیسا سردار نرقال نے انکشاف کیا تھا، تو مہرتاب نے بھی ایک ایسا قاصد اس کی طرف بھیج دیا جو کسی وقت بھی اُسے جامِ ہلاکت پلا سکتا تھا۔ یہ ایک جنگ یا بازی تھی جس میں جیت کا انحصار ایسی چال پر تھا جس کے بارے میں حریف بالکل بے خبر ہو اور مہرتاب نے سردار سیسرا کو بھیج کر ایک ایسی ہی چال کھیلی تھی۔

داروغۂ محل اُسے کمرۂ ملاقات میں پہنچا کر جہاں محافظ خفیہ جگہوں سے حفاظت و نگرانی کا فرض ادا کرتے تھے، رخصت ہو گیا تو چند ہی لمحوں میں بہادر بیلشازار قبائے شاہی زیب تن کئے زربفت کے پردوں سے نمودار ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی سردار سیسرا کمر تک جھک گیا اور بڑی لجاجت سے بولا۔

''غلام شاہِ دوراں کی خدمت میں حاضر ہے۔''

بیلشازار کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ ''سردار سیسرا! ہم نے کل بھی تمہیں پسند کیا تھا، آج بھی تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

پھر وہ مسندِ زریں پر بیٹھ گیا اور سیسرا کو بھی اپنے حضور کھڑا رہنے کی بجائے ایک چھوٹی چوکی پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ یہ اس امر کی علامت تھی کہ بیلشازار اس پر مہربان ہے ورنہ بیشتر ملاقاتی اس کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔

بیلشازار کا لباسِ زرّیں، مسند اور کمرے کی دیواریں جو سونے کے پتروں سے آراستہ تھیں اُس کے شاہی جاہ و جلال میں اضافہ کر رہی تھیں۔ مسند پر بیٹھنے کے بعد اُس نے ایک بار پھر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔

''ہم تمہاری وفاداری سے خوش ہیں اور ہمیں تمہارے جیسے وفاداروں کی ضرورت ہے۔''

''غلام شاہِ دوراں کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔''

سیسرا کو بتا دیا گیا تھا کہ ''شاہِ دوراں'' کا لقب اس کی کمزوری ہے۔ اُس نے بیلشاز[illegible] یہی کمزور رگ پکڑ لی جس پر وہ اُسے انتہائی پسندیدہ نظروں سے دیکھنے لگا اور فوراً ہی مطلب [illegible]

آ گیا۔

''سردار سیسرا! تم ایک جہاں دیدہ آدمی ہو اور اچھے برے لوگوں کو پہچاننے میں غلطی نہیں کرتے۔ اس لئے ہم ایک خدمت تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہ میری خوش بختی ہے کہ حضور غلام پر اعتماد کرتے ہیں۔ میں ہر اعتماد پر پورا اُترنے کی کوشش کروں گا۔''

مگر بیلشازار نے جو خدمت اُس کے سپرد کی، اُسے سنتے ہی سیسرا پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس نے ایک بازو بند سردار کی طرف اُچھال دیا اور کہا۔

''سردار سیسرا! اس بازو بند کو اچھی طرح دیکھ لو، جان لو، پہچان لو۔ کیونکہ یہ بازو بند ایسے آدمی کا ہے جو ہمیں ایک سنگین جرم میں مطلوب ہے۔''

بازو بند دیکھ کر سردار سیسرا کو پسینہ آ گیا کیونکہ وہ مہرتاب کا بازو بند تھا مگر اس نے اپنی حیرت و پریشانی ظاہر نہیں ہونے دی۔ بیلشازار نے اپنے مطلب کی کچھ اور وضاحت کی۔

''ہمارے خیال میں یہ بازو بند اُس شخص کا ہے جس نے چھ پہرے داروں کو قتل کر کے ندیمہ کبسی کو سُولی سے اُتارا اور غائب کر دیا۔ تم نے اندازہ کر لیا ہو گا اُس کے بازو غیر معمولی قوی اور مضبوط ہیں۔ تمہیں ایسے ہی غیر معمولی بازوؤں والے آدمی کو ڈھونڈنا ہے۔ اکثر لوگ شہر کے دونوں حصوں میں کشتیوں کے ذریعے آتے جاتے ہیں۔ تم ملاحوں کے سردار اور ہمیں بشارت دے چکے ہو کہ بہتا پانی بادشاہوں کے لئے مبارک ہوتا ہے۔ اس لئے ہم مجرم کی تلاش تمہارے سپرد کر رہے ہیں۔ سردار سیسرا! اگر اُس آدمی کو ڈھونڈنے میں ہماری مدد کرو گے تو دربارِ اساگیلہ میں عزت پاؤ گے۔''

سیسرا خاموشی سے سب کچھ سنتا اور حیران ہوتا رہا۔ بیلشازار اُسے ایک ایسے آدمی کی تلاش کا کام سونپ رہا تھا جس کا وہ ''قاصد'' بن کر آیا تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا ''بہتا پانی صرف شاہوں کے شاہ کورش کے لئے مبارک ہو گا۔ تمہارے لئے نہیں۔'' پھر بازو بند پر نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس آدمی کے بازو واقعی غیر معمولی ہوں گے۔ لیکن کسی حلیہ نشان کے بغیر اُسے تلاش کرنا بڑا مشکل کام ہے۔''

''کام مشکل ہے اسی لئے تمہیں سونپ رہے ہیں۔ مگر اتنا مشکل بھی نہیں۔ عام لوگوں کے

بازو ایسے غیر معمولی نہیں ہوتے۔''

اچانک سیسرا کو یاد آیا۔ بیلشازار ایسے خود پسند حکمران کے سامنے سب سے بڑی دانائی یہی تھی کہ اس کی رائے سے اختلاف نہ کیا جائے۔ اُسے تو اعتماد کی ضرورت تھی فوراً بولا۔

''شاہِ دوراں بالکل بجا فرماتے ہیں۔ آدمی ہمت کرے تو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔''

بیلشازار کی آنکھوں میں پسندیدگی کی جھلک پیدا ہوئی۔ ''تمہیں یہ بھی بتا دیں کہ ریموت نے ایک آدمی پر شبے کا اظہار کیا ہے مگر کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکا اور ثبوت کے بغیر ہم اُس پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتے۔''

سیسرا جانتا تھا ریموت کا شبہ کس پر ہو گا پھر بھی پوچھ لیا۔ ''کیا غلام اس کا نام دریافت کر سکتا ہے؟''

''نہیں سیسرا!'' اور ساتھ ہی بیلشازار نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا۔ ''نام جان لینے کے بعد تم اس کا پیچھا کرو گے اور وہ چونک جائے گا۔ جب کہ ہم اُس آدمی کو بے خبری کی حالت میں ثبوت کے ساتھ گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔''

سردار نے محسوس کیا ''اُس آدمی'' کا ذکر کرتے ہوئے وہ جیسے اپنے آپ سے بھی ڈر رہا تھا کیونکہ جشنِ زہرہ کی رات اس کے بازوؤں کی غیر معمولی طاقت آزما چکا تھا۔ اچانک ذہن میں ایک نیا سوال اُبھرا ــــــ ''ثبوت کیا ہو گا؟''

''اُس کا دوسرا بازو بند ــــــ اگر وہ ضائع نہ کر دیا گیا ہو۔''

''کیا شاہِ دوراں کا خیال ہے اُس نے دوسرا بازو بند ضائع کر دیا ہو گا؟''

''اگر ضائع نہیں کیا تو ضرور کہیں چھپا دیا ہو گا۔''

''حضور کا ذہن رسا دُور تک پہنچتا ہے۔ یقیناً اُس نے ایسا ہی کیا ہو گا۔''

''مگر تمہیں وہ ثبوت تلاش کرنا ہے۔''

''شاہِ دوراں کا اقبال بلند ہو ــــــ غلام اس آدمی کو ثبوت سمیت گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا۔''

بیلشازار زریں مسند پر تڑپ اُٹھا۔ ''تم اُسے گرفتار نہیں کرو گے۔ بے حد خطرناک آدمی ہے۔ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر کبھی ہاتھ نہ آ سکے گا۔''

''پھر غلام کو کیا کرنا ہو گا؟''

"اُس آدمی کا کھوج اور ثبوت کا سراغ لگا لینے کے بعد تم صرف ہمیں اطلاع دو گے۔ اگر وہی آدمی ہوا جس پر ریموت نے انگلی اٹھائی ہے تو اسے ہمارے شکنجے میں سمجھو۔"

سردار سیسرا کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"غلام کوئی وعدہ نہیں کرتا، کوئی یقین نہیں دلاتا لیکن اُس کی تلاش میں اپنے آقا شاہِ دوراں کے لئے جان بھی لڑا دے گا۔"

"مگر ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں اُس آدمی کو ڈھونڈ نکالو گے تو بڑا مرتبہ پاؤ گے۔" پھر ایک پل ٹھہر کے کہنے لگا۔ "ہمارے اندازہ کے مطابق وہی آدمی بنوسلان اور اس کے غلاموں کا بھی قاتل ہے۔"

سیسرا نہ صرف چونک گیا بلکہ دل ہی دل میں اس کے صحیح اندازے پر حیران بھی ہوا۔ فدیمہ کبی کے معاملے کا بظاہر بنوسلان اور اس کے غلاموں کے قتل سے کوئی تعلق نہ تھا مگر بیلشازار نے غالباً دونوں واقعات کی سنگینی سے اُن میں تعلق پیدا کرلیا تھا۔ اگر چاہِ بابل کے نعتی حصار میں بنوسلان کے سارے غلام ہلاک ہوئے تو فدیمہ کی سولی کے چھ کے چھ پہرے دار بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ دونوں وارداتوں میں یہی ایک قدرِ مشترک تھی کہ کوئی محافظ جو کسی قسم کی نشاندہی کرسکتا زندہ نہیں چھوڑا گیا تھا۔

"اگر وہ آدمی ایسا ہی خطرناک ہے جیسا شاہِ دوراں نے فرمایا تو میں اسے بہت جلد تلاش کرلوں گا۔"

یہ کہہ کر سیسرا اُٹھا اور بڑے احترام کے ساتھ بازو بند اُسے لوٹا دیا۔ بیلشازار نے طلائی مہروں کی ایک تھیلی اس کے ہاتھ پر رکھ دی ـــــ "یہ تمہاری وفاداری کا انعام ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہوگئی۔ تالی کی آواز پر داروغۂ محلات فوراً حاضر ہوا اور سیسرا کو اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ سردار سیسرا جب قصرِ میرودیخ میں داخل ہوا اُس عمارت کی وسعت و شوکت پر توجہ نہیں دے سکا تھا کیونکہ دھیان صرف بیلشازار کی ملاقات میں الجھا تھا کہ اس نے کیوں طلب کیا ہے۔ کیا باتیں ہوں گی لیکن واپسی پر وہ اس وسیع وعظیم عمارت کے حدودِ اربعہ پر غور کرتا اور اس کے اہم مقامات کو گہری نظروں سے دیکھتا چلا گیا کہ اگر کسی وقت اُسے رات کے اندھیرے میں تیسری واردات کے لئے یہاں داخل ہونا پڑے تو کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔

"میرودیخ" کسی عمارت کا نام نہیں دراصل بادشاہوں اور شہزادوں کا لقب تھا جس کے معنی "محسنِ سلطنت" کے تھے۔ ایک میرودیخ بلاداِن کے نام سے ہوگزرا تھا جو شاہِ بابل کا بیٹا تھا۔ سلطنت کے اہم شعبے اُس کے ہاتھ میں تھے۔ دوسرا میرودیخ یرمیاہ[1] نبی کے عہد میں ہوا (اور یہ بخت نصر ہی کا دور تھا) مگر وہ "شیطان میرودیخ" کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔ یہ نام اُسے یہودی غلاموں نے دیا کیونکہ اُن کا دشمن تھا۔ اُس نے بابل میں کئی عمارتیں تعمیر کرائیں جو میرودیخ کی نسبت سے مشہور ہوگئیں۔ اُنہی میں "قصرِ میرودیخ" کا بھی شمار ہوتا تھا اور ایوانِ مالکوب کے بعد یہ دوسری بڑی اور عظیم الشان عمارت تھی۔

"قصرِ میرودیخ" ہیکلِ بل مردوک کے مقابل اور ایوانِ مالکوب سے تھوڑے فاصلے پر وسیع وعریض رقبہ میں تھا۔ اُس کے اندر کئی عمارتیں، محل، دالان، باغیچے، صحن اور تفریح گاہیں تھیں۔ وسعت، خوب صورتی، زیب وزینت اور سامانِ آرائش کے اعتبار سے اس کی شان و شوکت مثالی تھی کیونکہ خاص محلات کی دیواریں سونے اور چاندی کے پتروں سے آراستہ کی گئی تھیں۔ یہ قصر کئی حرم سراؤں میں منقسم تھا جن میں میرودیخ بیلشازار کی متعدد بیگمات رہائش پذیر تھیں۔ مؤرخوں نے لکھا ہے قصرِ میرودیخ میں حسینانِ پری وش اور غلامنِ زرّیں کمر کا جمگھٹا رہتا تھا۔ دراصل یہ قصر بیلشازار کی "منزلِ عیش ونشاط" تھی جہاں اعلیٰ نسل کی بیویوں کے علاوہ خوش ادا محبوبائیں اور حسین کنیزیں بھی اُس کی تفریح کا سامان بنتی تھیں، جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی تھی۔

سیسرا اگرچہ حرم سراؤں کے حلقے اور خوب صورت کنیزوں کے جمگھٹے تو نہ دیکھ سکا اور اُسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی بھی نہ تھی لیکن کمرۂ ملاقات اور بیلشازار کے خاص عقبی محل سے لے کر بڑے دروازے تک تمام غلام گردشوں، راہداریوں اور راستوں کو دیکھتا بھالتا چلا گیا تا کہ پورا نقشہ اُس کے حافظے میں محفوظ ہوجائے۔ بابل کے دن اور لمحے گنے جاچکے تھے اور عید بیلس اب زیادہ دور نہ تھی۔ کیا معلوم کب اُسے قصرِ میرودیخ میں داخل ہونا پڑجائے۔

داروغۂ محلات نے اُسے صدر دروازے پر رخصت کیا مگر عین اُس وقت جب وہ فرات کو جانے والے راستے کی طرف مڑ رہا تھا قصرِ میرودیخ کے بلند وبالا دروازہ سے بیلشازار کا شاہی

[1] یرمیاہ نبی نے بھی قصرِ میرودیخ میں قیام کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے بعض انبیاء اور سرداروں کو اس قصر میں قتل کیا گیا تھا۔ (تاریخ بابل ونینوا)

رتھ بڑی تیزی سے نکلا اور اساگیلہ کے راستے پر دوڑتا چلا گیا۔ محافظ سوار اس کے عقب میں تھے اور وہ اسی لباس میں تھا جس میں سردار سیسرا سے ملا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کسی اہم مہم پر نکلا ہے۔

سیسرا موڑ ہی پر رُک کر سلام کے لئے جھک گیا۔ بیلشازار نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا، جیسے نہیں دیکھا اور ایک پُر جلال حکمران کی طرح اساگیلہ کی طرف نکل گیا۔ وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ بے حد مصروف اور کسی سوچ میں منہمک ہے۔ چند روز سے واقعی بہت مصروف نظر آتا تھا۔ اپنی مستعدی اور ہوشیاری سے اُس نے حالات پر قابو بھی پالیا اور خود کو ایک مستعد حکمران بھی ثابت کر دیا تھا جو بگڑے حالات کا رُخ موڑنا جانتا ہو مگر لوگوں کے دل میں کیا تھا اور وہ نئے حکمران کے بارے میں کیا سوچ رہے تھے؟ بیلشازار کو اس کی خبر نہ تھی۔ اُس نے شاہ بنونید کے ساتھ بابل پر اپنا حکم بھی نافذ کر دیا اور اب بادشاہ اُس کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتا تھا۔

آج کل اُس کے زیادہ اوقات اساگیلہ میں گزرتے تھے جہاں وہ بادشاہ کے علاوہ بنو خاندان کے افراد اور اساگیلہ کے اندر مقیم سرداروں اور فوجی حکام سے صلاح مشورے کرتا تھا۔ مجلسِ قومی کے اُن کاہنوں، سرداروں، قانون دانوں اور اُمرائے سلطنت کے خلاف جو شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے تھے اُس نے کچھ کامیابیاں بھی حاصل کر لیں اور اپنے آپ کو ایک خود مختار حکمران محسوس کرنے لگا تھا۔ ان کامیابیوں میں حالات نے اُس کا ساتھ دیا لیکن سب سے اہم مرحلہ باقی تھا اور شمورہ کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کر رہا تھا۔

اساگیلہ کے شاہی محل میں پہنچا تو بادشاہ کو پریشان اور نڈھال پایا جیسے کوئی اور حادثہ ہو گزرا ہو۔ حیرت کے لہجے میں بولا۔

"پدرِ محترم! ہم نے آپ کی زندگی سے خوف کے سائے دُور کر دیئے۔ اب آپ کی پریشانی کا سبب کیا ہے؟"

بنونید نے بیٹے کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ "ہماری نئی پریشانی کا نام شمورہ ہے۔"

بیلشازار شمورہ کا نام سن کر چونک گیا کیونکہ اُس کی اپنی پریشانی بھی شمورہ ہی تھی ____

"کیا آپ سے ملنے نہیں آئی؟"

"ملنے تو آئی مگر اُس نے ہماری راہنمائی سے انکار کر دیا ہے۔"

"آپ کو اس کی راہنمائی کی ضرورت بھی کیا ہے۔ کیونکہ اب آپ کے محافظ اور راہنما ہم ہیں۔ شمورہ کی فکر ہمیں ہونی چاہیئے۔"

بنونید نے بیٹے کا عندیہ سمجھ لیا ____ "ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ شمورہ کی دانائی تمہارے لئے استعمال ہو مگر وہ اپنی ضد پر قائم ہے۔"

"اب کیا کہتی ہے؟"

"تھوڑی دیر پہلے جب وہ اساگیلہ میں آئی، ہم نے اُسے سمجھایا کہ امورِ سلطنت میں تمہارا ہاتھ بٹائے۔ تمہیں مشورے دے کیونکہ حالات کی صورت اچانک بدل گئی ہے۔ اب اُسے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا ہوں گی۔ مگر اُس نے اصرار کیا کہ پہلے ہم واقعہ حران کے بارے میں اپنی صفائی پیش کریں۔"

بیلشازار یہ سن کر حیران رہ گیا۔ "کیا وہ آپ کو مجرم ثابت کرنا چاہتی ہے؟"

"ہم نے صاف کہہ دیا کہ وہ واقعہ حران کو بھول جائے۔ تاریخ ایسے واقعات کو اہمیت نہیں دیتی اور بھائی کی زوجہ و ملکہ بن کر حالات کو سنبھالنے کی کوشش کرے مگر ____"

بنونید ایک لمحہ کے لئے رک گیا پھر بیٹے کی طرف دیکھ کر کسی قدر مدھم آواز میں بولا۔ "اُس کا جواب یہ تھا کہ ہم اُس کی نسبت مہرتاب سے طے کر چکے ہیں اور وہ خود کو اُسی کی زوجہ سمجھتی ہے۔"

بیلشازار نے مشورہ دیا۔ "آپ اُس نسبت کو منسوخ بھی تو کر سکتے ہیں۔"

"ہم بھی چاہتے ہیں کہ اُس نسبت کو منسوخ کر دیں کیونکہ اب تمہارا اور شمورہ کا تعلق ضروری ہے مگر وہ اس تعلق پر آمادہ نہیں۔"

بیلشازار کچھ سوچنے لگا پھر یک لخت اُس کے چہرے پر اُمید کی روشنی نمودار ہوئی۔

"پدرِ محترم! کاہنوں اور اُمرائے سلطنت کے سامنے آپ ایک رویا بیان کریں گے کہ دیوی اشتار نے آپ سے کلام کیا اور حکم دیا ہے کہ اُس کی کاہنہ شمورہ بیلشازار کی زوجہ بنے گی اور اشتار اس کی شادی کسی اور سے نہیں چاہتی۔"

بنونید دم بخود سا رہ گیا اور ہولے سے بولا۔ "دیوی کے نام پر جھوٹا رویا بیان کرنا گناہ ہے۔"

"مگر یہ گناہ معبد سین کے جرم سے زیادہ سنگین نہیں۔"

یہ سنتے ہی احساسِ جرم سے بادشاہ کی گردن خود بخود جھک گئی۔ بیلشازار جانتا تھا، وہ انکار نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ اب پوری طرح اس کی مٹھی میں تھا۔ کہنے لگا ____ "آپ ایک بار پہلے بھی دیوی کے نام سے ایسا رویا بیان کر چکے ہیں جو آپ نے نہیں دیکھا تھا۔ اب دوسرا رویا بیان

کر دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ یہ بھی سن چکے ہیں کہ لوگ شمورہ کو ملکۂ بابل بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ شادی کے بعد وہ ہماری زوجہ بھی بن جائے گی اور بابل کی ملکہ بھی ___ لوگ مطمئن ہو جائیں گے۔"

بنونید نے غور کیا تو مصلحت یہی سمجھی کہ بیٹے کا کہا مان لے۔ اُس نے سوچا اگر شمورہ کی شادی بیلشازار سے نہ ہوئی تو کئی بدخواہ بہن کو بھائی کے خلاف اُکسائیں گے اور شاید بابل سے بنو خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ اُس نے حامی بھری۔

"ہم تمہارے لئے رویا بیان کر دیں گے۔ مگر شمورہ نہ مانی تو ___"

"آپ سمجھائیں گے، ہماری سفارش کریں گے تو مان جائے گی ورنہ اب ہم طاقت بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

بنونید کے ماتھے پر ناگواری کی شکن پڑ گئی۔ "بیلشازار! بے شک تم جنگجو ہو، طاقتور ہو مگر عورت طاقت سے نہیں محبت سے رام ہوتی ہے اور تم محبت کے دروازے سے کبھی شمورہ کے پاس نہیں گئے۔"

بیلشازار نے حیرت سے بادشاہ کو دیکھا اور بتانے لگا۔ "ہم نے بعض قاصد عورتوں کے ذریعے اپنی محبت کے پیغام بھیجے مگر اُس نے پرواہ نہیں کی۔"

"خود کیوں نہیں گئے اُس کے پاس؟" بنونید نے منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور کہا۔ "عورت اور مرد کے درمیان بہت سے قاصد ہوتے ہیں مگر اپنا اصل قاصد مرد خود ہوتا ہے۔"

بیلشازار نے اس طرح کبھی سوچا ہی نہ تھا۔ تڑپ کے بولا۔ "پدرِ محترم! ہم آپ کی ہدایت پر عمل کریں گے۔ خود شمورہ کے پاس جائیں گے۔"

"اپنی بہن کو محبت اور پیار سے جیتنے کی کوشش کرو۔ وہ تمہیں ایک بڑا حکمران بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"

"ہم بھی اُسے سمی رامیس سے بڑی ملکہ بنائیں گے۔ اُس کے لئے راحت و آسائش کا ہر دروازہ کھول دیں گے۔"

"پھر دیر نہ کرو۔ جب وہ یہاں آئی، اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ عیادت کے بہانے چلے جاؤ اور اُس کا دل جیت لو۔ حالات بدل چکے ہیں۔ ہم تمہاری سفارش کر چکے ہیں۔ شاید وہ تمہارے ساتھ عقد کرانے پر راضی ہو جائے۔"

کہاں تو بنونید بیٹے کی سرکشی سے خوفزدہ اور اپنی حکومت اور ذات کی حفاظت کے لئے مہرتاب کا سہارا ڈھونڈتا رہا۔ اُسے شمورہ سے عقد کرنے اور جشنِ زہرہ کی رات اُس کا ہاتھ پکڑنے کی ترغیب دیتا رہا تاکہ وہ "دیوی کی خوشنودی" حاصل کر سکے اور مہرتاب کی زوجہ بن جائے مگر کہاں اب اس کا ارادہ بیلشازار کے حق میں تبدیل ہو گیا اور وہ بیٹے کو محبت کی ترغیب دے رہا تھا۔ دراصل اُس کا مجرم ضمیر یہ سوچ رہا تھا کہ جس سلطنت کو اُس نے اصل بنونید سے چھین لیا تھا، اُس پر بہن بھائی کے رشتہ سے اپنے خاندان کا قبضہ مضبوط کر دے۔

بیلشازار کو بھی اُس کا یہ مشورہ پسند آیا کہ محبت کے معاملے میں اُسے اپنا قاصد خود ہونا چاہئے۔ فوراً شمورہ کے پاس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر ابھی مڑا ہی تھا کہ بنونید اُسے روک کر بولا۔

"ہماری آخری بات بھی سنتے جاؤ ___ مرد کو عورت کے سامنے اپنی محبت کا اظہار اس طرح کرنا چاہئے کہ ہر شے اُس کی بے قراریوں کی گواہی دے اور اس کی تعریف میں ایسے الفاظ استعمال کرے جیسے وہ کائنات کی سب سے حسین عورت ہو۔ ہر عورت اپنی تعریف سننا پسند کرتی ہے۔ شمورہ تو ہے بھی ایسی کہ اس کی جتنی تعریف کرو گے کم ہو گی۔ مگر وہ حکمت شناس بھی ہے۔ اس لئے ضرورت سے زیادہ الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے الفاظ مختصر، آواز میٹھی اور لہجہ نرم ہونا چاہئے۔ کبھی کبھی صرف ایک لفظ عورت کے دل میں ارتعاش پیدا کر دیتا ہے جس طرح صرف ایک کنکر پھینک دینے سے جھیل کی سطح مرتعش ہو جاتی ہے۔ تمہیں ہر قیمت پر اس کا اعتماد اور پیار حاصل کرنا ہے کیونکہ دنیا میں بعض لوگوں کو تاریخ اور بعض لوگوں کو عورت نامور بناتی ہے۔"

بیلشازار خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔ بنونید نے اپنی زندگی بھر کی دانائی اُس کے سامنے اُگل دی اور وہ یہ ساری باتیں سننے کے بعد رخصت ہو گیا۔

جب اس کا رتھ اساگیلہ کے بھاری دروازے سے باہر نکلا، بابل کی شام اپنی زلفیں کھول چکی تھی اور راستوں پر ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اُس نے رتھ بان کو باغاتِ معلقہ کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ شام کے اندھیرے میں رتھ بابل کے نیرنگِ زمانہ باغات کی جانب بڑھتا رہا اور بیلشازار اپنے ذہن میں وہ الفاظ دہراتا چلا گیا جن کے ذریعے اُسے حسین شمورہ کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کرنا تھا۔ اُس کی حکمت و دانائی سے پہلے ہی متاثر تھا لیکن اب اُس کی خوب صورتی

اور محبت دل میں جوار بھاٹا کی سی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔ شاید یہ کیفیت اس لئے تھی کہ پہلی بار اُس سے اظہارِ محبت کرنے جا رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ چند اچھے فقرے تیار کر لے جن کے ذریعے اپنے دل کی بے تابیوں کا اظہار کر سکے۔ مگر الفاظ خیالات سے آنکھ مچولی کھیلتے پھر رہے تھے۔ خیالات کی کوٹھڑی کھلتی تو الفاظ کی کھڑکی بند ہو جاتی۔ انسانی دماغ تو شہد کا چھتہ ہے۔ کوٹھڑیاں ہی کوٹھڑیاں، کھڑکیاں ہی کھڑکیاں۔

باغاتِ معلقہ تک خیالات اور الفاظ کے درمیان یہی کش مکش جاری رہی۔ تنگ آ کر اُس نے سوچنا ترک کر دیا اور ذہن کی تمام کوٹھڑیاں اور کھڑکیاں بند کر کے محافظ سواروں کو دروازے پر رُکنے کی ہدایت دینے لگا۔ وہ اوپر نہیں جا سکتے تھے۔ پھر اُس نے رتھ بان کو اشارہ کیا اور رتھ اُس ڈھلان راستے پر ہو لیا جو ایک میل کے رقبہ میں حلقہ در حلقہ اور درجہ بدرجہ تعمیر کئے گئے باغاتِ معلقہ کے گرد گھومتا اور چکر کاٹتا بتدریج اُوپر جاتا تھا۔

ان دنوں باغاتِ معلقہ کے نچلے چھ طبقوں میں صرف باغبان، اُن کے ماتحت کارندے جو باغات کی دیکھ بھال کرتے، غلام، مزدور اور چوکیدار اپنے اپنے حجروں میں رہتے تھے۔ کیونکہ شاہی خاندان کے افراد جشنِ زہرہ سے قبل ہی اساگیلہ کے محلات میں منتقل ہو گئے تھے۔ صرف شہزادی شمورہ اپنی کنیزوں اور چند غلاموں کے ہمراہ جن میں عجمی غلام اکتانا بھی تھا اپنے مخصوص باغِ معلقہ میں لوٹ آئی تھی جو ساتویں منزل پر واقع تھا اور جہاں سے پورا بابل بلند و بالا عمارتوں، ہیکلوں، معبدوں، مندروں، سمیریوں کے گاؤدم میناروں، پُر رونق بازاروں، کیڑے مکوڑوں کی طرح چلتے پھرتے انسانوں سمیت نظر آتا تھا۔ شہر کے درمیان فرات اور اُس کی نہریں ایک حسین منظر پیش کرتی تھیں۔

اسی باغِ معلقہ میں جو ساتویں بلندی پر تھا وہ جھیل بھی تھی جس میں فرات کا پانی جرِثقیل کے اصولوں پر بڑے بڑے پائپوں کے ذریعے اوپر پہنچایا جاتا اور وہاں سے نچلے طبقوں کو چشموں کی صورت میں فراہم کیا جاتا تھا۔ باغاتِ معلقہ انہی چشموں کے پانی سے سیراب ہوتے جو سیدھی روشوں کے درمیان اوپر سے نیچے کو بہتے فردوس کی نہروں کا نظارہ دکھاتے تھے۔

بیلشازار کو باغاتِ معلقہ کے گرداگرد چھ چکر کاٹ کر اُوپر جانا تھا۔ باغات کے نگرانِ اعلیٰ نے چند غلاموں کے ذریعے جو ہر حلقہ کے زینے کو پھلانگتے اوپر بھاگ گئے ساتویں حلقے تک سب محافظوں کو ''شاہِ دوراں'' کی آمد سے مطلع کر دیا تھا۔ اس لئے جب بیلشازار کا رتھ کسی

حلقہ سے گزرتا اس کے کلدانی محافظ زمین بوس ہو کر سلام ادا کرتے تھے۔

شہزادی شمورہ کو بھی بیلشازار کے آنے کی خبر پہنچا دی گئی بلکہ اُسے یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ بیلشازار عیادت کی خاطر آ رہا ہے۔ حالانکہ اس کی طبیعت کچھ اتنی ناساز نہ تھی۔ حکمت پسند شمورہ نے سوچا۔ شاید اسی بہانے اس کی حمایت حاصل کرنے آ رہا ہے۔ اعلانِ بادشاہت پر وہ اُسے مبارکباد دینے بھی نہیں گئی تھی، اپنے غلاموں، کنیزوں اور مخنث داروغہ کے ہمراہ خود بھائی کا استقبال کرنے نکلی۔ جونہی بیلشازار رتھ سے اُتر کر اُس کی طرف بڑھا شمورہ نے پُرتپاک خیر مقدم کیا اور اپنے ساتھ اُسے کمرۂ خاص میں لے آئی۔ وفادار اکتانا، نومی اور مخنث داروغہ اُن کے ساتھ ہی اندر آئے کہ شاید اُن کی خدمت کی ضرورت پیش آ جائے۔ شمورہ بھائی کے قریب مسند پر بیٹھ گئی اور خوش نظر آتی تھی کیونکہ بیلشازار کئی سالوں کے بعد اُس سے ملنے آیا تھا۔

بیلشازار کے نزدیک شمورہ کا یہ سلوک خلافِ توقع تھا جس سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ مسند پر بیٹھتے ہی شہزادی نے اُسے بادشاہت کی مبارکباد بھی تھی۔ حالانکہ اُس کا خیال تھا وہ حجت کرے گی کیونکہ سلطنت میں حصہ دار تھی۔ مگر شمورہ نے اس قسم کی کوئی بات نہ کی۔ بیلشازار سوچتا رہا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ آخر گفتگو کی راہ نکل ہی آئی۔

''پدرِ محترم نے بتایا تھا، تمہاری طبیعت ناساز ہے۔''

''طبیعت ناساز تھی، اب نہیں۔''

''دیوتاؤں کا شکر ہے کہ ہماری بہن ٹھیک ہے۔''

شمورہ نے بھی محسوس کیا کہ اُس کے رویہ میں ہمدردی اور لہجے میں نرمی تھی۔ سوچا شاید اقتدار و اختیار نے اُس میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔

ابھی گفتگو کا آغاز ہی ہوا تھا کہ کنیزیں بیلشازار کی خاطر تواضع کے لئے کھانے پینے کی اشیاء لے کر حاضر ہوئیں۔ پھل، میوے اور نفیس شرابیں۔ اُن میں بیلشازار کی پسندیدہ شراب بھی تھی۔ شمورہ نے بھائی کے لئے خود پیمانہ بھرا اور اُسے پیش کیا۔

التفات کا یہ انداز بھی بڑا حوصلہ افزا تھا۔ اُس نے پیمانہ اٹھا لیا اور اُسے چند ساعتوں میں خالی کر کے کہنے لگا۔

''شمورہ! ان کنیزوں اور غلاموں کو کچھ دیر کے لئے باہر بھیج دو۔ ہم تم سے کچھ آپس کی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

اشارہ پاتے ہی کنیزیں اور غلام باہر چلے گئے۔ اب وہ خلوت میں تھے۔ بیلشازار نے کہا۔ ''بہن! پدرِ محترم نے حکومت و سلطنت کی ذمہ داریاں ہمارے سپرد کر دی ہیں اور ہم تمہاری راہنمائی کے محتاج ہیں۔''

شمورہ اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ اگر وہ صرف امورِ سلطنت کے بارے میں کوئی مشورہ چاہتا تھا تو بات دیگر تھی لیکن بیلشازار کی زبان میں ''راہنمائی'' کا مطلب کچھ اور بھی تھا۔ بڑے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''بھائی بیلشازار! ہمیں تمہارے اقتدار کی خوشی ہے۔ دیوتا کریں تم واقعی ''شاہِ دوراں'' بنو لیکن تخت نشینی کی باقاعدہ رسم ادا ہو جائے تو ہم ہر ممکن تعاون کریں گے۔''

حکمت شناس شمورہ نے یہ بات بھی مدِ نظر رکھی تھی کہ تخت نشینی کی تقریب تک جس کے لئے عید بیلس کا دن مقرر کیا گیا تھا، بیلشازار کی حکومت کے بارے میں کاہنوں، سرداروں اور اُمرائے سلطنت کی رائے بھی معلوم ہو سکتی تھی کیونکہ بادشاہ کے نسب کا جھگڑا کھڑا ہو گیا اور یہ خدشہ بھی تھا کہیں لوگ بیلشازار کی تخت نشینی سے بھی انکار نہ کر دیں۔

بیلشازار نے معاملے کی اس صورت پر توجہ کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ اُس کے نزدیک کسی کاہن یا سردار کو یہ جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ اُس سے سرکشی کرے۔ اُسے تو صرف شمورہ سے مطلب تھا۔ اُس کے عذر کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں صرف امورِ سلطنت کے لئے نہیں اپنی ذات کے لئے بھی تمہاری راہنمائی کی ضرورت ہے کیونکہ تمہارے بغیر خود کو ادھورا سمجھتے ہیں۔''

شمورہ چونک گئی۔ بیلشازار اپنے مقصد کی طرف آ گیا تھا۔ ''ہم تمہارا مقصد نہیں سمجھے بھائی!''

''ہم تم سے محبت کرتے ہیں شمورہ! مگر تم ہماری محبت سے انکار کرتی ہو اور یہ بات ہمارے لئے بڑی تکلیف دہ ہے۔''

شمورہ نے پھر احتیاط کا پہلو اختیار کیا۔ ''اگر تم ہم سے محبت کرتے ہو تو ہمیں بھی تم سے محبت ہے ــــــ ایسی محبت جو ہر بہن کو بھائی سے ہوتی ہے۔''

''لیکن ہم تمہاری ازدواجی محبت کے طلب گار ہیں۔ تمہیں اپنی زوجہ و محبوبہ بنانا چاہتے ہیں۔'' پھر اُس سے محبت اور شادی کا جواز پیش کرنے لگا ــــــ ''تم جانتی ہو راہول کاہن کی

شرارت کے باعث لوگ بادشاہ کے نسب پر نکتہ چینی کرنے لگے ہیں۔ بعض کاہنوں اور سرداروں کا رویہ بھی کچھ بدلا بدلا نظر آتا ہے۔ ان حالات میں اگر ہم بہن بھائی ایک ہو جائیں، اور مل کر سلطنت کی باگ ڈور سنبھالیں تو کسی دشمن کو ہمارے خلاف سر اُٹھانے کی جرأت نہیں ہو گی۔ ہماری بات پر غور کرو اور ہمارے لئے دماغ کی بجائے اپنے دل سے سوچو ــــــ شمورہ! عزیز از جان شمورہ! تم کائنات کی ایک حسین عورت ہو اور خوش قسمتی سے ہماری بہن ہو۔ ہم محبت کے دروازہ سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ ہمارے دل کا نذرانہ قبول کرو اور اپنی محبت ہمیں بخش دو۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ تمہارے حکم اور اشارہ کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے۔ تمہیں سمی رامیس سے بڑی ملکہ بنائیں گے اور آئندہ کے لئے سلطنت کا وارث صرف اُسی بچے کو قرار دیا جائے گا جو ہمارے صُلب اور تمہارے بطن سے ہو گا ــــــ''

بیلشازار نے ہر وہ بات کہہ دی جو اُس کے ذہن میں گردش کرتی رہی تھی۔ اب کہنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ شمورہ نے اُس کا ایک ایک لفظ بڑے غور سے سنا۔ ہر لفظ ایک والہانہ جذبے کی ترجمانی کر رہا تھا۔ اپنی خوب صورتی کی تعریف بھی سنی۔ بیلشازار کے دل کی بے قراریوں کو بھی سمجھا اور اگر مہرتاب کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم نہ کر چکی ہوتی تو شاید حالات کی مصلحت اور تخت و تاج کی ضرورت کے تحت بھائی کی پیش کش قبول کر لیتی کیونکہ باپ بیلشازار کے حق میں سفارش کر چکا تھا اور کاہن بہن بھائی کی شادی کے حق میں فتویٰ دے چکے تھے۔ لیکن اب عذر تلاش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بہت سوچ سمجھ کر بولی۔

''بیلشازار! جہاں تک سلطنت کے تحفظ اور کاروبار کا معاملہ ہے اُس پر ہمارا نہیں دیوتاؤں کا اختیار ہے۔ وہی بابل کی حفاظت کرتے ہیں اور جیسا وہ چاہیں گے آئندہ بھی ویسا ہی ہو گا۔ جہاں تک تمہارے جذبۂ محبت کا تعلق ہے ہم اُس کی قدر کرتے ہیں لیکن بہن بھائی کی شادی مناسب نہیں سمجھتے۔''

جواب زیادہ مایوس کن نہیں تھا۔ بیلشازار کی بے چینی بڑھ گئی۔ ''بہن بھائی کی شادی کیوں مناسب نہیں؟''

''اس لئے کہ دونوں کا خون ایک ہوتا ہے اور ازدواجی گرم جوشی کے لئے میاں بیوی کا خون مختلف ہونا چاہئے۔''

''پھر مصر میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ وہاں تو شاہی خون کی حفاظت کے لئے بہن بھائی کی

شادی کی جاتی ہے۔''

مصر کے رواج ہمارے رواجوں سے مختلف ہیں۔ وہ مُردوں کو زرد پٹیوں میں لپیٹ کر گھروں میں رکھتے اور ہم کفن پہنا کر قبروں میں دفن کرتے ہیں۔''

''لیکن اشوریوں کی دیوی عنات (عذرا) اُن کے بڑے دیوتا بعل کی بہن بھی ہے اور زوجہ بھی اور ہماری ایشتار بھی بل دیوتا کی بہن اور زوجہ ہے۔ اگر دیوتا اپنی بہنوں سے شادی کر سکتے ہیں تو ہمارا تمہارا عقد کیوں نہیں ہو سکتا؟''

اس مذہبی دلیل کا شمورہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ کاہن بھی اس اصنامی تصور کی وجہ سے ان دونوں کی شادی جائز سمجھتے تھے۔ پریشانی کے لہجے میں بولی۔

''بھائی بیلشازار! ہم دیوتا نہیں، انسان ہیں اور ہماری تہذیب میں ایسی شادی کا رواج نہیں۔''

''حیرت ہے۔ ایشتار کی کاہنہ ہو کر اُس کے رواج سے انکار کرتی ہو۔''

شمورہ نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور وہ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ ''شاید تمہیں معلوم نہیں پدرِ محترم نے چند روز پہلے ایک بھیانک خواب دیکھا اور زیگورات کے پروہت حوری نے اُس کی عجیب و غریب تعبیر کی ہے کہ ایشتار کی طرح تمہارے بھی دو خاوند ہوں گے۔ حوری کہتا ہے دیوتاؤں کی یہی مرضی ہے۔''

''اگر دیوتا یہی چاہتے ہیں تو اُن کی مرضی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا کوئی رویا ہم نے نہیں دیکھا۔ ممکن ہے پدرِ محترم کے خواب کی تعبیر کچھ اور ہو، ہم اس تعبیر کے پابند نہیں۔''

پھر اُس نے ایک دلچسپ سوال کر دیا۔۔۔۔ ''کیا تم پسند کرو گے کہ بیک وقت ہمارے دو خاوند ہوں؟''

''نہیں۔۔۔۔'' بیلشازار نے فوراً جواب دیا۔ ''ہم تم پر صرف اپنا حق سمجھتے ہیں اور تمہاری محبت میں کسی دوسرے مرد کی شرکت گوارا نہیں کر سکتے۔ اسی لئے جشنِ زہرہ کی رات ہم نے مہرتاب کے خلاف تلوار اُٹھائی۔۔۔۔ تم ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو شمورہ! اور مقابلہ کئے بغیر کوئی مرد تمہیں ہم سے جیت نہیں سکتا۔''

''مگر اُس رات مہرتاب نے ہمیں جیت لیا تھا۔''

یہ کڑوی حقیقت بہادر اور جنگجو بیلشازار کو مشتعل کر سکتی تھی جواب ''شاہِ دوراں'' بن بیٹھا تھا

مگر شمورہ نے اس میں تھوڑی سی مسکراہٹ گھول دی تاکہ بھائی ناراض نہ ہو جائے۔ بڑی دل نواز مسکراہٹ تھی۔ بیلشازار اُس میں ڈوب گیا اور دل میں جذبات کی بھاڑ اُٹھی۔ بڑے پیار سے شمورہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔

''ہم اُس جیت کو نہیں مانتے۔ اُس رات ہماری غلطی سے ربۂ زہرہ ہمارے خلاف ہو گئی تھی لیکن ہم اپنی بھول کا نذرانہ دے چکے ہیں۔ اب دوسرے مقابلے میں تمہیں جیت لیں گے۔۔۔۔ بس تم ہماری ہو۔''

دخترِ بابل کے ہونٹوں پر ابھی تک تبسم کھیل رہا تھا لیکن دل میں بھنور پڑ رہے تھے، کہ بیلشازار مہرتاب سے دوسرے مقابلے پر بضد اور اُسے جیت لینے پر اصرار کر رہا تھا۔ ابھی اسی بات سے پریشان ہو رہی تھی کہ اچانک بیلشازار نے جو شمورہ کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا ہاتھ پر بوسہ دے کر اُس کے سارے بدن میں سنسنی دوڑا دی۔ اتنی قریب تھی کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اُسے آغوش میں بھی لے سکتا تھا۔ اس خیال سے گھبرائی، یک لخت مسند چھوڑ کے کھڑی ہو گئی۔

بیلشازار بیٹھا اُسے عشق انگیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر مسند کے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔ ''شمورہ! ہم کچھ پوچھنا چاہتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ تمہارا جواب درست ہونا چاہئے۔''

شہزادی جس کا کنوارا جسم ابھی تک حیرت انگیز سنسنی سے دوچار تھا کچھ فاصلے سے اُس کی طرف مُڑی۔ ''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''پہلے دیوی ایشتار کی قسم کھاؤ، ہم سے غلط بیانی نہیں کرو گی۔''

حیران تھی کہ نجانے کیا پوچھنا چاہتا ہے۔ کسی غلط بیانی کی ضرورت بھی نہیں سمجھتی تھی، ہاتھ اٹھا کر دیوی کی قسم کھائی تو بیلشازار نے لرزہ خیز سوال کر دیا۔ ''کیا مہرتاب سے محبت کرنے لگی ہو؟''

سوال سن کر ایک دو ساعتیں عجیب سی کشمکش میں مبتلا رہی پھر فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ ''تم نے سچ بولنے کی قسم لی ہے اور سچ یہ ہے کہ۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔''

بیلشازار پر ایک بجلی سی ٹوٹی اور سوکھے درخت کی طرح سُلگ اُٹھا۔ چہرے پر دھواں سا پھیل گیا۔ اس وقت ایسی سچائی سے دوچار تھا جو پگھلی آگ کی طرح پورے جسم میں دوڑ گئی۔ ہلکی سی لہر لے کر آگے بڑھا اور بالکل اُس کے قریب آ کے رُکا۔ ''شمورہ! ہماری خاطر تمہیں مہرتاب کی محبت ترک کرنا ہو گی۔ اس کے بدلے میں جو شرط چاہو منوا سکتی ہو۔''

''محبت کسی شرط کی میزان پر نہیں تولی جاتی۔''

''ہم تمہاری خوشنودگی کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ کہو گی تو تمہارے غلام بن کے رہیں گے اور تمہارے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھائیں گے۔''

یہ وہ بیلشازار تھا جو اپنے سامنے پوری دنیا کو حقیر اور کم تر سمجھتا تھا مگر اس وقت ایک عورت کی غلامی پر بھی تیار ہو گیا۔ شمورہ کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی اور اُسے ایک اور کچوکا دیا۔ ''بھائی بیلشازار! ہم ایسے مرد کو پسند کرتے ہیں جو ہمارے مشوروں کا محتاج نہ ہو اور ہم پر حکومت کرے۔''

بیلشازار نے خود کو تھوڑا سا اور گرا لیا____ ''اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ہم بھی تم پر تھوڑی سی حکومت کریں گے۔''

یہ کہہ کر اس نے شمورہ کا ہاتھ پکڑ لیا مگر اب کے اُسے چومنے کی کوشش نہیں کی۔ شمورہ نے بھی ہاتھ نہیں چھڑایا۔ لیکن ذرا پیچھے ہٹی تو بیلشازار نے ہاتھ خود بخود چھوڑ دیا اور آواز میں تھوڑی سی گرمی پیدا کر کے بولا۔ ''شمورہ! تمہیں ہماری محبت قبول کرنا ہو گی۔ ہماری زوجہ و ملکہ بن کر تختِ اژدر پر ہمارے پہلو میں بیٹھنا ہو گا۔ یہ پدرِ محترم کا فیصلہ ہے اور____ ہمارا بھی۔''

شمورہ کا لہجہ بھی کچھ تبدیل ہو گیا____ ''تم جانتے ہو ہم دیوی ایشتار کی کاہنہ ہیں اور اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔''

''ہمارے لئے دیوی کی مرضی معلوم کرو۔ اس سے اشارۂ غیبی مانگو۔ استخارہ کرو۔''

''شاید دیوی کا فیصلہ کسی اور کے حق میں ہے۔''

یہ سنتے ہی بیلشازار تڑپ اُٹھا____ ''ہم وہ فیصلہ تبدیل کر دیں گے۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

بیلشازار اُس کے تیور دیکھ کر غصے میں پیچھے ہٹا اور مسند کے ساتھ جا لگا۔ دل میں وحشی جذبات اور ذہن میں اندھے خیالات کے الاؤ دہک اُٹھے۔ اُس کا پیغامِ محبت ٹھکرا دیا گیا تھا۔ ہر خواہش مسترد کر دی گئی تھی۔ اب غصہ و جوش پر قابو پانا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ بجلی کی طرح کڑکنے چمکنے لگا۔ ''ہمیں افسوس ہے، ہماری حکمت شناس بہن محبت کی زبان نہیں سمجھتی اور چاہتی ہے کہ اس کے لئے دو مردوں میں جنگ ہو۔''

''ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے۔''

''تمہارے انکار سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ آسمان کے نیچے بہت سی عورتوں کے لئے بہت سے مردوں میں جنگ ہوئی ہے اور سورج اُنہیں لڑتے مرتے دیکھتا رہا ہے۔ آسمان پر ایک ہی سورج ہے اور اب وہ ہمارے مقابلے میں مہرتاب کو مرتے دیکھے گا۔''

اس کے ساتھ ہی جوش میں ہاتھ کو یوں حرکت دی جیسے تلوار چلا دی ہو اور غصے میں بولتا چلا گیا____ ''ہم نے تمہیں اختیار دیا تھا کہ ہمارے ساتھ تعلق کے عوض جو شرط چاہو منوا لو۔ تم کہتیں تو ہم مہرتاب کی زندگی اُسے بخش دیتے مگر تم نے انکار کر کے اپنے عاشق کو ہماری تلوار کے منہ میں دھکیل دیا، شاید سمجھتی ہو وہ دوسرا مقابلہ بھی جیت لے گا مگر جو غلطی ہم سے ایک بار ہوئی دوبارہ نہیں ہو گی۔ اب شکست اُس کا اور جیت ہمارا مقدر ہے۔ بہر حال ایک جنگ ہو گی اور اس کا نتیجہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی____''

بیلشازار بالکل بدل گیا تھا۔ شمورہ اُس کی کرخت آواز اور لہجے کی سنگینی سے کانپ اُٹھی۔ جانتی تھی اپنی ضد سے ٹلنے والا نہیں۔ جس یقین کے ساتھ مہرتاب کی شکست کا دعویٰ کر رہا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مقابلے میں بے ایمانی پر آمادہ ہے۔ شاید سریع الاثر زہر میں بجھی ہوئی تلوار استعمال کرے جس کی ہلکی سی خراش بھی پیغامِ ہلاکت بن سکتی ہے۔

اس قسم کے اور بھی کئی اندیشے دل میں ہول پیدا کرنے لگے۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ شاید مقابلے کی نوبت ہی نہ آئے اور مہرتاب کو عیدِ بیلس سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتروا دے۔ اب وہ مطلق العنان حکمران اور اپنے دشمن کے خلاف بیسیوں حربے استعمال کر سکتا تھا۔ اچانک خیال آیا، اس نے سچ بول کر اور اپنی محبت کا برملا اظہار کر کے غلطی کی ہے۔ بیلشازار ایسے ضدی اور کینہ ور آدمی کے سامنے دروغِ مصلحت آمیز سے کام لینے کی ضرورت تھی۔

بادشاہ نے اس کی باقاعدہ تخت نشینی کے لئے عیدِ بیلس کا دن مقرر کیا تھا۔ ہیکلِ زہرہ کے کاہنِ اعظم نے بیلشازار اور مہرتاب کے دوسرے مقابلے کے لئے بھی عیدِ بیلس ہی کا شگن نکالا تھا۔ خود بیلشازار عیدِ بیلس پر اُسے اپنی زوجہ بنانے اور اُس کے ساتھ شبِ وصل منانے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس نے سوچا عیدِ بیلس پر کیا کیا کچھ ہونے والا ہے۔ کہیں یہ آسمانوں پر ہونے والا کوئی فیصلہ نہ ہو کہ سارے ہنگامے اسی تہوار پر بپا ہوں مگر فوراً اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اُس کے نزدیک یہ محض اتفاقات تھے جنہیں عقل و تدبیر سے بدلا بھی جا سکتا تھا۔ کم از کم وہ عیدِ بیلس

پر ہونے والے مقابلے اور اپنی قسمت کے اس فیصلے کو بدل دینا چاہتی تھی جو بیلشازار کے ہاتھ میں چلا گیا تھا مگر اس صورتِ حال کو بدلنے کے لئے حکمت کی ضرورت تھی اور حکمت شناس شمورہ کو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔

بیلشازار بے حد غضب ناک اور اپنی طرف سے مہرتاب کی زندگی پر خطِ تنسیخ پھیر چکا تھا۔ وہ خود اُن اندیشوں اور وسوسوں سے دہل گئی تھی جو ذہن میں طوفان کی طرح اٹھتے تھے۔ یک لخت خیال آیا، فی الحال مایوس و مشتعل بھائی کو تھوڑا سا آرام کرنے اور اُس کے بجھے دل میں اُمید کی جوت جلانے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی پریشان ذہن میں تدبیر کی ایک کرن جھلملائی اور فوراً بھائی کی طرف مُڑی۔

"بیلشازار! تم ہمیں اس طرح خوفزدہ کر رہے ہو جیسے مہرتاب کو پسند کر کے ہم تمہارے دشمن ہو گئے ہیں حالانکہ تم بھی ہمیں عزیز ہو۔ اگر مقابلے میں کوئی ہلاک ہو گیا جیسا تم کہتے ہو کہ جنگ تم دونوں میں سے کسی ایک کی ہلاکت پر ختم ہو گی تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ مہرتاب ہمارا اُمیدوار ہے۔ تم بھائی ہو اور اُمیدوار تم بھی ہو۔ ہم تم دونوں میں سے کسی کی ہلاکت برداشت نہیں کر سکتے ____"

بیلشازار اُس کی گفتگو سن کر حیران ہوا۔ شمورہ کے رویہ میں کچھ تبدیلی محسوس کی اور وہ اپنے بیان کی وضاحت کرنے لگی۔ "بے شک ہم خوب صورت ہیں اور عرفانِ تنہائی سے نکل آئے ہیں۔ مگر یہ پسند نہیں کرتے کہ ہمارے لئے دو مردوں میں جنگ ہو۔ مقابلے کا ارادہ ترک کر کے تم فیصلے کی کوئی دوسری راہ کیوں نہیں نکالتے؟"

یہ وضاحت مزید حیران کر دینے والی تھی۔ بیلشازار حیرت پاش نظروں سے اُسے دیکھنے لگا اور ایک لحہ ٹھہر کے بولا۔ "جب ایک خوب صورت عورت کے لئے دو مردوں میں جھگڑا ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنے والی آخری طاقت صرف تلوار ہوتی ہے۔"

"فیصلہ کسی اور طرح بھی ہو سکتا ہے۔"

شمورہ اُس کے ذہن کو مسلسل حیرت سے دوچار کئے جا رہی تھی بولا ____ "کیا تمہارے لئے قرعہ ڈالا جائے، پانسہ پھینکا جائے یا دیوتاؤں سے فیصلہ طلب کیا جائے؟"

قرعہ یا پانسہ تو پلک جھپکنے میں اُس کی تقدیر کا فیصلہ کر سکتا تھا جب کہ وہ اس بات کو سنبھالنے کے لئے وقت اور مہلت چاہتی تھی ____ "ہم نے ایک شرط سوچی ہے۔ تم دونوں میں سے جو

بھی اُسے پورا کر دے گا وہ ہمارا مالک و مختار ہو گا۔"

بیلشازار کے چہرے پر حیرت کے ساتھ خوشی کے آثار بھی ظاہر ہوئے کیونکہ شرط کی تجویز پیش کر کے حسین شمورہ نے اُس کا آدھا حق مان لیا اور اُسے اپنے محبوب کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا تھا مگر اپنی تسلی کے لئے پوچھا۔ "اگر وہ شرط ہم پوری کر دیں تو تم ہمیں اپنا شوہر تسلیم کر لو گی؟"

"ہاں ____" وہ مدھم آواز میں بولی۔ "مگر شرط پوری کرنے سے پہلے تم ہم سے کوئی مطالبہ نہیں کرو گے۔"

بیلشازار خوشی سے چلّایا ____ "شرط بیان کرو۔"

شمورہ شرط بیان کرنے لگی۔

"تم ہمیں اپنی زوجہ و ملکہ اس لئے بنانا چاہتے ہو کہ ہم خوب صورت بھی ہیں اور حکمت شناس بھی اور اپنی تدبیر سے سلطنتِ بابل کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔ اس وقت بابل کو جو خطرہ درپیش ہے اس کا بانی مبانی گوبارو شاہِ عیلام ہے جس نے کورش کو بابل پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا اور خود حملے کی نگرانی کر رہا ہے کیونکہ وہ بابل کی ماتحتی میں رہ چکا اور سب راستوں کو پہچانتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کورش ہخامنشی اپنے رسالہ "قشونِ جاودانی" کے ساتھ جھیل سمیرامیس کے کنارے اپنے پڑاؤ میں آرام کر رہا ہے مگر فتنہ پرداز گوبارو اپنے عیلامی لشکر سمیت فرات کی نواحی بستیوں میں خیمہ زن ہو گیا اور بابل پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ شاید عید بیلس کے بعد حملہ بھی کر دے۔ ہم دُخترِ بابل ہی نہیں، خود بابل ہیں اس لئے تحفظِ بابل کے لئے عیلامی بادشاہ کا سر طلب کرتے ہیں تا کہ جب کورش حملہ کرنے آئے، ایمگور بیل پر گوبارو کا سر لٹکتا دیکھ کر لوٹ جائے۔ شاید مہرتاب کی بہ نسبت تم یہ شرط پوری کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہو۔ بہر حال ہمیں گوبارو کا سر چاہئے اور جس روز یہ شرط پوری کر دو گے اُس رات ہم تمہارے ہوں گے۔"

یہ کہہ کر شمورہ نے بات ختم کر دی کیونکہ اپنی طرف سے بیلشازار کے دل میں اُمید کی جوت روشن کر چکی بلکہ اپنے وصل کی واضح ترغیب بھی دے چکی تھی۔ جانتی تھی، بیلشازار یہ شرط کبھی پوری نہیں کر سکے گا۔ اُسے تو صرف مہلت درکار تھی اور اُس نے مہلت کا راستہ نکالا تھا۔

بیلشازار شرط سن کر دم بخود رہ گیا مگر غور کیا تو شرط سراسر اُس کے حق میں تھی۔ وہ لشکر و سپاہ کا مالک اور فرات کی نواحی بستیوں پر حملہ کر کے یا شب خون مار کر گوبارو کو ہلاک کر سکتا تھا جب کہ تنہا مہرتاب کسی لشکر پر حملہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس خیال سے خوشی محسوس کرنے لگا

کہ بہن نے اُسے مہر تاب پر فوقیت دے دی اور اُس کی زوجہ و ملکہ بننے پر تیار ہو گئی ہے۔ مسرت خیز لہجے میں بولا۔

''اگرچہ تم نے اپنے وصل کی بہت ہی کڑی شرط رکھی پھر بھی ہمیں منظور ہے اور ہم اس بات پر خوش ہیں کہ تم نے فیصلے کی راہ ہمارے حق میں نکالی۔ ہمیں اعتبار ہے کہ تم اپنے وعدے پر قائم رہو گی۔''

''ہم نے شرط لگائی اور وعدہ کر لیا تو اُسے پورا بھی کریں گے۔''

اس بات نے بیلشازار کے دل میں جوانی کے کتنے ہی چراغ روشن کر دیئے۔ آگے بڑھ کر شمورہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک ہی جھٹکے میں اُس کا جسم اپنے بازوؤں میں بھر کے وارفتگی کے انداز میں بولا۔ ''ہم تمہارے لئے بہت بے قرار ہیں شمورہ!''

یہ سب آناً فاناً ہو گیا تھا۔ شمورہ گھبرا گئی۔ اُس نے محسوس کیا کہ بیلشازار کی گرفت کافی مضبوط ہے اور زبردستی پر اُتر آیا تو شاید خود کو بچا نہ سکے مگر عورت کی صرف ایک ادا بہادر سے بہادر مرد کا خون بھی پانی کر سکتی ہے۔ اُس کے بازوؤں میں کسمسائی، مسکرائی اور آہستہ سے بولی۔ ''ابھی تم نے ہماری شرط پوری نہیں کی۔''

بیلشازار حسین مسکراہٹ کے بھنور میں ڈوبنے لگا اور بانہوں کی گرفت کچھ ڈھیلی پڑی تو شمورہ مچھلی کی طرح پھسل کر اُس کے بازوؤں کے حلقے سے نکل گئی۔ اب چاہتی تھی کہ یہاں سے چلا جائے مگر وہ پیچھے ہٹی تو بیلشازار آگے بڑھا۔ شمورہ نے اُسے ہاتھ کے اشارہ سے روک دیا۔ ''ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔ تم اپنے وعدے پر قائم رہو۔''

بیلشازار دیوانہ ہو رہا تھا ـــــ ''ہمیں محبت سے رخصت کرو شمورہ! اور اجازت دو کہ تم نے جو وعدہ کیا ہے اُس پر اپنے پیار کی مُہر لگائیں۔''

''یہ وعدہ خلافی ہے۔ ابھی تم ہمیں پیار کرنے کے مجاز نہیں۔''

یہ کہہ کر اُس گوشے کی طرف بڑھی جہاں ساگوان کی میز پر کچھ چیزیں بے ترتیب پڑی تھیں۔ بیلشازار بھی اُسی گوشے کی جانب چلا۔ شمورہ کچھ اور پیچھے ہٹی اور میز کی پرلی سمت نکل گئی۔ وہ بھی کچھ اور آگے بڑھا اور میز کے پاس رُک گیا۔ اچانک میز پر ایک ایسی چیز نظر آئی جسے دیکھ کر وہ نہ صرف بری طرح چونک گیا بلکہ شمورہ کو بھی بھول گیا۔

وہ چمڑے کا ایک غیر معمولی بازوبند تھا جس نے اُسے مبہوت کر دیا کیونکہ ویسا ہی ایک

بازوبند اُس کی اپنی تحویل میں تھا، جس کے مالک کی دفترِ خفیہ کو تلاش تھی اور اُس نے آج ہی وہ بازوبند سردار سیسرا کو دکھا کر یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ دوسرے بازوبند کا کھوج لگائے جو مجرم کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہوگا۔

اُس نے بازوبند اُٹھا لیا۔ غور سے دیکھا اور تسلی کی کہ یہی وہ دوسرا بازوبند ہے جس کی اُسے تلاش تھی۔ پھر حیرت سے پوچھا۔ ''یہ بازوبند یہاں کیوں ہے؟''

شمورہ نے شکر کیا کہ ایک مردانہ بازوبند میں اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ ''اسے کہاں ہونا چاہئے تھا؟''

بیلشازار نے غالباً اُس کی بات پر توجہ نہیں دی اور ایک نیا سوال کر دیا ـــــ ''کس کا ہے؟''

اب وہ چاہتی تھی اس کے دل کو تھوڑا سا دھچکا لگائے ـــــ ''تمہارے خیال میں اتنے غیر معمولی، گرانڈیل اور مضبوط بازو کس مرد کے ہوں گے؟''

وہ اُس مرد کو جانتا تھا لیکن اُس کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ شمورہ نے اپنے سوال کا جواب خود ہی دیا ـــــ ''یہ تمہارے رقیب کا بازوبند ہے۔''

''کون رقیب؟'' نام اُسی کی زبان سے سننا چاہتا تھا۔

''مہر تاب ـــــ'' شمورہ نے اُس کی تمام مشکلیں حل کر دیں۔

''مگر مہر تاب کا یہ بازوبند تمہارے پاس کیسے آیا؟''

''اُس نے اپنی نشانی کے طور پر بھیجا تھا۔''

شمورہ نے اُس کا دل جلا دینے کی کوشش کی مگر نہیں جانتی تھی کہ مہر تاب کا نام لے کر کتنی بھیانک غلطی کر بیٹھی ہے۔ بیلشازار نے بازوبند کو ایک بار پھر اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر میز پر رکھ دیا اور کچھ کہے سنے بغیر بڑی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ شمورہ سمجھی بازوبند دیکھ کر جل گیا ہے مگر دل میں خطرے کی ایک چاپ سنائی دے رہی تھی۔ اُس نے بازوبند اُٹھایا، چوما اور اُسے لے کر دوسرے کمرے کی طرف چلی کہ کسی محفوظ جگہ رکھ دے۔ اُسی لمحے قصر کے باہر رتھ کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ اُبھری۔ بیلشازار باغاتِ معلقہ سے لوٹ رہا تھا۔

(50)

موت کے سائے

بیلشازار بڑی عجلت میں لوٹا۔ اس انکشاف یا تصدیق پر کہ فدیمہ کبی کی سُولی کے نیچے ملنے والا بازو بند اُس کے رقیب اور حریف کا ہے، خون شراب کی مانند پورے بدن میں سنسنانے اور سینے کے اندر دل رتھ کے پہیوں کی طرح دوڑنے لگا۔ مہرتاب اُس کا رقیب ہی نہیں کچھ اور بھی تھا۔

اساگیلہ میں داخل ہوتے ہی اُس نے غلاموں کو ریموت کی طرف دوڑایا کہ جہاں اور جس حال میں بھی ہے، فوراً حاضر ہو۔ ایک لمحے کی تاخیر گوارا نہیں ہوگی۔

سایۂ اجل ریموت جو ہمیشہ مستعد رہتا تھا، موت کے بگولے کی مانند اُڑتا ہوا آیا۔ بیلشازار نے ایوانِ مالکوب کے ایک الگ تھلگ کمرے میں اُس سے ملاقات کی۔ اُس کی بے چینی دیکھ کر محکمۂ خفیہ کا سربراہ سمجھ گیا کہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ درپیش ہے۔ بیلشازار نے جو اب ''شاہِ دوراں'' یا ''شاہِ ارضِ ثانی'' کہلاتا تھا، مسند پر بیٹھتے ہی وہ بازو بند جو اُس کے قبضے میں تھا، نکال کر سامنے رکھا اور بولا۔

''ریموت! تم نے کہا تھا جو شخص فدیمہ کبی کو زندہ یا مُردہ سُولی سے اتار کر لے گیا ہے وہی بنوسلان اور اس کے غلاموں کا قاتل بھی ہے۔ اُسی نے ''موت کے کنوئیں'' میں اُتر کر عبرانی اسیروں کو باہر نکالا اور وہی کورش ہخامنشی کا پُراسرار فرستادہ ہے جو ایمکو ربل اور نیمیتی بل کے اندر ہمارے خلاف برسرِ پیکار ہے۔

''بے شک۔ حالات کی شہادت یہی ہے شاہِ دوراں!''

''پھر آج ہم نے اس کے دوسرے بازو بند کا کھوج لگا لیا اور یہ بھی جان گئے ہیں کہ وہ کون ہے۔''

''کون ہے؟'' ریموت کی بے چینی بڑھی۔

بیلشازار نے تڑپتے لفظوں میں جواب دیا۔ ''اب تم مہرتاب کو گرفتار کر سکتے ہو۔''

ریموت پر ایک سنسنی خیز حیرت گزر گئی کہ وہی ہے جس پر وہ خود اُنگلی اُٹھا چکا بلکہ اُسے اشارہ بھی دے چکا تھا کہ نظروں میں آ گیا ہے۔ قبل ازیں جب دونوں معبد اکور کے سنگی چبوترے پر ناگہاں ٹکرائے تھے اور مہرتاب نے سمجھا تھا کہ مقابلے کی ساعت آ گئی ہے وہ اُسے بادشاہ کی طرف سے جشنِ زہرہ میں شرکت کی دعوت دے کر اور یہ انتباہ کر کے چلا گیا تھا کہ جب اسے ڈھونڈنا چاہے گا ڈھونڈ لے گا۔ اب بیلشازار اس کی گرفتاری کا حکم دے رہا تھا۔

ریموت نے توجہ دلائی۔

''اُس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے ثبوت کی ضرورت ہوگی۔''

''ثبوت ہماری بہن کے کمرے میں موجود ہے۔''

یہ سن کر ریموت کو کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ شہزادی شمورہ کا چہیتا تھا۔ بیلشازار بتانے لگا____ ''آج ہم باغاتِ معلقہ میں بہن سے ملنے گئے تو دوسرا بازو بند وہاں دیکھا۔ شہزادی نے بتایا کہ بازو بند مہرتاب کا ہے اور اُس کی طرف سے محبت کا تحفہ بھی۔''

''آپ کو بازو بند اپنے قبضے میں لے لینا چاہئے تھا۔''

''ضرورت نہیں سمجھی۔ ادھر تم مہرتاب کو گرفتار کرو گے، اِدھر بازو بند شمورہ کے کمرے سے برآمد کر لیا جائے گا۔''

''میرے نزدیک پہلے مدعا ہاتھ میں آ جانا چاہئے۔''

''بحث نہ کرو۔ مدعا ہاتھ میں ہے۔''

''اگر شہزادی صاحبہ نے اُسے ضائع کر دیا____؟''

''عورت اپنے محبوب کا تحفہ کہیں چھپا تو سکتی ہے ضائع نہیں کرتی۔'' پھر بڑی بے چینی سے پوچھنے لگا۔ ''کب تک گرفتار کر لو گے؟ ہم چاہتے ہیں کل کا سورج اُسے آزاد نہ دیکھ سکے۔''

''سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ میرے قبضے میں ہوگا۔''

"مگر کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم اس کی گرفتاری کی خبر باغاتِ معلقہ تک نہ پہنچے اور ہماری بہن یہ نہ جان سکے کہ اُسی بازو بند کی نشان دہی پر پکڑا گیا ہے جو ہم اُس کے کمرے میں دیکھ آئے ہیں۔"

"اب یہ احتیاط تو کرنا پڑے گی۔ کیونکہ ہمارا مدعا ابھی تک شہزادی صاحبہ کے کمرے میں ہے۔"

"سردار ریموت! اس بات کو بھی یاد رکھو وہ کوئی معمولی دشمن نہیں۔ اُس نے بنوسلان جیسے تیغ زن کو موت کے گھاٹ اُتارا اور تلوار کے مقابلے میں ہمیں شکست دے چکا ہے حالانکہ پورے بابل میں، پورے کالدیا میں کسی بڑے سے بڑے بہادر کو ہمارے سامنے تلوار اٹھانے کی ہمت نہیں۔ اس پر تنہا ہاتھ نہ ڈالنا ورنہ مارے جاؤ گے۔ جمگھٹا کر کے پکڑ لو۔"

سایۂ اجل نے یقین دلایا۔ "آپ کی تلوار سے بچ گیا مگر میرے پھندے سے نکل نہیں سکے گا۔"

"پھر ایک لمحے کی تاخیر نہ کرو اور روانہ ہو جاؤ" بیلشازار نے ہاتھ اٹھا دیا۔ "اگر آج رات ہمارے بستر پر جانے سے پہلے اُس کی خبر دے سکو تو کل تمہارے عہدے میں اضافہ ہو جائے گا اور تم بابل کے بڑے آدمی بن جاؤ گے۔"

ریموت ایوانِ ماکلوب سے بگولے کی طرح نکلا تو بیلشازار کچھ دیر اُسی کمرے میں آندھی کے جھونکے یا کسی موجۂ طوفان کی مانند بے قرار پھرتا اور سوچتا رہا۔ اب عرفان شناس اور خوب صورت شمورہ کو اپنے بھائی کے لئے سوچنا پڑے گا۔ اگر چہ وہ اس بات پر آمادہ ہو چکی تھی کہ بیلشازار یا مہرتاب میں سے جو بھی شاہِ عیلام گوبارو کا سر لے آئے گا وہ اُسی کی ہو جائے گی اور یہ شرط صرف بیلشازار پوری کر سکتا تھا۔ گویا اُس نے بڑی دانائی اور حکمت سے بھائی کے لئے آمادگی ظاہر کر دی تھی لیکن اب اس شرط کو بھی پورا کرنا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ مہرتاب پنجۂ ہلاکت میں گرفتار ہونے والا تھا اور جب شمورہ سنے گی کہ وہ موت کے دروازے پر پہنچ چکا ہے۔ بھاگی بھاگی آئے گی اور بھائی سے اپنے محبوب کی زندگی مانگے گی۔ بیلشازار کے نزدیک اگر وہ کورش کا فرستادہ نہیں اور شاید نہ ہو تو بھی اُس کے جرموں کی فہرست طویل تھی جن کی سزا موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ لیکن حسین شمورہ اُس کی زندگی اور رہائی کی طلب گار ہو گی تو صرف ایک شرط پر اُس کی بات مانی جائے گی کہ پہلے بھائی کی زوجہ و ملکہ بننا قبول کرے۔ اور یقیناً قبول کر لے گی

کیونکہ اسی شرط پر مہرتاب کی زندگی کا فیصلہ ہوگا۔ اور جب دُخترِ بابل اُسے اپنا شوہر مان لے گی، مہرتاب کی گردن سے بھی موت کا طوق اُتار لیا جائے گا پھر ریموت اُسے زندانِ اجل سے نکال کر اور اُس کا ایک پاؤں کاٹ کر تا کہ دوبارہ بابل میں داخل نہ ہو سکے ایمگو ربل کے کسی دروازے سے باہر چھوڑ آئے گا۔ اس طرح وہ اپنی ہاری ہوئی بازی جیت لے گا اور شمورہ تختِ اژدر پر اس کے پہلو میں بیٹھے گی۔

شمورہ کسی حسین اور پُر وقار دیوی کی طرح بیلشازار کے خیالوں میں بس گئی تھی۔ اگر چہ وہ انکار کرتی رہی لیکن اب ہر انکار ختم ہونے والا تھا اور صرف ایک رات کے بعد وہ اُس کے قدموں پر بلکہ آغوش میں ہو گی۔ اُس نے سوچا دُنیا ہر دور میں، ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی انقلاب دیکھتی ہے۔ یہ بھی ایک انقلاب ہو گا کہ پری جمال شمورہ جو تنہائی کے عرفان سے محبت کے عرفان میں داخل ہو چکی تھی، بھائی کی زوجہ و ملکہ بنے گی اور بابل کی نئی مملکت اُس کی دانائی اور بیلشازار کی جنگی قوت سے از سرِ نو تعمیر ہو گی۔

یہ خیال بڑا جذبات آفرین تھا کہ بالآخر شمورہ کو جیت لینے کی صورت نکل آئی ہے۔ بابل کی زمین پر اُس کے اُکھڑے قدم دوبارہ جم رہے ہیں۔ جب شمورہ اس کی شریکِ حیات بن جائے گی اُس کے لئے اپنے دل کے کواڑ اور ذہن کے جھروکے کھول دے گی اور سلطنت پر اُس کا اقتدار مستحکم ہو جائے گا۔ وہ طاقت ور جنگی مرد بن کر کورش کے لشکروں کو مار بھگائے گا اور "بخت نصر ثانی" کہلائے گا۔ یہ تصور بھی بڑا سنسنی خیز تھا کہ اس کا رقیب اور حریف مہرتاب ہی اُس کی کامیابی کا ذریعہ بننے والا ہے اور اُسی کی جان کے عوض شمورہ خود کو اس کے حوالے کر دے گی۔

❁

شام کے سائے پھیلنے سے پہلے بابل میں جگہ جگہ "موت کے سائے" پھیل گئے اور ریموت کے جاسوس اور خفیہ گماشتے اُن مقامات کی نگرانی کرنے لگے جہاں مہرتاب کے ملنے کا امکان ہو سکتا تھا۔

باغاتِ معلقہ کی نگرانی اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ شاید مہرتاب شہزادی سے ملاقات کرنے آئے یا خود شہزادی اُسے کوئی پیغام بھیجے۔ خفیہ پاسبانوں کو ہدایت کر دی گئی تھی، اور اُس غلام یا کنیز کا پیچھا کیا جائے جو باغاتِ معلقہ کے ساتویں حلقے تک جائے یا وہاں سے نکل

کر باہر کا رُخ کرے۔

کاشانۂ زہرہ کی دیکھ بھال بھی ہو رہی تھی۔ ایک روز ریموت نے مہرتاب کو اُسی پھاٹک سے نکلتے دیکھا تھا جو شارعِ اساگیلہ کی طرف کھلتا تھا۔ اگرچہ وہ اعتراف کر چکا تھا کہ کاشانۂ زہرہ میں نہیں، زہرہ جمال کے دل میں رہتا ہے لیکن ریموت کی منطق یہ تھی اگر اُس کے دل میں رہتا ہے تو گھر میں بھی آتا ہوگا۔

نظر نہ آنے والے ''سائے'' معبد اکور کے اُس سنگی چبوترے کے آس پاس بھی منڈلا رہے تھے جہاں پیتل کے بیل کا مجسمہ نصب تھا اور اُس کی چاروں اطراف چار پروہت بیٹھے بیل دیوتا کے عقیدت مندوں سے نذرانے وصول کر رہے تھے۔ ''سایۂ اجل'' نے وہیں اُسے ایک بار معبد کے دروازے پر تیکھی دیوداسی پارکا سے ملتے اور گفتگو کرتے دیکھا تھا۔ اُس کی تحقیق کے مطابق وہ معبد اکور میں مقدس زریہ سے ملنے آیا اور اُسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پارکا سے اُس کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اپنے خفیہ ذرائع سے جانتا تھا، وہ سردار نرقال کی داشتہ ہے اور اُس سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔ معبد اکور کے آس پاس خفیہ سائے پھیلانے کا مقصد یہ تھا شاید مہرتاب کبھی کبھار مقدس زریہ سے ملنے آتا ہو۔

اُسے یہ بھی معلوم تھا شکستہ خاطر ہو، تو کرائے کی کشتی پر دریائے فرات کی سیر کرتا ہے اور یہاں بھی اُس کے آدمی گھاٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔

اگر وہی چاہِ بابل سے عبرانی اسیروں کو لے بھاگا تھا تو ضرور یہودی بزرگوں سے اُس کا میل جول ہوگا۔ اس لئے محلّہ کبر کے اردگرد بھی ''موت کے سائے'' پھیلا دیئے گئے اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ ایرانیوں سے سازباز کے شبے میں عبرانی غلاموں پر مستقل پہرے رہتے اور سپاہی، جاسوس، خفیہ گماشتے اکثر اُس آبادی کے آس پاس منڈلاتے رہتے تھے۔

ریموت نے کوئی ایسی جگہ نہ چھوڑی تھی جہاں کبھی مہرتاب کا سایہ بھی دیکھا ہو اور وہاں خفیہ پاسبان مقرر نہ کئے ہوں۔ اُنہیں حکم تھا وہ جہاں کہیں نظر آئے اُس پر یوں جھپٹ پڑو جیسے باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔

اُس کی گرفتاری کے پوشیدہ انتظامات اتنے سخت تھے کہ بچ نکلنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اگر وقائع نویسوں کے سردار نیرگل کے دفتر میں مہرتاب کی رہائش گاہ کا کوئی پتہ درج ہوتا تو اتنے وسیع انتظامات کی ضرورت نہ تھی۔ ریموت اپنے ''سایوں'' کے ہمراہ رات کو قیام گاہ پر ناگہاں

چھاپہ مارتا اور اُسے یوں پکڑ لیتا جس طرح مچھلی کو جال پھینک کر پکڑ لیا جاتا ہے۔ لیکن حیرت انگیز بات یہی تھی، اُس کی قیام گاہ کا پتہ نہ وقائع نویسوں کی کسی لوح پر درج ہو سکا نہ کہیں دفترِ خفیہ میں لکھا گیا۔ کوئی نہ جانتا تھا وہ دن کو کہاں رہتا اور رات کو بسیرا کہاں لیتا ہے۔ پھر بھی ریموت کو یقین تھا، کہیں نہ کہیں سے اُسے ڈھونڈ نکالے گا۔

بیلشازار نے حسین شمورہ کے جلوؤں سے اپنے خیال کی انجمن آراستہ کی اور تصور میں اُسے اپنی زوجہ و ملکہ کے رُوپ میں دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اب فراق کی گھڑیاں وصل میں تبدیل ہونے والی ہیں۔ لیکن اس سرور انگیز تصور کی حقیقت کا انحصار مہرتاب کی گرفتاری پر تھا۔

اُسے پورا اعتماد تھا رات کو اپنے کمرۂ خواب میں داخل ہونے سے پہلے ریموت سے ملاقات ہوگی جو گرفتاری کی خبر لے کر آئے گا۔ مگر اُس رات محکمۂ خفیہ کا سربراہ قصرِ میرودیج میں حاضر نہ ہو سکا اور بیلشازار اپنے دل پر ایک بوجھ لئے کمرۂ خواب میں چلا گیا۔ جہاں اُس کی سب سے خوب صورت اور محبوب حرم پذیرائی کے لئے موجود تھی۔

محبوبِ حرم کے حُسن و جمال نے جوارضِ کالدیا کی حسیناؤں میں ایک یگانہ انداز رکھتی تھی، شمورہ کی یاد پر ایک پردہ سا ڈال دیا اور وہ کچھ دیر کے لئے سب کچھ بھول گیا۔ لیکن کنواری دُخترِ بابل کی کشش کچھ ایسی قیامت آفریں تھی کہ رہ رہ کر مہرتاب کی گرفتاری کا خیال ستاتا رہا اور رات بے چینی میں کٹی۔ صبح خلافِ معمول جلد بیدار ہو گیا۔ ریموت نے وعدہ کیا اور یقین دلایا تھا سورج طلوع ہونے سے پہلے مجرم اُس کے قبضے میں ہوگا۔ سوچا وہ رات کو گرفتاری کی اطلاع دینے نہیں آ سکا لیکن طلوعِ آفتاب کے ساتھ ضرور خوش خبری لے کر آئے گا۔ غلاموں اور کنیزوں کو حکم تھا، جونہی ریموت قصرِ میرودیج میں داخل ہو اُسے فوراً اطلاع دی جائے۔ مگر سورج ایمگور بل اور نیمیتی بل کی بلندیوں سے بھی نکل آیا اور ریموت حاضر نہ ہو سکا۔

دوپہر کو وہ خود دفترِ خفیہ میں موجود تھا تاکہ صورتِ حال معلوم کر سکے لیکن ریموت وہاں بھی نہیں تھا اور کسی کو خبر نہ تھی وہ کہاں روپوش ہو گیا ہے۔ اُس کی روپوشی جہاں ناکامی اور مایوسی کی علامت تھی وہاں اس میں اُمید کا ایک پہلو بھی تھا کہ شاید اُس نے کہیں دُشمن کا کھوج پا لیا اور پھندا لگائے بیٹھا ہے کہ کب باہر نکلے اور اُسے جھپٹ لے مگر اس وقت تک ہر کارروائی کا نتیجہ صفر تھا اور یہی نتیجہ بیلشازار کی دل شکنی کا باعث ہوا۔

اُس نے محکمۂ خفیہ کے سربراہ کے لئے ضروری پیغام چھوڑا پھر تیزی سے قصرِ میرودیج میں

لوٹ آیا اور فرات کے ملاحوں کے سردار سیسرا کی طرف قاصد دوڑایا۔

سردار سیسرا نے بہتے پانی کو اس کے لئے مبارک قرار دیا تھا جس پر اُسے دوسرے بازو بند کی تلاش کا کام سونپا گیا تھا۔ اب خیال آیا، دوسرا بازو بند تو مل گیا ہے۔ شاید سیسرا اس کے مالک کو تلاش کر سکے جسے ریموت ابھی تک گرفتار نہیں کر سکا۔ اسی لئے اُسے طلب کیا تھا۔

ابھی ملاحوں کا سردار نہیں آیا تھا کہ محکمۂ خفیہ کا سربراہ آ گیا۔ لیکن اُس کے پاس بیلشازار کے لئے کوئی خبر نہ تھی۔ ریموت کوشش کے باوجود مہرتاب کو گرفتار کرنے، بلکہ اُس کا کھوج تک لگانے میں ناکام رہا اور اب بتا رہا تھا۔

''میں نے وہ تمام ٹھکانے دیکھ لئے، وہ ساری جگہیں چھان ماریں جہاں اُس کے ملنے کا امکان تھا مگر ابھی تک کہیں اُس کا سایہ بھی نظر نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے اُسے خطرے سے آگاہ کر دیا اور وہ شہر سے نکل گیا یا پھر یہیں کہیں روپوش ہے مگر میں بہت جلد اُسے ڈھونڈ نکالوں گا۔''

ریموت کا یہ بیان مایوس کن اور شاہِ دوراں کو مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ گرجنے برسنے لگا ــــ ''تو یہ ہے پوری ایک رات اور پورے ایک دن کی تلاش کا حاصل، حالانکہ تم نے ڈینگ ماری تھی، سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ تمہارے قبضے میں ہوگا اور اب یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ بہت جلد اُسے ڈھونڈ نکالو گے۔ جب کہ تم ابھی تک یہ معلوم نہیں کر سکے کہ بنوسلان کے غلام کیسے ہلاک ہوئے۔ وہ خود کس کی تلوار کا لقمہ بنا۔ کون ہاروت ماروت کو زندانِ اجل سے نکال کر لے گیا اور فدیمہ کبھی راتوں رات سُولی سے اُتار کر کہاں غائب کر دی گئی۔ یہ سب کچھ ہوگیا اور تم قیاس کے گھوڑے دوڑاتے رہے۔ اب تمہیں ایک ایسے شخص کو گرفتار کرنا تھا جس کے جرم کی شہادت ہمارے پاس موجود ہے مگر آج تم یہ بتانے آ گئے ہو کہ وہ بھی طلسم کی طرح غائب ہے۔ یہ ہے ہمارے محکمۂ خفیہ کے سربراہ کی کارکردگی، جس پر ہم سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ پدرِ محترم ٹھیک کہتے ہیں کہ بابل کے پاسبان سو رہے ہیں اور دشمن جاگ رہے ہیں۔''

ریموت کے پاس اس کے کسی سوال، کسی اعتراض کا جواب نہ تھا۔ وہ سر نہوڑائے کھڑا تھا۔ جب بیلشازار خاموش ہوا اُس نے گردن اُٹھائی اور کہا۔ ''میں مہرتاب کو زندہ یا مُردہ حضور کے قدموں میں لا پھینکوں گا مگر چند روز کی مہلت چاہتا ہوں۔''

''عید بیلس میں بھی چند روز رہ گئے ہیں اور اب مہلت کہاں ہے ہمارے پاس۔''

ٹھیک اُسی لمحے غلام نے حاضر ہو کر ملاحوں کے سردار کے آنے کی اطلاع دی اور بیلشازار نے اُسے فوراً طلب کر لیا۔ سردار سیسرا ریموت کو وہاں دیکھ کر چونکا اور بیلشازار کے حضور کمر تک جھک گیا۔ ''شاہِ دوراں! غلام حاضر ہے۔''

اُس کی بندگی قبول کر کے وہ بولنے لگا۔

''سردار سیسرا! ہم نے ایک خدمت تمہارے سپرد کی تھی مگر اب دوسرا بازو بند ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہم نے ڈھونڈ لیا اور تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ بازو بند کی بجائے اب اس کے مالک کو تلاش کرنا ہے۔''

''غلام کو اُس کا نام معلوم ہونا چاہئے۔''

''مہرتاب ہے اُس کا نام۔''

اس انکشاف نے سردار سیسرا پر زلزلہ سا طاری کر دیا اور بیلشازار بتانے لگا۔

''اُسی نے فدیمہ کبھی کو سُولی سے اتارا، اُسی نے بنوسلان اور اس کے تیغ زنوں کو قتل کیا اور وہی عبرانی اسیروں کو چاہِ بابل سے نکال کر لے گیا۔ شاید اُس نے کچھ اور بھی کیا ہو لیکن سردار ریموت جو مجرموں کو بطنِ زمین سے بھی باہر گھسیٹ لاتا ہے اُسے گرفتار نہیں کر سکا اور بتاتا ہے کہ وہ جادو کی مانند کہیں غائب ہو گیا ہے۔ سردار سیسرا! وہ آدمی ہر قیمت پر ہمیں مطلوب ہے۔ ہم اُسے چاہِ بابل کے اجل گرفتہ گہراؤ میں پھنکوا دیں گے یا پھر عید بیلس سے پہلے اُسے سُولی دی جائے گی۔ تاکہ سب لوگ اُسے کاٹھ پر مرتے دیکھ لیں اور جان لیں کہ ہم شاہِ دوراں اور شاہِ ارضِ ثانی ہیں اور ہم سے بغاوت کرنے کی سزا صرف موت ہے۔''

سردار سیسرا بازو بند کی تلاش ہی سے سمجھ گیا تھا کہ اُس کا کھوج مہرتاب تک جائے گا لیکن یہ اطمینان تھا کہ اس نے دوسرا بازو بند کہیں محفوظ کر لیا ہوگا اور ریموت کا سایہ بھی اُس تک نہیں پہنچ سکے گا۔ مگر بیلشازار کی تقریر نے اُس کا سارا اطمینان زائل کر دیا۔ وہ چاہِ بابل کے حصار میں پیش آنے والے اُن واقعات کو بھی جن پر اسرار کا پردہ پڑا تھا مہرتاب ہی کی طرف منسوب کر رہا تھا۔ گویا سب کچھ فاش ہو گیا تھا اور اب صرف گرفتاری باقی تھی۔ اُسے خاموش دیکھ کر بیلشازار نے کہا۔ ''سردار سیسرا! ہماری بادشاہت پر سب سے پہلے تم نے ہمیں مبارکباد دی تھی اور ہم تمہیں اپنے لئے مبارک سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہمیں امید ہے تم مجرم کو کہیں نہ کہیں سے

ڈھونڈ نکالو گے اور اس خدمت کے عوض جو انعام طلب کرو گے وہ دیا جائے گا۔"

سردار سیسرا نے ایک بار پھر جھک کر بندگی کی رسم ادا کی اور بولا۔ "شاہِ دوراں کا اقبال بلند ہو۔ غلام نے اُسے ایک بار دریائے فرات پر دیکھا تھا اور ڈھونڈنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے گا۔"

اب بیلشازار "سایۂ اجل" سے مخاطب ہوا "سردار ریموت! تم بھی اُسے تلاش کرو۔ اگر وہ زمین کے پیٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا ہے تو بابل کی دھرتی کو ہمارا حکم سناؤ کہ اُسے زندہ یا مردہ باہر اُگل دے۔"

اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہوگئی۔ ریموت اور سیسرا اکٹھے باہر نکلے تو دونوں پریشان تھے۔ ریموت اس لئے کہ ایک ایسا شخص اُسے نہیں مل رہا تھا جس نے تنہا پورے بابل کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور سیسرا اس لئے کہ مہرتاب پہچان لیا گیا اور "موت کے سائے" اس کے تعاقب میں تھے۔ سینکڑوں آنکھیں نادیدہ گوشوں سے اُس کی تاک میں تھیں۔ اب بابل کا کوئی گوشہ اُسے پناہ نہ دے سکتا تھا۔

وہ دونوں قصرِ میر دتیج ہی سے جدا ہو گئے۔ اُن کے راستے بھی الگ اور فرض بھی مختلف تھے۔ اُن میں سے ایک مہرتاب کی گرفتاری چاہتا اور دوسرا اس کی حفاظت پر مامور تھا۔

بابل کے آسمان پر صرف چاند ستاروں نے اُسے راتوں کو کہیں محوِ خواب دیکھا ہو گا یا پھر تنہا سردار سیسرا جانتا تھا کہ اُس کا رین بسیرا کہاں ہے مگر حیرت کی بات یہ ہوئی، اُسی رات جب وہ "موت کے سایوں" کو پیچھے چھوڑتا اور نادیدہ آنکھوں سے بچتا وہاں پہنچا کہ اُسے نئے خطروں سے آگاہ کر سکے اور بتائے کہ پورے شہر میں اُس کی تلاش ہو رہی ہے، اُس کے رین بسیرے کا دروازہ بند تھا اور دروازے کی زنجیر بتا رہی تھی کہ گھر کا مکین گھر سے باہر ہے۔

سردار سیسرا اس خیال ہی سے کانپ گیا کہ وہ خطرے کی سنگین نوعیت سے بے خبر کہیں باہر گھوم رہا ہے جہاں چاروں طرف موت کے پھندے بچھے ہیں اور رات کا اندھیرا بھی اُسے اپنے دامنوں میں نہیں چھپا سکے گا ــــــ مگر مہرتاب تھا کہاں؟

(51)

زہرہ کے کنگن

اُسی رات جب سردار سیسرا ستاروں کی روشن آنکھوں سے بھی چھپتا چھپاتا ملاحوں کی بستی کو لوٹ رہا تھا، مہرتاب ہیکلِ زہرہ کے اندر کاہنِ اعظم اوماتا کے کمرۂ انتظار میں اطمینان سے بیٹھا بابل کی بساط پر ایک نئی چال چل رہا تھا کیونکہ اوماتا اپنی خلوت گاہ میں احوالِ غیب کے عمل میں منہمک تھا۔

معبدا کور کی تیکھی اور حسین دیوداسی پارکا ایک عرصہ کے بعد پھر اُس کی "چشمِ غیب" بن گئی تھی اور غیب دان اوماتا اُس کی آنکھ سے مہرتاب کے مستقبل میں جھانک رہا تھا بلکہ ایک حیرت انگیز خواب دیکھ رہا تھا جو اُس کی "چشمِ غیب" اُسے دکھا رہی تھی اور ایسا انوکھا اور عجیب خواب اوماتا نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

ہوا یوں تھا کہ مہرتاب نے ایک دن پیشتر ہی جیسے اوماتا نے کہا تھا اُسے آگاہ کر دیا کہ وہ کل رات اپنی قسمت کا حال پوچھنے آئے گا مگر اس رات کی شام نور ناہید آموسی نے ہیکلِ زہرہ میں حاضری دی اور اوماتا کی "چشمِ غیب" مطرو کو جو اُس کی بے تکلف سہیلی تھی بہلا پھسلا کر کاشانۂ زہرہ میں لے گئی۔ جب مہرتاب احوالِ غیب پوچھنے کے لئے آیا اور اوماتا کو قیمتی نذر پیش کی تو غیب دان مطرو کی غیر حاضری سے بڑا پریشان ہوا اور دیوی سے اشارہ[1] لینے اُس کے

[1] ایسے مواقع پر بابل کے ساحر اور غیب دان دیوی دیوتاؤں سے اشارہ یا شگون لیتے تھے۔ کبھی پانسہ بھی پھینکتے اور جو اشارہ ملتا اس کے مطابق سائل کو مطمئن کرتے تھے۔ (مصنف)

کمرۂ عبادت میں گیا کہ سائل کو کیا جواب دے۔

وہ عورتوں، مردوں کے ہجوم سے گزرتا کیوں کہ زہرہ دیوی کے کمرۂ عبادت میں اُس کے پرستاروں کا ہجوم رہتا تھا۔ ابھی دیوی کے عریاں مجسمہ کے قریب پہنچا تھا کہ وہاں معبدِ اکور کی تیکھی دیوداسی پارکا کو (جو قبل ازیں ہیکلِ زہرہ کی دیوداسی بلکہ اوماتا کی ''چشمِ غیب'' بھی رہ چکی تھی) دیوی کے سامنے دوزانو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

پارکا نے بھی کاہنِ اعظم کو دیکھ لیا۔ سلام کیا اور پریشانی کا سبب پوچھا۔ اوماتا نے بتایا کہ اُس کی ''چشمِ غیب'' مطرواچانک کہیں چلی گئی اور سائل اس کے کمرے میں بیٹھا ہے۔ وہ اُسی کی خاطر اشارہ لینے آیا ہے۔ پارکا اُس کی پریشانی کو سمجھ گئی اور بولی۔

''اوماتا! میں پہلے بھی تمہاری ''چشمِ غیب'' رہی ہوں۔ اگر سائل نے تمہیں اچھا معاوضہ دیا یا دے گا تو عارضی طور پر میں تمہاری ''چشمِ غیب'' بن جاتی ہوں مگر سائل کون ہے؟''

اوماتا اس کی غیر متوقع پیش کش کو نیک شگون سمجھا اور خوشی کے لہجے میں بتانے لگا۔ ''شاید تُو نے سنا ہو جشنِ زہرہ کی رات ایک آدمی نے میرودیخ بیلشازار کو جو اب شاہِ دوراں ہے، مقابلے میں شکست دی اور شہزادی شمورہ کو جیت لیا تھا، وہی ہے۔''

''اچھا ــــ وہ ہے؟'' پارکا نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''اُس کا ذکر تو سنا ہے۔ کہتے ہیں بڑا شہ زور، صاحبِ جمال اور ربّ النوع کا مظہر ہے۔ چلو آج اسی بہانے دیکھ بھی لوں گی۔''

اوماتا پارکا کے اس التفات کو دیوی کی مہربانی اور اپنی خوش بختی سمجھا کیونکہ حسین پارکا اس کی بعض حرکتوں سے ناراض ہو کر معبدِ اکور میں چلی گئی اور اب ایک عرصہ کے بعد اُس نے اوماتا پر اپنے کرم کی نظر ڈالی تھی۔ وہ اس حسین اتفاق کو قسمت کا کرشمہ سمجھا اور اُسے خوشی خوشی اپنے کمرے میں لے آیا۔

پارکا نے مہرتاب سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور یوں ملی جیسے اُسے جانتی ہی نہ تھی اور پہلی بار ملی ہو۔ پھر اوماتا اُسے اپنے حجرۂ خلوت میں لے گیا جہاں اس پر عملِ تنویم کیا گیا تاکہ معمول کی ظاہری آنکھیں بند اور باطنی آنکھیں وا ہو جائیں اور وہ اپنے عامل اور ساحر کی مرضی کے مطابق کائنات کے ان دیکھے گوشوں میں جھانک سکے اور اپنی باطنی قوت سے ماضی، حال یا مستقبل کی باتیں بتا سکے۔

اوماتا کے نزدیک یہ بھی محض اتفاق تھا کہ پارکا اس وقت ایسا لباس پہنے تھی جس میں جسم

کچھ نمایاں ہو رہا تھا اور اُس پر ''نیند کی حالت'' طاری کرتے ہوئے بھی اس کی نظریں کبھی کبھی بہک جاتی تھیں حالانکہ وہ محض اتفاق نہ تھا جو ہیکلِ زہرہ کے غیب دان کو پیش آیا۔ نہ پارکا اتفاقی طور پر ہیکل میں آئی بلکہ ایک سوچا سمجھا کرشمۂ جمال تھا جس سے وہ ناگہاں دوچار ہوا۔ جب تیکھی دیوداسی جو کبھی اوماتا کی منظورِ نظر تھی اُس کی توجہ کے حلقے میں آ گئی اور ''چشمِ غیب'' بن گئی تو غیب دان نے پہلا سوال کیا۔

''کیا بیلشازار شاہِ دوراں اور مہرتاب کے درمیان دوسرا مقابلہ ہوگا؟''

اوماتا بیلشازار کو بتا چکا تھا جب الہتہ الجمال زہرہ تیسرے آسمان سے زمین کو قریب سے دیکھ رہی ہوگی اور وہ عید بیلس کی رات ہوگی۔ وہ دوسرا مقابلہ جیت لے گا۔ مگر بادشاہ پر قتل کے الزام کی ساعت کے بعد بابل کے حالات یک لخت تبدیل ہو گئے اور بیلشازار کی حیثیت ولی عہد کی بجائے ایک خود مختار بادشاہ کی ہو گئی تھی۔ اب وہ حسین شمورہ کو کسی مقابلے کے بغیر بھی حاصل کر سکتا اور اپنے رقیب کو موت کے گھاٹ اُتروا سکتا تھا۔ اس لئے یہ سوال بڑا اہم تھا کہ مقابلہ ہوگا بھی یا نہیں؟

پارکا نے جو نیند کی حالت میں اوماتا پر اپنا سحرِ جمال پھونک رہی تھی بہت دُور سے جواب دیا۔ ''ہاں مقابلہ ہوگا اور بڑا عجیب مقابلہ ہوگا۔''

یہ جواب حالات کے برعکس اور حیرت انگیز تھا۔ اُس نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''جیت کس کی ہوگی؟''

''جس پر الہتہ الجمال مہربان ہے۔''

''کون ہے وہ؟''

''دیوی نے جشنِ زہرہ کی رات اُس پر نظرِ کرم کی تھی۔ وہ اب بھی اُسے محبت سے دیکھ رہی ہے۔''

اوماتا دنگ رہ گیا کہ اُس کی ''چشمِ غیب'' نے بیلشازار کے خلاف اور مہرتاب کے حق میں خبر دی ہے۔ یہ اطلاع بڑی سنسنی خیز تھی کہ دیوی اس وقت بھی سائل پر نگاہِ محبت ڈال رہی ہے۔ اوماتا اس کی وجہ معلوم کرنا اور جاننا چاہتا تھا کہ کیا واقعی ایسا ہے۔

''کیا الہتہ الجمال زہرہ کو مہرتاب سے کوئی خاص دلچسپی ہے؟''

''ہاں، وہ اُسے دیکھ رہی ہے۔'' پارکا نے اپنی بات دہرائی۔ ''اور میں الہتہ الجمال کو دیکھ

رہی ہوں۔''

پھر اُس نے حالتِ نوم میں لیٹے لیٹے زہرہ کے حُسن اور جسم اور لباس اور آرائشِ جمال کی ایک ایک کیفیت بیان کی اور بتایا کہ ربۂ جمال نے کن زیوروں سے اپنے حُسن کو آراستہ کر رکھا ہے اور ایسی تھی وہ تفصیل کہ ہیکلِ زہرہ کے کاہنِ اعظم نے کبھی اس کا تصور نہیں کیا ہوگا۔

دینِ اکد کے صحیفوں میں سیارگانِ الوہیت کے جو الگ الگ اوصاف بیان کئے گئے، اُن میں الہتہ الجمال زہرہ کا حسین سراپا سب سے زیادہ کشش انگیز تھا اور اس کی ایک ایک خوبی واضح کی گئی تھی۔ اسی لئے وہ محبوبۂ آسمان بھی تھی اور اہلِ زمین کی پیاری بھی۔ اب ''چشمِ غیب'' پارکا اُس کے حُسن اور اُن زیورات کی تفصیل بیان کر کے جس سے زہرہ نے اپنے حُسن کی آرائش کی تھی، اوماتا کو ایک خواب دکھا رہی تھی۔

''میں الہتہ الجمال کی حسین گردن میں تین تین ہیروں کا، جو ستاروں سے زیادہ تابندہ ہیں، ایک سہ لڑا ہار دیکھ رہی ہوں۔ اس ہار میں نو ہیرے آویزاں ہیں جن کی چکاچوند سے میری آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی ہیں۔ اس نے کانوں میں ایسے آویزے پہن رکھے ہیں جن کی تراش خراش نورِ افلاک مشتری کی مانند ہے۔ مگر میں الہتہ الجمال کی کلائیوں کو خالی دیکھ رہی ہوں۔ وہ اپنی خالی کلائیاں مجھے دکھا کر کہہ رہی ہے کہ میرے کنگن کسی نے چھین لئے ہیں اور میری کلائیوں کا حُسن ماند پڑ گیا ہے۔''

یہ سن کر اوماتا حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ روایتی طور پر زہرہ کے کنگن صدیوں سے ہیکلِ زہرہ کے کمرۂ تحائف میں محفوظ تھے جو صرف جشنِ زہرہ کی رات دیوی کے ہاتھوں میں پہنائے جاتے اور بڑے مبارک سمجھے جاتے تھے۔

اوماتا کی حیرت کا سبب یہ تھا کہ صرف دینِ اکد کے وہ بزرگ ہی (جنہیں سات سجدے کئے جاتے اور جو سات برس میں کہیں ایک بار فلکیاتی عجائب گھر میں داخل ہو کر سیارگانِ الوہیت کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرتے ہیں) یہ بات جانتے تھے کہ کسی آسمانی دیوتا نے جوشِ وحشت میں ربۂ جمال زہرہ کی کلائیوں سے کنگن اُتار کے کرۂ ارض پر پھینک دیئے تھے۔

بہت سی دوسری اصنامی[1] روایات کے مطابق یہ روایت بھی خطِ میخی میں مٹی کی ان الواح پر

1۔ دینِ اکد کی بنیاد اصنام پرستی پر تھی۔ اُس میں آسمانی الٰہوں اور دیوی دیوتاؤں کے متعلق بڑی محیر العقل کہانیاں اور اُن کے وصل و اختلاط کی فرضی روایات ملتی ہیں جن پر یونان کے (باقی آگے)

درج تھی جنہیں آنگ میں پختہ کر کے فلکیاتی عجائب گھر میں رکھا گیا تھا اور جن کے رموز عام لوگوں حتیٰ کہ عام کاہنوں سے بھی مخفی رکھے جاتے تھے کیونکہ آسمانی الٰہوں اور دیوی دیوتاؤں کے اسرارِ حیات صرف بزرگانِ دین ہی جان سکتے تھے مگر اوماتا، پارکا کی زبانی زہرہ کی خالی کلائیوں کا ذکر سن کر حیران ہوا اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ دیوی کیا جواب دیتی ہے، اپنی ''چشمِ غیب'' سے کہنے لگا۔

''ربۂ جمال سے پوچھ، اُس کے کنگن کس نے چھین لئے تھے؟''

ایک لمحے بعد پارکا نے جواب دیا ___ ''وہ کہتی ہے یہ حرکت ایک آسمانی دیوتا نے کی جو اُس کے کمرۂ خواب میں گھس آیا اور انکار سن کر مشتعل ہو گیا۔ حالانکہ وہ اس وقت تھکی ماندی تھی۔ پھر غصے میں اُس کے کنگن اُتار کر زمین پر پھینک دیئے۔ تب سے زہرہ کی کلائیاں آرائش سے محروم ہیں۔''

ہیکلِ زہرہ کے غیب دان پر سنسنی خیز حیرت گزر گئی۔ کیونکہ یہی روایت دینِ اصنام کی قدیم الواح پر درج تھی۔ حیرت کے ساتھ ساتھ اُس کی دلچسپی بھی بڑھی ___ ''دیوی سے دریافت کر اُس کے کنگن کیسے تھے؟''

''ایسے تھے وہ کنگن کہ روئے زمین پر ان کی نظیر مل ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ ان میں نگینوں کی جگہ آسمانی کہکشاں کے ستارے یا ہیرے جڑے ہیں جو اندھیرے میں بھی روشنی دیتے ہیں۔''

پھر پارکا نے ان کنگنوں کی ہر نشانی، ہر علامت، ہر تفصیل بالکل ٹھیک ٹھیک بیان کی اور اوماتا حیرت میں ڈوبتا چلا گیا کیونکہ جو کچھ اُس کی ''چشمِ غیب'' نے بتایا کنگن بالکل ویسے ہی تھے۔ وہ اُسے ایک حیرت انگیز خواب دکھا رہی تھی کہ ربۂ جمال زہرہ اس کے سامنے کھڑی تمام تفصیلات سے آگاہ کر رہی ہے اور ایسی کشش تھی اس خواب میں کہ اوماتا کے دل و دماغ پر ایک سحر طاری ہو گیا جیسے وہ خود الہتہ الجمال کو دیکھ رہا ہو۔ اچانک پارکا ''نیند کے لہجے'' میں کیونکہ وہ حلقۂ تنویم میں تھی، کہنے لگی۔

''اوماتا ___! میں تمہارے علم کا پیمانہ اور تمہاری چشمِ غیب ہوں جس سے تم زمین اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ 718) بُت پرست مؤرخ ہیروڈوٹس اور ڈائیوڈورس بھی حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ بالخصوص زہرہ سے بڑی شرمناک کہانیاں منسوب تھیں۔ قرآن مجید کی اکثر تفاسیر میں بھی زہرہ کے حوالہ سے جس پر ہاروت ماروت عاشق ہو گئے تھے، بڑی لغو روایات درج ہیں۔ (قمر اجنالوی)

آسمان کے درمیان ہونے والے ہر واقعہ کو دیکھ سکتے ہو اور دیکھ رہے ہو کہ اس وقت الہتہ الجمال زہرہ سامنے کھڑی ہے۔ اس کی آسمانی قبا گریبان سے نیچے تک دو حصوں میں چاک ہے اور دونوں کلائیاں خالی ہیں۔ وہ تمہیں سلام کہتی ہے کیونکہ اس کی ہیکل کے کاہن ہو اور ہدایت کرتی ہے کہ کنگن اُسے لوٹا دیئے جائیں تاکہ اُس کی کلائیوں کا حُسن لوٹ آئے اور یہ کام صرف اوماتا کر سکتا ہے۔"

یہ سب سے عجیب اور لرزہ خیز بات تھی جس نے اوماتا پر کپکپی طاری کر دی۔ اُس کی آواز بھی کانپنے لگی ــــ "مگر کنگن لوٹائے کس طرح جا سکتے ہیں؟"

"ربۂ زہرہ کہتی ہے کنگن مہرتاب کو دے دیئے جائیں۔ دیوی اُسے رویا میں ہدایت کرے گی کہ اُس کی امانت دُخترِ زہرہ کو پہنچا دی جائے تو اُسے مل جائے گی اور پوری دنیا میں، پوری کائنات میں ایک ہی دُخترِ زہرہ ہے۔"

اوماتا یوں اُچھلا جیسے کسی نے تلوار سے وار کیا ہو۔ غالباً سمجھ گیا تھا کہ "دُخترِ زہرہ" سے مراد بیدخت زہرہ جمال ہے جو ہر چاند کی تیسری رات ہیکل میں زہرہ کی نذر دینے آتی تھی۔ مگر جو ہدایت اُسے کی گئی وہ ناقابلِ فہم اور سمجھ سے بالا تھی۔ اوّل تو وہ کنگن کسی کو دے ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر دے بھی دے تو ربۂ جمال تک کیسے پہنچ سکتے تھے؟ کسی معمے میں اُلجھنے کی بجائے اُس نے سیدھا راستہ اختیار کیا۔

"اگر کنگن ہیکل سے غائب ہو گئے تو بادشاہ میری گردن مار دے گا۔"

"اوماتا! دیوی پوچھتی ہے کہ اُس کی ہیکل کا کاہن کس بادشاہ کی بات کرتا ہے؟ کیا اس بادشاہ کی جس پر قتل کا جرم ہے اور جو اصل بنونید کو موت کے گھاٹ اتار کر خود بنونید بن بیٹھا؟"

"چشمِ غیب" پارکا نے دل ہلا دینے والے الفاظ میں انتباہ کیا ــــ

"سن اوماتا! سن! الہتہ الجمال زہرہ کہتی ہے اس وقت بابل کا کوئی بادشاہ نہیں۔ اس شہر کے کاہن، ساحر، غیب دان، منجم، دانشور اور خوابوں کی تعبیر بتانے والے مجلسِ قومی کے بزرگ ارکان، سردار، شیوخ اور اُمراء سب جان گئے ہیں کہ ایک معمولی پجارن کا بیٹا دھوکے سے ان پر حکومت کرتا رہا اور سب اُس سے برگشتہ ہیں اور جب زہرۃ الافلاک اُسے بادشاہ نہیں سمجھتی تو اُس کی ہیکل کے کاہن کو کیا اختیار ہے کہ اس کے سامنے اپنی گردن خم کرے یا اس سے خوفزدہ ہو؟ اگر وہ کہے کہ شاہِ دوراں اس سے باز پرس کرے گا تو کون شاہِ دوراں؟ بیٹا اپنے باپ سے

بڑا مجرم ہے، جس نے بل اور مردوک اور اُن کی مشترکہ زوجہ ایشتار کی آنکھوں کے سامنے دو کاہنوں پر تلوار چلائی اور مقدس ہیکل میں خون بہایا۔ جس نے ہیکل کے قانون کو توڑا، اُس کے لئے ہلاکت ہے جس نے اشراف کو دھوکا دیا۔ اُس کے لئے رُسوائی ہے۔ بس تھوڑے ہی دن ہیں کہ ہلاکت کی چکی گردش میں آ جائے گی اور ظالم اپنی سزا کو پہنچیں گے۔ مگر اوماتا! سن لے اور جان لے کہ دیوی اس پر مہربان اور اُسے ہر آفت، ہر مصیبت سے بچانے کا ذمہ لیتی ہے اور ربۂ جمال کا حُسن اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک وہ اپنے کنگن دوبارہ نہیں پہن لیتی۔ اس لئے اوماتا کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کرے۔ اگر اس نے ہدایت پر عمل نہ کیا تو زہرۃ الخلا، اوماتا سے ناراض ہو جائے گی اور آئندہ اس سے رویا میں بھی کلام نہیں کرے گی بلکہ اس پر دیوی کا قہر و غضب نازل ہو گا اور عنقریب اس کی سربریدہ لاش ہیکلِ زہرہ کے سامنے پڑی ہو گی ــــ"

یہ خوفناک الفاظ سن کر اس کا سارا جسم موئے سر سے نوکِ پا تک لرز اُٹھا۔ اس پر دیوی کی ہیبت چھا گئی۔ مگر "چشمِ غیب" پارکا اُسے جو خواب دکھا رہی تھی وہ ابھی جاری تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

"اوماتا! ربۂ جمال چاہتی ہے کہ تم پر کرم کرے اور مہربان رہے۔ اگر تم اس کی ہدایت پر عمل کرو گے تو تمہاری ہر خواہش پوری ہو گی، ہر مراد بر آئے گی اور جو کچھ چاہو گے دیوی تمہیں مہیا کرے گی۔"

یہ آخری الفاظ تھے جو "چشمِ غیب" پارکا نے حالتِ تنویم میں ادا کئے پھر اُس کے موٹے موٹے خوبصورت ہونٹ آپس میں مل گئے جیسے اب نہ تو کچھ کہہ سکتی تھی، نہ سن سکتی تھی، نہ دیکھ سکتی تھی۔

اوماتا نے جو ایک انجانا خوف محسوس کر رہا تھا سامنے لیٹی پارکا کو غور سے دیکھا۔ اس کے سڈول جسم کا جائزہ لیا اور اُسے اپنے عمل اور حلقۂ توجہ سے نکال دیا۔ مگر حسین پارکا تنویمی حالت ختم ہونے کے بعد بھی اسی طرح ساکت و صامت لیٹی رہی جیسے عملِ تنویم نے اُسے نڈھال کر دیا ہو اور اب وہ اٹھنے کے لئے سہارا چاہتی تھی۔ اوماتا نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے ہاتھوں سے سہارا دے کر اُٹھایا۔ حالانکہ پارکا یہ حسین موقع خود دے رہی تھی تاکہ اُسے جو خواب دکھا چکی ہے، ٹوٹنے نہ پائے۔

آسمان کے درمیان ہونے والے ہر واقعہ کو دیکھ سکتے ہو اور دیکھ رہے ہو کہ اس وقت الہتہ الجمال زہرہ سامنے کھڑی ہے۔ اس کی آسمانی قبا گریبان سے نیچے تک دو حصوں میں چاک ہے اور دونوں کلائیاں خالی ہیں۔ وہ تمہیں سلام کہتی ہے کیونکہ اس کی ہیکل کے کاہن ہو اور ہدایت کرتی ہے کہ کنگن اُسے لوٹا دیئے جائیں تاکہ اُس کی کلائیوں کا حُسن لوٹ آئے اور یہ کام صرف اوماتا کر سکتا ہے۔''

یہ سب سے عجیب اور لرزہ خیز بات تھی جس نے اوماتا پر کپکپی طاری کر دی۔ اُس کی آواز بھی کانپنے لگی______ ''مگر کنگن لوٹائے کس طرح جا سکتے ہیں؟''

''ربۃ زہرہ کہتی ہے کنگن مہرتاب کو دے دیئے جائیں۔ دیوی اُسے رویا میں ہدایت کرے گی کہ اُس کی امانت دُخترِ زہرہ کو پہنچا دی جائے تو اُسے مل جائے گی اور پوری دنیا میں، پوری کائنات میں ایک ہی دُخترِ زہرہ ہے۔''

اوماتا یوں اُچھلا جیسے کسی نے تلوار سے وار کیا ہو۔ غالباً سمجھ گیا تھا کہ ''دُخترِ زہرہ'' سے مراد بیدخت زہرہ جمال ہے جو ہر چاند کی تیسری رات ہیکل میں زہرہ کی نذر دینے آتی تھی۔ مگر جو ہدایت اُسے کی گئی وہ ناقابلِ فہم اور سمجھ سے بالا تھی۔ اوّل تو وہ کنگن کسی کو دے ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر دے بھی دے تو ربۃ جمال تک کیسے پہنچ سکتے تھے؟ کسی معمے میں اُلجھنے کی بجائے اُس نے سیدھا راستہ اختیار کیا۔

''اگر کنگن ہیکل سے غائب ہو گئے تو بادشاہ میری گردن مار دے گا۔''

''اوماتا! دیوی پوچھتی ہے کہ اُس کی ہیکل کا کاہن کس بادشاہ کی بات کرتا ہے؟ کیا اس بادشاہ کی جس پر قتل کا جرم ہے اور جو اصل بنونید کو موت کے گھاٹ اتار کر خود بنونید بن بیٹھا؟''

''چشمِ غیب'' پارکا نے دل ہلا دینے والے الفاظ میں انتباہ کیا______

''سن اوماتا! سن! الہتہ الجمال زہرہ کہتی ہے اس وقت بابل کا کوئی بادشاہ نہیں۔ اس شہر کے کاہن، ساحر، غیب دان، منجم، دانشور اور خوابوں کی تعبیر بتانے والے، مجلسِ قومی کے بزرگ ارکان، سردار، شیوخ اور اُمراء سب جان گئے ہیں کہ ایک معمولی پجارن کا بیٹا دھوکے سے ان پر حکومت کرتا رہا اور سب اُس سے برگشتہ ہیں اور جب زہرۃ الافلاک اُسے بادشاہ نہیں سمجھتی تو اُس کی ہیکل کے کاہن کو کیا اختیار ہے کہ اس کے سامنے اپنی گردن خم کرے یا اس سے خوفزدہ ہو؟ اگر وہ کہے کہ شاہِ دوراں اس سے باز پرس کرے گا تو کون شاہِ دوراں؟ بیٹا اپنے باپ سے

بڑا مجرم ہے، جس نے بل اور مردوک اور اُن کی مشترکہ زوجہ ایشتار کی آنکھوں کے سامنے دو کاہنوں پر تلوار چلائی اور مقدس ہیکل میں خون بہایا۔ جس نے ہیکل کے قانون کو توڑا، اُس کے لئے ہلاکت ہے جس نے اشراف کو دھوکا دیا۔ اُس کے لئے رُسوائی ہے۔ بس تھوڑے ہی دن ہیں کہ ہلاکت کی چکی گردش میں آجائے گی اور ظالم اپنی سزا کو پہنچیں گے۔ مگر اوماتا! سن لے اور جان لے کہ دیوی اس پر مہربان اور اُسے ہر آفت، ہر مصیبت سے بچانے کا ذمہ لیتی ہے اور ربۃ جمال کا حُسن اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے کنگن دوبارہ نہیں پہن لیتی۔ اس لئے اوماتا کو جو حکم دیا جارہا ہے اس کی تعمیل کرے۔ اگر اس نے ہدایت پر عمل نہ کیا تو زہرۃ الخلا، اوماتا سے ناراض ہو جائے گی اور آئندہ اس سے رویا میں بھی کلام نہیں کرے گی بلکہ اس پر دیوی کا قہر و غضب نازل ہوگا اور عنقریب اس کی سربریدہ لاش ہیکلِ زہرہ کے سامنے پڑی ہوگی______''

یہ خوفناک الفاظ سن کر اس کا سارا جسم موئے سر سے نوکِ پا تک لرز اُٹھا۔ اس پر دیوی کی ہیبت چھا گئی۔ مگر ''چشمِ غیب'' پارکا اُسے جو خواب دکھا رہی تھی وہ ابھی جاری تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

''اوماتا! ربۃ جمال چاہتی ہے کہ تم پر کرم کرے اور مہربان رہے۔ اگر تم اس کی ہدایت پر عمل کرو گے تو تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی، ہر مراد بر آئے گی اور جو کچھ چاہو گے دیوی تمہیں مہیا کرے گی۔''

یہ آخری الفاظ تھے جو ''چشمِ غیب'' پارکا نے حالتِ تنویم میں ادا کئے پھر اُس کے موٹے موٹے خوبصورت ہونٹ آپس میں مل گئے جیسے اب نہ تو کچھ کہہ سکتی تھی، نہ سن سکتی تھی، نہ دیکھ سکتی تھی۔

اوماتا نے جو ایک انجانا خوف محسوس کر رہا تھا سامنے لیٹی پارکا کو غور سے دیکھا۔ اس کے سڈول جسم کا جائزہ لیا اور اُسے اپنے عمل اور حلقۂ توجہ سے نکال دیا۔ مگر حسین پارکا تنویمی حالت ختم ہونے کے بعد بھی اسی طرح ساکت و صامت لیٹی رہی جیسے عملِ تنویم نے اُسے نڈھال کر دیا ہو اور اب وہ اٹھنے کے لئے سہارا چاہتی تھی۔ اوماتا نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے ہاتھوں سے سہارا دے کر اُٹھایا۔ حالانکہ پارکا یہ حسین موقع خود دے رہی تھی تاکہ اُسے جو خواب دکھا چکی ہے، ٹوٹنے نہ پائے۔

اوماتا نے اٹھایا تو نڈھال اور تھکی ماندی سی اُس کے ساتھ لگ گئی جیسے کسی طویل سفر سے لوٹی ہو۔ اوماتا کے لئے یہ صورتِ حال بڑی دلفریب تھی۔ کیونکہ اُسے دل سے چاہتا تھا۔ ذرا حوصلہ بحال ہوا تو بولا۔

"کتنی عجیب باتیں تھیں جو تُو نے کیں اور میں نے سنیں۔ ابھی تک خوف کی لہر میرے جسم میں دوڑ رہی ہے۔"

اب پارکا کچھ سنبھلی مگر بدستور اُس کے سہارے بیٹھی رہی تاکہ وہ ایک نیا خواب دیکھنے لگے۔۔۔۔ "اوماتا! خوف کس بات کا؟ دیوی نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں تمہارا حوصلہ بڑھاؤں، تمہیں تسلی دوں، تمہارے ساتھ رہوں اور جب میں تمہارے ساتھ ہوں جسے تم چاہتے ہو، تو ڈرتے کیوں ہو؟"

یہ الفاظ ایک ایسے جذبے کا اظہار کر رہے تھے جس کا وہ مدت سے خواہش مند تھا۔ خیال آیا، شاید دیوی نے پارکا کے دل میں اُس کی محبت ڈال دی ہے پھر بھی معاملہ بڑا سنگین تھا اور اس خوف سے کانپ جاتا تھا۔ اگر بھید کھل گیا اور ایک دن کھل ہی جائے گا کہ اُس نے زہرہ کے کنگن کسی کو دے دیئے ہیں، تو کیا ہوگا؟ مگر ساتھ ہی دیوی کی سرزنش اور اپنی سربریدہ لاش کا تصور بھی دہلائے دے رہا تھا۔ دونوں حالتوں میں ایک ہراس، ایک ہول تھا۔ پارکا نے اُس کے جسم کی خفیف سی لرزش محسوس کی اور کپکپاتے الفاظ سنے۔

"میرا دل کانپ رہا ہے پارکا! مجھے مشورہ دے میں کیا کروں کیا نہ کروں؟"

پارکا نے اُسے ترغیب دی۔۔۔۔ "دیوی کا کہا پورا کرو اور جو کچھ چاہتے ہو تمہیں مل جائے گا۔"

"مگر دیوی کے کنگن چرانا ایک سنگین جرم ہے۔"

"اگر جرم ہے تو تم یہ جرم دیوی کی ہدایت پر کرو گے۔" اب وہ اس کا حوصلہ بڑھانے لگی۔۔۔۔ "گھبراؤ نہیں اوماتا! تمہیں زندگی کی سرحد پار نہیں کرنی، صرف دیوی کے کمرۂ تحائف تک جانا اور چپکے سے اس کے کنگن لے کر لوٹ آنا ہے۔"

"کمرۂ تحائف پر تین تالے پڑے ہیں۔ میں اُنہیں تنہا نہیں کھول سکتا۔"

"دوسرے دونوں پروہتوں کو طلب کرو تاکہ تمہارے ساتھ وہ اپنا اپنا تالا کھولیں۔"

اوماتا نے ایک نئی مشکل پیش کی۔ "کمرۂ تحائف صرف اس وقت کھولا جاتا ہے جب

دیوی کو پیش کیا جانے والا کوئی قیمتی اور نادر تحفہ وہاں محفوظ کرنا ہو۔"

"پھر اپنے سائل سے پوچھو۔ کیا اس کے پاس کوئی نادر تحفہ ہے جو دیوی کو بھینٹ کر سکے۔" پارکا نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔۔۔۔ "میں نہیں جانتی، جس شخص کے لئے تم نے مجھے اپنی 'چشمِ غیب' بنایا اُسے اس معاملے سے کوئی سروکار ہے یا نہیں۔ اگر اس کے پاس کوئی نادر تحفہ نہیں تو پھر جو کچھ تمہارے جی میں آئے کرنا۔ آؤ مہرتاب سے پوچھ لیتے ہیں۔"

پارکا کے خوب صورت اور کول ہاتھ کی گرمی نے اُس کا تذبذب دور کر دیا۔ اب وہ خود چاہتا تھا، سائل کوئی نادر تحفہ پیش کر دے جسے محفوظ کرنے کے لئے دیوی کا کمرۂ تحائف کھول سکے اور ربّۂ جمال کی امانت اُسے لوٹا دے تاکہ اس کے صلے میں حسین پارکا کو مانگ لے۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کمرۂ انتظار میں داخل ہوئے تو مہرتاب کی بے چینی تسکین میں ڈھلنے لگی کہ پارکا ہیکلِ زہرہ کے غیب دان کو وہ پراسرار اور حسین خواب دکھانے میں کامیاب رہی ہے جو اُسے دکھانا چاہتا تھا۔ اوماتا کچھ سویا سویا، کچھ جاگا جاگا نظر آ رہا تھا اور آتے ہی کہنے لگا۔

"مہرتاب! تم نے جو سوال کیا تھا اس کا جواب مل گیا ہے۔ میری 'چشمِ غیب' نے کچھ اور بھی دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ ربّۂ جمال زہرہ تم سے کوئی خدمت لینا چاہتی ہے مگر اس سے پہلے کہ میں تمہارے سوال کا جواب دوں اور وہ خدمت بتاؤں، ضروری ہے کہ دیوی کو نذر دینے کے لئے تمہارے پاس کوئی نادر تحفہ ہونا چاہئے جو اُس کے کمرۂ تحائف میں محفوظ کیا جا سکے۔"

دیوی کے کمرۂ تحائف کا ذکر سن کر مہرتاب کا دل دھڑکنے لگا کہ پارکا اُسے مقصد کی طرف لے آئی ہے۔ بولا۔۔۔۔ "اگر دیوی مجھ پر مہربان ہے تو میں ایک ایسا تحفہ نذر کروں گا جو اس کے شایانِ شان ہے۔"

یہ کہہ کر اپنے لبادہ سے ایک چرمی کیسہ یا بٹوا نکالا اور اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "اس میں تین ایسے نادر اور نایاب ہیرے ہیں جن کی نظیر پوری دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ان میں دو ہیرے تو دیوی کے لئے ہیں جو اس کے کانوں میں آویزے بن کر درخشاں رہیں گے اور تیسرا تمہارے لئے ہے۔"

اوماتا نے ہیرے نکال کر دیکھے تو آنکھوں میں چکاچوند ہوئی۔ اتنے قیمتی جواہر دیکھ کر جن کی چمک دمک کے سامنے شاید زہرہ کے کنگن بھی ہیچ تھے، نقشِ حیرت بن گیا۔ پارکا بھی حیران

رہ گئی کہ اُس نے اپنے مقصد کی بہت بڑی قیمت لگائی ہے۔

''اوماتا! اب مجھے بتاؤ۔ دیوی نے میرے سوال کا کیا جواب دیا اور مجھ سے کیا خدمت لینا چاہتی ہے؟''

ہیکل کے غیب دان کاہن نے تین ہیروں میں سے ایک اپنی جیب میں رکھ لیا۔ دو چرمی بٹوے میں ڈال دیئے اور کہا ــــ ''ابھی انتظار کرو مہرتاب! میں دیوی کے کمرۂ تحائف سے لوٹ آؤں تو تمہیں ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔''

پھر اپنی ''چشمِ غیب'' سے پوچھا ــــ ''تُو بھی چلے گی میرے ساتھ؟''

''نہیں اوماتا! میں دیوی کے کمرۂ تحائف میں تو جا نہیں سکتی۔ تمہارے کمرۂ خواب میں ذرا آرام کروں گی۔ تھک گئی ہوں۔''

پھر پارکا کمرۂ خواب میں چلی گئی اور اوماتا مہرتاب کو انتظار گاہ میں چھوڑ کے باہر آ گیا۔ اُس نے ہیکل کے خادموں کو آواز دی تو ہدو پجاری بھاگا بھاگا آیا جو کہیں آس پاس ہی تھا۔ اس بار بھی وہی مہرتاب کو لے کر آیا تھا۔ اوماتا نے اُسے ہدایت کی کہ کلید بردار پروہتوں کو فوراً بلائے کیونکہ ایک انتہائی نادر تحفہ دیوی کے کمرے میں رکھا جائے گا۔ ہدو لپکتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اوماتا کمرۂ تحائف کے دروازے پر کھڑا جہاں چالیس پچاس پروہت پجاری زہرہ کی حمد و ثنا میں مگن تھے دونوں پروہتوں کو انتہائی قیمتی ہیرے دکھا رہا اور بتا رہا تھا کہ مہرتاب نے جو شہزادی شمورہ کا طلب گار ہے یہ نادر تحفہ دیوی کو بھینٹ کیا ہے۔ ضروری تھا کہ ہیکل کا کاہنِ اعظم جو نذرانہ کمرۂ تحائف میں محفوظ کرے اُسے دونوں پروہت دیکھ لیں تاکہ گواہ رہیں اور ہیکل کے دفتر میں نذر دینے والے کا نام لکھ لیا جائے۔ وہ چراغ کی مانند چمکتے ہیرے دیکھ کر اور مہرتاب کا نام سن کر خوش ہوئے۔ پھر اپنا اپنا قفل کھولا۔ اوماتا نے اپنا قفل کھولا اور تنہا کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی اور دروازے پر پھر تالے ڈال دیئے گئے۔ مگر جب اوماتا اپنا قفل لگا رہا تھا اُس کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اپنی رہائش گاہ میں آیا تو پارکا کمرۂ خواب میں بستر پر لیٹی جسمانی نقاہت دور کر رہی تھی۔ اُس نے اپنی ''چشمِ غیب'' کو بستر سے اٹھایا اور زہرہ کے کنگن دکھائے۔ انہیں دیکھ کر بے اختیار جی چاہا کہ اپنی کلائیوں میں پہن لے مگر اوماتا کے ہاتھوں کو کپکپاتے دیکھا تو سمجھی کہ خوفزدہ ہے

اور بولی۔

''دیوی کی امانت لوٹاتے ہوئے تمہارے ہاتھوں میں لرزش نہیں ہونی چاہئے۔''

یہ کہہ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا گویا تسلی دے رہی ہو۔ ہاتھ کے لمس سے ایک بار پھر اوماتا کی گھبراہٹ جاتی رہی اور اُسے ساتھ لے کر کمرۂ انتظار میں آیا جہاں مہرتاب تنہا بیٹھا تھا۔ وہ بالکل اس کے قریب آ گیا اور کہنے لگا۔

''مہرتاب! تم نے جو سوال پوچھا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ بیلشازار سے تمہارا ایک اور مقابلہ ہوگا اور بڑا بھیانک اور سخت مقابلہ ہوگا مگر جیت پھر تمہاری ہوگی۔''

مہرتاب کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ ہیکلِ زہرہ کا کاہن اُسے جیت کی خبر دیتا ہے یا ہار کی۔ وہ تو صرف زہرہ کے کنگن لینے آیا تھا جنہیں اوماتا نے اپنی مٹھی میں دبا رکھا تھا مگر اُن کی جھلک دیکھ کر بھی بے تکلف سارہا اور اپنی جیت کی خبر پر رسماً اُس کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

پارکا کا ہاتھ بدستور غیب دان کے کندھے پر تھا۔ اُس نے کومل سے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو اوماتا نے کہا ــــ ''مہرتاب! تمہاری جیت صرف دیوی کی مہربانی سے ہوگی اور اس کے عوض وہ تم سے ایک خدمت لینا چاہتی ہے۔''

مہرتاب کو اسی خدمت سے دلچسپی تھی۔ ''میں دیوی کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔''

اوماتا نے اپنی مٹھی کھولی اور دونوں کنگن اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ ''یہ ربۂ جمال زہرہ کے کنگن ہیں۔''

اگرچہ کنگن ہاتھ میں آتے ہی پورے جسم پر ایک مسرت انگیز سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی مگر اُس نے مسرت کی بجائے حیرت کا اظہار کیا۔

''میں یہ کنگن کیا کروں گا؟''

''یہ ربۂ زہرہ کی امانت ہے جو اُسے لوٹائی جا رہی ہے۔'' اوماتا بتانے لگا۔ ''یہ کنگن تمہارے لئے نہیں کسی اور کے لئے ہیں۔ الٰہتہ الجمال خود تمہارے رویا میں آئے گی اور بتائے گی کہ تم یہ امانت کس کے سپرد کرو گے۔ اور جب تم کنگن اس ہستی تک پہنچا دو گے جس کی نشاندہی کی جائے گی، تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔''

مہرتاب جھک گیا۔ ''میں اپنا فرض ادا کروں گا۔''

''میں اپنی زندگی تمہارے ہاتھ میں دے رہا ہوں۔ کسی کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے

کہ میں نے تمہیں کیا دیا اور تم نے مجھ سے کیا لیا ہے۔''

جب وہ رازداری کی تاکید کر رہا تھا پارکا نے پھر اس کے جسم میں خوف کی لرزش محسوس کی اور کندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔

مہرتاب کا جواب بھی تسلی بخش تھا۔ ''اوماتا! تم نے اس شخص پر بھروسا کیا ہے جس پر دیوی بھروسا کرتی ہے۔''

''اور جب بیلشازار سے مقابلہ جیت لو، اس خادم کو یاد رکھنا۔''

''تم ہمیشہ مجھے یاد رہو گے۔''

''امید ہے، ہماری ملاقات پھر ہو گی۔''

یہ کہہ کر اوماتا نے بات اور ملاقات ختم کر دی۔ مہرتاب نے ''دیوی کی امانت'' لبادے کے نیچے اپنی صدری میں محفوظ کر لی۔ کائنات کی سب سے خوب صورت عورت کے ساتھ کیے ہوئے پیمان کے مطابق وہ زہرہ کے کنگن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جن کے لئے معبد اکور کی تیکھی دیوداسی وسیلہ بنی تھی۔ اب وہ مطمئن تھا کہ سایۂ اجل ریموت کا آمنا سامنا کرنے سے پہلے زہرہ جمال بیدخت کی تیسری اور آخری شرط پوری کر رہا ہے۔ کیونکہ سمجھتا تھا، ریموت سے مقابلہ کے بعد ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی زندہ رہ سکتا ہے۔

اُس نے اوماتا کا شکریہ ادا کیا اور اُس کی ''چشم غیب'' کا بھی۔ پھر باہر کا رخ کیا تو اوماتا نے دروازے تک ساتھ دیا پھر مہمان کو ''شب بخیر'' کہہ کر اور دروازہ بند کر کے اپنے کمرۂ خواب میں آیا۔ ''چشم غیب'' اُس کے بستر پر دراز تھی کیونکہ ابھی اُس کا کام ختم نہ ہوا تھا۔ اُسے اوماتا کے ذہن سے خوف اور تذبذب کی رہی سہی کیفیت بھی زائل کرنا تھی تاکہ ذہنی طور سے پُرسکون رہے۔ مگر اوماتا کے چہرے کو دیکھا تو اب اس پر پریشانی کا کوئی سایہ نہ تھا۔ وہ قریب آ کر مسرت کے لہجے میں بولا۔

''پارکا! آج میں خوش ہوں کہ دیوی کی امانت لوٹا کر میں نے تیری عنایت حاصل کر لی ہے۔''

وہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ ''میں جانتی تھی، کمرۂ خواب میں آؤ گے تو تمہیں بدلا ہوا پاؤں گی۔ میرے پاس بیٹھ جاؤ کیونکہ تمہارا خوف دور ہو گیا ہے۔ اور اب تم صحیح باتیں کرنے لگے ہو۔''

''جب میں کسی فیصلے پر پہنچ جاتا ہوں، دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔'' پھر وہ اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ''میں سمجھ گیا ہوں کہ سب کچھ آسمان کی مرضی سے ہو رہا ہے۔''

یوں لگ رہا تھا، اب وہ اپنے آپ سے یا کسی سے بھی خوفزدہ نہیں۔ حسین پارکا نے اُسے ایک خواب دکھایا تھا اور اس رات اُس کے خواب کی تعبیر بن گئی تھی۔

(52)

آخری ملاقات

مہرتاب کے لئے بابل کی سرزمین تنگ ہوگئی تھی۔

ریموت راستوں اور بازاروں میں موت کے پھندے لگائے بیٹھا تھا۔ چاروں طرف اُس کی تلاش ہورہی تھی۔ کاشانۂ زہرہ بھی نگرانی میں تھا۔ شارعِ اساگیلہ کی جانب تین چار ''سائے'' دُور دُور رہ کر بڑے پھاٹک کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ غلاموں اور کنیزوں کے علاوہ بیدخت کی پیاریاں بھی آج کل یہی پھاٹک استعمال کرتی تھیں۔ عقبی دروازہ کئی دن سے بند کردیا گیا تھا۔

آدھی رات کو جب زہرہ ستارہ ایکوربل کی بلند و بالا لکیر سے اُبھر رہا تھا اور بابل کے عشرت کدے آباد مگر بازار سنسان ہو رہے تھے، رات ہیکلوں، معبدوں، مندروں میں نیند کا طلسم پھونک رہی تھی، شہر سو رہا تھا، راستے اونگھ رہے تھے، ٹھیک اس وقت آموی نورِ ناہید نے کاشانۂ زہرہ کا عقبی دروازہ کسی آہٹ اور آواز کے بغیر کھول دیا اور مہرتاب پارے کی لہر کی طرح بڑی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ کسی آہٹ اور آواز کے بغیر کواڑ پھر بند کر کے نورِ ناہید نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور چپ چاپ ایک طرف چلنے لگی۔ نہ مہرتاب نے کچھ پوچھا نہ آموی نے کچھ کہا۔ دونوں خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ یہی ان کی گفتگو تھی۔

اسی طرح چلتے وہ بیدخت زہرہ جمال کے کمرۂ راحت تک آئے پھر نورِ ناہید اُسے چوکھٹ پر چھوڑ کر بادِ نسیم کی مانند آگے بڑھ گئی اور مہرتاب نے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو

خود بخود کھلتا چلا گیا۔

اندر قندیل روشن تھی۔ ریشمی پردے کھنچے ہوئے تھے اور دنیا کی سب سے حسین عورت جو شب خوابی کی قبا میں آسمان کی اپسراؤں اور زمین کی دیویوں کو شرماتی تھی، جاگ رہی تھی۔

یہ ملاقات اور ملاقات کی ساعت پہلے سے طے شدہ تھی اور وہ اس یگانہ محبوب کا انتظار کر رہی تھی جو موت کے خطروں سے گزرتا اُسے ملنے آ رہا تھا۔

جونہی دروازہ کھلا اور مہرتاب نے قدم اندر رکھا، وہ حجاب اور ملاقات کے سارے آداب توڑتی ہوئی، جوار کی چڑھتی موج کی مانند اُس کی طرف لپکی اور مہرتاب نے ایک حیرت کے ساتھ اُسے اپنے بازوؤں پر سنبھالا۔ بے مثال جسم اگرچہ سنسنی خیز لرزش سے دوچار تھا مگر سینے کے اندر ایک اور طوفان چل رہا تھا اور فرطِ جذبات میں آواز بھی کپکپا رہی تھی۔

''مہرتاب! دیوتاؤں کا شکر ہے کہ تم محفوظ ہو۔ نورِ ناہید نے مجھے بتا دیا تھا آج آدھی رات کو ملنے آؤ گے لیکن میرا ایک ایک لمحہ پریشانی میں گزرا ہے کہ میری طرف آتے ہوئے کہیں رستے میں گرفتار نہ کر لئے جاؤ۔ سپاہی، جاسوس، خفیہ گماشتے پرسوں سے تمہاری تلاش میں ہیں۔ اس وقت بھی ریموت کہیں نہ کہیں تمہاری تاک میں ہوگا۔''

وہ اُس کی بے چینی اور پریشانی محسوس کر رہا تھا، کہنے لگا۔ ''میں جانتا تھا، ایک نہ ایک دن ریموت سے آمنا سامنا ضرور ہوگا جس کا انجام میری یا اس کی موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر میری تمنا تھی کہ اس سے پہلے تمہاری تیسری اور آخری خواہش بھی پوری کرسکوں۔''

بیدخت نے اُس کے مضبوط بازو کو اپنے نازک ہاتھ سے تھام لیا اور تڑپ کے بولی۔

''اگر میری خواہش پوری نہیں ہوتی تو نہ ہو مگر جو کچھ کہہ رہے ہو وہ میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔''

مہرتاب کا جواب بڑا مختلف تھا۔ ''میری زندگی کسی دریا کی موج نہیں جو چپ چاپ بہتی رہے۔ سمندر کا جوار بھاٹا ہے جو چٹانوں سے ٹکرا کر کچھ اور بپھرتا ہے۔ تم اس بات کی فکر نہ کرو کہ ریموت سے آمنا سامنا ہوا تو کیا ہوگا۔ صرف یہ سوچو کہ تمہاری تینوں خواہشیں پوری کر کے میں لوحِ جہاں پر اپنی محبت کا نقش اس طرح کھود جاؤں گا کہ بدلتے موسم اور زمانے کی گردشیں بھی اُسے مٹا نہ سکیں گی۔''

وہ اُسے محبت اور شوق کی نظروں سے دیکھنے لگی اور اپنے ساتھ لے کر اُس مسند پر آئی جو ایک گوشے میں آراستہ تھی۔ پھر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''میں جانتی ہوں محبت کبھی فنا نہیں ہوتی۔''

مہر تاب مطلب پر آ گیا۔ ''تمہاری تیسری خواہش یہی تھی نا کہ میں تمہیں زہرہ دیوی کے کنگن لا دوں؟''

''اب مجھے دیوی کے کنگن نہیں، تمہاری زندگی چاہیئے۔''

''مگر میں وہ کنگن لے آیا ہوں۔''

وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر اُس کے پہلو سے اُٹھی اور فرش پر ہکا بکا سی کھڑی اُسے یوں دیکھنے لگی جیسے مہر تاب نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو اور وہ کوئی ناقابلِ یقین خوشخبری سن رہی ہو۔ کیونکہ ہیکلِ زہرہ سے دیوی کے کنگن اُڑا لانا کوئی ایسا کام نہیں تھا جیسے وہ بیان کر رہا تھا۔

اُسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیا کہا تم نے۔۔۔۔ کنگن لے آئے ہو۔۔۔۔؟''

''ہاں۔۔۔۔ مگر تم اس قدر حیران کیوں ہو گئیں؟''

زہرہ جمال نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا۔۔۔۔

''بس۔ تم نے میرے لئے اپنی زندگی ختم کر دی۔''

''میں تمہارے سامنے زندہ سلامت موجود ہوں۔''

''بے شک تم ہیکلِ زہرہ سے بچ کر آ گئے مگر نہیں جانتے کہ اپنا رشتۂ حیات کاٹ آئے ہو۔ پروہتوں، پجاریوں نے تمہیں دیوی کے کمرۂ تحائف میں گھستے اور کنگن چرا کر بھاگتے دیکھ لیا ہو گا مہر تاب! میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس چوری کی سزا سُولی کے سوا اور کچھ نہیں۔''

وہ اُسے خوف زدہ اور سراسیمہ سا دیکھ کر تسلی کے لہجے میں بولا۔ ''جو کچھ تم کہہ رہی ہو، ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔''

''پھر تم کنگن کیسے لے آئے؟''

''میں نے اوماتا کو ایک خواب [illegible] دکھایا اور اُس کے لئے ایسی چشمِ غیب مہیا کی جو وہ [illegible]''

بدبخت کو یاد آیا، ایک رات قبل اُس نے ہیکلِ زہرہ کی دیوداسی مطرو کو، جو اوماتا کی معمول اور ''چشمِ غیب'' تھی، نورِ ناہید کے ساتھ کاشانۂ زہرہ میں دیکھا اور سمجھی تھی کہ دونوں سہیلیاں بہت دنوں بعد ملی ہوں گی۔ اس لئے نورِ ناہید اُسے اپنے ہمراہ لے آئی ہے مگر یہ معاملہ تو کچھ اور تھا اور مہر تاب نے اوماتا کے لئے کوئی دوسری ''چشمِ غیب'' ڈھونڈ لی تھی۔

حیرت زدہ سی پوچھنے لگی۔ ''کون تھی وہ؟''

''تمہاری ایک سہیلی۔۔۔۔ پارکا۔۔۔۔''

وہ پارکا کا نام سن کر چونک سی گئی اور مہر تاب بتانے لگا۔

''میں نے اُسے اوماتا کی معمول بننے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اُسی نے ہیکل کے غیب دان کو ایک خواب دکھایا جس پر اُس نے دیوی کے کمرے سے کنگن نکالے اور بڑی رازداری سے لا کر مجھے دے دیئے۔ خیر تمہیں اس معاملے کی تفصیل سے کیا غرض کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ کنگن میں نے حاصل کر لئے اور لے آیا ہوں۔''

یہ کہہ کر اپنے لبادہ کے کیسہ سے دونوں کنگن نکالے اور اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

''دیکھو، یہی ہیں نا؟''

وہ انہیں حیرت پاش نظروں سے اس طرح دیکھنے لگی جیسے مہر تاب نے آسمان کے دو ستارے توڑ کر اُس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے ہوں۔ یہ ایک ناقابلِ یقین واقعہ یا پھر کوئی شعبدہ تھا جو کسی ہنگامے اور خون خرابے کے بغیر ظہور میں آ گیا کیونکہ انہونی باتیں اسی طرح ہو جاتی ہیں۔۔۔۔ ''ہاں یہی ہیں وہ کنگن جن کی میں نے خواہش کی تھی۔''

وہ حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ کبھی کبھی کسی ناقابلِ حصول شے کا اچانک مل جانا بھی حیرت کا باعث بن جاتا ہے۔ مگر یہ کنگن با آسانی حاصل نہیں ہوئے تھے۔ مہر تاب کئی دن سوتا اور ایک منصوبہ تیار کرتا رہا تھا۔

اُس نے اوماتا کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا۔ حسین پارکا وسیلہ ٹھہری تھی۔ تین انمول ہیرے اُن کا مول بنے تھے اور بہت سے مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا تب کہیں جا کر یہ کنگن حاصل ہوئے تھے۔ بدبخت نے جو کچھ چاہا، وہ ہو گیا۔ جو کچھ مانگا، وہ مل گیا۔ اب اس خیال سے رُگ رُگ میں، نس نس میں فرحت اور حیرت کی سنسنی دوڑ رہی تھی کہ مہر تاب نے ایک ایک کر کے اُس کی تینوں خواہشیں پوری کر [illegible]

گئی ہے جس کا اُس نے صرف خواب دیکھا تھا۔

دیوی کے کنگن چومنے اور اُنہیں ساگوان کی صندوقچی میں سنبھالنے کے بعد جس میں شاہ یوسیفر کی قبا رکھی تھی، وہ پھر اُس کے پاس مسند پر آبیٹھی اور سوچنے لگی۔ اُسے کن الفاظ میں خراج تحسین پیش کرے کیونکہ جو کچھ اُس نے کر دکھایا تھا، اس کے سامنے ساری تعریفیں ہیچ نظر آئیں اور کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ کیا کہے۔ آخر کہنے لگی۔

''مہرتاب! تم سارے مردوں سے مختلف اور ہمیشہ چونکا دینے والے کام کرتے ہو۔ آج تم نے میری خوشیوں کی انتہا کر دی ہے اور زہرہ کے کنگن بھی لے آئے ہو۔ میں تمہارے اس کارنامے کی داد دینے سے قاصر ہوں کیونکہ تعریف اور توصیف اور تحسین اور آفرین کے جتنے الفاظ بھی مل سکتے ہیں وہ بہت تھوڑے اور جو کام تم نے میرے لئے کیے وہ بہت بڑے ہیں۔ تم ہر ستائش اور ہر تحسین سے بالاتر ہو اور اب میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ کسی بھی پہلو سے تمہاری تعریف تو ہو ہی نہیں سکتی۔''

''مگر میں نے کیا ہی کیا ہے۔ بس ایک تدبیر کر کے اور اوماتا کو پراسرار خواب دکھا کر زہرہ کے کنگن ہی تو لے آیا ہوں۔''

''تم اسے معمولی کام سمجھتے ہو؟''

''کوئی بھی شخص جو میری طرح سوچ سکتا اور یہ بھید جانتا کہ حسین پارکا اوماتا کی کمزوری ہے وہ کنگن حاصل کر سکتا تھا۔''

''ہر شخص تمہاری طرح سوچنے اور عمل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ تمہارا یہ کارنامہ پورے بابل کو تسخیر کر لینے کے برابر ہے۔ جانتے ہو پارکا کون ہے؟''

''سردار نرقال کی داشتہ۔''

وہ مزید حیران ہوئی کہ پارکا کی حیثیت اور اس طاقت سے بھی آگاہ ہے جو دیوداسی کی پشت پر ہے۔''

''پارکا سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''وہ میری دوست ہے اور اس کے ذریعے سردار نرقال بھی میرا خیال رکھتا ہے۔ مگر ان بے کار باتوں میں اُلجھنے سے کیا فائدہ۔ کیا یہی کافی نہیں کہ میں نے تمہاری تینوں خواہشیں، تینوں فرمائشیں پوری کر دیں؟''

''بے شک تم نے وہ کام کیے جو دیوتا بھی نہیں کر سکتے۔ اور جب سے دنیا بنی ہے کسی مرد نے کسی عورت کی ایسی خواہشیں پوری نہیں کی ہوں گی۔''

''چھوڑو بیدخت! تم نے بہت تعریف کر لی میری۔''

''جی چاہتا ہے میں تمہیں دیکھتی رہوں اور تمہارے گن گاتی جاؤں کیونکہ آدم سے لے کر اس زمانے تک جتنے مرد پیدا ہوئے تم ان سب میں یگانہ ہو۔''

مہرتاب نے سوچا شاید اس کی تعریف کر کے اپنی تعریف سننا چاہتی ہے۔ اگرچہ بیدخت کا حُسن و جمال کسی تعریف کا محتاج نہ تھا پھر بھی وہ ایک عورت تھی اور عورت کی فطرت میں یہ خوبی یا کمزوری ودیعت کی گئی ہے کہ مرد کی زبان سے اپنی تعریف سن کر خوش ہوتی ہے۔ یہی سوچ کر بولا۔

''اور حوا سے لے کر آج کے دن تک اس دھرتی پر جتنی نازنینوں نے جنم لیا ہے، تمہارا ہر انداز اُن سے مختلف ہے کیونکہ تم ایک خوابِ راحت ہو۔''

بیدخت کے لئے یہ الفاظ انتہائی تسکین کا باعث ہوئے۔ پھر اپنی تعریف کی بات آگے بڑھائی۔

''مہرتاب! بابل کے شاعروں نے میری تعریف میں ان گنت شعر لکھے ہیں۔ دانشوروں اور وقائع نویسوں نے میری ستائش میں بڑے خوب صورت الفاظ اور بڑے لطیف استعارے استعمال کیے ہیں۔ سنگ تراشوں نے میرا حُسن پتھروں میں تراشا اور مٹی کی مورتیاں بنانے والوں نے میرا جسم بیسیوں مرتبہ اپنے سانچوں میں ڈھالا ہے۔ یہ عبرانی اور یہودی بھی جو کسی اَن دیکھے خدائے یہواہ کی عبادت کرتے ہیں مجھے دیکھ کر اپنے سلیمانؑ نبی کی غزل گانے لگ جاتے ہیں کہ ـــــ ''اے میری[1] پیاری! تُو سراپا جمال ہے اور تجھ میں کوئی عیب نہیں۔'' مگر مجھے ان تعریفوں اور ستائشوں سے کیا مطلب۔ میرے لئے تو تمہارے الفاظ راحت بخش ہیں۔ میں تو اپنے جسم کی خوبی اور خوب صورتی کو تمہاری نظروں سے دیکھنا پسند کرتی ہوں۔ اپنے حُسن کی تعریف تمہاری زبان سے سننا چاہتی ہوں۔''

مہرتاب کے اس خیال کی تصدیق ہوگئی کہ اپنی تعریف سننے کی خواہش مند ہے۔

''میں تمہاری تعریف کن الفاظ میں کروں بیدخت! دنیا کی کسی زبان میں آج تک وہ

[1] سلیمان کی ''غزل الغزلات'' (عہد نامہ قدیم) باب 4 نشان 7

الفاظ ہی نہیں ڈھالے گئے جن سے تمہارے حُسن اور جسم کی صحیح تعریف ہو سکے۔“

”پھر بھی تمہیں آرامی زبان کے بہت سے الفاظ یاد ہوں گے۔“

”وہ سب الفاظ رسمی ہیں اور شاید شاعروں، دانشوروں اور وقائع نویسوں نے تمہارے حُسن کی تعریف میں استعمال بھی کیے ہوں۔“

”میں بھی تو سنوں وہ کون سے رسمی الفاظ ہیں؟“

شاید کسی خاص مقصد کے تحت اس کی زبان سے اپنی تعریف سننے پر اصرار کر رہی تھی۔

مہرتاب ذہن میں لفظوں کو تلاش کرنے لگا پھر بولا____

”دانشوروں نے یہی کہا ہوگا۔ تمہارے حُسن سے بڑھ کر کسی حُسن کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ وقائع نویسوں نے اپنی الواح پر یہی بات رقم کی ہوگی۔ جس طرح سوسن سب جھاڑیوں میں خوب صورت ہے اُسی طرح تم سب عورتوں سے زیادہ حسین ہو۔ شاعروں نے یہی لکھا ہوگا تمہاری آنکھیں غزالوں سے، تمہارے بال گھٹاؤں سے، تمہارے عارض گلابوں سے، تمہارے ہونٹ انار کے شگوفوں سے زیادہ خوش رنگ اور خوب صورت ہیں۔ تم خوبی میں رشکِ سرو ہو۔ تمہارا حُسن پھولوں سے بڑھ کر شگفتہ اور تمہارا بدن دودھ اور شراب میں نہایا ہوا اور نشہ آور ہے۔“

بیدخت مسکرائی۔ ”انتھیا کی قسم! سب نے یہی کہا، یہی لکھا۔“

”مگر تم ان الفاظ و معانی سے زیادہ خوب صورت ہو۔“

”پھر تم کیا کہتے ہو، میری خوب صورتی اور میرے جسم کی خوبی کے بارے میں؟“

”میری سوچ مختلف ہے۔“ اور بتانے لگا____ ”میری نظریں شفق کے دریچوں، چاندنی کے جھروکوں، دھنک کے رنگوں، شام کے اُڑتے نقابوں اور صبح کے طلوع ہوتے اُجالوں میں جھانکتی اور کائنات کے کئی رُوپ دیکھتی ہیں۔ جب کائنات کے وہ سارے روپ اور وہ تمام رنگ ایک شکل اختیار کر لیں تو تمہارا سراپا بنتا ہے۔“

بیدخت اُس کی زبان سے اپنی تعریف کا یہ انداز سن کر جھوم اٹھی اور بالکل اس کے قریب ہوگئی۔

”مہرتاب! تم نے شاعروں، دانشوروں اور وقائع نویسوں سے بڑھ کر میرے حُسن اور جسم کی تعریف کی ہے۔ تمہارے الفاظ دلکش، استعارے انوکھے اور اشارے خوبصورت ہیں

لیکن یہ حُسن، یہ خوبصورتی، یہ محبت، یہ عشق، یہ دھڑکتے الفاظ، یہ دل کی بےقراریاں سب کس لئے؟ تم سوچتے تو ہو گے کہ جس خوب صورت عورت کے لئے اتنے بڑے بڑے کام کیے اُس کے جسم کی راحتیں حاصل نہیں کر پاؤ گے____؟“

مہرتاب نے اُس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی اور جواب دیا۔

”تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں، میں ان کاموں کا کوئی بدلہ، کوئی صلہ، کوئی انعام نہیں چاہتا۔“

”بے شک تم نے پہلے بھی یہی کہا تھا مگر میرے دل میں کچھ باتیں اور ذہن میں کچھ سوال ہیں جو پوچھنا چاہتی ہوں۔“

مہرتاب کا لہجہ بڑا عجیب ہوگیا۔ ”بیدخت! آج اور اسی وقت جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہ تم پوچھ لو اور جو کچھ میرے دل میں ہے وہ میں کہہ دوں گا کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ شاید ہم دوبارہ نہ مل سکیں۔“

الفاظ کی سنگینی نے دنیا کی سب سے حسین عورت کو لرزا دیا۔ ان الفاظ کی اہمیت اور ان کا مطلب سمجھتی تھی۔ بابل کے حالات بدل گئے اور موت کے سائے مہرتاب کے تعاقب میں تھے۔ وہ اُس کی تیسری خواہش پوری کرنے، اُسے دیوی کے کنگن دینے اور الوداع کہنے آ تو گیا تھا لیکن ان دونوں میں سے یہ بات کوئی نہ جانتا تھا کہ یہاں سے نکلے گا تو کون سا واقعہ یا حادثہ پیش آئے گا۔

بیدخت تشویش انگیز لہجے میں بولی۔

”میں جانتی ہوں وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ ہر ساعت جو بیت رہی ہے ہماری ملاقات کا عرصہ کم کر رہی ہے اور لوٹ کر نہیں آئے گی۔ مگر اس سے پہلے کہ تم یہاں سے جاؤ اور میں جیتے جی مر جاؤں، صرف اتنا بتا دو، کیا میری خواہشوں کی تکمیل کے ساتھ میری محبت سے بھی دستبردار ہو گئے ہو؟“

”یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟ تمہاری محبت میری زندگی کی سب سے قیمتی پونجی ہے۔“

”پھر مجھ سے اپنی وفاؤں کا صلہ کیوں نہیں مانگتے؟ میرے جسم کی راحتیں کیوں طلب نہیں کرتے؟ ہمارے درمیان یہی پیمان ہوا تھا کہ تینوں خواہشیں پوری کر دو گے تو میں تمہاری ہو جاؤں گی۔“

''تم خود کہہ چکی وہ پیمان ایک جھوٹ تھا۔''

''آج اُس جھوٹ کو سچ میں بدل دینا چاہتی ہوں۔''

مہرتاب نے چونک کر دیکھا۔ وہ ایک ایسی ناممکن اور انہونی بات کہہ رہی تھی جو اس کے خواب کی تعبیر کے عکس اور اس ساری جدوجہد کے خلاف تھی جو مہرتاب کرتا رہا تھا۔ وہ اگرچہ اُن اساطیری اور دیو مالائی مسلّمات کو نہیں مانتا تھا جن کی وجہ سے بیدخت نے پرواز کرنے اور منقلب ہونے کا کوئی عجیب وغریب خواب دیکھا اور جس کی تصدیق صندوقچی کی پراسرار تحریر سے بھی ہوتی تھی جو ہاروت ماروت نے پڑھی۔ لیکن اصنامی روایات اور فلکیاتی رموز میں اُلجھنے کی بجائے اُس نے یہ معاملہ بیدخت کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ پرواز کرنا چاہتی ہے تو کر جائے۔ کوئی تکرار یا نکتہ چینی کر کے اُسے آزردہ خاطر نہ کرنا چاہتا تھا مگر یہ ضرور سمجھتا تھا کہ عید بیلس کی رات جب آسمان کی طرف صعود اور پرواز کے خواب کو تعبیر نہ مل سکے گی وہ مایوس اور ناکام ہو کر کاشانۂ زہرہ میں لوٹ آئے گی اور یہیں اس کا انتظار کرے گی۔ پھر اس رات کی صبح کو جب بابل میں ایک نیا نظام اور اُس کی زمین پر ایک نیا آسمان ہوگا دونوں اس آسمان پر باہم مل جائیں گے اور وہ بیدخت کے خواب کو ایک نئی تعبیر دے گا۔

اُسے اپنی وفاؤں کا صلہ مانگنے یا اس کے جسم کی راحتیں حاصل کرنے کی جلدی نہیں تھی، جانتا تھا، کوئی خاکی جسم آسمان پر نہیں جا سکتا۔ وہ بھی نہیں جا سکے گی۔ شاید اسی بہانے دیو مالائی اسرار اور دیوتاؤں کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آئے۔ اُسے تو فی الحال اپنے شہنشاہ کورش ہخامنشی کا انتظار تھا کہ وہ بابل میں داخل ہو کر کیا فیصلے صادر کرتا ہے۔

اُسے خاموش دیکھ کر بیدخت سوچ رہی تھی کہ وہ پیش دستی کیوں نہیں کرتا اور حیران کس بات پر ہے۔ اب اُسے واضح لفظوں میں ترغیب دینے لگی۔

''مہرتاب! اگر میں نے کسی مرد سے محبت کی، تو صرف تم ہو۔ اب چاہتی ہوں اسی دھرتی پر، اسی دنیا میں تم پر اپنے پیار کی راحتیں نچھاور کروں تاکہ لوگ مجھے ''بے وفا عورت'' نہ کہیں۔ دیکھو میں نے تمہارے لئے اپنا بستر کیسے آراستہ کیا ہے۔''

مہرتاب نے پہلی بار اُس کے بستر پر نظر ڈالی جس پر سرخ کتان کی چادر بچھی تھی اور بابل کے طبقۂ اُمراء میں سرخ کتان کی چادر، شب عروسی کی علامت تھی۔ مہرتاب یوں تڑپ

کر مسند سے اٹھا جیسے کسی اَن دیکھی طاقت نے اُچھال دیا ہو۔ بیدخت بھی اس کے ساتھ ہی اُٹھی اور اپنے بندِ قبا کا ریشمی ڈورا کھولنے لگی لیکن مہرتاب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''نہیں بیدخت! نہیں۔''

وہ انکار سن کر حیران رہ گئی۔ ''کیوں نہیں؟''

''اس لئے کہ اپنی پرواز تک تمہارا کنواری اور اچھوتی رہنا ضروری ہے۔''

''میں اپنی پرواز کا ارادہ ترک کر چکی ہوں۔''

مہرتاب دم بخود سا رہ گیا۔ ''مگر تم نے کہا تھا تمہاری تکمیل آسمان پر ہوگی۔''

''اب میں اسی دنیا میں، اسی دھرتی پر اپنی تکمیل چاہتی ہوں، مجھے یہیں مکمل کرو۔''

یہ کہہ کر بندِ قبا کا ریشمی ڈورا کھینچ دیا اور قبا دو حصوں میں چاک ہو گئی۔ اس قبا کے نیچے بدن پر اور کوئی لباس نہ تھا۔ اپنی دونوں باہیں اُس کی طرف لہرا کے بولی۔

''مہرتاب! لاکھوں مردوں نے مجھے چاہا اور میرے اس بے مثال اچھوتے جسم کی خواہش کی ہے مگر میرے جسم کی ساری راحتیں صرف تمہارے لئے ہیں۔ تم دنیا کے پہلے مرد ہو جو آج رات میرے خطوطِ بدن دیکھو گے۔''

بیدخت سمجھتی تھی، وہ اُس کے انتہائی کشش انگیز بدن کی ایک ہی جھلک دیکھ کر اپنے آپے سے باہر ہو جائے گا۔ کیونکہ جس طرح وہ حُسن و شباب میں یکتا تھی، اُسی طرح اُس کا بدن بھی اپنی خوبی کی آپ ہی مثال تھا۔ مگر مہرتاب کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔

''بیدخت! جس طرح تمہارا دل میرے دل سے ملا ہوا ہے، اسی طرح تمہارا بدن بھی میرے بدن سے ہم کنار رہتا ہے۔''

یہ کہہ کر اپنی صدری کی بغل سے بیدخت کی وہ مورتی نکالی جو پہلی ہی رات آموسی نورِ ناہید کے بالا خانے سے لے گیا تھا اور اُسے دکھا کر کہنے لگا۔ ''اب تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ تمہارا بدن میرے لئے پرایا نہیں۔''

بیدخت نے اپنی مورتی دیکھ کر ایک راحت بخش تسکین محسوس کی اور سوچا کہ یہ اُس کی محبت اور وارفتگی کی انتہا ہے کہ مورتی کے رُوپ میں گویا اُسے اپنے بدن کے ساتھ لگائے پھرتا ہے۔ پھر مسکرانے لگی۔

''یہ مرمر کی مورتی میری نقل ہے۔ میں اصل ہوں۔ آج رات تمہارا رابطہ مجھ سے ہوگا

اور میں تمہیں اپنی محبت اور راحت کی اس جنت میں لے جاؤں گی جہاں کوئی بیلشازار، کوئی ابلیس میرے اور تمہارے درمیان حائل نہیں ہوگا۔''

اُس نے مورتی پھر اپنی صدری کے نیچے اُڑس لی اور کہا۔

''بس بیدخت! مجھے اور دیوانہ نہ کرو۔ تمہارے پیار کی جنت یقیناً راحت افزا ہوگی مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے پرواز کا ارادہ ترک کیوں کر دیا۔

بیدخت اُس کے کچھ اور قریب آ گئی۔

''سنو مہرتاب! تمہارا اصل مقابلہ ریموت سے نہیں بیلشازار سے ہے اور میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ تشرین کے اسی مہینے اور اسی عید بیلس پر میری مہلت ختم ہونے والی ہے۔ میں نہیں جانتی، عید بیلس تک تم پر یا مجھ پر کیا کیا حادثے گزر جائیں گے مگر میرے دل کو یہ دھڑکا ضرور لگا ہے کہ بیلشازار جو ازل سے میرے اور تمہارے درمیان حائل ہے اس عید بیلس پر مجھے اچھوتی نہیں رہنے دے گا۔ میرے خواب کی تعبیر خطرے میں پڑ گئی ہے اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر اختیار حاصل کر لے میں دائمی زندگی کا خیال ترک کر کے اسی زمین پر تم سے اپنا ملاپ ضروری سمجھتی ہوں تاکہ تمہیں اپنی راحتوں سے ہم کنار کر سکوں۔''

مہرتاب نے اُس کی بات مسترد کر دی۔

''تمہارا خیال باطل ہے۔ جب شاہ یوسیفر کی فلکیاتی قبا اور دیوی کے کنگن حاصل کر چکی ہو پھر مہلت پوری ہونے سے پہلے ہی اپنے خواب کو تعبیر بخش دینے اور بیلشازار کی دسترس سے دور ہو جانے میں کیا امر مانع ہے؟''

''دیوی کے کنگن تم آج لے کر آئے ہو۔ ابھی مجھے ''اسم اعظم'' کی تلاش ہوگی پھر بھی میری پرواز کے لئے عید بیلس کی رات اور ساعت پہلے سے متعین ہو چکی ہے۔''

''لیکن صندوقچی کی تحریر میں تو کسی رات اور ساعت کا ذکر نہیں تھا۔''

''میں نے اپنی پرواز کا خواب عید بیلس کی رات دیکھا تھا اور میرے دل میں یہ بات اسی وقت القا کر دی گئی تھی کہ پرواز بھی اسی رات کو ہوگی، جب زہرہ طلوع ہو رہا ہوگا۔''

''چلو یوں ہی سہی۔ پھر بھی تم خطرے سے باہر ہو۔ کیونکہ بیلشازار تم سے دستبردار ہو کر شہزادی شمورہ کو اپنی زوجہ و ملکہ بنانا چاہتا ہے اور عید بیلس کی رات تمہیں پرواز کی مہلت مل جائے گی۔''

''وہ مجھے مہلت نہیں دے گا۔ مجھ سے دستبردار نہیں ہوگا۔''

''مگر بادشاہ کے سامنے تم سے دستبردار ہونے کا وعدہ کر چکا ہے۔''

بیدخت نے ایک بار پھر اپنا ہاتھ جھٹک دیا ـــــ ''رہنے دو مہرتاب! جو کچھ میں جانتی ہوں تم نہیں جانتے۔''

''کیا جانتی ہو تم؟''

اب بیدخت نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا۔

''کل ریموت میرے پاس اس کا پیغام لے کر آیا تھا کہ عید بیلس پر مجھے دو باتوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔''

مہرتاب کو جھٹکا سا لگا۔ ''کن باتوں کے لئے؟''

''عید بیلس کی رات اگر شہزادی شمورہ اُس کی زوجہ و ملکہ بن گئی تو میں اس خوشی میں اپنی ستائیس پیاریوں کے ساتھ ''رقصِ وصل'' کروں گی۔ دُلہا دُلہن کو اپنے ہاتھ سے جام پلاؤں گی، اور بیلشازار کی محبوبۂ خاص بن کے رہوں گی۔''

''اور دوسری بات؟''

''دوسری بات یہ ہے کہ شہزادی نے اس کی زوجہ بننے سے انکار کر دیا تو پھر اُسی رات میں بیلشازار کا ''جامِ وصل'' بنوں گی اور وہ میرے ساتھ شبِ زفاف منائے گا ـــــ دونوں صورتوں میں مجھے شاہی محل کی بجائے قصرِ میرودیج کے ایک تنہا کمرے میں طلب کیا گیا ہے۔ کیا اب بھی تم میرے وصل سے انکار کرو گے؟''

یہ سب کچھ سن کر مہرتاب نے اپنا ہاتھ تلوار کی طرح الف کیا۔ ''سنو بیدخت! میری زندگی میں نہ شمورہ اس کی زوجہ بنے گی، نہ تم اُس کا ''جامِ وصل'' بنو گی۔ عید بیلس کی رات جو کچھ ہوگا وہ بیلشازار نہیں جانتا۔ بابل کا کوئی منجم اور غیب دان بھی نہیں جانتا۔ بیکار باتوں سے ذہن کو پراگندہ نہ کرو۔ اپنا لباس درست کر لو۔ قبا کا ڈورا باندھ لو۔ تمہیں اپنے خواب کی تعبیر بدلنے کی ضرورت نہیں۔''

اُس نے یہ الفاظ کچھ اس طرح کہے جیسے آسمان پر لکھی کسی کتاب کی عبارت پڑھ رہا ہو۔ دنیا کی سب سے حسین عورت پر حیرت کی ایک نئی کیفیت گزر گئی اور کسی معمول کی طرح، جس پر سحر کر دیا گیا ہو اپنی قبا کا ڈورا باندھنے لگی اور نیند کی سی حالت میں بولی۔

"مہر تاب! ایک بار پھر سوچ لو...... شاید دنیا میں ایسی رات پھر کبھی نہ آئے۔"

"جو کچھ تمہیں کہہ دیا وہی میرا فیصلہ ہے۔ ہم پھر ملیں گے بیدخت!" اور آئندہ ملاقات کا اشارہ دے کر اس پر الفاظ کا پراسرار سا پردہ ڈال دیا۔ "اگر اس دنیا میں نہیں تو اُس دنیا میں۔ جس کا تم نے خواب دیکھا ہے۔"

ذہن میں یہ خیال سمایا تھا کہ ملاقات اگر عید بیلس کی رات نہ ہو سکی (کیونکہ اُس رات اُسے ایرانی لشکروں کے لئے بابل کا دروازہ کھولنا تھا) تو صبح بیدخت سے ملنے ضرور آئے گا۔ جس کا دیومالائی خواب بکھر چکا ہوگا۔ لیکن وہ اُس کی باتیں سن کر ایک بار پھر اپنے خواب کی تعبیر میں کھو گئی۔

"مہر تاب! بیلشازار کا پیغام سن کر مجھے یہ دھڑکا لگ گیا تھا کہ شاید میرا خواب پورا نہ ہو سکے اور تمہیں یہ یقین دلانے کے لئے کہ میں تم سے بے وفائی نہیں کر سکتی، اپنی پرواز کا خیال ترک کر بیٹھی تھی۔ مگر تم کہتے ہو، میں خواب کی تعبیر نہ بدلوں، تو نہیں بدلتی۔ پھر بھی اپنے دل میں ایک نہ معلوم خطرے کی چاپ سن رہی ہوں۔"

"شاید وہ تمہارے اپنے ہی کسی وہم کی آہٹ ہو گی۔ دل کو مضبوط رکھو۔"

"عید بیلس کی رات اگر مجھے پرواز کی مہلت مل گئی تو میں ایک دائمی زندگی حاصل کر لوں گی۔ تم میرے لئے زمین پر بے چین رہو گے اور میں آسمان پر تمہاری جدائی میں تڑپتی رہوں گی جب تک تم مجھے مل نہیں جاتے۔"

"گھبراؤ نہیں، ہمارے درمیان ایک عارضی جدائی ہو گی اور جدائی کے یہ دن بہت تھوڑے ہوں گے۔" مہر تاب کے نزدیک وہ جدائی صرف چند روز کی تھی۔

"میں دائمی رفاقت کے لئے آسمان پر تمہارا انتظار کروں گی۔"

"پھر مجھے عارضی طور پر رخصت کرو۔"

بیدخت جو اپنے پراسرار خواب کی طلسمی وادیوں میں پہنچ گئی تھی، رخصت کے لفظ پر چونکی اور سمجھ گئی کہ فرقت کی گھڑی آ پہنچی اور وہ رخصت ہوا چاہتا ہے تو اُس کی جدائی کے خیال سے ایک بار پھر بے چین ہونے لگی۔ کیونکہ نہیں جانتی تھی کہ عارضی جدائی کتنے دنوں، کتنے برسوں، کتنی صدیوں یا کتنے قرنوں کی ہو گی اور کپکپاتی آواز میں بولی۔

"مہر تاب! تم نے اپنی آخری ملاقات کے لئے مجھے بہت تھوڑا وقت دیا ہے۔ تم چلے

گئے تو ایک اُمید کے سوا میرے پاس کچھ باقی نہیں رہے گا۔ لیکن میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گی۔"

وہ حیران ہوا کہ نہ جانے اب کیا چاہتی ہے۔ بیدخت ذرا آگے بڑھی اور ایک بار پھر اپنے خواب کے طلسم میں ڈوب گئی۔

"تم یہاں سے ایسے جاؤ گے جیسے دن سے دن جدا ہوتا ہے۔ جیسے روشنی پھر طلوع ہونے کے لئے غروب ہوتی ہے۔ بس رخصت ہونے سے پہلے اپنی محبت کی شفق، اپنے پیار کی حلاوت مجھے بخش دو۔ میں اس دنیا سے، اس دھرتی سے صرف تمہارے پیار کی یہ شفق اپنے ساتھ لے جاؤں گی جو آسمان پر بھی میرے ساتھ رہے گی۔"

یہ کہہ کر اپنی بانہیں کھول دیں اور مہر تاب نے اُس کی پیش کش قبول کر لی کیونکہ محبت کے نوشتے پورے کر کے اپنے فرض کی دنیا میں یا پھر میدانِ جنگ کی طرف لوٹ رہا تھا۔ جہاں شطرنج کے مہروں کی طرح سپاہی بڑھتے اور کٹتے رہتے ہیں۔ بیدخت کی محبت خون بن کر اس کے جسم میں موجزن تھی اور خوشگوار یادوں کے ساتھ رخصت ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے دنیا کی حسین ترین اچھوتی عورت کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور بیدخت اُس کے بازوؤں کے حلقے میں یوں کانپنے لگی جیسے خوفزدہ تھی کہ کہیں اُس سے ہمیشہ کے لئے جدا نہ ہو رہی ہو۔ مہر تاب نے اُس کے جسم کی لرزش اور ایک خواب کی سی کیفیت محسوس کی جس سے وہ گزر رہی تھی اور ایک ساعت کے لئے خود بھی کانپ گیا کہ کیا معلوم اپنے فرض یا میدانِ جنگ سے اپنی محبت کی دنیا میں لوٹ سکے گا یا نہیں؟

بابل کے دن ایک ایک کر کے کم ہو رہے تھے۔ جنگ کا ہنگام قریب آ رہا تھا اور ابھی اُسے ایک خطرناک ترین مرحلے میں داخل ہونا تھا جہاں زندگی ایک پل میں ختم ہو سکتی تھی مگر اُس نے خود کو سنبھالا کہ کہیں بیدخت اُس کے وجود میں دھڑکتا ہوا خطرہ محسوس نہ کر لے۔

اُن کے پیار کا وہ لمحہ بے شک مختصر تھا لیکن جس طرح وقت ہر شے کو بدل دیتا ہے اور محبت ہر خوف کو ڈھانپ لیتی ہے اسی طرح دونوں کے پیار نے اس لمحے کو بھی ابدیت بخش دی اور وہ لمحہ اُن کی زندگی کا ایسا سرمایہ بن گیا جس کے سامنے بابل کے سارے خزانے ہیچ اور دنیا کی ساری راحتیں کمتر تھیں۔

جب مہرتاب نے اُسے بازوؤں سے جدا کیا کیونکہ باہر صبح کاذب نمودار ہونے والی تھی، بیدخت ایک عجیب سی کیفیت میں بولی۔

''مہرتاب! جس طرح آج زمین پر مجھ سے جدا ہو رہے ہو، اسی طرح کل آسمان پر مجھ سے آملنا۔ پھر ہم دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔''

وہ ابھی تک اپنے خواب کے طلسم میں گرفتار تھی۔ مہرتاب نے اُسے تسلی دی۔ ''میں بہت جلد تم سے آملوں گا۔ بس چند دنوں کی بات ہے۔''

پھر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''اب مجھے رخصت کرو۔ میں پو پھٹنے سے پہلے نکل جانا چاہتا ہوں۔''

''جاؤ گے کہاں؟''

''یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔ مگر پانی کا دھارا اُسی طرف بہتا ہے جدھر اُسے راستہ ملتا ہے۔''

اچانک بیدخت کو ایک عجیب بات سوجھی۔ ''کیوں نہ عید بیلس تک تم بھی عبرانی مہمانوں کے ساتھ تہ خانے میں رہو؟''

''نہیں بیدخت!'' مہرتاب نے اُس کی تجویز مسترد کر دی۔ ''خطرے میری تلاش میں ہیں اور ریموت جانتا ہے میں تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔ اپنے ساتھ میں اُن کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میرا یہاں سے چلے جانا بہتر ہے۔''

وہ یک لخت اُداس ہو گئی اور اپنے دل میں ایک نئی تکلیف محسوس کرنے لگی کہ نجانے کہاں بھٹکتا پھرے گا۔ اپنے ساتھ اُسے پوری کائنات اُداس اور غمگین نظر آنے لگی۔ اس وقت جو ہوا باہر دروازوں اور دریچوں کو چھوتی ہوئی گزر رہی تھی اُس پر بھی آہوں اور کراہوں کا شبہ گزرا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ مہرتاب کے روپ میں زندگی اس سے جدا ہو رہی ہے یا پھر زندگی کے کچھ دن گم ہو رہے ہیں۔

دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کمرۂ راحت سے نکلے تو باہر اندھیرا تھا اور زہرہ ستارہ کاشانۂ زہرہ کے اوپر چمک رہا تھا۔

وہ چپ چاپ عقبی حصے کی طرف چلنے لگے۔ اچانک نورِ ناہید آموسی اور ہندوستانی رتھ بان شنکر اس اندھیرے میں عقبی دیوار کے پاس نمودار ہوئے۔ مہرتاب نے شنکر کو اپنے قریب

بلایا اور عبرانی مہمانوں کی حفاظت کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ ہدایات سن کر شنکر نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''پربھو! آپ مہمانوں کی چنتا نہ کریں۔ ریموت اُن تک نہیں پہنچ سکے گا۔''

پھر وہ نورِ ناہید سے سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

''عید بیلس کی رات گزر جانے کے بعد تم ملاحوں کی بستی میں سردار سیسرا سے مل سکتی ہو۔ وہ تمہیں فدیمہ بہارِ حُسن کے پاس لے جائے گا۔ اُس کے زخم مندمل ہو چکے ہیں اور تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔''

یہ ایک سنسنی خیز انکشاف تھا جس پر بیدخت اور شنکر بھی دنگ رہ گئے۔ مارے خوشی کے نورِ ناہید کی آنکھیں بھیگ گئیں اور آواز بھرا گئی۔

''مہرتاب! فدیمہ کو بچا کر تم نے مجھے ایک اور زندگی بخشی ہے۔ میں تمہارے کسی احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔''

''میں کوئی کام کسی بدلے یا صلے کے لئے نہیں کرتا ــــــ بے شک بیدخت سے پوچھ لو۔''

مگر پوچھنے کی نوبت نہیں آئی۔ بیدخت خود بولی۔ ''تم ان باتوں سے بالاتر ہو مہرتاب! تم نے اپنی مہربانیوں کا مجھ سے بھی کوئی صلہ نہیں لیا۔''

وہ پھر نورِ ناہید سے مخاطب ہوا۔

''تمہاری ماں کا ہار فدیمہ کے پاس موجود ہے۔ کیونکہ جب اُسے سُولی دی گئی، ہار اُس کے گلے میں لٹکا دیا گیا تھا کہ شاید کوئی پہچان سکے اور اس کی اصل مالکن کی نشاندہی کر دے۔ چاہو تو لے لینا۔ مگر میری خواہش ہے، ہار اُسی کے پاس رہنے دو۔ اب اُس پر فدیمہ کا حق ہے۔''

''ہار تو کیا، میں اپنی سہیلی کے لئے جان بھی دینے کو تیار ہوں۔''

''اُس نے بھی اپنی جان تم پر قربان کر دی تھی مگر تمہارا نام اپنی زبان پر نہیں لائی کہ کہیں تم پکڑی نہ جاؤ۔ تمہاری خاطر اُس نے ہر دُکھ اپنی جان پر جھیلا۔ وہ کسبی بن کر سُولی پر لٹکی مگر دیوی بن کر سُولی سے اُتری۔ تمہاری طرح اب وہ بھی بازار میں نہیں بیٹھے گی۔ کیونکہ سردار سیسرا کا گھر بسانا چاہتی ہے۔''

یہ اطلاع اگرچہ بڑی خوش آئند تھی مگر نورِ ناہید کے دل میں ایک خطرہ دھڑک رہا تھا جو زبان پر آ گیا۔ ''کہیں اُس ہار کے چکر میں پھر تو نہیں پکڑی جائے گی؟''

''نہیں ___ ریموت کے ہاتھ اب فدیمہ بہارِ حُسن تک نہیں پہنچ سکتے اور نورِ ناہید! میں نے کہا تھا، ایک دن تم بھی لوگوں کو بتا سکو گی کہ پارمیتیو یونانی کی بیٹی ہو اور وہ دن اب دُور نہیں۔''

فرطِ جذبات میں نورِ ناہید آموسی اُس کے قدموں سے لپٹ گئی اور گلوگیر آواز میں بولی۔

''مہرتاب! اب تو دیوتا بھی مجھے تمہارے سامنے بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔''

اُس نے آموسی کو بانہوں سے پکڑ کے اوپر اٹھایا۔ ''میں دیوتا نہیں، آدمی ہوں نورِ ناہید! میرے لئے دروازہ کھولو۔''

نورِ ناہید نے بھیگی آنکھوں سے اُسے دیکھا پھر کسی آہٹ اور آواز کے بغیر دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ صبحِ کاذب کے ملگجے اندھیرے میں دُور دُور تک کسی کا سایہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اشارہ کیا کہ راستہ صاف ہے۔ مہرتاب رخصت ہونے سے پہلے آخری بار زہرہ جمال سے مخاطب ہوا۔

''بیدخت! میں جا رہا ہوں مگر واپس آؤں گا۔''

اس میں ایک اشارہ تھا جو بیدخت سمجھی یا نہیں سمجھی لیکن بے چینی سے بولی۔ ''مہرتاب! اپنی حفاظت کرنا۔''

وہ کمر میں لٹکتی تلوار کو چھپاتا پارے کی لہر کی طرح بڑی تیزی سے نکل گیا۔

بیدخت کھلے دروازے سے اُسے جاتے دیکھتی رہی اور اس قدر پریشان اور بے کل تھی جیسے جان پیکر سے نکلی جا رہی ہو۔ اُس نے ایک ہاتھ سے کواڑ اور دوسرے ہاتھ سے نورِ ناہید آموسی کو تھام رکھا تھا کہ کہیں صدمے سے نڈھال ہو کر گر نہ جائے۔ آموسی کا دل بھی سینے میں دھک دھک کر رہا تھا اور شنکر دیوار کے ساتھ لگا اُداس اور مضمحل نظر آ رہا تھا۔ مہرتاب انہیں چھوڑ گیا مگر اُن کے دل اپنے ساتھ ہی لیتا چلا گیا جو محبت کے مختلف جذبوں میں بندھے ہوئے تھے۔

پو پھٹنے لگی تھی اور اس کے مدھم اُجالے میں وہ ایک ہیولے کی مانند کاشانۂ زہرہ سے دُور اور دُور ہوتا چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں ایک سایہ نجانے کہاں سے نکل کر اُس کے سامنے آ گیا

اور دُوری کے باوجود بیدخت زہرہ جمال نے، آموسی نورِ ناہید نے اور شنکر نے پہچان لیا کہ وہ سایۂ اجل ریموت ہے جس نے اُس کا راستہ کاٹا ہے اور یہ دیکھ کر کہ جس بات کا خطرہ تھا وہ پیش آ گئی ہے۔ تینوں کے دل دھک سے رہ گئے اور جسم کانپنے لگے۔ کیونکہ ریموت کو دیکھتے ہی مہرتاب نے تلوار کھینچ لی تھی۔ بیدخت کے ہونٹوں پر سسکی تڑپ گئی، اور دونوں ہاتھوں سے نورِ ناہید کو تھام لیا۔

دھیرے دھیرے پھوٹتے اُجالے میں وہ کش مکش شروع ہو گئی جسے دونوں نجانے کب سے ٹالتے چلے آ رہے تھے۔ مگر وہ لمحہ تو انتہائی حیرت اور خوف کا تھا جب انہوں نے ریموت کے علاوہ تین اطراف سے تین اور سایوں کو مہرتاب پر لپکتے دیکھا۔ ریموت نے اپنے تین تیغ زنوں کے ساتھ اُسے گھیر لیا اور وہ تنہا تھا۔

بیدخت دل پکڑ کے دروازے میں بیٹھ گئی کہ نجانے کیا ہوا چاہتا ہے ___ شنکر نے دروازہ سے نکلنے کی کوشش کی کہ بھاگ کر مہرتاب کی مدد کو پہنچ جائے لیکن نورِ ناہید نے اُسے روک دیا اور بولی۔

''شنکر! اپنی جان کے ساتھ دشمنی نہ کرو۔ اُسے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔''

بیدخت کی سسکی سنائی دی۔ ''نورِ ناہید! وہ تنہا ہے۔''

''مگر کمزور نہیں۔''

''اگر اُسے کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی۔''

''ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالو بیدخت! اُس کی تلوار کا لوہا سخت ہے۔''

''وہ چاروں اس پر جھپٹ رہے ہیں۔''

''آندھی درخت گراتی ہے، پربت نہیں۔''

اس کے ساتھ ہی منظر میں کچھ تبدیلی ہوئی اور ایک ''سائے'' کا سرتن سے جدا ہو کر گرا جس نے دوسروں پر دہشت طاری کر دی اور وہ اس سے بچنے اور ہٹ ہٹ کے وار کرنے لگے۔ اصل مقابلہ ریموت سے تھا جو اپنے تیغ زن کی ہلاکت پر کچھ اور مشتعل ہو گیا لیکن جانتا تھا کہ حریف کوئی معمولی آدمی نہیں۔ تیغ زنی میں وہ جنگجو بیلشازار کو بھی مات دے چکا ہے اور اُسے صرف کسی داؤ سے زیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر مہرتاب اُس کے ہر داؤ کو کاٹتا رہا۔ بہرحال گرفتاری کا ایک فرض تھا جو ریموت کو ادا کرنا تھا اور یہ فرض اُن دونوں میں سے کسی ایک کی

موت پر ختم ہو سکتا تھا۔

کھلے دروازہ سے جب بیدخت نے ایک "سائے" کو کٹتے دیکھا، اس کے ہونٹوں سے ایک چیخ سی نکل گئی۔ سر کٹنے کا منظر بڑا خوفناک تھا۔

مدھم اندھیرا ہولے ہولے صبح کے اُجالے میں تبدیل ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مہرتاب کے لئے خطرہ بھی بڑھ رہا تھا کہ دن کے اُجالے میں کچھ اور "سائے" بھی کہیں نہ کہیں سے نکل آئیں گے اور اس کے لئے بہت سی مشکلیں پیدا ہو جائیں گی۔ غالباً یہی سوچ کر اُس کے بازو بڑی تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ وہ ریموت پر وار کر رہا تھا اور اس کے ساتھیوں کے وار بچا رہا تھا۔ پھر اُسے دھکیلتا ہوا ایک طرف لے گیا اور اپنا مخصوص ہاتھ چلانے والا تھا کہ ریموت نے اُس کی زد سے نکل کر خطرناک وار کر دیا جس کے نتیجے میں اُسے خود پیچھے ہٹنا پڑا۔

یہ کش مکش بڑی بھیانک تھی اور اب ریموت اسے جان بوجھ کر طول دے رہا تھا کہ دن کا اجالا پھیل جائے ـــــ مگر مہرتاب اجالا پھیلنے سے پہلے موت کی اس کشمکش کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

اُس نے ایک پل کے لئے ریموت کا دھیان بٹتے دیکھا تو اپنا مخصوص ہاتھ چلا دیا۔ وہ زخمی ہو کر لڑکھڑانے لگا اور تلوار بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اگر مہرتاب چاہتا تو دوسرے وار میں اُس کا سر قلم کر سکتا تھا مگر خود پیچھے ہٹ گیا۔

ریموت گرا تو دوسرے ساتھی نے اُسے سنبھالنے کی کوشش اور مہرتاب تیسرے "سائے" کو جامِ مرگ پلاتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ نمیتی بل کے جنوبی حصار کی طرف ہو لیا۔

مقابلہ اگرچہ بے حد خطرناک تھا لیکن دن کا اُجالا پھیلنے سے پہلے ختم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کاشانہ زہرہ کا عقبی دروازہ بند ہو گیا اور بیدخت زہرہ جمال نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کے لئے بند کواڑ کا سہ لے کر گردن اوپر اٹھائی تو چہرے پر صبح کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔

نور ناہید اُسے چاہِ بابل کے حصار کی ہولناک روداد سنا چکی تھی مگر جو کچھ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ ناقابلِ فراموش اور انتہائی سنسنی خیز تھا کیونکہ آج تک کسی کی تلوار ریموت کے جسم کو نہیں چھو سکی تھی اور مہرتاب اُسے زخمی کر کے پھینک گیا تھا۔

یہ احساس بیدخت کے لئے بڑا مسرت انگیز تھا کہ اُس کا محبوب صرف شکل و شباہت میں، قد و قامت میں، بول چال میں، فہم و فراست میں یگانہ نہیں بلکہ بہادری اور تیغ زنی میں بھی اپنی نظیر آپ ہے۔

(53)

گنے ہوئے دن

◎

آسمان پر بھی اور زمین پر بھی۔ ہر بات کی ایک ساعت اور ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ بابل میں ہر بات مقررہ وقت پر ہو رہی تھی۔ ہر واقعہ اپنے غیر معمولی نتائج کے ساتھ ظہور میں آرہا تھا۔

جس طرح تقدیر کی کوئی نوشت اپنے لفظوں، اشاروں، استعاروں کے معنی رکھتی اور ان معانی کے ساتھ پوری ہوتی ہے اسی طرح ارضِ بابل جو کبھی مملکتوں کی خاتون کہلاتی اور عظمتوں کا نشان سمجھی جاتی تھی ایک طرف کورش[1] ہخامنشی کے محاصرے میں تھی جو دنیا میں ''شاہوں کا شاہ'' کہلاتا اور جس کی سپاہ میں کئی ملکوں، کئی سلطنتوں اور قوموں کا اجتماع تھا تو دوسری جانب معبد حران کے واقعہ اور راہول کاہن کی شہادت نے شاہ بنونید کو لرزا دیا اور اس کا تاجِ شاہی زمین پر گرا دیا تھا مگر بیلشازار نے اسی تاج کو تلوار کی نوک سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور ''شاہِ دوراں'' بن بیٹھا تھا۔

---

[1] ''خداوند اپنے ممسوح خورس (کورش) کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیا کہ اُمتوں کو اس کے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اس کے لئے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کئے جائیں گے۔ تیرے آگے آگے چلوں گا اور ناہموار جگہوں کو ہموار بنا دوں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کروں گا اور لوہے کے بینڈوں کو کاٹ ڈالوں گا۔'' (عہد نامۂ قدیم۔ کتاب یسعیاہ باب 45 نشان 1)

کورش نے بابل کی تسخیر کے لئے عیدِ بیلس کی رات مقرر کی تھی جیسا کہ سردار سیسرا جھیل سمیرامیس کے ایرانی پڑاؤ سے خبر لے کے آیا تھا اور جس طرح ہاروت ماروت نے کہا تھا کہ بابل کے دن گنے جا چکے تھیں۔ تو گنے ہوئے دن نہ گھٹ سکتے، نہ بڑھ سکتے تھے اور یہ انہی گنے ہوئے ایام کا آخری عشرہ تھا کیونکہ عیدِ بیلس میں صرف نو دن باقی رہ گئے تھے، جب مہرتاب ریموت کو تلوار کا زخم لگا کر چھوڑ گیا اور نیمیتی بل کے جنوبی حصار کی طرف نکل گیا۔ حالانکہ اُسے قتل بھی کر سکتا تھا۔

ریموت کے زخمی ہونے کی خبر ملی (جسے لوگوں سے پوشیدہ رکھا گیا) تو بیلشازار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ بنوسلان کے بعد ریموت ہی ایک ایسا آدمی تھا جو حکومت کی ہیبت اور دہشت کا نشان سمجھا جاتا اور ''سایۂ اجل'' کہلاتا تھا۔ اگرچہ خود بھی مہرتاب کا زور آزما چکا اور جانتا تھا کہ اس کی تلوار کا وار سخت اور بازو مضبوط ہیں لیکن وہ ریموت کو زخمی کر کے اور اس کے دو ''سایوں'' کو کاٹ کر نکل گیا تو اس کی صحیح طاقت کا اندازہ ہوا اور یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ بنوسلان جیسے خونخوار آدمی کا قاتل بھی صرف وہی ہو سکتا ہے۔ اب اُسے گرفتار یا ہلاک کرنا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ اُسے راستے سے ہٹا کر ہی شہزادی شمورہ تک پہنچ سکتا اور اپنا اقتدار مکمل کر سکتا تھا۔ شمورہ کے کمرے میں اُس کا بازو بند دیکھ کر سمجھا تھا کہ دیوتاؤں نے اُس کی ساری مشکلیں آسان کر دی ہیں اور ریموت بہت جلد زندہ یا مُردہ اُس کے قدموں میں لا پھینکے گا۔ لیکن حالات کی صورت بدل گئی اور وقت کی رفتار کچھ اور اشارہ کر رہی تھی کہ وہ اس کے لئے بہت بڑا خطرہ بن سکتا ہے کیونکہ شہزادی شمورہ اُسے چاہتی ہے۔

سپاہی، جاسوس، خفیہ گماشتے چوری چھپے نیمیتی بل اور ایمگو ربل کے جنوبی حصاروں کے درمیان پھیلی اڑھائی میل چوڑی پٹی پر پھیل گئے۔ اُس پٹی پر مصنوعی جھیلیں تھیں جن میں فرات کی نہروں کا پانی لہریں لیتا تھا۔ کھیت باغات تھے۔ کھجوروں کے نخلستان اور انگوروں کے تاکستان تھے۔ اینٹوں کے بھٹے تھے جہاں یہودی غلاموں سے مشقت لی جاتی، کہیں کہیں سمیریوں کی قدیم گاؤدم مخروطی عبادت گاہیں تھیں جن میں بعض کھنڈروں کی شکل اختیار کر چکی اور مفرور مجرموں کی پناہ گاہ کا کام دے سکتی تھیں۔

جنگ اور محاصرے کے باعث اگرچہ نیمیتی بل اور ایمگو ربل کی شمالی پٹی خالی کرا لی گئی اور وہاں کلدانی فوجیوں نے ڈیرے ڈال دیئے تھے کیونکہ ایرانی سپاہ نے شمال ہی کی جانب محاصرہ

کر رکھا تھا مگر جنوبی پٹی پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ جنوب ہی کی طرف ایمگو ربل کے باہر فرات کی دریائی بندرگاہ تھی جہاں جنگ کے زمانے میں بھی تاجروں، آڑھتیوں، گداگروں، کسبیوں اور عاشقوں کا ہجوم رہتا تھا۔

خیال تھا مہرتاب نے جنوبی پٹی پر کہیں پوشیدہ ٹھکانہ بنا رکھا ہے مگر دو روز کی تلاش کے باوجود اس کا کوئی نشان نہ مل سکا۔ ہر گزرنے والے دن کے ساتھ بیلشازار کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ ہر بیتنے والی رات اُسے ناکامی کا احساس دلا رہی تھی۔ مہرتاب آخری بار صرف کاشانہ زہرہ سے نکلتے دیکھا گیا تھا پھر وہ کہیں نظر نہ آ سکا۔

ریموت کے زخمی ہو جانے کے بعد اس امر کی مزید احتیاط کی گئی کہ کوئی شخص اس کی تلاش و جستجو کے بارے میں کچھ نہ جان سکے۔ محکمۂ خفیہ کی اطلاعات کے مطابق قومی مجلس میں پیش ہونے والے مقدمے کی خبر لوگوں تک پہنچ گئی اور اُن میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ بادشاہ اصل بنونید کا قاتل اور غاصب ہے۔ حالانکہ بادشاہ کی ذات پر نکتہ چینی جرم قرار دے دی گئی تھی۔ لوگوں نے یہ بھی سن لیا تھا کہ قومی مجلس کے بڑے بڑے کاہن اور سردار (جن میں سردار زریا کا نام خاص طور سے لیا جا رہا تھا) شہزادی شمورہ کو ملکۂ بابل بنانے کے حق میں ہیں۔ شہزادی دیوی اِشتار کی کاہنہ اور حکمت شناس ہونے کی وجہ سے لوگوں میں مقبول تھی۔ اس لئے اس کے محبوب کی تلاش کا اشتہار دینا سراسر خلافِ مصلحت تھا کیونکہ اس صورت میں لوگ اُسے اپنے گھروں میں پناہ دے سکتے تھے۔

اگر بیلشازار سمجھتا تھا کہ شہزادی شمورہ مہرتاب کی تلاش و گرفتاری کی مہم سے بے خبر رہے گی تو یہ اس کی کم عقلی اور کم فہمی تھی۔ اپنی بے خبری سے (کیونکہ نہیں جانتی تھی کہ قدیمہ کسبی کی سولی کے نیچے کوئی بازوبند ملا ہے) وہ مہرتاب کے بازوبند کے متعلق یہ انکشاف کر کے کہ بیلشازار کے رقیب کا ہے اس کے لئے بہت بڑی مصیبت تو پیدا کر چکی تھی مگر بھائی کے رویے سے چونک ضرور گئی اور دوسرے ہی دن معلوم کر لیا کہ مہرتاب کی تلاش اور گرفتاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اُس نے اپنے وفادار غلام اکتانا کو تنہائی میں طلب کیا اور بتایا کہ اُسے ایک بار پھر مہرتاب کو تلاش کرنا اور یہ پیغام پہنچانا ہے کہ وہ ریموت اور اُس کے ''سایوں'' سے خبردار رہے۔

اکتانا نے بھانپ لیا تھا کہ باغاتِ معلقہ کی نگرانی ہو رہی ہے لیکن وہ اس خفیہ راستے سے جو باغات اور ایوانِ مالکوب کو ملاتا تھا باہر نکل گیا۔ دوسرے دن لوٹا تو اس بار مہرتاب کو کہیں

تلاش نہ کر پایا تھا۔ پھر بھی اس کے پاس اپنی مالکہ کے لئے ایک سنسنی خیز خبر تھی اور خبر یہ تھی کہ مہرتاب سردار ریموت کو زخمی اور اس کے دو ''سایوں'' کو ہلاک کر کے جنوب کی طرف نکل گیا ہے۔

یہ اطلاع بے شک اطمینان کا موجب تھی۔ مگر شہزادی شمورہ بے حد پریشان ہو گئی کیونکہ مہرتاب نے ریموت پر تلوار اُٹھا کر اعلانِ جنگ کر دیا تھا اور یہ بڑا بے ڈھب کام ہوا تھا۔ کیونکہ اب بیلشازار اُس کی تلاش و گرفتاری کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا۔

❁

عیدِ بیلس میں سات دن باقی تھے جب ایک اور حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا۔

سردار نرقال کے فوجی مخبروں نے اطلاع دی کہ کورش کے لشکری گزشتہ دنوں فرات کی ان دو بستیوں پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے تھے وہاں ایرانی سپاہ کا ایک بڑا دستہ پہنچ گیا ہے۔ پہلے یہی سمجھا گیا تھا کہ ایرانیوں نے خوراک اور شراب حاصل کرنے کے لئے بستیوں کو لُوٹا ہے۔ ورنہ وہ ایک سال قبل بابل کی جس عظیم المرتبت اور ناقابلِ تسخیر فصیل سے سر ٹکرا کے لوٹ گئے تھے، اُس کی طرف پیش قدمی کر کے کیا لیں گے۔ لیکن مخبروں کا بیان تھا نیا لشکر کوئی گشتی دستہ بھی نہیں۔ کیونکہ ریاست عیلام کا حکمران شاہ گوبارو، جو ایرانی شہنشاہ کا خسر اور اس کی طرف سے مہمِ بابل کا سربراہ ہے خود اس لشکر کی کمان کر رہا ہے۔ یہ اطلاع حیران کر دینے والی تھی۔

سلطنتِ کالدیا کے شمالی اور مشرقی علاقے کے شہر نینوا، اشور، شوشان، خافاجہ اور سیپار وغیرہ ایرانی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے البتہ صوبہ بابل (جسے بابلیون کے نام سے یاد کیا گیا) کے اہم شہر اردو (ابوشہرائین) اُر (تل المقابر) لارسا (طل سنکارہ) اورک، لاگارش، اُمّہ اور نیپر فتح نہ ہوئے تھے اور بابل بھی اپنے نیرنگِ زمانہ حصار کے باعث ابھی تک محفوظ تھا۔

قریباً ایک سال قبل کورش بابل کا محاصرہ چھوڑ کر سولہ میل دُور جھیل سیرامیس پر پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گیا تھا۔ وہیں کالدیا کے مفتوحہ علاقوں کا خراج اُس کی خدمت میں پیش کیا جاتا رہا اور کلدانی جاسوسوں کے بقول ایرانی لشکر کھیل کود سے دل بہلانے لگے مگر کورش اپنی سپاہ کے ہمراہ ایک ایسا ''کھیل'' کھیلنے میں مصروف تھا جو بابل کے غیب دانوں، ساحروں، منجموں، ماہ بہ ماہ خبر دینے والے ستارہ شناسوں، دانشوروں، فوجی سرداروں اور بزرگ کاہنوں کے علاوہ ان کے دیوتاؤں کے دلوں میں بھی ہول اور جسموں پر لرزہ طاری کر دینے والا تھا۔ کیونکہ جب ایرانی

سپاہ کا ایک حصہ کھیل کود سے دل بہلا رہا ہوتا، دوسرا حصہ جھیل سمیرا میس اور دریائے فرات کے درمیان ایک نہر کی کھدائی میں مصروف رہتا تھا۔

کلدانی لشکر اور بابل کے شہری ایمگور بل اور نیمیتی بل کے بلند حصاروں کے اندر خود کو محفوظ سمجھتے تھے۔

کیونکہ ان مضبوط فصیلوں کی تسخیر انسانوں کے بس کی بات نہ تھی لیکن بابل کے حق میں قضا وقدر کا لکھا پیش آنے والا تھا۔ ایرانی شہنشاہ نے شہر میں اپنے داخلے کی تاریخ مقرر کر دی تھی اور شاہ گوبارو فرات کے ساحلوں اور جنگل بیلوں کا جائزہ لینے آیا تھا۔

جونہی یہ خبر بیلشازار تک پہنچی پہلے تو دنگ رہ گیا کہ گوبارو کا آنا خالی از علت نہیں ہو سکتا پھر تڑپ کر اُٹھا کہ دیوتاؤں نے اس کے لئے شکار بھیجا ہے۔ اُسی شام محل سے نکلا اور اپنے خاص رسالہ کے آگے آگے ایمگور بل کے شمالی برجوں کی طرف روانہ ہوا۔ سردار نرقال اُس کی مستعدی دیکھ کر حیران ہوا۔

بیلشازار شب خون کے ارادے سے آیا تھا لیکن سردار نرقال کا خیال تھا شب خون سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور اُس کا بہ نفسِ نفیس ایک خطرناک مہم پر نکلنا کسی صورت میں مناسب نہیں ہو سکتا۔ بیلشازار اپنی رائے کے سامنے دوسروں کی رائے کو حقیر سمجھتا تھا۔ درشت اور پُررعب آواز میں بولا۔

''سردار نرقال! ہم تمہاری رائے کو اہمیت دیتے ہیں پھر بھی تمہاری رائے ہماری رائے سے افضل نہیں ہو سکتی۔ دشمن قدم قدم آگے بڑھ رہا اور شوشان[1] کا بوڑھا گیدڑ ہمارے کھیتوں میں آ گھسا ہے۔ اگر ہم نے اس پر قابو پا لیا اور گوبارو کا سر اپنے نیزے پر چڑھا لائے تو کورش پر ہماری ہیبت طاری ہو جائے گی اور بابل کے اندر بھی ہم سب سے بڑی بازی جیت لیں گے۔''

شمالی فصیل میں پیتل کا بھاری اور مہیب دروازہ کھول دیا گیا اور بیلشازار اپنے رسالہ سمیت خندق عبور کر کے رات کے اندھیرے میں دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا۔ شمالی برجوں کے محافظ چوکس اور ایمگور بل کی بلندی پر گشت کرنے والے کلدانی پہرے دار بڑے چاق و چوبند ہو گئے کہ شاید شب خون کے دوران شاہِ دوراں کو کسی فوری کمک کی ضرورت پیش آ

[1] شوشان ریاست عیلام کا دارالحکومت اور گوبارو کا شہر تھا۔ (قمراجنالوی)

جائے۔ اس لئے ان کی نظریں اندھیرے میں بھی بار بار فرات کے ساحلوں پر پھیلے بیلوں، جنگلوں اور چراگاہوں کی طرف اُٹھتی رہیں۔ مگر ہوا یہ کہ رات کے تیسرے پہر جنگجو بیلشازار ایمگور بل میں لوٹ آیا مگر اس کے نیزے پر کسی کا سر نہیں تھا۔ چہرے پر ناکامی اور جھنجھلاہٹ کے آثار ضرور تھے۔

جونہی شب خون مارنے والا رسالہ، جس کی نفری کچھ کم ہو گئی تھی فصیل میں داخل ہو چکا، شمالی دروازہ پھر بند کر دیا گیا۔ ایرانی سپاہ نے تعاقب نہیں کیا مگر لڑائی میں بہت سے سوار زخمی ہوئے اور بہت سے زندہ انسانوں کی فہرست سے خارج کر دیئے گئے۔ شب خون بہت مہنگا پڑا۔ بیلشازار شاہ گوبارو کا سر کاٹنے نکلا تھا مگر خود اس کے پھندے سے بمشکل نکل سکا۔

ریموت کے زخمی ہونے کی خبر عام لوگوں سے چھپا لی گئی لیکن شب خون کی ناکامی نہ چھپ سکی۔ بیلشازار کو بچاتے بچاتے متعدد سوار ہلاک اور متعدد شدید زخمی ہوئے جن کے گھاؤ ایرانی تلواروں کے آب دار لوہے کی کہانی بیان کرتے رہے۔

اُس نے ایرانیوں کے خلاف کئی جنگیں ہاری تھیں اور اپنی فوجی بے تدبیری سے کئی گل کھلائے تھے۔ البتہ ایک سال کے طویل محاصرے میں نہ کوئی قابلِ ذکر معرکہ لڑا گیا، نہ ایرانی بابل کی نیرنگِ زمانہ فصیل کے قریب پھٹک سکے جس سے کلدانیوں کا یہ اطمنان یقین کی صورت اختیار کر گیا تھا کہ ایمگور بل اور نیمیتی بل کے اندر وہ بالکل سلامت ہیں مگر بیلشازار کی تازہ ناکامی نے یقین کی اس دیوار میں ایک دراڑ پیدا کر دی۔

یہ خبر پہلے فوج کے حلقے میں پھیلی پھر لوگوں تک پہنچی۔ انہوں نے بدنصیبی کا شگون لیا کاہنوں اور سرداروں کا خیال تھا دیوتا بیلشازار سے ناراض ہو گئے ہیں۔ اب وہ بابل کی حفاظت بھی نہیں کر سکے گا۔

آسمانوں کی کتاب کا ایک اور ورق کھل گیا۔ منجم اور غیب دان بھیانک حالات کی خبر دینے لگے۔ لوگوں میں خوف کی سنسنی پھیلنے لگی کیونکہ بنوخم ہو رہا تھا اور مردوک کی خدائی کے دن تھوڑے رہ گئے تھے۔

اُسی روز سردار زریا نے باغاتِ معلقہ کے ساتویں حلقہ میں شہزادی شمورہ سے ملاقات کی اجازت حاصل کی اور بتانے لگا۔

''قومی مجلس شاہ بنونید کے مقدمے کا فیصلہ نہیں کر سکی کہ آیا اُس کا بخت نصر کے گھرانے

سے کوئی تعلق ہے یا وہ اصل بنونید کا قاتل ہے لیکن بیلشازار نے مقدس ہیکل میں دیوتاؤں کی آنکھوں کے سامنے دو کاہنوں کا خون بہا کر دینِ اکد کی کھلی اور بدترین خلاف ورزی کی۔ اس لئے کاہن اور سردار اس کی حکومت پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں شہزادی شمورہ ملکۂ بابل بننے کا اعلان کر دے تو ہیکلوں، معبدوں اور مندروں کا پورا حلقہ اُس کے ساتھ ہوگا۔ یہ بات مذہبی امور کا سربراہ زریہ کہتا ہے۔"

وہ مقدس زریہ کا نام سن کر چونکی جو بیلشازار کا خاص معتمد تھا اور بولی۔

"سردار زریا! صرف کاہنوں اور پروہتوں سے حکومت نہیں چلائی جاتی۔"

"صرف کاہن اور پروہت نہیں۔" بوڑھے زریا نے وضاحت کی۔ "مارنبوئی کے اشراف، دیوی ایشتار کے پرستار فوجی، قبیلوں کے سردار، بابل کے تاجر، آڑھتیے اور عوام تمہاری حمایت کریں گے اور یہ بات میں کہتا ہوں۔"

شمورہ جانتی تھی لوگ اس کے حامی ہیں اور فوج میں اس کے پرستاروں کا ایک حلقہ موجود ہے کیونکہ وہ خاتونِ اورک ایشتار کی کاہنہ ہی نہیں، اس کی زبان بھی سمجھی جاتی تھی اور ایشتار رزم کی دیوی اور اپنے دو شوہروں کے ساتھ بابل میں سب سے زیادہ مقبول تھی۔ مگر حالات اچانک تبدیل ہو گئے تھے۔ شاہ بنونید عمر بھر جس بیٹے کی سرکشی سے نالاں رہا اب اسی سے مل گیا بلکہ اس کا آلۂ کار بن کر بیٹی کو مجبور کر رہا تھا کہ بھائی کی زوجہ بن کر اس کی ذات کو تقویت دے اور اُسے ایک بڑا حکمران بنائے۔ ان حالات میں جب بیلشازار نے اپنی ہوشیاری اور فوجی طاقت سے "شاہِ دوراں" ہونے کا اعلان کر دیا اور بابل کے سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا تھا، سردار زریا کی پیش کش حیرت انگیز تھی۔

حکمت شناس شمورہ نے معاملے کی صورت پر غور کیا۔ جنگجو اور گھمنڈی بھائی کی ہٹ، سرکشی اور سینہ زوری کے بارے میں سوچا۔ اپنی حالت کا بھی اندازہ لگایا کہ کہاں کھڑی ہے اور بڑی دانائی کے لہجے میں کہنے لگی۔

"سردار زریا! ہم اس وقت حال اور مستقبل کے درمیان کھڑے ہیں۔ حال ہمارا اپنا ہے لیکن مستقبل اُس اولاد کی مانند ہے جو کبھی فرمانبردار اور کبھی ناخلف ہوتی ہے۔ اس لئے مستقبل کی امید پر حال کو ضائع کر دینا دانائی نہیں۔"

بوڑھا سردار یہ جواب سن کر حیران رہ گیا کہ شاید باپ اور بھائی کے خلاف کوئی قدم

اُٹھانے سے ہچکچا رہی ہے۔

"مگر تمہیں ملکہ بنانے کا فیصلہ بابل کے بہتر مستقبل کے لئے کیا گیا ہے۔ منجم بھیانک خبریں دے رہے ہیں۔ کاہنوں اور سرداروں کا خیال ہے کہ بیلشازار جس نے کورش کے مقابلے میں ہر جنگ ہاری ہے، بابل کی حفاظت نہیں کر سکتا۔"

"بابل دیوتاؤں کا شہر ہے اور وہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔"

"مگر دیوتا آپ سے آپ کچھ نہیں کرتے۔ وہ کسی کو اپنا وسیلہ بناتے اور غیبی اشاروں سے اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ بیلشازار دیوتاؤں کو ناراض کر چکا ہے۔ وہ اسے اپنا وسیلہ نہیں بنائیں گے۔ جبھی تمہیں ملکۂ بابل بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔"

"زیگورات میں ہم نے کیا کہا تھا؟ غالباً یہ کہا تھا کہ پہلے بادشاہ کو اپنی صفائی پیش کرنی چاہئے۔ جب تک قومی مجلس اُس کا بیانِ صفائی مسترد نہ کر دے، وہ معزول نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن بادشاہ خود معزول ہو گیا اور بیٹے کو اقتدار سونپ چکا ہے جو ہیکل کی تقدس کا مجرم ہے۔ مقدس زریہ کا خیال ہے، بادشاہ کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ نہیں اور راہول کاہن نے اُس کے خلاف جو شہادت دی وہ درست معلوم ہوتی ہے۔"

"پھر تو بیلشازار کی طرح ہم بھی اپنے باپ کے وارث نہیں ہو سکتے۔"

"تمہارا معاملہ بیلشازار سے مختلف ہے۔ تم ایشتار کی کاہنہ ہو۔ دیوتاؤں کی پیاری ہو۔ دُخترِ بابل ہو۔ اس لئے صرف تم ملکۂ بابل بن سکتی ہو۔"

شہزادی شمورہ نے ایک بار پھر حالات پر غور کیا اور بولی۔

"سردار زریا! جو کچھ کہہ رہے ہو وہ ہم سمجھ رہے ہیں مگر جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ تم نہیں سمجھ رہے۔ اگر تمہارے پاس سننے کے کان ہیں تو بات مختصر الفاظ میں یوں ہے کہ ہمارا خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق ہے، تو بھی۔ نہیں ہے، تو بھی ہم اپنی سرزمین کے وفادار ہیں جس کی مٹی ہمارے وجود کا حصہ بن چکی ہے اور اس وقت جب دشمن بابل کو گھیرے میں لئے بیٹھا بلکہ کچھ اور قریب آ گیا ہے، ہم کلدانی لشکروں کو، سرداروں کو، کاہنوں کو تقسیم کرنا نہیں چاہتے۔"

سردار زریا اُس کے جذبۂ حُب الوطنی سے متاثر ہوا۔ "مگر کلدانی لشکر، سردار، کاہن صرف تمہاری ذات پر متفق اور متحد ہو سکتے ہیں، بیلشازار پر نہیں۔ جس کا قسمت نے کسی میدان میں ساتھ نہیں دیا۔"

"قسمت کس کا ساتھ دیتی ہے کس کا نہیں دیتی، یہ بات صرف دیوتاؤں کی مرضی پر منحصر ہے۔" شمورہ نے لفظی طور پر زیریا کی تائید کی مگر ساتھ ہی ایک نیا پہلو پیش کیا۔ "ہمارے نزدیک پہلے پدرِ محترم کے مقدمے کا فیصلہ ہونا چاہئے تھا، حکومت اور اختیارات کا بعد میں۔ کیونکہ انصاف یہی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ نہ پدرِ محترم نے اپنی صفائی پیش کی، نہ قومی مجلس کوئی فیصلہ صادر کر سکی اور حالات کی صورت یک لخت بدل گئی۔ پھر بھی فیصلہ ہوگا اور اُس دن ہوگا جب مقدس گوما اپنے اعتکاف سے باہر آئے گا۔ اس سے پہلے کوئی اقدام مناسب نہیں۔ اُس نے کہا تھا کہ ہر طرف خون ہی خون ہے۔ ہوسکتا ہے وہ خون ہمارا ہو، بیلشازار کا ہو یا پھر تمہارا ہو۔ کیونکہ تم جو تجویز لے کر آئے ہو وہ ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھانے والی بات ہے اور جب تلوار اُٹھتی ہے تب خون بہتا ہے۔ اس لئے عیدِ بیلس تک، جب تک دانائے فرات اپنے حجرۂ فرات سے باہر نہیں آجاتا، انتظار کرو۔ اگر اس نے تمہاری تجویز سے اتفاق کیا تو ہم بھی انکار نہ کریں گے۔"

یہ بات زیریا بھی جانتا تھا کہ بیلشازار کے مقابلے پر شہزادی شمورہ کو ملکۂ بابل بنانے کا نتیجہ خانہ جنگی اور خونریزی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ شاید وہ اور اس کے حامی سردار مقابلہ کے لئے تیار بھی نہ تھے لیکن اب اُس نے محسوس کیا کہ حکمت شناس شمورہ نے ایک ٹیڑھے معاملے کا سیدھا حل نکالا ہے۔

عیدِ بیلس میں سات دن ہی تو رہ گئے تھے۔ اُس نے شہزادی کی رائے سے اتفاق کیا۔
"میں زریہ سے کہہ دوں گا کہ تم نے فیصلے کی تاریخ عیدِ بیلس ٹھہرائی ہے اور فیصلہ گوما کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی یہ ملاقات ختم ہوئی اور شہزادی شمورہ سردار زیریا کو رخصت کر کے نئی سوچوں میں کھو گئی۔ بابل کے حالات بڑی تیزی کے ساتھ بگڑ رہے تھے۔ کاہن اور سردار بیلشازار کے خلاف ہو گئے تھے مگر یہ بھی جانتی تھی کہ بڑے بڑے فوجی سردار اُس کے ساتھ ہیں اور وہ حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کرتا چلا جا رہا ہے۔ بے شک اُس نے شکستیں کھائی تھیں پھر بھی ذاتی شجاعت اور جنگ جوئی کے باعث فوجی اس سے مرعوب تھے۔ ہر شکست کے بعد وہ ایک نیا میدان تلاش کرتا، کوئی نیا منصوبہ بناتا اور حالات کو یا موسم کی خرابی کو اپنی شکست کا ذمہ دار ٹھہراتا تھا۔

کاہن، سردار، فوجی افسر سب یہی سوچ رہے تھے اُس نے ایرانی سپاہ پر شب خون اس لئے مارا کہ شوشان کے حاکم گوبارو کو گرفتار یا قتل کر کے اُدھر کورش کو خوفزدہ کر دے، ادھر ان لوگوں کو بھی اپنا گرویدہ بنا لے جو ابھی تک اُس سے برگشتہ تھے تاکہ سب کے دلوں پر اُس کی شاہانہ عظمت اور ہیبت طاری ہو جائے۔ لیکن پورے بابل میں صرف شمورہ جانتی تھی اُس نے شب خون کیوں مارا اور شاہ گوبارو کا سر کس لئے قلم کرنا چاہتا تھا؟
شمورہ ہی نے گوبارو کا سر اپنی زوجیت کی شرط میں طلب کیا اور شاید یہ سوچا تھا کہ بیلشازار اتنی کڑی شرط پوری نہیں کر سکے گا مگر جب سنا کہ رات وہ شاہِ عیلام کا سر کاٹنے نکلا تو دم بخود رہ گئی۔ اگرچہ وہ شرط پوری نہ کر سکا اور ناکام لوٹا تھا پھر بھی اس واقعہ سے ایک خاص جذبے کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ شمورہ کو حاصل کرنے کے لئے کس قدر دیوانہ ہو رہا ہے۔ یہ دیوانگی اُسے کسی غلط اقدام پر بھی مائل کر سکتی تھی کیونکہ اب وہ مطلق العنان اور بہ نوکِ تیغ ہر حکم کی تعمیل چاہتا تھا۔

یہ خیال بالکل درست ثابت ہوا۔ جنگجو اور متلون مزاج بیلشازار اُسی رات اچانک ملاقات کے لئے آدھمکا۔ اُس کی آمد کا علم اس وقت ہوا جب باغاتِ معلقہ کے چھٹے حلقے میں شاہی رتھ کے رُکنے کی آواز آئی (کیونکہ رتھ ساتویں حلقے پر نہیں جا سکتا تھا) اور "مردوکِ جنگ، شاہِ دوراں، شاہِ دوراں" کا شور اُٹھا۔

وہ اپنے رتھ بان اور محافظ سواروں کو نیچے ہی چھوڑ آیا اور تنہا ساتویں حلقے میں پہنچا تو اقلیم حیرہ کی عرب کنیز بلقیس بھاگی بھاگی کمرۂ خاص میں داخل ہوئی اور شہزادی شمورہ کو بیلشازار کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ استقبال کے لئے خود باہر نکلی تو بیلشازار غلام گردش میں پہنچ چکا اور بڑا برافروختہ نظر آ رہا تھا۔ غصے کے ساتھ نشے میں بھی تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس وقت آمد بے مقصد نہیں۔ معاملے کی نزاکت کو بھانپ کر اُس نے خوش دلی سے استقبال کیا اور اُسے ساتھ لے کر کمرے میں آئی۔ نومی، بلقیس، متھرا بڑے مؤدب انداز میں پیچھے پیچھے تھیں کہ اگر انہیں کسی خدمت کے لئے طلب کیا جائے تو حاضری میں دیر نہ ہو۔ مگر بیلشازار نے آتے ہی حکم دیا۔
"اپنی کنیزوں کو رخصت کر دو۔ ہم خلوت میں گفتگو کریں گے۔"
اشارہ پاتے ہی تینوں کنیزیں چپ چاپ کمرے سے نکل گئیں اور وہ بھائی سے مخاطب ہوئی۔ "تمہارے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ اس وقت ہم دونوں تنہا ہیں۔"

یک لخت اُس نے درشت لہجے میں سوال کیا۔ ''سردار زیریا کیوں آیا تھا؟''

شمورہ چونکی کہ اُسے زیریا کے آنے کی خبر بھی مل گئی اور اُس سے ملاقات بھی ناگوار گزری ہے۔ زیریا کا نام اُن سرداروں میں سرفہرست تھا جنہوں نے زیگورات میں شاہ بنونید اور بیلشازار کے خلاف مگر شمورہ کے حق میں باتیں کی تھیں۔ وہ ایک طاقتور قبیلے کا سردار اور فوج میں بھی اثر ورسوخ رکھتا تھا۔ غالباً بیلشازار خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ کہیں اُس نے شہزادی سے مل کر کوئی سازش تو نہیں کی۔ اسی لئے برافروختہ بھی ہو رہا تھا۔ وہ بھائی کی ناراضگی کا مطلب سمجھ کر فوراً سنبھل گئی اور بولی۔

''اُسے ہم نے طلب کیا تھا۔''

بیلشازار کے لئے یہ جواب مزید حیران کن ثابت ہوا۔۔۔۔ ''کیوں؟''

شمورہ بتانے لگی۔۔۔۔ ''ہم نے سنا تھا، بازار میں بیٹھنے والے نجومی، جوتشی اور فال گیر خوف انگیز پیشین گوئیاں کر رہے ہیں جن سے لوگوں میں مایوسی پھیلنے لگی اور ایرانیوں کی دہشت بڑھ گئی ہے۔ ہم نے سردار زیریا کو اس لئے بلایا تھا کہ وہ نجومیوں اور فال گیروں کو پیشین گوئیاں کرنے سے روک دے تاکہ لوگوں میں ہراس اور انتشار نہ پھیلے۔''

شہزادی شمورہ کی بات نے جو سردار زیریا اور اس کے درمیان نہیں ہوئی تھی، بیلشازار کو اُلجھن میں ڈال دیا۔ ''اگر تم نے ہمیں اطلاع دی ہوتی تو ہم ان بدطینت منجموں، فال گیروں اور پانسہ پھینکنے والوں کو خوف انگیز پیشین گوئیاں کرنے سے روک دیتے بلکہ ان کے پانسوں، حساب کی تختیوں اور فلکیاتی نقشوں کے ساتھ انہیں بھی فرات میں غرق کر دیتے۔''

''یہی تم میں کمزوری ہے کہ ہر بات سختی سے منوانا چاہتے ہو۔'' شمورہ نے بڑے خوبصورت انداز میں اُسے سرزنش کی۔ ''بھائی بیلشازار! کچھ معاملے نرمی اور تدبیر سے حل کئے جاتے ہیں۔''

بیلشازار کو اس کی سرزنش کا یہ انداز اچھا لگا۔ ''تم ہماری رہنمائی کرو گی تو ہم نرمی اختیار کرنا بھی سیکھ لیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ ایک دو قدم آگے بڑھا۔ شمورہ ایک دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور گفتگو کا موضوع بھی بدل دیا۔ ''ہم نے سنا ہے، رات تم نے فرات کی بستیوں پر شب خون مارا تھا۔''

غالباً اُسے یاد دلانا چاہتی تھی کہ وہ اُس کی ایک شرط پوری کرنے کا پابند ہے۔ بیلشازار

افسردہ لہجے میں بتانے لگا۔ ''بے شک رات ہم نے تمہاری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دی اور شاہ گوبارو کا سر قلم کرنے نکلے لیکن تمہاری شرط پوری نہ کر سکے۔''

وہ زیر لب مسکرائی کہ اب اس کی شرط کبھی پوری نہ کر سکے گا مگر اُسی لمحے بیلشازار نے آگے بڑھ کر اُس کی خوب صورت کلائی پکڑ لی اور کہا۔

''اب ہم تمہاری شرط پوری کرنا ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ تمہارے تنہا امیدوار ہیں۔''

''کیا تم نے مہرتاب کو ہلاک کر دیا؟'' شمورہ چلائی۔ ساتھ ہی اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی مگر چھڑا نہ سکی۔ بیلشازار کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ کہنے لگا۔

''ہلاکت اس کا مقدر بن چکی ہے۔ ریموت کے ''سائے'' بہت جلد اُسے گرفتار کر لیں گے اور عنقریب تم اُسے سُولی پر لٹکا ہوا دیکھو گی۔''

یہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح شمورہ کے دل میں اتر گئے۔ بیلشازار نے اُس کے جسم میں لرزش محسوس کی اور اپنا فقرہ پورا کر دیا۔۔۔۔ ''سُولی پر اس لئے لٹکے گا کہ وہ ایک مجرم ہے۔''

''صرف تمہاری نظروں میں۔''

''نہیں، قانون کی نظروں میں۔''

''اور اب ملک کا قانون تم ہو۔''

بیلشازار نے اُسے گھور کر دیکھا۔۔۔۔ ''بنو خاندان کی ایک شہزادی کو کسی مجرم سے دلچسپی نہیں ہونی چاہئے جو بابل سے نکل نہیں سکتا کیونکہ اُس کے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ سُولی سے بچ نہیں سکتا کیونکہ جلاد اُس کے لئے رسہ اور لوہے کی میخیں لئے تیار بیٹھے ہیں۔''

شمورہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی اور محسوس کرنے لگی کہ بیلشازار کے تیور بدل گئے ہیں۔ کلائی پر گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی اور اگر اس کی تھوڑی سی دل جوئی نہ کی گئی تو شاید زبردستی پر اُتر آئے۔ اپنی فکر بھی تھی اور مہرتاب کا معاملہ بھی دل میں ہول پیدا کر رہا تھا۔ ریموت کے جاسوس، خفیہ گماشتے، سپاہی اُسے تلاش کر رہے تھے اور وہ بابل میں زیادہ دن چھپا نہ رہ سکتا تھا۔ عید بیلس تک خود بھی بیلشازار کی وحشت سے بچنا چاہتی اور مہرتاب کو بھی بچانا چاہتی تھی۔ حالات کی نزاکت تقاضا کر رہی تھی کہ حکمت سے کام لے۔ کچھ سوچ کر بولی۔

"بیلشازار! کیا تم بہن کی خاطر مہرتاب سے دست بردار نہیں ہو سکتے؟"

"نہیں، ہم جو بات کہہ دیں، وہ قطعی اور آخری ہوتی ہے۔"

"دنیا میں کوئی بات قطعی اور آخری نہیں ہوتی۔ یہاں تقدیر کے فیصلے بھی بدل جاتے ہیں۔"

"کیا چاہتی ہو؟"

"مہرتاب کی زندگی۔"

"ہمارے رقیب کو ہم سے مانگ رہی ہو؟" بیلشازار کے ہونٹوں پر زہر میں بجھی ہوئی مسکراہٹ بکھر گئی۔ "اُسے زندگی مل سکتی ہے مگر ایک شرط پر۔"

"شرط کیا لگاتے ہو؟"

"تمہیں ہماری زوجہ و ملکہ بننا ہوگا۔"

شمورہ جانتی تھی، وہ یہی شرط لگائے گا۔ اُس نے یاد دلایا۔ "تمہاری زوجہ بننے کے لئے ہماری بھی ایک شرط ہے جو تم ابھی تک پوری نہیں کر سکے۔"

"اب وہ شرط ضروری نہیں رہی کیونکہ حالات کی صورت بدل گئی ہے اور جب حالات بدل جاتے ہیں، سب کچھ بدل جاتا ہے۔"

"ہاں، بابل میں بہت کچھ بدل گیا ہے۔ بہت کچھ بدل رہا ہے۔"

"جانِ برادر! تم بھی بدل جاؤ اور مہرتاب کو بھول کر اپنے دل میں ہماری محبت کو جگہ دو۔"

شمورہ نے اُس کے لہجے کی نرمی اور دل کی بے چینی محسوس کی پھر اپنی پُرکشش آنکھوں سے بیلشازار کی طرف دیکھا اور بڑی حکمت سے کہنے لگی۔

"بھائی بیلشازار! ہم اپنے دل میں تمہارے لئے گنجائش پیدا کر سکتے ہیں۔ شاید تمہاری ضد بھی مان جائیں مگر پہلے ہمیں اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ جو کچھ ہم کہہ دیں، تم وہی کرو گے۔ جو حکم تمہیں دیا جائے اُس کے پابند رہو گے۔"

ان الفاظ میں اگرچہ تحکم کا پہلو تھا اور بیلشازار کی سرکش طبیعت کسی حکم کی پابند نہ تھی۔ پھر بھی اُسے یہ الفاظ بڑے دل کش اور شیریں معلوم ہوئے کیونکہ شمورہ جھک رہی تھی۔ اُسے قبول کر رہی تھی۔ اُس کی رہنمائی پر آمادہ ہو رہی تھی۔ انتہائی مسرت سے بولا۔

"شمورہ! تمہارا ہر حکم ہمیں منظور ہوگا۔ ہم تمہیں اپنی زوجۂ خاص بنانا چاہتے ہیں۔ تمہیں

خاص اختیارات حاصل ہوں گے۔ تمہیں اپنی تمام ازواج سے زیادہ موقع دیں گے اور تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔"

مارے خوشی کے کلائی پر گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی۔ شمورہ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور ایک بار پھر تحکم کے لہجے میں بولی ______ "پھر مہرتاب کی زندگی سے دست بردار ہو جاؤ۔ اس کی تلاش ترک کر دو۔ گرفتاری اور موت کا حکم واپس لے لو۔"

بیلشازار ایک پل سوچتا رہا پھر بولا۔ "جب تم ہماری زوجہ بننے پر آمادہ اور ہماری ضد پوری کرنے کے لئے تیار ہو تو ہم تمہاری خاطر مہرتاب کو بابل سے فرار ہونے کا موقع دے دیں گے۔"

اب شمورہ نے خود بڑے پیار سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "ہم مہرتاب سے ایک آخری ملاقات چاہتے ہیں۔"

بیلشازار نے سرگوشی کی۔ "آج رات خود کو ہمارے سپرد کر دو۔ ہم تمہاری یہ بات بھی منظور کر لیں گے۔"

"عیدِ بیلس سے پہلے ہم خود کو کسی کے سپرد نہیں کر سکتے۔"

یہ کہہ کر اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ایک دو قدم پیچھے ہٹ گئی ______ "بس ہمارے تمہارے درمیان جو بات ہو گئی وہی بہت ہے۔ اگر تم اپنے وعدے پر قائم رہے تو ہم بھی عیدِ بیلس کی رات اپنے "کمرۂ تنہائی" میں تمہارا انتظار کریں گے۔"

پھر اُس نے تالی بجائی تو کنیزیں حاضر ہو گئیں۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ ملاقات ختم ہوئی۔ بیلشازار نے مسکرا کے اُس کی طرف دیکھا۔ "ہم تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے اور کل سے مہرتاب کی تلاش ختم ہو جائے گی۔"

شمورہ دروازے تک اُسے چھوڑنے آئی اور وہ اس خوشی کے ساتھ رخصت ہوا کہ اُسے حاصل کر کے لوگوں کی خوشنودی حاصل کر لے گا۔ مگر شہزادی شمورہ نے ایک داؤ کھیلا اور اس کی کامیابی کا انحصار عیدِ بیلس کے حالات پر تھا۔

❁

دوسرے دن مہرتاب کی تلاش کا سلسلہ ختم کر دیا گیا اور بیلشازار ایرانیوں کے معاملات میں مصروف ہو گیا۔ تیسرے دن فوجی مخبروں نے اطلاع دی کہ حاکمِ شوشان گوبارو فرات کی

بستیوں کا معائنہ کر کے جھیل سمیرا میس کے پڑاؤ کی طرف لوٹ گیا ہے اور ایرانی حملہ کے آثار نظر نہیں آتے۔ بیلشازار کا خیال تھا ایمگور بل جیسی نیرنگِ زمانہ فصیل کو سر کرنا انسانی طاقت سے بعید ہے اور جو سپہ سالار بابل پر حملہ کرے گا اپنی موت ساتھ لے کر آئے گا۔ پھر بھی اُس نے سردار نرقال کو ہوشیار اور خبردار رہنے کی تلقین کی۔

نرقال خود بھی اپنی ذمہ داری کو سمجھتا اور شب خون والے واقعہ کے بعد شمالی فصیل کے فوجی پڑاؤ میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس کے شب و روز وہیں گزرتے تھے۔ ایرانی دستوں نے فرات کی بستیوں سے نکل کر بابل کی طرف پیش قدمی نہیں کی مگر وہ جاننا چاہتا تھا کہ ایرانی سپاہی ان بستیوں میں بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟

مخبروں کی اطلاع کے مطابق وہ اپنا زیادہ وقت سیر و تفریح میں گزارتے مگر اُن کے گشتی دستے بستیوں کے اردگرد ایک ایک میل تک چکر لگاتے اور بڑے چوکس رہتے تھے۔ حتیٰ کہ کوئی بیرونی آدمی ان بستیوں میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

سردار نرقال نے اندازہ لگایا کہ ایرانی فوجیں جھیل سمیرا میس پر پڑاؤ ڈالے اُکتا چکی اور ماحول کی تبدیلی چاہتی ہیں۔ شاہ گوبارو یہ دیکھنے آیا ہو گا کہ پورے ایرانی لشکر کو فرات کے ساحلوں پر منتقل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مگر وہ جس طرح خاموشی سے آیا اُسی طرح خاموشی سے لوٹ گیا تھا۔

یہ عیدِ بیلس سے صرف ایک رات قبل کا واقعہ ہے۔ سردار نرقال شمالی فصیل کے ایک آراستہ کمرے میں جہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی، سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اُس کا خدمت گار غلام اندر آیا۔ نرقال نے سوچا، شاید وہ کمرے کی شمع گل کرنے آیا ہے کیونکہ روشنی میں اُس کی نیند اُچٹ جاتی تھی۔ مگر غلام کے پیچھے پیچھے جو آدمی ملاح کے روپ میں داخل ہوا اُسے دیکھ کر نرقال مارے حیرت کے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور تعجب سے بولا ــــــ

''مہرتاب! تم؟''

ملاح کے روپ میں وہ یگانہ آدمی مہرتاب ہی تھا۔ غلام شاید اُس کی حاضری کے لئے اجازت لینے آیا تھا لیکن اس کے پیچھے پیچھے وہ خود دبے پاؤں کمرے میں پہنچ گیا تھا۔ نرقال کو حیرت زدہ دیکھ کر بولا۔

''سردار نرقال! میں اجازت کے بغیر تمہاری خلوت میں چلا آیا۔ اگر یہ گستاخی ہے تو معافی

چاہتا ہوں کیونکہ میری ضرورت انتظار نہیں کر سکتی اور یہ لباس جسے تم حیرت کی نظروں سے دیکھ رہے ہو، میرے وجود کی عریانی کو نہیں چھپا سکتا۔''

سردار نرقال نے غلام کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ کر مہرتاب کو کندھوں سے تھام لیا۔ ''میں بھی یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں تم اتنے دن کہاں رہے۔ پارکا تمہارے لئے سخت بے کل ہے۔ ابھی کل ہی میرا رتھ بان اُس کا پیغام لے کر آیا تھا کہ اگر کہیں مل جاؤ تو میں تمہیں اپنی حفاظت میں اُس کے پاس پہنچا دوں۔ جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ تم خطرے میں ہو۔''

''بابل کا شہر اپنی وسعت کے باوجود میرے لئے تنگ ہو چکا ہے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا کہ شہزادی شمورہ کو جیت کر میں نے بیلشازار کو اپنا دشمن بنا لیا ہے اور بیلشازار جس کا دشمن بن جائے اُسے بابل میں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔''

ان الفاظ کے بعد مہرتاب کو مزید کچھ کہنے اور نرقال کو مزید کچھ سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اُس کی آمد کا مقصد سمجھ گیا۔ خود کہہ چکا تھا کہ اگر مہرتاب خطرہ محسوس کرے تو اس کے پاس آ جائے اور وہ آ گیا تھا۔ نرقال اس کا کندھا تھپتھپا کر پیچھے ہٹا۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے مار نبوئی میں تلاش کرنے کی بجائے یہاں آ گئے۔ نیمیتی بل اور ایمگور بل کی شمالی پٹی میں نہ تو کوئی غیر فوجی داخل ہو سکتا ہے نہ ریموت کے جاسوس اور خفیہ گماشتے قدم رکھ سکتے ہیں......''

پھر ناگہاں اُسے کوئی خیال آیا اور حیران سا ہو کر پوچھنے لگا۔ ''مہرتاب! شمالی پٹی پر تو دیوتاؤں کا داخلہ بھی ممنوع ہے۔ پھر تم شمالی برجوں تک کیسے پہنچ گئے؟''

''میں دیوتا نہیں آدمی ہوں۔ کسی ہیکل یا معبد کے گوشے میں کھڑے رہنے کی بجائے چل پھر سکتا ہوں۔ کہیں آنے جانے کی تدبیر سوچ سکتا ہوں۔''

پھر وہ تفصیل سے بیان کرنے لگا۔ ''خشکی کے راستے بند تھے اور میں تمہاری سفارش کے بغیر اس پٹی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن فرات کا دریائی راستہ ملاحوں کے سردار سیسرا کے لئے کھلا ہے۔ مجھے معلوم ہوا وہ فوجی افسروں کی خاطر لبنان کی عمدہ شرابیں لے کر شمالی برجوں کی طرف جا رہا ہے تا کہ وہ بھی عیدِ بیلس کا جشن منا سکیں۔ تو میں سیسرا سے ملا۔ بڑی کشتی کو بہاؤ کے خلاف کھینے کے لئے اُسے صرف چار کھویے اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت تھی۔ جب

میں نے اُس کے سامنے تمہارا نام لیا اور بتایا کہ میرے دوست ہو، اس نے میرے حال پر مہربانی کی۔ چوتھے کھویے کی جگہ مجھے کشتی میں سوار کیا اور یہاں پہنچا دیا۔"

سردار نرقال نے اُس کی تدبیر بڑی دلچسپی سے سنی۔ "سیسرا کو شرابیں لانے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ فوجی افسر اور جوان عیدِ بیلس کا تہوار منانے اور مقدس بیل کی جفتی دیکھنے شہر تو نہیں جا سکیں گے۔ اُن کے جشن کا یہیں انتظام کر دیا گیا ہے۔ میں سیسرا کا شکریہ ادا کروں گا کہ اُس نے شرابوں کے ساتھ تمہیں بھی یہاں پہنچا دیا۔"

"مگر جب ہماری کشتی حفاظتی چوکی کے افسر کو پروانہ راہداری دکھا کر نیمیتی بل کے دریائی درّے میں داخل ہونے والی تھی، ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا تھا۔"

سردار نرقال نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور وہ بتانے لگا۔ "ہوا یہ تھا کہ چوکی پر ایک خفیہ گماشتے نے مجھے ملاح کے روپ میں پہچان لیا اور سیسرا پر انگلی اٹھائی کہ وہ ایک ایسے آدمی کو چھپائے پھرتا ہے جس کی شاہِ دوراں کو تلاش ہے۔ اس پر سردار سیسرا نے غصے میں آ کر گماشتے کی گردن پر اس زور سے چپو چلایا کہ گردن کا منکا ٹوٹ گیا اور اُس کی لاش دریا میں بہنے لگی۔ یہی بات سیسرا کے لئے پریشانی اور مصیبت کا باعث بن گئی۔ کیونکہ خفیہ گماشتے کا ایک ساتھی ریموت کو اس واقعہ کی اطلاع دینے کے لئے اُسی وقت شہر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ چوکی کا افسر سیسرا کا دوست ہے۔ اُس نے کہا صرف سردار نرقال اُسے ریموت کی گرفت سے بچا سکتا ہے۔ اب میری طرح سیسرا بھی تمہاری پناہ کا طلب گار ہے۔ فی الحال وہ اپنی بستی یا گھاٹ کی طرف واپس نہیں جانا چاہتا۔"

"سیسرا کہاں ہے؟"

"وہ کشتی ایک فوجی افسر کے حوالے کر کے تاکہ شرابوں کے مٹکے اُتروا لئے جائیں، میرے ساتھ ہی چلا آیا اور اس وقت اپنے تینوں کھویوں کے ہمراہ باہر کھڑا ہے۔"

سردار نرقال نے معاملے پر غور کیا پھر کہنے لگا۔ "سیسرا سے قتل کا جرم ضرور سرزد ہو گیا ہے مگر اُس نے یہ قتل تمہاری حفاظت کے لئے کیا۔ اگر چوکی کا افسر سیسرا کا دوست ہے تو وہ اور اس کا کوئی آدمی اس واقعہ کی شہادت نہیں دے گا۔ گماشتے کی لاش فرات کے مگرمچھ آج ہی رات ہڑپ کر جائیں گے۔ کل رخصت کا دن ہے اور سب لوگ عیدِ بیلس کے جشن میں مصروف ہوں گے۔ گماشتے کا ساتھی پرسوں سے پہلے ریموت تک نہیں پہنچ سکتا ____ خیر تمہارے علاوہ

سیسرا اور اس کے ملاحوں کو بھی اس فوجی علاقے میں کوئی خطرہ نہیں۔ یہاں میرا حکم چلتا ہے۔ پرسوں دیکھوں گا ریموت کیا کرتا ہے اور مجھے کیا کرنا ہو گا۔"

اب مہرتاب نے ایک نیا پہلو پیش کیا۔ "سردار نرقال! بے شک تم میرے دوست ہو لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم پر میری وجہ سے کوئی الزام آئے۔ ہمیں کسی محفوظ جگہ چھپا دو جہاں تمہارے فوجی بھی ہمارا سایہ نہ دیکھ سکیں۔"

نرقال پھر سوچ میں پڑ گیا۔ "فرات کے برج ہی تمہارے لئے محفوظ ترین مسکن ہو سکتے ہیں جہاں صرف پُل کے آہنی جنگلوں کلوں کی نگرانی کرنے والے کاریگر اور مزدور بسیرا لیتے ہیں۔ کیا تم اُن کے ساتھ رہ لو گے؟"

سردار نرقال بھوکے کو خوانِ نعمت اور اندھے کو آنکھیں دے رہا تھا۔ فرات کے شمالی برج ہی مہرتاب کے خوابوں کی تعبیر تھے۔ اسی لئے سیسرا کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ فرات کے برجوں کا ذکر سن کر اس کے سارے بدن میں سنسنی سی دوڑتی چلی گئی۔

"اگر برج محفوظ ترین مسکن ہیں تو میں اور سیسرا اور اس کے ساتھی وہیں چھپ رہیں گے۔"

"پھر میرے ساتھ آؤ۔"

نرقال کمرے سے نکلا تو سیسرا اپنے تینوں ملاحوں کے ساتھ باہر کھڑا تھا اور تینوں ملاح دراصل وہ بہادر تھے جنہوں نے چاہِ بابل کے حصار میں بنوسلان کے غلاموں کو کاٹ دیا تھا۔ انہوں نے سپہ سالار کو جھک کر سلام کیا۔ سردار نرقال نے سیسرا کی طرف دیکھا۔

"تم نے میرے دوست کی حفاظت کے لئے خطرہ مول لیا ہے۔ اب تمہاری حفاظت مجھ پر فرض ہو گئی ہے۔"

پھر وہ اُن سب کے آگے مشرقی ساحل کے برج کی طرف چلنے لگا جو ایمگور بل کی ہیبت ناک بلندی کا حفاظتی حلقہ معلوم ہوتا تھا۔ برج کے اندر ایک زینہ دوسرے اور تیسرے درجے تک جاتا تھا جس کے دروازے پر ایک نیزہ بردار محافظ پہرہ دے رہا تھا۔ سردار نرقال نے حکم دیا۔

"برج کا نگران کاریگر اگر سو گیا ہے تو اُسے جگا دو۔ جاگتا ہے تو نیچے لے آؤ۔"

محافظ زینے پر لپکتا چلا گیا اور واپس آیا تو نگران کاریگر بدحواسی کی حالت میں اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ سپہ سالار کے بلاوے پر جاگا اور اس خیال سے سہا جا رہا تھا کہ شاید کوئی غلطی

سرزد ہوگئی ہے جس کی پاداش میں بستر سے اٹھایا گیا ہے۔ آتے ہی کمر تک جھک گیا۔

سردار نرقال نے مہرتاب اور سیسرا کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میرے خاص آدمی ہیں اور چند روز برج میں قیام کریں گے۔ ان کی حفاظت اور خدمت تمہارے سپرد ہے۔ اپنے آدمیوں کو سمجھا دینا کسی سے اس بات کا ذکر نہ کریں۔"

نگران ایک بار پھر کورنش بجا لایا اور سردار نرقال نے مہرتاب سے رخصتی مصافحہ کیا۔

"تمہیں جس شے کی ضرورت ہو نگران سے طلب کر سکتے ہو۔"

پھر وہ اپنے کمرے کی طرف لوٹ گیا اور برج کا نگران کاریگر مہرتاب، سیسرا اور تینوں ساتھیوں کے آگے آگے برج کی نیم تاریک سیڑھیوں پر ہولیا کیونکہ صرف دروازے کی ڈیوڑھی میں ایک مشعل روشن تھی اور زینے کا دوسرا حلقہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔

یہ مہرتاب کی کوشش اور تدبیر تھی کہ فرات کے شمالی برجوں تک پہنچ گیا یا پھر تقدیر تھی جو اُسے یہاں تک کھینچ لائی۔ پراتو کے برج کورش کے فوجی نقشے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔

انہی برجوں پر تسخیرِ بابل کا انحصار تھا کیونکہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ اُس کے لئے بابل کے دروازے کھولے اور لوہے کے بینڈے کاٹے جائیں گے اور اب تقدیر مہرتاب کا ہاتھ پکڑے (جو ایرانی لشکروں کے آگے آگے اُڑنے والا پرندہ اور کورش کے لئے بابل کا دروازہ کھولنے آیا تھا) فرات کے ایک شمالی برج میں داخل ہو رہا تھا۔

(54)

نوشتۂ دیوار

◎

بابل کے دن جو آسمان پر شمار ہوئے اور لوحِ تقدیر پر لکھ دیئے گئے تھے ایک ایک کر کے گزر گئے اور وہ یومِ موعود آ پہنچا جو زمین پر مردوک کی خدائی کا آخری دن تھا۔

اس دن سورج ایسگور بل کی بلندی سے طلوع ہوا تو ہیکلوں، معبدوں، مندروں میں پیتل کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ نرسنگے پھونکے گئے اور ان کے شور سے فرات کے ساحلوں پر دو حصوں میں بٹا ہوا عظیم شہر گونج اٹھا ـــــ یہ کلدانیوں کے سالانہ تہوار عیدِ بیلس کا اعلان تھا جسے ہیروڈوٹس اور بعض دوسرے بُت پرست تاریخ نویسوں نے بھی اصنام پرستی کے حوالہ سے "مقدس بدکاری کا جشن" قرار دیا ہے۔

یہ جشن تشرین کے مہینے میں منعقد ہوتا اور بیل کی جُفتی کا تہوار تھا۔ اکدی مسلمات کے مطابق بیل ہی تمام طاقتوں کا سرچشمہ تھا کیونکہ روزِ اول بل دیوتا نے اسی شکل میں ظہور لیا تھا۔

دنیا کی اصنامی تہذیبوں میں اکثر میلے منعقد ہوتے اور تہوار منائے جاتے ہیں۔ بابل کرۂ ارض پر سب سے بڑا اصنامی شہر تھا۔ وہاں میلوں اور تہواروں کی بھی کثرت تھی۔ مختلف قوموں، مختلف طبقوں کے الگ الگ معبود تھے اور اُن کے تہوار بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ مگر سب سے بڑا قومی اور عمومی جشن، جو کالدیا کے تمام شہروں میں منایا جاتا عیدِ بیلس کا تہوار تھا جس کے سامنے جشنِ زہرہ کی رنگینی اور گناہ آفرینی ہیچ تھی۔ بابل کی طرح دوسرے شہروں میں بھی کھلی تماشہ گاہوں میں گائے بیل کی جُفتی کرائی جاتی اور تمام مرد، عورتیں مذہبی

فریضہ کے طور پر اُس کا نظارہ کرتے تھے۔

دینِ اکد کے بزرگ اس شرم ناک تماشے کو افزائشِ نسل کا فطری عمل اور ترقیٔ حیات کا مثالی نمونہ قرار دیتے تھے۔ دیو مالائی تہذیب میں جشنِ بیلس دراصل زمین و آسمان کی قوتوں کے اختلاط کا دن تھا کیونکہ بیل جو اصنامی روایات کے مطابق برقِ آسمانی کے نطفہ سے پیدا ہوا آسمان کی بالا قوت کا مظہر تھا اور گائے یا بیلت زمین کی قوتِ نمو کی نمائندگی کرتی تھی۔ اکدی اصول پرستوں نے آسمان سے انزالِ باراں کو بیل کی قوتِ حیات اور زمین کی روئیدگی یا اناج کی پیداوار کو بلیت کی قوتِ تخلیق سے نسبت دے کر عیدِ بیلس کے تہوار میں فطرت پرستی اور مذہبی تقدیس کا رنگ بھر دیا تھا۔

فطری تقاضوں کے اسی اصول کی رُو سے اس بات کو قانون کا درجہ دے دیا گیا تھا کہ عیدِ بیلس کے تہوار پر عورت جس مرد کے ساتھ چاہے اور مرد جس عورت کے ساتھ چاہے دادِ عیش دے سکتا تھا۔ وہ کسی معقول وجہ یا مجبوری کے بغیر انکار نہ کر سکتی تھی اور عورت کا کوئی رشتے دار یا عزیز اس پر اعتراض نہ کر سکتا تھا بلکہ اس موقع پر بعض مرد خود اپنی بیویوں کو دوسروں کی تفریح کا سامان بناتے تھے۔ انکار اصولِ فطرت اور دینِ اکد کے اصول پرست بزرگوں کے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کے مترادف تھا۔

یہی وجہ تھی عورتیں اور مرد عیدِ بیلس کو فطری تقاضوں کے بموجب منانے کی پیشگی تیاریاں کرتے۔ عورتیں نئے ملبوسات اور زیور پہن کر اور بن سنور کے نکلتی تھیں۔ مرد عیش ونشاط کے لمحوں کو زیادہ راحت بخش اور سرور انگیز بنانے کی خاطر شراب کے نشے میں مخمور ہو جاتے اور اس تہوار پر بدمستی، بے حیائی یا پھر مذہب کے نام پر ''مقدس بدکاری'' کے ایسے شرم ناک مظاہرے ہوتے تھے جن کی مثال روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی۔

538 قبل مسیح میں منائی جانے والی عیدِ بیلس پر بہت سے معاملات اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان میں ایک معاملہ بیدخت زہرہ جمال کا تھا جو اپنے دیو مالائی عقیدے یا خواب کی بناء پر آسمان کی طرف پرواز کرنے والی تھی۔ اس مقصد کی خاطر اُس نے مہرتاب کے ذریعے شاہِ یوسیفر کی فلکیاتی قبا اور زہرہ دیوی کے کنگن حاصل کر لئے تھے۔ ''اسمِ اعظم'' کے بارے میں سوچا تھا کہ اکدی بزرگوں سے مل کر خود دریافت کر لے گی۔

وہ ایسے لوگوں کو جانتی تھی جو طویل ریاضتوں اور صبر آزما مجاہدوں سے گزر کر اپنے وجود

کے باطنی اسرار تک جا پہنچے اور کائنات کا کوئی بھید اُن سے مخفی نہ رہا تھا مگر یہ سن کر اس کی حیرت اور مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ دینِ اکد کے بزرگ ایسے کسی اسم سے واقف نہیں۔

زیگورات کے تعبیر گو پروہت حوری کے وسیلہ سے اُس نے بابل کے سب سے ضعیف العمر روحانی بزرگ سے ملاقات کی جو تیس، پینتیس سال سے مسلسل گوشہ نشینی اور نفس کشی کے مراحل طے کر رہا تھا۔ اُس نے بتایا۔

''ماضی بعید میں اگر کسی اکدی بزرگ یا کسی صابی نے کوئی ایسا اسم یا وظیفہ دریافت کیا بھی ہو گا تو وہ کہیں ماضی کی دُھول میں گم ہو چکا ہے۔ شاید ایسی قوم کے بزرگ کائنات کا یہ بھید جانتے ہیں جو آسمانی اسرار و رموز کا علم رکھتی ہو۔ دینِ اکد کے ماہرین ''ارضی روحانیت'' پر توجہ دیتے ہیں۔''

بیدخت کاشانۂ زہرہ میں لوٹی تو خیال آیا عبرانی بزرگوں نے اُس کی ایک مشکل حل کی تھی۔ ممکن ہے یہ معمہ بھی حل کر دیں۔ شنکر کو چوکسی کی ہدایت کر کے تہہ خانے میں اُتری اور ہاروت ماروت سے اسمِ اعظم کے بارے میں دریافت کیا۔

انہوں نے بتایا۔ ''اسمِ اعظم خدائے قدوس یہواہ کے ناموں میں سے ایک مبارک نام ہے اور صرف وہی ہستی اس کے وِرد سے فائدہ اٹھا سکتی ہے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتی ہو۔''

بیدخت کو امید کی روشنی نظر آئی۔ یہودی قوم اپنے سرداروں، نبیوں اور بزرگوں سمیت 70 سال سے بابل میں مشقت اور غلامی کی زندگی گزار رہی اور کسی خدائے واحد یہواہ کو مانتی تھی۔ زہرہ جمال کو یہ غرض نہیں تھی کہ اکیلا خدا پوری کائنات کا نظم ونسق کیونکر چلاتا ہو گا۔ صرف اسمِ اعظم سے مطلب تھا۔

اُس نے اصرار کیا کہ اپنی رہائی کے عوض انہوں نے قدیم اکدی تحریر پڑھی تھی۔ اس حفاظت اور خدمت کے صلے میں جو انہیں یہاں حاصل ہے، اسمِ اعظم سے آگاہ کر دیں۔

بیدخت ایک بدترین قید خانہ سے اُن کی رہائی کا ذریعہ بنی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کس مقصد کے لئے اسمِ اعظم جاننا چاہتی ہے۔ اُن کے نزدیک پرواز اور منقلب ہونے کا تصور یا خواب دیوانگی کے سوا اور کچھ نہ تھا کیونکہ کوئی انسان اپنے جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان کی طرف پرواز کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے جسم میں منقلب ہو سکتا ہے۔ مگر بیدخت کی خدمات اور اس نازک ترین صورت کے پیشِ نظر کہ فی الحال اُسی کے مہمان اور اُسی کے رحم وکرم پر ہیں انہوں

نے اسمِ اعظم کے انکشاف میں کوئی قباحت نہ سمجھی۔ تاہم یہ وضاحت بھی کر دی کہ اس مبارک نام کا وِرد ردِ بلا اور حلِ مشکلات کے لئے ہے۔ کائنات کے طبعی اصولوں کو تبدیل کرنے کے لئے نہیں۔ اس طرح زہرہ جمال نے اپنے خواب کی تعبیر کا ہر گوشہ مکمل کر لیا تھا۔

دوسرا معاملہ شاہِ دوراں بیلشازار اور دُخترِ بابل شمورہ کی زوجیت کا تھا۔ اس کے لئے بھی بیلشازار نے منجموں کے مشورے پر ایک نیک ساعت ٹھہرائی تھی۔ اُن کے نزدیک جب آسمان پر ایشتار کے ستارے کا ظہور ہوگا بابل میں نیک ساعت کا آغاز ہوگا اور سب کام اسی کے سمت الراس میں درست ہوتے جائیں گے۔

تیسرا معاملہ سردار زیریا اور مذہبی سربراہ زریہ کا تھا جن کے نزدیک شاہ بنونید اور بیلشازار بنوکدنضر (بخت نصر) کے خاندان سے کوئی تعلق نہ رکھتے، نہ کلدانی سلطنت کے وارث ہو سکتے تھے۔ مگر بنونید کی بیٹی شمورہ کو اس لئے ملکۂ بابل بنانے کا منصوبہ تیار کر چکے تھے کہ وہ ایشتار کی کاہنہ، لوگوں میں مقبول اور باپ کی رہبری و رہنمائی سے دست بردار ہوگئی تھی کہ وہ راہول کاہن کے کسی الزام کا جواب اور اپنی شہزادگی کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا تھا۔ شمورہ نے اس امر کا فیصلہ مذہبی پیشوا گوماپر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اعتکاف سے باہر آ کر جھگڑے کا کیا حل نکالتا ہے۔

چوتھا معاملہ فارس و ماد کی متحدہ سلطنت بلکہ بہت سی مفتوحہ سلطنتوں کے شہنشاہ کورش ہخامنشی کا تھا جس نے عیدِ بیلس کی رات ہی بابل میں داخلے کی رات ٹھہرائی تھی۔ اس رات کلدانی عیش و عشرت اور اپنے عقیدے کے مطابق ''مقدس بدکاری'' میں مصروف ہو جاتے تھے اور اُن کی تہدید و سزا کے لئے بھی وہی رات موزوں تھی۔ جیسا کہ آسمانوں پر فیصلہ ہو چکا اور خداوند کے انتقام[1] کا وقت آ گیا تھا۔

پانچواں معاملہ مہرتاب کا تھا۔ جو ایک منصوبہ کے تحت کورش کے لئے بابل کے دروازے کھولنے آیا اور اس شہرِ عجائبات کی کنواریوں، پیاریوں اور دیوداسیوں کا محبوب بن گیا تھا۔ مگر اُس نے عشق و محبت کے معاملے بھی نمٹائے اور فرض کے راستے پر بھی گامزن رہا اور بابل میں شاہِ بنونید کی حکومت کے لئے بہت سی مشکلات پیدا کر کے اب فرات کے شمالی برجوں میں

[1] ''بابل سے نکل بھاگو اور ہر ایک اپنی جان بچائے۔ اس کی بدکرداری کی سزا میں شریک ہو کر ہلاک نہ ہو کیونکہ یہ خداوند کے انتقام کا وقت ہے۔

(عہد نامۂ قدیم۔ کتابِ یرمیا، باب 5، نشان 6)

داخل ہو چکا تھا تا کہ بابل پر آخری ضرب لگائے۔ لیکن آدھی رات کو برجِ حمل میں عطارد اور زحل کے قران کے وقت اس کا شاہی محل میں پہنچنا ضروری تھا۔ جب بیلشازار شہزادی شمورہ کو اپنی زوجیت میں لینے والا تھا۔

تو یہ سارے معاملات عیدِ بیلس کی رات ہی کو پیش آنے والے تھے جس کے دن کا آغاز گھنٹیوں کے شور اور نرسنگوں کی ہیبت ناک آوازوں سے ہوا تھا اور لوگ بڑی بے چینی سے عید کے ''مقدس ہنگامے'' کا انتظار کرنے لگے تھے جس کا آغاز معبدِ اکور سے ملحق ایک وسیع و عریض تماشا گاہ میں گائے اور بیل کی جفتی سے ہوتا اور خود بادشاہ اس تقریب کا افتتاح کرتا تھا۔ یہ ہنگامہ دوپہر کو شروع ہوتا اور ساری رات جاری رہتا تھا بلکہ عیش و مستی کی اصل رونقیں رات ہی کو جوان ہوتی تھیں۔

گھنٹیوں اور نرسنگوں کا شور جہاں مردوں، عورتوں کے لئے نویدِ مسرت تھا وہاں ''مقدس مویشی'' بھی اس سے مانوس تھے۔ معبدِ اکور کے مویشی خانہ میں جو دراصل گئوشالہ تھا، گائیں مسلسل بولنے اور ڈکرانے لگیں جنہیں عید کی تقریبِ سعید کے لئے پہلے سے مخصوص کر لیا گیا تھا۔

گئوشالہ کے دوسرے حصے میں جو دیوتا کے اوتار کی خاطر وقف تھا، ''مقدس بیل'' جوشِ وحشت میں پتھر کی دیواروں سے اپنے سینگ ٹکرانے اور زمین پر کھر مارنے لگا کیونکہ اُسے سال میں ایک ہی بار، صرف عیدِ بیلس پر اپنی قوتِ تولید کے اظہار کا موقع ملتا تھا۔

مذہبی امور کے سربراہ زریہ اور سردار زیریہ کا خیال تھا گھنٹیوں کی آوازوں اور نرسنگوں کے شور میں دانائے فرات گوماپراتو مندر سے باہر آ جائے گا۔ اس لئے دونوں مجلسِ قومی کے کچھ کاہنوں اور سرداروں کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے تا کہ بنونید کے بارے میں اس کا فیصلہ معلوم کر سکیں اور اگر وہ مناسب سمجھے تو شمورہ کو ملکۂ بابل بنانے کا اعلان کر دیا جائے۔ لیکن توقع کے بالکل خلاف گوما حجلۂ اعتکاف سے باہر نہ نکلا اور پراتو مندر کے کاہنِ اعظم نے یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ اسرار و غیب کا ترجمان یوں کہتا ہے۔

''بابل میں ستاروں کی چال بدل گئی ہے اور میں حجلۂ اعتکاف سے اُس وقت باہر آؤں گا جب آسمان پر زہرہ طلوع ہوگا کیونکہ یہی ایشتار کا ستارہ ہے۔''

اس جواب نے قومی مجلس کے کاہنوں اور سرداروں کو مایوس کر دیا اور وہ بے یقینی کی حالت

میں لوٹ آئے۔ بیلشازار بھی نیک ساعت کا منتظر تھا اور اگر گوما نصف شب یا طلوعِ زہرہ سے قبل باہر نہ آیا تو شاید بابل میں بہت کچھ بدل جائے۔ سردار زیریا نے شہزادی شمورہ کی طرف قاصد بھیجا کہ اگر وہ کہے تو اس کی حفاظت کے لئے اپنے زرہ پوش غلاموں کو بھیج دے۔ یہ امر بیلشازار کو مشتعل کر سکتا تھا اور شمورہ بابل میں خانہ جنگی نہیں چاہتی تھی۔ اُس نے جواب دیا۔

''میں اپنی حفاظت خود کروں گی۔''

یہ جان کر کہ گوما نصف رات سے پہلے باہر نہیں آئے گا وہ بھی بے حد پریشان اور مایوس ہو گئی تھی۔ بیلشازار کا مطالبہ ننگی تلوار کی طرح سر پر لٹک رہا تھا۔ حالات کی آندھی بھی اُس کے ساتھ ساتھ دوڑتی پھر رہی تھی اور وہ جو کچھ چاہتا تھا، خود بخود ہوتا جا رہا تھا۔ خطرے کی سنگینی شمورہ کے دل میں ہول ڈالنے لگی۔ بیلشازار اُس کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا اور خود بھی کہہ چکی تھی کہ عیدِ بیلس کی رات کمرۂ تنہائی میں اُس کا انتظار کرے گی۔ ممکن ہے اس فقرے کا مطلب کچھ اور ہو کیونکہ شمورہ حکمت شناس تھی۔ لیکن بیلشازار کے نزدیک یہ اس کے ساتھ شبِ زفاف منانے کا وعدہ تھا۔ اگر وعدہ پورا نہ کر سکی تو کیا ہوگا؟ دل و دماغ میں مختلف اندیشوں، مختلف خطروں کے سانپ رینگنے لگے اور اندھیرے میں ایک ہاتھ اپنی طرف بڑھتا محسوس کرنے لگی۔ مگر خوف کی اس حالت میں بھی مہرتاب کے الفاظ دل کو تسلی دے رہے تھے، جو اس نے پہلی ملاقات میں کہے تھے۔

''میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں اُس ہاتھ سے بچانے کی کوشش کروں گا۔ خواہ تمہاری خاطر مجھے اپنی جان ہی خطرے میں ڈالنی پڑے۔''

مگر وہ نہیں جانتی تھی مہرتاب کہاں ہے اور کیا کرتا پھر رہا ہے؟ جب کہ بابل میں عیدِ بیلس کے ہنگامے شروع ہونے والے تھے اور عید کی اُسی رات شمورہ کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔

دوپہر سے پہلے ہی عورتوں اور مردوں کے ہجوم معبدِ اکور سے ملحق تماشا گاہ کی طرف چل پڑے۔ کیونکہ بھیڑ بڑھ جانے سے قریبی نشستیں ملنا مشکل ہو جاتی تھیں یا پھر پجاریوں کو رشوت اور نذرانہ دے کر اچھی اور قریبی نشستیں حاصل کرنا پڑتی تھیں جہاں سے وہ پورا تماشا دیکھ سکتے تھے۔

بابل میں مختلف طبقات کی طرح تماشا گاہ میں بھی اعلیٰ طبقات کے اشراف کو ان کی

بیگمات و خواتین کے ساتھ جگہ دی جاتی تھی اور چھوٹے طبقوں کے لوگ عموماً تماشا گاہ کے آخری حاشیوں پر چھاؤنی ڈال لیتے تھے۔

دوپہر تک تماشا گاہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ درمیانی میدان میں جو دراصل تماشے کا اسٹیج یا پلیٹ فارم تھا، چاروں طرف ایک فرلانگ کے گھیر میں لوہے کا جنگلہ کھڑا کیا گیا تھا، اور پروہت محافظ خادموں کے ساتھ سات پلی ہوئی خوب صورت گایوں کو جنہیں ریشمی چادروں، زریں تاروں، رنگ دار دھاگوں اور سرخ ریشمی پھندنوں سے آراستہ کیا گیا تھا، آگے پیچھے ایک ایک کر کے تماشائیوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اُن کے پیروں میں جھانجنیں پہنائی گئی تھیں جن کی آواز بڑی خوش کن تھی۔

بڑے بڑے سردار، اُمراء، شیوخ، سرکاری حکام اور معززین اپنی بیگمات و خواتین کے ساتھ مخصوص نشستوں پر متمکن تھے۔ شاہی خانوادے کی عورتیں اور ان کی کنیزیں بھی تماشا گاہ میں پہنچ چکی تھیں۔ مگر شہزادی شمورہ نہیں آئی تھی۔ اس عید پر شاہ بنونید بھی غیر حاضر تھا اور اس کی جگہ بیلشازار جشن کا افتتاح کرنے آ رہا تھا۔

جب پروہتوں نے مخصوص کی ہوئی گایوں کے ساتھ تماشا گاہ کے تین چکر پورے کر لئے اچانک معبدِ اکور کی جانب ''مردوکِ جنگ، شاہِ دوراں، شاہِ دوراں'' کا شور بلند ہوا۔ بیلشازار اپنے حفاظتی دستہ کے سواروں اور بیسیوں نیزہ بردار غلاموں کے ساتھ جو شاہی رتھ کے آگے آگے بھاگتے اور اُس کی آمد کا اعلان ''شاہِ دوراں، شاہِ دوراں'' کے الفاظ سے کرتے تھے تماشا گاہ کے بڑے دروازے پر نمودار ہوا۔ مقدس زریہ نے معبد کے کاہنوں اور پروہتوں کے ساتھ بادلِ نخواستہ اس کا استقبال کیا۔

دفاعِ بابل کا سپہ سالار زرقال بھی چند فوجی سرداروں کے ہمراہ استقبال میں شریک تھا۔ اُسے رات کو بیلشازار کی دعوت میں شریک ہونا تھا جو عیدِ بیلس کی خوشی اور شہزادی شمورہ سے زوجیت کی تقریب میں دی جا رہی تھی۔ اس لئے وہ دن ہی کو شہر آ گیا۔ تاکہ عیدِ بیلس یارکا کے ساتھ گزار سکے اور اُسے یہ اطلاع بھی دے کہ مہرتاب فرات کے شمالی برجوں میں محفوظ ہے۔ سردار زرقال کا خیال تھا آج رات جب شہزادی شمورہ بیلشازار کی زوجیت میں چلی جائے گی، مہرتاب سے بھی عذاب ٹل جائے گا۔ اس کے نزدیک دونوں کے درمیان سارا جھگڑا شمورہ کی محبت اور رقابت کا تھا۔

فوراً ہی بیلشازار ''مقدس بیل'' کے ہمراہ جس کی دو طرفہ نکیلیں محافظ خادموں نے تھام رکھی تھیں اور جو ایک انتہائی طاقت ور مثالی سانڈ تھا، تماشا گاہ کے جنگلے پر نمودار ہوا جس کا آہنی پھاٹک کھول دیا گیا تھا۔ زریہ نے سرخ وسفید دھاگوں کی ایک بٹی ہوئی مالا بیلشازار کے حوالے کی جو اُس نے بیل کی گردن میں پہنائی اور اُس کے سینگوں میں جن پر سونے کے نوک دار خول چڑھے تھے پھولوں کے گجرے ڈالے۔ پھر اُس نے اپنی ہی طاقت کے نشے میں بدمست سانڈ کے بدن سے سونے اور چاندی کے تاروں سے آراستہ ریشمی چادر اُتار لی اور محافظ خادموں نے نکیلیں کھول کر اُسے تماشا گاہ میں چھوڑ دیا۔ جہاں ایک گائے اُس کی منتظر تھی۔ بیل بگولے کی طرح جھپٹا اور بیلشازار اپنی بیویوں، حرموں اور کنیزوں کے حلقہ میں جا بیٹھا جو سب سے نمایاں اور الگ تھلگ تھا۔

اس طرح اُس شرم ناک کھیل کا آغاز ہوا جس کا نظارہ بزرگانِ اکد کے نزدیک ایک مذہبی فریضہ تھا۔ اس کھیل یا تماشے کی تفصیل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ''مقدس بیل'' کو اس وقت تک میدان میں رہنا تھا جب تک ایک ایک کر کے سات گائیں، اُس کے سامنے پیش نہ کر دی جائیں۔

سہ پہر کو بیلشازار تماشا گاہ سے نکلا اور اُس نے سردار نرقال کے ہمراہ ایمگور بل کی بلند و بالا فصیل کے شمالی حصے کا چکر لگایا۔ 87 فٹ چوڑی فصیل پر دوڑتا ہوا رتھ شمالی برجوں کے قریب آ کے رک گیا اور وہ 350 فٹ کی بلندی سے فرات کی ترائی کے بیلوں، جنگلوں اور دُور اُن ساحلی بستیوں کا نظارہ کرتا رہا جن پر گوبارو کے عیلامی دستوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ سب کچھ حسبِ معمول تھا اور کسی خطرے کے آثار نظر نہیں آتے تھے لیکن اصل خطرہ تو اس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر فرات کے برج میں چھپا بیٹھا تھا۔ اگر بیلشازار کو پتہ چل جاتا کہ اس کا اصل حریف اور رقیب فرات کے کسی ایک برج میں گھات لگائے بیٹھا ہے تو مہرتاب کا سارا منصوبہ یہیں ختم ہو جاتا۔ وہ مطمئن ہو کر ایمگور بل کی بلندیوں سے اُترا اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

جشنِ بیلس کے ساتھ ہی یا پھر شام کا اندھیرا پھیلنے تک بابل میں ''مقدس بدکاری'' کا آغاز ہو جاتا تھا۔ لوگ ہیکلوں، معبدوں، مندروں، عبادت گاہوں کے کمروں، حجروں، خلوت خانوں حتیٰ کہ غلام گردشوں، باغوں یا درختوں کی معمولی اوٹ میں بھی بدمستی اور بدکاری کا جشن

مناتے اور پروہت پجاری نذرانے لے کر اُنہیں جگہیں مہیا کرتے تھے۔ سب سے زیادہ ہجوم معبد اکور، ہیکلِ زہرہ یا پھر بل مردوک اور ایشتار کے الگ الگ مندروں میں ہوتا تھا۔

بیلشازار شام کے وقت بابِ ایشتار سے اساگیلہ میں داخل ہوا تو شہر میں مذہبی عیاشی کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے۔ کسی مصاحب نے اطلاع دی کہ فرات میں پانی کی سطح کچھ گر گئی ہے۔ اُس نے ملاحوں کے سردار سیسرا کو طلب کیا کہ پانی کی سطح گرنے کا سبب معلوم کر سکے لیکن سردار سیسرا نہ تو شاہی محل کی دعوت میں شرکت کے لئے آیا نہ اپنی بستی میں موجود تھا۔ جس پر بیلشازار نے وقائع نویسوں کے افسرِ اعلیٰ نیرگل کو حکم دیا، وہ دریا کی صورتِ حال دیکھے اور اطلاع دے۔

فرات کی سطح کچھ گر گئی تھی مگر دریاؤں کی سطح گرتی اور چڑھتی رہتی ہے۔ اساگیلہ کے محرروں اور وقائع نویسوں نے یہی اطلاع مٹی کی الواح پر لکھی۔ مگر محرروں اور وقائع نویسوں کا اندازِ تحریر کچھ ایسا ہوتا تھا کہ شاہی محل میں کوئی بھی اُسے پڑھ اور سمجھ نہیں سکتا تھا اور تحریر پڑھوانے کے لئے اُنہی کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ جو لوح بیلشازار کی خدمت میں پیش کی گئی اُس کا ایک فقرہ صاف پڑھا گیا ـــــ ''دریاؤں کے طاس میں بارش کی کمی بیشی یا پہاڑوں پر برف پگھلنے کی رفتار سے پانی کی سطح گرتی اور چڑھتی رہتی ہے۔'' اور یہ سمجھ کر کہ فرات میں پانی گر جانے کا کوئی ایسا ہی قدرتی سبب ہوگا، لوح واپس کر دی گئی۔ مگر اسی لوح پر یہ اطلاع بھی درج تھی کہ فرات کی سطح آہستہ آہستہ بتدریج گرتی جا رہی ہے اور نہروں میں بھی پانی کم ہوتا جا رہا ہے۔ لوح کا یہ شکستہ خطِ تحریر پڑھا نہ جا سکا اور عیدِ بیلس کی رات جب ہر شخص کو مے و معشوق اور عیش و عشرت سے دلچسپی تھی ایسی فضول باتوں پر کون توجہ دیتا۔

بیلشازار چند لمحے شاہی محل میں مصروف رہا پھر ہال کمرے میں نمودار ہوا جہاں مہمان بربطوں کی موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بربط نواز لڑکیوں کے لباس اور بربط نوازی کے انداز بڑے پُرکشش اور قندیلوں کی تیز روشنیوں میں اُن کے خدوخال نمایاں ہو رہے تھے۔

زیگورات (منارۂ بابل) کے گنبد میں ہر رات ہزاروں قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جن سے بابل کے بازاروں، عمارتوں اور شاہراہوں پر دُور دُور تک ہلکا سا اُجالا بکھر جاتا تھا۔ لیکن عیدِ بیلس کی رات تمام راستوں اور بازاروں میں مشعلیں فروزاں تھی۔ اساگیلہ کے اندر اور باہر بھی جگہ جگہ روشنیوں کا انتظام تھا۔ شاہی محلات روشنیوں سے جگمگا رہے تھے اور وسیع و عریض

ہال جس میں دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا قندیلوں اور سات شاخے شمع دانوں پر جلتی بے دود شمعوں کی شعاعوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ فرش قالینوں سے اور دروازے، دریچے، بڑے بڑے ریشمی پردوں سے آراستہ تھے۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ بابل کے گونگے، بہرے دیوتاؤں کے مجسمے ساکت وصامت ایستادہ تھے مگر اصنامی تصور کے مطابق بربطوں کی موسیقی سن رہے اور بربط نواز لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ایک ہزار[1] سرکردہ لوگ جن میں اُمراء، رؤساء، قبیلوں کے شیوخ، سردار، فوجی جرنیل، معزز کاہن، ساحر، دانشور اور طبقۂ مار نبوئی کے اشراف بھی شامل تھے اس دعوت میں مدعو کیے گئے اور سب صلائے عام کے منتظر تھے۔

ساقیہ لڑکیاں صراحیاں اُٹھائے تیار کھڑی تھیں۔ بیلشازار کی بیگمات، حرموں اور کنیزوں نے اپنے آس پاس تلخ اور کڑوی شرابیں جمع کر لی تھیں کیونکہ بیلشازار کڑوی شرابوں کا عادی تھا اور ہر بیگم، ہر حرم، ہر کنیز کی خواہش تھی اُسے اپنے ہاتھ سے ایک ایک جام پلائیں مگر اُس نے آتے ہی اپنی تمام بیویوں[2]، حرموں اور کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ سردارانِ حاضر باش کو شراب پلائیں اور خود اپنی حرمِ خاص کے پہلو میں بیٹھ گیا جو اُس کی محبوبہ سمجھی جاتی تھی۔

پورے ہال میں یہاں سے وہاں تک حسین و رنگین لہریں حرکت کرنے لگیں۔ بربطوں کی موسیقی تیز ہو گئی۔ شاہی بیگمات، حرمین، کنیزیں، ساقیہ لڑکیوں کے ساتھ سرداروں میں بکھر گئیں اور ان پر نوازشات کرنے لگیں۔ کیونکہ بیلشازار کو سرداروں اور شیوخ کے تعاون کی ضرورت تھی۔

ابھی مے نوشی کا آغاز ہوا تھا کہ حرمِ خاص نے اپنا پیمانہ ایک طرف پھینک دیا اور فرمائش کی۔ ''آج سونے اور چاندی کے ان پیالوں میں شراب کیوں نہ پی جائے جو شاہِ ارض بنوکد نصر عبرانیوں کی ہیکلِ سلیمانی سے لوٹ کر لایا اور ہیکل کو پیوندِ زمین کر آیا تھا۔''

بیلشازار جو یہودی اسیروں سے پہلے ہی نفرت کرتا تھا اس انوکھی تجویز پر اُچھل گیا۔ اُس کی معلومات کے مطابق یہودی سردار اور پیغمبر کورش سے ساز باز کر چکے اور اُسے اندرونِ شہر کی خبر پہنچاتے رہتے تھے مگر ایمگور بل جیسی بلند و بالا فصیل کی موجودگی میں کورش کے لشکر شہر کا کچھ

[1] عہد نامۂ قدیم کتابِ دانیال میں ایک ہزار اُمراء کی ضیافت کا ذکر ہے۔ ہیرلڈلیم نے بھی یہی تعداد نقل کی ہے۔ (قمر اجنالوی)

[2] بحوالہ ہیرلڈلیم نیز کتابِ دانیال عہد نامۂ قدیم۔

نہ بگاڑ سکتے تھے۔ اُس نے فوراً حکم دیا۔ ''شراب نوشی کے لئے ہیکلِ سلیمانی کے ظروف حاضر کیے جائیں۔''

یہ سنتے ہی خادم اور غلام داروغۂ محل کے ہمراہ قصرِ بنونید کی طرف بھاگے۔ عبرانی ظروف زیرِ زمین شاہی خزانے میں رکھے تھے جن کی چابیاں شاہ بنونید اور شہزادی شمورہ کی تحویل میں رہتی تھیں اور اس دعوت میں نہ شمورہ آئی تھی نہ بنونید موجود تھا۔ مگر حکم کی تعمیل میں دیر نہیں ہوئی۔ تھوڑے سے وقفے میں سونے اور چاندی کے عبرانی پیالے جو 70 برس قبل یروشلم سے لوٹے اور ایک لاکھ یہودی غلاموں کے ہمراہ بابل میں لائے گئے تھے بیلشازار کی بیویوں، حرموں اور کنیزوں میں تقسیم کر دیئے گئے کہ وہ خود بھی اُن پیالوں میں شراب پئیں اور حاضرینِ مجلس کو بھی پلائیں۔

ہیکلِ سلیمانی کے کل ظروف کی تعداد[1] پانچ ہزار چار سو تھی جن میں 30 کے تیس اور چاندی کے 410 پیالے تھے۔ شاہی دعوت میں ہیکل کے مقدس برتنوں میں شراب نوشی ہونے لگی اور نشہ تیز ہوتے ہی مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے بہکی بہکی باتیں کرنے لگیں۔

ادھر اساگیلہ کے ایک کمرے میں شاہی منجم آسمان کے نقشے، ستاروں کی گردش و رفتار کی ہیئتوں اور دقیقوں کے خاکے، طلوع و غروب کے اوقات اور اُن کے مختلف زاویوں کی شکلیں کھولے اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ عطارد اور زحل کا بُرجِ حمل میں کب قران ہوتا ہے اور زہرہ جو اِشتار کا ستارہ تھا کب طلوع ہو کر بابل پر روشنی ڈالتا ہے تاکہ جونہی نیک ساعت شروع ہو، بیلشازار کو خبر کر دی جائے۔

ہال میں شراب نوشی کے دوران حسین مسکراہٹیں بکھر رہی تھیں، کہ بیلشازار کے لئے سونے کے ایک بڑے پیالے میں شراب بھری گئی۔ اُس کی کچھ بیویاں، حرمیں اور کنیزیں سرداروں کے ساتھ دلچسپ و رنگین باتوں میں مصروف رہیں، کچھ اُس کے اِردگرد جمع ہو گئیں کہ وہ بھی اس بڑے پیالے سے کوئی گھونٹ بھر سکیں۔ اُنہوں نے ایک سات شاخے شمع دان کو کچھ قریب کر دیا اور سات شمعوں کی کرنیں شراب کے پیالے میں منعکس ہونے لگیں۔ ٹھیک اسی لمحے ایک بڑے پردے کے عقب سے انسانی ہاتھ کی اُنگلیاں کسی طلسم کی طرح نمودار ہوئیں اور سامنے کی دیوار کے گچ پر کچھ لکھنے لگیں۔

[1] بحوالہ کتابِ عزرا عہد نامہ قدیم۔

بیلشازار نے حیرت زدہ آنکھوں سے اُن انسانی اُنگلیوں کو حرکت کرتے اور دیوار پر لکھتے دیکھا۔ صرف چند الفاظ لکھ کر ہاتھ غائب ہو گیا تو وہ بلند آواز میں گرجا۔ ''پردے کے پیچھے کون ہے؟''

آواز میں خوف کی جھلک تھی۔ محافظ خدمت گار بجلی کی مانند لپکے اور پردہ ہٹا کر دیکھا تو وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ بیلشازار کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی ایک ہاتھ دیکھا تھا مگر لکھنے والا ہاتھ غائب اور دیوار پر لکھا جانے والا نوشتہ موجود تھا۔ یہ ایک حیرت انگیز اور انہونی بات ہوگئی تھی جس نے بیلشازار اور دوسرے لوگوں پر خوف ساطاری کر دیا۔ لکھی جانے والی عبارت چند الفاظ پر مشتمل تھی مگر بیلشازار اُسے پڑھ اور سمجھ نہ سکا کیونکہ خطِ تحریر نامانوس تھا۔ اُس نے شاہی محل کے محرروں اور لوح نویسوں کو بلایا کہ وہ نوشتۂ دیوار پڑھیں لیکن کوئی نہ پڑھ سکا۔ بابل کے محرر اور وقائع نویس اُس رسم الخط سے ناآشنا تھے، جس میں پُراسرار تحریر لکھی گئی تھی۔ بیلشازار نے حیرت وخوف کی حالت میں اعلان کیا۔

''جو شخص دیوار کا لکھا پڑھے گا اُسے بدن پر اوڑھنے کو ارغوانی خلعت اور گلے میں پہننے کو سونے کا گلوبند دیا جائے گا اور وہ سلطنت میں بادشاہ اور ولی عہد کے بعد تیسرے درجے کا حاکم ہوگا۔''

اگر نوشتۂ دیوار ناقابلِ فہم اور پُراسرار تھا تو اس معمے کو حل کرنے کا انعام بھی بہت بڑا تھا۔

شاہی محل کے محرروں کے علاوہ بابل کے دانشوروں، ساحروں، غیب دانوں حتیٰ کہ ستارہ شناسوں نے بھی جنہیں دوسرے کمرے سے طلب کرلیا گیا تھا اُس تحریر کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی لیکن سب ناکام رہے۔ ایک کلدانی دانشور نے انکشاف کیا۔ ''شاہِ دوراں! یہ عبرانی زبان ہے اور اسے کوئی عبرانی ہی پڑھ سکتا ہے۔''

اس انکشاف پر بیلشازار کے جسم میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔ اُسی وقت اُس کی بوڑھی والدہ ہال میں داخل ہوئی اور کہنے لگی۔ ''بیلشازار! تیری سلطنت میں بہت سے عبرانی غلام موجود ہیں۔ وہ تیرے لئے اس تحریر کو پڑھیں گے۔ مگر ہو سکتا ہے تجھے اس کا صحیح مطلب نہ بتائیں اگر تو نوشتۂ دیوار کا صحیح مطلب جاننا چاہتا ہے تو ان کے پیغمبر دانیال کو طلب کر۔ کیونکہ وہ راست گو اور صادق ہے۔ بنوکدنصر نے اپنے دورِ حکومت میں اُسے بڑا رُتبہ دیا تھا۔ وہی تجھے اس کا صحیح مطلب بتا سکے گا۔''

شاہی محل کے باہر صنوبروں کے باغ میں بہت سے یہودی غلام باغبانی اور آبیاری کی خدمت پر مامور تھے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ دانیال پیغمبر کو فوراً حاضر کیا جائے۔ بیلشازار نوشتۂ دیوار کا مطلب جاننے کے لئے سخت بے چین تھا۔ یہود کے محلہ کبر کی طرف ایک تیز رفتار رتھ روانہ کیا گیا جو بوڑھے دانیال کو شاہی محل میں لے آیا۔ وہ عبرانی پیغمبروں کے مخصوص انداز میں بڑی وجاحت کے ساتھ ہال میں داخل ہوا تو بیلشازار نے دیوار کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔

''دانیال! ہمارے لئے اس نوشتۂ دیوار کو ٹھیک ٹھیک پڑھو۔ تمہیں ارغوانی خلعت، سونے کا گلوبند اور سلطنت میں تیسرے درجہ کے حاکم کا اختیار دیا جائے گا۔''

دانیال نے دیوار کی تحریر چشمِ حیرت سے دیکھی اور جواب دیا۔ ''شاہِ دوراں! مجھے کسی انعام کی خواہش اور صلے کی تمنا نہیں۔ پھر بھی میں نوشتۂ دیوار پڑھوں گا۔ تو ہر شخص سُن لے اور جان لے، دیوار پر یہ لکھا ہے۔ ''مِنے مِنے تقیل وفرسین[1]''

سب نے الفاظ سنے مگر مطلب نہ سمجھا۔ بیلشازار نے کہا۔ ''دانیال! مطلب بیان کرو۔''

''اس عبارت کا مطلب یہ ہے شاہِ دوراں! تُو ترازو میں تولا گیا اور کم نکلا اور تیری مملکت منقسم ہوئی۔''

پُراسرار نوشتۂ دیوار کے معنی سن کر تمام حاضرین پر ایک سکتہ ساطاری ہو گیا اور بیلشازار کا جسم لرزنے لگا کیونکہ جو کچھ اُس نے سنا وہ دل ہلا دینے والا تھا۔

❁

رات اپنے پہلے پہر میں داخل ہو گئی تھی اور ستاروں کا کارواں بابل کے آسمان سے گزرنے لگا تھا لیکن ابھی زہرہ کا ظہور نہیں ہوا تھا اور دیوتاؤں کے شہر میں لذت وعیش کے ہنگامے گرم ہو گئے تھے۔

عیدِ بیلس کی رات دریا میں ملاحی نہیں ہوتی تھی۔ بعض جوڑے اپنے لمحوں کو رنگین اور حسین بنانے کے لئے ساحل پر نکل آتے تھے۔ اس رات بھی تین عورتوں اور تین مردوں کی ایک ٹولی اس انوکھے خیال سے گھاٹ پر نمودار ہوئی کہ پانی کی سطح پر تیرتی، ڈولتی کشتیوں میں

---

[1] عبرانی زبان کے یہ الفاظ بائبل کی روایت کے مطابق معجزانہ طور سے دیوار پر لکھ دیئے گئے تھے۔ اسی واقعہ سے ''نوشتۂ دیوار'' کی اصطلاح رائج ہوئی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عہد نامۂ قدیم کتاب دانیال باب 5 نشان 1 تا 31)

بیٹھ کر جو پشتے کے کھونٹوں سے بندھی رہتی تھیں، شراب پئیں اور عیش و مستی سے لطف اندوز ہوں۔ مگر جونہی وہ گھاٹ کی طرف بڑھے یہ اعجوبہ منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ پانی کی سطح نو دس فٹ تک گر چکی اور کشتیاں دریا کے پشتے سے بہت نیچے لٹک گئی یا ریت میں دھنس رہی تھیں اور نو دس فٹ ننگے کنارے سے اُتر کر اُن میں بیٹھنا بہت مشکل کام تھا۔ ایک عورت چلائی۔

''فرات کا پانی کہاں چلا گیا؟''

اُس کے ساتھی مرد نے نشے میں جواب دیا۔ ''دیوتا شراب سمجھ کر پی گئے۔''

اس خیال آفرینی پر تینوں عورتیں اور تینوں مرد قہقہہ مار کے ہنسنے لگے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ دیوی دیوتا بھی وصل و نشاط سے پہلے شراب پیتے ہیں۔ اسی لئے ہیکلوں، معبدوں، مندروں، عبادت گاہوں میں دیوتاؤں کے لئے شراب نذرانے میں دی جاتی تھی۔ منچلی ٹولی ہنستی مسکراتی گھاٹ سے لوٹ گئی۔

جب دریا بہتا ہے، بہت کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے لیکن رُکتا اور خشک ہوتا ہے تو صحرا کی مانند سنسان اور اُجاڑ نظر آتا ہے۔ فرات خشک نہیں ہوا۔ اُس میں اڑھائی تین فٹ پانی بڑی سست روی سے بہہ رہا تھا مگر اُس ٹولی میں کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ سطح نو دس فٹ نیچے کیوں گر گئی ہے؟

ایسا اعجوبہ واقعہ پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا۔ لیکن فرات میں پانی کی سطح آپ سے آپ نہیں گر گئی تھی۔

شاہوں کے شاہ کورش ہخامنشی نے ایک برس پہلے بابل کا محاصرہ یونہی نہیں اُٹھا لیا اور اپنے لشکروں کے ساتھ پندرہ سولہ میل دور پرانی خشک جھیل سمیرامیس کے کنارے بے مقصد ہی پڑاؤ ڈال کر نہیں بیٹھ گیا تھا۔ دراصل یہ سب کچھ ایک منصوبہ کے تحت ہوا تھا۔ اُس نے تسخیر بابل کے لئے فرات کا رُخ بدل دینے اور شہر کو دریا کے پانی سے محروم کر دینے کی عجیب و غریب تدبیر سوچی اور اپنے بوڑھے خسر شاہ گوبارو کو اس تدبیر سے آگاہ کر کے رائے پوچھی تھی گوبارو کے نزدیک بھی شہر کو فتح کرنے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔

ایمگور بل جیسی نیرنگِ زمانہ فصیل کو چھوڑ کر کوئی لشکر بلکہ کوئی فرد دریا کے راستے بابل میں داخل نہ ہو سکتا تھا کیونکہ فرات کے شمالی برجوں کے درمیان جو حفاظتی پُل تعمیر کیا گیا تھا اُس کے

درّوں میں لوہے کے جنگلے آویزاں تھے اور سلاخیں پانی میں ڈوبی رہتی تھیں۔ کورش کی تدبیر یہ تھی کہ دریائے فرات سے جھیل تک ایک نہر کھودی جائے۔ جھیل کو گہرا اور وسیع کیا جائے اور جب یہ کام مکمل ہو جائے، دریا کا کنارا کاٹ کر پانی کا رُخ نہر اور جھیل کی طرف موڑ دیا جائے تو فرات کے شمالی درّے راہ میں رکاوٹ نہیں ہوں گے۔ دریا کی سطح تلی تک گر جانے سے صرف لوہے کے جنگلے باقی رہ جائیں گے جنہیں اوپر اٹھا دینے سے فوج اُن درّوں کے رستے بابل میں داخل ہو جائے گی۔

اس حیرت انگیز منصوبے کو معرضِ عمل میں لانے کے لئے ایرانی سپاہ بابل کا محاصرہ چھوڑ کر سولہ میل پیچھے ہٹ گئی اور ساحلِ فرات سے جھیل سمیرامیس تک طویل پڑاؤ ڈال کر بظاہر کھیل کود میں مصروف ہو گئی۔ جیسا کہ کلدانی مخبر دربار اساگیلہ کو خبریں دیتے رہے لیکن درپردہ ایرانی سپاہی نہر اور جھیل کی کھدائی کر رہے تھے جو ایک سال تک جاری رہی۔ اس اثناء میں مہرتاب کو بابل میں بھیجا گیا اور عبرانی پیغمبروں حضرت حجیؑ اور حضرت ذکریاؑ بن برکیا کو جن کے صفاتی یا خفیہ نام ہاروت ماروت ظاہر کئے گئے، یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ فرات کے شمالی بُرجوں کے متعلق پوری معلومات حاصل کریں اور اپنے اثر و رسوخ سے مہرتاب کو اُن بُرجوں تک پہنچانے میں مدد کریں۔

مہرتاب کا دوسرا اہم فرض یہ تھا کہ ''سروش'' کے خفیہ حلقے سے مل کر شاہ بنونید کے خلاف ایک مقدمۂ قتل کی ساعت کا اہتمام کرے جس کی ''زندہ شہادت'' ہاروت ماروت کے قبضے میں تھی۔ جب یہ حقیقت منظرِ عام پر آئے گی کہ بادشاہ کا خاندانِ بخت نصر سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اصل وارثِ تخت کا قاتل اور غاصب ہے، اُسے بادشاہت سے معزول کر دیا جائے گا۔

مہرتاب نے یہ دونوں فرض انجام دیئے اور شاہ بنونید کے پیروں تلے سے تخت کھینچ کر خود فرات کے شمالی بُرجوں تک پہنچ گیا جو بابل کی تسخیر میں اہم حیثیت رکھتے تھے۔ کورش عید بیلس کی رات کو شہر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس لئے طے شدہ منصوبہ کے مطابق اُسی شام دریا کا رُخ کھودی ہوئی نہر اور جھیل کی طرف موڑ دیا گیا اور فرات میں پانی کی سطح بتدریج گرنا شروع ہو گئی تھی۔

تسخیرِ بابل کی ساعت قریب آ گئی تھی جو آسمانوں کی کتاب اسرار پر پہلے سے لکھ دی گئی تھی۔ مہرتاب شمالی بُرجوں میں اور شاہ گوبارو گورگانی اور عیلامی لشکر سمیت فرات کی بستیوں تک

پہنچ چکا تھا جن کا چند روز پہلے معائنہ کرنے آیا تھا۔

❀

اُسی رات بیدخت زہرہ جمال نے اپنے اچھوتے بدن پر شاہ یوسیفر کی فلکیاتی قبا زیبِ تن کی۔ کلائیوں میں زہرہ کے کنگن پہن لئے۔ قبا کے علاوہ اس کے بدن پر اور کوئی لباس نہ تھا۔ کنگنوں کے سوا دوسرا کوئی گہنا نہ تھا۔ اسی حالت میں اپنے کمرۂ آرائش سے نکلی تو نورِ ناہید آموسی اور راحتِ شب لیلیٰ اور سب پیاریاں اُسے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

شاہی محلات سے بلاوا آ چکا تھا کہ طلوعِ زہرہ کے بعد اُسے بیلشازار شاہِ دوراں اور شمورہ دخترِ بابل کی تقریبِ زوجیت پر رقص کرنا ہے۔ پیاریاں سمجھیں یہ عجیب قبا اُس نے رقص کے لئے زیبِ بدن کی ہے اور تمام زیور اُتار کر ہاتھوں میں کنگن پہن لئے ہیں جو پہلے اُس نے کبھی نہ پہنے تھے۔ وہ اُسے دیکھ دیکھ کر حیران ہونے لگی۔ اچانک بیدخت نے اُنہیں دم بخود کر دیا۔

''یہ لباس اور یہ زیور میں نے رقص کے لئے نہیں پہنا۔ آج رات جب آسمان پر زہرہ کا ظہور ہوگا، میں زمین سے پرواز کر جاؤں گی اور آئندہ زہرہ کے ساتھ ایک اور زہرہ طلوع ہوا کرے گی۔''

یہ انہونی اور ناقابلِ یقین بات تھی۔ سب پیاریاں ورطۂ حیرت میں ڈوب گئیں۔ اصنامی روایات کے مطابق صرف دیوی دیوتا کائنات کے اَن دیکھے گوشوں یا آسمانوں پر پرواز کرتے تھے۔ بیدخت نے انکشاف کیا۔

''میں آسمان سے آئی تھی، آسمان پر جا رہی ہوں۔ یہ شاہِ یوسیفر کی قبا ہے۔ یہ زہرہ دیوی کے کنگن ہیں۔ بس یہی میرا سرمایہ ہے جو میں ساتھ لے جاؤں گی۔ زمین پر میرا جو کچھ ہے آموسی نورِ ناہید کے لئے ہے۔''

یہ الفاظ اتنے یقین اور اعتماد سے کہے گئے جس پر کسی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ بدن پر فلکیاتی قبا اور کلائیوں میں دیوی کے کنگن ظاہر کر رہے تھے کہ کوئی انہونی بات ہونے والی ہے۔ نورِ ناہید آموسی کو بھی کچھ پوچھنے کا یارا نہ رہا۔ راحتِ شب لیلیٰ بھاگ گئی اور ہندوستانی رتھ بان شنکر اور غلام بابک کو بلا لائی کیونکہ زہرہ جمال کاشانۂ زہرہ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی تھی۔ شنکر کو یہ سن کر کوئی تعجب نہ ہوا کہ وہ زہرہ دیوی کی بیٹی اور اس کی طرف واپس جا رہی ہے۔ ہندوستانی دیو مالا میں اِندر دیوتا کی اپسرائیں سندر ناریوں کے رُوپ میں دھرتی پر آتی اور

آکاش پر واپس جاتی رہی تھیں۔ اُس نے دو زانو ہو کر اپنی حسین ترین مالکن کو ڈنڈوت ادا کیا۔

بیدخت کی پیاریاں اس خیال سے کہ انہیں زہرہ جمال کے ہمراہ شاہی محل میں رقص کرنے جانا ہے پہلے ہی کنول کے پھول جیسی یکساں پوشاکیں زیبِ تن کر چکی تھیں۔ البتہ نورِ ناہید اپنے عام لباس میں تھی۔

بیدخت نے ایک نظر اپنے ارضی مسکن پر ڈالی پھر پیاریوں سے کہنے لگی۔

''تم سب میرے گرد دائرہ بنا لو اور الوداعی گیت گاتی میرے ساتھ چلو۔ نورِ ناہید تمہارے آگے آگے چلے گی۔''

بالکل کسی خواب یا حسین طلسم کی طرح وہ کاشانۂ زہرہ سے نکلی۔ ستائیس پیاریوں نے اُسے اپنے حلقے میں لے رکھا تھا جو ہم آواز اور ہم آہنگ ہو کر گیت گا رہی تھیں۔ جس میں اُس کے بے مثال حُسن کی تعریف بھی کی گئی تھی اور جدائی کے درد کا شعلہ بھی بھڑک رہا تھا۔ اُن کے حلقے میں وہ سحرِ بابل کی مانند چپ چاپ چل رہی تھی۔ کاشانۂ زہرہ کے بڑے پھاٹک پر شنکر اور بابک کچھ خادماؤں کے درمیان پتھر سے بنے اُسے جاتے دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے ارضی ماضی کو پیچھے چھوڑ کر آسمانی مستقبل کی طرف یا ایسی دُنیا میں جا رہی تھی جہاں زمانے کے تغیرات کا اثر نہیں ہوتا۔

دیوتاؤں کے شہر کی گناہ آلود رات ابھی اپنے پہلے پہر سے گزر رہی تھی۔ راستوں کے کنارے زیتون یا مہندی یا سرو یا کھجور کے درخت رات کا لبادہ اوڑھے آہستہ آہستہ جھوم رہے تھے۔ شمالی ہوا اُن کی شاخوں سے چھو کر گزرتی تو پُراسرار سرگوشیوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔

بیدخت اپنی پیاریوں کے حلقے میں ہوا کی سرگوشیوں کو نظر انداز کرتی چلی جا رہی تھی۔ بابل کے مناظر اُس کی نظروں کے سامنے آتے اور گزر جاتے۔ یوں لگتا تھا اُن مناظر کے ساتھ ساتھ ایک زندگی بھی گزرتی جا رہی ہے۔

ناگہاں وہ ہیکلِ زہرہ میں داخل ہوئی جہاں بھیڑ حجروں، کمروں اور خلوت خانوں کی طرف تھی۔ اُس رات دیوی کے کمرۂ عبادت میں چند پروہتوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ وہ اپنی پیاریوں کو باہر چھوڑ کر تنہا دیوی کے روبرو پہنچی اور دونوں ہاتھ اُس کی طرف بڑھا کر آخری دُعا کرنے لگی۔ پروہتوں نے اُس کی کلائیوں میں زہرہ کے کنگن دیکھے تو حیران و ششدر رہ گئے جو اپنے ہیروں، نگینوں، چمک دمک اور ساخت کے اعتبار سے پہچان لئے گئے۔ کیونکہ بناوٹ

اور گھڑت کے اعتبار سے وہ اپنی مثال آپ تھے۔ دُعا مانگنے کے بعد بیدخت کمرے سے نکلی اور اپنی پیاریوں کے حلقے میں ہیکل سے بھی نکل گئی۔ مگر پروہت کاہنِ اعظم اوماتا کی طرف بھاگے اور اُسے دیکھتے ہی پوچھنے لگے۔ ''زہرہ دیوی کے کنگن کہاں ہیں؟''

''دیوی کے کنگن؟'' اوماتا گھبرا گیا مگر سنبھلا۔ ''دیوی کے کمرۂ تحائف میں ہوں گے۔''

''ہم نے دونوں کنگن بیدخت کی کلائیوں میں دیکھے ہیں۔''

اوماتا کا رنگ اُڑ گیا کہ کنگن دیکھ لئے گئے ہیں۔ اُس نے بات بنائی۔ ''بیدخت زہرہ دیوی کی پرستار اور زہرہ جمال ہے۔ ہوسکتا ہے، دیوی کی فرطِ عقیدت میں اس نے اسی ساخت کے کنگن بنوالئے ہوں۔''

''یہ ناممکن ہے۔ کوئی کاریگر سنار اُس گھڑت کی نقل نہیں کرسکتا۔'' پروہت اصرار کرنے لگے۔ ''اگر دیوی کے کنگن ہیکل میں ہیں تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

اُسی لمحے دو آدمی کلید بردار پروہتوں کی طرف بھاگ گئے اور اوماتا اندر سے کانپنے لگا کہ چوری کا بھید کھلنے پر بدترین عذاب میں مبتلا کردیا جائے گا۔ پھر سوچا وہ چوری سے لاعلمی کا اظہار کردے گا۔ دونوں کلید بردار پروہت کمرۂ تحائف کے سامنے پہنچ گئے۔ اوماتا بھی دروازے پر آیا اور لرزتے ہاتھوں سے اپنا تالا کھولا۔ دوسرے تالے بھی کھلے۔ چند معتبر کاہن اور پروہت اوماتا کے پیچھے پیچھے کمرۂ تحائف میں داخل ہوئے۔ اُس نے چاندی کا منقش ڈبہ کھولا جس میں کنگن رکھے جاتے تھے تو اُسے خالی دیکھ کر بکمال حیرت سے اُچھل گیا۔ ''دیوی کے کنگن غائب ہیں۔''

ساتھ ہی غم و صدمہ کے مارے سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ اُس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ یہی کرے گا۔ وہ پروہت جنہوں نے بیدخت کے ہاتھوں میں کنگن دیکھ لئے تھے چلانے لگے۔ ''کنگن بیدخت نے چرائے ہیں۔''

اور یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اُس نے چوری کس طرح کی ہوگی جب کہ کمرے کے دروازے پر تین تالے پڑے رہتے ہیں ''چور، چور، چور'' کا شور مچاتے کمرے سے نکلے اور بیدخت کے تعاقب میں بھاگے جو ہیکلِ زہرہ سے بہت دُور جاچکی تھی۔ اوماتا نے دونوں کلید بردار پروہتوں کے ساتھ دروازہ مقفل کیا تو دونوں پروہت بھی ہجوم کے پیچھے لپکے اور وہ سوچنے لگا کہ فرار ہونے کا یہی بہترین موقع ہے۔

بیدخت زہرہ جمال اپنی پیاریوں کے حلقے میں چلتی اور رخصت و جدائی کے گیت سنتی زیگورات (منارۂ بابل) کے دروازے پر پہنچ گئی۔

وہ ہیکل کے آخری گنبد سے جو 380 فٹ بلند اور جس کے طاقچوں میں ہر شب ہزاروں شمعیں روشن ہوتی تھیں اس وقت آسمان کی طرف پرواز کرنا چاہتی تھی جب زہرہ طلوع ہو رہا ہو۔ اُسے یقین تھا، کئی برس پہلے اُس نے جو خواب دیکھا تھا آج اس کی تعبیر کی رات ہے اور وہ تیسرے آسمان پر پہنچ کر دوسری زہرہ میں منقلب ہوجائے گی۔

ہیکل کے دروازہ پر اُس نے کچھ کاہنوں، غیب دانوں اور منجموں کو باتیں کرتے دیکھا جو گیت کی آواز سن کر اُس قافلۂ حُسن کی طرف متوجہ ہوگئے جس کے درمیان وہ خود شاہِ یوسیفر کی فلکیاتی قبا اوڑھے اور کلائیوں میں زہرہ کے کنگن پہنے کسی دیوی کی سی شان کے ساتھ چلی آرہی تھی۔ کاہن، غیب دان، منجم اُس کے عجیب لباس پر چونکے اور جب قریب آئی تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے وہ کوئی لباس نہیں بلکہ سیارگانِ الوہیت اور ان کے ساتھ ساتھ حرکت کرنے والے نجوم و کواکب پر مشتمل ایک فلکیاتی قبا تھی۔ دینِ اکد کے بزرگ کاہن اور ستارہ شناس ہی جانتے تھے کہ شاہ یوسیفر کے دور میں جب سیارگانِ الوہیت کی مخصوص شکلیں متعین کی گئیں، بروجِ سماوی کے حلیے اور خاکے ترتیب دیئے گئے اور ستاروں کی گردش و رفتار کے ساتھ اُن کی منزلوں اور زمین پر ہونے والے اثرات کے نقشے بنائے گئے جن کی تفصیل علم الافلاک کی قدیم الواح پر درج تھی تو آسمانوں کے بعض اسرار ایک قبا پر منتقل کردیئے گئے تھے اور وہ فلکیاتی قبا شاہ یوسیفر کے نوادرات و عجائبات کے ساتھ ہی محفوظ کردی گئی تھی۔

ہیکل کے کاہن، غیب دان اور ستارہ شناس سوچنے لگے۔ یہ وہی قبا ہے۔ وہی ہے۔ مگر بیدخت کو کہاں سے مل گئی اور اس نے کس مقصد کے لئے اپنے بدن پر اوڑھ رکھی ہے؟

ایک بوڑھے منجم نے آگے بڑھ کر قبا کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور پوچھا۔ ''بیدخت! یہ قبا تو نے کہاں سے حاصل کی؟''

بیدخت جانتی تھی، زہرہ کے طلوع ہونے میں تھوڑا وقت رہ گیا اور وہ اپنے مقامِ پرواز تک آ پہنچی ہے۔ بس تھوڑی دیر میں ہیکل کے چکر دار ڈھلوان راستے پر چلتی وہ زیگورات کے آخری بُرج تک پہنچ کر انسانی دسترس سے دور ہوجائے گی۔ اُس نے سچائی سے کام لیا۔

''یہ شاہِ یوسیفر کی فلکیاتی قبا ہے جو صدیوں پہلے عطارد دیوتا کے پیٹ میں محفوظ کردی گئی

تھی اور وہیں سے حاصل کی گئی ہے۔''

کاہن، غیب دان، منجم اُس کی صاف گوئی پر ششدر رہ گئے اور معاملے کی سنگینی پر غور کر رہے تھے کہ بیدخت زیرزمین فلکیاتی عجائب گھر میں جس کی حفاظت زرہ پوش محافظ کرتے ہیں کس طرح داخل ہوئی اور عطارد دیوتا کے پیٹ سے یہ نادر قبا کیسے نکال لائی کہ ہیکلِ زہرہ کے کاہنوں، پروہتوں اور کمرۂ تحائف کے سامنے دھرنا مار کر بیٹھنے والے پجاریوں اور خادموں کا ہجوم ''چور، چور'' کا شور مچاتا سیلاب کے بپھرے ہوئے دھارے کی طرح زیگورات کی دیوار سے آٹکرایا۔ بیدخت اور اُس کی پیاریاں جو صورتِ حال سے بے خبر اور نہیں جانتی تھیں کہ یہ بے قابو ہجوم انہی کے پیچھے آیا ہے، حیرت و تعجب کی نظروں سے مشتعل لوگوں کو دیکھنے لگیں۔

فوراً ہی کمرۂ تحائف کا کلید بردار پروہت آگے بڑھا اور بیدخت کی کلائیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''بیدخت! تُو نے زہرہ دیوی کے کنگن چرائے اور اپنی کلائیوں میں پہن رکھے ہیں۔ اس جرم کی سزا سُولی ہے۔ اگر تُو کنگن واپس کر دے تو سُولی سے بچ جائے گی۔''

اُسی لمحے زیگورات کے بوڑھے منجم نے بھی اپنا بازو لہرا دیا۔ ''بیدخت! یہ فلکیاتی قبا تُو عطارد دیوتا کے پیٹ سے اُڑا لائی ہے اور اس کو پہننے کا تجھے کوئی اختیار نہیں۔''

زہرہ جمال پر دو بجلیاں یکے بعد دیگرے ٹوٹ پڑیں اور دل تھام کے رہ گئی۔ بتانا چاہتی تھی نہ اُس نے قبا اُڑائی ہے، نہ کنگن چوری کیے ہیں بلکہ قبا شہزادی شمورہ نے اور کنگن کاہنِ اعظم اوماتا نے اپنے ہاتھ سے دیئے ہیں۔ مگر ان وضاحتوں کا وقت گزر چکا تھا۔ مشتعل ہجوم کوئی وضاحت نہیں سنتا۔ پروہتوں، منجموں کے نزدیک دونوں چیزیں چرائی گئی اور اس وقت بیدخت کے جسم پر موجود تھیں۔ اگر کوئی وضاحت بھی کرتی تو اس میں مہرتاب کا نام آتا۔ شہزادی شمورہ اور اوماتا کے نام بھی آتے۔ حالات کی نزاکت کہہ رہی تھی وہ خاموش رہے۔ ممکن ہے مہرتاب کے ساتھ شمورہ اور اوماتا پر بھی کوئی نئی مصیبت ٹوٹ پڑے۔ اُس نے نورِ ناہید کے کان میں کچھ کہا پھر اپنی پیاریوں کا حلقہ توڑ کر زیگورات کے چکردار ڈھلوان راستے کی طرف بھاگی جو ہیکلِ بل مردوک کی عظیم الرفعت عمارت کے گرد اگرد گھومتا آٹھویں گنبد تک چلا گیا تھا اور خم دار راستے پر کوندے کی طرح لپکتی چلی گئی۔

سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ کاہن، منجم، پروہت، پجاری ابھی معاملے کی صورت سمجھ بھی نہ

پائے تھے کہ نورِ ناہید نے ان کے سامنے ستائیس پیاریوں کی ایک حسین دیوار کھڑی کر دی تا کہ وہ بیدخت کا پیچھا نہ کر سکیں۔ سب نے یہی سمجھا وہ فرار ہو کر زیگورات کے ساتویں حلقے میں جہاں بل مردوک اور ایشتار کا خاص کمرۂ عبادت ہے، پناہ لینا چاہتی ہے اور اگر اس کمرے تک پہنچ گئی تو اس پر کوئی آنچ نہیں آ سکے گی۔ زیگورات کے منجم نے لوگوں کو اشارہ کیا۔

''اسے کمرۂ پناہ میں جانے سے پہلے پکڑ لو۔''

ہجوم چکردار ڈھلوان راستے کی طرف بڑھا۔ بیدخت کی پیاریوں نے دیوانے پروہتوں پجاریوں کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ اُنہیں رستے سے ہٹاتے، گراتے نکل گئے۔ بیدخت جانتی تھی اگر پجاریوں نے قبا اور کنگن چھین لئے تو اُس کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا اور مہرتاب کی ساری کوشش رائیگاں جائے گی۔

وہ ابھی دوسرے حلقے کو عبور کر رہی تھی کہ عقب میں شور اور بھاگتے دوڑتے قدموں کی آہٹیں سن کر تیزی سے بھاگنے لگی۔ بلندی کی طرف بھاگتے بھاگتے سانس پھول گیا پھر بھی ہانپتی کانپتی دوڑتی رہی مگر پیچھا کرنے والے مشتعل لوگوں کی رفتار تیز تھی۔ چوتھے حلقے سے نکل کر پانچویں میں داخل ہونے والی تھی کہ ہجوم قریب آ گیا۔ اُسی لمحے ہیکلِ زہرہ کے کلید بردار پروہت نے پیچھے سے اُس کی قبا کا دامن پکڑ کے جھٹکے سے کھینچا تو بیدخت کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ وہ ایک لرزتی، تھرتھراتی چیخ کے ساتھ پشت کے بل گری اور ڈھلوان راستے پر گٹھڑی کی مانند پھسلتی، رپٹتی، لڑھکتی تیسرے حلقے کی طرف گرتی چلی گئی۔ سیاہ ریشمی بال بکھر گئے۔ بوسیدہ فلکیاتی قبا کئی جگہوں سے پھٹ گئی۔ وہ حسین چہرہ جس کے سامنے پھولوں کی صباحت بھی کچھ نہ تھی رستے کی دُھول سے بھر گیا اور چیخیں حلق میں گھٹ کر آہوں، کراہوں اور دل فگار سسکیوں میں ڈھل گئیں۔

تیسرے حلقے پر کنارے کے دو پتھر اُکھڑ چکے تھے۔ بیدخت لڑھکتی ہوئی اُن پتھروں سے ٹکرائی اور چالیس پیالیس فٹ کی بلندی سے سر کے بل دوسرے حلقے میں گری۔ ساتھ ہی ایک سسکتی چیخ سنی گئی اور یہی چیخ اُس کی آخری آواز تھی کیونکہ سر کے بل گرتے ہی حسین گردن کا منکا ٹوٹ گیا تھا۔

پروہت، پجاری تیسرے حلقے سے چکردار راستے پر نیچے بھاگے۔ نورِ ناہید آموسی اور پیاریوں نے بیدخت کو بلندی سے گرتے دیکھا تو چیختی چلاتی دوسرے حلقے کی طرف دوڑیں

جہاں وہ اوندھے منہ پڑی تھی۔ آموسی لپکتی، جھجکتی قریب آئی اور اس کا خاک میں اٹا ہوا چہرہ سیدھا کیا تو ہونٹوں کے کناروں اور نتھنوں سے خون کی بوندیں نکل رہی تھیں لیکن رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور اب وہاں بیدخت کی بجائے دنیا کی سب سے حسین عورت کی لاش پڑی تھی جو آسمان کی طرف پرواز کرنے نکلی مگر خواب کی تعبیر پوری نہ کر سکی کیونکہ ہر انسان کی طرح اس کا جینا مرنا بھی اسی زمین پر تھا۔

نورِ ناہید ایک رُوح فرسا چیخ مار کے لاش پر جھکی روتی، پیٹتی اپنے آنچل سے خون پونچھنے اور چہرہ صاف کرنے لگی۔ پیاریوں نے آتے ہی اس کے گرد جمگھٹا کر لیا۔ اُن کی سب سے چہیتی اور پیاری ہستی دنیا سے رخصت ہو گئی تھی۔ وہ بین کرنے اور دھاڑیں مار مار کے رونے لگیں۔

وہی کلید بردار پروہت جس نے بیدخت کو گرایا اور اُس کی موت کا سبب بنا تھا چند پجاریوں کے ساتھ لاش کی طرف بڑھا۔ اب کے پیاریوں نے اُسے راستہ دے دیا کیونکہ اب بیدخت کی رسوماتِ میت ادا کرنے کے لئے انہی کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں کی ضرورت تھی جن کی دعاؤں کے بغیر نہ وہ دفن ہو سکتی تھی، نہ دیوتا اُس کی بخشش و نجات کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ پروہت، پجاری اور کاہن ہی کسی رُوح کی بخشش و نجات کے ٹھیکے دار سمجھے جاتے تھے۔

کلید بردار پروہت بیدخت کی لاش کے قریب بیٹھ گئے جس کا چہرہ نورِ ناہید نے ڈھانپ دیا تھا اور اُس کی مُردہ کلائی سے دیوی کے کنگن اُتارنے لگا۔ کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ مزاحمت کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ بیدخت کو اب کسی گہنے کی ضرورت نہ تھی اور زہرہ کے کنگن تو اُس کے لئے منحوس ہی ثابت ہوئے تھے۔ پروہت نے دونوں کنگن اُتار کر جیب میں رکھ لئے۔

زیگورات کا بوڑھا منجم بھی ہیکل کے کاہنوں کے ساتھ آگے آیا کہ اُس کے مُردہ جسم سے فلکیاتی قبا اُتار لے لیکن پرانی، بوسیدہ قبا جگہ جگہ سے پھٹ گئی اور بیکار ہو گئی تھی۔ بیدخت کے جسم پر اس دریدہ قبا کے علاوہ اور کوئی لباس نہیں تھا اور ہر لباس اس لئے اتار دیا گیا تھا کہ فلکیاتی قبا اپنے اسرار اور تصرفات کے ساتھ اُس کے ننگے بدن کو چھوتی رہے۔

نورِ ناہید فوراً اُٹھی اور آنسوؤں سے بھیگے لہجے میں کاہنوں اور منجموں سے کہنے لگی۔

''تم دیکھ رہے ہو قبا پھٹ گئی ہے اور بیدخت کے جسم پر اور کوئی لباس بھی نہیں۔ مگر میت کی

تکفین کے بعد میں یہ قبا زیگورات میں پہنچا دوں گی۔''

کاہن، منجم، پروہت، پجاری اگرچہ بیدخت کو ''چوٹی'' سمجھ رہے تھے، مگر وقت ہر معاملے کو بدل دیتا اور موت ہر خطا کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اب انہیں آفریدۂ جمال بیدخت کی جواں مرگی پر افسوس ہو رہا تھا۔ نورِ ناہید کی درخواست پر لاش اُٹھوانے کے لئے چار خادموں کا بندوبست کر دیا گیا اور اُنہیں یہ ہدایت بھی کی گئی کہ میت کاشانۂ زہرہ میں پہنچا کر فلکیاتی قبا لیتے آئیں۔

جب دنیا کی سب سے خوب صورت عورت کی میت اُٹھی، آموسی نورِ ناہید آگے آگے اور ستائیس پیاریاں جو کنول جیسا یکساں لباس پہنے تھیں پیچھے پیچھے سینہ کوٹتی اور بین کرتی چلنے لگیں۔ آسمان پر زہرہ ستارہ ابھی تک طلوع نہیں ہوا تھا اور عیش و عشرت کی بدمستی میں چور مردوں، عورتوں کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں تھی کہ کون مر گیا اور اس کے لئے گریہ وزاری کی جا رہی ہے۔

❁

بابل کے آسمان پر طلوعِ زہرہ سے قبل قطبی ستارہ نمودار ہو گیا۔ اُس ستارہ کے نمودار ہوتے ہی مہرتاب کو شمالی برجوں کے درمیان آہنی سلاخوں کے جنگلے اُٹھا کر حفاظتی پُل کے درّے کھول دینا تھے کیونکہ فرات کا سارا پانی کاٹ کر نہر اور جھیل کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ نہ صرف دریا خشک ہو گیا اور اُس کی تلی میں ریت اور پتھر نظر آنے لگے تھے بلکہ شوشان کا ستر سالہ بادشاہ گوبارو اپنے لشکر لے کر فرات کی بستیوں سے روانہ ہو چکا تھا۔

شمالی برجوں اور ایمگور بل کی بلند و بالا فصیل کے اوپر اور آس پاس ہر جانب پُراسرار سناٹا ہونک رہا تھا۔ کیونکہ عید بیلس کا تہوار منانے کے لئے سردار سیسرا فوجی افسروں اور جوانوں کے لئے جو شراب ڈھوتا رہا، اُس میں بے ہوشی کا ایسا جوہر ملا دیا گیا تھا جو شراب کے ساتھ غیر محسوس طور پر آہستہ آہستہ اثر کرتا اور ذہن کے علاوہ عصبی نظام کو بھی مفلوج کر دیتا تھا۔ شمالی فصیل کے محافظ افسر اور جوان شراب پی کر مدہوش پڑے بلکہ بے ہوش پڑے تھے اور کسی طرف حرکت کے آثار نہیں تھے۔ البتہ نیمتی بل کی سمت ڈیڑھ میل دُور بدمست سپاہیوں کا شور و غل سنائی دے رہا تھا۔

شمالی بُرجوں کے نگران کاریگروں اور مزدوروں کو بھی وہی شراب پلائی گئی تھی اور سب بے

سُدھ پڑے تھے۔ قطبی ستارہ دیکھتے ہی مہرتاب سردار سیسرا اور تینوں ساتھیوں کو لے کر پُل کی اُس پٹی پر نمودار ہوا جہاں آہنی سلاخوں کو جنگلوں سمیت گھما کر درّوں کے آہنی جنگلے اُوپر اُٹھا دیئے گئے اور کلدانی جرنیلوں، فوجی افسروں، انجینئروں اور محافظوں کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ کورش کے لئے بابل کے دروازے کھل گئے ہیں وہ سب احمق اور فاتر العقل لوگوں کی طرح فصیل کے اوپر کنگوروں کے پیچھے، ایمگور بل کی بارکوں میں، خیموں اور شمالی بُرجوں کے اندر مدہوش پڑے تھے۔

بُرجوں کے اوپر پراتو دیوتا کے کوہ پیکر بُت بھی جو اپنی پتھریلی آنکھوں سے شمالی صحرا اور دشت و دریا کی نگرانی کرتے تھے، نہ دیکھ سکے کہ فرات کا رُخ بدل دیا گیا ہے۔ شاہ گوبارو خطرناک ترین گورگانی سواروں کے آگے آگے خشک دریا کے اندر چلا آرہا ہے اور اس کے نیزہ بردار عیلامی دستے فرات کے دونوں ساحلوں کے ساتھ ساتھ حرکت کررہے ہیں۔

مہرتاب نے سردار سیسرا کے ہمراہ دریا کے ایک خشک ٹاپو پر بوڑھے عیلامی بادشاہ کا استقبال کیا پھر آناً فاناً رسالہ اور دونوں پیادہ دستے درّوں سے گزر کر دونوں ساحلوں پر ایمگور بل کے ساتھ ساتھ پھیل گئے۔ اس نیرنگِ زمانہ اور ناقابلِ شکست فصیل کے شمالی دروازے جن پر پیتل کے دبیز پترے ٹوپی دار کیلوں سے پیوست کئے گئے تھے، کھول دیئے گئے اور فصیل کے محافظ افسروں کو ہوش اس وقت آیا جب وہ جنگی قیدی بنا لئے گئے۔

شاہِ عیلام گوبارو کے پیچھے پیچھے ایرانی پڑاؤ سے شہنشاہ کورش کا بہادر فرزند ولی عہد کمبوجیا، سردار دیدارنا، دارا گشتاسپ، سردار بُگاباز، بہادر آریاسپ اپنے دستوں کے ہمراہ بڑی تیزی کے ساتھ بابل کی طرف اُڑے آرہے تھے اور کورش اپنے ''چشم و گوش'' اور سات سرداروں کے ساتھ پڑاؤ میں بیٹھا اس حملہ و یلغار کے نتائج کا منتظر اور مزید لشکر روانہ کر رہا تھا۔ گوبارو نے کہا تھا وہ دوسرے دن شاہانہ کروفر سے شہر میں داخل ہوگا اور ایرانی فوجیں اساگیلہ میں اس کا استقبال کریں گی۔

شمالی بُرجوں اور فصیل پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں افسروں اور جوانوں کو مقرر کر کے گوبارو سواروں اور پیادہ دستوں کے ہمراہ بڑی سرعت سے دوسری فصیل نیمیتی بل کی طرف لپکا۔

بابل میں داخلہ بالکل کسی طلسم یا خواب کی مانند تھا۔ کلدانی محافظوں نے تلوار تو کیا، ہاتھ تک نہ اٹھایا کیونکہ وہ اپنی عقلوں اور ہمتوں سے محروم ہو گئے تھے اور گوبارو نے اُنہیں ناگہاں

گھیر لیا تھا۔ نیمیتی بل کے قریب کلدانی افسروں نے نشہ سے بند ہوتی آنکھیں کھول کر حیرت و تعجب کی نظروں سے اجنبی لشکر کو صف بہ صف حرکت کرتے دیکھا تو ہوش اُڑ گئے اور اپنے جوانوں کو دشمن کا راستہ روکنے کا حکم دیا۔ لیکن یہ مزاحمت بالکل بے کار ثابت ہوئی۔ کلدانی سپاہی نیزوں اور تلواروں سے کٹے۔ کچھ زخمی ہو کر بھاگے۔ گوبارو اُنہیں پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھا۔ مہرتاب گھوڑے پر سوار اُسے تیز رفتاری کی تاکید کر رہا تھا۔

''جناب! ہمیں بہت جلد شاہی محل میں پہنچنا ہے۔ بیلشازار کے بڑے بڑے سردار، جرنیل، اُمراء اور اشراف سب وہیں مل جائیں گے کیونکہ وہ عیدِ بیلس کے جشن میں مدعو ہیں۔''

اُس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ زہرہ کے طلوع ہونے یا پھر عطارد اور زحل کے قران سے قبل شاہی محل میں اس لئے پہنچنا چاہتا ہے کہ بیلشازار نے یہی مبارک ساعت (جو صرف شاہوں کے شاہ کورش بخامنشی کے لئے مبارک تھی) شہزادی شمورہ سے زوجیت کا تعلق قائم کرنے کی ساعت ٹھہرائی ہے اور انکار کی صورت میں اُس کی زندگی خطرے میں تھی۔ مہرتاب جانتا تھا، وہ ہر حال میں انکار کرے گی۔

جنگجو بیلشازار دانیال بزرگ سے ''مِنے مِنے تقیل وفرسین'' کا مطلب سن کر اگرچہ پریشان اور افسردہ خاطر ہو گیا تھا مگر دانیال کے رخصت ہوتے ہی اُس کا طبعی جذبۂ سرکشی جو اپنے سے برتر ہر شخصیت اور ہر طاقت کی نافرمانی کے لئے آمادہ رہتا تھا پھر عود کر آیا۔ اُس نے عیدِ بیلس کے جشن کو رنگین اور اپنی زوجیت کی تقریب کو نشاط آفرین بنانے کے لئے شراب کا دوسرا دور شروع کرنے کا حکم دیا کیونکہ نوشتۂ دیوار کا مفہوم سننے کے بعد اُس کے ساتھ اُس کی بیویوں، حرموں، کنیزوں اور سردارانِ حاضر باش کا نشہ بھی ہرن ہو گیا تھا اور ہر کوئی عیدِ بیلس کی رات مایوسی اور ناکامی کی باتیں پیمانے میں گھول کر پی جانا چاہتا تھا۔

تلخ شرابوں کا دور پھر شروع ہو گیا اور شاہی خواتین جنہوں نے اپنی اپنی پسند کے سرداروں کو آج کی رات کے لئے منتخب کر لیا تھا شراب پینے، پلانے اور محفل کو خوش رنگ بنانے میں مصروف ہو گئیں۔ اچانک شاہی منجموں نے اشتار کا ستارہ طلوع ہونے کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا چند لمحوں میں عطارد اور زحل بُرجِ حمل میں اکٹھے ہونے والے ہیں۔

دانیال بزرگ سے سلطنت منقسم ہونے کی خبر سن کر بیلشازار نے اپنے ذہن میں سوچا تھا کہ صرف شمورہ کے انکار اور بغاوت کے اظہار سے یہ خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ زہرہ کے ظہور کی

خبر سن کر اُس نے مذہبی امور کے سربراہ زریہ کو حکم دیا کہ وہ شہزادی شمورہ کو عقد کے لئے حاضر کرے۔ سردار زریا اور محکمۂ خفیہ کا سایۂ اجل ریموت بھی زریہ کے آس پاس بیٹھے تھے۔ ہیکلوں اور معبدوں کا راہنما کھڑا ہو کر بتانے لگا۔

''شاہِ دوراں! شہزادی شمورہ باغاتِ معلقہ میں موجود نہیں۔''

''کہاں چلی گئی؟'' بیلشازار بھڑک اُٹھا۔''اُس نے قول دیا تھا کہ عیدِ بیلس کی رات کمرۂ تنہائی میں ہمارا انتظار کرے گی۔''

''شاہِ دوراں! کمرۂ تنہائی سے مراد ایوانِ ماکلوب کا وہ کمرہ تھا جہاں شہزادی تنہائی کا عرفان حاصل کرتی ہے۔ وہ دنیاوی راحتوں کا خیال ترک کر کے آج رات پھر اپنے عرفانِ تنہائی میں لوٹ گئی ہے اور اب عشق وازدواج کی دنیا میں کبھی واپس نہیں آئے گی۔''

''زریہ ـــــ زریہ ـــــ!'' بیلشازار شراب کے پیالے کو ٹھوکر مارتا ہوا کھڑا ہو گیا۔''تم نے غلط کہا۔'' ہمارے جیتے جی وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ ہم اُسے عرفانِ تنہائی سے واپس لے آئیں گے۔''

یہ کہہ کر بڑے غصہ و جوش میں ہال سے نکل گیا۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک سکتا مگر سردار زریا شراب کا پیالہ پٹخ کر اُٹھا تو بیلشازار کی ایک جوان اور خوب صورت حرم بھی اُٹھی جو اُس کے ساتھ بیٹھی شراب پی رہی تھی اور ہاتھ پکڑ کر سرگوشی کے لہجے میں بولی۔

''تم کیوں جھگڑا مول لیتے ہو۔ وہ نہیں آئے گی۔ اگر تمہارا نشہ پورا نہیں ہوا تو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں بڑی نشہ آور شراب پلاؤں گی۔''

اور اُسے ساتھ لے کر ایک طرف ہو لی۔ ابھی تک اساگیلہ میں یہ خبر نہیں پہنچی تھی کہ کورش کی سپاہ بابل میں داخل ہو چکی ہے۔

بیلشازار جس کے پیچھے کوئی محافظ یا غلام نہیں تھا ہال سے نکل کر صنوبروں کے باغ میں آ گیا۔ اسی باغ سے ایک راستہ ایوانِ ماکلوب کی طرف جاتا تھا مگر جونہی اُس راستے پر قدم رکھا، ایک ایسے شخص کو سامنے کھڑا پایا جسے دیکھ کر نشہ ایک بار پھر ہرن ہو گیا اور بجلی ایسی سرعت سے ہاتھ تلوار کے دستے پر گیا کیونکہ جو شخص سامنے کھڑا تھا، تیغِ عریاں اُس کے ہاتھ میں تھی اور مہرتاب تھا وہ جو ٹھیک اُس وقت اساگیلہ میں داخل ہوا، جب اُسے اساگیلہ میں موجود ہونا چاہئے تھا۔ اُس نے تلوار نہیں اٹھائی، بات چلائی۔

''بیلشازار! میں نے سنا ہے تمہیں ایک بازو بند کی تلاش تھی جو تم نے شہزادی شمورہ کے کمرے میں دیکھ لیا پھر ریموت کو میری تلاش اور گرفتاری کا حکم دے دیا۔ تم میری جان کی قیمت اپنی بہن سے وصول کرنا چاہتے تھے اس لئے میں خود تمہارے سامنے آ گیا ہوں۔''

بیلشازار کو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ کیا کہے۔ تلوار میان سے نکال چکا مگر شاید اُس قیامت کو ٹالنا چاہتا تھا جس نے ناگہاں راستہ روک لیا تھا۔''مہرتاب! ہم شمورہ سے وعدہ کر چکے ہیں تمہیں بابل سے فرار ہونے کا ایک موقع دیں گے۔ اگر تم چاہو تو آج رات اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

''فرار ہونے والے دشمن کے قلعے میں داخل نہیں ہوتے۔'' مہرتاب نے اُسے یاد دلایا۔ ''اوماتا نے تمہیں خبر دی تھی کہ میرا تمہارا ایک مقابلہ اور ہوگا اور وہ مقابلہ عید بیلس کی رات ہوگا۔''

بیلشازار نے تلوار کو حرکت دی۔''مقابلہ کرنے آئے ہو تو خاتمہ جنگ تمہاری موت پر ہو گا۔''

مہرتاب ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔''آج رات ہم دونوں میں سے ایک کو مرنا ہے، مگر اس سے پہلے کہ میری تلوار اُٹھے اور تمہاری گردن گرے، یہ بھی سن لو کہ وہ میں ہی تھا جو فدیمہ کبی کو سُولی سے اُتار کر لے گیا۔ میں ہی چاہِ بابل کے حصار میں داخل ہوا۔ بنوسلان میری ہی تلوار کے گھاٹ اُترا، میں ہی عبرانی اسیروں کو زندانِ اجل سے نکال لایا اور ایک بات اور سنو، میں ہی کنواری دُخترِ بابل کا دُلہا ہوں، جیسا گوما نے کہا تھا۔''

ایک ایک کر کے سب باتیں سننے کے بعد بیلشازار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور آخری بات پر مشتعل ہو کر تلوار چلا دی۔ مہرتاب کی باتوں نے اُسے کچھ خوفزدہ کر دیا تھا۔ مگر اچانک خیال آیا زہرہ طلوع ہو چکا اور یہ اُس کے حق میں ایک نیک ساعت ہے۔ آج وہ اپنے رقیب اور حریف پر ضرور غالب آئے گا۔ اوماتا نے اُسے یہی خبر دی تھی مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ نیک ساعت اُس کے لئے نہیں کسی اور کے لئے طلوع ہوئی تھی۔

باغ میں کچھ یہودی غلام اور باغبان صنوبروں کی اوٹ سے ایک ایسی جنگ کا نظارہ کر رہے تھے جو ان دونوں میں سے کسی کی موت پر ختم ہونے والی تھی اور فرشتۂ اجل نے بیلشازار ہی کا انتخاب کر لیا۔

مہرتاب جانتا تھا، عیلامی اور گورگانی بہادروں کے ساتھ شاہ گوبارو قلعہ اساگیلہ میں داخل ہو چکا اور اس وقت بابِ ایشتار پر خون خرابہ ہو رہا ہے۔ وہ کلدانی محافظوں کو خون میں غسل دے کر سیدھا شاہی محل کی طرف آئے گا کیونکہ بیلشازار کو خود گرفتار یا ہلاک کرنا چاہتا ہے مگر مہرتاب اُس کی موت اپنے ہی نام لکھ چکا تھا۔ اُس کے بچے تُلے وار نے جو حریف کی گردن پر پڑا جنگ کا خاتمہ کر دیا اور جنگجو بیلشازار کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر آ گرا ـــــ مگر گرنے سے پہلے اُس نے ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا اور یہ دیکھا کہ شاہ گوبارو اپنے عیلامی اور گورگانی بہادروں کے ساتھ باغ میں داخل ہو رہا تھا ـــــ زمین پر گرنے اور مرنے کے بعد بھی اُس کی آنکھیں مارے خوف اور حیرت کے کھلی کی کھلی رہ گئیں جیسے اپنی مُردہ آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

گوبارو سیدھا مہرتاب کی طرف آیا مگر اس کے ساتھی اِدھر اُدھر بکھر گئے کیونکہ بیلشازار کے کچھ نیم مسلح محافظ تاریک باغ اور صحن میں آ گئے تھے۔ عیلامی اور گورگانی اُن کا خاتمہ کرنے کے لئے لپکے۔ ہر طرف ایک افراتفری مچ گئی۔

شاہی محل کی عورتیں اور مہمان یہ سن کر دم بخود رہ گئے کہ کورش کی سپاہ بابل میں، اساگیلہ میں، شاہی محل میں داخل ہو گئی اور بیلشازار قتل ہو چکا ہے۔ اس خبر نے چاروں طرف سراسیمگی پھیلا دی۔ وہ سردار، جرنیل، امراء اور اشراف جو شراب کے ساتھ شاہی خواتین اور کنیزوں کے حسین جلوؤں سے لطف اندوز ہو رہے تھے بدحواس ہو کر بھاگ نکلے اور متعدد ایرانی تلواروں کا لقمہ بنے۔ سردار نرقال گورگانیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ہلاک ہوا۔

شاہی محل میں شورِ قیامت برپا تھا۔ بیلشازار کی بیویاں، حرمیں، کنیزیں، ساقیہ لڑکیاں، رباب نواز دوشیزائیں چیختی چلاتی اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ اس ہنگامے میں سردار ریموت جس کے کندھے کا زخم اچھا ہو گیا تھا صحن کی طرف جانے کی بجائے نیم تاریک راستے پر چلتا کیونکہ غلاموں نے بہت سی شمعیں گل کر دی تھیں، صنوبروں کے باغ میں نکل آیا جہاں مہرتاب بیلشازار کی لاش کے پاس کھڑا شاہ گوبارو کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ ریموت نے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور درختوں کے سایوں میں چھپتا چھپاتا گھر کی طرف نکل گیا۔

شاہ بنونید کو بھی بیلشازار کے قتل اور ایرانیوں کے حملے کی خبر مل گئی تھی۔ وہ اپنے کمرے سے نکلا اور ایک بند رتھ میں بیٹھ کر دیوی ایشتار کے شہر اورک کی جانب فرار ہوا۔ اُدھر صنوبروں کے

باغ میں کھڑا مہرتاب عیلامی حکمران کو بتا رہا تھا۔

''جناب! ایوانِ ماکلوب کے ایک کمرے سے زیرِ زمین خزانے کو راستہ نکلتا ہے جہاں مال و دولت اور جواہرات کے انبار جمع ہیں۔ آپ کے شہر شوشان کا دیوتا شوشنیک ہی اس کمرے کی نگرانی کرتا ہے۔ اس کا منہ گھما دیا جائے تو سرنگ کا راستہ کھل جاتا ہے۔ وہاں کچھ زرہ پوش محافظ ہوں گے مگر گورگانی اور عیلامی بہادر اُن کا خاتمہ کر دیں گے۔''

گوبارو کی بوڑھی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ کلدانی سرداروں اور امیروں کو قتل یا اسیر کرنے کی بجائے اُس نے بابل کے خزانوں پر قبضہ کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔ ایک گورگانی سردار کو شاہی محل پر قبضہ کرنے کی ہدایت دے کر اور عیلامی بہادروں کا دستہ لے کر وہ ایوانِ ماکلوب کی طرف روانہ ہوا۔

مہرتاب نے شوشنیک دیوتا کے کمرے تک رہنمائی کی۔ شاہ گوبارو کو وہاں تک پہنچا کر خود پلٹا اور شہزادی شمورہ کے کمرۂ تنہائی کی طرف بھاگا۔ سمجھتا تھا شمورہ وہیں اس کا انتظار کر رہی ہو گی۔ مگر کمرۂ اعتکاف میں داخل ہوا تو شہزادی وہاں نہیں تھی۔ البتہ اکتانا ایک گوشے میں دُبکا نظر آیا۔ وہ مہرتاب کو دیکھتے ہی بھاگ کر اُس کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا اور ''حضور، سرکار، جنابِ عالی'' کی گردان کرنے لگا۔ مہرتاب نے بے چینی کے لہجے میں پوچھا ـــــ

''شہزادی کہاں ہے؟''

''حضورِ والا! شاہِ دوراں کمرۂ تنہائی میں آنے والا تھا۔ اس لئے شہزادی صاحبہ ''دیوتاؤں کے زندان'' میں چھپ گئی ہیں۔''

شاہی خزانے اور فلکیاتی عجائب گھر کی طرح ''دیوتاؤں کا زندان'' بھی زیرِ زمین واقع تھا۔ مہرتاب نے عجمی غلام کو اٹھایا۔ ''اکتانا! مجھے شمورہ کے پاس لے چل۔''

اکتانا نے مشعل اٹھائی اور ایوانِ ماکلوب کی لمبی چوڑی راہداریوں سے گزرتا ایک مہیب کمرہ سے ''دیوتاؤں کے زندان'' میں اُترا مگر مہرتاب بعد میں پہنچا اور شاہ گوبارو خزانوں پر قبضہ کر کے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے دیکھا ایک لڑکی چراغ کی روشنی میں دیوی ایشتار کے پاس اُداس اور مضمحل سی کھڑی ہے اور سمجھ گیا کہ وہی دُخترِ بنونید شمورہ ہے۔ مگر شمورہ نے شوشان کے حکمران گوبارو کو عیلامی بہادروں کے ساتھ اس طرح ''دیوتاؤں کے زندان'' میں داخل ہوتے دیکھا تو جان گئی کہ وہ خزانوں پر قبضہ کرنے کے لئے تہ خانوں میں آیا اور تہ خانوں

کے باہر بابل میں سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ کوئی عیلامی سپاہی یا خود گوبارو آگے بڑھتا، اُس نے بجلی کی طرح کمر بند سے خنجر[1] نکالا اور اپنے سینے میں گھونپ لیا ــــــــ!

یہ سب کچھ اتنی سرعت سے ہوا کہ کسی کو اُسے پکڑنے اور روکنے کا موقع نہ مل سکا۔ خنجر زنی کے ساتھ وہ تیورا کر اِشتار کے قریب گری اور اُس کا خون دیوی کے قدموں میں بہنے لگا۔

مہرتاب اکتانا کے ہمراہ اس وقت زندان میں داخل ہوا جب خون میں لت پت شمورہ آخری سانس لے رہی تھی۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر وہ چیختا ہوا بھاگا اور قریب بیٹھ کر اُس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ اُکھڑتے سانسوں کے درمیان بولی۔

''مہرتاب! تم نے کہا تھا جس رات آسمان پر عطارد اور زحل کا قران ہوگا وہ زمین پر ہمارے ملاپ کی رات ہوگی۔ مگر آج رات ہمارے جسم کو خون میں رنگا ہوا دیکھ رہے ہو کیونکہ تم نے آنے میں دیر کر دی۔''

''نہیں شمورہ! تم نے جانے میں جلدی کی۔''

گوبارو اُن کے قریب آ گیا اور بتانے لگا۔ ''لڑکی! اگر تو خنجر نہ گھونپ لیتی تو شاہوں کے شاہ کورش نے تجھے اپنی بیٹی بنانے اور مہرتاب کو سونپ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔''

لیکن شمورہ کو یہ اطلاع دیر سے ملی۔ اُس نے گوبارو کے الفاظ جان کنی کی حالت میں سنے اور دم توڑ دیا۔ مہرتاب کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر اس کے عارضوں پر پھیل گئے اور اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔

''بابل میں ولی عہد کمبوجیا، سردار دیدارنا، دارا گشتاسپ، بگاباز اور آریاسپ کے لشکر داخل ہو چکے اور شہر پر اپنا قبضہ مکمل کر چکے ہیں۔ جب مہرتاب پو پھٹے کاشانۂ زہرہ کی طرف بھاگا جا رہا تھا وہاں نورِ ناہید آموسی، راحتِ شب لیلیٰ، ہندوستانی رتھ بان شنکر اور عجمی غلام بابک کی چیخوں نے اُس کا استقبال کیا۔ کمرۂ خواب میں اُس نے ریشمی کفن میں لپٹی بیدخت زہرہ جمال کی لاش دیکھی۔ اُس کی غم زدہ پیاریاں یکساں لباس میں اپسراؤں کی طرح میت کے ارد گرد

[1] ہیرلڈ لیم نے لکھا ہے کہ دیوتاؤں کے قید خانے میں شہزادی شمورہ اور شاہ گوبارو کے درمیان کچھ باتیں بھی ہوئیں مگر شمورہ نے خود ہی اپنے سینے میں خنجر گھونپ لیا گویا اپنی گرفتاری پر موت کو ترجیح دی۔ (سائرس دی گریٹ)

جھرمٹ کیے بیٹھی تھیں اور وہ کفن میں بھی دنیا کی سب سے خوبصورت عورت نظر آ رہی تھی۔

مہرتاب گم صم لمحۂ ا اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ یہ دوسرا دھچکا اتنا شدید تھا کہ دل تھام کے رہ گیا اور محسوس کیا کہ بابل کی زمین اس کے پیروں تلے سے نکل گئی ہے۔

دانائے فرات نے کہا تھا ان دونوں کی سرشت بھی ایک اور خاک بھی ایک ہے۔ مگر اس رات گوما پراتو کے مندر سے باہر نہ آ سکا، اس کی لاش باہر آئی۔ اعتکاف کے دوران وہ شدید بیمار پڑ گیا اور پراتو کے کاہن بیماری کو چھپاتے رہے تھے مگر آدھی رات کے وقت اچانک اُس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔

دوسرے دن بیدخت کے ساتھ گوما کی میت بھی اٹھائی گئی لیکن ان کے جنازوں میں لوگوں کا ہجوم نہیں تھا۔ اُس دن اساگیلہ سے بھی سینکڑوں لاشیں اُٹھائی گئی تھیں۔

اختتامیہ

دیوتاؤں کے شہر بابل پر ایک ہی رات میں قبضہ کیا گیا۔ ایک ہی رات میں سب کچھ ہو گیا۔ ایرانی لشکر جو گوبارو کے پیچھے پیچھے برق رفتاری کے ساتھ ایمگور بیل میں داخل ہو گئے تھے شہر کے محلوں اور حلقوں میں تیزی سے پھیل گئے۔ خود گوبارو گورگانی اور عیلامی لشکر لے کر قلب شہر میں پہنچ گیا تھا مگر یونان کا فلسفی ارسطالیس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ اُونچی اُونچی دیواریں سدِ راہ ہونے کی وجہ سے شہر کے بعض علاقوں میں ایرانی فوج کے داخلے کی خبر تیسرے دن پہنچی۔

بابل کے بعض محلوں کے گرد بھی فصیلیں کھڑی تھیں مگر بعض علاقوں کی حملہ سے تین دن تک بے خبری شاید فلسفیانہ نکتہ طرازی ہے۔ کیونکہ حملہ اور موت کی خبر پَر لگا کر اُڑتی اور آناً فاناً پھیلتی ہے۔

رات ختم ہوتے ہی شاہ گوبارو نے پہلا اعلان جاری کیا کہ شاہوں کے شاہ کورش ہخامنشی کے حکم سے کوئی دروازہ بند نہ کیا جائے، کوئی شخص ہتھیار لے کر نہ چلے۔ جنگ ختم ہو گئی اور امن کا دور شروع ہو گیا ہے۔ یہ کورش ہخامنشی کا اعلان ہے کہ دروازے توڑے نہیں جائیں گے۔ گھروں میں لوٹ مار نہیں ہو گی۔ کسی کو لونڈی غلام نہیں بنایا جائے گا۔ سب لوگ معمول کے مطابق اپنے کام سرانجام دیں اور کاروبار کریں۔

یہ اعلان حیرت انگیز تھا۔ بابل میں مزاحمت ختم ہو گئی اور لوگ خوف کے مارے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے تھے مگر اعلان سن کر ڈرتے ڈرتے باہر آنے لگے تو نہ کسی کو روکا گیا، نہ کسی سے باز پرس ہوئی، نہ کوئی دروازہ توڑا گیا۔ ماہی گیر دریا میں جال ڈالنے لگے۔ کیونکہ فرات میں پانی پھر جاری ہو گیا تھا۔ آڑھتیے اور تاجر بھی دریائی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہیکلوں، معبدوں، مندروں، بازاروں اور منڈیوں میں ایک حرکت نظر آنے لگی مگر دربار

اساگیلہ کے وزیر، مشیر اور اعلیٰ حکام اپنے مکانوں میں دُبکے رہے۔

نہر اور جھیل کی طرف دریا کا رُخ موڑ دینے سے بابل کے شمالی حصے میں سیلاب آ گیا تھا۔ مگر جب نہر کا ناکا بند کر کے فرات میں پانی کی روانی بحال کر دی گئی تو سیلاب کا خطرہ دور ہو گیا۔

ماہِ تشرین کی 29 تاریخ کو کورش اپنے خاص رسالہ ''قشونِ جاودانی'' کے آگے آگے درفشِ کاویانی لہراتا شاہانہ لباس میں اپنے گھوڑے ''رخش'' پر سوار بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بابل میں نمودار ہوا۔ قبائلِ سہ گانہ کے مشہور سرداروں کے علاوہ مفتوحہ سلطنتوں کے حکمران بھی جواب اس کے دست و بازو سمجھے جاتے تھے کیونکہ وہ انصاف پسند تھا لشکر کے ہمراہ تھے۔ شاہ گوبارو اور ولی عہدِ سلطنت کمبوجیا نے ایرانی سرداروں کے ساتھ شاہوں کے شاہ کا استقبال کیا اور اساگیلہ کے سامنے ایرانی لشکروں نے اُسے سلامی دی۔

کورش نے اساگیلہ میں پہلا دربار منعقد کیا تو اہلِ شہر کو امن، زندگی اور زندگی کی سہولتیں مہیا کرنے کا اعلان کیا۔ دربار میں فرمان پڑھا گیا کہ مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں ہو گی۔ جس پر کاہنوں، پروہتوں، پجاریوں اور دینی اکابر کی طرف سے اُسے شاہِ ارض کا خطاب دیا گیا۔

مذہبی امور کا سربراہ زریہ، قومی مجلس کا رُکن سردار زریا اور محکمۂ خفیہ کا سردار ریموت جو زمین کی پیمائش کرنے کا ناظر بھی تھا، قیمتی تحائف اور نذرانے لے کر دربار میں حاضر ہوئے۔ کورش نے زریہ کے ساتھ گفتگو کی کہ مذہب کے نام پر بدکاری نہ ہو۔ سردار زریا نے اُسے بہت سے قیمتی مشورے دیئے اور تعاون کا یقین دلایا۔ ریموت نے شاہ بنونید کے خلاف ایک گیت لکھا تھا جو دربار میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اُس گیت میں شاہ بنونید کی بے شمار خرابیوں اور بدعنوانیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ بعدازاں یہ گیت بابل کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گایا گیا۔

دربار میں عبرانی سرداروں اور پیغمبروں کو عزت و احترام کا مقام دیا گیا جنھوں نے مہمِ بابل کے دوران پورا تعاون کیا اور بابل سے ظلم و استبداد کے خاتمے میں مدد دی تھی۔ عبرانیوں کی نمائندگی زرو بابل بن سیالتی ایل نے کی۔ اس کے ساتھ دانیال بزرگ، عزرا فقیہ، حجی اور ذکریا بھی دربار میں موجود تھے۔ جن کی خدمات کا اعتراف کیا گیا اور کورش نے حکم جاری کیا کہ یہودی آزاد ہیں اور انہیں یروشلم کی طرف جانے اور پامال شہر کو پھر سے تعمیر کرنے کی

اجازت ہے۔

اُس نے دوسری غلام قوموں کی آزادی کا بھی اعلان کیا اور اجازت دی کہ اگر وہ بابل میں رہنا چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ کورش ہخامنشی کے امن کا دور ہے۔

بنونید اورک میں گرفتار ہوا اور اگبتانہ (ہمدان) کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اُس نے اساگیلہ میں ایک لوح آویزاں کرائی تھی کہ اگبتانہ اور پارساگرد تک کورش کا پیچھا کرے گا۔

اس طرح بابل میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

کورش شہزادی شمورہ کے سانحۂ مرگ سے بڑا غمگین اور دل برداشتہ ہوگیا اور باغاتِ معلقہ میں نہیں جاتا تھا۔ بعد ازاں دُخترِ بخت نصر ماندانہ کو اُن باغات میں طلب کرلیا کیونکہ بوڑھی ماندانہ کی ماں کی طرح عزت کرتا تھا۔

فتحِ بابل کے بعد مہرتاب خود کو ہارا ہوا سا ہی محسوس کرتا رہا۔ ایک روز دانشور گوبارو نے ''کنواری دُخترِ بابل کے دُلہا'' کی ایک نئی تشریح بیان کی اور مہرتاب کو بتانے لگا۔۔۔۔۔

''یہ الفاظ تمہارے لئے نہیں کورش کے لئے تھے۔ ''دُخترِ بابل'' کی اصطلاح مملکتِ بابل کے لئے استعمال کی گئی اور ''کنواری'' کی تخصیص اس لئے رکھی کہ کلدانی دور میں کسی قوم نے اس پر تاخت نہیں کی تھی۔ ''دُلہا'' سے مراد کورش تھا جسے ارضِ بابل نے خوشی سے اپنا حکمران قبول کیا۔''

مہرتاب یہ تشریح سن کر بوڑھے گوبارو کو حیرت پاش نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ الہام و اسرار کی زبان سمجھتا ہو۔

(ختم شد)